عامِ فہم اُردو تفسیر

اَنوارُ البیَان

فی کشف اسرار القرآن

سَلیس اور عام فہم زبان میں اُردو کی سب سے پہلی مُفصّل اور جامع تفسیر، تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام، دلنشین انداز میں احکام و مسائل اور مواعظِ و نصائح کی تشریح، اسباب نُزول کا مُفصّل بیان، تفسیر و حدیث اور کتبِ فقہ کے حوالوں کیساتھ

محقق العصر حضرت مولانا مفتی محمد عاشقِ الٰہی مہاجر مدنی مدظلہ العالی

فی کشف اسرار القرآن

۷، ۸

جلد ۷-۸

اضافہ شدہ ایڈیشن

عام فہم اردو تفسیر

انوار البیان

فی کشف اسرار القرآن

سورۃ القصص تا سورۃ الحجرات

سلیس اور عام فہم زبان میں اردو کی سب سے پہلی مفصل اور جامع تفسیر، تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام، دلنشین انداز میں احکام و مسائل اور مواعظ و نصائح کی تشریح، اسباب نزول کا مفصل بیان، تفسیر و حدیث اور کتب فقہ کے حوالوں کیساتھ

محقق العصر
حضرۃ مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی قدس سرہٗ
مہاجر مدنی

ادارۂ تالیفات اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان، پاکستان فون: 540513

نام کتاب..............انوار البیان جلد ۷، ۸
نام مؤلف.............مولانا عاشق الٰہی مدنی رحمہ اللہ
باہتمام..............محمد اسحاق عفی عنہ
تاریخ اشاعت............محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
مطبع.............سلامت اقبال پریس ملتان

ملنے کے پتے

- ☆ ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان
- ☆ ادارہ اسلامیات انارکلی ، لاہور
- ☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ
- ☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
- ☆ یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
- ☆ دارالاشاعت اردو بازار کراچی
- ☆ صدیقی ٹرسٹ لسبیلہ چوک کراچی نمبر ۵

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اس کی اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔

تاہم چونکہ یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان موجود ہے۔

لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کردی جائے۔

نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔

(ادارہ)

عرض ناشر

تفسیر انوار البیان جلد ۷، ۸ جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس میں خصوصی طور پر اس کا اہتمام کیا گیا ہے کہ قرآن پاک کے متن میں ہی ترجمہ دیا گیا ہے اور عربی عبارات مثلاً روح المعانی اور قرطبی وغیرہ کا اُردو میں ترجمہ کر دیا گیا ہے اس سے استفادہ میں مزید آسانی ہوگی۔ مزید جلدیں بھی اسی طرح ان شاء اللہ آتی رہیں گی۔

افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے یہ جلد نئی ترتیب و تزئین کے ساتھ ایسے وقت منظر عام پر آ رہی ہے جبکہ حضرت مؤلف رحمہ اللہ اس دنیا سے رحلت فرما چکے ہیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ ان علمائے ربانیین میں سے تھے جن سے دین کی صحیح رہنمائی ملتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود آپ میں تعلّی تو کیا خودنمائی کا شائبہ تک بھی نہ تھا۔ اور اسی کی برکت ہے کہ آپ کی تصانیف مقبول عام ہیں۔

زندگی کے آخری دور کی تصنیف تفسیر انوار البیان (کامل نو جلد) جو آپ کی زندگی ہی میں ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے چھپ کر مقبول عام ہو چکی ہے جس کو آپ نے مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں رہ کر لکھا آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالرحمٰن کوثر بتلاتے ہیں کہ جب تفسیر کا کام ہو رہا تھا تو میں نے خواب میں اس طرح دیکھا کہ جیسے جیسے تفسیر کا کام مکمل ہوتا جا رہا ہے ویسے ویسے مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہو رہی ہے۔ آپ کی عربی، اردو تصانیف کی تعداد تقریباً سو ہے ایک پرانے بزرگ سے سنا ہے کہ مولانا کا جن دنوں دہلی میں قیام تھا تو مولانا کی بے سروسامانی کا یہ حال تھا کہ ائمہ مساجد (احباب) کے پاس جا کر ان کے پاس سے خشک روٹیوں

کے ٹکڑے اکٹھے کرلاتے اور پھر ان کو بھگو کر انہیں پر گزارہ کرتے ان حالات میں بھی استغناء برقرار رکھا اور کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا اور حضور ﷺ کے ارشاد الفقر فخری کا نمونہ بن کر دکھلایا۔

آپ نے اپنی زندگی کے آخری چھبیس برس مدینہ منورہ میں گزارے آپ کو جنت البقیع میں دفن ہونے کا بہت ہی شوق تھا اسی لئے آپ حجاز سے باہر نہیں جاتے تھے اور اپنی علالت کے بعد تو وہ اس میں بہت ہی احتیاط فرماتے تھے۔

آپ کا انتقال پُر ملال ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ کو ہوا روزہ کے ساتھ، قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے مسنون طریقہ پر سوئے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عالم راحت وامن میں چلے گئے۔ نماز تراویح کے بعد مسجد نبوی میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور آپ کی خواہش بھی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی کہ آپ کو جنت البقیع میں حضرت عثمان ذی النورین ؓ کے ساتھ ہی مدفن ملا رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

یا اللہ! اس ناکارہ کو بھی ایمان کے ساتھ جنت البقیع کا مدفن نصیب فرما، آمین۔

اللہ پاک حضرت مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے، اعلیٰ مقامات نصیب فرمائے، آمین ثم آمین۔

احقر محمد اسحٰق عفی عنہ

محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے

''ادارہ تالیفات اشرفیہ'' ملتان کیلئے دُعاء وتشکر

اور خصوصی اجازت کے کلماتِ مبارکہ

مسملاً و محمدًا و مصلیاً و مسلمًا

تفسیر انوار البیان جب احقر نے لکھنی شروع کی تھی بظاہر کوئی انتظام اس کے شائع ہونے کا نہ تھا بعض ناشرین سے اس کی اشاعت کیلئے درخواست کی تو عذر پیش کر دیا، احقر کی کوشش جاری رہی حتی کہ حافظ محمد اسحٰق صاحب دام مجدھم مالک ''ادارہ تالیفات اشرفیہ'' ملتان کی خدمت میں معروض پیش کر دیا، جس کی انہوں نے کتابت شروع کرا دی اور کتابت، تصحیح اور طباعت کے مراحل سے گزر کر جلد اول جلد ہی شائع ہو گئی جو ناظرین کے سامنے ہے، یہ حافظ صاحب موصوف کی مسلسل محنت اور جدو جہد کا نتیجہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ ان کی مساعی کو قبول فرمائے اور انہیں دنیا اور آخرت کی خیر نصیب فرمائے اور ان کے ادارہ کو بھی بھر پور ترقی عطا فرمائے۔

افریقہ کے بعض احباب نے تفسیر کی کتابت کیلئے بھر پور رقم عطا فرمائی ہے! (جو اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے) اللہ جل شانہٗ ان سے راضی ہو جائے اور ان کے اموال میں برکت عطا فرمائے اور انہیں اور ان کی اولاد کو اعمالِ صالحہ کی توفیق دے اور رزق حلال وسیع نصیب فرمائے، ان کے علاوہ اور جس کسی نے بھی اس تفسیر کی اشاعت میں دامے درمے قدمے کسی قسم کی شرکت فرمائی خصوصاً وہ احباب جنہوں نے اس کی تالیف میں میری مدد کی اور تسوید و تبییض کے مراحل سے گزارنے میں میرے معاون بنے اور مراجعت کتب میں میرا ساتھ دیا، میں سب کا شکر گزار ہوں اور سب کیلئے دُعاء گو ہوں اللہ جل شانہٗ ان سب کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے نوازے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

محتاج رحمت لا متناہی محمد عاشق الٰہی بلند شہری

عفا اللہ عنہٗ و عافاہ و جعل آخرتہ خیر امن اولاہ

اجمالی فہرست

فہرست عنوانات

فہرست عنوانات جلد ۸

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ قصص مکی ہے اور اسکی اٹھاسی آیات اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

طٰسٓمٓ ۞ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ

طٰسٓمٓ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کی بعض خبریں

بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۞ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا

حق کے ساتھ سناتے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔ بلاشبہ فرعون زمین میں چڑھ گیا تھا۔ اور اس نے زمین والوں کی

يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ

کئی قسمیں بنا رکھی تھیں۔ ان میں ایک جماعت کو کمزور کر رکھا تھا۔ انکے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور انکی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ بلاشبہ

الْمُفْسِدِيْنَ ۞ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً

وہ فساد کرنیوالوں میں سے تھا۔ اور ہم نے چاہا کہ جن لوگوں کو زمین میں کمزور کیا ہوا ہے ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنا دیں

وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۞ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا

اور انہیں وارث بنا دیں اور زمین میں انہیں حکومت دیدیں۔ اور فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکروں کو ان مستضعفین کی جانب سے

مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۞

وہ واقعہ دکھلائیں جس سے وہ اپنا بچاؤ کرتے تھے

فرعون کی سرکشی اور بنی اسرائیل پر مظالم کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں پھر فرمایا کہ آپ کو موسیٰ اور فرعون کی بعض خبروں کو حق کے ساتھ بالکل ٹھیک ٹھیک آپ کو سناتے ہیں آپ کے واسطہ سے یہ خبریں اہل ایمان کو پہنچیں گی اور وہ ان سے عبرت حاصل کریں گے۔

پھر فرمایا کہ فرعون ز... یعنی سرزمین مصر میں حکومت اور اقتدار کے اعتبار سے بڑھ چڑھ گیا تھا۔ اس نے وہاں کے رہنے والوں کو کئی جماعتوں میں تقسیم کر رکھا تھا انہیں جماعتوں میں سے ایک جماعت بنی اسرائیل کی تھی انکو اس نے ضعیف بنا رکھا تھا اور انکے ضعف اور مجبوری کا یہ عالم تھا کہ انکے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور انکی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا

تھا۔ اتنی مظلومیت ہوتے ہوئے بنی اسرائیل اف نہیں کر سکتے تھے سورۂ بقرہ کی تفسیر میں لکھا جا چکا ہے کہ نجومیوں نے فرعون کو خبر دی تھی کہ تیری حکومت کا زوال بنی اسرائیل کے ایک لڑکے کے ہاتھوں ہوگا۔ لہٰذا اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوتا تھا اسے ذبح کر دیتا تھا اور لڑکیوں سے کیونکہ کوئی خطرہ نہیں تھا اس لئے انہیں زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (بلاشبہ وہ فساد کرنیوالوں میں سے تھا) وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ (الآیتین) سارے بندے اللہ تعالیٰ ہی کے مخلوق ہیں۔ سب کی عزت اور ذلت، بلندی اور پستی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اس کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ جو لوگ سرزمین مصر میں ضعیف اور ذلیل بنائے ہوئے ہیں ان پر احسان فرمائے اور انہیں آنیوالی نسلوں کے لئے پیشوا بنا دے اور انہیں زمین میں حکومت بھی عطا فرمائے۔ اور فرعون اس کا وزیر ہامان اور ان دونوں کے لشکر والے جن خطرات کا ان ضعیف لوگوں کی طرف سے خوف رکھتے تھے وہ خطرات واقعہ بن کر ان کے سامنے آ جائیں چنانچہ فرعون اور اس کا لشکر غرق ہوئے اور ہلاکت اور زوالِ سلطنت کا جو انہیں اندیشہ تھا کہ بنی اسرائیل اس کا ذریعہ نہ بن جائیں، آخر وہ واقعہ کی صورت سامنے آ گیا اور بنی اسرائیل ذریعہ کو قتل کر کے جو اس کی پیش بندی کی تھی اس کا اُسے کچھ فائدہ نہ پہنچا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ

اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کے دل میں ڈالا کہ تم ان کو دودھ پلاؤ۔ پھر جب تمہیں اس کی جان کا خطرہ ہو تو اسے سمندر میں ڈال دینا

وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۷ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ

اور نہ ڈرنا نہ غم کرنا، بلاشبہ ہم اُسے تیری طرف واپس کر دیں گے، اور اسے پیغمبروں میں سے بنا دیں گے، سو اسے آلِ فرعون نے

لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝۸

اُٹھا لیا تا کہ انکے لئے دشمن بن جائے اور غم کا باعث بنے۔ بلاشبہ فرعون اور ہامان اور اس کا لشکر خطا کرنے والوں میں سے تھے

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا

اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ میرے اور تیرے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو، کچھ بعید نہیں کہ یہ ہمیں نفع پہنچا دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں۔

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِىْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ

اور ان کو خبر نہ تھی، اور موسیٰ کی ماں کا دل بیقرار ہو گیا قریب تھا کہ وہ اس کا حال ظاہر کر دیتی اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے

رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ

تا کہ وہ یقین کرنیوالوں میں سے رہے اور موسیٰ کی والدہ نے انکی بہن سے کہا کہ تو اسکے پیچھے، چلی جا۔ سو اس نے اسے دور سے

جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۱ ۙ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ

دیکھ لیا اور انہیں خبر بھی نہ ہوئی اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں پر بندش کر رکھی تھی۔ سو موسیٰ کی بہن بولی کیا میں تمہیں ایسے گھرانے کا

عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَيْنُهَا

پتہ بتادوں جو تمہارے لئے اس کی پرورش کریں اور وہ اسکے خیر خواہ بھی ہوں۔ سو ہم نے موسیٰ کو اسکی والدہ کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں

وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور غمگین نہ ہو اور تا کہ وہ اس بات کو جان لے کہ بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا صندوق میں رکھ کر انہیں سمندر میں ڈال دینا اور فرعون کے گھر والوں کا اُن کو اُٹھا لینا' پھر فرعون کے محل میں پرورش پانا

تفسیر : فرعون یہ سن کر کہ میری سلطنت کا زوال بنی اسرائیل کے لڑکے کے ہاتھ ہوگا اس کے توڑ میں لگ گیا اور اس کے نزدیک اس کا توڑ یہ تھا کہ بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہوا سے قتل کر دیا جائے چنانچہ اس کی حکومت کے جاسوس بنی اسرائیل کے رہنے کی جگہوں میں گھومتے پھرتے تھے اور بنی اسرائیل کے جس گھر میں کسی لڑکے کے پیدا ہونے کی خبر ملتی تھی اسے ماں باپ سے چھین کر لے جاتے تھے اور ذبح کر ڈالتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو انکی والدہ اپنے بچہ کی حفاظت کے بارے میں فکر مند ہوئیں اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے دل میں ڈالا کہ تم بچہ کو دودھ پلاتی رہو پھر جب تمہیں جاسوسوں کا خطرہ ہو تو اس بچہ کو تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دینا اور اسکی ہلاکت کا خوف نہ کرنا اور نہ اسکی جدائی سے رنجیدہ ہونا ہم اسے تمہاری طرف واپس لوٹا دیں گے اور یہی نہیں کہ تمہارے پاس واپس پہنچ کر وہ دوسرے انسانوں کی طرح ایک عام انسان ہوگا بلکہ ہم اسے رسالت کا مرتبہ دیں گے۔ اور اسے اپنے پیغمبروں میں سے بنا دیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین کر کے بچہ کو دریا میں ڈال دیا' دریا کے کنارے کنارے تابوت بہ کر جا رہا تھا۔ فرعون کے گھر والوں کی نظر پڑی تو اس کو منگا کر دیکھا اس میں ایک بچہ نکلا اور یہ بچہ بڑا پیارا معلوم ہوا۔ جو دیکھتا گود میں لینے کی کوشش کرتا۔ لیکن فرعون کو یہ کھٹک ہوئی کہ کہیں یہ بنی اسرائیل کا وہی لڑکا نہ ہو جس کے بارے میں نجومیوں نے بتایا ہے کہ وہ میری سلطنت کے زوال کا باعث ہوگا۔ لہٰذا اس نے قتل کرنے کا ارادہ کیا کہا جاتا ہے فرعون لاولد تھا۔ جب فرعون کی بیوی نے محسوس کیا کہ وہ اس بچہ کو قتل کرنے کے درپے ہے تو کہنے لگی کہ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو دیکھ کر جی خوش ہوا کرے گا اسے قتل نہ کرو ممکن ہے کہ بڑا ہو کر ہمیں فائدہ پہنچا دے یا ہم اس کو بیٹا ہی بنالیں گے۔ فرعون کی سمجھ میں بات آ گئی اور طے ہوا کہ اسکے لئے کوئی دودھ پلانیوالی اور پرورش کرنیوالی تلاش کی جائے۔ جتنی بھی دائیاں دودھ پلانیوالی عورتیں بلائی گئیں (بوتل سے دودھ پلانے کا رواج نہ تھا) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ پینا گوارا نہ کیا۔ اب تو بڑی مشکل پیش آئی اور فکر مند ہوئے کہ اس کی پرورش کس طرح ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے تو باز آ گئے اور اپنے مشوروں میں اپنی حکومت کے اعتبار سے چوک گئے انہیں پتہ نہ تھا کہ جس کی پرورش کے مشورے کر رہے ہیں یہی وہ بچہ ہے جس کے ہاتھوں ہماری سلطنت برباد ہوگی۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا

خَاطِئِیْنَ کی ایک تفسیر یہ ہے کہ وہ لوگ نافرمان تھے اس نافرمانی کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئے۔ وھذا الذی اختارہ فی الجلالین وھو الثواب عندی والجنود لادخل لھم فی تربیۃ موسیٰ علیہ السلام فیقال ان فرعون وھامان وجنودھما اضطئوا فی تربیتہ علیہ السلام. (اور یہی تفسیر ہے جو تفسیر جلالین میں مختار سمجھی گئی ہے اور میرے نزدیک یہی صحیح ہے کیونکہ فرعون کے لشکر کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت میں کوئی دخل نہیں تھا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ فرعون، ہامان اور ان کے لشکروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت میں غلطی کی ہے۔ اسی کو فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِئِیْنَ)

ادھر تو یہ ہوا اور ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل بیقرار ہو گیا۔ اور اتنا بے قرار ہوا کہ قریب تھا کہ اپنی بیقراری ظاہر کر دیں اور یہ بتا دیں کہ میرا بیٹا تھا میں نے ایسے ایسے تابوت میں ڈالا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو مضبوط رکھا اور ظاہر کرنے نہ دیا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا اس پر ان کا یقین پختہ رہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایک بات ڈالی کہ انہوں نے موسیٰ کی بہن کو حکم دیا کہ جاؤ اس کے پیچھے پیچھے چلی جاؤ۔ یعنی جدھر کو تابوت جائے ادھر ہی چلتی رہو اور یہ دیکھتی رہو کہ تابوت کہاں جاتا ہے وہ ان کے پیچھے پیچھے چلتی رہیں پھر دور سے دیکھ لیا کہ اسے آل فرعون نے اٹھا لیا ہے اور اس انداز سے پیچھے لگی رہیں کہ آل فرعون کو پتہ نہ چلے کہ یہ کون عورت ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ نے دیکھا کہ موسیٰ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے اور آل فرعون اس کے بارے میں پریشان ہو رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ کیا میں تمہیں ایسا خاندان نہ بتا دوں جو نہ صرف اسے دودھ پلائیں بلکہ اسکی پرورش میں انہیں کسی لالچ کی امید نہ ہو وہ اسکی پوری خیر خواہی کے ساتھ کفالت کر دیں۔ وہ لوگ پریشان تو ہو ہی رہے تھے کہنے لگے کہ بلاؤ وہ کون عورت ہے جس کا دودھ یہ بچہ قبول کر سکتا ہے۔ اس پر انہوں نے اپنی والدہ کا پتہ بتا دیا چنانچہ وہ بلائی گئیں جب موسیٰ علیہ السلام کو انکی گود میں دیا گیا تو فوراً ہی دودھ پینا شروع کر دیا آل فرعون نے کہا کہ اچھا تم اسے لے جاؤ دودھ پلاؤ اور پرورش کرو چنانچہ وہ انہیں لے گئیں دودھ پلاتی رہیں اور پرورش کرتی رہیں مفسرین نے لکھا ہے انہیں اس کا معاوضہ بھی ملتا رہا جو روزانہ ایک دینار تھا۔

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ (الآیۃ) سو ہم نے موسیٰ کو انکی والدہ کی طرف لوٹا دیا تاکہ انکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور بچہ کی جدائی سے غمگین نہ ہوں اور تاکہ اس بات کا اور زیادہ یقین کر لیں کہ اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کس کس طرح اپنے بندوں کے ساتھ رحم کا معاملہ فرماتا ہے۔ اور کس کس طرح ظالموں کو ان کی تدبیروں میں ناکام بناتا ہے۔

فائدہ: یہاں بعض مفسرین نے یہ سوال اٹھایا کہ اپنی اولاد کی پرورش کرنا تو فرض ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنے بچہ کی پرورش کرنے اور دودھ پلانے پر اجرت کیسے قبول فرمائی؟ لیکن قرآن مجید میں اجرت لینے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ اور اگر اجرت لی بھی ہو تو کافر ہی سے لی تھی اور حربی کا مال یوں بھی مباح ہے جبکہ وہ کسی دھوکہ دہی کے طریقہ پر نہ لیا جائے پھر جب دشمن کی خوشی سے معاملہ معاہدہ کر کے لے لیا تو اسکے جواز میں کوئی شبہ رہتا ہی نہیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾

اور جب موسیٰ اپنی بھری جوانی کو پہنچے اور پوری طرح درست ہو گئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا اور اچھا کام کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ

اور وہ ایسے وقت میں شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے لوگ غافل تھے سو اس میں دو مردوں کو پایا جو آپس میں سے تھا

هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ

سو جو شخص ان کی جماعت میں سے تھا اس نے ان سے اس شخص کے مقابلہ میں مدد طلب کی جو اُن کے دشمنوں میں سے تھا۔ سو موسیٰ نے اس کو گھونسا مار دیا۔

فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۖ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ

سو اس کا کام تمام کر دیا۔ موسیٰ نے کہا یہ شیطانی حرکت ہے بلاشبہ وہ دشمن ہے گمراہ کرنیوالا ہے واضح طور پر، موسیٰ نے کہا اے میرے

رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ

رب بلاشبہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ سو آپ میری مغفرت فرما دیجئے۔ سو اللہ نے ان کو بخش دیا۔ بلاشبہ وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب

اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ

اس سبب سے کہ آپ نے مجھ پر انعام فرمایا۔ سو میں ہرگز بھی مجرمین کو مدد کرنیوالا نہیں بنوں گا۔ پھر اگلے شہر میں موسیٰ کو صبح ہوئی خوف کی حالت میں

فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ۗ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّآ

کہ اچانک وہی شخص جس نے کل گزشتہ میں ان سے مدد طلب کی تھی پھر انسے مدد طلب کر رہا ہے۔ موسیٰ نے کہا بلاشبہ تو تو صریح گمراہ ہے۔ پھر جب

اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا

موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو پکڑیں جو اُن دونوں کا دشمن تھا تو وہ اسرائیلی شخص بول اُٹھا کہ اے موسیٰ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ مجھے قتل کر دو

قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ

جیسا کہ کل تم نے ایک شخص کو قتل کیا ہے بس تم یہی چاہتے ہو کہ زمین میں اپنا زور بتلاتے رہو

تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۖ قَالَ يٰمُوْسٰٓى

اور اصلاح کرنیوالوں میں سے نہیں ہونا چاہتے اور ایک شخص شہر کے دور والے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا کہ اے موسیٰ

اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا

بلاشبہ بات یہ ہے کہ اہل دربار آپ کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں۔ لہٰذا آپ نکل جائیے بلاشبہ میں آپ کی بھلائی چاہنے والوں میں سے ہوں۔ سو وہاں سے

خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۖ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾ ع

ڈرتے ہوئے انتظار کرتے ہوئے نکل گئے۔ کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھے ظالم قوم سے نجات دیجئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک شخص کا قتل ہو جانا پھر مصر چھوڑ کر مدین چلے جانا

تفسیر: ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر سے نکل جانے کا اور اس کے لئے ایک قبطی کے قتل کا بہانہ بن جانے کا ذکر ہے اور چونکہ مصر سے نکل کر مدین تشریف لے گئے تھے اور وہاں سے واپس ہو کر راستہ میں نبوت سے سرفراز کر دیئے گئے تھے اس لئے قتل قبطی کے قصہ سے پہلے یہ بیان فرمادیا کہ جب وہ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ گئے اور صحت اور تندرستی کے اعتبار سے خوب اچھی طرح مضبوط اور ٹھیک ہو گئے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا فرمادیا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے فہم سلیم اور عقل مستقیم مراد ہے جو مدین کو جانے سے پہلے انہیں عطا کر دی گئی تھی۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (اور ہم اسی طرح اچھے کام کرنیوالوں کا بدلہ دیا کرتے ہیں) حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دن کہیں شہر سے باہر تشریف لے گئے (ممکن ہے کہ اپنی والدہ کے پاس تشریف لے گئے ہوں جو بظاہر شہر سے دور کسی دیہات میں رہتی ہوں گی) پھر وہاں سے شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے جو عام طور سے لوگوں کے غفلت کا وقت تھا بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ دوپہر کا وقت جبکہ لوگ سو چکے تھے۔ جب شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں ایک آدمی انکی جماعت میں سے تھا یعنی اسرائیلی تھا اور دوسرا شخص انکے دشمنوں میں سے تھا یعنی فرعون کی قوم میں سے جنہیں قوم قبط کہا جاتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری والے شخص کو اپنا ایک آدمی نظر آ گیا اور آدمی بھی وہ جو خوب جوانی میں بھرا ہوا تھا اور قوت جسمانیہ کے اعتبار سے بالکل مضبوط اور پکا تھا۔ اس نے آپ سے مدد مانگی اور کہنے لگا کہ دیکھئے یہ شخص مجھ پر زیادتی کر رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ایک گھونسہ مار دیا جس سے اس کا کام تمام ہو گیا یعنی اس کا دم نکل گیا اور جان جاتی رہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقصود اس کو جان سے مارنا نہ تھا تادیباً ایک گھونسہ مارا تھا لیکن ایک ہی گھونسہ اسکی موت کا بہانہ بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑی پشیمانی ہوئی کہ ایک شخص کا قتل ہو گیا لہٰذا انہوں نے اول تو یوں کہا کہ یہ ایک شیطانی حرکت ہو گئی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اس کا کام گمراہ کرنا ہے بنی آدم سے ایسی حرکتیں کراتا رہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہوتی ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا لہٰذا میری مغفرت فرمائیے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمادی۔ اہل خیر اور اہل اصلاح کا یہ طریقہ ہے کہ بلا ارادہ بھی اگر ان سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جائے جو گناہ کی فہرست میں آ سکتا ہو تو اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں۔ اور قتل خطا میں تو دیت بھی لازمی ہوتی ہے لیکن چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کافر حربی کو قتل کیا تھا اور اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی شریعت بھی جاری نہیں تھی اس لئے دیت کا سوال پیدا نہیں ہوا۔ لیکن قتل نفس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور مغفرت کی درخواست پیش کر دی اور اللہ تعالیٰ نے انکی مغفرت فرمادی اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں مزید عرض کیا کہ اے میرے رب مجھ پر آپ کے بڑے بڑے

انعامات ہیں۔ ان کا تقاضا یہ ہے کہ میں مجرمین کا مددگار نہ بنوں لہٰذا میں کبھی ان کی مدد نہ کروں گا جو گناہ کرنیوالے اور گناہ کروانے والے ہوتے ہیں۔ دونوں قسم کے مجرموں سے دور رہنے اور ان کا معاون نہ بننے کا بارگاہ خداوندی میں عہد کیا شیطان چونکہ گناہ کراتا ہے لہٰذا اس بیزاری کے عموم میں وہ بھی آ گیا اس میں یہ بات بھی داخل ہو گئی ہے کہ شیطان کے کہنے پر عمل نہ کروں گا کیونکہ اسکی بات ماننے میں اسکی مدد ہوتی ہے اور یہ عہد بھی ہو گیا کہ ہمیشہ احتیاط سے کام لوں گا۔

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس طرح ہر گناہ گناہ ہے اسی طرح گناہ کی مدد کرنا بھی گناہ ہے عام طور سے لوگ اس سے غافل ہیں گناہگاروں کے ساتھ جاتے ہیں ان کی مدد کرتے ہیں' رشوت دلانے کے ایجنٹ بنتے ہیں بنکوں میں اور انشورنس کمپنیوں میں نوکریاں کرتے ہیں شراب بیچنے والی دکانوں میں ملازم ہو جاتے ہیں امیروں' وزیروں اور چھوٹے بڑے حاکموں کے مظالم میں ان کا ساتھ دیتے ہیں یہ سب گناہ ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تجھے بیوقوفوں کی امارت سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں فرمایا' میرے بعد ایسے امراء ہوں گے کہ جو شخص ان کے پاس گیا اور ان کے جھوٹ کو سچا بتایا اور ظلم پر انکی مدد کی تو وہ شخص مجھ سے نہیں اور ایسے اشخاص سے میرا تعلق نہیں' اور وہ ہرگز میرے پاس حوض پر نہ پہنچیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۲ از ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی ظالم کیساتھ چلا تا کہ اس کو قوت پہنچائے اور وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے تو یہ شخص اسلام سے نکل گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۶ عن البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ٹیکس وصول کرنیوالا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۳۲۲) ہر وہ ملازمت حرام ہے جس میں گناہ کیا جاتا ہو' ظلم کیا جاتا ہو' ظالم کی مدد کی جاتی ہو کیونکہ گناہ کرنا' اور گناہ کی مدد کرنا دونوں حرام ہیں اسی لئے گناہ کی اجرت اور گناہ پر مدد کرنیکی اجرت بھی حرام ہے جو لوگ حکومتوں کے محکموں میں یا دوسرے اداروں اور فرموں میں اور کمپنیوں میں لگے ہوئے ہیں وہ اپنے بارے میں غور کر لیں کہ وہ کس طرز پر چل رہے ہیں اور وہ خود اپنی جان کیلئے وبال تو نہیں بن رہے ہیں؟

قرآن مجید میں اسکی تصریح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو قتل ہو گیا تھا اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کر لی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا اس کے بعد جب ان سے قیامت کے دن سفارش کرنے کے لئے عرض کیا جائے گا تو وہ اپنے اس قتل والے واقعہ کو یاد کر کے شفاعت کرنے سے یہ فرما کر عذر کر دیں گے قَتَلْتُ نَفْسًا لَّمْ اُوْمَرْ بِقَتْلِهَا کہ میں نے ایک جان کو قتل کر دیا تھا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا جن کے بلند مراتب ہیں انکی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔

آج یہ واقعہ ہوا کہ ایک قبطی کو تادیباً گھونسہ مارا تو وہ مر ہی گیا اب اگلے دن یہ ہوا کہ جب صبح ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام شہر میں نکلے' لیکن ساتھ ہی خوف زدہ بھی تھے کہ دشمنوں کو واقعہ قتل کا پتہ نہ چل گیا ہو اور اس کا بھی انتظار تھا کہ فرعونی حکومت اور اس کے کارندے کہیں قبطی کے قتل کرنے کی وجہ سے میرے قتل کے درپے نہ ہوں اسی خوف اور غور و فکر میں تھے کہ اچانک وہی اسرائیلی شخص نظر آ گیا جس نے گزشتہ کل ایک قبطی کے مقابلے میں مدد طلب کی تھی۔ آج بھی ایک

آدمی سے اس کی لڑائی ہورہی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو مدد طلب کرنے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اول تو اسکو تنبیہ فرمائی کہ تو کل بھی لڑ رہا تھا اور آج بھی لڑ رہا ہے، تو تو صریح طور پر بے راہ آدمی ہے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام قبطی کی طرف متوجہ ہوئے جس سے اسرائیلی کی لڑائی ہورہی تھی قبطی پورے بنی اسرائیل کے دشمن تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا اسے پکڑیں ابھی ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اسرائیلی نے یہ سمجھا کہ جب مجھے بے راہ بتارہے ہیں تو مجھ ہی کو مارنے کے لئے ہاتھ بڑھارہے ہیں مشہور ہے کہ نادان دوست سمجھدار دشمن سے بھی زیادہ تکلیف دیتا ہے، اسرائیلی نے کہا کہ اے موسیٰ کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کہ کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو بس تمہارا یہی کام رہ گیا ہے کہ زمین میں اپنی زور آوری دکھایا کرو اور تم اصلاح کرنیوالوں میں ہونا نہیں چاہتے۔ بعض مفسرین نے یہاں پر یہ نکتہ بیان کیا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چونکہ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ کے ساتھ ان شاء اللہ نہیں کہا اس لئے اگلے ہی دن پھر اسی میں مبتلا ہو گئے جس میں کل ابتلا ہوا تھا اور جبکہ ایک اسرائیلی کی زبان سے یہ بات نکل گئی کہ کل تم ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو تو اس شخص کے قاتل کا پتہ چل گیا جو کل مقتول ہو گیا تھا۔ اس بات کو فرعون کی قوم کے آدمی نے بھی سن لیا اور فرعون کے درباریوں کو قاتل کا علم ہو گیا لہٰذا فرعون نے اور اس کے درباریوں نے باہمی مشورہ کیا کہ موسیٰ کو قتل کر دینا چاہئے اور گو کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کروائی تھی۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور طریق سے اسے اس بات کا خطرہ لگا رہتا تھا کہ یہ وہی شخص تو نہیں جس کے ذریعہ میری حکومت برباد ہوگی؟

جب موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا مشورہ ہو گیا تو ایک شخص کو اس مشورے کا پتہ چل گیا (ممکن ہے یہ شخص فرعون کے درباریوں میں سے ہو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے محبت اور عقیدت رکھتا ہو) یہ شخص دوڑتا ہوا شہر کے دور والے کنارہ سے آیا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تمہارے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں تم یہاں سے چلے جاؤ اور یہ میں آپ کی خیر خواہی کی بات کر رہا ہوں۔ اس شخص کی بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام ڈرتے ہوئے اور دشمن کا گرفت کا خطرہ دل میں لئے ہوئے وہاں سے تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار مجھے ظالموں سے نجات دید یجئے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا

اور جب موسیٰ نے مدین کی طرف توجہ کی تو یوں کہا کہ اُمید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا راستہ چلا دے گا۔ اور جب

وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۫ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ

مدین کے پانی پر پہنچے تو وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو دیکھا جو پانی پلا رہے تھے اور وہاں دو عورتوں کو دیکھا جو اُن لوگوں سے روک رہی تھیں موسیٰ نے پوچھا تم دونوں کا

تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾

کیا حال ہے؟ وہ دونوں کہنے لگیں کہ ہم اسوقت تک پانی نہیں پلاتے جب تک کہ چرواہے واپس نہ لے جائیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں،

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾

سو موسیٰ نے ان کے لئے پانی پلادیا، پھر سایہ کی طرف ہٹ گئے، پھر یوں کہا کہ اے میرے رب آپ جو کچھ خیر میرے لئے نازل فرمائیں میں اس کا محتاج ہوں۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِىْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِىْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ

سو ان دو عورتوں میں سے ایک عورت موسیٰ کے پاس آئی جو چلتے ہوئے شرما رہی تھی اس نے کہا کہ بلاشبہ میرے والد تم کو بلا رہے ہیں تا کہ تمہیں اس کا صلہ دیں جو تم نے ہمارے لئے

لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٚ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ

پانی پلایا، پس جب موسیٰ انکے پاس آئے اور انکو واقعات سنائے تو اُنہوں نے کہا کہ خوف نہ کرو تم ظالم قوم سے نجات

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ؗ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِىُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾

پا گئے ہو، ان دونوں عورتوں میں سے ایک کہنے لگی کہ ابا جی آپ اس شخص کو مزدوری پر رکھ لیجئے بیشک جس کسی کو آپ مزدوری پر رکھیں ان میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قوی ہو امانت دار ہو۔

قَالَ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَىَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِىْ ثَمٰنِىَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ

شیخ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم سے اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کا نکاح کردوں اس شرط پر کہ تم میرے پاس آٹھ سال نوکری کے طور پر عمل کرو۔ سو اگر

اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِىْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ

تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے ہو گا اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تم پر مشقت ڈالوں، ان شاء اللہ تم مجھے

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِىْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَىَّ ؕ وَاللّٰهُ

صالحین میں سے پاؤ گے، موسیٰ نے کہا یہ معاملہ ہے میرے اور آپ کے درمیان، میں دونوں مدتوں میں سے جونسی مدت پوری کردوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی اور

عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾

جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اللہ اس پر وکیل ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا مدین پہنچنا وہاں دو لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلانا پھر ان میں سے ایک لڑکی سے شادی ہونا

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب ایک شخص نے رائے دی کہ دربار والے تمہارے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں تم یہاں سے نکل جاؤ تو وہ سرزمین مصر سے روانہ ہو گئے اور مدین کی طرف چل دیئے جو ملک شام کا ایک شہر ہے۔ یہ علاقہ فرعونی حکومت میں شامل نہیں تھا۔ اور وہ زمانہ پاسپورٹ اور ویزے کا بھی نہیں تھا جو شخص جس ملک میں اور جس شہر میں چاہتا جا سکتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کا رخ کیا وہاں کبھی تشریف نہیں لے گئے تھے راستہ معلوم نہیں تھا اللہ

تعالیٰ سے خیر کی امید باندھ کر نکل کھڑے ہوئے اور یوں کہا کہ عَسٰی رَبِّیٓ اَنْ یَّھْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ (امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا راستہ بتادے گا) موسیٰ علیہ السلام تنہا تھے کوئی رہبر نہ تھا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اور اللہ کی مدد سے سیدھی راہ پر چل کر مدین پہنچنے کی امید باندھ کر روانہ ہو گئے بالآخر صحیح سلامت مدین پہنچ گئے۔ پہنچ تو گئے لیکن وہاں کبھی نہ جانا ہوا تھا نہ کسی سے شناسائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے سوا کوئی ظاہری اور مجازی مدد سامنے نہ تھی جب مدین پہنچے تو ایک کنوئیں پر گزر ہوا وہاں دیکھا کہ ایک بڑی جماعت ہے بھیڑ بھاڑ ہے بکریاں چرانے والے اپنی اپنی بکریاں لے کر آئے ہیں۔ اور انہیں پانی پلا رہے ہیں اور یہ بھی دیکھا کہ دو عورتیں اپنی بکریاں لئے کھڑی ہیں وہ اپنی بکریوں کو روک رہی ہیں تاکہ دوسروں کی بکریوں میں رل مل نہ جائیں اور دوسروں کا کھینچا ہوا پانی نہ پی لیں ورنہ پانی کھینچنے والے ان بکریوں کو مار بھگائیں گے جو ان کی اپنی نہیں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں سے کہا کہ تمہارا کیا حال ہے' الگ کھڑے ہونے کا مقصد کیا ہے ان دونوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ جو پانی پلا رہے ہیں' مرد ہیں ہم ان کے ساتھ کنوئیں میں ڈول ڈال کر اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتے' لہٰذا ہم یہ کرتے ہیں کہ جب چرواہے اپنے اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر واپس لے جاتے ہیں تو ہم اپنی بکریوں کو پانی پلاتے ہیں ایک تو عورت ذات مردوں کی بھیڑ میں ڈول نہیں کھینچ سکتی' دوسرے مردوں کے اختلاط سے بھی بچنا ہے چونکہ یہ ایک اشکال ہوتا تھا کہ بکریوں کو پانی پلانا تم دونوں کے ذمہ کیوں پڑا؟ کیا تمہارے گھر میں کوئی مرد نہیں ہے اس لئے اس کا جواب بھی انہوں نے دیدیا وَاَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ کہہ کر بتا دیا کہ ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں' وہ پانی پلانے کیلئے نہیں آسکتے اور اتنا کہنے کے بعد جو خاموشی اختیار کر لی اسی خاموشی میں یہ بھی بتا دیا کہ نہ ہمارے شوہر ہیں اور نہ بھائی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ترس آ گیا اور جلدی سے آگے بڑھ کر انکی بکریوں کو پانی پلا دیا اور پانی پلانے کے بعد کنوئیں سے ہٹ کر سایہ میں چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں متوجہ ہو کر عرض کیا رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (اے میرے رب جو خیر آپ میرے لئے نازل فرمائیں میں اس کا محتاج ہوں حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مومنین صالحین کا یہی طریقہ رہا ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور ہر مشکل میں اور ہر بے بسی میں اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں)

لفظ مِنْ خَیْرٍ میں جو نکرہ ہے اس کی عموم میں سب کچھ آ گیا۔ بھوک دور کرنے کا انتظام بھی کچھ غذا بھی اور امن وامان بھی' نیز رہنے کا ٹھکانہ بھی' مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے روانہ ہو کر مدین پہنچے' پورے سفر میں سبزیوں کے پتے کھاتے رہے بھوک کی وجہ سے پیٹ کمر سے لگ گیا تھا بھوکے بھی تھے' دبلا پن بھی ظاہر ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے جو خیر کا سوال کیا اس میں خاص طور سے کھانے والی چیز کا سوال بھی تھا۔

دونوں عورتیں آج اپنی بکریوں کو لے کر خلاف عادت جلدی گھر پہنچیں تو انکے والد نے کہا کہ کیا بات ہے کہ آج تم جلدی آ گئیں' انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے ہماری بکریوں کو پانی پلا دیا ہے اور ساتھ ہی اس شخص کی اچھی صفات بھی بیان کر دیں۔ ان دونوں عورتوں کے والد نے کہا کہ اچھا جاؤ اس شخص کو بلا لاؤ۔ چنانچہ ان دونوں میں سے ایک عورت آئی جو شرماتی ہوئی چل رہی تھی۔ روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس نے اپنے چہرہ پر کپڑا ڈال رکھا تھا اس نے کہا کہ یقین جانئے

کہ میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ کو پانی پلانے کا صلہ دیدیں۔

روح المعانی میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ لیکن انہوں نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا کہ وہ شرماتی ہوئی آ رہی ہے اور خود بھی شرمیلے تھے اور حیا و شرم تمام نبیوں کا شعار تھا لہٰذا اس عورت سے کہا کہ تو میرے پیچھے پیچھے چل اور مجھے راستہ بتاتی رہنا۔ دائیں بائیں جدھر کو مڑنا ہو بتا دینا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی گوارہ نہ کیا کہ پردہ دار عورت کے پیچھے چلیں جو اچھی طرح کپڑوں کو ڈھانکی ہوئی تھی۔ اسی طرح چلتے ہوئے اس لڑکی کے والد کے پاس پہنچے۔ جب انکے پاس پہنچ گئے تو اپنا واقعہ بتایا۔ اُنہوں نے قصہ سنکر تسلی دی اور کہا کہ آپ خوفزدہ نہ ہوں آپ ظالم قوم سے نجات پا چکے ہیں جن لوگوں نے آپ کے قتل کا مشورہ کیا ہے انکی دسترس سے نکل چکے ہیں اس ملک میں ان لوگوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک عورت نے کہا کہ ابا جان اس شخص کو آپ ملازمت پر رکھ لیجئے۔ یہ بکریاں بھی چرائیں گے اور دوسری خدمات بھی انجام دیں گے۔ میرے نزدیک یہ شخص قوی بھی ہے امین بھی ہے اور ملازم رکھنے کے لئے وہی شخص بہتر ہے جو قوی ہو اور امین بھی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوی ہونا اُنکی بھری ہوئی جوانی سے ظاہر تھا اور پانی پلاتے وقت جو اُن کا عمل دیکھا تھا اس سے بھی انکی قوت و طاقت کا مظاہرہ ہو چکا تھا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب ان دونوں عورتوں نے یوں کہا کہ ہم اس وقت تک پانی نہیں پلا سکتے جب تک چرواہے اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر واپس نہ لے جائیں تو موسیٰ علیہ السلام نے دریافت فرمایا' کیا اس کنویں کے علاوہ کہیں اور بھی پانی ہے؟ اس پر ان دونوں عورتوں نے کہا کہ ہاں قریب میں ایک کنواں اور ہے اس کے منہ پر ایک بھاری پتھر رکھا ہوا ہے اسے چند آدمی بھی ملکر نہیں اُٹھا سکتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بتاؤ وہ کہاں ہے وہ دونوں انہیں اس کنویں میں لے گئیں حضرت موسیٰ نے ایک ہی ہاتھ سے اس پتھر کو ہٹا دیا پھر انکی بکریوں کو پانی پلا کر پتھر کو اسی طرح کنویں کے منہ پر رکھ دیا جس طرح پہلے رکھا تھا۔ (روح المعانی ص ۶۳ ج ۲) اور موسیٰ علیہ السلام کا امین ہونا اس سے ظاہر ہوا کہ اُنہوں نے اپنی نظر تک کو خیانت سے بچایا اور یہاں تک کہ احتیاط کی کہ عورت کو اپنے پیچھے چلنے کے لئے فرمایا اور خود آگے آگے چلے۔ شیخ مدین نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے تمہارے ساتھ ایک کا نکاح کر دوں' بشرطیکہ تم میرے پاس بطور اجیر آٹھ سال کام کرو۔ میری طرف سے تو آٹھ سال ہی مطالبہ رہے گا اور اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے بطور تفضل اور مہربانی کے ہوگا یعنی تمہاری طرف سے ایک احسان ہوگا۔ میں تمہیں تکلیف میں ڈالنا نہیں چاہتا' نہ دس سال پورے کرنے کے لئے کہوں گا اور نہ کاموں میں دارو گیر کرونگا۔

(قال فی الروح بالزام إتمام العشر والمناقشة فی مراعاة الاوقات واستیفاء الاعمال) ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ (کہ ان شاء اللہ تم مجھے اچھے لوگوں میں پاؤ گے) حسن معاملہ اور برتاؤ میں نرمی اور وفائے عہد میں تم مجھے اچھا پاؤ گے اور میری طرف سے کوئی دکھ تکلیف اور کدورت والی کوئی بات محسوس نہ کرو گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شیخ مدین کی پیش کش پسند آ گئی اللہ تعالیٰ سے جو خیر کی دُعا کی تھی اُسکی قبولیت سامنے آ گئی' نکاح کا بھی انتظام ہو گیا اور کھانے پینے کا بھی نیز رہنے کا ٹھکانہ بھی مل گیا' لہٰذا شیخ مدین کے جواب میں فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے یہ میرا اور آپ کا معاملہ اور معاہدہ ہو گیا' آپ بھی اپنی بات پر قائم رہیں اور میں بھی اس معاملے کے مطابق عمل کرتا

رہوں گا۔آپ نے آٹھ یا دس سال کے لئے مجھ سے خدمت لینے کا معاملہ کیا ہے۔ دونوں مدتوں میں جو بھی پورا کرلوں، مجھے اختیار ہے اگر آٹھ سال کے بعد میں نے کام چھوڑ دیا تو آپ کی طرف سے مجھ پر زیادہ طاقت دینے کے لئے زیادتی نہ ہوگی۔ آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یوں کہا کہ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ (اللہ اس پر وکیل ہے جو ہم کہہ رہے ہیں) وکیل کا ترجمہ کسی نے نگران کا کیا ہے کسی نے گواہ کا کیا ہے اور کسی نے معنی معروف کا مراد لیا ہے۔ وَهُوَ الَّذِیْ وَكِّلَ اِلَیْهِ الْاَمْرُ یہ سارے معانی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ وکیل بمعنی گواہ مراد لینے سے یہ مطلب ہوگا کہ ہم نے جو کچھ آپس میں معاہدہ و معاملہ کیا ہے ہم اس بارے میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتے ہیں کسی بھی فریق کو اپنے عہد کی مخالفت کرنے کی گنجائش نہ ہوگی۔ حضرت عتبہ بن ندر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے۔ آپ نے سورہ طٰسٓمّٓ پڑھی۔ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصے تک پہنچ گئے (اور) فرمایا بلاشبہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شرمگاہ کو پاک رکھنے کی اور اپنے پیٹ کی روزی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کو آٹھ سال یا دس سال مزدوری کی کام میں لگایا۔ (رواہ احمد ابن ماجہ ص ۱۶۷) مفسر ابن کثیرؒ نے متعدد روایات نقل کی ہیں جن میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پورے دس سال شیخ مدین کے پاس گزارے اور انکی بکریاں چرائیں۔ (ابن کثیر ص ۳۸۶ ج ۳)

شرح مواہب لدنیہ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حاضر خدمت ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے اور علی کے پاس صرف ایک مینڈھے کی کھال ہے جس پر ہم رات کو سوتے ہیں اور دن کو اس پر اونٹ کو چارہ کھلاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے میری بیٹی! صبر کر! کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے دس برس تک اپنی بیوی کے ساتھ قیام کیا اور دونوں کے پاس صرف ایک عبا تھی (اسی کو اوڑھتے اور اسی کو بچھاتے تھے) اگر یہ روایت صحیح السند ہو تو پھر دس سال پورے کرنا متعین ہو جاتا ہے اور اس صورت میں حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو دس سال یا آٹھ سال کے الفاظ شک کے ساتھ ہیں اس شک کو راوی کے شک پر محمول کیا جائیگا۔ [۱]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا کہ جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا، کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں چند قیراط کے عوض میں نے بھی اہل مکہ کی بکریاں چرائی ہیں۔ (رواہ البخاری ص ۳۰۱)

مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ایک قیراط ایک درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ بکری ضعیف جنس ہے ادھر اُدھر بھاگ جاتی ہے اُسے مارا جائے تو ٹانگ ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے لہٰذا بکری چرانے والے کو شفقت اور صبر ہی سے کام لینا پڑتا ہے۔ حضرات انبیاء کرامؑ نے پہلے بکریاں چرائیں، مزاج میں صبر اور تحمل کی شان پیدا ہوئی پھر ان کو نبوتیں عطا کی گئیں تاکہ مخالفین سے پیش آنیوالی مصیبتوں پر صبر کرسکیں اور تحمل اور برداشت سے کام لیں۔

---

[۱] صحیح بخاری ص ۳۶۹ میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے کونسی مدت پوری کی، اُنہوں نے جواب میں فرمایا کہ دونوں میں جو اکثر اور اطیب تھی وہی پوری کی (یعنی دس سال شیخ مدین کی خدمت میں رہے) اللہ کے رسولوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب کوئی بات کہتے تھے تو اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ ولفظه قضی اکثرهما واطیبهما ان رسول الله اذا قال فعل (باب من امر بانجاز الوعد) (اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے زیادہ اور بہتر مدت کو پورا کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا رسول جب کوئی بات کہتا ہے تو کر کے دکھاتا ہے)

فوائد

فائدہ اولیٰ: قرآن مجید میں اسکی تصریح نہیں ہے کہ ان دونوں عورتوں کے والد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی معاوضہ دیا یا کھانا کھلایا البتہ روح المعانی (ص ۶۵ ج ۲) میں ابن عساکر سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب وہاں پہنچے تو شیخ رات کے کھانے کے لئے بیٹھے تھے اُنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آؤ کھانا کھاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ میرے پانی پلانے کا عوض بھی نہیں دے سکتے جس سے پوری زمین بھر جائے، شیخ نے کہا کہ یہ اُجرت نہیں ہے۔ میرے اور میرے باپ دادوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ ہم مہمان نوازی کرتے ہیں اور کھانا کھلاتے ہیں، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھالیا۔

فائدہ ثانیہ: یہ شیخ مدین کون تھے جن کے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قیام فرمایا؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے مفسر ابن کثیرؒ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا یہ قول نقل کیا ہے لیکن بہت سے علماء نے فرمایا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے بہت پہلے گزر چکے تھے ان لوگوں کا استدلال سورۂ ہود کی آیت وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنكُم بِبَعِيدٍ سے ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ لوط کی قوم زمانے کے اعتبار سے تم سے دور نہیں ہے اور یہ معلوم ہے کہ لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان چار سو سال کا فصل تھا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے خسر شعیب علیہ السلام کیسے ہو سکتے ہیں؟ بعض لوگوں نے اس اشکال کو یوں رَفع کیا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی عمر اتنی زیادہ دراز ہوئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا زمانہ پالیا۔ لیکن اسکی کوئی سند نہیں ہے (ابن کثیر)

صاحب روح المعانی نے حضرت ابوعبیدہ سے نقل کیا ہے کہ جو صاحب موسیٰ علیہ السلام کے خسر تھے اُن کا نام اثرون تھا اور یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور بعض حضرات نے اُن کا نام ہارون اور بعض حضرات نے مروان اور بعض حضرات نے (عاوید) بتایا ہے اور ان سب کو حضرت شعیب علیہ السلام کا بھتیجا ظاہر کیا ہے۔ مفسر ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جس صاحب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بطور اجیر اپنے یہاں رکھا تھا انکا نام یثرب تھا۔ اسی بارے میں بعض دیگر اقوال بھی ہیں۔ صاحب روح المعانی اور علامہ قرطبیؒ کا رجحان اسی طرف ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر شعیب علیہ السلام ہی تھے لیکن مفسر ابن کثیرؒ نے ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ اِنَّ ھٰذَا لا یدرک الا بخبرٍ ولا خبر تجب بہ الحجۃ فِیْ ذٰلِکَ یعنی کسی حدیث کے بغیر اس کے بارے میں صحیح بات نہیں کہی جا سکتی اور اس بارے میں کوئی ایسی روایت سامنے نہیں ہے جس سے حجت قائم ہو سکے واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ ثالثہ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شیخ مدین نے یوں کہا کہ میں آپ کو اپنے یہاں کام پر ملازم رکھنا چاہتا ہوں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بلا تکلف اسے منظور فرمالیا اس سے معلوم ہوا کہ اپنے ضرورت اور حاجت کے لئے مزدوری کرنا کوئی عار اور عیب نہیں ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا کہ میں نے بھی چند قیراط کے عوض

اہل مکہ کی بکریاں چرائی ہیں۔ (کمامرّ الحدیث) بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ کچھ پڑھ لکھ لیتے ہیں یا اپنے آپ کو کسی اونچے خاندان کا فرد سمجھتے ہیں تو ملازمت و مزدوری کرنے کو عار سمجھتے ہیں۔ بھوکے رہتے ہیں۔ حاجتیں رُکی رہتی ہیں۔ لیکن مزدوری کرنے سے بچتے ہیں اور اس میں اپنی حقارت سمجھتے ہیں۔ قرضوں پر قرضے لئے چلے جاتے ہیں جبکہ اَدائیگی کا بظاہر انتظام بھی نہیں ہوتا لیکن محنت مزدوری کر کے کسبِ حلال کی طرف نہیں بڑھاتے۔ یہ صالحین کا طریقہ نہیں ہے۔

فائدہ رابع: شیخ مدین کی ایک لڑکی نے جو کہا کہ اے ابا جان اس شخص کو اپنے یہاں اُجرت پر رکھ لیجئے اور ساتھ یوں بھی کہا اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ (کہ جسے آپ مزدوری پر رکھیں ان میں بہتر آدمی وہ ہے جو قوی بھی ہو امین بھی ہو) اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعریف تو ہے ہی کہ یہ شخص قوت والا ہے اور امانتدار ہے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اپنے کام کے لئے ایسے شخص کو مزدور رکھا جائے جو اس کام کو کرسکتا ہو جس کے لئے ملازم رکھا جارہا ہے اور ہر عمل کی قوت علیحدہ ہوتی ہے کسی کو پڑھانے کی قوت و صلاحیت ہونی چاہئے۔ جس کسی کو محاسب رکھا جائے وہ حساب دان ہونا چاہئے۔ جس کسی سے عمارت بنوائے وہ اس کا اہل ہونا چاہئے۔ خواہ معمار ہو خواہ سیمنٹ بنانے والا ہو خواہ اینٹیں اٹھا کر دینے والا ہو لفظ قوی' جسمانی' قلبی' دماغی سب قوتوں کو شامل ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ جسے کسی کام پر رکھا جائے وہ امانتدار بھی ہونا چاہئے اس میں ہر قسم کی امانت داخل ہے۔ مال میں بھی خیانت نہ کرے' وقت بھی پورا دے اور جس کے یہاں کام پر لگے اس کے اہل و عیال کے بارے میں بھی بدنفسی اور بدنظری کے خیال سے پاک اور صاف رہے۔ آجکل لوگوں میں خیانت بہت ہے جب کوئی شخص مزدوروں کو کام پر لاتا ہے تو جب تک سامنے رہتا ہے اچھی طرح لگ کر کام کرتے ہیں اور جہاں وہ نظروں سے اوجھل ہوا باتیں بنانے لگے۔ عموماً دفتروں میں کام کرنیوالے اور اسکولوں میں پڑھانے والے تنخواہ پوری لے لیتے ہیں اور کام آدھا تہائی کرتے ہیں۔ آپس میں ملکر نمبروار ایک شخص پورے مہینہ غیر حاضری کرتا ہے اور رجسٹر حاضری میں برابر لکھی جاتی ہے یہ سب خیانت ہے۔ جن لوگوں کو حکومت کے محکموں میں یا دوسرے اداروں میں ملازم رکھنے کا اختیار دیا گیا ہو ان لوگوں پر لازم ہے کہ جسے ملازم رکھیں اسکی صلاحیت بھی دیکھیں اور امانتدار ہونے کا بھی پتہ چلائیں محض ڈگریاں دیکھنے پر اکتفاء نہ کریں اور رشوت لے کر کسی کو ملازم رکھیں اور نہ قرابت داری کو ملازم رکھنے کا سبب بنائیں۔

فائدہ خامسہ: شیخ مدین نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں تم سے اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب لڑکی نکاح کے قابل ہو جائے اور اس کے مناسب حال رشتہ مل جائے تو اس میں دیر نہ لگائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے علی! تین چیزیں ایسی ہیں جس میں دیر نہ لگائی جائے۔

۱- نماز (جب اسکا وقت ہو جائے) ۲- جنازہ (اسکی نماز اور تدفین) جب حاضر ہو جائے۔

۳- بے شوہر والی عورت (جب تو) اسکے لئے کفو پالے (رواہ الترمذی مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین اور اخلاق سے راضی ہو تو اس کا نکاح کر دو۔ ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ ہو

جائے گا اور (لمبا) چوڑا فساد ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

شیخ مدین کے عمل سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی شخص سے یہ کہنا کہ میں تم سے اپنی بیٹی کا نکاح کرنا چاہتا ہوں کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ آجکل جو لوگوں میں یہ طریقہ ہے کہ لڑکیوں کے لئے خود رشتہ نہیں ڈھونڈتے، پیغام آنے کے انتظار میں رہتے ہیں اگر اچھا رشتہ سامنے آجائے تو اپنی زبان سے بات چلانے کو عیب سمجھتے ہیں۔ یہ جاہلانہ بات ہے۔ اسی طرح اگر لڑکی کا نکاح ہوتا ہے تو باپ چھپا چھپا پھرتا ہے۔ اور مجلس عقد میں حاضر ہوتا ہے تو خود ایجاب وقبول کرنے کو آبرو کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا انکے شوہر کے شہید ہو جانے کی وجہ سے بیوہ ہوگئیں تو عدت گزر جانے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میری بیٹی کو نکاح میں قبول کرلیں۔ وہ خاموش ہو گئے۔ انہی دنوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت رقیہ (رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی) کی وفات ہوگئی تھی لہٰذا حضرت عمر نے حضرت عثمان سے کہا کہ میری بیٹی کو اپنی نکاح میں قبول کرلو۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے ان دنوں نکاح کرنے کا خیال نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات بطور شکایت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ذکر کردی تو آپ نے فرمایا کہ حفصہ سے وہ شخص نکاح کریگا جو عثمان سے بہتر ہے اور عثمان کے نکاح میں ایسی بیوی آجائے گی جو حفصہ سے بہتر ہے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت حفصہ سے خود نکاح فرمالیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی صاحبزادی حضرت کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح کردیا۔ اسکے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دیکھو اپنے دل میں ناراض نہ ہونا رسول اللہ ﷺ نے میرے سامنے تذکرہ فرمایا تھا کہ میں حفصہ سے نکاح کرلوں گا لہٰذا مجھے یہ بات پسند نہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کا راز افشا کروں اگر آپ حفصہ سے نکاح کرنے کا خیال چھوڑ دیتے تو میں نکاح کرلیتا۔ (راجع الاستیعاب والاصابہ ذکر حفصۃ ورقیہ و ام کلثوم رضی اللہ عنہن)

فائدہ سادسہ: شیخ مدین نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یوں کہا کہ میں ان دو لڑکیوں میں اس شرط پر تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں کہ آٹھ سال میرے پاس ملازمت کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہر میں کوئی دینار و درہم روپیہ و پیسہ اور کوئی مالیت کی چیز دینا ہی ضروری نہیں ہے۔ شوہر کا خدمت کرنا بھی مہر بن سکتا ہے۔ البتہ فقہاء حنفیہ یوں کہتے ہیں کہ کوئی آزاد شخص (جو غلام نہ ہو) اپنی بیوی کی خدمت کرنے کو مہر بنا کر نکاح کرلے تو اسے مہر مثل ملے گا۔ نکاح تو ہو جائے گا لیکن شوہر اس کی خدمت نہ کریگا کیونکہ یہ قلب موضوع ہے کہ شوہر بیوی کا خادم بن جائے اور شیخ مدین اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاملہ سے جو شوافع نے جواز پر استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اس شرط پر نکاح کرنے کا ذکر ہے کہ تم آٹھ سال میرے ہاں اجرت پر کام کرو وہاں مہر کا ذکر ہی نہیں ہے اور اس کی بھی کوئی دلیل نہیں کہ انکی شریعت میں مہر ضروری تھا پھر یہ بات بھی ہے کہ بکریاں بیوی کے باپ کی تھیں اور انہیں کی خدمت کا وعدہ تھا اسی لئے ان تاجرنی فرمایا ہے ان تاجرھا نہیں فرمایا۔ قال ابن الھمام فی فتح القدیر ص۲۲۴ ج ۳ وکون الاوجہ الصحۃ لقص اللہ سبحانہ قصۃ شعیب وموسیٰ علیھما السلام من غیر بیان نفیہ فی شرعنا انما یلزم لو کانت الغنم ملک البنت دون شعیب وھو منتف۔ (امام ابن الھمام فتح

القدیر میں فرماتے ہیں حضرت شعیب وحضرت موسیٰ علیہما السلام کے قصہ کو ہماری شریعت میں نفی کے بغیر بیان کرنا آزاد آدمی کی خدمت کو بیوی کے حق مہر مقرر کرنے کے جائز ہونے کی دلیل تب ہوتا جب بکریاں ان کی بیٹی کی ملکیت ہوتیں تا کہ حضرت شعیب کی جبکہ یہ بات ہے نہیں کہ بکریاں بیٹی کی تھیں) شوہر اگر بیوی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی خدمت کردے اگرچہ مہر ہی کے طور پر تو حنفیہ اسکے جواز کے قائل نہیں ہیں۔ رہی یہ بات کہ جب باپ کی خدمت کر دی تو بیٹی کو کیا ملا اور اس کا مہر اس طرح ادا ہوا تو اسکی ادائیگی اس کے ذمہ آتی ہے جس نے محنت مزدوری پر رکھا اور کام لیا۔ اب تو باپ کے ذمہ ہوگا کہ حق الخدمت کا عوض اپنی بیٹی کے حوالے کردے بیٹی کو بھی اختیار ہے کہ پہلے ہی سے معاف کردے یا باپ دینے لگے تو وصول نہ کرے۔

فائدہ سابعہ: شیخ مدین نے جو یوں کہا تھا کہ میں تم سے ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کا نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اسوقت انہوں نے بیٹی کی تعیین نہیں کی تھی اگر کوئی شخص اس پر یہ اشکال کرے کہ بغیر تعیین کے نکاح کیسے صحیح ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسوقت شیخ مدین آٹھ سال ملازمت کرنے کی شرط پر نکاح کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا نکاح نہیں ہو رہا تھا۔ حضرت موسیٰ نے معاہدہ کرلیا۔ بعد میں باقاعدہ نکاح کردیا گیا۔ اس وقت منکوحہ کی بھی تعیین ہوگئی۔ قال القرطبیؒ ص ۲۷۲ ج ۷ یدل علیٰ انه لا عقد لأنه لو كان عقدا لتعيّن المعقود عليها له۔ (امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آیت کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ شیخ مدین نے ارادہ ظاہر کیا تھا ان مذکورہ الفاظ سے عقدِ نکاح نہیں کیا اگر اسی بات میں نکاح بھی مقصود ہوتا جو جس کا نکاح ہو رہا تھا اس کی تعیین بھی فرمادیتے)

فائدہ ثامنہ: آیت کریمہ میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ شیخ مدین نے اپنی بیٹی سے نکاح کرنے کی اجازت لی تھی۔ حضرات شوافع کا مذہب یہ ہے کہ بالغ لڑکی کا نکاح اس کا والد اس سے دریافت کئے بغیر کرسکتا ہے لیکن اس پر آیت کریمہ سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ آیت میں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نکاح بشرط ملازمت کرنے کا ذکر ہے۔ جب آپس میں معاہدہ ہوگیا تب نکاح ہوا اس میں لڑکی سے دریافت کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہاں بعض روایات حدیث سے شوافع کا استدلال ہوسکتا ہے جو متکلم فیہا ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ بالغ لڑکی سے ولی کا اجازت لینا ضروری ہے اگر لڑکی کنواری ہے تو اجازت کے وقت اسکا چپ ہوجانا کافی ہے۔ یعنی خاموشی اجازت میں شمار ہے اور جو عورت بیوہ یا مطلقہ ہو اس کا ولی اس سے نکاح کی اجازت طلب کرے تو جب تک وہ زبان سے نہ دے اس وقت تک اجازت نہیں مانی جائے گی۔ نیز قرآن مجید کی آیت وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ سے بھی یہ بات صاف ظاہر ہے کہ بالغ عورت اپنا نکاح خود کرے تو کرسکتی ہے البتہ جب عورت کا مخلص خیر خواہ ولی موجود ہو تو عورت آگے نہ بڑھے اور نکاح کا معاملہ ولی کے سپرد رکھے۔ احادیث کے رابعہ کے لئے مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۷۰ کا مراجعہ کیا جائے۔

فائدہ تاسعہ: شیخ مدین نے یہ جو فرمایا کہ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ اس میں یہ بتادیا کہ تمہارے ذمہ جو کام لگایا جائے گا تمہارے ذمہ بس وہی ہوگا اور میں تم پر سختی نہ کروں گا۔ معاہدہ اور طے شدہ معاملہ سے زیادہ کام نہ لوں گا پھر سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ بھی فرمایا اس میں یہ بھی بتادیا کہ تم مجھے حسن معاملہ میں اور نرم برتاؤ میں اور عہد کے پورا کرنے میں اچھا پاؤ گے معلوم ہوا کہ مزدور اور ملازم پوری طرح محنت سے مفوضہ اعمال پورا کرنے کی کوشش کرے اور جو شخص ملازم

رکھے وہ اسکے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اس کا حق واجب ادا کرے اسکی ادائیگی میں دیر نہ لگائے اور ملازم سے کبھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس سے درگزر کرے اگر کسی بات پر مؤاخذہ کرنا ہو تو اس کا انداز بھی مناسب رکھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو (رواہ ابن ماجہ ص ۱۷۶)۔ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن میں تین آدمیوں کے خلاف مدعی بنوں گا۔

۱- وہ شخص جس نے میرا نام لیکر عہد کیا پھر دھوکہ دیا۔ ۲- جس شخص نے کسی آزاد کو بیچ دیا پھر اس کی قیمت کھا گیا۔

۳- جس شخص کو مزدوری پر لیا پھر اس سے اپنا کام پورا لے لیا اور اسے اس کی مزدوری نہ دی۔ (رواہ البخاری)

فائدہ عاشرہ: شیخ مدین کی جن دونوں بیٹیوں کا ذکر ہے بعض مفسرین نے انکے نام بھی لکھے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے ان میں سے ایک بڑی تھی ایک چھوٹی تھی۔ ان میں سے ایک کا نام لیا اور دوسری کا نام صفوریا تھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ صفوریا چھوٹی تھی اور وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے گئی تھی اور اسی سے ان کا نکاح ہوا تھا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ بڑی لڑکی موسیٰ علیہ السلام کے نکاح میں دی گئی تھی۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ

پھر جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور اپنے اہل کو لیکر روانہ ہوئے تو طور کی جانب سے آگ کو محسوس کیا۔ اپنی اہل سے کہا

امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

کہ تم ٹھہرو بے شک میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ اُمید ہے کہ میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر لے آؤں یا آگ کا انگارہ لے آؤں تا کہ تم تاپ لو۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ

سو جب وہ آگ کے پاس پہنچے تو اس میدان کی داہنی جانب سے اس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ

يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ

اے موسیٰ بیشک میں اللہ ہوں رب العالمین ہوں۔ اور یہ کہ تم اپنی لاٹھی کو ڈال دو سو جب اُنہوں نے دیکھا کہ وہ اسطرح حرکت کر رہی ہے

وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ يَدَكَ

کہ گویا وہ سانپ ہے تو پشت پھیر کر پلٹ گئے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔ اے موسیٰ آگے آؤ اور مت ڈرو بیشک تم امن والوں میں سے ہو۔

فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ

اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کرو وہ بغیر کسی مرض کے سفید ہو کر نکلے گا اور اپنے ہاتھ کو بوجہ خوف کے اپنے بازو سے ملا لو۔

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

سو تمہارے رب کی طرف سے یہ دو دلیلیں ہیں۔ فرعون اور اسکے سرداروں کی طرف بلاشبہ وہ نافرمان لوگ ہیں

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ

موسیٰ نے کہا کہ اے رب بیشک میں نے ان میں سے ایک جان کو قتل کردیا تھا سو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کردیں اور میرے بھائی ہارون زبان کے اعتبار سے مجھ سے زیادہ فصیح ہیں

مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ

سو آپ انکو میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دیجئے وہ میری تصدیق کریں گے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں۔ فرمایا ہم عنقریب تمہارا

عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ

بازو تمہارے بھائی کے ذریعہ مضبوط کردیں گے تم دونوں کو ایک خاص شوکت عطا کریں گے۔ جس سے وہ لوگ تم دونوں تک نہ پہنچ سکیں گے تم دونوں ہمارے معجزے لیکر جاؤ تم دونوں اور

اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

جو شخص تمہارا اتباع کریگا، غالب رہو گے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی اہلیہ کیساتھ مدین سے واپس مصر کے لئے روانہ ہونا، اور کوہ طور پر آگ نظر آنا پھر وہاں پہنچنے پر رسالت سے سرفراز کیا جانا

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں اپنے خسر صاحب کے پاس اہلیہ کے ساتھ رہتے رہے پھر وہاں سے مصر کی طرف واپس لوٹنے کا ارادہ فرمایا، جب آنے لگے تو اپنی اہلیہ کو ساتھ لیا چلتے چلتے راستہ بھی بھول گئے اور رات کی ٹھنڈک کی وجہ سے سردی بھی لگنے لگی، طور پہاڑ سے کچھ دور ہی تھے کہ طور کی جانب آگ نظر آئی فرمایا میں وہاں جاتا ہوں۔ اُمید ہے کہ وہاں راستہ کی کوئی خبر مل جائے گی یعنی کسی راستہ بتانے والے سے ملاقات ہو جائے گی اگر یہ نہ ہوا تو کم از کم اتنا تو ہوگا کہ آگ کا کوئی شعلہ کسی لکڑی میں لے آؤں گا، جسے جلا کر تم تاپ لو گے یعنی گرمی حاصل کرلو گے، اہل خانہ سے فرما کر آگ کی طرف چل دیئے جیسے ہی طور پہاڑ کے داہنے جانب کے کنارے پر پہنچے تو اس مبارک جگہ سے انہیں پکارنے کی آواز آئی اور یہ آواز ایک درخت سے نکلتی معلوم ہو رہی تھی۔ یہ آواز اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا اے موسیٰ میں اللہ ہوں رب العالمین ہوں، اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارے ہاتھ میں جو عصا ہے اسے ڈال دو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو ڈال دیا تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تو چھوٹے سانپ کی طرح حرکت کر رہا ہے اس کو جو حرکت کرتے ہوئے دیکھا تو پشت پھیر کر چل دیئے اور مڑ کر دیکھا بھی نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ ڈرو نہیں آگے بڑھو تم امن میں ہو تمہیں کوئی تکلیف پہنچنے والی نہیں ہے، مزید یہ کرو کہ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو پھر اسے نکالو وہ چمکدار ہو کر تمہارے سامنے آجائے گا، گندمی رنگ کی بجائے زیادہ تیز روشنی والا ہو کر جو نکلے گا تو کسی مرض یعنی برص وغیرہ کی وجہ سے ایسا نہ ہوگا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا کہ ہاتھ گریبان میں ڈال کر باہر نکالا ان کا ہاتھ خوب زیادہ روشن ہو کر گریبان سے باہر آگیا۔ اللہ جل شانہ نے مزید فرمایا کہ ہاتھ کی یہ کیفیت دیکھ کر کچھ خوف محسوس ہو تو اسے دور کرنے کے

لئے اپنے بازو یعنی اسی سفید ہاتھ کو دوبارہ اپنے گریبان میں ڈال لینا ایسا کرنے سے وہ اپنی پہلی حالت پر آجائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے عصا کو سانپ بنا کر پہلی حالت پر لوٹا دیا اور انکے داہنے ہاتھ کو خوب زیادہ روشن چمکدار بنا دیا پھر اسکو اصلی حالت پر لوٹا دیا اور بطور معجزہ ان کو یہ دونوں چیزیں عطا فرمادیں اور فرمایا کہ تمہارے رب کی طرف سے یہ دو دلیلیں ہیں۔ تم فرعون اور اسکی جماعت کے بڑے لوگوں کے پاس چلے جاؤ اور انہیں حق کی اور اعمال صالحہ کی دعوت دو اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور عبادت کی طرف متوجہ کرو۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ (بلاشبہ وہ لوگ نافرمان ہیں)

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دو باتیں عرض کیں ایک تو یہ کہ میں نے مصریوں کا ایک شخص قتل کر دیا تھا اب مجھے ڈر ہے کہ انکے پاس جاؤں تو مجھے قتل کر دیں اور اس صورت میں رسالت کا کام نہ ہو سکے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ میرے ساتھ کوئی ایک شخص ہونا چاہئے جو میرا معاون ہو لہٰذا میرے خاندان میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دیں (کمافی سورۃ طٰہٰ) اس سے مجھے قوت بھی ملے گی اور میری زبان میں روانی نہیں ہے۔

ہارون زبان کے اعتبار سے مجھ سے زیادہ فصیح ہیں۔ جب وہ بھی رسول ہوں گے اور میرے کام میں شریک ہوں گے اور ہم دونوں ملکر فرعون کے پاس جائیں گے تو انکی وجہ سے ہمت بندھی رہے گی اور اگر زبانی مناظرے کی ضرورت پیش آگئی تو چونکہ ان کی زبان میں روانی ہے اسلئے وہ مناظرہ میں بھی اچھی طرح گفتگو کر سکیں گے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اس موقعہ پر ہارون میرے مددگار رہوں' اور میری تصدیق کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا وہیں کوہ طور کے پاس کی تھی جب نبوت سے سرفراز ہوئے تھے' اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول فرمائی اور حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرما دی مفسرین نے لکھا ہے کہ ہارونؑ مصر ہی میں تھے ابھی موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے بھی نہیں تھے کہ اس سے پہلے انہیں رسالت سے سرفراز کر دیا گیا تھا۔

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ (الآیۃ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہارے بھائی کے ذریعہ تمہارے بازو کو مضبوط کر دیں گے اور تمہیں ایسا غلبہ دے دیں گے کہ وہ لوگ تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے تم دونوں میری آیات کو لے کر چلے جاؤ۔ تم دونوں اور جو بھی شخص تمہارا اتباع کرے تم سب غالب ہو گے۔

ھذا اذا تعلق قولہ تعالیٰ بایاتنا بالفعل المحذوف ای اذھبا بایاتنا واختارہ المحلی فی تفسیرہ وفیہ اوجہ ذکرھا فی حاشیۃ تفسیر الجلالین۔ (یہ تفسیر تب ہے جبکہ بِاٰيٰتِنَا کا تعلق فعل محذوف سے ہو یعنی اِذْهَبَا بِاٰيٰتِنَا (تم دونوں ہماری آیات لیجاؤ) اسی توجیہ کو علامہ محلی نے اپنی تفسیر میں اختیار کیا ہے اور آیت کے اس جملہ میں اور بھی کئی ساری توجیہات ہیں جو تفسیر جلالین کے حاشیہ میں مذکور ہیں)

فائدہ: صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں کہ طور پر جو تجلی تھی کہ تجلی بشکل نار تجلی مثالی تھی کیونکہ تجلی ذاتی کا مشاہدہ اس دنیا میں کسی کو نہیں ہو سکتا اور خود موسیٰ علیہ السلام کو اس تجلی ذاتی کے اعتبار سے لن ترانی فرمایا گیا ہے یعنی آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے مراد مشاہدہ ذات حق ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا

پھر جب ان کے پاس موسیٰ ہماری واضح آیات کے ساتھ آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو محض ایک جادو ہے جو افتراء کیا گیا ہے' اور ہم نے

بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى

یہ بات اپنے پہلے باپ دادوں میں نہیں سنی' اور موسیٰ نے کہا کہ میرا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اُس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا'

مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ

اور اُسے بھی خوب جانتا ہے جس کا دارِ آخرت میں اچھا انجام ہوگا۔ بلاشبہ بات یہ ہے کہ ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوتے' اور فرعون نے کہا

فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ

کہ اے میرے درباریو! میں تمہارے لئے اپنے علاوہ کوئی معبود نہیں جانتا سوائے ہامان تو میرے لئے مٹی پر آگ جلا دے

فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

سو میرے لئے ایک محل بنا دے تاکہ میں موسیٰ کے معبود کو دیکھوں' اور بلاشبہ میں اسے جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں'

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا

سو اس نے اور اسکے لشکروں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ ہماری طرف نہیں

يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

لوٹیں گے۔ سو ہم نے اسے اور اسکے لشکروں کو پکڑ لیا سو انہیں سمندر میں پھینک دیا۔ سو اے مخاطب دیکھ لے ظالموں کا کیسا انجام ہوا۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ

اور ہم نے انہیں پیشوا بنا دیا جو آگ کی طرف دعوت دیتے رہے اور قیامت کے دن انکی مدد نہ کی جائے گی اور ہم نے

فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾

اس دنیا میں انکے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن قباحت والوں میں سے ہونگے

رسالت سے سرفراز ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مصر کو واپس ہونا' پھر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس پہنچ کر حق کی دعوت دینا

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپس ہوتے ہوئے وادی طویٰ میں نبوت سے سرفراز کئے گئے اور وہیں انہوں نے اللہ جل شانہ سے دعا کی کہ میرے بھائی ہارون کو بھی رسول بنا دیجئے تاکہ میں اور وہ ملکر فرعون اور اسکی قوم کے پاس جائیں اور آپ کا فرمان پہنچائیں اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرما دی' جس کی کچھ تفصیل گزر چکی ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر پہنچے تو اپنے گھر گئے اور حضرت ہارون علیہ السلام کو ساتھ لیا۔ دونوں ملکر فرعون کے پاس پہنچے فرعون اپنے درباریوں کے ساتھ موجود تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

اللہ جل شانہٗ کو واحد معبود ماننے کی دعوت دی اور فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں صحیح صحیح بات پہنچاؤں گا۔ (حَقِیْقٌ عَلٰٓی اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو بڑے معجزے دکھائے۔ عصا کو ڈالا تو وہ اژدھا بن گیا اور گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ نہایت زیادہ سفید اور روشن تھا۔ سب دیکھنے والوں نے جب یہ دونوں معجزے دیکھ لئے تو فرعون اور اسکے درباری کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے جسے اس نے خود ہی بنالیا ہے اور اس شخص کا یہ دعویٰ کہ میں نبی ہوں۔ ایسا دعویٰ ہم نے اپنے باپ دادوں کے زمانوں میں تو نہیں سنا یہ بات انہوں نے جھوٹ کہی یہ کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے۔ اور وہ ایمان کی دعوت دیتے رہے تھے۔

چونکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو جادو پر محمول کیا اسلئے مقابلہ کرنے کے لئے جادوگروں کو بلایا جس کا ذکر سورۂ اعراف (ع) اور سورۂ طٰہٰ (ع ۳) اور سورۂ شعراء (ع ۳) میں مذکور ہے۔ ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے متعدد سوالات بھی کئے اور آپ نے بڑی جسارت اور بے باکی کے ساتھ جواب دیئے یہ سوال و جواب بھی سورۂ طٰہٰ اور سورہ شعراء میں مذکور ہیں۔ چونکہ فرعون اور اسکے درباری حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب پر تلے ہوئے تھے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ (میرا رب خوب جانتا ہے اس کو جو ہدایت لے کر آیا اور اس شخص کو بھی جس کا انجام آخرت میں اچھا ہونے والا ہے) تم لوگ مجھے جھٹلاتے ہو لیکن میرے رب کو تو معلوم ہے کہ میں اس کا رسول ہوں جو شخص میری بات مان لے گا اس کا انجام اچھا ہو گا عَاقِبَةُ الدَّارِ سے بعض حضرات نے دار دنیا کا انجام اور بعض حضرات نے دار آخرت کا انجام مراد لیا ہے اگر دار دنیا مراد ہو تو اس میں اس بات کی پیشگی اطلاع ہے کہ تم میری دعوت قبول نہ کرو گے تو تمہارا برا انجام ہو گا چنانچہ ایسا ہوا کہ فرعون اور اسکے لشکر سمندر میں غرق کر دیئے گئے۔ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (بلاشبہ ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوتے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ میرے رب کو خوب معلوم ہے کہ فلاح اعظم کا کون اہل ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا دیا اور ہدایت دے کر بھیج دیا اور حسن عاقبت کا وعدہ فرمالیا اور اگر ایسی بات ہوتی جیسے تم کہتے ہو کہ تمہارے پاس ہدایت لانے والا جادوگر ہے افتراپرداز ہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نبی کیوں بناتا؟ وہ غنی ہے حکیم ہے جھوٹوں کو اور جادوگروں کو رسالت اور نبوت سے نہیں نوازتا۔

فرعون نے جب یہ محسوس کیا کہ مصر کے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے متاثر ہو رہے ہیں اور وہ جو معبود ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اس میں رخنہ پڑ رہا ہے اور موسیٰ اور اس کا بھائی مجھے معبود ماننے کو تیار نہیں ہے تو اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ جہاں تک میں جانتا ہوں تمہارے لئے میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ (جب بڑوں کا معبود ہونے کا دعویٰ کر دیا تو چھوٹے کس شمار میں ہو سکتے ہیں) اس کا دل تو جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ (تو خوب جانتا ہے کہ یہ عجائبات خاص آسمان اور زمین کے پروردگار ہی نے بھیجے ہیں جو کہ بصیرت کے ذرائع ہیں) لیکن وہ انکار پر جما رہا اور خواص کی نظر ہٹانے کے لئے اور انکے غور و فکر کو الجھانے کے لئے اپنے وزیر ہامان سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا۔ فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓی اِلٰهِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ (اے

ہامان تو ایسا کر کہ اول کچی اینٹیں بنوا اور اس کام کے لئے ایک بھٹہ لگا پھر اس میں اینٹوں کو پکا کر بہت بڑی تعداد میں پکی اینٹیں تیار کر پھر ان اینٹوں سے ایک اونچا محل تیار کر، تاکہ میں اوپر چڑھ کر موسیٰ کے معبود کا پتہ چلاؤں۔ بلاشبہ میں اسے جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں) اس کا ذکر سورۂ زمر میں اسطرح سے ہے۔ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى (اور فرعون نے کہا کہ اے ہامان میرے لئے ایک محل بنا دے تاکہ میں آسمانوں کے راستوں پر پہنچ جاؤں پھر میں موسیٰ کے رب کو دیکھوں) یہ بات جاہلوں کو بیوقوف بنانے کے لئے کہی۔ کتنا ہی بڑا محل بنالیا جائے پہلے آسمان پر نہیں پہنچ سکتے۔ (پھر کوئی شخص زینہ سے چڑھ کر سارے آسمانوں پر کیسے پہنچ سکتا ہے) جو لوگ ایک بڑی مدت تک جہالت میں رہتے ہیں معبود حقیقی کو نہیں جانتے وہ ایسی باتوں میں آجاتے ہیں ورنہ عوام کیلئے تو اسکے جواب میں یہ کہہ دینا کافی تھا کہ تو اپنے آپکو معبود بتاتا ہے حالانکہ تو آسمان پر پہنچنے کے لئے زینہ اور عمارت کا محتاج ہے اپنے اور تیرے چاہنے سے تو اینٹیں بھی وجود میں نہیں آسکتیں پہلے کچی اینٹیں بنائی جائیں پھر ان کو پکایا جائے پھر عمارت بنائی جائے پھر تو اسپر چڑھے کیا ایسے عاجز کو بھی خدائی کا دعویٰ کرنا زیب دیتا ہے۔ جن لوگوں کو کچھ سمجھ عقل تھی وہ دنیاوی مفاد اور فرعون کی سطوت اور سلطنت کی وجہ سے دب گئے اور زبان نہ ہلا سکے۔

قال صاحب الروح ص ۸۰ ج وایا ما کان فالقوم کانو فی غایة الغباوة والجهل وإفراط العمایة والبلادة والا لمانفق علیهم مثل هذا الهذیان الخ ماقال. (تفسیر روح المعانی کے مصنف علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قوم ان دنوں ایسی انتہاء درجہ کی بے عقل اور جاہل بالکل اندھی اور بے وقوف تھی ورنہ جب فرعون نے ان کے سامنے اس طرح کا ہذیان کہا تو انہیں سمجھ جانا چاہئے تھا...... الخ)

قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ محل تیار ہوا یا نہیں اور تیار ہوا تو نتیجہ کیا نکلا۔ علامہ قرطبیؒ نے سُدّی سے نقل کیا ہے کہ ہامان نے محل بنایا اور فرعون اس پر چڑھا اور اس نے آسمان کی طرف تیر پھینکے اور وہ خون میں بھرے ہوئے واپس ہوئے اس پر وہ کہنے لگا کہ میں نے موسیٰ کے معبود کو قتل کر دیا۔ جب اس نے یہ بات کہی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس محل میں اپنا ایک پر مارا جس کا ایک ٹکڑا فرعون کے لشکر پر گرا جس کی وجہ سے ہزاروں آدمی ہلاک ہو گئے اور ایک سمندر میں گرا اور ایک مغرب میں گرا جن لوگوں نے اس محل کے بنانے میں کام کیا تھا وہ سب ہلاک ہوئے۔ علامہ قرطبیؒ نے نقل کر دیا لیکن انہیں خود ہی اسکے صحیح ہونے میں تردد تھا اسلئے آخر میں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِصِحَّةِ ذٰلِكَ فرما دیا۔ بعض مفسرین کا موقف یہ ہے کہ فرعون نے یہ بات بطور مذاق اڑانے کے کہی تھی موسیٰ جو کہہ رہے ہیں کہ تمہارا اور تمہارے باپ دادوں کا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا اور ان چیزوں کا رب ہے جو انکے درمیان ہیں (کما فی سورۃ الشعراء) تو میں بھی تو اسکے رب کو دیکھوں یعنی مقصود محل بنانا اور پر چڑھنا نہ تھا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلانا مقصود تھا۔ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ (اور فرعون نے اور اس کے لشکروں نے زمین میں ناحق تکبر کیا) وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ (اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ ہماری طرف نہیں لوٹیں گے) یعنی قیامت کے دن کے اور انکار و تکذیب کے قائل نہ تھے۔ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھا اور انکا تکبر انہیں لے ڈوبا۔ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْيَمِّ (سو ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا) فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ (سوائے مخاطب تو دیکھ

لے ظالموں کا کیسا انجام ہوا)

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ (اور ہم نے انہیں پیشوا بنا دیا جو دوزخ کی طرف بلاتے رہے) یعنی کفر وشرک کی دعوت دیتے رہے جس کا نتیجہ دوزخ میں جانا ہے وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ (اور قیامت کے دن انکی مدد نہیں کی جائے گی)

وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً (اور اس دنیا میں ہم نے انکے پیچھے لعنت لگا دی) اہل ایمان ان پر ہمیشہ لعنت بھیجتے رہے اور بھیجتے رہیں گے۔ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ اور وہ لوگ قیامت کے دن بری حالت میں ہوں گے۔ سورۂ زمر میں فرمایا اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔ (وہ صبح وشام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں (یعنی برزخ میں) اور قیامت کے دن کہا جائے گا کہ آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کردو)

فائدہ: فرعون اس کی جماعت کے لئے اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ فرمایا کہ ہم نے انہیں پیشوا اور امام بنایا جو دوزخ کی طرف بلاتے تھے‘ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ امام جسطرح خیر کی دعوت دینے والوں کے لئے بولا جاتا ہے اسی طرح شر کی دعوت دینے والے کے لئے مستعمل ہے، جو اہل شر کی دعوت قبول کر لیتے ہیں یہ داعی انکے امام پیشوا بنے رہتے ہیں‘ بہت سے باطل فرقے ہیں جو اپنے پیشوا کو امام کہتے ہیں لفظ ''امام'' سے دھوکہ کھا کر انہیں مسلمان نہ سمجھیں‘ جو شخص کفریات کی دعوت دیتا ہو وہ کفر کا اور کافروں کا امام ہے اگرچہ مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہو‘ اس کو خوب سمجھ لیا جائے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ

اور اس کے بعد ہم نے اگلی اُمتوں کو ہلاک کر دیا تھا ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو لوگوں کے لئے بصیرتوں کا ذریعہ تھی

وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَاۤ اِلٰى

اور سراپا ہدایت اور رحمت تھی تا کہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ اور آپ مغربی جانب میں نہیں تھے جبکہ ہم نے

مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَیْهِمُ

موسیٰ کو احکام دیئے اور آپ مشاہدہ کرنیوالے نہ تھے اور لیکن ہم نے بہت سی جماعتوں کو پیدا کیا پھر ان پر دراز

الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِیًا فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا

زمانہ گزر گیا‘ اور آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے‘ آپ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور لیکن ہم ہی

مُرْسِلِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَیْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ

رسول بنانے والے ہیں۔ اور آپ طور کی جانب نہ تھے جب ہم نے آواز دی۔ اور لیکن آپ کے رب کی طرف سے آپ پر رحمت ہوئی۔

قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ

تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں۔ جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور ہم رسول نہ بھیجتے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ انکے اعمال کی وجہ سے

مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ

ان پر مصیبت آجاتی تو یہ کہنے لگتے کہ اے ہمارے رب ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تاکہ ہم آپکی آیتوں کا اتباع کر لیتے

وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ

اور ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے سو جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آ گیا تو کہنے لگے کہ اس شخص کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی

مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۟

موسیٰ کو ملی تھی، کیا اس سے پہلے لوگوں نے اس چیز کے ساتھ کفر نہیں کیا جو موسیٰ کو دی گئی کہنے لگے یہ دونوں جادوگر ہیں۔ دونوں نے

وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ۝ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ

آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معاہدہ کر لیا ہے اور کہنے لگے کہ ہم تم دونوں میں سے کسی کو نہیں مانتے آپ فرما دیجئے کوئی کتاب لے آؤ جو اللہ کی طرف سے ہو جو ہدایت کرنے میں

اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ

ان دونوں سے بہتر ہو اگر تم سچے ہو۔ سو وہ اگر آپ کی بات قبول نہ کریں تو آپ جان لیجئے کہ وہ اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی طرف سے ملنے والی ہدایت کے بغیر اپنی نفسانی خواہشوں کا اتباع کرتا ہو۔ بلاشبہ اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا

توریت شریف سراپا بصیرت ہدایت اور رحمت تھی

تفسیر: ان آیات میں چند امور ذکر فرمائے ہیں۔

اول: یہ کہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تھے انھوں نے توحید کی دعوت دی تھی، حق پہنچایا، ایمان قبول کرنے پر بشارتیں دیں، کفر پر جمے رہنے پر دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈرایا، انکی امتوں نے نہیں مانا ہم نے انہیں ہلاک کر دیا جو اقوام و افراد باقی تھے انکی نسلیں چلیں، پلے اور بڑھے حتیٰ کہ بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیج دیا اس وقت بنی اسرائیل کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی ضرورت تھی اور فرعون کو اور اس کی قوم کو بھی موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے ہم نے انہیں کتاب دی اس کتاب میں بصیرتیں یعنی عقل و فہم اور سمجھ کی باتیں تھیں اور ہدایت بھی تھی اور اس ہدایت کا قبول کرنا ان لوگوں کے لئے رحمت کا سبب تھا یہ کتاب انہیں موسیٰ علیہ السلام کے واسطہ سے دی گئی تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں مزید فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہم نے بہت سی جماعتوں کو بھیجا ان کا زمانہ

دراز ہو گیا اس درازیٔ زمانہ کی وجہ سے بعد میں آنے والے لوگ علوم نبوت سے اور ہدایت سے ناآشنا ہو گئے۔ لہٰذا ہماری حکمت کا تقاضا ہوا کہ آپ کو نبوت اور رسالت سے سرفراز کر دیا اور گمراہ لوگوں کی طرف آپ کو مبعوث کریں۔

دوم: حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی رسالت اور نبوت کے جو دلائل جگہ جگہ قرآن مجید میں مذکور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے سابقہ امتوں کے احوال کہیں نہیں پڑھے تھے نہ کسی نے آپ کو بتائے تھے۔ اسکے باوجود آپ نے حضرات انبیاء کرام علیھم الصلاۃ والسلام کے اور انکی امتوں کے واقعات بتائے تھے۔ ان واقعات کا بتانا اور اہل کتاب کا ان کو ماننا کہ ہاں ایسا ہوا تھا کم از کم اہل کتاب اور انکی بات کی تصدیق کرنیوالوں کے لئے اس امر کی بڑی بھاری دلیل تھی کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ انکے واقعات کو جاننا اور صحیح صحیح بیان کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعہ بتائے ہیں ان واقعات میں سے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا حوالہ دے کر فرمایا جو عنقریب ہی گزرا ہے اور خطاب رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ جب کوہ طور کی مغربی جانب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو احکام دیئے اس وقت آپ وہاں موجود نہ تھے اور یہ بھی فرمایا کہ آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے جو اپنی آنکھوں سے موسیٰ کے واقعات کا مشاہدہ کرتے۔ پھر بھی آپ نے وہاں کے واقعات کی خبر دی۔ یہ واقعات ہماری آیات میں موجود ہیں جنہیں آپ انکو پڑھ کر سناتے ہیں۔ ان لوگوں کے سامنے ان آیات کا پڑھنا آپکے نبی اور رسول ہونے کی واضح دلیل ہے۔ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ (اور لیکن ہم رسول بنانے والے ہیں) ہم نے آپکو رسول بنا کر مذکورہ واقعات وحی کے ذریعہ بتا دیئے وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا (اور آپ طور کی جانب میں اسوقت بھی موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو پکارا) وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اور لیکن اس کا علم آپ کو اسطرح حاصل ہوا کہ آپ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنا دیئے گئے۔ جب نبوت مل گئی تو اسکے ذریعہ انبیاء سابقین علیھم الصلاۃ والسلام کے واقعات معلوم ہو گئے لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جنکے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ تاکہ وہ لوگ نصیحت قبول کر لیں۔ یہاں اس قوم سے اہل عرب مراد ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اولاد میں ہیں انکے بعد سیدنا حضرت محمد ﷺ تک اہل عرب میں کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا تھا۔

سوم: یہ فرمایا کہ جن لوگوں کی طرف آپ مبعوث ہوئے ہیں آپ کی بعثت سے ان پر حجت قائم ہو گئی اگر آپکی بعثت نہ ہوتی اور انکے گناہوں کی وجہ سے انہیں کوئی مصیبت پہنچ جاتی تو وہ کہنے لگتے کہ ہمارے پاس کوئی رسول آیا ہوتا تو ہم اس کا اتباع کر لیتے نہ گناہ گار ہوتے نہ مصیبت کا منہ دیکھتے جب کوئی نہ آیا تو ہم کیا کریں۔ ان لوگوں کی اس بات کی پیش بندی کرنے اور انکا عذر ختم کرنے کے لئے ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیج دیا۔ اب جب حجت تمام ہو گئی پھر بھی کفر پر جمے ہوئے ہیں تو اس کا وبال ان پر پڑیگا۔ اس آیت کا مضمون تقریباً سورہ طٰہٰ کی آیت کریمہ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى (اور اگر ہم اس سے پہلے ان لوگوں کو عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیتے تو یوں کہتے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم آپکی آیات کا اتباع کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوں)

چہارم: یہ فرمایا کہ جب ان لوگوں کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا یعنی رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی

کتاب پیش کر دی تو قبول نہ کرنے کا بہانہ بنانے کے طور پر یوں کہنے لگے کہ انکو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ کو ملی یعنی قرآن پورا مکمل ایک ہی دفعہ کیوں نازل نہیں ہوا جیسے توراۃ شریف ایک ہی مرتبہ مکمل عطا کر دی گئی تھی۔ یہ بات اہل مکہ نے یہودیوں کو کہی تھی کہ حضرت موسیٰ کو دفعۃ واحدۃ پوری کتاب دے دی گئی تھی۔ ان کے جواب میں فرمایا اَوَلَمْ یَکْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ (کیا لوگوں نے اس کتاب کے ساتھ کفر نہیں کیا جو اس سے پہلے موسیٰ کو دی گئی تھی) انکے زمانہ کے لوگوں نے نہ صرف یہ کہ توراۃ شریف کا انکار کیا بلکہ حضرت موسیٰ اور انکے بھائی ہارون علیہما السلام کے بارے میں یوں بھی کہا کہ دونوں جادوگر ہیں۔ (کما فی قراءۃ سبعیۃ "ساحران" "علی صیغۃ "اسم الفاعل) آپس میں مشورہ کر کے ایک دوسرے کے معاون بن گئے ہیں اور یہ بھی کہا کہ اِنَّا بِکُلٍّ کٰفِرُوْنَ۔ (کہ ہم دونوں میں سے ہر ایک کے منکر ہیں) پس اگر کسی کتاب کے قبول کرنے کے لئے ایک ہی مرتبہ نازل ہونا انکے خیال میں مشروط ہے تو جن لوگوں کے پاس توراۃ شریف آئی تھی وہ اسے مان لیتے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو ماننا نہیں ہے بہانہ بازی سے کام لیتے ہیں اور عناد پر جمے ہوئے ہیں قال القرطبیؒ اولم یکفر ھٰؤلاء الیھود بما اوتی موسیٰ حین قالوا موسیٰ وھارون ھما ساحران. وَاِنَّا بِکُلٍّ کافرون ای وانّا کَافِرُون بکل واحد منھم اھ و فیه قول آخر وھوان المراد بساحران سیدنا موسیٰ وسیدنا محمد علیھما السلام یوافق قولھما فیما ادعیاہ. (امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کیا ان یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب کا انکار نہیں کیا جبکہ انہوں نے کہا کہ موسیٰ اور ہارون دونوں جادوگر ہیں اور یہ کہا کہ اِنَّا بِکُلٍّ کَافِرُوْنَ یعنی ہم ان دونوں میں سے ہر ایک کے منکر ہیں اھ اس بارے میں دوسرا قول بھی ہے اور وہ یہ کہ یہاں دو جادوگروں سے مراد سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا حضرت محمد ﷺ ہیں یہ قول یہودیوں کے دعویٰ کے موافق ہے)

پنجم: یوں فرمایا قُلْ فَاْتُوْا بِکِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰی مِنْهُمَآ (الآیۃ) (آپ فرما دیجئے کہ تم اللہ کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان کتابوں یعنی قرآن اور توراۃ سے بڑھ کر ہدایت دینے والی ہو میں اس کا اتباع کر لوں گا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو) مطلب یہ ہے کہ تم نہ توراۃ کو مانتے ہو نہ قرآن کو مانتے ہو۔ چلو تم اور کوئی کتاب لے آؤ جو اللہ کی طرف سے ہو اگر تم بالفرض اسے اللہ کی کتاب ثابت کر دو تو میں اسکی پیروی کر لوں گا۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو میری لائی ہوئی کتاب کو مانو میں نے اس کا حق ہونا ثابت کر دیا ہے اور اس میں توریت شریف کی بھی تصدیق ہے۔

یہ لوگ اگر آپ کی یہ بات قبول نہ کر سکیں اور قبول کر بھی نہیں سکتے کیونکہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کتاب نہیں ہے تو آپ سمجھ لیں کہ یہ لوگ ہدایت کی تلاش میں ہیں ہی نہیں یہ تو حق سے منہ موڑنے کے لئے بہانے تلاش کر رہے ہیں۔ انکا یہی طریقہ ہے کہ اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں جس کے پاس اللہ کی ہدایت نہ ہو اور وہ اپنی خواہشات نفسانی ہی کا اتباع کرتا رہے اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (بلاشبہ اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا) جو وضوح حق کے بعد ہدایت سے منہ موڑے اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چلتا رہے۔ اَهْدٰی مِنْهُمَآ میں تثنیہ کی ضمیر قرآن مجید میں اور اصلی توراۃ کی طرف راجع ہے۔ لہٰذا یہ اشکال نہیں ہوتا کہ محرف توراۃ کو ہدایت کا ذریعہ کیسے بتا دیا اور بات بھی علیٰ سبیل الفرض ہے کہ اگر تم سے ہو سکے تو ان دونوں کتابوں سے زیادہ

ہدایت والی کتاب لے آؤ جواللہ کی طرف سے ہو لہٰذا یہ اشکال بھی نہیں رہا کہ اصل توریت بھی تو منسوخ ہے۔ اس پر عمل کرنے کا وعدہ کیوں فرمایا۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥١﴾ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ

اور ہم نے اس کلام کو اُن لوگوں کے لئے مسلسل بھیجا تا کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں، جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی ہے

قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾ وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا

وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب انکے سامنے اسکی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بلاشبہ یہ حق ہے ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے، بیشک ہم

مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴿٥٣﴾ أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ

پہلے ہی سے فرمانبردار تھے، یہ وہ لوگ ہیں جن کو صبر کرنے کی وجہ سے دہرا ثواب دیا جائے گا اور یہ لوگ بھلائی کے ذریعہ برائی کو دفع کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے

السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿٥٤﴾ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا

اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب لغویات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال

وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿٥٥﴾

اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، ہم تم کو سلام کرتے ہیں، ہم جاہلوں سے بات کرنا نہیں چاہتے

سابق اہل کتاب قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں انکے لئے دوہرا اجر ہے

تفسیر: یہ پانچ آیات ہیں پہلی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن کو اسطرح نازل کیا کہ یکے بعد دیگرے آیات نازل ہوتی رہی ہیں جن میں وعدے بھی ہیں وعیدیں بھی، قصے بھی ہیں اور عبرت کے واقعات بھی، نصائح بھی ہیں اور مواعظ بھی، انکا تقاضا یہ ہے کہ ان سے نصیحت حاصل کریں شرک اور کفر کو چھوڑیں۔ قرآن لانیوالے پیغمبر پر ایمان لائیں۔

دوسری اور تیسری آیت میں اہل کتاب کے بارے میں فرمایا کہ جنہیں اس سے پہلے کتاب دی گئی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں، جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو انصاف پسند چند یہودیوں نے اسلام قبول کر لیا جن میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بھی تھے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جو پہلے نصرانی تھے اور آپ کے انتظار ہی میں برسہا برس پہلے سے مدینہ منورہ میں مقیم تھے انہوں نے بھی علامات دیکھ کر ایمان قبول کر لیا۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بھی پہلے نصرانی تھے وہ بھی ایمان لے آئے۔ پھر چند سال کے بعد یہ ہوا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (جو ہجرت کرنے والوں کی جماعت میں حبشہ چلے گئے تھے اور انہوں نے ہی وہاں کے بادشاہ نجاشی اور اس کے درباریوں کے سامنے سورہ مریم پڑھی تھی) کے ساتھ بتیس آدمی حبشہ سے آئے ان لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا، حق ظاہر ہونے کے بعد ان لوگوں نے تامل نہیں کیا اور ایمان قبول کر لیا۔ انہوں نے یوں

کہا کہ ہم تو پہلے ہی سے اس بات کو مانتے تھے یہ نبی آخر الزماں علیہ السلام مبعوث ہوں گے اور ان پر کتاب نازل ہوگی۔

چوتھی آیت میں مؤمنین اہل کتاب کے بارے میں فرمایا کہ انہیں انکے صبر کرنے کی وجہ سے دہرا اجر ملے گا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کے لئے دو اجر ہیں ایک اہل کتاب میں سے وہ شخص جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد رسول اللہ پر ایمان لایا اور دوسرا وہ مملوک غلام جس نے اللہ کا حق ادا کیا (فرائض واجبات کی پابندی کی اور جو احکام اس سے متعلق تھے ان کو ادا کرتا رہا) اور اس نے اپنے آقاؤں کا حق بھی ادا کیا۔ اور تیسرا وہ شخص جس کے پاس کوئی لونڈی تھی اس سے وہ جماع کرتا تھا پھر اسے اُس نے ادب سکھایا اور اچھی طرح ادب سکھایا اور اسے تعلیم دی اور اچھی طرح تعلیم دی۔ پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا۔ سو اس شخص کے لئے (بھی) دو اجر ہیں۔ (رواہ البخاری ص ۲۰ ج ۱)

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب میں سے جو شخص اسلام قبول کرے اس کے لئے ایک اجر اپنے نبی پر ایمان لانے کا اور ایک اجر خاتم الانبیاء علیہ السلام پر ایمان لانے کا ہے۔ آیت میں جو لفظ بِمَا صَبَرُوْا ہے اس میں یہ بتایا کہ صبر کرنے کی وجہ سے انہیں دہرا اجر ملے گا۔ صبر میں سب کچھ داخل ہے پہلے نبی کی طرف سے جو اعمال خیر پہنچے تھے ان پر عمل کرنا اور خاتم الانبیاء علیہ السلام کیطرف سے جو اعمال ملے ان پر عمل کرنا اور ایمان قبول کرنے کے بعد یہود و نصاریٰ سے جو تکلیفیں پہنچیں مال اور جائیداد سے ہاتھ دھونا پڑا صبر میں یہ سب چیزیں شامل ہیں۔

مؤمنین اہل کتاب کی ایک صفت بیان فرمائی کہ وہ اچھائی کے ذریعہ برائی کو دفع کرتے ہیں یعنی گناہ کے بعد نیک کام کر لیتے ہیں جن سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ نیکیوں کے ذریعہ گناہوں کا معاف ہو جانا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک قانون ہے اور یہ اس کا بہت بڑا کرم ہے۔ سورۂ ہود میں فرمایا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ تو جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرو اور برائی کے پیچھے نیکی لگا دو۔ یہ نیکی اس برائی کو مٹا دے گی۔ اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ میل جول رکھو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲ از احمد ترمذی داری)

اور بعض حضرات نے برائی کو اچھائی سے ذریعہ دفع کرنے کا مطلب یہ لیا ہے کہ جب کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو اس کے سر زد ہو جانے پر توبہ و استغفار کر لیتے ہیں اس نیکی سے وہ برائی کم ہو جاتی ہے یہ معنی مراد لینا بھی الفاظ قرآنیہ سے بعید نہیں ہیں۔

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ کا مطلب مفسرین نے یہ بتایا ہے جو سیاق قرآنی سے اقرب ہے کہ جو لوگ انکے ساتھ بد اخلاقی سے پیش آئیں۔ بدکلامی کریں وہ انکی اس حرکت کو تحمل اور برداشت کے ذریعہ دفع کر دیتے ہیں یعنی بدلہ لینے اور ترکی بہ ترکی جواب دینے کا ارادہ نہیں کرتے عفو اور درگزر اور نرمی اختیار کرتے ہیں۔ یہ مفہوم سورۂ فصلت کی آیت کریمہ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ کے ہم معنی ہے۔

مؤمنین اہل کتاب کی تیسری صفت انفاق مال بتائی اور فرمایا وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں خرچ کرتے ہیں) اہل ایمان کی یہ صفت قرآن مجید میں کئی جگہ بیان فرمائی ہے۔ یہاں مؤمنین اہل کتاب کی صفات میں خاص طور سے اس کا ذکر اس لئے فرمایا کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حبشہ سے جو افراد آئے

تھے (جن کا ذکر اوپر ہوا مدینہ منورہ پہنچ کر جب انہوں نے مسلمانوں کی مالی تنگی دیکھی تو کہنے لگے کہ اے اللہ کے نبی (ﷺ) ہمارے پاس بہت سے اموال ہیں اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو واپس جا کر اپنے اموال لے آئیں اور انکے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کریں۔ آپ نے انہیں اجازت دیدی اور واپس گئے اور اپنے اموال لیکر آ گئے جن کے ذریعہ انہوں نے مسلمانوں کی مدد کی اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔) (ذکرہ فی عالم التنزیل عن سعید بن جبیر)

پانچویں آیت میں مؤمنین اہل کتاب کی ایک صفت بیان فرمائی (جو دیگر اہل ایمان کی صفات میں بھی مذکور ہے کہ) جب وہ کوئی لغویات سنتے ہیں تو وہ اس سے اعراض کرتے ہیں۔ یعنی اسطرح گزر جاتے ہیں جیسے سنا ہی نہیں اور جو لوگ انکے ساتھ بیہودہ باتوں سے پیش آتے ہیں ان سے کہتے ہیں کہ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ (ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال) تم لغو باتیں کیوں کرتے ہو اپنے اعمال کو دیکھو اور اپنی جان کی خیر منانے کی فکر کرو۔ عذاب میں مبتلا ہونے کا کام کر رہے ہو اور ہم سے بلا وجہ الجھتے ہو سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ تم پر سلام ہو۔ یہ سلام وہ نہیں ہے جو اہل ایمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو پیش کرتے ہیں بلکہ یہ جان چھڑانے کا ایک طریقہ ہے جیسے اہل اردو کسی بیہودہ آدمی سے جان چھڑانے کے لئے یوں کہہ دیتے ہیں کہ بھیا سلام کریں اور اس کا یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ ہم تمہاری حرکتوں کا جواب نہ دیں گے بدلہ نہ لیں گے تم ہماری طرف سے باسلامت رہو، ہم تم سے کوئی انتقام نہیں لیں گے۔ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ (ہم جاہلوں سے بات چیت کرنا الجھنا نہیں چاہتے تفسیر قرطبی ص ۲۹۶ ج) میں حضرت عروہ بن زبیر سے نقل کیا ہے کہ آیت بالا نجاشی اور اسکے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ نجاشی نے بارہ آدمی بھیجے یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان لے آئے ابوجہل انکے ساتھ ہی وہیں قریب تھا جب یہ لوگ ایمان قبول کر کے خدمت عالی سے اٹھے تو ابوجہل اور اسکے ساتھی انکے پیچھے پڑ گئے کہنے لگے کہ تم تو نامراد لوگ نکلے تمہاری یہ جماعت بری جماعت ہے تم نے محمد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے میں ذرا بھی دیر نہ لگائی۔ سواروں کی کوئی جماعت ہم نے تم سے بڑھ کر احمق اور جاہل نہیں دیکھی ان حضرات نے جواب میں کہا کہ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ اور یہ بھی کہا کہ ہمارے سامنے جب ہدایت آ گئی تو ہم نے اسے قبول کر لیا اور اپنے جانوں کی خیر خواہی میں کوتاہی نہیں کی، اور ساتھ ہی یوں بھی کہا کہ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ (ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں) ابوجہل اور اسکے ساتھیوں کو جواب دیا اور اللہ تعالیٰ نے انکا یہ جواب نقل فرمایا اور انکی توصیف فرمائی۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

بلاشبہ جسے آپ چاہیں ہدایت پر نہیں لا سکتے اور لیکن اللہ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانیوالوں کو خوب جانتا ہے

آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے

تفسیر: اول تو ہدایت کا مفہوم سمجھنا چاہئے۔ سو واضح رہے کہ لفظ ہدایت عربی میں دو معنی کے لئے آتا ہے۔ اول صحیح راہ بتا دینا اور دوسرے پہنچا دینا۔ اول کو اراءۃ الطریق اور دوسرے کو ایصال الی المطلوب کہتے ہیں۔ لفظ ہدایت قرآن مجید

میں دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے اس بات کو سمجھنے کے بعد اب یہ سمجھیں کہ رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور جنات کو حق کی راہ بتادی اور راہ دکھادی اور چونکہ یہ سب رسول اللہ ﷺ کے توسط سے ہوا اس لئے آپ بھی سب کے ہادی اور رہبر اور راہ دکھانے والے ہیں آپ نے خوب واضح طریقہ پر حق واضح فرما دیا' اور اللہ تعالیٰ کیطرف سے جو نازل ہوا ہے بڑی محنت اور کوشش سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو پہنچا دیا اب پہنچانے کے بعد لوگوں کی طرف سے قبول کرنا رہ جاتا ہے کسی نے قبول کیا اور کسی نے قبول نہ کیا لیکن آپ کا دل چاہتا تھا سب ہی ہدایت پر آ جائیں اور مسلمان ہو جائیں لیکن لوگوں سے حق منوانا اور اسلام قبول کرانا آپکے بس میں نہیں تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بار بار آپکو قرآن مجید میں خطاب فرمایا ہے کہ آپ کا کام بتانا ڈرانا اور سمجھانا ہے۔ منوا دینا آپکی ذمہ داری نہیں ہے۔

چونکہ آپکے جذبات یہ تھے کہ سب ہی ہدایت یاب ہو جائیں تو اپنے چچا ابو طالب کے واسطے اس بات کے فکر مند کیوں نہ ہوتے کہ وہ مسلمان ہو جائیں انہوں نے آپکی بہتر خدمت کی تھی بچپن سے آپکے ساتھ رہے تھے جب آپ نبوت سے سرفراز ہوئے تو مشرکین سے جو آپکو تکلیفیں پہنچیں ابو طالب انکا بھی دفاع کرتے رہے۔ جب آپکو معلوم ہوا کہ ابو طالب کے موت کا وقت ہے اور ابھی ہوش میں ہیں تو آپ انکے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا کہ آپ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دیں میں اللہ تعالیٰ کے حضور آپکے اس کلمہ کی کہنے اور پڑھنے کی گواہی دیدوں گا۔ وہیں پر ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ دونوں مشرک بھی موجود تھے وہ ابو طالب کو عبدالمطلب کی ملت پر مرنے کی ترغیب دیتے رہے۔ آپ نے بار بار اپنی بات پیش کی لیکن ابو طالب نے یوں کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر قریش یہ کہہ کر مجھے عار نہ دلاتے کہ گھبراہٹ کی وجہ سے کلمہ اسلام قبول کر لیا ہے تو تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا انہوں نے کلمہ اسلام پڑھنے سے انکار کر دیا اور موت آ گئی۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا رنج تھا اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی اور فرمایا کہ آپ جسے چاہیں ہدایت دیں یعنی حق قبول کرا دیں اور مؤمن بنا دیں یہ آپکے بس کی بات نہیں ہے اللہ جسے چاہے ہدایت دے۔ (راجع صحیح مسلم ص ۴۰ ج ۱ وصحیح البخاری ص ۷۰۳ ج ۲)

معلوم ہوا کہ آپ کا کام بیان کرنا پہنچا دینا ہے اور کسی کے دل میں ایمان ڈالدینا یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

وَقَالُوٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا

اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم آپکے ساتھ ہدایت کا اتباع کرنے لگیں تو ہم اپنی زمین سے اُچک لئے جائیں گے کیا ہم نے انہیں امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی

يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَكَمْ

جہاں ہر چیز کے پھل لائے جاتے ہیں جو ہمارے پاس سے کھانے کے لئے دیئے جاتے ہیں۔ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے اور

اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ ۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ ۢ بَعْدِهِمْ

کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں جو اپنے سامان عیش پر اترانے والی تھیں۔ سو یہ ان کے گھر ہیں جن میں انکے بعد سکونت اختیار

اِلَّا قَلِیْلًا ؕ وَ كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ ۝۵۸ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى یَبْعَثَ فِیْۤ اُمِّهَا

نہیں کی گئیں مگر تھوڑی سی اور بالآخر ہم ہی مالک ہیں اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں جب تک کہ انکی مرکزی بستی میں

رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۚ وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِی الْقُرٰۤى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝۵۹ وَ مَاۤ

رسول نہ بھیج دے جو اُن پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہو اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں الا یہ کہ انکے رہنے والے ظالم ہوں، اور تمہیں

اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتُهَا ۚ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى ؕ

جو بھی کوئی چیز دی گئی ہے سو وہ دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور زینت ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے سو وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۰

کیا تم نہیں سمجھتے ہو۔

اہل مکہ کی اس بات کی تردید کہ ہم ہدایت قبول کرلیں تو اپنی زمین سے نکال دیئے جائیں گے

تفسیر: علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے ص ۳۰۰ ج ۷ کہ حارث بن عثمان نوفل بن عبد مناف نے رسول اللہ ﷺ سے کہا ہے، ہم یہ جانتے ہیں کہ آپکی بات حق ہے لیکن ہم جو ایمان لانے اور ہدایت قبول کرنے سے بچ رہے ہیں سو اس کا سبب یہ ہے کہ ہمیں ڈر ہے کہ اہل عرب ہمیں ہماری سرزمین مکہ سے اچک لیں گے یعنی ہمارے خلاف محاذ بنا کر ہمیں مکہ معظمہ سے نکال دیں گے، یہ خواہ مخواہ کی حیلہ بازی تھی کیونکہ عرب کے قبائل آپس میں ایک دوسرے پر حملہ کرکے لوٹ مار تو کرتے تھے اور ایک دوسرے کے خون کے دشمن بنے رہتے تھے لیکن حرم مکہ کو محترم جانتے تھے اور اہل مکہ پر کبھی حملہ نہیں کرتے تھے اسی کو فرمایا اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا (کیا ہم نے انہیں امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی؟) جب امن کی جگہ میں رہتے ہیں جہاں قتل وقتال اور لوٹ مار کرنے سے سارے عرب بچتے ہیں تو یہ بہانہ کیوں بناتے ہو کہ ہم ایمان قبول کرلیں گے تو ہمیں اہل عرب اچک لیں گے۔ یُّجْبٰۤى اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا (جہاں ہر چیز کے پھل لائے جاتے ہیں) جو ہمارے پاس سے کھانے کے لئے دیئے جاتے ہیں۔

حرم پر امن بھی ہے اور کھانے پینے کے لئے ہر قسم کے پھل وہاں کھنچے چلے آرہے ہیں۔ تو وہاں نہ خوف کی بات ہے نہ بھوکے رہنے کا ڈر ہے۔ اسی کو سورۃ القریش میں فرمایا: فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (سو اس بیت کے رب کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک کی وجہ سے کھلایا اور خوف سے امن دیا)

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے) کہ انکا استدلال غلط ہے کہ اسلام قبول کر لیں گے تو بھوکے مر جائیں گے جس ذات نے انہیں انکے زمانہ میں کفر میں امن دیا اور رزق عطا فرمایا کیا اسلام قبول

کرنے پر انہیں رزق سے محروم فرمادے گا اور ان پر کافروں کو مسلط فرمادیگا؟

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۔ (اور کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں جو اپنے سامان عیش پر اترانے والی تھیں) فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ (سو یہ انکے گھر ہیں کہ انکے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کے لئے)۔

اس میں بتایا کہ تم جو اس وہم کی وجہ سے ایمان لانے سے ڈرتے ہو کہ لوگ ہمیں اچک لیں گے اور ایمان لانے کو قتل و غارت کا سبب سمجھتے ہو یہ تمہارا غلط خیال ہے ایمان سبب ہلاکت نہیں ہے بلکہ کفر سبب ہلاکت ہے۔ اہل مکہ کو امن و امان میں ہیں اور انہیں رزق ملتا ہے لیکن انکا رزق اور مال اتنا زیادہ نہیں جتنا گزشتہ اقوام کے پاس تھا بہت سی ایسی بستیاں اسی زمین پر آباد تھیں جنہیں اپنے سامان عیش و عشرت پر ناز تھا۔ نعمتوں میں مست تھے۔ مال و دولت پر اتراتے تھے لیکن ساتھ ہی کافر بھی تھے انہوں نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی دعوت پر کان نہ دھرا ایمان قبول نہ کیا لہٰذا ہم نے انہیں ہلاک کر دیا انکی بستیاں تباہ ہوگئیں، مضبوط قلعے برباد ہوگئے ان کے رہنے کے جو مکانات تھے ان مکانوں میں ان کے بعد تھوڑا بہت ہی کسی کو رہنے کا موقع ملا۔ اگر ان میں سے کوئی گھر باقی رہ گیا تو مسافروں نے آتے جاتے تھوڑی بہت قیام کرلیا۔ **لم يسكنها الا المسافر او مار الطريق يوماً او ساعة** (قرطبی) (حضور ﷺ کے دور کے ان میں کوئی نہیں رہتا مگر کوئی مسافر ایک آدھ دن یا کوئی راہ گذرتا ہو گھڑی بھر ٹھہر جاتا ہو تو الگ بات ہے)۔

وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ (اور ہم ہی مالک ہیں) جو مجازی ملکیتیں تھیں وہ سب ہلاک ہوگئیں۔ سدا رہے نام اللہ کا وہ سب کا حقیقی مالک اور بادشاہ ہے۔ ہمیشہ سے اسی کا اختیار اور اقتدار باقی ہے اور باقی رہے گا۔

اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی بستی کو ہلاک نہیں فرماتا جب تک انکی مرکزی بستی میں کوئی رسول نہ بھیجے اور بستیوں میں رہنے والے ظلم پر نہ اتر آئیں

اس کے بعد فرمایا وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى (الآیۃ) کہ آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک نہیں فرماتے جب تک مرکزی بستی میں کوئی رسول نہ بھیجیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آتے رہے اللہ کے احکام پہنچاتے رہے جب مخاطبین نے نہیں مانا اور ظلم پر جمے رہے۔ گناہوں پر اڑے رہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک فرمادیا۔ مطلب یہ ہے کہ اتمام حجت کے بعد ظالموں کو ہلاک کیا جاتا رہا ہے۔ **قال القرطبیؒ اخبر تعالیٰ انه لا يهلكهم الا اذا استحقوا الاهلاک بظلمهم ولا يهلكهم مع كونهم ظالمين الا بعد تاكيد الحجة والالزام ببعثة الرسل ولا يجعل علمه باحوالهم حجة عليهم** ۔ (امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ قوموں کو ہلاک نہیں کرتا مگر اس وقت جب کہ وہ اپنے ظلم کی وجہ سے ہلاک ہونے کے مستحق ہو جاتے ہیں اور ان کے ظالم ہونے کے باوجود پیغمبر بھیج کر اتمام حجت کرنے کے بعد ہی ہلاک کرتا ہے اور قوموں کے حالات کے علم کو ان پر حجت نہیں بنایا)

پھر فرمایا: وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی (اور تمہیں جو بھی کوئی چیز دی گئی ہے سو دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور زینت ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے سو وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔) چونکہ دنیاوی زندگی اور اس میں کام آنیوالا مال متاع اہل کفر کو ایمان لانے سے روکتا تھا اور ابھی بھاری تعداد میں ایسے کافر و مشرک ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو واقعی اللہ تعالیٰ کا رسول سمجھتے ہیں اور یہ یقین کرتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے لیکن دنیاوی اموال اور اغراض اور تھوڑی سی دیر کی دنیاوی عزت اور جاہ کو دیکھتے ہوئے ایمان قبول نہیں کرتے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ تمہیں دنیا میں جو بھی کچھ دیا گیا ہے۔ یہ سب دنیا والی زندگی میں کام آنے والی چیز ہے اور اسی دنیا کی زیب و زینت ہے یہ سب کچھ موت کے ساتھ ختم ہو جائے گا تھوڑی سی دیر کی چیزیں ہیں۔ انکی وجہ سے ایمان نہ لا کر آخرت کی نعمتوں سے کیوں محروم ہوتے ہو وہاں جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے گا وہ اس سب سے بہتر ہوگا اور دائمی ہو گا' کفر کی وجہ سے اس سے محرومی ہوگی اور دوزخ میں داخل ہو گے حقیر فانی دنیا کے لئے وہاں کی دائمی اور بہتر در بہتر نعمتوں سے محروم ہونا اور دائمی عذاب میں جانا کوئی سمجھداری کی بات نہیں۔ اسی کو فرمایا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم سمجھتے نہیں۔

حرم شریف میں ہر قسم کے ماکولات مشروبات اور مصنوعات ملتے ہیں جس میں یُجْبٰٓی اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ کا مظاہرہ ہے۔ حرم کے بارے میں جو یہ فرمایا کہ جہاں ہر چیز کے پھل لائے جاتے ہیں۔ اس سے بعض حضرات نے یہ استنباط کیا ہے کہ لفظ ثمرات پھلوں کو تو شامل ہے ہی دوسری مصنوعات کو بھی شامل کیا ہے جو فیکٹریاں اور ملوں اور کارخانوں کے ثمرات ہیں۔ چنانچہ ہمیشہ اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ دنیا بھر کی پیدا ہونے والی غذائیں اور ہر اعظم کی مصنوعات بڑی تعداد میں فراوانی کے ساتھ مکہ معظمہ میں ملتی ہیں۔ حج کے موقعہ پر لاکھوں افراد بیک وقت جمع ہو جاتے ہیں سب کو رزق ملتا ہے اور دنیا بھر کی چیزیں مکہ مکرمہ میں اور منیٰ میں بڑی وافر مقدار میں ملتی ہیں۔ اور مدینہ منورہ میں بھی اس کا مشاہدہ ہے بلکہ وہاں مکہ مکرمہ سے زیادہ غذائیں اور دوائیں انسانی ضرورت کی چیزیں ملتی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی دعا کا اثر ہے آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا اللھم اجعل بالمدینة ضعفی ما جعلت بمکة اے اللہ مکہ میں جو برکت آپ نے رکھی ہے مدینہ میں اسکی دگنی برکت رکھ دیجئے (رواہ البخاری)

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِیْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ هُوَ

سو جس شخص سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہو پھر وہ اسے پانے والا ہو کیا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیا والی زندگی کا سامان دیدیا پھر وہ

یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ﴿۶۱﴾ وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ

قیامت کے دن گرفتار کر کے لایا جائے گا' اور جس دن وہ انہیں پکارے گا سو فرمائے گا کہ میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کے بارے میں تم

تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَغْوَیْنَا ۚ اَغْوَیْنٰهُمْ

گمان کرتے تھے' جن لوگوں پر اللہ کا فرمودہ ثابت ہو چکا ہوگا وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا ہم نے انکو ویسا ہی بہکایا

كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾ وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ

جیسا کہ ہم خود بہکے تھے ہم آپ کے حضور ان سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے اور کہا جائے گا کہ اپنے شرکاء کو بلاؤ

فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ

سو وہ انکو بلائیں گے پھر وہ انکی پکار کا جواب نہ دیں گے اور عذاب کو دیکھ لیں گے۔ اے کاش وہ ہدایت پائے ہوئے ہوتے اور جس دن انہیں آواز دے گا

فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٦٦﴾

سو فرمائے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا سو اس دن انکی خبریں گم ہو جائیں گی پھر وہ آپس میں پوچھ پاچھ نہ کریں گے

فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾

سو جس شخص نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے سو اُمید ہے کہ یہ لوگ فلاح پانیوالوں میں سے ہوں گے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا مشرکین سے خطاب اور یہ سوال کہ جنہیں تم نے شریک ٹھہرایا تھا وہ کہاں ہیں؟

تفسیر: مذکورہ بالا سات آیات ہیں۔ پہلی آیت میں آخرت کے انجام کے اعتبار سے مؤمن اور کافر کا فرق بتایا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ ایک تو وہ شخص ہے جس سے ہم نے اچھا وعدہ کر رکھا ہے کہ اس کو ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ابدی نعمتیں ملیں گی اور ایک وہ شخص ہے جو مؤمن نہیں ہے لیکن اسے ہم نے دنیا والی زندگی کا سامان دے رکھا ہے جسے وہ استعمال کرتا ہے دنیا میں تو بظاہر کامیاب سمجھا جاتا ہے لیکن کیونکہ وہ کافر ہے اسلئے وہ قیامت کے دن گرفتار ہو کر آئے گا۔ اور پھر دوزخ میں چلا جائے گا۔ غور کرنیوالے غور کریں اور سمجھنے والے بتائیں کیا یہ مؤمن اور کافر برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس میں جہاں کافروں کو تنبیہ کی گئی ہے چند روزہ زندگی اور سامان عشرت پر نہ اترائیں وہاں مسلمانوں کو بھی بتا دیا گیا ہے کہ کافروں کے سامان کی طرف نظریں نہ اٹھائیں یہ تھوڑے دن کی حقیر دنیا ہے اس کو دیکھ کر للچانا ایمانی تقاضے کے خلاف ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہرگز کسی فاجر کی نعمت پر رشک نہ کر' کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ موت کے بعد کس چیز سے ملاقات کرنیوالا ہے بیشک اللہ کے نزدیک اس کے لئے ایک قاتل ہے جسے کبھی موت نہ آئے گی یعنی دوزخ ہے۔ (اس میں داخل ہوگا اور چھٹکارہ کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔)

دوسری آیت سے لیکر چھٹی آیت کے ختم تک مشرکین اور کافرین سے جو خطاب ہوگا اس کا ذکر ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے پکار کر سوال فرمائے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں؟ جنہیں تم میرا شریک سمجھ رہے تھے اس کے جواب میں انکے گمراہ کرنیوالے شیاطین جن کے بارے میں یہ طے ہو چکا ہے کہ انہیں دوزخ میں جانا ہی ہے یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب بیشک یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے بہکایا ہم نے انہیں ایسے ہی بہکایا جیسے ہم بہکے تھے

یعنی نہ ہم پر کسی نے کوئی زبردستی کی تھی نہ ہم نے ان پر زبردستی کی ہم گمراہ ہوئے۔ انہیں بھی گمراہی کی باتیں بتائیں انہوں نے بات مان لی۔ دنیا میں ہم نے انہیں گمراہی پر لگایا اور یہ بھی ہماری باتوں میں آ گئے اب یہاں تو ہم آپکے حضور میں ان سے بیزار ہیں جب بہکانیوالے اور گمراہ کرنے والے اپنے متبعین سے بیزاری ظاہر کریں گے تو وہ یوں کہیں گے کہ اگر ہمیں دنیا میں واپس جانا نصیب ہو جاتا تو ہم بھی ان سے بیزاری ظاہر کرتے (کما فی سورۃ البقرۃ)۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۔ بہکانے والے ساتھ ہی یوں بھی کہیں گے مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ کہ یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے (یہ حقیقت میں اپنی خواہشوں کے بندے تھے گمراہی کی باتیں انکی خواہشوں کے مطابق تھیں لہٰذا انہیں قبول کر لیا اور وہ اپنی بربادی کا سبب خود بنے) مشرکین سے یہ بھی کہا جائے گا کہ جنہیں تم اپنے خیال میں ہمارا شریک سمجھتے تھے انہیں پکارو! وہ حیرانی کے عالم میں انہیں پکاریں گے لیکن وہ انکی بات کا جواب نہ دیں گے وہ اپنی ہی مصیبت میں مبتلا ہوں گے کسی کو کیا جواب دیں۔ وَرَاَوُا الْعَذَابَ (اور گمراہی کی دعوت دینے والے اور جنہیں گمراہی کی دعوت دی گئی عذاب کو دیکھ لیں گے) لو انھم کانوا یھتدون (اس وقت وہ آرزو کریں گے کہ ہائے کاش ہم دنیا میں ہدایت پر ہوتے) اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ کاش اس وقت کوئی ایسی تدبیر جان لیتے جس سے یہ عذاب دفع ہو سکتا۔ اگر کوئی تدبیر ہوتی تو اس کو اختیار کر لیتے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکار کر سوال کیا جائے گا کہ جب تمہیں رسولوں نے تبلیغ حق کی دعوت پہنچائی تو تم نے کیا جواب دیا؟) فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ (سو ساری خبریں یعنی ہر طرح کے مضامین جن کے ذریعہ جواب دیں سب غائب ہو جائیں گے) اور انہیں کچھ سمجھ نہ آئے گا کہ کیا جواب دیں۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ سوال ہوگا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا (کما فی سورۃ المائدۃ) يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (تو اس وقت کی حیرانی میں کچھ جواب نہ دے سکیں گے جب اللہ تعالیٰ کے پیاروں کا یہ حال ہوگا تو گمراہ لوگوں کا جو حال ہوگا ظاہر ہے انہیں بولنے اور جواب دینے کی تاب کہاں ہو سکتی ہے؟) فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ (سو وہ آپس میں پوچھ پاچھ نہ کریں گے) کیونکہ اس دن کی وحشت اور مصیبت نے سب کچھ بھلا رکھا ہوگا کوئی کسی سے نہ پوچھے گا کہ کیا جواب دوں شرک اور کفر پر مرنے والوں کا حال بتانے کے بعد ان حضرات کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے شرک اور کفر سے توبہ کی اور ایمان اور اعمال صالحہ سے آراستہ ہوئے۔ ارشاد فرمایا: فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ (یعنی جس نے کفر شرک سے توبہ کی اور ایمان لایا اور اعمال صالحہ اختیار کئے۔ سو یہ لوگ کامیابی پانیوالوں میں سے ہوں گے)

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور آپ کا رب جسے چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ ان لوگوں کو چن لینے کا کوئی حق نہیں ہے اللہ پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى

اور آپ کا رب جانتا ہے جس کو انکے سینے چھپاتے ہیں اور جسے یہ لوگ ظاہر کرتے ہیں اور اللہ وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کے لئے سب تعریف ہے۔

الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ

دنیا میں اور آخرت میں، اور اسی کے لئے حکم ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے آپ فرما دیجئے تم بتاؤ اگر اللہ

عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا

قیامت کے دن تک تمہارے اوپر ہمیشہ کے لئے رات ہی کو موجود رکھے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہارے پاس روشنی کو لے آئے تو

تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ

کیا تم نہیں سنتے؟ اور آپ فرما دیجئے کہ تم یہ بتاؤ کہ اگر اللہ قیامت تک ہمیشہ کے لئے تم پر دن ہی کو موجود رکھے تو

اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ

اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آئے۔ اس میں تم آرام کرتے ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے؟ اور اس نے

لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

اپنی رحمت سے تمہارے لئے دن کو اور رات کو بنایا تا کہ تم اس میں آرام کرو اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو۔

اگر اللہ تعالیٰ رات یا دن کو ہمیشہ باقی رکھتے تو وہ کون ہے جو اس کے مقابلہ میں رات یا دن لا سکے

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی صفات جلیلہ اور قدرت کاملہ کے مظاہر بیان فرمائے جن میں بندوں پر بھی امتنان ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ (آپ کا رب جو چاہے پیدا فرمائے اور جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس میں ولید بن المغیرہ کی اس بات کا جواب دیا ہے جو اس نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو رسول بھیجنا ہی تھا تو مکہ اور طائف کے شہروں میں سے کسی بڑے آدمی کو بھیجنا چاہیے تھا (یعنی جو اس کے ذہن میں بڑا تھا) اہل دنیا دنیاداروں ہی کو بڑا سمجھتے ہیں اسلئے اس نے ایسی بات کہی اس کا مقصد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرتا تھا اسی کو سورۂ زخرف میں یوں بیان فرمایا ہے وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ مذکورہ بالا آیت یہودیوں کے جواب میں نازل ہوئی۔

انہوں نے کہا تھا کہ محمد (ﷺ) کے پاس وحی لانے والا فرشتہ اگر جبرئیل کے علاوہ کوئی دوسرا فرشتہ ہوتا تو ہم ان پر ایمان لے آتے ان لوگوں کو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ اس نے سارے نبیوں کے بعد خاتم النبیین بنانے کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ کو چن لیا۔ اور سب فرشتوں میں سے وحی بھیجنے کے لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو چن لیا۔ اس پر اعتراض کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پیدا فرمائے اور جسے چاہے اپنی اطاعت کے لئے چن لے

(ذکر ذلک القرطبیؒ فی تفسیرہ) اور بعض حضرات نے یختار کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس حکم کو چاہتا ہے پسند فرماتا ہے اور اپنے نبی ﷺ کے ذریعہ نازل فرما دیتا ہے۔ پہلے جملہ میں یہ بتایا کہ تکوینی امور میں بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں اور تشریعی اختیارات میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ آیت کریمہ کے عموم لفظی میں یہ سب باتیں داخل ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لئے جسے چاہا' چن لیا۔ اور جن حضرات کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ان میں بھی آپس میں ایک دوسرے کو فضیلت دی۔ بعض کو اولوالعزم بنایا اور بعض کو بہت بڑی اُمت عطا فرما دی' اور بعض پر ایمان لانے والے تھوڑے ہی سے تھے۔ بعض انبیاء کرام علیہم السلام پر ایک شخص بھی ایمان نہیں لایا۔ حضرت ابراہیم کو خلیل اللہ بنایا اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو حبیب اللہ بنایا اور معراج کا شرف عطا فرمایا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مناجات کی فضیلت عطا فرمائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کلمۃ اللہ کے ساتھ موصوف فرمایا۔ اسی طرح فرشتوں میں جس کو جو مرتبہ دیا اس میں کوئی دخیل اور شریک نہیں۔ سورۂ حج میں فرمایا اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا (اللہ فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے چن لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی)۔

اسی طرح سے جنتوں میں بھی باہم فضیلت ہے۔ جنت الفردوس سب سے اعلیٰ اور افضل ہے آسمانوں میں بھی ایک کو دوسرے پر برتری عطا فرمائی اور زمین کے خطوں میں بھی ایک دوسرے کو فضیلت دی۔ کعبہ شریف کے لئے مکہ معظمہ کو منتخب فرما لیا اور مسجد نبوی میں بھی ایک حصہ کو روضۃ من ریاض الجنۃ قرار دیدیا۔ اور مدینہ منورہ کو رسول ﷺ کو مسکن اور مدفن بنایا۔

جو لوگ اہل علم ہیں ان میں بھی کسی کو بہت زیادہ علم دیا کسی سے دین کی خدمت بہت لی' کسی کو مفسر کسی کو محدث کسی کو مفتی اور فقیہ بنایا' کسی کی طرف بہت زیادہ رجوع عطا فرمایا' طلبہ وتلامذہ کی ہزاروں کی تعداد ہو گئی۔ کسی سے بہت بڑا مدرسہ قائم کروا دیا اور اسکی طرف اُمت کا رجوع عام کر دیا کسی کو کتابیں لکھنے کی توفیق زیادہ دے دی پھر اسکی کتابوں کی مقبولیت عامہ نصیب فرما دی۔ وھلم جرا الی مالا یعد ولا یحصیٰ

مَا کَانَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ (لوگوں کو چن لینے اور اختیار کرنے کا کوئی حق نہیں) اللہ نے جسے چاہا فضیلت دے دی اور جو حکم چاہا بھیج دیا۔ یہ سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے۔ سبحان اللّٰہ وتعالیٰ عما یشرکون۔ اللہ پاک ہے اور وہ برتر ہے اس سے وہ جو شریک کرتے ہیں۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کی صفتِ علم کو بیان فرمایا اور فرمایا کہ آپ کا رب وہ سب کچھ جانتا ہے جسے لوگ اپنے سینوں میں چھپاتے ہیں۔ اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ لہٰذا کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں نے جو کچھ اپنے دل میں بات رکھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں نہیں ہے اسے ظاہراً اور باطناً ہر چیز اور ہر بات کا پورا پورا علم ہے۔

تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان فرمائی اور صفاتِ جلیلہ وجمیلہ سے اس کا متصف ہونا ذکر فرمایا۔ ارشاد ہے۔ وَھُوَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ وَلَہُ الْحُکْمُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (اور اللہ وہی ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں اسی کے لئے سب تعریف ہے دنیا میں اور آخرت میں' اور اسی کے لئے حکم ہے۔ اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) تمام تعریفوں کا وہی مستحق ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی' اسی کا فیصلہ حق ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی' اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اسے سب کا حال معلوم ہے وہ اپنے علم کے مطابق فیصلے فرمائے گا اور جزا وسزا دے گا۔

چوتھی پانچویں، چھٹی آیت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے بندوں کو اپنی دو بڑی نعمتیں یاد دلائیں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دن بھی دیا ہے اور رات بھی دی ہے۔ یہ محض اس کا فضل ہے اور اسی کی قدرت سے لیل و نہار کا آنا جانا ہے۔ وہ اگر چاہے تو قیامت تک ہمیشہ رات ہی رات کر دے۔ دن کبھی نہ آئے اور دن کی روشنی سے تم بالکل محروم ہو جاؤ، اسی طرح اگر وہ ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک دن ہی دن رکھے رات نہ لائے جس میں تم آرام کرتے ہو تو تم کیا کر سکتے ہو؟ چونکہ مشرکین غیر اللہ کو بھی عبادت میں شریک کرتے تھے جب کہ انہیں کچھ قدرت اور اختیار نہیں اسی لئے پہلی جگہ یوں فرمایا کہ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ (کہ اللہ کے سوا کون معبود ہے جو روشنی کو لے آئے) اور دوسری جگہ فرمایا مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ (کہ اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو رات کو لے آئے جس میں تم آرام کرتے ہو یہ بطور استفہام انکاری ہے کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے، جو رات کو دن سے بدل دے اور دن کو رات سے بدل دے، تم عقل اور فہم اور سمع و بصر سے کام کیوں نہیں لیتے؟

رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں فوائد تو بہت ہیں۔ لیکن دن میں معاش حاصل کرنا اور رات کو آرام کرنا دونوں عظیم فائدے ہیں انکو اجمالاً آخری آیت میں بطور یاد دہانی مکرر بیان فرمایا چنانچہ ارشاد ہے وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (اور اسکی رحمت سے یہ بات ہے کہ اُس نے تمہارے لئے رات کو بنایا اور دن کو بنایا تا کہ رات کو تم آرام کرو اور دن میں اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو)

عام طور سے کسب اموال اور تحصیل رزق کے لئے دن ہی کو اختیار کیا جاتا ہے اور رات کو سکون حاصل ہوتا ہے ان دونوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا لازم ہے اسی لئے آخر میں وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ فرمایا۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ
اور جس دن وہ ان سے فرمائے گا کہ میرے شرکاء کہاں ہیں جنہیں تم شریک سمجھتے تھے۔ اور ہم ہر اُمت میں سے
كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا
ایک ایک گواہ نکال کر لائیں گے۔ پھر ہم کہیں گے کہ اپنی دلیل پیش کرو۔ سو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ سچی بات اللہ ہی کی ہے اور وہ جو کچھ جھوٹی باتیں گھڑا کرتے تھے
كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾
وہ سب گم ہو جائیں گی

قیامت کے دن ہر اُمت میں سے گواہ لانا اور شرک کی دلیل طلب فرمانا

تفسیر: یہ دو آیات ہیں پہلی آیت کے الفاظ تو مکرر ہیں لیکن سیاق کے اعتبار سے مقام مختلف ہے۔ پہلے تو یہ فرمایا تھا کہ جب ان لوگوں سے یہ سوال ہوگا کہ میرے شرکاء کہاں ہیں جنہیں تم میرا شریک بناتے تھے تو اس پر وہ لوگ جواب دیں گے جنہوں نے انہیں بہکایا تھا اور گمراہ کیا کہ اے ہمارے رب ہم نے انہیں گمراہ کیا جیسے ہم گمراہ ہوئے ہم نے بہکایا

تو تھا لیکن زبردستی نہیں کی تھی ہم بھی بہکے انکو بہکایا ہم ان سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں اور یہاں دوسری جگہ جو آیت شریفہ کو دوبارہ ذکر فرمایا ہے وہ بعد والی آیت کی تمہید ہے یعنی جب انہیں پکارا جائے گا تو ان سے جواب نہ بن پڑے گا اور ہر امت کا نبی ان پر گواہی دے گا کہ یہ لوگ دنیا میں کافر تھے' مشرک تھے۔ ایمان لانے سے منکر تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ (تم اپنی دلیل لے آؤ) اول تو انکے نبی کی انکے خلاف گواہی ہوگی پھر اپنے شرک اور کفر پر کوئی دلیل نہ لا سکیں گے اور اس وقت انہیں عین الیقین کے طور پر معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی بات سچی تھی' جو انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ پہنچی تھی اور ہمارا کفر شرک پر جما رہنا جہالت اور ضلالت پر مبنی تھا۔ جب دنیا میں کہا جاتا تھا کہ کفر و شرک سے بچو تو بڑی کٹ حجتی سے پیش آتے تھے اور جھوٹی جھوٹی باتوں کو دلیل کے طور پر پیش کیا کرتے تھے۔ آج قیامت کے دن دلیل کا سوال ہوگا تو وہ سب باتیں جو دنیا میں تراشتے تھے اور جھوٹ بناتے تھے سب گم ہو جائے گا۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ

بلاشبہ قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا سو وہ انکے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا اور ہم نے اسے خزانوں میں سے اس قدر دیا تھا کہ اسکی چابیاں

مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ

ایسی جماعت کو گراں بار کر دیتی تھیں جو قوت والے لوگ تھے جبکہ اسکی قوم نے اس سے کہا کہ تو مت اترا' بلاشبہ اللہ

لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ

اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتا' اور اللہ نے تجھے جو کچھ دیا ہے اسمیں دارِ آخرت کو جستجو کرتا رہے

مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ

اور دنیا میں سے اپنا حصہ فراموش مت کر اور جیسے اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اسی طرح تو بھی احسان کر اور زمین میں فساد کو تلاش مت کر بیشک

اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي ۚ أَوَلَمْ يَعْلَمْ

اللہ فساد کرنیوالوں کو پسند نہیں فرماتا۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے جو کچھ دیا گیا ہے یہ تو صرف میرے علم کی وجہ سے ہے جو میرے پاس ہے' کیا اس نے نہیں جانا کہ

أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ

بلاشبہ اللہ نے اس سے پہلے کتنی ہی جماعتوں کو ہلاک کر دیا جو قوت میں اس سے زیادہ سخت تھیں۔ اور اس سے زیادہ

جَمْعًا ۚ وَلَا يُسْأَلُ عَن ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٧٨﴾ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ۖ قَالَ

جتھ والی تھیں۔ اور مجرموں سے انکے گناہوں کے بارے میں سوال نہ کیا جائے گا۔ سو وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی ٹھاٹھ باٹھ میں نکلا جو لوگ

الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو

دنیا والی زندگی کے طالب تھے وہ کہنے لگے کاش ہمارے لئے بھی ایسا ہی مال ہوتا جیسا قارون کو دیا گیا ہے۔ بلاشبہ وہ

حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ

بڑے نصیب والا ہے اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا' انہوں نے کہا تمہارے لئے ہلاکت ہے' اللہ کا ثواب اس شخص کے لئے بہتر ہے

آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ

جو ایمان لایا اور نیک عمل کئے اور یہ بات انہی کے دلوں میں ڈالی جاتی ہے جو صبر کرنیوالے ہوں' سو ہم نے قارون کو اور اسکے گھر کو زمین

فَمَا كَانَ لَهُ مِن فِئَةٍ يَنصُرُونَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِينَ ﴿۸۱﴾

میں دھنسا دیا' سو کوئی بھی جماعت نہ تھی جو اسکی مدد کر کے اللہ سے بچا لیتی اور وہ خود بھی اپنی مدد کرنے والا نہ تھا اور کل گزشتہ جو لوگ آرزو کر رہے تھے

وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَيْكَأَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

کہ ہم بھی اس جیسے ہو جاتے صبح ہونے پر کہنے لگے کہ ارے! بات یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنا رزق اپنے بندوں میں سے

لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ ۖ لَوْلَا أَن مَّنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۖ وَيْكَأَنَّهُ

جسے چاہے زیادہ دیدے' اور جس پر چاہے رزق تنگ کر دے اگر اللہ ہم پر احسان نہ فرماتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا۔ ارے! بات یہ ہے کہ

لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿۸۲﴾

کافر لوگ کامیاب نہیں ہوتے

قارون کا اپنے مال پر اترانا' دُنیا داروں کا اس کا مال دیکھ کر ریجھنا' اور قارون کا اپنے گھر کیساتھ زمین میں دھنس جانا

تفسیر: ان آیات میں قارون کا اور اس کی مالداری کا اور بغاوت اور سرکشی کا اور زمین میں دھنسائے جانے کا ذکر ہے یہ تو قرآن مجید میں ذکر ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا لڑکا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا چچا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ انکی خالہ کا لڑکا تھا یہ سب اسرائیلی روایات ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے اسے اتنا زیادہ مال دیا تھا کہ اسکے خزانوں کا اٹھانا تو بہت دور کی بات ہے اسکے خزانوں کی کنجیاں اتنی زیادہ تھیں کہ قوت والی ایک جماعت کو ان چابیوں کے اٹھانے میں بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ جب مال زیادہ ہوتا ہے تو انسان کو تکبر ہو جاتا ہے اور مال غرور میں پھولا نہیں سماتا۔ قارون نے اپنے مال کی وجہ سے بنی اسرائیل پر بغاوت کی یعنی فخر کیا اور انکو حقیر جانا اپنے مال پر اترانے لگا۔ اسکی قوم نے اس سے کہا کہ دیکھ تو اترا مت' بلاشبہ اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا' اور تجھے جو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے تو اسکے ذریعہ دار آخرت کا طالب بن جا' یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا رہ' تا کہ یہ مال موت کے بعد تیرے کام آئے کیونکہ سب مال یہیں اسی دنیا میں دھرا رہ جائے گا ہاں جس نے آگے بھیج دیا اس کا آگے بھیجا ہوا مال کام دے گا۔ جو مال آخرت کے لئے نہ بھیجا' وہ پیچھے رہ جانے والے لوگوں

کو مل جائے گا۔ پھر ایسی بیوقوفی کیوں کرے کہ دوسرے لوگ اپنے چھوڑے ہوئے مال سے گل چھرے اڑائیں اور آخرت میں خود خالی ہاتھ حاضر ہو جائے اور بخیل بن کر اللہ تعالیٰ کے قوانین کے مطابق مال کو خرچ نہ کر کے اپنے ہی مال کو اپنے لئے وبال اور باعث عذاب بنا لے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بندہ کہتا ہے کہ میرا مال' میرا مال' حالانکہ اس کا مال صرف وہ ہے جو تین کاموں میں لگ گیا جو کھایا اور فنا کیا اور جو پہنا اور پرانا کر دیا اور جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دے دیا۔ سو اس نے اپنے لئے ذخیرہ بنا لیا اور اسکے سوا جو کچھ بھی ہے اسے لوگوں کے لئے چھوڑ کر چلا جائے گا (یعنی مر جائے گا) (رواہ المسلم ص ۴۰۷ ج ۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (حاضرین سے) سوال فرمایا کہ تم میں ایسا کون ہے جسے اپنے مال کی بہ نسبت اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبت ہو؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں سے ایسا کوئی بھی نہیں جسے اپنے مال کی بہ نسبت اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبت ہو! آپ نے فرمایا کہ اب تم سمجھ لو کہ اپنا مال وہ ہے جو آگے بھیج دیا (یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کر دیا تا کہ آخرت میں ثواب ملے اور وارث کا مال وہ ہے جو اپنے پیچھے چھوڑ کر چلا گیا۔ یعنی موت آنے پر خود اسی کا مال اسکے وارثوں کا ہو جائے گا) اب ہر شخص سوچ لے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے مال خرچ کرنے میں کنجوسی کرنا اور اس مال کو وارثوں کے لئے چھوڑ جانا یہ اپنے مال سے محبت نہ ہوئی بلکہ وارث کے مال سے محبت ہوئی۔

انسان کا یہ عجیب مزاج ہے کہ جتنا زیادہ مال ہو جائے اسی قدر کنجوس ہوتا چلا جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے خرچ نہیں کرتا۔ ایک فیکٹری کے بعد دوسری فیکٹری کروڑوں میں خریدے گا اور اگر کوئی سائل آ جائے تو سو پچاس ہاتھ پر رکھ دیگا اگر مسجد و مدرسہ میں خرچ کرنے کیلئے کہا جائے تو سو پچاس روپے سے زیادہ کی ہمت کرے گا۔ مالدار اکثر دنیا دار ہوتے ہیں آگے بھی دنیا پیچھے بھی دنیا' سوتے بھی دنیا جاگتے بھی دنیا اگر نماز پڑھنے لگے تو اس میں بھی دکان کا حساب لگانے کا دھیان' امپورٹ اور ایکسپورٹ کے بارے میں غور و فکر۔

قارون کی قوم نے یہ بھی کہا کہ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (کہ دنیا میں سے اپنے حصہ کو مت بھول جا) یعنی اس دنیا میں سے اپنا حصہ لے لے جو آخرت میں تیرے کام آئے' دنیا میں سے اپنا حصہ وہی ہے جو آخرت کے لئے بھیج دیا' وہاں جائیں گے تو وہ مل جائے گا۔ سورۂ مزمل میں فرمایا۔ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ (اور جو کچھ اپنی جانوں کے لئے پہلے سے بھیج دو گے اسے اللہ کے پاس لو گے)

بعض مفسرین نے وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا کا یہی مطلب بتایا ہے جو ہم نے ابھی ذکر کیا۔ اس معنی کے اعتبار سے یہ جملہ پہلے جملہ کی تاکید ہوگا۔ اور بعض حضرات نے اس کا یہ مفہوم بتایا ہے کہ اپنے مال کو دنیا میں بھی اپنی جان پر خرچ کر لے۔ کھالے پی لے اور معاش کی ضروریات میں خرچ کر لے' لیکن پہلا معنی اقرب اور راجح ہے کیونکہ کسی مالدار کو جو مال پر اتراتا ہو اس بات کی تلقین کرنے کی ضرورت نہیں کہ تو اپنی دنیا سے اپنے اوپر بھی خرچ کر لے

وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (اور تو اللہ کی مخلوق کے ساتھ احسان کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا)۔

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ (اور زمین میں فساد کا خواہاں مت ہو) یعنی اللہ تعالیٰ کے مقرر فرمودہ حقوق اور فرائض سے جان مت چرا اور گناہوں میں خرچ نہ کر' ریا کاری کے کاموں میں نہ لگا کیونکہ یہ زمین میں فساد برپا کرنے کی

چیزیں ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (بلاشبہ اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا) قوم نے جو فساد سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی نصیحت کی تھی اسکے جواب میں قارون نے کہا اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ (کہ یہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو کہ اللہ نے میرے ساتھ احسان فرمایا ہے مجھے مال دیا ہے میں اس بات کو نہیں مانتا مجھے تو یہ مال میری دانشمندی اور ہنر مندی کی وجہ سے ملا ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قارون سونا بنانے کی صنعت یعنی کیمیا گری سے واقف تھا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تجارت کے طریقوں سے اور کسب اموال کے مختلف ذرائع سے یہ مال کمایا ہے (قرطبی) پس جب میری محنتوں سے ملا ہے تو مجھے اختیار ہونا چاہیے کہ اپنا مال جہاں لگاؤں جس طرح لگاؤں اور کسی کو دوں یا نہ دوں اللہ جل شانہ نے فرمایا: اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا (کیا اس نے نہیں جانا کہ بلاشبہ اللہ نے اس سے پہلے کتنی ہی جماعتوں کو ہلاک کر دیا جو قوت میں اس سے زیادہ سخت تھیں اور جتھ کے اعتبار سے زیادہ تھیں) قارون نے اپنے مالدار ہونے کے گھمنڈ میں یوں کہہ دیا کہ میرے پاس جو کچھ مال ہے میری ہنر مندی سے ملا ہے اور اللہ تعالیٰ کی داد دہش کا منکر ہو گیا۔ اور ناشکری پر تل گیا' ناشکروں کا برا انجام ہوتا رہا ہے کیا اسے یہ پتہ نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے بہت سی ایسی جماعتوں کو ہلاک فرما چکا ہے جو مالی قوت میں بھی اس سے زیادہ تھیں اور مجمع کثیر ہونے کے اعتبار سے بھی' جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہوئی تو ان کے اموال اور جماعت اور جتھ کچھ بھی کام نہ آیا۔

وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ (اور مجرموں سے انکے گناہوں کے بارے میں سوال نہ ہوگا) یعنی ان سے گناہوں کی تصدیق کے طور پر یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تم نے جرم کیا ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کو تمام مجرمین کے گناہوں کی خبر ہے۔ اور فرشتوں نے جو صحائف اعمال لکھے تھے ان میں بھی سب کچھ موجود ہے۔ لہٰذا اس نوع کا سوال نہ ہوگا کہ اقرار کر لیں تو عذاب دیا جائے بلکہ جو سوال ہوگا (جس کا بعض آیات میں ذکر ہے) وہ سوال زجر و توبیخ کے لئے ہوگا۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ (الیٰ آخر الآیات الاربع) قارون کو اپنے مال پر فخر بھی تھا تکبر بھی تھا' ایک دن ریا کاری کے طور پر مالی حیثیت دکھانے کے لئے ٹھاٹھ باٹھ ساز و سامان کے ساتھ نکلا (جیسے اس دور میں مالدار لوگ بعض علاقوں میں ہاتھی پر بیٹھ کر بازاروں میں نکلتے ہیں اور بعض لوگ بلاضرورت بڑی بڑی کوٹھیاں بناتے ہیں پھر ریا کاری کے لئے لوگوں کی دعوتیں کرتے ہیں اور آنے والوں کو مختلف کمرے اور ان کا ساز و سامان دکھاتے پھرتے ہیں حد یہ ہے کہ بیٹی کو جو جہیز دیتے ہیں' وہ بھی ریا کاری کے ساتھ گاڑی کے ساتھ آگے پیچھے اس طرح روانہ کرتے ہیں کہ ایک ایک چیز کو ایک ایک مزدور ہاتھ میں لیکر یا سر پر رکھ کر گزرتا ہے) پھر جب لڑکی کے سسرال میں سامان پہنچتا ہے تو آنے جانے والوں کو دکھانے کے لئے گھر سے باہر سجاتے ہیں۔

جب قارون زینت کی چیزیں لیکر نکلا اور لوگوں کو لمبا جلوس نظر آیا تو انکی رال ٹپکنے لگی۔ کہنے لگے اے کاش ہمارے پاس بھی اسی طرح کا مال ہوتا جیسا کہ قارون کو دیا گیا ہے بیشک وہ بڑا نصیب والا ہے' یہ بات سن کر اہل علم نے کہا (جو دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے اجور کی بقا کو جانتے تھے) کہ تمہارا انجام برا ہو تم دنیا دیکھ کر للچا گئے یہ تو حقیر اور فانی تھوڑی سی دنیا ہے اصل دولت ہے ایمان کی اور اعمال صالحہ کی جو شخص ایمان لائے اور اعمال صالحہ کو اختیار کرے اس کیلئے اللہ کا

ثواب بہتر ہے۔ (رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ادنیٰ درجہ کے جنتی کو جنت میں اتنی وسیع جنت دی جائیگی جو اس پوری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اور اس سے دس گنا زیادہ ہوگی۔ اسی سے دوسری نعمتوں کا اندازہ کرلیا جائے) وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ (اور یہ بات جو بیان کی گئی کہ اہل ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے لئے اللہ کا ثواب بہتر ہے) یہ بات انہی بندوں کے دلوں میں ڈالی جاتی ہے جو طاعات اور عبادات پر جمے رہتے ہیں اور معاصی سے بچتے ہیں۔ قارون کروفر کے ساتھ نکلا۔ اہل دنیا دیکھنے والے اس پر ریجھ گئے اب اس پر اللہ تعالیٰ کی گرفت کا وقت آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ نہ مال کام آیا نہ جماعت کام آئی نہ نوکروں اور چاکروں نے مدد کی اور نہ کوئی تدبیر کرسکا تا کہ اللہ کے عذاب سے بچ جاتا۔

جب صبح ہوئی تو لوگ دیکھ رہے ہیں کہ کہاں گیا قارون اور کہاں گیا اس کا گھر نہ خود ہے نہ گھر ہے' وہ خود اور اس کا گھر زمین کا لقمہ بن چکے ہیں۔ اب تو وہ لوگ کہنے لگے جو کل اس کے جیسا مالدار ہونے کی آرزو کر رہے تھے یہ ہماری بے وقوفی تھی اصل بات یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے زیادہ رزق دے دے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دے' مالداری پر رشک کیا جائے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ ہماری آرزو کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہمیں قارون جیسا مال کثیر عطا نہیں فرمایا۔ اگر ہمیں مال مل جاتا تو ہم بھی اسی کی طرح اتراتے اور زمین میں دھنسا دیئے جاتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے مال کثیر نہ دے کر ہم پر کرم فرمایا اور زمین میں دھنسانے سے بچالیا۔ وہ لوگ آخر میں اظہار ندامت کے طور پر کہنے لگے واقعی بات یہ ہے کہ کافر کامیاب نہیں ہوتے (اب ایمان اور اعمال صالحہ کی قدر ہوئی)

کافروں کی چہل پہل مال و دولت پر کبھی نہ جائے انکے اموال اور احوال کو کبھی نظر میں نہ لائے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہرگز فاجر کی نعمت پر رشک نہ کر کیونکہ تو نہیں جانتا کہ موت کے بعد اسے کس مصیبت سے ملاقات کرنا ہے بلاشبہ اس کے لئے اللہ کے نزدیک ایک قاتل ہے جسے کبھی موت نہ آئے گی یہ قاتل دوزخ کی آگ ہے (وہ اسی میں ہمیشہ رہے گا) (کذا فی المشکوٰۃ ص ۴۴۷ از شرح السنہ)

جب کافر کو دوزخ میں جانا ہے تو اسکی دولت کو دیکھ کر للچانا کسی طرح زیب نہیں دیتا مومن بندے جنت کے طالب ہیں اسی کے لئے عمل کرتے ہیں انکی نظر میں کافر کی دولت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

فائدہ: قارون کے واقعہ کا گزشتہ مضامین سے ربط کیا ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ شروع سورت میں جو نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى فرمایا تھا یہ اسی سے متعلق ہے' سورت سے شروع میں موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بتایا اور سورت کے ختم کے قریب قوم کے ایک شخص کی مالداری اور بربادی کا تذکرہ فرمایا' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا ربط آیت کریمہ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا سے ہے قارون کو مالداری اور دنیا داری اور بربادی کی ایک نظیر پیش فرما کر یہ بتادیا کہ اہل دنیا کا برا انجام ہوتا ہے (روح المعانی)

قوله تعالیٰ "ويكان الله" ويكانه قال صاحب الروح وى عند الخليل وسيبويه اسم فعل ومعناها اعجب وتكون للتحسر والتندم ايضا كما صرحوا به، وعن الخليل أن القوم ندموا فقالوا امتندمين على ما سلف منهم' وكل من ندم وأراد اظهار ندمه قال "وى"

ولعل الاظهر ارادة التعجب بأن یکونوا تعجبوا اولا مما وقع وقالوا ثانیا کأن الخ و کان فیہ عاریة عن معنی التشبیہ جئی بھا للتحقیق۔ (ص ۱۲۴ ج ۲۰) (اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَیْکَاَنَّہٗ اس کے بارے میں تفسیر روح المعانی کے مصنف فرماتے ہیں خلیل اور سیبویہ کے نزدیک ''وَیْ'' اسم بمعنی فعل ہے اور اس کا معنی ہے ''اُعجب'' ''مجھے تعجب ہے''۔ اور یہ وَیْ حسرت وندامت کے اظہار کے لئے بھی آتا ہے جیسا کہ اہل علم نے اس کی صراحت کی ہے۔ خلیل کہتے ہیں کہ قوم والے پشیمان ہوئے اور کہنے لگے ''وَیْ'' یعنی جو کچھ ان سے ہو چکا اس پر ندامت کرتے ہیں۔ اور ہر آدمی جو پشیمان ہوا اور اُس نے اپنی ندامت ظاہر کرنا چاہی تو کہتا ہے ''وَیْ'' اور اس سے زیادہ ظاہر یہ کہ اس سے مراد تعجب ہو اس طرح کہ جو واقعہ پیش آیا پہلے انہوں نے اس پر تعجب کیا اور پھر کہا ''کأن'' اور اس وقت یہ کأن تشبیہ کے معنی سے خالی ہو گا اور تحقیق کے لئے استعمال کیا گیا ہے)

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ
یہ آخرت کا گھر ہم اسے ان لوگوں کے لئے خاص کر دیں گے جو زمین میں بلندی اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے'
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ
اور اچھا نتیجہ متقیوں کے لئے ہے' جو شخص نیکی لے کر آئے گا سو اس کے لئے اس سے بہتر بدلہ ملے گا۔ اور جو شخص بدی لیکر آئے گا
فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾
سو جن لوگوں نے برے عمل کئے انہیں انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ لوگ کیا کرتے تھے

آخرت کا گھر اُن لوگوں کے لئے ہے جو زمین میں بلندی اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے

تفسیر: یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت میں یہ بتایا کہ دار آخرت یعنی موت کے بعد جو مؤمنین صالحین کو ٹھکانہ ملے گا اسے ہم انہیں لوگوں کے لئے خاص کر دیں گے جو زمین میں بڑائی' برتری اور بلندی کا ارادہ نہیں کرتے اور فساد کو نہیں چاہتے۔ اور اچھا انجام متقیوں ہی کا ہے' بندوں کو تواضع کے ساتھ رہنا لازم ہے۔ ساری بڑائی خالق اور مالک ہی کے لئے ہے جس نے سب کو پیدا فرمایا ہے۔ اسکی بڑائی اور کبریا کے سامنے ہر بندہ کو جھک جانا لازم ہے۔ جن لوگوں کو جتنی زیادہ معرفت حاصل ہوتی ہے ان میں اسی قدر تواضع ہوتی ہے۔ جو لوگ دنیا میں بڑا بننا چاہتے ہیں اس بڑائی کے حاصل کرنے کے لئے بہت سے گناہ کرتے ہیں اللہ کی مخلوق کو ستاتے ہیں دکھ دیتے ہیں قتل تک کرواتے ہیں۔ اللہ کے احکامات کو پامال کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اپنے لئے دار آخرت یعنی جنت سے محرومی ہی کا انتظام کرتے ہیں پھر دنیا میں بھی انہیں وہ عزت حاصل نہیں ہوتی جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والوں کو حاصل ہوتی ہے اگر لوگ دنیاوی اقتدار کے دباؤ میں کچھ نہ کہیں تو دلوں سے تو برا سمجھتے ہی ہیں۔

تواضع کی منفعت اور تکبر کی مذمت: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کی اللہ اسے بلند فرما دے گا وہ اپنے نفس میں چھوٹا ہوگا اور لوگوں کی آنکھوں میں بڑا ہوگا اور جس نے تکبر اختیار کیا اللہ اسے گرا دے گا۔ پس وہ لوگوں کی نظروں میں چھوٹا ہوگا اور اپنے نفس میں بڑا ہوگا۔ (لوگوں کے نزدیک اسکی ذلت کا یہ حال ہوگا کہ) وہ کتے اور خنزیر سے بڑھ کر انکے نزدیک ذلیل ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۴) ایک حدیث میں ہے کہ دوزخ میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا۔ اور کوئی ایسا شخص جنت میں داخل نہ ہوگا۔ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۳ از مسلم)

نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تکبر کرنے والے انسانی صورتوں میں چیونٹیوں کے برابر چھوٹے چھوٹے جسموں میں جمع کئے جائیں گے انہیں دوزخ کے جیل خانہ کی طرف ہنکا کر لے جایا جائے گا جس کا نام بُولَس ہے ان کے اوپر آگوں کو جلانے والی آگ چڑھی ہوئی ہوگی' ان لوگوں کو طِیْنَۃُ الْخَبَال (یعنی دوزخیوں کے جسموں کا نچوڑ) پلایا جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

تکبر بری بلا ہے شیطان کو لے ڈوبا اسکی راہ پر چلنے والے انسانوں کو بھی برباد کر دیتا ہے۔ دوسری آیت میں یہ بتایا کہ جو شخص قیامت کے دن نیکی لے کر آئے گا اسے اس کا اس سے بہتر بدلہ ملے گا۔ سب سے بڑی نیکی تو ایمان ہے اس کا بہت بڑا بدلہ ہے یعنی ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہونے کا انعام ہے اور صاحب ایمان جتنی بھی نیکیاں کرے گا ہر نیکی کا بہت بڑا ثواب پائے گا جو اسکی نیکی سے کہیں زیادہ بہتر ہوگا اور ہر نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا ہو کر تو ملنا ہی ہے یہ تو اہل ایمان کا ذکر ہوا۔ اب رہے کافر انکو بھی انکے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ سب سے بڑا برا عمل کفر و شرک ہے اور کفر کے ساتھ اہل کفر اور بھی بڑے بڑے گناہ کرتے رہتے ہیں۔ کافروں میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو دنیا میں غریب تھے اصحاب اقتدار کی رعیت تھے انکے سامنے ذلیل تھے تنگدست بھی تھے لوگوں کے سامنے حقیر بھی تھے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو بڑے بڑے مالدار تھے بادشاہ تھے امیر تھے وزیر تھے' کافر و مشرک امیر ہو یا غریب ہو عزت دار ہو یا ذلیل ہو اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ کا ایندھن بنے گا اور کفر کے علاوہ جو گناہ کئے ہوں گے ان کی سزا بھی ملے گی۔

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ مَن جَاءَ

بلاشبہ جس نے آپ پر قرآن کو فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹنے کی جگہ واپس پہنچا دے گا۔ آپ فرما دیجئے کہ میرا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے

بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨٥﴾ وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ

جو ہدایت لے کر آیا اور اسے بھی جانتا ہے کہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہے۔ اور آپ کو اسکی امید نہ تھی کہ آپکو کتاب

إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ

دی جائے گی مگر محض آپ کے رب کی رحمت سے' سو آپ ہرگز کافروں کے مددگار نہ ہو جائیں۔ اور ہرگز یہ لوگ آپ کو اللہ کی آیات سے

اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا

نہ روک دیں اسکے بعد کہ وہ آپ کی طرف نازل ہو چکی ہے۔ اور آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیے اور ہر گز مشرکین میں سے نہ ہو

تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ

جائیے اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریئے اسکی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ اسی کی حکومت ہے

وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آپ کو کتاب دی گئی

تفسیر: حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ مَعَاد سے آنحضرت ﷺ کا سابق وطن یعنی مکہ معظمہ مُراد ہے اور اس میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت دی گئی ہے کہ آپ واپس اپنے وطن تشریف لائیں گے۔ چنانچہ آپ ۸ھ میں فاتح ہو کر مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تھے انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ ہجرت کے سفر میں جب رسول اللہ ﷺ جحفہ میں نازل ہوئے اس وقت مکہ معظمہ یاد آ گیا اور آپ کو اپنے وطن کا اشتیاق ہوا۔ اس موقع پر جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لے کر حاضر ہوئے جس میں آپ کے واپس مکہ معظمہ تشریف لانے کا وعدہ ہے اسی لئے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت جحفہ میں نازل ہوئی نہ مکی ہے نہ مدنی ہے اس روایت کی بناء پر فَرَضَ کا ترجمہ اَنْزَلَ کیا جائے گا یعنی جس ذات نے آپ پر قرآن مجید نازل فرمایا ہے وہ آپ کو آپ کے وطن واپس پہنچا دے گا۔ بعض حضرات نے فَرَضَ کا معنی معروف لیا ہے۔ اور مَعَادٌ سے جنت مراد لی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس ذات نے آپ پر یہ فرض کیا ہے کہ قرآن پر عمل کریں وہ آپ کو جنت میں پہنچا دے گا۔

قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى (آپ فرما دیجئے کہ میرا رب اسے خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا) وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (اور اسے بھی خوب جانتا ہے جو کھلی گمراہی میں ہے) صاحب روح المعانی نے معالم التنزیل سے نقل کیا ہے کہ اس میں مکہ معظمہ کے کفار کا جواب ہے جنہوں نے آپ کو گمراہی پر بتایا تھا۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (اور آپ کو یہ اُمید نہیں تھی کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اپنی رحمت سے آپ کو نبوت اور رسالت سے سرفراز کیا اور آپ پر قرآن نازل کیا) پس جس طرح آپ کو اُمید کے بغیر اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتاب عطا فرما دی اسی طرح سمجھ لیں کہ گو اسبابِ ظاہرہ کے اعتبار سے آپ مکہ معظمہ چھوڑنے پر مجبور ہو رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پھر مکہ معظمہ میں واپس ہوں گے اور یہ بھی صرف اللہ کی رحمت سے ہوگا۔ قال صاحب الروح ای سیردک الی معاد کما انزل الیک القرآن العظیم الشان وما کنت ترجو۔

فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ (سو آپ کافروں کے مددگار نہ ہو جئے) اس میں خطاب تو آپ کو ہے لیکن جواب کافروں کی اس بات کا ہے جنہوں نے آپ کو اپنے آباء واجداد کے دین پر آ جانے کی دعوت دی تھی۔ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ (اور اسکے بعد کہ اللہ کی آیات آپکی طرف نازل کی گئی ہیں کافر لوگ آپکو اُن کے پڑھنے سے اور ان پر عمل کرنے سے نہ روک دیں) یہ حکم اُمت کو بھی ہے کافروں کے کہنے اور روکنے سے اللہ تعالیٰ کی آیات کے پڑھنے پڑھانے سے رُکیں۔ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ (اور آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیں) یعنی توحید کی دعوت دیتے رہیں۔ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (اور آپ مشرکین میں سے نہ ہو جائیے) علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی۔ جب قریش مکہ نے آپ کو اپنے بتوں کی تعظیم کرنے کی دعوت دی' صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ بظاہر اس میں آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے لیکن مقصود آپکے دشمنوں کو سنانا ہے کہ تم جو اُمید رکھتے ہو کہ آپ تمہاری طرف مائل ہو جائیں گے۔ ایسا کبھی نہ ہوگا۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۔ (اور آپ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریئے) اس میں اہل ایمان کو واپس شرک میں چلے جانے کی ممانعت ہے گو بظاہر خطاب آپ کو ہے (ﷺ) (روح المعانی ص ۱۳۰ ج ۲۰) لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اسکی ذات کے) لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (اسی کے لئے حکومت ہے اور اسی کے پاس تم سب کو جانا ہے)۔

وقدتم والحمد لله تفسير سورة القصص فى ليلة السابع والعشرين من شهر ربيع الثانی ۱۴۱۶ھ من هجرة سيد المرسلين واكرام الاكرمين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى الاولين والآخرين وعلى الٰه واصحابه اجمعين' ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين

سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تِسْعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ العنکبوت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں اُنہتر آیات اور سات رکوع ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ وَلَقَدْ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ کیا لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ وہ اتنا کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور اُن کو آزمایا نہ جائے گا۔ اور بلاشبہ

فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾

ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو آزمایا ہے سو اللہ ضرور ضرور اُن لوگوں کو جان لے گا جو سچے ہیں اور ضرور ضرور جھوٹوں کو بھی جان لے گا۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۴﴾

جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے چھوٹ کر کہیں بھاگ جائیں گے، بُرا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں

دعوائے ایمان کے بعد امتحان بھی ہوتا ہے

تفسیر: یہاں سے سورۂ عنکبوت شروع ہو رہی ہے، عربی زبان میں عنکبوت مکڑی کو کہا جاتا ہے اس سورۃ کے پانچویں رکوع میں عنکبوت یعنی مکڑی کا ذکر ہے اسی لیے یہ سورۃ اس نام سے مشہور ہے۔ آیت کے ابتدائی مضمون میں اول تو یوں فرمایا کہ جو لوگ مومن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کیا انہوں نے یہ خیال کیا کہ صرف اتنا کہہ دینے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کا امتحان نہ کیا جائے گا؟ یہ استفہام انکاری ہے اور مطلب یہ ہے کہ صرف زبان سے یہ کہہ دینا کہ میں مومن ہوں کافی نہیں ہے، دل سے مومن ہونا لازم ہے اور جب کوئی سچا مومن ہوگا تو آزمائشوں میں ڈالا جائے گا، یہ آزمائشیں کئی طرح سے ہوں گی، عبادات میں مجاہدہ ہوگا، خواہشوں سے خلاف بھی چلنا ہوگا، مصائب پر بھی صبر کرنا ہوگا، ان چیزوں کے ذریعہ مومن بندوں کا امتحان لیا جاتا ہے۔ جب امتحان ہوتا ہے اور مجاہدات اور مشقتیں سامنے آتی ہیں تو مخلص مومن اور منافق کے درمیان امتیاز ہو جاتا ہے۔

صاحب روح المعانی نے (جلد۲۰ ص ۱۳۴) بحوالہ ابن جریر و ابن ابی حاتم حضرت شعبیؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ میں ہوتے ہوئے اسلام قبول کر لیا تھا، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے (جو ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ چکے تھے) ان لوگوں کو لکھا کہ جب تک ہجرت نہ کرو گے تمہارا اسلام لانا مقبول اور معتبر نہ ہوگا، اس پر وہ لوگ مدینہ منورہ کے ارادہ سے نکلے تو مشرکین ان کے پیچھے لگ گئے اور انہیں واپس لے گئے، اس پر آیت بالا نازل ہوئی، مہاجرین نے انہیں پھر لکھا کہ تمہارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، اس پر انہوں نے پھر مکہ معظمہ سے نکلنے کا ارادہ کیا اور یہ طے کیا کہ اگر مشرکین آڑے آئے تو ہم ان سے جنگ کریں گے، چنانچہ یہ لوگ ہجرت کے ارادہ سے نکلے اور مشرکین پھر ان کے پیچھے لگ گئے جس پر انہوں نے قتال کیا، بعض مقتول ہو گئے اور بعض نجات پا کر مدینہ منورہ پہنچ گئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ نحل کی یہ آیت نازل فرمائی: ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ

هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (پھر بیشک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے فتنہ میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور قائم رہے تو آپ کا رب ان کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے)

اس کے بعد صاحب روح المعانی نے حضرت حسن بصریؒ کا مقولہ نقل کیا ہے کہ یہاں النّاس سے منافقین مراد ہیں۔

پھر فرمایا وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (اور ہم نے آزمایا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے) فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا (سوضرور ضرور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان لے گا جو اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہیں) وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ (اور ضرور ضرور ان لوگوں کو بھی جان لے گا جو جھوٹے ہیں) یعنی جو زبان سے ایمان کے مدعی ہیں لیکن ان کے دلوں میں ایمان نہیں ہے۔

مطلب یہ کہ پہلے لوگوں کو آزمائش میں ڈالا گیا ان کو بھی تکلیفیں پہنچیں اور دشمنان اسلام سے واسطہ پڑا، مقتول ہوئے، زخم کھائے اور دوسری تکلیفوں میں مبتلا ہوئے، اب امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) مخاطب ہے ان کا بھی امتحان لیا جائے گا۔

سورۂ آل عمران میں فرمایا: وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (اور بہت سے نبی گذرے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی، پھر جو مصیبتیں ان کو اللہ کی راہ میں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ وہ ہمت ہارے نہ کمزور پڑے اور نہ عاجز ہوئے اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے)

اہل ایمان کے ساتھ آزمائش کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، دعا امن وعافیت اور سلامتی کی ہی کرنی چاہیے، اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی آزمائش آجائے تو صبر وتحمل اور برداشت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو سامنے رکھتے ہوئے آزمائش کا وقت گذار دیں، تکلیفوں پر بھی اجر اور صبر پر بھی، صبر کا پھل میٹھا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

جو لوگ صدق دل سے مسلمان ہوتے ہیں وہ تکلیفوں اور آزمائشوں میں بھی ثابت قدم رہتے ہیں اور جو لوگ دفع الوقتی کے طور پر دنیا سازی کے لئے اوپر اوپر سے اسلام کے مدعی ہو جاتے ہیں وہ آڑے وقت میں اسلام کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ مصائب اور مشکلات کے ذریعہ مخلص اور غیر مخلص کا امتیاز ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ کو مخلوق پیدا فرمانے سے پہلے ہی سب کچھ معلوم تھا کہ کون کیا کرے گا اور کیسا ہوگا، اسے پہلے ہی سے اس کا علم ہے، پھر جب اسی علم ازلی کے مطابق لوگوں کے اعمال اور احوال کا ظہور ہو جاتا ہے تو یہ علم بھی ہو جاتا ہے کہ علم ازلی کے مطابق جو واقعہ ہونے والا تھا وہ ہو چکا۔ مفسرین کرام اسے علم ظہوری سے تعبیر کرتے ہیں، یہ مسئلہ ذرا باریک سا ہے کسی اچھے عالم سے سمجھ لیں۔

یہ جو کچھ امتحان اور آزمائش کا ذکر تھا ایمان کا دعویٰ کرنے والوں سے متعلق تھا اور جو لوگ تکلیفیں پہنچاتے تھے (یعنی مشرک) ان کے بارے میں فرمایا اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے آگے بڑھ جائیں گے (یعنی ہماری گرفت میں نہ آسکیں گے اور کہیں نکل کر بھاگ جائیں گے؟) سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (یہ لوگ جو کچھ اپنے خیال میں گمان کر رہے ہیں اور سوچ رہے ہیں اور اپنے گمان کے مطابق فیصلہ کر

رہے ہیں یہ برا فیصلہ ہے) اور بیہودہ خیال ہے خداوندی گرفت سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے اس میں ایذاء دینے والوں کے لیے تہدید بھی ہے اور اہل ایمان کو تسلی بھی ہے کہ یہ لوگ جو تمہیں ستاتے ہیں اور دکھ دیتے ہیں انہیں اس کی سزا ضرور ملے گی۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝
جو شخص اللہ کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہے سو بلاشبہ اللہ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ سننے والا ہے جاننے والا ہے
وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ
جو شخص مجاہدہ کرتا ہے سو وہ اپنے لئے ہی محنت کرتا ہے بلاشبہ اللہ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے اور جو لوگ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ
ایمان لائے اور نیک عمل کئے ضرور ضرور ہم ان کی برائیوں کا کفارہ کر دیں گے اور ضرور ہم انہیں ان کے
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝
کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دیں گے۔

ہر شخص کا مجاہدہ اُس کے اپنے نفس کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے

تفسیر: جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اسے ثواب ملے تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ملاقات اور ثواب عطا فرمانے کے لیے ایک وقت مقرر فرمایا ہے اور وہ وقت ضرور آئے گا اور جو عمل ثواب کے لائق ہوگا اس پر ضرور ثواب ملے گا' اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے وہ سب کی دعائیں سنتا ہے' آرزوئیں جانتا ہے' سب کے اعمال سے باخبر ہے وہ تمام مخلصین کو بہترین بدلہ عطا فرمائے گا۔ اہل ایمان کو جو ایمان قبول کرنے پر بعض مرتبہ تکلیفیں ہوتی ہیں اور دشمنان دین سے اذیت پہنچتی ہے یہ ایک مجاہدہ ہے یعنی نفس سے مقابلہ ہے۔ یہ لفظ جہد سے مشتق ہے' عربی زبان میں جہد و مشقت کو کہتے ہیں' یہ باب مفاعلہ ہے جو جانبین کی شرکت پر دلالت کرتا ہے' جب کوئی شخص آخرت کی بہتری کے لیے کوئی عمل کرنا چاہے (جس میں ایمان کا قبول کرنا بھی ہے) تو نفس کو شاق گزرتا ہے اور نفس کے ساتھ مقابلہ ہوتا ہے اس لیے اس کو مجاہدہ سے تعبیر فرمایا اور ارشاد فرمایا جو شخص مشقت اٹھائے' محنت اور مجاہدہ کرے تو اس کا تکلیف اٹھانا اور مشقت برداشت کرنا اس کی اپنی جان کے لیے ہے وہ اس کا اجر و ثواب پالے گا' اللہ تعالیٰ پر کوئی احسان نہیں ہے اسے کسی کے کسی عمل کی حاجت نہیں وہ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے۔

اس کے بعد ایک عمومی قانون بتایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (الآیۃ) اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ہم ان کی برائیوں کا کفارہ کر دیں گے یعنی ان کی برائیوں کو اپنی مغفرت سے ڈھانپ دیں گے' توبہ کے ذریعہ اور نیکیوں کے ذریعہ اور اپنے فضل و کرم سے انہیں معاف کر دیں گے' کفر اور شرک کا ایمان سے کفارہ ہو جاتا ہے اور اسلام

قبول کرنے کے بعد جو گناہ کیے ہوں ان کا کفارہ ہوتا رہتا ہے اسلام پر باقی رہتے ہوئے اخلاص کے ساتھ جو اعمال صالحہ اختیار کیے جائیں ان کا اچھے سے اچھا بدلہ ملے گا جو ان کے اعمال سے بہت زیادہ اچھا اور عمدہ ہوگا' تھوڑے سے کام پر بہت زیادہ نعمتیں ملیں گی اور ہر نیکی کم از کم دس گنا کردی جائے گی اور اسی اعتبار سے ثواب ملے گا۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ

اور ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرے اور اگر وہ تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہرا

لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝٨ وَالَّذِينَ

جس کی دلیل تیرے پاس نہیں ہے سو تو اُن کی فرمانبرداری نہ کرنا' میری طرف تم لوگوں کو واپس ہونا ہے سو میں تمہیں اُن کاموں سے باخبر کردوں گا جو تم کیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ۝٩

ایمان لائے اور نیک کام کیے سو ہم اُن کو ضرور ضرور نیک بندوں میں داخل کردیں گے

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم

تفسیر: یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے' پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے انسان کو وصیت کی کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے' حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے' سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۳ میں اس کا طریقہ کار بھی بیان فرمایا ہے' وہاں ارشاد فرمایا وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (اور تیرے رب نے حکم دیا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو' اور تم ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو' اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں سو ان کو کبھی اف بھی مت کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا اے میرے رب ان دونوں پر رحمت فرمایئے جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا ہے)۔

سورۂ بنی اسرائیل کی مندرجہ بالا آیات میں اوّل تو وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا فرمایا جس میں والدین کے ساتھ اچھی طرح پیش آنے کا حکم دیا ہے جو حسن سلوک کرنے اور ان پر مال خرچ کرنے کو شامل ہے۔

پھر بوڑھے ماں باپ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا کہ ان کو اف بھی نہ کہو اور ان کو مت جھڑکو اور ان سے اچھے طریقے سے بات کرو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ماں باپ کے سامنے شفقت اور رحمت کی وجہ سے انکساری کی ساتھ جھکے رہو۔ پھر ان کے لیے دعا کرنے کا حکم دیا کہ یوں دعا کرو کہ اے میرے رب ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے چھٹ پنے میں میری پرورش کی ہے۔ اس میں رحمت اور شفقت کا سبب بھی بیان فرمایا کہ کبھی تم ایسے تھے کہ ان کی شفقت کے محتاج تھے انہوں نے تمہیں پالا پوسا تمہارے لیے تکلیفیں اٹھائیں اب وہ ضعیف ہیں تم قوی ہو تمہیں ان کے لیے فکر مند ہونا

چاہیے۔ مزید تفصیل کے لیے سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیات کی تفسیر دیکھئے وہاں ہم نے بہت سی احادیث شریفہ کا ترجمہ بھی لکھ دیا ہے جو والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنے سے متعلق ہیں۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنے کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا: وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (اور اگر تیرے ماں باپ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کے معبود ہونے کی تیرے پاس دلیل نہیں تو ان کی فرمانبرداری مت کرنا) یہ حکم سورۂ لقمٰن میں بھی ہے وہاں مزید فرمایا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا (کہ ان کے ساتھ دنیا میں اچھے طریقے پر پیش آتے رہو) یعنی اگر وہ کفر و شرک کرنے کا حکم دیں تو اس میں ان کی اطاعت مت کرنا، اور باوجودیکہ وہ کافر ہوں حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا اور ان کی خدمت سے دریغ نہ کرنا، جیسا کہ ماں باپ کے کہنے سے کفر و شرک حرام ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بھی نافرمانی کرنا ممنوع ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ (کہ خالق تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی بھی مخلوق کی فرمانبرداری کی اجازت نہیں، ہاں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک میں اور مالی انفاق میں کوتاہی نہ کرے) (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بیٹی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا تھیں وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئیں تھیں، ان کی والدہ مشرک تھیں اور وہ مکہ مکرمہ میں رہ گئیں تھیں، سن ۶ ھ میں جب رسول اللہ ﷺ سے مشرکین مکہ کا معاہدہ ہوا جس میں یہ بھی تھا کہ ایک دوسرے پر حملہ نہ کریں گے اس زمانہ میں حضرت اسماءؓ کی والدہ مدینہ آ گئیں، حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا کہ میری والدہ آئی ہیں اور اس وقت عاجز ہیں اور مالی مدد چاہتی ہیں کیا میں مال سے ان کی خدمت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ان کے ساتھ صلۂ رحمی کا برتاؤ کرو۔ (رواہ البخاری)

آجکل نوجوانوں کو اسمیں بڑا ابتلا ہوتا ہے کہ ماں باپ انہیں گناہوں کی زندگی اختیار کرنے پر زور دیتے ہیں، داڑھی مونڈوانے پر اصرار کرتے ہیں، رشوت لینے پر آمادہ کرتے ہیں، بینک کی نوکری اختیار کرنے اور سود لینے کا بھی حکم دیتے ہیں، بے پردگی اختیار کرنے کو کہتے ہیں، انکے علاوہ اور بہت سے گناہوں کی فرمائش کرتے ہیں۔ اوپر حدیث سے معلوم ہوا کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی فرمانبرداری نہیں، ماں باپ کے لیے حرام ہے کہ اولاد کو گناہوں کا حکم دیں اور اولاد کے لیے بھی حلال نہیں ہے کہ ماں باپ کے کہنے پر کوئی گناہ کریں، اللہ تعالیٰ خالق اور مالک ہے، اس نے سب کو وجود بخشا ہے اس کا حق سب سے پہلے ہے اور سب سے زیادہ، کسی مخلوق کا حق اس کے بعد میں ہے، اللہ تعالیٰ کے حق کی رعایت کرنا لازم اور فرض ہے، اس کے حکم کی خلاف ورزی کسی کے کہنے سے بھی حلال نہیں ہے۔

تفسیر روح المعانی ص ۱۳۹ میں آیت بالا کا سبب نزول یوں لکھا ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو ان کی والدہ نے کہا کہ اے سعد میں نے سنا ہے کہ تو اپنا دین چھوڑ کر دوسرے کے دین میں داخل ہو گیا ہے؟ میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں کہ میں کسی گھر میں داخل نہ ہوں گی (یوں ہی میدان میں پڑی رہوں گی خواہ دھوپ ہو اور ہوا سے میرا کچھ بھی نہ بنے) اور مجھ پر کھانا پینا حرام ہے جب تک کہ تو (محمد ﷺ کے اتباع کا انکار نہیں کرے، حضرت سعدؓ اپنی والدہ کے سب سے زیادہ چہیتے بیٹے تھے انہوں نے کفر اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا اور ان کی والدہ نے

اپنی قسم کی وجہ سے بغیر کھائے پیئے یوں ہی میدان میں پڑے ہوئے تین دن گذار دیئے، حضرت سعدؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ سنایا، اس پر آیت بالا اور سورۂ لقمٰن کی آیت (وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا) نازل ہوئی۔

معالم التنزیل ص ۴۶۱ میں لکھا ہے کہ حضرت سعدؓ کی والدہ نے دو دن اور دو رات تک کچھ نہ کھایا پیا، اس کے بعد حضرت سعدؓ والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اماں جان اگر آپ کے بدن میں سو ۱۰۰ روحیں بھی ہوتیں اور ایک ایک کر کے نکلتی رہتی تو میں اس کو دیکھ کر بھی کبھی اپنا دین نہ چھوڑتا، اب تم چاہو تو کھاؤ پیو یا مر جاؤ، بہرحال میں اپنے دین سے نہیں ہٹ سکتا، ماں نے اس گفتگو سے مایوس ہو کر کھانا کھالیا۔

اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (میری طرف تمہارا لوٹنا ہے سو میں تمہیں ان کاموں سے باخبر کر دوں گا جو تم کیا کرتے تھے) اس میں یہ بتا دیا کہ دنیا میں کوئی شخص کیسا بھی عمل کرے بہرحال اسے قیامت کے دن حاضر ہونا ہے اور دنیا میں جو اعمال کیے تھے وہ سامنے آجائیں گے اور اعمال کے مطابق جزا سزا ملے گی۔ پھر اہل ایمان اور اعمال صالحہ والے بندوں کو خوشخبری دی اور فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ (اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ہم ضرور ضرور انہیں صالحین میں داخل کریں گے) یعنی ان کا شمار صالحین میں ہوگا اور انہیں صالحین کے مراتب اور درجات سے سرفراز کیا جائے گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ
اور بعض لوگ وہ ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے پھر جب انہیں اللہ کے بارے میں تکلیف دی جاتی ہے تو لوگوں کے ایذا رسانی کو اللہ کے عذاب کی طرح
اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا
بنا لیتے ہیں۔ اور اگر ان کے پاس آپ کے رب کی طرف سے مدد آجائے تو ضرور ضرور یوں کہیں گے کہ ہم تمہارے ساتھ تھے، کیا اللہ جہان والوں کے سینوں کی باتوں کو
فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝
خوب اچھی طرح جاننے والا نہیں ہے؟ اور البتہ اللہ ایمان والوں کو ضرور جان لے گا اور وہ ضرور ضرور منافقوں کو جان لے گا

مدعیان ایمان کا امتحان لیا جاتا ہے

تفسیر: صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ بعض مسلمان تھے وہ زبان سے تو اسلام کا اظہار کر دیتے تھے پھر جب کافروں کی طرف سے تکلیف پہنچ جاتی تھی تو انکے موافق ہو جاتے تھے اور اس موافقت کو مسلمانوں سے چھپاتے تھے۔ اور قتادہ سے یہ نقل کیا ہے کہ بعض لوگ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے پھر مشرکین مکہ انہیں واپس لے گئے۔ دنیاداری حقیقت میں کمزوری کا سبب ہے، اگر آخرت کا یقین پختہ ہو اور آخرت کی ضرورت سمجھ کر ایمان قبول کیا ہو تو منافقت کی شان ختم ہو جاتی ہے، اگر کافروں میں پھنس کر کوئی مومن بندہ مجبور ہو جائے تو گو وہ بظاہر زبان سے کوئی نامناسب کلمہ کہہ دے لیکن دل سے کفر اختیار نہیں کر سکتا اور کافروں کا ہمنوا نہیں بن سکتا، اگر کافروں سے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اس پر صبر

کرتا ہے جیسے عہد نبوی کے مسلمانوں (حضرت بلال حضرت عمار اور حضرت خباب رضی اللہ عنہم) نے تکلیفیں برداشت کیں پختہ مسلمان سمجھتا ہے کہ یہ تو تھوڑی سی تکلیف ہے کفر پر مرنے کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کا عذاب ہوگا وہ بہت ہی شدید ہوگا لیکن جن لوگوں کا ایمان یوں ہی نام کو ہوتا ہے وہ لوگ ایمان پر پہنچنے والی تکلیفوں کو اس عذاب کے برابر سمجھ لیتے ہیں جو آخرت میں کافروں کو ہوگا اور اس کی وجہ سے صریح کفر اختیار کر لیتے ہیں اور کافروں کا ساتھ دینے لگتے ہیں اور چونکہ دنیا ہی کے طالب ہوتے ہیں اس لئے خفیہ طور پر کفر اختیار کرنے کے باوجود مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دیکھو تمہیں جو فلانی جگہ مال غنیمت حاصل ہوا ہمیں بھی اس میں شریک کرو ہم بھی تو تمہارے ساتھ تھے (یعنی ہم دینی اعتبار سے تمہارے ساتھی ہیں) ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا اَوَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِیْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِیْنَ (کیا اللہ جہاں والوں کے سینوں کی باتوں کو خوب اچھی طرح جاننے والا نہیں ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کو سب علم ہے کہ کس کے دل میں کیا ہے کون مخلص ہے کون منافق ہے اگر کسی نے بندوں سے اپنے نفاق کو چھپا لیا تو اللہ تعالیٰ سے تو نہیں چھپا سکتا۔

وَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ (اور البتہ اللہ ایمان والوں کو ضرور جان لے گا اور وہ ضرور ضرور منافقوں کو جان لے گا) اسے ہمیشہ سے سب کچھ معلوم ہے اور آئندہ بھی جس کا جو عقیدہ اور عمل ہوگا وہ اسے جان لے گا۔ اہل ایمان کو ایمان کی جزا اور اہل نفاق کو نفاق کی سزا دے گا۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰیٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ

اور کافروں نے ایمان والوں سے کہا کہ تم ہمارے راستہ کا اتباع کر لو اور تمہارے گناہوں کو ہم اٹھا لیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں

بِحٰمِلِیْنَ مِنْ خَطٰیٰهُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا

میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں۔ اور وہ لوگ ضرور ضرور اپنے بوجھوں کو اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے

مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ وَلَیُسْـَٔلُنَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾

ساتھ دوسروں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور قیامت کے دن ضرور ضرور ان باتوں کا سوال کیا جائے گا جو دنیا میں جھوٹ بناتے ہیں

قیامت کے دن کوئی کسی کے گناہوں کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا

تفسیر: دشمنان اسلام خود تو کفر پر جمے ہوئے تھے ہی اہل ایمان کو بھی کفر پر لانے کی کوشش کرتے رہتے تھے اور انہیں ترغیب دیتے رہتے تھے کہ تم ہمارے دین میں آ جاؤ ان کی ان باتوں میں سے یہاں پر ایک بات نقل فرمائی ہے اور وہ یہ کہ کافروں نے اہل ایمان سے کہا کہ تمہیں جو رسول اللہ ﷺ کی باتوں پر یقین آ گیا ہے اور تم اس بات سے ڈرتے ہو کہ اگر تم محمد (ﷺ) کے دین سے پھر جاؤ گے تو تم قیامت کے دن عذاب میں گرفتار ہو گے اس کے بارے میں ہماری پیشکش سن لو! تمہیں اس عذاب سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے فرض کرو اگر قیامت کا دن واقعی کوئی چیز ہے اور اس دن محمد (ﷺ) کا اتباع نہ کرنے سے تمہارا مواخذہ ہوا اور تم دوزخ میں جانے لگے تو ہم تمہاری سب خطاؤں کو اپنے اوپر لاد

لیں گے اور تمہارے بارے میں جو عذاب کا فیصلہ ہوگا اس عذاب کو ہم بھگت لیں گے بس تم ہمارے دین کا اتباع کرو اور ہمارے ساتھ رہو۔ چونکہ ان لوگوں کو قیامت کے واقع ہونے اور وہاں کی جزا سزا پر یقین نہیں تھا اس لیے ایسی بات کہہ دی' اگر قیامت کو مانتے اور قیامت کے دن کے عذاب کا اور دوزخ کا یقین رکھتے تو ایسی بات نہ کہتے۔ دنیا میں کوئی شخص ایک منٹ کے لیے بھی دنیا والی آگ ہاتھ میں رکھنے کے لیے تیار نہیں بھلا وہاں آگ کی تکلیف کیسے برداشت کرسکتا ہے جس کی حرارت دنیاوی آگ کی حرارت سے انہتر درجہ زیادہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔

جب قیامت کا دن ہوگا کوئی کسی کو نہ پوچھے گا نہ کوئی کسی کا عذاب اپنے سر لینے کو تیار ہوگا اسی کو سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (اور کوئی گنہگار نفس کسی دوسرے گنہگار نفس کا بوجھ نہ اٹھائے گا) اور یہاں سورۂ عنکبوت میں فرمایا ہے: وَمَا هُمْ بِحَامِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (اور وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں' بلاشبہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں)

اور پھر یہ بھی تو سمجھنا چاہئے کہ کفر اختیار کرنے میں اور دوسرے گناہوں پر چلنے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور سزا دینے کا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' جو کفر کرے گا اور گنہگاری کی زندگی گزارے گا وہ اپنی نافرمانی کی وجہ سے عذاب کا مستحق ہوگا' مستحق عذاب کو چھوڑ کر اس کی جگہ کسی اور کو عذاب دینا یہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں نہیں ہے۔

بالفرض اگر کوئی شخص کسی کا عذاب اپنے سر لینے کے لئے تیار ہو بھی جائے تو اس کے لیے اس کی رضامندی بھی تو ضروری ہے جس کی نافرمانی کی ہے' اپنی طرف سے بات بنا دینے سے گناہ کرنے والے کی جان نہیں چھوٹ سکتی۔ کفار کا یہ کہنا کہ ہم عذاب بھگت لیں گے اس میں دو جھوٹ ہیں' اول عذاب بھگتنے کا وعدہ! حالانکہ قیامت کے دن کوئی کسی کو نہ پوچھے گا' رشتہ دار' دوست احباب سب ایک دوسرے سے دور بھاگیں گے' باپ بیٹے کی طرف سے اور بیٹا باپ کی طرف سے کوئی بدلہ نہ دے سکے گا نہ بدلہ دینے کے لیے تیار ہوگا۔

اور ان کے دعوے میں دوسرا جھوٹ یہ ہے کہ ہم نے جو بات کہی ہے اللہ تعالیٰ اس کو منظور فرمالے گا اور تم عذاب سے بچ جاؤ گے۔ ان لوگوں کی تکذیب کے لیے فرمایا اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں) اور یہ بھی فرمایا ہے وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (اور ضرور ضرور قیامت کے دن اس کے بارے میں ان سے پوچھا جائے گا جو جھوٹ وہ بناتے ہیں)

یاد رہے کہ آیت کریمہ میں یہ بتلایا ہے کہ ایک شخص کے کفر اور معاصی پر دوسرے شخص کو عذاب نہ ہوگا' ہر ایک شخص اپنے کفر اور عمل بد کی خود سزا بھگتے گا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ گمراہ کرنے والوں کو گمراہ کرنے کی سزا نہیں ملے گی' گمراہ کرنے والوں کو خود اپنے کفر کی بھی سزا ملے گی اور گمراہ کرنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں اور کفر و شرک اور گمراہی پر لگایا اس کی بھی سزا ملے گی' یہ اس وجہ سے کہ گمراہ کرنا اور کفر و شرک پر ڈالنا کہ ان کا اپنا عمل ہے۔ اسی کو سورۂ نحل میں فرمایا لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ (تاکہ وہ اپنے گناہوں کے بوجھ پورے پورے اٹھالیں اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھالیں جنہیں وہ علم کے بغیر گمراہ کرتے ہیں' خبردار برا بوجھ ہے جو وہ اٹھا رہے ہیں)

اور یہاں سورۂ عنکبوت میں فرمایا وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ (اور وہ اپنے بوجھوں کے ساتھ

دوسروں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے) یعنی جن کے گمراہ کرنے کا سبب بنے ان کی گمراہی کا بھی عذاب بھگتیں گے اور ان کے گمراہ کرنے سے گمراہی اختیار کرنے والے سبکدوش نہ ہونگے انہیں گمراہی اختیار کرنے پر مستقل عذاب ہوگا۔

اس تفسیر سے حدیث نبوی کا مفہوم بھی واضح ہو گیا' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی اسے ان سب لوگوں کے اعمال کا بھی ثواب ملے گا جنہوں نے اس کا اتباع کیا اور ان اتباع کرنے والوں کے ثواب میں سے کچھ بھی کمی نہ ہوگی' اور جس کسی شخص نے گمراہی کی دعوت دی تو اس پر ان سب لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ہوگا جنہوں نے اس کا اتباع کیا' اور ان لوگوں کے گناہوں میں سے کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔ (رواہ مسلم)

بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ اپنے ساتھ کے اٹھنے بیٹھنے والوں کو گناہ کی زندگی گذارنے کی ترغیب دیتے ہیں اور اپنے ماحول کی وجہ سے مجبور کرتے ہیں کہ تو ہماری طرح گنہگار ہو جا' اگر کوئی شخص یوں کہتا ہے کہ گناہ پر گرفت ہوگی اور آخرت میں عذاب ہوگا تمہارے کہنے پر گناہ کیوں کروں؟ تو اس پر کہہ دیتے ہیں کہ اس کا جو گناہ ہے وہ ہمارے اوپر رہا اس کی سزا ہم بھگت لیں گے۔

درحقیقت اس میں وہی کافرانہ عقیدہ پوشیدہ ہے کہ قیامت کے دن عذاب نہیں ہوگا' اگر عذاب کا یقین ہوتا تو ایسی باتیں نہ کرتے' کسی کے یوں کہہ دینے سے کہ میں تیری طرف سے عذاب بھگت لوں گا عذاب سے چھٹکارا نہ ہوگا البتہ یہ بات کہنے والا اپنی اس بات کی سزا پائے گا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ترغیب دی اور اپنی طرف سے یہ قانون بنالیا کہ ایک شخص دوسرے شخص کی طرف سے عذاب بھگت لے گا اللہ کے دین میں داخل کیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ

اور بلاشبہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا' سو وہ ان میں پچاس کم ہزار سال رہے سو ان لوگوں کو طوفان نے پکڑ لیا اس حال میں کہ

وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

وہ ظلم کرنے والے تھے۔ پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دے دی ہے اور اس واقعہ کو ہم نے تمام جہان والوں کیلئے عبرت بنا دیا

حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ اور ان کی قوم کی بغاوت وہلاکت کا تذکرہ

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت اور بعثت اور مدت اقامت اور قوم کی عداوت وبغاوت اور ہلاکت کا واقعہ اجمالی طور پر بیان فرمایا ہے' حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ساڑھے نوسو سال رہے' ان لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور تبلیغ کی اور بت پرستی چھوڑنے کی تبلیغ فرمائی مگر ان لوگوں نے بہت بڑی سرکشی کی اور حضرت نوح علیہ السلام کو الٹے الٹے جواب دیتے رہے اور کفر وشرک پر جمے رہے' حد یہ ہے کہ انہوں نے یوں کہہ دیا کہ تم جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو وہ لے آؤ' اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیا' جب کشتی بنالی تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اپنے باایمان گھر والوں کو اور دوسرے اہل ایمان کو کشتی میں اپنے ساتھ سوار کرلیں' جب یہ حضرات

کشتی میں سوار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے عذاب بھیج دیا زمین نے پانی اگلا اور آسمان نے بھی پانی برسایا' کافر قوم میں سے کوئی بھی نہ بچا سب غرق ہو گئے سورۂ اعراف میں فرمایا: فَكَذَّبُوهُ فَأَنْجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ (سو ان لوگوں نے نوح کو جھٹلایا سو ہم نے انہیں اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے نجات دے دی اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا بلاشبہ وہ لوگ اندھے تھے۔)

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی بغاوت اور غرقابی کا مفصل قصہ سورۂ اعراف (ع ۸) اور سورۂ ہود (ع ۴) کی تفسیر میں لکھا جا چکا ہے اور سورۂ شعراء (ع ۶) میں بھی گذر چکا ہے اور سورۂ نوح میں بھی آئے گا۔ اِن شاءَ اللہ العزیز۔

وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ۖ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾

اور ہم نے ابراہیم کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ

اللہ کو چھوڑ کر تم بتوں ہی کی عبادت کرتے ہو اور جھوٹی باتیں تراشتے ہو یہ تمہارے لئے رزق کے مالک نہیں ہیں سو تم

اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ ۖ إِلَيْهِ

اللہ کے پاس رزق تلاش کرو اور اس کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو' تم اسی کی طرف لوٹائے

تُرْجَعُونَ ﴿۱۷﴾ وَإِنْ تُكَذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۱۸﴾

جاؤ گے۔ اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو تم سے پہلی امتیں جھٹلا چکی ہیں' اور رسول کے ذمہ واضح طور پر پیغام پہنچانے کے علاوہ اور کچھ نہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا اور اللہ تعالیٰ سے رزق طلب کرنے اور اس کا شکر ادا کرنے کی تلقین فرمانا

تفسیر: ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت اور رسالت کا اور قوم کو توحید کی دعوت دینے اور شرک سے بیزار ہونے کا اجمالاً تذکرہ فرمایا ہے' ان کا واقعہ جگہ جگہ قرآن مجید میں مذکور ہے' سورۂ آل عمران میں ان کا نمرود سے مناظرہ کرنا اور سورۂ انعام میں اپنی قوم کو اور اپنے باپ کو بت پرستی اور ستارہ پرستی سے روکنا اور انہیں یہ بتانا کہ یہ سب گمراہی کا کام ہے اور سورۂ انبیاء میں اور سورۂ شعراء میں اپنی قوم کو سمجھانے اور بت پرستی کا ضرر اور نقصان اور خسران سمجھانے کا تذکرہ گذر چکا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہو اور جھوٹی باتیں تراشتے ہو تمہارا یہ کہنا جھوٹ ہے کہ یہ اللہ کے شریک ہیں اور تمہارا یہ خیال کرنا کہ یہ ہمارے کام آئیں گے یہ سب جھوٹ ہے اللہ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے تم ان کی عبادت

چھوڑ دو، اللہ سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو، اور یہ بھی سمجھ لو کہ تمہیں اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، اس کی عبادت کرو گے اور اس کا شکر ادا کرو گے تو موت کے بعد اچھی حالت میں رہو گے، اور اگر تم کفر اور شرک پر جمے رہے تو مرنے کے بعد اس کی سزا بھگتو گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ اگر تم مجھے جھٹلاؤ گے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ تم سے پہلے بھی بہت سی امتیں اپنے اپنے رسولوں کو جھٹلا چکی ہیں، وہ اپنے کردار کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں، رسول کا کام بس اتنا ہی ہے کہ واضح طور پر حق کو بیان کر دے، ایسا کرنے سے اس کی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے، تم سے پہلے جو لوگ رسولوں کی رسالت کے منکر ہوئے انہوں نے اپنا ہی برا کیا اور اپنی جانوں کو عذاب میں جھونکنے کا راستہ اختیار کیا، تم بھی سمجھ لو کہ اگر تم نے میری دعوت قبول نہیں کی، شرک سے توبہ نہ کی، توحید پر نہ آئے تو تمہارا اپنا ہی برا ہوگا۔

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿١٩﴾ قُلْ سِيرُوا

کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا فرمایا ہے پھر وہ اسے دوسری بار پیدا فرمائے گا، بلاشبہ یہ اللہ پر آسان ہے۔ آپ فرما دیجئے

فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ۚ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ

کہ زمین میں چلو پھر وسو دیکھو اللہ نے پہلی بار کس طرح مخلوق کو پیدا فرمایا پھر دوسری مرتبہ بھی اللہ پیدا فرما دے گا بلاشبہ اللہ ہر

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَن يَشَاءُ ۖ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ﴿٢١﴾ وَمَا أَنتُم

چیز پر قادر ہے، وہ جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا رحم فرمائے گا اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور تم

بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۖ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا

زمین پر کسی کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور نہ آسمان میں اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی کارساز اور

نَصِيرٍ ﴿٢٢﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَئِسُوا مِن رَّحْمَتِي وَأُولَٰئِكَ

مددگار نہیں، اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا یہ لوگ میری رحمت سے ناامید ہونگے اور ان کیلئے

لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٣﴾

دردناک عذاب ہے

اثبات قیامت پر دلیل آفاقی اور منکرین قیامت کے لئے زجر

تفسیر: ابھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو باقی ہے جو ان کے اور ان کی قوم کے درمیان تھی، درمیان میں قریش مکہ کو خطاب فرمایا جو قرآن کے مخاطبین اولین تھے، ارشاد فرمایا کہ جو لوگ قیامت کے دن زندہ ہونے کے منکر ہیں کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ان کے سامنے انسان اور حیوان اور دوسری چیزوں کی ابتدائی پیدائش ہوتی رہتی ہے، چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور فنا

ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ دوبارہ ان کو پیدا فرما دیتا ہے' ابتداً پیدا فرمانا اور دوبارہ پیدا فرمانا کہ اسکے لیے آسان ہے' دیکھو زمین ہری بھری ہوتی ہے کھیتیاں پیدا ہوتی ہیں' پھر فنا ہو جاتی ہیں' زمین مردہ ہو جاتی ہے یعنی خشک ہو جاتی ہے' پھر اللہ تعالیٰ زمین سے بار بار ہری بھری کھیتیاں نکال دیتا ہے' یہ سب نظروں کے سامنے ہے پھر انسان کی دوبارہ تخلیق میں کیوں شک ہے؟

قال صاحب الروح: قوله تعالیٰ (ثم یعید) عطف علیٰ (اولم یروا) لا علیٰ یبدیٔ وجوز العطف علیہ بتأویل الاعادۃ بانشائہ تعالیٰ کل سنۃ مثل ما انشأہ سبحانہ فی السنۃ السابقۃ من النبات والثمار وغیرھما فان ذٰلک مما یستدل بہ علیٰ صحۃ البعث ووقوعہ علی ما قیل من غیر ریب. (تفسیر روح المعانی کے مصنف فرماتے ہیں ثُمَّ یُعِیْدُ کا عطف اَوَلَمْ یَرَوْا پر ہے نہ کہ یُبْدِیُٔ پر اور بعض حضرات نے یُبْدِیُٔ پر عطف کا احتمال نکالا ہے تو اس تاویل کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہر آنے والے موسم میں پچھلے موسم کی طرح کھیتوں اور پھلوں وغیرہ کو نئے سرے سے اُگاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ نظام ایسا ہے کہ اس سے انسانوں کے مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر اور وقوع حشر پر بلاشک استدلال کیا جا سکتا ہے)

پھر فرمایا تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اللہ نے ابتداء مخلوق کی تخلیق فرمائی اس کے بعد جب دوبارہ پیدا کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو پھر پیدا فرما دے گا۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے) یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ (وہ جس کو چاہے عذاب دے) وَیَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ (اور جس پر چاہے رحم فرمائے) وَاِلَیْہِ تُقْلَبُوْنَ (اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) دنیا میں مشیت اور ارادہ کے مطابق سب کچھ ہوتا ہے اور آخرت میں بھی اسی کے فیصلوں کے مطابق سب کچھ ہوگا' آسمان اور زمین میں کوئی عاجز کرنے والا نہیں' اگر کوئی یہ چاہے کہ کہیں چھپ جائے یا بھاگ جائے اور اللہ کے قضا اور قدر والے فیصلے سے بچ جائے یا اس کے عذاب سے چھوٹ جائے ایسا نہیں ہو سکتا۔ اسی کو یہاں فرمایا ہے: وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ (اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو زمین میں نہ آسمان میں) وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی کارساز اور مددگار نہیں ہے) وہ جس پر چاہے رحم کرے اور جس کی چاہے مدد کرے۔ جب اسکا کسی کو عذاب دینے کا فیصلہ ہو جائے تو کوئی بھی اس کی کسی قسم کی مدد نہیں کر سکتا' وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَلِقَآئِہٖ (الآیۃ) (اور جو لوگ اللہ کی آیات اور ملاقات کے منکر ہوئے وہ میری رحمت سے ناامید ہوں گے اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہوگا) اس وقت سمجھ لیں گے کہ ہم اپنے کفر کی وجہ سے اس لائق نہیں ہیں کہ ہم پر رحم کیا جائے اور اللہ کی رحمت سے ناامید ہوں گے۔

فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِہٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْہُ اَوْ حَرِّقُوْہُ فَاَنْجٰىہُ اللّٰہُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ

سو اُن کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس کو قتل کر ڈالو یا جلا ڈالو' سو اللہ نے اُن کو آگ سے نجات دے دی' بلاشبہ

فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّۃَ

اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ اور ابراہیم نے کہا کہ تم نے جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنا لیا ہے

بَیْنِکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۚ ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکْفُرُ بَعْضُکُمْ بِبَعْضٍ وَّیَلْعَنُ بَعْضُکُمْ

یہ تمہاری آپس کی دوستی کی وجہ سے ہے جو دنیا والی زندگی میں ہے پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کے مخالف ہو گے اور تم میں سے بعض

بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىکُمُ النَّارُ وَمَا لَکُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۵﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ

بعض پر لعنت کریں گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہو گا اور تمہاری مدد کرنے والے بالکل نہ ہوں گے سو لوط نے ابراہیم کی تصدیق کی اور ابراہیم نے کہا کہ بلاشبہ

مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا

میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں بلاشبہ وہ عزیز ہے حکیم ہے۔ اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب عطا فرمائے اور ہم نے

فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْکِتٰبَ وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ

اُن کی ذریت (اولاد) میں نبوت اور کتاب کو قائم رکھا اور ہم نے ان کو دنیا میں اس کا اجر دیا اور بلاشبہ وہ آخرت

لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾

میں صالحین میں سے ہوں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا جواب کہ ان کو قتل کردو یا آگ میں جلادو

تفسیر: اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور تبلیغ کا ذکر تھا درمیان میں کچھ تنبیہات آ گئیں جو قرآن کریم کے مخاطبین سے متعلق ہیں یہاں سے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے مخالفین کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کی تلقین کی تو ان کی قوم نے یہی کہا کہ ان کو مار ڈالو یا آگ میں جلادو چنانچہ قوم نے انہیں آگ میں ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈی ہو جانے کا حکم دے دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے نجات دے دی وہ آگ سے صحیح سالم نکل آئے اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (بلاشبہ اس میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قوم کو سمجھانا کہ تم دنیاوی دوستی کی وجہ سے بت پرستی میں لگے ہو اور قیامت کے دن ایک دوسرے پر لعنت کرو گے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنی قوم سے دعوت توحید کے سلسلہ میں باتیں کیں ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ تم لوگوں نے جو بتوں کو معبود بنا رکھا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم لوگوں کی دیکھا دیکھی اس کام میں لگ گئے ہو تم نے غور و فکر تو کیا ہی نہیں جس سے تم پر حق واضح ہو جاتا کہ بتوں کا پوجنا بہت بڑی حماقت ہے تم نے تو یہ دیکھ لیا کہ ساری قوم ان کی پرستش کرتی ہے اور باپ دادے ان کی پوجا کرتے چلے آئے ہیں تمہاری دنیا والی دوستیاں ایک دوسرے جو کفر و شرک پر لگائے

ہوئے ہیں، تم یہ سمجھتے ہو کہ توحید کو مانیں اور بتوں کو چھوڑیں تو قوم سے علیحدہ ہو جائیں گے، قوم ہم سے ناراض ہو جائے گی۔

صاحب روح المعانی (جلد ۲۰ ص ۱۵۰) مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **المعنی ان مودة بعضکم بعضا هی التی دعتکم الی اتخاذها بان رأیتم بعض من تودونه اتخذها فاتخذتموها موافقة له لمودتکم ایاه وهذا کما یری الانسان من یوده یفعل شیئاً فیفعله مودة له۔** (اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہاری ایک دوسرے سے محبت ہی ہے جس نے تمہیں بچھڑے کو معبود بنانے کی دعوت دی۔ اس طرح کہ تم نے اپنی محبت والے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ بچھڑے کو پوج رہے ہیں تو تم نے بھی محبت کی وجہ سے ان کی موافقت میں بچھڑے کو معبود بنالیا۔ اور یہ ایسے ہے جیسے انسان اپنے کسی گہرے تعلق والے کو کوئی کام کرتے دیکھتا ہے تو وہ بھی اس کی محبت کی وجہ سے اسی کام کو کرنے لگتا ہے)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ دنیا میں تو تم دوست بنے ہوئے ہو اور تمہاری یہ دوستی آپس میں ایک دوسرے سے بت پرستی کرانے کا سبب بنی ہوئی ہے لیکن قیامت کے دن تمہاری یہ دوستی دشمنی سے بدل جائے گی وہاں ایک دوسرے کے مخالف ہو جاؤ گے اور تم میں سے بعض بعض پر لعنت کریں گے کیونکہ تم نے ایک دوسرے کو راہ حق سے روکا تھا، یہ لعن طعن آپس میں ہوگا اور سب ہی کو دوزخ میں جانا ہوگا اور وہاں تم میں سے کوئی کسی کا مددگار نہ ہوگا، یہاں شرک کرانے میں ایک دوسرے کے مددگار بنے ہوئے ہو لیکن وہاں کوئی کسی کی مدد نہ کرے گا۔

سورۂ اعراف میں فرمایا: كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعَنَتْ أُخْتَهَا (جب کوئی جماعت دوزخ میں داخل ہوگی اپنی ساتھ والی جماعت پر لعنت کرے گی جو ان سے پہلے دوزخ میں داخل ہو چکی ہوگی) سورۂ صٓ میں فرمایا: قَالُوا بَلْ أَنتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ أَنتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ (یعنی دنیا میں جو لوگ اتباع تھے وہ اپنے متبوعین یعنی لیڈروں اور سرداروں سے کہیں گے تمہارے لیے کوئی مبارکبادی نہیں تم نے کفر کو ہماری طرف بڑھایا اب یہ برا ٹھکانہ ہے جس میں ہمیں بھی ٹھہرنا ہے اور تمہیں بھی)

جو حال اہل کفر کا ہے وہی اہل معاصی کا ہے، ایک دوسرے کو دنیا میں گناہوں پر ابھارتے ہیں، اپنے ساتھ لگاتے ہیں، اپنے پاس سے پیسے دے کر گناہ کراتے ہیں اور آخرت میں کوئی کسی کا یار و مددگار نہ ہوگا۔

حضرت لوط علیہ السلام کا دعوت ابراہیمی کو قبول کرنا اور دونوں حضرات کا فلسطین کیلئے ہجرت کرنا

اس کے بعد فرمایا: فَـآمَنَ لَـهٗ لُوطٌ لوط علیہ السلام ابراہیم کی نبوت پر ایمان لے آئے (جو حضرت ابراہیم کے بھائی ہارون کے بیٹے تھے) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم پر ہر طرح سے حجت پوری کر دی تو فرمایا اب میں اس وطن کو چھوڑتا ہوں اور اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں یعنی میرے رب نے جو ہجرت کی جگہ بتائی ہے وہاں جاتا ہوں بلاشبہ میرا رب عزیز ہے حکیم ہے۔

بعض مفسرین نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ وَقَـالَ اِنِّـىْ مُهَاجِرٌ کا فاعل حضرت لوط علیہ السلام ہیں لیکن پہلی بات راجح ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے جیسا کہ سورۂ صافات میں مذکور ہے: وَقَالَ اِنِّىْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ (اور انہوں نے کہا کہ میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ عنقریب مجھے راہ بتادے گا)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن سے (جو عراق اور فارس کے درمیان تھا) ہجرت فرمائی اور حضرت لوط

علیہ السلام اور حضرت سارہ سلام اللہ علیہا کو ساتھ لے کر (جو آپ کے چچا کی بیٹی تھیں اور آپ کی بیوی تھیں) ہجرت فرما کر فلسطین میں آ کر مقیم ہو گئے۔

بیٹے اور پوتے کی بشارت اور موہبت: اس وقت آپ کی عمر بعض مفسرین کے قول کے مطابق ۷۵ سال تھی اور آپ کی اہلیہ محترمہ بھی بوڑھی تھیں، شام میں پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی: رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (اے میرے رب مجھے صالحین میں ایک لڑکا عطا فرمائیے) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور فرشتوں کے ذریعہ آپ کو لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دی، یہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے آئے تھے جیسا کہ سورۂ ہود میں گذر چکا ہے۔

یہ بشارت حضرت اسحٰق علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیدائش سے متعلق تھی، حضرت اسماعیل علیہ السلام دوسری بیوی یعنی حضرت ہاجرا سلام اللہ علیہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سلسلہ نبوت جاری فرمانا: حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمائے اور ہمیشہ کے لیے ان کی ذریت میں نبوت بھی رکھ دی اور کتابوں کا نازل فرمانا بھی انہیں کی ذریت میں رکھ دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں نبیوں پر ہی نازل ہوا کرتی تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تھے سب انہیں کی نسل میں سے تھے، آخر الانبیاء والمرسلین سیدنا حضرت محمد حضرت اسمٰعیل ابن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ہیں۔

ذکر خیر کی دعا اور قبولیت: اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑا مرتبہ دیا، دنیا میں بھی ان کو چن لیا اور اپنا خلیل بنا لیا اور بعد میں آنے والی قوموں میں اچھائی کے ساتھ ان کا ذکر جاری فرما دیا، جتنے ادیان ہیں ان کے ماننے والے حضرت ابراہیم کو اچھائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں ان میں یہود و نصاریٰ بھی ہیں اور دیگر مشرک اقوام بھی ہیں، مسلمانوں کے علاوہ دوسری قومیں گو سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں سب ہی اچھے کلمات کہتے ہیں انہوں نے جو دعا کی تھی وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ وہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور ان کا ذکر حسن تمام ادیان میں جاری رکھا۔

وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا (اور ہم نے ان کو ان کا صلہ دنیا میں دے دیا) ان کی ذریت میں انبیاء کرام علیہم السلام کا آنا متعین فرما دیا اور انہیں دار الکفر سے نجات دے کر فلسطین میں پہنچا دیا اور ان سے کعبہ شریف بنوا دیا اور ان کے ذریعے قربانی کا سلسلہ جاری فرما دیا، دنیا میں جو کچھ ملا وہ اللہ کا فضل ہے اور اس کی وجہ سے آخرت کا اجر و ثواب اور رفع درجات اور قرب الٰہی کا حصول اس کے علاوہ ہیں، اسی کو سورۂ بقرہ، سورۂ نحل اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (اور بلاشبہ وہ آخرت میں نیک بندوں میں سے ہوں گے)

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ؗ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ

اور ہم نے لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بلاشبہ تم بے حیائی کا کام کرتے ہو تم سے پہلے اس کام

اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ

کو دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ کیا تم مردوں کے پاس آتے ہو اور رہزنی

فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ

کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں برا کام کرتے ہو۔ سو ان کی قوم کا جواب یہی تھا کہ تو

اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۳۰﴾

اللہ کا عذاب لے آ اگر تو سچوں میں سے ہے۔ لوط نے عرض کیا کہ اے میرے رب فساد کرنے والے لوگوں کے مقابلہ میں میری مدد فرمایئے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ ۚ

اور جب ہمارے فرشتے خوشخبری لے کر ابراہیم کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ بلاشبہ ہم اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں

اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ ۚۖ قَالَ اِنَّ فِیْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِیْهَا ٘

بلاشبہ اس بستی کے لوگ ظالم ہیں۔ ابراہیم نے کہا یقینی بات ہے کہ اس بستی میں لوط بھی ہے انہوں نے کہا کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ اس بستی میں کون ہے

لَنُنَجِّیَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ٘ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا

اور ہم لوط کو اور اس کے گھر والوں کو ضرور ضرور نجات دے دیں گے سوائے اُس کی بیوی کے وہ رہ جانے والوں میں سے ہے۔ اور جب ہمارے فرستادے

لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ٙ اِنَّا مُنَجُّوْكَ

لوط کے پاس آئے تو وہ ان کی وجہ سے رنجیدہ ہوئے اور تنگ دل ہوئے، اور قاصدوں نے کہا کہ آپ ڈریئے نہیں اور رنج نہ کیجئے بلاشبہ ہم آپ کو

وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ

اور آپ کے گھر والوں کو نجات دینے والے ہیں سوائے آپ کی بیوی کے وہ رہ جانے والوں میں سے ہے۔ بلاشبہ ہم اس بستی والوں پر آسمان سے عذاب اُتارنے

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰیَةًۢ بَیِّنَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

والے ہیں اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کے کام کرتے رہے ہیں۔ اور البتہ تحقیق ہم نے اس بستی کے بعض نشان چھوڑ دیئے ہیں جو ظاہر ہیں اُن لوگوں کیلئے جو سمجھتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور برے اعمال سے روکنا، پھر قوم کا نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کئے جانے کا ذکر

تفسیر: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن سے ہجرت کی تو ان کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام بھی تشریف لے آئے، حضرت لوط علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرما دیا اور انہوں نے سدوم نامی بستی میں

قیام کیا وہاں اور بھی چند بستیاں تھیں جو نہر اردن سے قریب تھیں' حضرت لوط علیہ السلام ان بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے اور وہاں کے رہنے والوں کو توحید کی دعوت دی اور برے کاموں سے روکا' یہ لوگ ایک ایسے برے کام میں مبتلا تھے جو ان سے پہلے کسی قوم نے نہیں کیا اور وہ یہ کہ مرد مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے اور رہزنی بھی کرتے تھے اور اپنی مجلسوں میں بعض دیگر منکرات کے بھی مرتکب ہوتے تھے' حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھایا کہ تم ان سارے فواحش و منکرات کو چھوڑ دو لیکن وہ نہیں مانے بلکہ الٹا یہ جواب دیا کہ اگر تم سچے ہو تو اللہ کا عذاب لے آؤ۔

یہ جو فرمایا وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ اس کا ایک مطلب تو یہی ہے کہ راہزنی کرتے ہو یعنی جو لوگ تمہارے علاقہ سے گذرتے ہیں کہیں تم ان پر ڈاکہ ڈالتے ہو' اور اس کا ایک معنی بعض مفسرین نے یہ لیا ہے کہ تم مردوں سے شہوت پوری کر کے توالد و تناسل کا راستہ روک رہے ہو کیونکہ اولاد عورتوں سے پیدا ہوتی ہے مردوں سے پیدا نہیں ہوتی' اور تیسرا مطلب یہ بتایا کہ جو لوگ تمہارے علاقہ سے گذرتے ہیں ان کے ساتھ برا کام کرتے ہو جس کی وجہ سے لوگوں نے تمہارے علاقے سے گذرنا چھوڑ دیا یہ بھی قَطْعُ السَّبِيْلِ کا ایک طریقہ ہے۔

وَتَأْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ "تم مجلس میں برا کام کرتے ہو" اس کے بارے میں حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون سا منکر تھا جس کا آیت کریمہ میں ذکر ہے؟ فرمایا کہ وہ لوگ راہگیروں کو دور سے کنکریاں مارتے تھے اور ان کی ہنسی اڑاتے تھے۔ بعض روایات میں یوں ہے کہ وہ اپنے پاس کنکریاں لے کر بیٹھتے تھے پھر گذرنے والوں کو مارتے تھے جس کی کنکری جس راہگیر کو لگ گئی وہ اس کا ہو گیا اور وہ اس کے ساتھ لے جا کر برا کام کرتا تھا اور اس کو چند درہم دے دیتا تھا ان کے ہاں قاضی بھی تھا جو اس بات کا فیصلہ کر دیتا تھا۔ اور حضرت قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ یہ لوگ اپنی مجلسوں میں ہوا چھوڑنے میں مقابلہ کیا کرتے تھے' اور حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ یہ لوگ پوری بے شرمی کے ساتھ اپنی مجلسوں میں مردوں کے ساتھ برا فعل کیا کرتے تھے (معالم التنزیل جلد ۳ ص ۴۶۶)

حضرت لوط علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب فسادی قوم کے مقابلہ میں میری مدد فرما (یعنی میں نے جو ان سے عذاب کا وعدہ کیا ہے میرے وعدہ کو سچا کر دے) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے فرشتے بھیج دیئے' فرشتے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور انہیں بشارت دی کہ تمہارے یہاں ایک لڑکا پیدا ہو گا جو صاحب علم ہو گا اور ساتھ ہی اس لڑکے کا ایک لڑکا پیدا ہونے کی خوشخبری دی اور پہلے ہی سے انہوں نے لڑکے کا نام اسحٰق اور پوتے کا نام یعقوب بتا دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے دریافت کیا کہ آپ حضرات کا کیسے تشریف لانا ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ ہم اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں جس میں حضرت لوط علیہ السلام رہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خیال آیا کہ بستی پر عام عذاب آئے گا اور اس میں لوط علیہ السلام بھی ہیں ان کے ساتھ کیا ہو گا' اپنا یہ سوال فرشتوں کے سامنے رکھ دیا۔ فرشتوں نے جواب میں کہا کہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ اس بستی میں کون کون ہے' ہم لوط علیہ السلام کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دے دیں گے ہاں ان کی بیوی نجات نہ پائے گی کیونکہ اس نے ایمان قبول نہ کیا

اس لئے وہ ان لوگوں میں رہ جائے گی جو ہلاک ہونے والے ہیں یعنی ہلاکت والوں کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوگی۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات کا جواب دینے کے بعد حضرات ملائکہ علیہم السلام حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے یہ حضرات خوبصورت انسانوں کی صورت میں تھے انہیں دیکھ کر لوط علیہ السلام رنجیدہ ہوئے اور دل میں پریشانی کی کیفیت پیدا ہوگئی' انہیں خیال ہوا کہ میری قوم کے لوگ بدکار ہیں اور یہ لوگ میرے مہمان ہیں' خوبصورت ہیں' بستی کے رہنے والے بدکار کہیں ان کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں' فرشتوں نے پریشانی کو محسوس کرلیا اور ان سے کہا کہ آپ نہ ڈریں اور غم نہ کریں ہم ان لوگوں کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں' آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو ہم نجات دے دیں گے البتہ آپ کی بیوی ہلاک کئے جانے والوں میں شامل رہے گی' ان بستی والوں پر ہم عذاب اتارنے والے ہیں' ان کے کرتوتوں کے سبب ان پر عذاب آئے گا اور ہلاک ہوں گے۔

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے ایک حصہ میں اس بستی سے نکل جائیں اور آپ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے' ہاں اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جانا کیونکہ وہ بھی قوم کے ساتھ عذاب میں شریک ہوگی۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنے گھر والوں کو اور دیگر اہل ایمان کو لے کر بستی سے نکل گئے' جب صبح ہوئی تو ان کی قوم پر عذاب آ گیا' یہ بستی جس میں حضرت لوط علیہ السلام رہتے تھے اور اس کے آس پاس کی بستیاں جن کے رہنے والے کافر تھے اور بدکار بھی' ان سب بستیوں کا تختہ الٹ دیا گیا' حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اٹھا کر اس طرح پلٹ دیا کہ نیچے کا حصہ اوپر اور اوپر کا حصہ نیچے کر دیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش بھی ہوگئی' اس طرح یہ سب لوگ ہلاک و برباد ہوگئے۔

حضرت لوط علیہ السلام رات کے کسی وقت اپنے ساتھیوں کو لے کر بستی سے نکلے تھے اور سورج نکلنے کے وقت ان کی قوم پر مذکورہ بالا عذاب آ گیا۔

سورۂ اعراف' سورۂ ہود' سورۂ حجر سورۃ الشعراء اور سورۃ النمل میں بھی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا واقعہ گذر چکا ہے۔

آخر میں فرمایا وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (اور ہم نے لوط علیہ السلام کی بستی کے بعض نشان چھوڑ دیئے ہیں جو ظاہر ہیں جنہیں دیکھ کر گذرنے والے عبرت حاصل کرسکتے ہیں جو فہم اور تدبر سے کام لیں) یعنی لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کے نشانات اب تک موجود ہیں۔ چلو پھرو دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔ سورۂ صافات میں فرمایا وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ وَبِالَّيْلِ (اور بلاشبہ تم ان پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گزرتے ہو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) اہل مکہ جب تجارت کے لئے ملک شام جایا کرتے تھے تو حضرت لوط علیہ السلام کی ہلاک شدہ بستیوں پر گزرتے تھے۔ اس جگہ سے کبھی صبح کو کبھی رات کو گذرنا ہوتا تھا۔ اُن (اہل مکہ) سے فرمایا تم انہیں دیکھ کر عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے۔ ان بستیوں کی جگہ آج کل بحر میت موجود ہے افسوس ہے کہ سفر کرنے والے آج تفریح کے لئے دیکھتے ہیں اور ذرا بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا

اور ہم نے مدین والوں کے پاس اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا' سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اور آخرت کے دن کو توقع رکھو

فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۳۷﴾

اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔ سو اُن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا لہٰذا انہیں زلزلہ نے پکڑ لیا اور وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے ہوئے رہ گئے۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

اور ہم نے عاد اور ثمود کو ہلاک کیا اور حال یہ ہے کہ تمہیں ان کے رہنے کی جگہوں سے ان کا حال معلوم ہو چکا ہے اور شیطان نے ان کے اعمال کو

فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ

ان کے لئے اچھا کر کے دکھایا سو اس نے انہیں راستہ سے روک دیا اور وہ صاحب بصیرت تھے۔ اور ہم نے قارون کو اور فرعون کو اور ہامان کو ہلاک کیا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ

مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِیْنَ ﴿۳۹﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ

موسیٰ اُن کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے سو انہوں نے اپنے کو بڑا سمجھا اور وہ آگے بڑھنے والے نہ تھے۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّیْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

سو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی وجہ سے پکڑ لیا، سو بعض پر ہم نے سخت ہوا بھیج دی اور بعض کو چیخ نے پکڑ لیا اور بعض کو

خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ

ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور بعض کو غرق کر دیا اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان پر ظلم فرماتا اور لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر

یَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾

ظلم کرتے تھے۔

اہل مدین اور فرعون، ہامان، قارون کی ہلاکت کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں اجمالی طور پر بعض گذشتہ اقوام کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا ہے، پہلی اور دوسری آیت میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے جو علاقہ مدین میں رہتے تھے، ان لوگوں کو حضرت شعیب علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا اور فرمایا کہ آخرت کا دن بھی واقع ہوگا وہاں کفر کی اور اعمال بد کی سزا ملے گی تم یہ نہ سمجھو کہ دنیا ہی سب کچھ ہے بلکہ موت کے بعد حساب کتاب ہے، پیشی ہے، اس کے واقع ہونے کا یقین رکھو اور اس یقین کے مطابق عمل کرو اور زندگی گذارو، جو برے افعال کرتے ہو ان کو چھوڑو یہ لوگ ناپ تول میں کمی کرتے تھے جیسا کہ سورۂ ہود اور سورۃ الشعراء میں مذکور ہے حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں تنبیہ فرمائی کہ زمین میں فساد مت پھیلاؤ ان لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بات نہ مانی لہٰذا ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور ایسا زلزلہ آیا کہ ان سب کو جھنجھوڑ کر اور تباہ کر کے رکھ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے منہ گرے ہوئے رہ گئے جیسا کہ سورۂ ہود میں ذکر فرمایا ہے، ان پر چیخ کا عذاب بھی آیا اور زلزلہ نے بھی

دبایا اور یہ دونوں چیزیں ہلاکت کا ذریعہ بن گئیں۔

تیسری آیت میں قوم عاد اور ثمود کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ان کی ہلاکت کے نشانات تمہاری نظروں کے سامنے ہیں، جب تم سفر میں جاتے ہو تو ان کے برباد شدہ گھروں کے پاس سے گذرتے ہوئے یہ عبرت کی جگہ ہے غور کرو اور کفر سے توبہ کرو۔ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ (اور شیطان نے ان کے اعمال بد اور کفر و معاصی کو ان کے سامنے مزین کر کے پیش کیا) یعنی انہیں سمجھایا تھا کہ تم اچھی زندگی گذار رہے ہو۔ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ (سو انہیں راہ حق سے ہٹا دیا) وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ (حالانکہ وہ لوگ صاحب بصیرت تھے، سمجھدار تھے) لیکن شیطان کے کہنے میں آ گئے عقل سے کام نہ لیا، دنیاوی لذتوں کو سامنے رکھا اور اللہ تعالیٰ نے جو سمجھ دی تھی اسے استعمال نہ کیا اور شیطان کی تزیین اور تحسین کی وجہ سے مدہوش ہو گئے۔

چوتھی آیت میں قارون فرعون اور ہامان کی بربادی کا تذکرہ فرمایا سورۂ عنکبوت سے پہلے سورۂ قصص میں ان لوگوں کی ہلاکت اور بربادی کا ذکر گذر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف مبعوث فرمایا، وہ ان کے پاس کھلے ہوئے معجزات لے کر آئے لیکن ان لوگوں نے آپ کی بات نہ مانی اور کفر پر جمے رہے، انکار پر مصر رہے، اور انکار کا سبب ان کا استکبار تھا یعنی یہ کہ وہ اپنے کو زمین میں بڑا سمجھتے تھے اور ایمان قبول کرنے میں اپنی خفت محسوس کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتے تو یہ ہم سے اونچے ہو جائیں گے۔

سورۃ المؤمنین میں ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں نے یوں کہا کہ اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ (کیا ہم ایسے دو شخصوں (موسیٰ وہارون علیہ السلام) پر ایمان لائیں جو ہمارے ہی جیسے ہیں اور حال یہ ہے کہ ان کی قوم ہماری فرمانبردار ہے) سورۃ الزخرف میں ہے کہ فرعون نے کہا اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ (بلکہ میں افضل ہوں اس شخص سے جو کہ کم قدر ہے اور قوت بیانیہ بھی نہیں رکھتا) بہر حال ان لوگوں کو ان کا کفر اور کبر لے ڈوبا، فرعون اپنے لشکروں کے ساتھ ڈوب گیا۔ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۔ وَمَا كَانُوْا سَابِقِيْنَ (اور یہ لوگ ہم سے آگے بڑھنے والے نہ تھے) یعنی ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ ہمارے عذاب سے بچ کر نکل جاتے اور کہیں فرار ہو کر امن کی جگہ پہنچ جاتے۔

پانچویں آیت میں مذکورہ بالا اقوام کی ہلاکت کی طرف اجمالی اشارہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ (سو ہم نے ان میں سے ہر ایک کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا) فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا (سو بعض پر ہم نے تیز ہوا بھیج دی) جو کہ آندھی کی صورت میں آئی اور اس نے انہیں ہلاک کر دیا۔ یہ قوم عاد کے ساتھ ہوا، یہ ہوا ان پر سات رات اور آٹھ دن مسلط رہی جیسا کہ سورۃ الحاقہ میں بیان فرمایا ہے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ (اور بعض کو چیخ نے پکڑ لیا) اس سے قوم ثمود مراد ہے (کمافی سورۃ ھود علیہ السلام)۔ پھر فرمایا: وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ (اور ہم نے بعض کو زمین میں دھنسا دیا) اس میں قارون کی ہلاکت کی طرف اشارہ ہے، جس کا ذکر سورۂ قصص کے ختم کے قریب گذر چکا ہے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا (اور بعض کو ہم نے غرق کر دیا) اس میں فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کا ذکر ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ (اور اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم فرماتا) یعنی اس نے کسی کو بغیر گناہ کے عذاب نہیں دیا۔ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (اور لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے) یعنی وہ حق قبول نہیں کرتے تھے کفر پر جمے رہتے تھے، گناہوں پر مصر رہتے تھے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَاِنَّ

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر کارساز بنا رکھے ہیں ان کی مکڑی جیسی مثال ہے کہ اُس نے گھر بنایا اور بلاشبہ

اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ

سب گھروں میں کمزور تر گھر مکڑی کا ہے اگر وہ جان لیتے تو ایسا نہ کرتے۔ بلاشبہ اللہ جانتا ہے جس کسی کو بھی

مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ

وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ زبردست ہے حکمت والا ہے، اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لئے

وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

بیان کرتے ہیں، ان کو بس علم والے ہی سمجھتے ہیں۔ اللہ نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ، بلاشبہ اس میں

لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾

ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں

مشرکین اپنے معبودوں سے جو اُمیدیں لگائے بیٹھے ہیں اُس کی مثال مکڑی کے جالے کی طرح ہے

تفسیر: جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی عبادت ہمارے لئے فائدہ مند ہو گی اور یہ ہمارے مددگار رہوں گے۔ ان لوگوں کی جہالت اور گمراہی کی مثال دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کے اعتقاد کی ایسی مثال ہے جیسے مکڑی کا گھر ہو، مکڑی جالا بن کر اس میں بیٹھی رہتی ہے اور اس جال کے ذریعہ مکھی کو شکار کرتی ہے۔ جانوروں کے جتنے بھی چھوٹے بڑے گھر گھونسلہ وغیرہ کی صورت میں ہوتے ہیں مکڑی کا گھر ان میں سب سے زیادہ بودا اور کمزور ہوتا ہے، یہی حال ان لوگوں کا ہے جو غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور ان پر اعتقاد کرتے ہیں اور اپنا مددگار سمجھتے ہیں۔

ان کا یہ اعتقاد و اعتماد اور بھروسہ کرنا مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہے جو انہیں کوئی فائدہ دینے والا نہیں ہے، اگر سمجھ رکھتے تو ایسی بیہودہ حرکت نہ کرتے اور معبود حقیقی کو چھوڑ کر مخلوق کی پرستش میں نہ لگتے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ (یہ لوگ اللہ کے سوا جس جس کی بھی عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے) یہ چیزیں نہایت ضعیف ہیں۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (اور وہ غلبہ والا حکمت والا ہے) وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ (اور یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں) وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (اور ان مثالوں کو بس علم والے ہی سمجھتے ہیں) جو لوگ سمجھنا ہی نہیں چاہتے علم سے دور رہنے ہی کو پسند کرتے ہیں یہ لوگ ان سے مستفید نہیں ہوتے۔

خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا) ان کے پیدا کرنے میں بڑی حکمت ہے' جو منکر ہیں وہ بھی مانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں لیکن ایمان نہیں لاتے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (بلاشبہ اس میں مؤمنین کے لئے نشانیاں ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل ہیں۔ دلائل تو سب ہی کے لئے ہیں لیکن ان سے اہل ایمان ہی منتفع ہوتے ہیں' جنہیں ایمان قبول کرنا نہیں وہ جانتے بوجھتے منکر بنے ہوئے ہیں اور انکار پر تلے ہوئے ہیں۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ
جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اس کی تلاوت فرمایئے اور نماز قائم کیجئے' بلاشبہ نماز بے حیائی سے اور برے کاموں سے
وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾
روکتی ہے اور البتہ اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ جانتا ہے

قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور نماز قائم کرنے کا حکم

تفسیر: اس آیت کریمہ میں دو حکم ہیں' پہلا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب آپ کو دی ہے آپ اسکی تلاوت کرتے رہیں۔ تنہائی میں تلاوت کرنا' نمازوں میں قرآن مجید پڑھنا' لوگوں کے سامنے پڑھنا اور اس کی تعلیم دینا الفاظ کا عموم ان سب کو شامل ہے دوسرا حکم یہ ہے کہ آپ نماز قائم کریں۔ دیگر آیات میں بھی نماز قائم کرنے کا حکم وارد ہوا ہے' سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اور سورۂ ہود میں فرمایا ہے وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ۔ ان آیات میں آنحضرت ﷺ کو نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے' اور یہ حکم جہاں آپ ﷺ کو ہے وہاں آپ کی امت کو بھی ہے اور امت کو علیحدہ خطاب بھی ہے۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ علماء نے فرمایا ہے کہ لفظ اقامۃ الصلوٰۃ اپنے مفہوم کے اعتبار سے بہت زیادہ عام ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ نماز کو پڑھنے کی طرح پڑھو اس میں سنتوں اور مستحبات کا اہتمام اور نماز باجماعت کی ادائیگی اور خشوع وخضوع سے پڑھنا سب آ جاتا ہے۔

نماز بے حیائی سے روکتی ہے: پھر نماز کا ایک خاص بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (بلاشبہ نماز بے حیائی سے اور برے کاموں سے روکتی ہے)۔

درحقیقت نماز کو نماز کی طرح پڑھا جائے تو وہ گناہوں کے چھڑانے کا سبب بن جاتی ہے' نماز میں قراءت قرآن بھی ہے اور تسبیح بھی تکبیر بھی ہے تحمید بھی' رکوع بھی ہے سجود بھی' خشوع بھی ہے خضوع بھی' اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اظہار بھی ہے اور اپنی عاجزی اور فروتنی کا تصور بھی' ان سب امور کا دھیان کر کے نماز پڑھی جائے تو بلاشبہ نمازی آدمی بے حیائی کے کاموں اور گناہوں سے رک جائے گا' جس شخص کی نماز جس قدر اچھی ہوگی اسی قدر گناہوں سے دور ہوگا اور جس قدر نماز میں کمی ہوگی اسی قدر گناہوں کے چھوٹنے میں دیر لگے گی' نمازی آدمی اگرچہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو بہرحال نماز پڑھتا ہے۔ کبھی نہ کبھی اس کی نماز انشاء اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو چھڑا ہی دے گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ فلاں شخص رات کو نماز پڑھتا ہے اور صبح ہوتی ہے تو چوری کر لیتا ہے آپ نے فرمایا کہ اس کا نماز پڑھنے والا عمل اسے اس عمل سے روک دے گا جسے تو بیان کر رہا ہے (ذکرہ صاحب الروح وعزاہ الیٰ احمد وابن حاتم والبیھقی ۱۲)

دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ گناہوں میں بھی مشغول رہتے ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں اس پر جو اشکال ہوتا ہے اس کا جواب ہمارے بیان میں گزر چکا ہے اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ نماز تو بلاشبہ برائیوں سے روکتی ہے لیکن روکنے کی وجہ سے رک جانا ضروری نہیں آخر واعظ بھی تو وعظ کرتے ہیں برائیوں کی وعیدیں سناتے ہیں پھر جو رکنا چاہتا ہے وہی رک جاتا ہے اور جو رکنا نہیں چاہتا وہ گناہ کرتا رہتا ہے۔ اور بعض علماء نے جواب دیا ہے کہ نماز کم از کم اتنے وقت تک تو گناہوں سے روکتی ہی ہے جتنی دیر نماز میں مشغول رہتا ہے۔

بعض گناہ ایسے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے انسان نماز نہیں پڑھ سکتا نمازی آدمی اس سے ضرور بچے گا۔ مثلاً پیشاب کر کے یوں ہی اٹھ جائے اور استنجانہ کرے نمازی سے یہ نہیں ہو سکتا' اور کوئی نمازی ستر کھول کر رانیں دکھاتا ہوا نہیں پھر سکتا' اور نماز کو جاتے ہوئے راستہ میں گناہ نہیں کر سکتا۔ اور اسی طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو غور کرنے سے سمجھ میں آ سکتی ہیں۔

ذکر اللہ کے فضائل: نماز کی اہمیت بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (اور اللہ کا ذکر البتہ بہت بڑی چیز ہے) درحقیقت اللہ کا ذکر ہی پورے عالم کی جان ہے' جب تک دنیا میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے آسمان و زمین قائم ہیں اور دوسری مخلوق بھی موجود ہے۔ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین میں ایک مرتبہ بھی اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا (رواہ مسلم ص ۸۴ ج۱)

نماز بھی اللہ کا ذکر کرنے کے لئے ہے جو سراپا ذکر ہے' سورہ طٰہٰ میں فرمایا ہے: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ کہ میری یاد کے لئے نماز قائم کیجئے' نماز میں اول سے آخر تک ذکر ہی ذکر ہے نمازی آدمی تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک برابر اللہ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے' اس کی زبان بھی ذکر اللہ میں مشغول رہتی ہے اور دل بھی۔

رسول اللہ علیہ السلام کے بارے میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا كَانَ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِىْ كُلِّ اَحْيَانِهٖ (کہ آپ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے) (رواہ مسلم باب ذکر اللہ تعالیٰ حال الجنابة وغیرھا)

یوں تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا ہر عمل اللہ کے ذکر میں شامل ہے لیکن دیگر اعمال ایسے ہیں کہ ہر وقت ان کی ادائیگی کے مواقع نہیں ہوتے اور ذکر اللہ ایسی چیز ہے جو وضو بے وضو ہر وقت حتیٰ کہ ناپاکی کی حالت میں بھی ہو سکتا ہے' البتہ غسل فرض ہو تو تلاوت کرنا ممنوع ہے۔

تلاوت قرآن مجید' تسبیح و تحمید' تکبیر' تہلیل' دعا یہ سب اللہ کا ذکر ہے' درود شریف بھی اللہ کے ذکر میں شامل ہے' اس میں حضور نبی کریم علیہ السلام کے لئے اللہ سے رحمت کی دعا مانگی جاتی ہے' وہ لوگ مبارک ہیں جو دل سے بھی اللہ کو یاد کرتے ہیں' اس کی نعمتوں کے شکر گذار ہوتے ہیں' اس کی کتاب کی تلاوت میں مشغول رہتے ہیں اور اس کی حمد و ثناء بیان کرتے رہتے ہیں۔

رسول اللہ علیہ السلام نے قرآن مجید کی تلاوت کی فضیلت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی کتاب میں سے ایک حرف پڑھے اس کی وجہ سے اسے ایک نیکی ملے گی اور ہر نیکی دس گنا ہو کر ملے گی۔ (رواہ الترمذی وقال حسن صحیح)

اور تسبیح وتحمید وغیرہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اگر میں ایک بار سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ کہہ لوں تو یہ مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے جس پر سورج نکلتا ہے۔(رواہ مسلم کما فی المشکوۃ ص ۲۰۰)

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں ترازو میں بھاری ہوں گے رحمٰن کو محبوب ہیں اور وہ یہ ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ (رواہ البخاری وھو اٰخر الحدیث من کتابہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ کہا اس کے لئے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگا دیا جائے گا۔(رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی انہوں نے فرمایا کہ اے محمد اپنی امت کو میرا سلام کہہ دینا اور بتا دینا کہ جنت کی اچھی مٹی ہے اور میٹھا پانی ہے اور وہ چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے یہ ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ۔(رواہ الترمذی وقال حسن غریب اسناداً) مطلب یہ ہے کہ جنت میں ہے تو سب کچھ مگر اسی کے لئے ہے جو یہاں سے کچھ کر کے لے جائے' جو عمل سے خالی ہاتھ گیا اس کے لئے تو چٹیل میدان ہی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک ایسے درخت پر گذر ہوا جس کے پتے سوکھے ہوئے تھے آپ نے اس میں اپنی عصا کو مارا تو پتے جھڑنے لگے آپ نے فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور سُبْحَانَ اللّٰہِ اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ بندہ کے گناہوں کو اس طرح گرا دیتے ہیں جیسے اس درخت کے پتے گر رہے ہیں۔(رواہ الترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَافضل الدعاء اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یعنی سب سے بڑی فضیلت والا ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اور سب سے بڑی فضیلت والی دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہے۔(رواہ الترمذی)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتادوں؟ میں نے عرض کیا ارشاد فرمائیے! فرمایا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ہے۔(رواہ البخاری)

جب ذکر اللہ کی اس قدر فضیلت ہے تو اسی میں لگا رہنا چاہئے' ایک لحہ بھی ضائع نہ ہونے دیں' بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ کوئی کام کاج نہیں' ریٹائرمنٹ کے بعد بیس بیس سال گذار دیتے ہیں' دکانوں میں لڑکے اور ملازم کام کرتے ہیں اور اتنی بڑی قیمتی زندگی فضول گفتگو میں' اخبار پڑھنے میں' دنیا کے ملکوں کا تذکرہ کرنے میں بلکہ غیبتوں میں گذار دیتے ہیں' یہ بڑے نقصان کا سودا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھے جس میں انہوں نے اللہ کا ذکر نہیں کیا تو یہ مجلس ان کے لئے نقصان کا باعث ہوگی' پھر اگر اللہ چاہے تو انہیں عذاب دے اور چاہے تو مغفرت فرمادے۔(رواہ الترمذی)

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کی چیزیں تو بہت ہیں آپ مجھے ایک ایسی چیز بتلا دیجئے کہ میں اسی میں لگا رہوں' آپ نے فرمایا لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ (مشکوۃ المصابیح ص ۱۹۸ الترمذی وغیرہ) (کہ

تیری زبان ہر وقت اللہ کی یاد میں تر رہے) ایک اور شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ فضیلت کے اعتبار سے سب سے بڑا عمل کون سا ہے؟ فرمایا وہ عمل یہ ہے کہ تو دنیا سے اس حال میں جدا ہو کہ تیری زبان اللہ تعالیٰ کی یاد میں تر ہو (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۸ عن الترمذی وغیرہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر اللہ کے علاوہ زیادہ باتیں نہ کیا کرو کیونکہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ بولنے سے دل میں قساوت یعنی سختی آجاتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور وہی شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔ (رواہ الترمذی)

نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کے لئے صاف کرنے کی ایک چیز ہوتی ہے اور دلوں کو صاف کرنے والی چیز اللہ کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دینے والی کوئی چیز نہیں، صحابہؓ نے عرض کیا کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس قدر جہاد کرے کہ مارتے مارتے اس کی تلوار ٹوٹ جائے تو یہ عمل بھی عذاب سے بچانے میں ذکر اللہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر کما فی المشکوٰۃ ص ۱۹۹) آخر میں فرمایا وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ (اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو) ہر شخص کے اعمال خیر اور اعمال شر کا اس کو علم ہے، وہ اپنی حکمت کے مطابق اصحاب اعمال کا بدلہ دے گا، عمل کرنے والے اس چیز کا مراقبہ کرتے رہیں کہ ہمارے اعمال پیش ہوں گے اور ان کا بدلہ دیا جائے گا۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ

اور اہل کتاب سے بحث مت کرو مگر ایسے طریقہ پر جو اچھا طریقہ ہو، مگر وہ لوگ جو اُن میں سے بے انصاف ہیں، اور یوں کہو کہ ہم

وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو تمہاری طرف نازل ہوا اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں،

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی سو جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں، اور ان میں سے بعض

مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ

وہ ہیں جو اس پر ایمان لے آتے ہیں، اور کافر لوگ ہی ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس سے پہلے

مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ

آپ کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو اہل باطل شک میں پڑ جاتے۔ بلکہ یہ قرآن بذات خود بہت سے واضح دلائل کا

صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ

مجموعہ ہے اُن لوگوں کے سینوں میں جنہیں علم دیا گیا، اور ہماری آیتوں کا انکار بے انصاف لوگ ہی کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں نے کہا کہ اس پر اس کے

عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ اَوَلَمْ

رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نازل نہیں ہوئیں آپ فرمادیجئے کہ نشانیاں اللہ کے اختیار میں ہیں اور میں تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔ کیا

يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى

یہ بات انہیں کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جو اُن پر پڑھی جاتی ہے بلاشبہ اس میں رحمت ہے اور نصیحت ہے

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۞

ایمان لانے والوں کے لئے

اہل کتاب سے مجادلہ اور مباحثہ کرنے کا طریقہ

تفسیر: ان آیات مبارکہ میں اللہ رب العزت نے اہل کتاب سے مباحثہ کرنے کے بارے میں نصیحت فرمائی ہے ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ سے جب گفتگو کرنے کا موقع آ جائے تو ان سے اچھے طریقے پر بحث کرو۔ یہود و نصاریٰ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے اور اب بھی مانتے ہیں اور یہ بھی مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے اس لئے ان سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور پیغمبروں کی رسالت کے بارے میں کوئی بحث کرنے کی ضرورت نہ تھی البتہ خاتم الانبیاء والمرسلین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے جو منکر تھے ان سے اس بارے میں بحث کرنے کی ضرورت تھی اور ان لوگوں نے جو اپنے دین میں تحریف کرلی تھی اور اپنی کتابوں کو بدل دیا تھا اور یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتادیا۔ ان کی اس گمراہی پر بھی تنبیہ کرنا ضروری تھا۔ یہودی پہلے سے مدینہ منورہ میں رہتے تھے جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں سے واسطہ پڑا ان سے دینی امور میں مباحثہ ہوتا رہتا تھا۔ اور ایک مرتبہ نجران کے نصاریٰ بھی حاضر ہوئے ان سے بھی بحث ہوئی اور سورۂ آل عمران کے شروع کی تقریباً اسی آیات نازل ہوئیں جن میں مباہلہ کی دعوت بھی ہے جو آیت کریمہ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ (الآیۃ) میں مذکور ہے۔ اہل مکہ مشرک تھے ان سے بھی بحث ہوتی رہتی تھی۔ سورۂ نحل میں تمام انسانوں سے دعوت حق کا خطاب کرنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے: اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ اور یہاں سورۂ عنکبوت میں خصوصیت کے ساتھ اہل کتاب سے اچھے طریقے پر بحث کرنے کا حکم فرمایا ہے اچھے طریقہ پر بحث کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سخت بات کا جواب نرمی کے ساتھ اور غصہ کا جواب بردباری کے ساتھ اور جاہلانہ شور و شغب کا جواب باوقار گفتگو کے ساتھ دیا جائے حق کی تبلیغ ہو اور نرمی اور بردباری کے ساتھ ہو تو وہ زیادہ نافع ہوتی ہے ہاں جن لوگوں نے ضد اور ہٹ دھرمی پر کمر باندھ لی ہو تو وہ خوش اخلاقی سے پیش آنے والے داعی کی بات بھی قبول نہیں کرتے لیکن داعی کو چاہئے کہ ہر حال میں حلم اور وقار سنجیدگی اور نرمی پر قائم رہے۔ مذکورہ بالا نصیحت کے ساتھ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بھی فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ

بے انصافی پر ہی اتر آئیں اور بھونڈے طریقہ پر گفتگو کرنے لگیں تو تم بھی انہیں ایسا جواب دے سکتے ہو جس سے ان کی بدتمیزی اور بیوقوفی کا کاٹ ہوتا ہو۔

صاحب روح المعانی نے حضرت مجاهد تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ سے وہ اہل کتاب مراد ہیں جنہوں نے اللہ کے لئے بیٹا تجویز کیا اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرایا یا جنہوں نے یوں کہا کہ اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ یا یوں کہا يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ایسی باتیں سنکر مومن آدمی کو زیادہ غصہ آجاتا ہے اس غصہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور عظمت ثابت کرتے ہوئے کوئی سخت بات نکل جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

اس کے بعد فرمایا وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰـهُنَا وَاِلٰـهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (اور یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو تمہاری طرف نازل ہوا اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں) اس خطاب میں اہل کتاب سے بات کرنے کا طریقہ بتایا ہے اور وہ یہ کہ تم اہل کتاب سے یوں کہو کہ ہم تو قرآن کریم پر بھی ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا اور ان کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں جو تم پر نازل ہوئیں یعنی توراۃ اور انجیل، اور ہمارا اور تمہارا معبود بھی ایک ہی ہے پھر تم دین اسلام سے دور کیوں بھاگتے ہو؟ اگر ہم تمہاری کتابوں کو اللہ تعالیٰ کی کتاب نہ مانتے اور ہمارا تمہارا معبود ایک نہ ہوتا تو اختلاف کرنے اور دور بھاگنے کی کوئی وجہ بھی تھی، جب کوئی وجہ اختلاف نہیں ہے تو آجاؤ اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آؤ، اختلاف ختم ہم تم ایک، جو کچھ انکار ہے تمہاری طرف سے ہے، اصحاب کتاب ہو کر اللہ کی آخری کتاب سے کیوں منہ موڑتے ہو؟ دیکھو ہم تو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں تم بھی فرمانبردار ہو جاؤ اور اسکے آخری نبی ﷺ پر ایمان لے آؤ۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل کتاب توراۃ کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے سامنے عربی میں اس کی تفسیر بیان کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لا تصدقوا اهل الكتٰب ولا تكذبوهم وقولوا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰـهُنَا وَاِلٰـهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب کرو اور یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور اس پر جو تمہاری طرف نازل ہوا اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں) جب ہمیں معلوم نہیں کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں یا جھوٹ تو ان کی تکذیب یا تصدیق کیسے کر سکتے ہیں۔

بعض صحابہؓ نے یہود سے جو بعض روایات لی ہیں (اور تفسیر کی کتابوں میں بھی نقل ہو گئی ہیں) وہ صرف تاریخی حیثیت سے لے لی گئی ہیں احکام شرعیہ اور حلال و حرام میں ان کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ اور جس طرح ہم نے پہلی کتابیں نازل کیں اسی طرح ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل فرمائی یعنی قرآن مجید فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (جو لوگوں کو ہم نے آپ سے پہلے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں) اس سے وہ اہل کتاب مراد ہیں جنہوں نے حق ظاہر ہوتے ہی حق کو قبول کیا اور اسلام لے آئے جیسے عبد اللہ بن سلام، سلمان فارسی اور حبشہ کے نصاریٰ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ (اور ان لوگوں میں سے یعنی قریش مکہ اور دیگر قبائل اہل عرب میں سے بعض لوگ قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں) وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ

(اور ہماری آیات کا وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو کافر ہیں) حق کو چھپاتے ہیں باطل پر جمے رہتے ہیں۔

رسالت محمدیہ پر ایک واضح دلیل: اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایک واضح دلیل بیان فرمائی اور وہ یہ کہ آپ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اہل مکہ میں آپ نے پورے چالیس سال گذارے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا' مکہ والے جانتے تھے کہ آپ بالکل امی ہیں کسی سے آپ نے کچھ بھی نہیں پڑھا' آپ نہ پڑھنا جانتے تھے نہ لکھنا۔ اہل کتاب بھی اپنی کتابوں میں جو آپ کی صفات پاتے ان میں یہ واضح طور پر موجود تھا کہ آپ امی ہوں گے۔ مکہ معظمہ میں آپ نے نبوت کے بعد تیرہ سال گذارے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سنائی تو انہوں نے ضد اور عناد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی کتاب ہونے سے انکار کر دیا اور یوں کہنے لگے کہ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ (انہیں ایک آدمی سکھاتا ہے) جب ان سے کہا گیا کہ تم اس جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ تو بالکل عاجز رہ گئے حالانکہ وہ فصحاء اور بلغاء تھے' جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ کتاب آپ کی بنائی ہوئی نہیں ہے' آپ نے کسی سے پڑھا نہیں اور یہ کسی دوسرے بشر کی سکھائی اور پڑھائی ہوئی کتاب نہیں ہے' اگر ایسا ہوتا تو تم لوگ اس جیسا کلام بنا کر لے آتے' خصوصاً جبکہ وہ شخص عجمی ہے جسکے بارے میں کہتے ہو کہ وہ آپ کو سکھاتا ہے ایک امی شخص جس نے کسی سے بھی نہیں پڑھا اس کا ایسی فصیح و بلیغ کتاب پیش کر دینا جس کے مقابلہ سے بڑے بڑے فصحاء عاجز رہ گئے' اس کی نبوت کی صاف صریح اور واضح دلیل ہے۔

پھر جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں پہلے سے اہل علم یعنی یہود موجود تھے انہوں نے آپ کو پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی تشریف آوری کا ہمیں انتظار تھا' وہ لوگ آپ کی نشانیاں جانتے تھے اور اپنے اسلاف سے سنتے آرہے تھے' ان نشانیوں میں یہ بھی تھا کہ آپ امی ہوں گے' امی ہوتے ہوئے آپ نے حضرات انبیاء سابقین علیہم السلام اور ان کی امتوں کے واقعات بتائے اور جامع شریعت پیش کی' عقائد صحیحہ سے واقف کیا' یہود نصاریٰ کی تحریفات سے آگاہ فرمایا' ان کی گمراہیوں پر مطلع کیا' یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ علوم دے دیئے جو کسی کو نہیں دیئے۔

اس تمہید کے بعد اب آیت کا مفہوم سمجھیں' ارشاد فرمایا: وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ (اور اس سے پہلے آپ کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے داہنے ہاتھ سے کتاب کو لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل والے شک کرتے) یعنی انہیں شک کرنے اور یوں بات بنانے کا موقع مل جاتا کہ یہ تو پڑھے لکھے آدمی ہیں' اپنے پاس سے لکھ لیتے ہیں پھر یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے' لیکن جب آپ پڑھنا لکھنا جانتے ہی نہیں تو خود سے لکھنے کا احتمال ہی' لہٰذا اب یہ بات کہنے کا موقع نہیں رہا کہ انہوں نے یہ کتاب لکھ لی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دی ہے۔ (العیاذ باللہ)

پھر فرمایا: بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ بلکہ بات یہ ہے کہ یہ کتاب یعنی (قرآن شریف) اگرچہ ایک کتاب ہے لیکن بہت سے معجزات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بہت بڑی دلیل ہے جو اپنی قوت و عظمت کیوجہ سے بہت سی واضح دلیلوں کا مجموعہ بنا ہوا ہے اور ان لوگوں کے دلوں میں ہے جن کو علم عطا کیا گیا ہے' وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ (اور ہماری آیتوں کا انکار صرف بے انصاف لوگ ہی کرتے ہیں) باوجودیکہ قرآن معجزہ ہے اور اس کا اعجاز سب پر ظاہر

ہے پھر بھی ظالم لوگ انکار پر تلے ہوئے ہیں۔

فائدہ: سورۂ اعراف میں خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ فرمایا ہے اور یہاں یوں فرمایا ہے کہ آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتے تھے اور آپ کا یہ معجزہ تھا کہ امی ہوتے ہوئے آپ نے علوم کے سمندر بہا دیئے یہ امتیازی صفت بطور معجزہ آخر تک باقی رہی جو ایک فضل و کمال کی بات ہے۔

بعض علماء نے یوں کہا ہے کہ آخر میں آپ لکھنا پڑھنا جان گئے ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ لکھا جا رہا تھا تو اس میں آپ کے کاتب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ھٰذا ما قاضیٰ علیہ رسول اللہ ﷺ لکھ دیا مشرکین مکہ کے نمائندہ سہیل بن عمرو نے یوں کہا کہ محمّد رّسول اللہ نہ لکھا جائے بلکہ محمد بن عبداللہ لکھا جائے اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے ہوتے تو کوئی جھگڑے والی بات ہی نہ تھی نہ آپ سے قتال کرتے اور نہ آپ کو بیت اللہ سے روکتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ نے فرمایا کہ محمد بن عبداللہ لکھ دو، اس وقت ان پر ادب کی شان غالب تھی اسلئے انہوں نے عذر کر دیا، اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کے ہاتھ سے ورقہ لے لیا اور خود ھٰذا ما قاضیٰ علیہ محمد بن عبداللہ لکھ دیا، صحیح مسلم کی بعض روایات میں اسی طرح سے ہے۔ (صحیح مسلم جلد۲ ص ۱۰۵)

(یہ وہ دستاویز ہے جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے معاہدہ کیا ہے)

لیکن بعض علماء نے فرمایا کہ آپ نے حضرت علیؓ کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کو لفظ محمد بن عبداللہ لکھنے کا حکم دیا اور اس حکم فرمانے کو راوی نے اس طرح تعبیر کیا کہ آپ نے لکھ دیا۔ درحقیقت یہ تاویل نہ بھی کی جائے تب بھی آپ کی طرف کتابت کی نسبت کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کے اُمّی ہونے کی صفت باقی نہیں رہی کیونکہ بطور معجزہ کوئی چیز لکھ دینا دوسری بات ہے اور باقاعدہ پوری طرح کاتب ہونا یہ دوسری بات ہے بلکہ کتابت نہ جانتے ہوئے آپ کا لکھ دینا یہ مستقل معجزہ ہے لہٰذا یہ کہنا کہ آپ بعد میں کتابت سے واقف ہو گئے تھے اس میں اُس سے زیادہ فضیلت نہیں ہے کہ آپ نے اُمّی ہوتے ہوئے بھی لکھ دیا۔

اس کے بعد فرمایا وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (اور انہوں نے کہا کہ ان پر نشانیاں کیوں نازل ہوئیں) ان لوگوں کا مطلب یہ تھا کہ ہم جن معجزات کی فرمائش کرتے ہیں انہیں کیوں ظاہر نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرما دیا قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (آپ فرما دیجئے کہ نشانیاں اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں) میرے اختیار کی چیزیں نہیں ہیں، وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (اور میں تو صرف واضح طریقہ پر ڈرانے والا ہوں) تمہارے فرمائشی معجزات لانا میرے اختیار میں نہیں ہے۔

اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ (کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے جس کی ان لوگوں پر تلاوت کی جاتی ہے) یہ کتاب سراپا معجزہ ہے اس کا اعجاز سب کے سامنے ہے، اگر کوئی منصف قبول حق کا ارادہ کرے تو اس کے لئے یہی قرآن بطور نشانی اور بطور معجزہ کافی ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (بلاشبہ اس قرآن میں بڑی رحمت ہے اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں) جن کو ایمان لانے سے گریز ہے وہ اس سے دور رہتے ہیں اور نصیحت حاصل کرنے سے کتراتے ہیں۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ

آپ فرما دیجئے کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ بس ہے وہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور جو لوگ

اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَآ

باطل پر ایمان لائے اور اللہ کے منکر ہو گئے یہی لوگ نقصان والے ہیں۔ اور وہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور اگر مقررہ

اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ

اجل نہ ہوتی تو ضرور ان کے پاس عذاب آجاتا' اور البتہ اُن پر اچانک عذاب آپہنچے گا اور انہیں خبر بھی نہ ہو گی۔ یہ لوگ آپ سے جلدی

بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ

عذاب آنے کا تقاضا کر رہے ہیں' اور بلاشبہ جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ جس دن اُن کے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے

وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

ان پر عذاب چھا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہو گا کہ چکھ لو جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

اہل باطل کی تکذیب اور تکذیب پر تعذیب

تفسیر: رسول اللہ ﷺ کی باتوں پر منکرین کو یقین نہیں تھا' حالانکہ آپ کے معجزات ظاہر ہوتے رہتے تھے اور سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ کافی ہے' تم مانو یا نہ مانو وہ میری رسالت کا گواہ ہے' آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ ان سب کو جانتا ہے' میں جو تم پر حق پیش کرتا ہوں اسے اس کا بھی علم ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو یعنی انکار اور تکذیب کے ساتھ پیش آتے ہو اسے اس کا بھی علم ہے' تمہیں اپنی حرکتوں کی سزا ضرور ملے گی اور تم بہت بڑے خسارہ میں پڑو گے۔

اسی کو فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور اللہ کے ساتھ کفر کیا یہی لوگ نقصان والے ہیں) نقصان بھی کتنا بڑا؟ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن اپنی جانوں سے بھی گئے اور گھر والوں سے بھی' جب جان دوزخ میں گئی تو جان کہنے کے لائق نہ رہی اور نہ کوئی اپنا رہا عذاب سے چھوٹنے کا کوئی راستہ نہیں' یہ کتنا بڑا خسارہ ہے' منکرین کو سمجھ لینا چاہئے۔

منکرین اپنے کفر کو جرم نہیں سمجھتے تھے اور عذاب آجانے کی بات سنتے تھے تو اس کا یقین نہیں کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ عذاب آنا ہے تو جلد آجائے' اور ان کی مانگ کے مطابق فوراً عذاب نہ آنے کی وجہ سے آنحضرت سرور عالم ﷺ کی رسالت میں شک کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ (اگر اللہ کے علم میں عذاب آنے کی میعاد مقرر نہ ہوتی تو ان پر عذاب آجاتا) جب اجل مقررہ کا وقت آجائے گا ان پر عذاب دفعۃً آجائے گا جس کی انہیں خبر بھی نہ ہو گی۔ یہ عذاب دنیا میں بھی آسکتا ہے اور کافر کی موت کے وقت سے ہی عذاب شروع ہو جاتا ہے'

موت کے وقت بھی عذاب' موت کے بعد برزخ میں بھی عذاب' قیامت کے دن بھی عذاب' دوزخ کا داخلہ وہاں بھی عذاب اور دائمی عذاب' اوپر سے بھی عذاب اور نیچے سے بھی عذاب' دوزخ کافروں کو گھیر لے گی ہر طرف سے عذاب ہی عذاب ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ تم جو عمل کیا کرتے تھے اس کا مزہ چکھ لو اور سزا بھگت لو۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ

اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو بلاشبہ میری زمین کشادہ ہے سو تم میری ہی عبادت کرو' ہر نفس

ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ

موت کو چکھنے والا ہے' پھر تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہم انہیں ضرور ضرور

مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾

جنت کے بالاخانوں میں ٹھکانہ دیں گے اُن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی' وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے' اچھا اجر ہے عمل کرنے والوں کا۔

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ

جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اور کتنے ہی چوپائے ہیں جو اپنا رزق نہیں اٹھاتے

اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾

اللہ اُنہیں اور تمہیں رزق دیتا ہے' اور وہ سننے والا ہے جاننے والا ہے۔

ہجرت کی اہمیت اور ضرورت

تفسیر: معالم التنزیل (جلد ۳ ص ۴۷۲) میں علامہ بغویؒ نے لکھا ہے کہ آیت يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا (الآیۃ) ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے اسلام قبول کرلیا تھا لیکن وہاں کے مقامی حالات کی وجہ سے (جو کافروں کی طرف سے دکھ تکلیف کی صورت میں پیش آتے رہتے تھے) اپنا ایمان ظاہر کرنے سے قاصر تھے' اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ میری زمین وسیع ہے فراخ ہے یہاں سے ہجرت کر جاؤ' دشمنوں کے خوف کی وجہ سے میری عبادت نہیں کر سکتے ہو تو اس شہر کو چھوڑ دو اور میری عبادت میں لگو۔ اس وقت مدینہ منورہ دار الہجرۃ تھا' رسول اللہ ﷺ اور بہت سے صحابہ مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے اور اس سے پہلے بہت سے صحابہ حبشہ کو ہجرت کر چکے تھے' کوئی شخص اللہ کے لئے وطن چھوڑ کر ہجرت کرنے کو آمادہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتی ہے اور رہنے کا ٹھکانہ ملتا ہے' جیسا کہ سورۂ نساء میں فرمایا وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً (اور جو شخص اللہ کے لئے وطن چھوڑے وہ زمین میں جانے کی بہت سی جگہ پائے گا اور اسے کشادگی سے جگہ ملے گی) چونکہ وطن کو مستقل طریقہ پر چھوڑ دینا دنیاوی حالات کے اعتبار سے ایک مشکل چیز ہے اس لئے بعض لوگ ہجرت کرنے کی ہمت نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ

شانہ نے ان سے فرمایا کہ میری زمین بہت وسیع ہے ہجرت کرو اور میری عبادت کرو۔

ہجرت کرنے میں دو طرح کی تکلیفیں پیش آنے کا خطرہ ہوتا ہے' اوّل موت کا خطرہ (کافروں کی طرف سے حملہ آور ہونے کا قوی احتمال) اور دوسرے بھوکے مرجانے کا خطرہ۔ انسان سوچتا ہے کہ یہاں اپنے گھر میں کمائی کرتا ہوں' بیٹے بھی کماتے ہیں' تجارت چالو ہے' اپنی کھیتی باڑی ہے' وطن سے باہر نکلتا ہوں تو کھانے کو کہاں سے ملے گا؟

ہر جان کو موت چکھنا ہے: اللہ تعالیٰ شانہ نے دونوں باتوں کا جواب دے دیا' اول تو یہ فرمایا كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کہ ہر جان کو موت چکھنا ہے کہیں بھی رہو موت اپنے مقرر وقت پر آجائے گی پھر موت سے کیا ڈرنا اور اس کے لئے ہجرت کو چھوڑنے کا کیا معنی؟ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ (پھر موت کے بعد ہمارے پاس آؤ گے) اگر ہجرت کرلی تھی تو اس کا اجر پاؤ گے' اور اگر بالفرض ہجرت نہ کی تو سزا ملے گی۔

اس کے بعد اہل ایمان کے اجر و ثواب کا تذکرہ فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (الآیۃ) (اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ضرور ضرور ہم انہیں جنت کے بالا خانوں میں ٹھکانہ دیں گے' جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور اچھا اجر ہے عمل کرنے والوں کا) اتنی بڑی جنت کا چھوٹا سا گھر اور وطن مالوف چھوڑنے کے عوض مل جانا بہت بڑی کامیابی ہے۔

رزق مقدر ضرور ملے گا: دوسری بات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ (زمین پر چلنے والے بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق نہیں اٹھاتے' اللہ ان کو رزق دیتا ہے) اس کے دو مطلب ہیں' ایک تو یہ کہ جانور اپنا رزق ساتھ لئے نہیں پھرتے جہاں ہوتے ہیں اللہ ان کا رزق دے دیتا ہے' اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہ ذخیرہ نہیں رکھتے' جو ملا کھالیا آگے کی فکر نہیں کرتے نہ ان کے یہاں رزق جمع کرنے کا انتظام ہے نہ تحصیل رزق کی کوشش' وہ اسباب کے پیچھے نہیں پڑتے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے رزق عطا فرماتا ہے' اسی طرح جب تم ہجرت کرو گے تو وہ تمہیں رزق دے گا اب تک جس نے کھلایا پلایا ہجرت کے بعد بھی وہی کھلائے پلائے گا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسا کہ توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح رزق دیتا جیسے پرندوں کو رزق دیتا ہے' وہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ' مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۲)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ رزق بندہ کو اس طرح طلب کرلیتا ہے جیسے اسے موت طلب کرلیتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۴)

آخر میں فرمایا وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (اور اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے) وہ سب کی باتیں سنتا ہے اور سب کے احوال جانتا ہے' جو شخص اخلاص کے ساتھ ہجرت کرے' سچے دل سے اللہ پر توکل کرے' اور جو شخص عذر کی وجہ سے ہجرت کرنے سے رکے' اور جو شخص محض دنیاوی مفاد کے پیش ہجرت کے لئے نکلے' اللہ تعالیٰ کو ان سب کے احوال و اقوال معلوم ہیں۔

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو بہت سے لوگ مکہ معظمہ میں رہ گئے ان میں

اصحاب عذر بھی تھے اور وہ لوگ بھی تھے جن کے لئے واقعی عذر نہ تھا' وہ ہجرت کر سکتے تھے اس زمانے میں مدینے کے لئے ہجرت کرنا فرض تھا' جو شخص ہجرت نہ کرتا اس کا ایمان معتبر نہ سمجھا جاتا تھا' جب مکہ معظمہ فتح ہو گیا تو ہجرت کی فرضیت منسوخ ہو گئی' لیکن مختلف احوال کے اعتبار سے ہمیشہ ایسے احوال مسلمانوں کے لئے پیش آتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے ایمان اور اعمال باقی رکھنے کے لئے ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے لیکن گھر بار' مال' جائیداد اور رشتہ داروں کی محبت میں وطن نہیں چھوڑتے' ایسی جگہوں میں رہتے ہیں جہاں اذان بھی نہیں دے سکتے' نماز بھی نہیں پڑھ سکتے مگر دنیا کی محبت انہیں ہجرت نہیں کرنے دیتی' ایسے لوگ تارکِ فرض ہوتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے سورۂ نساء رکوع نمبر ۱ کی تفسیر کا مطالعہ کیجئے) (انوار البیان ج ۲)

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور چاند اور سورج کو کس نے مسخر کیا تو ضرور جواب دیں گے کہ

اللّٰهُ ۚ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۚ

اللہ نے' سو وہ پھر کہاں اُلٹے جا رہے ہیں۔ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے'

إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٢﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَحْيَا بِهِ

بلاشبہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ کس نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر

الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٣﴾

زمین کی موت کے بعد پانی کے ذریعہ اس کو زندہ کیا تو وہ ضرور ضرور جواب دیں گے کہ اللہ نے' آپ فرما دیجئے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے' بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں سمجھتے

توحید کے دلائل

تفسیر: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں غیر اللہ کو بھی شریک کرتے تھے ان کے بارے میں فرمایا کہ اے نبی (ﷺ) اگر آپ ان لوگوں سے دریافت کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور چاند اور سورج کو کس نے مسخر کیا اور انہیں ایک طریقہ خاص پر کس نے کام میں لگایا تو یہ لوگ اس کا یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ کیا ہے' جب اقرار بھی ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ نے ہی کیا ہے تو پھر کہاں الٹے پاؤں جا رہے ہیں' یعنی توحید کو چھوڑ کر شرک کو کیوں اختیار کر رہے ہیں؟ خالقیت میں جس طرح اللہ کا کوئی شریک نہیں اسی طرح صفت رزاقیت میں بھی کوئی شریک نہیں' وہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے رزق وسیع کر دے یعنی رزق میں فراخی دیدے اور جس کے لئے چاہے رزق تنگ کر دے' بہت سے لوگ بڑی بڑی محنتیں کرتے ہیں' مشقتیں اٹھاتے ہیں مگر ان کا رزق تنگ ہی رہتا ہے' اور بہت سے لوگ کچھ بھی نہیں کرتے انہیں بہت زیادہ وسعت کے ساتھ رزق ملتا ہے' اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ رزق سے زیادہ کسی کو کچھ نہیں ملتا۔

اس کے بعد سبب رزق کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اگر آپ ان سے سوال کریں کہ بتاؤ آسمان سے کس نے پانی اتارا؟ پھر اس پانی کے ذریعہ کس نے زمین کو زندہ کر دیا جبکہ زمین مر چکی تھی یعنی خشک ہونے کی وجہ سے کوئی چیز اگانے کے قابل نہ تھی' تو یہی جواب دیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی نے کیا ہے۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ (آپ فرما دیجئے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے) پیدا بھی اسی نے فرمایا اور نعمتیں بھی اسی نے دیں رزق بھی وہی دیتا ہے زمین بھی وہی زندہ فرماتا ہے جب وہی فاعل مختار ہے' خالق و مالک ہے اور رازق بھی وہی ہے تو پھر عبادت بھی صرف اسی کی کرنا لازم ہے' یہ ان سب باتوں کا اقرار کرتے ہیں لیکن عقل سے کام نہیں لیتے' غور فکر نہیں کرتے' تھوڑے ہی سے افراد ہیں جو سمجھ سے کام لیتے ہیں' اسی لئے فرمایا بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ
اور یہ دنیا والی زندگی نہیں ہے مگر لہو و لعب' اور بلاشبہ آخرت والا گھر ہی زندگی ہے'
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾
کاش لوگ جانتے ہوتے۔

دنیا والی زندگی لہو ولعب ہے' حقیقی زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے

تفسیر: اس آیت کریمہ میں دنیا کی فنا اور آخرت کی بقا کو اجمالی طور پر بیان فرمایا ہے اور مشرکین و کافرین کی ناسمجھی اور نادانی اور بے عقلی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کی زندگی جتنی بھی دراز ہو جائے اور اس میں جتنی بھی نعمتیں مل جائیں سب ہیچ ہیں۔

کیونکہ انسان کی اصل ضرورت آخرت کی ضرورت ہے جہاں دوام ہے اور ابدی زندگی ہے' وہاں کی دائمی زندگی اور ابدی نعمتوں کے سامنے یہ فنا ہونے والی دنیا جو وہاں کچھ بھی کام نہ دے گی بالکل لہو ولعب ہے' جیسے بچے آپس میں کھیلتے ہیں' ہوٹل بھی کھولتے ہیں' دوکاندار بن کر بھی بیٹھتے ہیں' کھانے پینے کی چیزیں بھی بیچتے ہیں' پھر جب بھوک لگتی ہے تو اپنی ماں کے پاس آ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امی جان کھانا دے دیجئے' اگر والدہ ان سے پوچھے کہ تم تو ابھی ہوٹل کھولے ہوئے تھے' روٹی سالن فروخت کر رہے تھے اسی میں سے کھا لیتے' اب مجھ سے کیوں مانگ رہے ہو؟ تو بچے جواب دیں گے کہ وہ تو ایک کھیل تھا حقیقت نہیں تھی۔ اسی طرح اہل دنیا کا حال ہے کہ دنیا میں لگتے ہیں اسی کے لئے جیتے ہیں اسی کے لئے مرتے ہیں' مال بھی جمع کرتے ہیں' جائیدادیں بھی بناتے ہیں پھر موت کی وقت سب کچھ یہیں چھوڑ جاتے ہیں' اس مال و جائیداد سے جو یہاں کی تھوڑی بہت حاجت پوری ہو جاتی ہے آخرت کی حاجتوں کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں' وہاں پہنچیں گے تو یہاں کی جائداد اور مال و اولاد کچھ بھی کام نہ آئیں گے وہاں تو ایمان اور اعمال صالحہ کی قیمت لگے گی اور یہی وہاں کی اصل ضرورت پورا کرنے کا ذریعہ بنیں گے' وہاں کی ضرورت دوزخ سے بچنا ہے (یہ دفع

مضرت ہے) اور جنت میں داخل ہونا ہے (جو جلب منفعت ہے) وہاں کی ان دونوں ضرورتوں کے لئے جب دنیاوی چیزیں کام نہ آئیں تو ساری دنیا کھیل ہی ہوئی جس سے واقعی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں اگر دوزخ کے دائمی عذاب سے بچنے کا انتظام کر کے دنیا سے نہ سدھارے اور خدانخواستہ وہاں عذاب میں گرفتار ہوئے تو اس وقت سمجھ میں آئے گا کہ دنیا واقعی لہو ولعب تھی، وہاں حسرت اور افسوس کے سوا کچھ نہ ہوگا جو کچھ کرنا ہے یہیں سے لے کر جانا ہے۔

دنیا کو لہو ولعب بتانے کے بعد یوں فرمایا وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (اور بلاشبہ دار آخرت ہی زندگی ہے) مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو جنت کا داخلہ ملے گا، وہ ہمیشہ نعمتوں میں رہیں گے نہ کبھی موت آئے گی نہ نعمتیں چھینی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان سے راضی رہے گا۔ درحقیقت وہی زندگی زندگی کہنے کے قابل ہے۔ کافر کی نہ دنیاوی زندگی زندگی کہنے کے قابل ہے کیونکہ فانی ہے اور مکروہات، مشکلات، مکدرات، مصائب و آلام، امراض و اسقام سے بھری ہوئی ہے، اور نہ اس کی آخرت کی زندگی زندگی ہے کیونکہ وہاں تو عذاب ہی عذاب ہے۔ سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا ہے ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى (پھر وہ اس میں نہ مرے گا نہ جئے گا) دوزخ کی بھی کوئی زندگی ہے؟

آخر میں فرمایا لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ اگر یہ حیات دنیاویہ اور دار آخرت کو جان لیتے اور دونوں میں جو فرق ہے اسے سمجھ لیتے تو دنیا کو زندگی کا مقصد نہ بناتے۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ

سو جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خوب خالص اعتقاد کر کے اللہ کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو اچانک شرک کرنے لگتے ہیں

يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَا اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا

تاکہ ان چیزوں کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دی ہیں اور تاکہ مزے اڑا لیں، سو وہ عنقریب جان لیں گے، کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے

حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ

حرم کو امن کی جگہ بنائی ہے اور ان کے گرد و پیش کے لوگ اُچک لئے جاتے ہیں، کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی

يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ۭ

ناشکری کرتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا حق کو جھٹلائے جب وہ اس کے پاس آجائے،

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ

کیا دوزخ کافروں کا ٹھکانہ نہیں ہے، اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں تکلیفیں اٹھائیں ضرور ہم انہیں اپنی راہیں

سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾

بتائیں گے اور بلاشبہ اللہ اچھے کام کرنے والوں کے ساتھ ہے

مشرکین کی ناشکری اور ناسپاسی

تفسیر: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آڑے وقت میں تمام باطل معبودوں کی طرف سے ذہن ہٹا لیتے ہیں اور خالص اعتقاد کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مصیبت دفع کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ یہاں بطور مثال ان کی حالت بیان فرمائی ہے اور وہ یہ کہ جب کشتی میں سوار ہوں اور تیز ہوا چلنے لگے جس سے کشتی ڈگمگانے لگے اور ڈوبنے کا خطرہ لاحق ہو جائے تو صرف اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ (اگر آپ نے ہمیں اس سے نجات دے دی تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے) جب مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو بڑے سچے وعدے کرتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو پھر وہی ناشکری اور کفر و شرک اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی کو فرمایا فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ (سو جب اللہ انہیں نجات دے کر خشکی میں لے آتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں) لِیَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ (تاکہ وہ ان نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دی ہیں) وَلِیَتَمَتَّعُوْا (اور تاکہ مزے اڑاتے رہیں) دنیا کے اشغال اور لذات اور مزدوں کے کاموں میں لگے رہیں، مصیبت ٹل جانے پر سارے وعدے بھول جاتے ہیں' فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ (سو عنقریب جان لیں گے کہ کفر و شرک اختیار کرنے اور اپنے وعدوں کو بھول بھلیاں کرنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے) یہ نتیجہ عذاب کی صورت میں سامنے آ جائے گا۔

اہل مکہ پر امن وامان کا خصوصی انعام: اہل مکہ بھی شرک میں مبتلا تھے' اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ انعام فرمایا تھا کہ وہ امن و چین سے اپنے شہر میں رہتے تھے جبکہ عرب کے دوسرے علاقوں میں لڑائیاں رہتی تھیں قتل خون لوٹ مار غارت گری کا سلسلہ قبائل عرب میں جاری تھا۔ اہل عرب اگرچہ مشرک تھے لیکن حرم مکہ کو محترم جانتے تھے اور اہل مکہ پر کوئی حملہ نہیں کرتے تھے' اہل مکہ پر اس کی قدر دانی کرنا لازم تھا' جب نبی کریم ﷺ نے توحید کی دعوت دی تو انہیں سب سے پہلے مسلمان ہونا چاہئے تھا' ان پر لازم تھا کہ انہیں امن وامان سے رکھنے پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نبی مبعوث ہوا جو کہ انہیں میں سے تھا اس پر ایمان لے آتے لیکن وہ حسب سابق باطل معبودوں کی پرستش میں لگے رہے جن کی عبادت میں پہلے سے مشغول تھے۔ اسی کو فرمایا اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن والی جگہ بنا دیا) وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (اور ان کے آس پاس لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے) اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ (کیا باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کے منکر ہوتے ہیں) وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں)

مشرکین کا عجیب حال تھا اور اب بھی ہے کہ پیدا تو اللہ نے فرمایا اور وہی رزق دیتا ہے اور پرورش فرماتا ہے اور حاجتیں پوری فرماتا ہے جس کا اقرار بھی کرتے ہیں لیکن پھر بھی کفر و شرک اختیار کئے رہتے ہیں۔

مشرکین کا یہ کہنا کہ اللہ کے لئے شریک ہے' یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت ہے اور افتراء ہے' اسی کو یہاں فرمایا ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ (اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا حق آ جانے پر اس کو جھٹلائے) اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ (کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے) یہ

استفہام تقریری ہے مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اسکو استفہام کی صورت میں بیان کیا تا کہ خوب سوچ لیں اور اپنا انجام اور واقعی و اصلی ٹھکانہ جان لیں۔

آخر میں فرمایا وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں تکلیفیں اٹھائیں ضرور ضرور ہم انہیں اپنی راہیں بتائیں گے اور بلاشبہ اللہ اچھے کام کرنے والوں کے ساتھ ہے) اس آیت میں ایک اہم مضمون بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اللہ کی رضا اختیار کرنے اور اس کی طلب میں محنت کرنے اور مشقت اٹھانے پر اللہ تعالیٰ شانہ کا وعدہ ہے کہ وہ ضرور اپنے راستے بتادے گا۔ آیت شریفہ میں بہت بڑی جامعیت ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جس طرح بھی جو بھی کوششیں کی جائیں مثلاً طلب علم ہو کافروں سے مقاتلہ ہو اہل فتن سے مقابلہ ہو زبان سے یا قلم سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو یا ظالموں کے سامنے اظہار حق ہو یہ سب کچھ مجاہدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ہمارے بارے میں یعنی ہماری رضا کے لئے ہمارے دین کو بلند کرنے کے لئے محنت کریں گے تکلیف اٹھائیں گے مصیبتیں برداشت کریں گے ہم انہیں ضرور ضرور اپنے راستے دکھا دیں گے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ انہیں اور زیادہ ہدایت سے نوازیں گے جیسا کہ سورۂ محمدؐ میں فرمایا وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰىهُمْ (اور جن لوگوں نے ہدایت کو اختیار کیا اللہ تعالیٰ انہیں اور زیادہ ہدایت دے گا اور انہیں ان کے تقویٰ عطا فرمادے گا) دوسرا مطلب یہ ہے کہ جنت کے راستے دکھا دیں گے۔

جو شخص علم میں لگے اللہ تعالیٰ اس کے لئے علم کی راہیں کھول دیتے ہیں اور علم پر عمل کرنے سے مزید علم عطا فرماتے ہیں۔ جو شخص دعوت و تبلیغ اور جہاد کے کام میں لگے تصنیف و تالیف کا کام کرے اسکا سینہ کھول دیتے ہیں تفسیر قرآن لکھنے لگے تو اسے ایسی معرفت عطا فرماتے ہیں جس کی وجہ سے قرآن مجید کے اسرار و رموز اس پر کھلتے چلے جاتے ہیں جو شخص معاشرہ کی اصلاح کرنا چاہے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کی نظر معاشرہ کی خرابیوں پر جاتی ہے پھر زبان سے یا تحریر سے ان خرابیوں پر تنبیہ کرنے کی بھی توفیق ہو جاتی ہے اور بات کہنے کے ایسے پیرائے ذہن میں ڈال دیئے جاتے ہیں جنہیں اختیار کرنے سے مخاطبین بات کو قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔ مومن بندہ کو اپنے ہر عمل میں مخلص ہونا لازم ہے یعنی محض اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی کیسی مدد نازل ہوتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بڑھے تو سہی پھر دیکھے کہ اس کا کیسا فضل و انعام ہوتا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے من تقرب مِنِّیْ شبرا تقربت منه ذراعاً ومن تقرب مِنِّی ذراعاً تقربت منه باعا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور جو شخص ایک ہاتھ میرے نزدیک ہو تو میں چار ہاتھ اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں)

آخر میں فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (اور بلاشبہ اللہ محسنین کے ساتھ ہے) لفظ مُحْسِنِيْن جمع ہے محسن کی جو لفظ احسان سے لیا گیا ہے اور احسان کا معنی ہے اچھائی کرنا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اس کو وحدہٗ لاشریک ماننا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اس کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کرنا اخلاص کے ساتھ اسکی عبادت کرنا نماز کے ارکان اور اعمال ادا کرنے میں خوبی اختیار کرنا خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھنا ہر عمل کو ریا کاری اور شہرت کے جذبہ سے پاک رکھنا اور

جس طرح جس عمل کے ادا کرنے کا حکم ہوا اسی طرح عمل کرنا لفظ ''احسان'' ان سب کو شامل ہے۔ جو لوگ صفت احسان سے متصف ہیں وہ محسنین ہیں ان کے بارے میں وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اور وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ فرمایا اور یہاں سورۂ عنکبوت میں فرمایا ہے وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (اور بلاشبہ اللہ محسنین کے ساتھ ہے) اللہ تعالیٰ کی معیت یہ ہے کہ وہ مدد فرماتا ہے اور آفات و مصائب سے محفوظ رکھتا ہے، ہدایت دیتا ہے اور ہدایت پر باقی رکھتا ہے اور مزید ہدایت دیتا ہے۔

سورۂ عنکبوت کے ابتداء میں فرمایا اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (کیا لوگوں نے یہ خیال کیا کہ ہم یوں کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی) وہاں یہ بتا دیا تھا کہ اہل ایمان کو تکلیفیں پہنچیں گی اور سورت کے ختم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نصرت اور معیت کا وعدہ فرمایا۔

فالحمد لله الّذی بنعمته وَعزّته تتم الصالحات وقد تم تفسير سورة العنكبوت بحمدالله تعالىٰ وحسن توفيقه والحمد لله ربّ العالمين والصلوة والسلام عَلىٰ سيد الاوّلين والأخرين وعلىٰ اٰله واصحابه اجمعين

سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ روم مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس کی ساٹھ آیات اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

الٓمّٓ ۝۱ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝۲ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝۳

الٓمّٓ ۝ روم والے زمین کے قریب والے حصے میں مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب چند سال میں غالب ہو جائیں گے۔

فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ڛ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۴

اللہ ہی کے لئے اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور ایمان والے اُس دن خوش ہوں گے اللہ کی مدد کی وجہ سے۔

بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۵ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ

وہ مدد فرماتا ہے جس کی چاہے اور وہ زبردست ہے رحمت والا ہے۔ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ اپنے وعدہ کو خلاف نہیں فرماتا۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ

اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، یہ لوگ دنیا والی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور وہ

الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۷

آخرت سے غافل ہیں

اہل فارس پر رومیوں کے غالب ہونے کی پیشین گوئی اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا اُبی بن خلف سے ہار جیت کی بازی لگانا

تفسیر: حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ان آیات کا سبب نزول ذکر فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ فارس اور روم کے درمیان جنگ ہونے کی صورت بن گئی تھی، اہل فارس جن کا بادشاہ کسریٰ تھا، یہ لوگ مشرک تھے، اور رومیوں کا بادشاہ قیصر تھا یہ لوگ اہل کتاب تھے۔ اہل اسلام کی خواہش تھی کہ روم والے فارس پر غالب ہو جائیں کیونکہ اہل روم اہل کتاب تھے اور مشرکین کی خواہش تھی کہ فارس والے اہل رُوم پر غالب ہو جائیں کیونکہ وہ اہل شرک تھے، قریش مکہ کے ہم مذہب تھے، کسریٰ نے بھی اپنا لشکر بھیجا اور قیصر نے بھی، اور مقام اذرعات اور بصریٰ پر دونوں لشکروں کی مڈ بھیڑ ہوئی۔ یہ شام کا علاقہ ہے جو سرزمین عرب سے قریب ہے جس میں مسلمان رہتے تھے۔ جنگ کے نتیجہ میں اہل فارس رومیوں پر غالب آ گئے جب یہ خبر پھیلی تو مسلمانوں کو رنج ہوا اور کفار مکہ نہ صرف یہ کہ خوش ہوئے بلکہ انہوں نے مسلمانوں سے یہ بھی

کہا کہ تم اہل کتاب ہو اور نصاریٰ یعنی رومی بھی اہل کتاب ہیں اور ہمارے بھائی اہل فارس تمہارے رومی بھائیوں پر غالب آ گئے اس سے معلوم ہوا کہ اگر تم نے ہم سے جنگ کی تو ہم بھی تم پر غالب ہو جائیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں جن میں بتا دیا کہ عنقریب ہی رومی لوگ اہل فارس پر چند سال میں غالب ہو جائیں گے۔

یہ پیشین گوئی فرماتے ہوئے لفظ بِضْعِ سِنِيْنَ فرمایا ہے لفظ بِضْعِ عربی زبان میں تین سے لے کر نو تک کے عدد کے لئے بولا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بتا دیا کہ جس دن اہل روم اہل فارس پر غالب ہوں گے اس دن اہل ایمان خوش ہوں گے۔

جب مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کفار مکہ سے کہا کہ تم آج اس بات پر خوش ہو رہے ہو کہ تمہارے ہم مذہب غلبہ پا گئے تم خوشی نہ مناؤ اللہ کی قسم ہم فارس پر غالب ہونگے جیسا کہ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں خبر دی ہے۔ اس پر ابی بن خلف نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ اے اللہ کے دشمن! تو جھوٹا ہے چل تو مشارطہ کر لے یعنی ہم اور تم اپنے درمیان ایک میعاد مقرر کر لیں اور دس دس اونٹ لینے دینے کی ذمہ داری قبول کر لیں اگر اس مدت میں رومی فارس پر غالب آ گئے تو مجھے دس اونٹ دے گا اور اگر اہل فارس غالب ہو گئے تو میں دس اونٹ دوں گا آپس میں اس کا معاہدہ کر لیا گیا اور تین سال کی مدت مقرر کر لی گئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو معاملہ اور معاہدہ کیا تھا وہ خدمت عالی میں پیش کر دیا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو بِضْعِ سِنِيْنَ فرمایا ہے جس میں تین سے لے کر نو سال کے درمیان رومیوں کے غالب ہونے کی خبر دی ہے لہٰذا تم ایسا کرو کہ مدت بڑھا لو جو آپس میں لینا دینا طے کیا ہے اس میں بھی اضافہ کر لو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پھر ابی بن خلف سے ملاقات کی ابی نے دیکھتے ہی کہا کہ تم نے جو شرط باندھی ہے اس پر نادم ہو رہے ہو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نادم نہیں ہوں اپنی بات پر قائم ہوں بلکہ مجھے مدت اور اونٹوں کی تعداد میں اضافہ کرنا ہے۔ اس کے بعد مدت مقررہ کو آپس میں طے کر کے نو سال کر دیا گیا اور بجائے دس دس اونٹ دینے کے ہر جانب سے سو سو اونٹ دینے کی بات ہو گئی۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ سات سال کے اندر ہار جیت ہونے پر معاہدہ و معاملہ کیا گیا تھا ابی بن خلف کو یہ خوف ہوا کہ کہیں ابوبکرؓ مکہ معظمہ سے باہر نہ چلے جائیں وہ ان سے آ کر کہنے لگا کہ مجھے ضامن دے دو اگر شرط میں تم ہارے تو تمہارے ضامن سے مقررہ تعداد میں اونٹ لے لوں گا اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ[1] کو ضامن بنا دیا (کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے) اس کے بعد ابی بن خلف کو مکہ معظمہ سے نکلنے کی ضرورت پیش آئی وہ قریش مکہ کے ساتھ جنگ احد کے موقع پر مکہ معظمہ روانہ ہونے لگا اس پر عبداللہ بن ابی بکرؓ نے اس سے کہا تو مجھے ضامن دے دے اگر تیری ہار ہو جائے تو تیرے ضامن سے سو اونٹ لے لوں چنانچہ اس نے ایک شخص کو ضامن بنا دیا اس کے بعد یہ ہوا کہ واقعہ حدیبیہ کے پہلے سال اہل روم اہل فارس پر غالب آ گئے جبکہ مشارطہ اور معاہدہ کو چھ سال گذر گئے تھے اور ساتواں سال شروع ہو چکا تھا (ابی بن خلف زندہ نہ تھا اس سے پہلے مقتول ہو چکا تھا) رومیوں نے جو اہل فارس پر غلبہ پایا تو اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی

[1] معالم التنزیل میں عبداللہ بن ابی بکرؓ اور روح المعانی میں عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ہے

اللہ عنہ کی جیت ہو گئی اور ابی بن خلف کے وارثوں سے سو اونٹ وصول کر لئے گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ مال لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اس مال کو صدقہ کر دو[1]۔

چونکہ مذکورہ مشارطہ قمار یعنی جوا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کو صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ جس وقت معاہدہ کیا تھا اس وقت قمار یعنی جوا ممنوع نہ تھا' جب مال وصول ہوا اس وقت قمار کی حرمت نازل ہو چکی تھی' یہ وجہ صدقہ کا حکم فرمانے کی سمجھ میں آتی ہے' اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت تک حرمت نازل ہوئی ہو یوں ہی مسلمانوں کی عام ضرورتوں میں خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہو۔ اور بعض روایات میں اس کے لئے جو لفظ حرام وارد ہوا ہے اگر روایۃً صحیح ہو تو مکروہ اور ناپسندیدہ کے معنی میں لیا جائے گا (کما قال صاحب الروح)

لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ (اللہ ہی کے لئے اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی) یعنی جو کچھ پہلے ہوا کہ اہل فارس غالب ہوئے اور رومی مغلوب ہوئے اور جو اس کے بعد ہوگا کہ رومی غالب ہوں گے اور اس کے علاوہ جو بھی کچھ ہوگا وجود میں آئے گا وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار سے ہوگا اور اسی کی قدرت کا مظاہرہ ہوگا۔

وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ (اور جس دن رومی اہل فارس پر غالب ہوں گے مومن بندے اللہ کی مدد کے ساتھ خوش ہوں گے) مؤمنین کی خوشی ایک تو اس اعتبار سے ہوگی کہ انہوں نے کفار مکہ کو جو بتایا تھا کہ عنقریب اہل روم اہل فارس پر غالب ہوں گے اس بات کی سچائی سب کے سامنے آ جائے گی۔ اور یوں بھی خوشی ہوگی کہ انہی دنوں میں بدر کا واقعہ پیش آئے گا' خوشی کے اسباب ہو جائیں گے' لفظ بِنَصْرِ اللّٰهِ کا تعلق ان سب باتوں سے ہو سکتا ہے کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کی مدد ہوئی۔ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ (وہ جس کی چاہے مدد فرمائے) جسے چاہے غالب کرے جسے چاہے مغلوب کرے۔ اس میں مسلمانوں کی آئندہ مدد ہونے کی طرف اشارہ ہو گیا' چنانچہ بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برابر مدد ہوتی رہی۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (اللہ زبردست ہے رحم فرمانے والا ہے) جسے چاہے غلبہ دے دے اور جس پر چاہے رحم فرما دے کوئی اسے روکنے والا نہیں۔ وَعْدَ اللّٰهِ (اللہ نے وعدہ فرمایا ہے) لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتا) وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے) نہ ان کو اللہ کے قادر اور مطلق ہونے کا علم ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین ہے' محض ظاہری اسباب کو دیکھتے ہیں' خالق کائنات جل مجدہ کی صفات' قدرت' عزت اور رحمت اور صدق الوعد کو نہیں جانتے۔

جنہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں دنیاوی علم کے باوجود جاہل ہیں

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (یہ لوگ دنیا والی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں) وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (اور وہ آخرت سے غافل ہیں) یہاں جن لوگوں کے حق میں لَا يَعْلَمُوْنَ فرمایا انہی کے حق میں يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا

---

[1] یہ تفصیل ہم نے معالم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۴۷۵ سے نقل کی ہے' اس سلسلہ میں اور بھی متعدد روایات ہیں جنہیں حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے' روح المعانی میں سُنن ترمذی سے نقل کیا ہے کہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر رومیوں نے اہل فارس پر غلبہ پایا' امام ترمذیؒ نے اس کی سند کو حسن بتایا ہے' غزوۂ بدر ۲ھ میں ہوا تھا اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے یوں کہا جائے گا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُبی بن خلف ہی سے سو اُونٹ وصول کئے کیونکہ اُبی بن خلف کی موت رسول اللہ ﷺ کے نیزہ مارنے سے ہوئی تھی' یہ واقعہ غزوۂ اُحد کا ہے جو ۳ھ میں پیش آیا تھا۔

مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بھی فرمادیا' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات صفات اور اس کے تصرفات کو نہ جاننا اور اس کی معرفت حاصل نہ کرنا یہ جہالت ہے' اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت حاصل نہ ہو اور دنیاوی زندگی کے آلات اور اسباب کو جانتے ہوں نئی نئی چیزیں ایجاد کرتے ہوں دنیاوی ترقی میں آگے بڑھ گئے ہوں اور مال جمع کرنے کے طریقوں سے واقف ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو نہ جانتے ہوں اور آخرت سے غافل ہوں (جہاں دائمی زندگی ملے گی جس کی خبر اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور رسولوں نے دی ہے) تو ایسے لوگ اصحاب علم نہیں ہیں۔ انسان کی اصل ضرورت آخرت کے عذاب سے بچنا اور جنت کی نعمتوں سے مالا مال ہونا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان نہ لایا اور اپنی آخرت کے لئے فکر مند نہ ہوا وہ شخص دنیا کے اسباب کو کتنا ہی جانتا اور سمجھتا ہو صاحب علم اور صاحب عقل نہیں ہے۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا فرمانے میں ضرور نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے' جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوئے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی' اور وہ آسمانوں اور زمینوں کے بارے میں فکر کرتے ہیں) اس آیت شریفہ میں ان لوگوں کو عقل والا فرمایا ہے جو اللہ کی یاد میں لگے رہتے ہیں اور آسمان وزمین کی تخلیق کے بارے میں فکر کرتے ہیں یعنی ان کے وجود کو دیکھ کر خالق تعالیٰ شانہ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل کرتے ہیں' جو لوگ دنیا ہی پر دل دیئے ہوتے ہیں خواہ وہ کیسی ہی مشینیں ایجاد کرتے ہوں اور دنیا کو ترقی دینے میں مشہور ہوں وہ حقیقی صاحب عقل نہیں ہیں۔ سورۃ زمر میں فرمایا: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (آپ فرمادیجئے کیا وہ لوگ برابر ہیں جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے پس عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں) جس کا علم اللہ تعالیٰ کی توحید نہ سکھائے اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے پر آمادہ نہ کرے اور آخرت کا فکر مند نہ بنائے اس کا دنیاوی علم اس لائق نہیں ہے کہ اسے علم کہا جائے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۫ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا

کیا انہوں نے اپنے نفسوں میں غور نہیں کیا' اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا نہیں فرمایا

بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝۸

مگر حق کے ساتھ اور ایک معینہ مدت تک' اور بلاشبہ بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَشَدَّ

کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے سو دیکھ لیتے کیا انجام ہوا اُن لوگوں کا جو اُن سے پہلے تھے

مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

وہ لوگ قوت کے اعتبار سے ان سے بڑھے ہوئے تھے اور انہوں نے زمین کو بویا جوتا اور اس سے زیادہ آباد کیا جتنا ان لوگوں نے آباد کیا ہے' اور ان کے پاس اُن کے رسول

بِالْبَيِّنٰتِ ۖ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ

واضح دلیلیں لے کر آئے، سو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، اور لیکن وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے، پھر جن لوگوں نے

الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

برے کام کئے اُن لوگوں کا برا انجام ہوا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور وہ ان کا مذاق بناتے تھے۔

آسمان وزمین کی تخلیق میں فکر کرنے کی تلقین

تفسیر: قرآن کریم کے اولین مخاطبین مشرکین عرب تھے۔ ان آیات میں ان کو اور ان کے بعد آنے والے پوری دنیا جہاں کے انسانوں کو غور وفکر کی دعوت دی ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ ان لوگوں کو اپنے نفسوں میں یہ سوچنا چاہیے کہ یہ جو آسمان وزمین اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے اور ان کے درمیان جو کائنات ہے اس کو وجود بخشا' یہ سب یوں ہی نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے یعنی ان کے پیدا فرمانے میں بڑی حکمتیں ہیں اور بات یہی ہے کہ ان کو ایک معین مدت تک کے لئے وجود بخشا ہے' یہ سب چیزیں خالق کائنات کے پہچاننے کے لئے ہیں' اس وجود کی بقاء کے لئے ایک مدت معین ہے' جب قیامت آئے گی تو آسمان پھٹ جائے گا' زمین پھیلا دی جائے گی اور جو کچھ اس کے اندر ہے اسے باہر ڈال دے گی' پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے' زندے مر جائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی ہو گی اور اعمال کی جزا اور سزا سامنے آئے گی' جس نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی کائنات کو پیدا فرمایا ہے جس میں بنی آدم بھی ہیں اس نے بلا حکمت پیدا نہیں فرمایا' اس نے زندگی بخشی پھر موت دے گا پھر زندہ فرمائے گا' یہ ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جو مومن بندے ہیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور بہت سے لوگ آخرت کو نہیں مانتے اور اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں' ان منکرین میں وہ بھی ہیں جو وقوع قیامت کے قائل نہیں اور وہ لوگ بھی ہیں جن کے نزدیک جزا وسزا کا صرف دھندلا سا تصور ہے اور کچھ لوگوں نے جزا وسزا کے لئے اپنے طور پر تناسخ یعنی آوا گون کا عقیدہ تراش رکھا ہے' اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ دنیا یوں ہی رہے گی۔ ان سب لوگوں کو تنبیہ فرما دی' مانو یا نہ مانو یہ دنیا اس کے خالق کی مقررہ مدت تک باقی رہے گی پھر اس پر فنا طاری ہوگی اور خالق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں پیشی ہوگی لہٰذا ہر شخص فکر مند ہو اور اپنی جان کی سلامتی اور قیامت کے دن کی نجات کے لئے سوچے۔

زمین پر چلنے پھرنے کی تلقین اور اُمم سابقہ سے عبرت حاصل کرنے کا حکم

اس کے بعد فرمایا: اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ (الآیۃ) کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا تاکہ پرانے لوگوں کے احوال سے عبرت حاصل کرتے' ان سے پہلے جو لوگ تھے وہ ان سے زیادہ قوت والے تھے انہوں نے زمین کو جوتا اور بویا بیج ڈالا اور اس کی پیداوار کو اپنے تصرف میں لائے' نیز کھیتی باڑی کے علاوہ بھی انہوں نے زمین کو آباد کیا' اپنے مکانات بنائے' قلعے تعمیر کئے' باغات لگائے' نہریں جاری کیں' اور بہت کچھ کیا لیکن وہ اس سب کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اللہ

تعالیٰ جل شانہ نے اپنے رسول بھیجے جوان کے پاس دعوت حق لے کر آئے لیکن ان لوگوں نے نہیں مانا' بالآخر فنا کے گھاٹ اتر گئے'ان کے قلعوں اور محلات کے کھنڈرات ابھی تک دنیا میں موجود ہیں' دیکھنے والے انہیں دیکھ کر عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جوان کو ہلاک فرمایا اس کا سبب ان کا اپنا ظلم تھا' وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے' انہوں نے اپنے خالق کو نہیں مانا' اسکے رسولوں کو جھٹلایا' معجزات سامنے آنے پر بھی برابر کفر پر اڑے رہے' ان کے اعمال ہی ان کی بربادی کا سبب بنے۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ (الآیۃ) پھر دنیاوی ہلاکت کے بعد موت کے بعد بھی برے کاموں میں لگنے والوں کا برا انجام ہوگا' کیونکہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا ہی نہیں ان کا مذاق بھی اڑایا' ان کے اپنے اعمال ہی موت کے بعد عذاب میں مبتلا ہونے کا سبب بن گئے' قولہٗ تعالیٰ: ثم كان عاقبة الّذين اسآء وا ابنصب "العاقبة" واضافته الى الموصول ونصبها على انها خبر كان وقوله تعالىٰ: "السوء" تانيث الاسوء كالحسنىٰ تانيث الاحسن' وهي مرفوعة علىٰ انها اسم كانَ وهذا علىٰ قرأة حفص ومن وافقه وقرء الحرميان وأبو عمرو "عاقبة" بالرفع علىٰ انه اسم كانَ و"السوٓءَ" بالنصب على الخبرية. (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى عاقبہ کی نصب کے ساتھ ہے اور موصول کی طرف مضاف ہے اور یہ منصوب اس لئے ہے کہ یہ کان کی خبر ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول اَلسُّوْٓءُ یہ اَلْاَسْوَءُ کی تانیث ہے جیسے اَلْحُسْنٰى اَلْاَحْسَنُ کی تانیث ہے اور یہ اَلسُّوْٓءُ مرفوع ہے اس لئے کہ یہ كَانَ کا اسم ہے اور امام حفص اور ان کے موافقین کی قراءت کے مطابق ہے اہل حرم اور ابوعمر نے عاقبہ کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس بنیاد پر کہ یہ كَانَ کا اسم ہے اور اَلسُّوْٓءَ کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے اس لئے کہ یہ کان کی خبر ہے)

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾

اللہ مخلوق کو ابتداءً پیدا فرماتا ہے پھر اُسے دوبارہ پیدا فرمائے گا' پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے' اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرمین

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

نا اُمید ہو کر رہ جائیں گے اور ان کے شرکاء میں سے کوئی بھی سفارش کرنے والا نہ ہوگا اور وہ اپنے شرکاء کے منکر ہوں گے' اور جس دن

يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾

قیامت قائم ہوگی اُس دن لوگ متفرق حالتوں میں ہوں گے۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ باغ میں مسرور ہوں گے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا' سو یہ لوگ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا

سو تم اللہ کی تسبیح بیان کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت' اور اسی کے لئے سب تعریف ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور دن کے پچھلے اوقات میں

وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ

اور دوپہر کے وقت اس کی تسبیح بیان کرو۔ وہ جاندار کو بے جان سے باہر لاتا ہے اور بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے اور زمین کو اُس کے مردہ ہونے کے

بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝

بعد زندگی بخشتا ہے اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے۔

قیامت کے دن مختلف جماعتیں ہونگی، مؤمنین باغوں میں مسرور ہونگے، مجرمین بدحال ہونگے

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا فرماتا ہے پھر جب سب مر جائیں گے تو دوبارہ زندہ فرما دے گا اور یہ دوبارہ زندہ ہونا قیامت کے دن ہوگا، مرنے والے زندہ ہو کر اس دن حساب کتاب کیلئے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اس کے بعد مجرمین کی حالت بیان فرمائی کہ جب قیامت قائم ہوگی تو وہ ناامید ہو جائیں گے، ان مجرموں میں مشرک بھی ہوں گے جنہوں نے دنیا میں مخلوق کو عبادت میں اللہ کا شریک بنا رکھا تھا اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے لئے سفارش کریں گے ان میں سے کوئی بھی ان کی سفارش نہیں کرے گا نہ کر سکے گا بلکہ شفاعت کے امیدوار خود ہی منکر ہو جائیں گے اور یوں کہیں گے کہ ہم تو مشرک تھے ہی نہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن حاضر ہونے والے مختلف حالتوں میں ہوں گے، اہل ایمان کی حالت اہل کفر کی حالت سے مختلف ہوگی، جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ تو بہشت کے باغوں میں مسرور اور خوش و خرم ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا اور قیامت کے دن کی ملاقات کو نہ مانا، یہ لوگ عذاب میں حاضر کر دیئے جائیں گے۔

صبح و شام اور دن کے پچھلے اوقات میں اللہ کی تسبیح کرنے کا حکم

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ کی پاکی بیان کرنے کا حکم دیا کہ شام کے وقت اور صبح کے وقت اور دن کے پچھلے اوقات میں اور ظہر کے وقت اللہ کی پاکی بیان کرو، اوقات مذکورہ میں اللہ کی تسبیح اور تنزیہ بیان کرنے کا حکم دیتے ہوئے درمیان میں یہ بھی فرمادیا کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ ہی کی حمد ہے، یعنی آسمانوں میں فرشتے اور زمین میں اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرتے ہیں اور جو لوگ اہل کفر ہیں ان کا وجود ہی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنے کے لئے کافی ہے گو زبان سے اس کی حمد بیان نہ کرتے ہوں، (ملاحظہ ہو انوار البیان جلد ۵ ص ۳۸۸) جیسا کہ سورۃ النور میں فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور پرندے بھی جو پر پھیلائے ہوئے ہیں، ہر ایک نے اپنی نماز اور تسبیح کو جان لیا

ہے) یوں تو ہر وقت ہی اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید میں مشغول رہنا چاہئے لیکن چونکہ یہ اوقات تجدد نعمت اور آثار قدرت ظاہر ہونے کے خصوصی اوقات ہیں اس لئے ان میں تسبیح کا حکم دیا گیا ہے۔ صاحب روح المعانی جلد ۲۱ ص ۲۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ قرآن مجید میں پانچ نمازوں کا کس جگہ ذکر ہے؟ تو انہوں نے یہ آیت پڑھ کر بتایا کہ تُمْسُوْنَ سے مغرب کی نماز اور تُصْبِحُوْنَ سے صبح کی نماز اور عَشِيًّا سے عصر کی نماز تُظْهِرُوْنَ سے ظہر کی نماز مراد ہے۔ اس طرح آیت شریفہ میں چار نمازوں کا ذکر آ گیا اور پانچویں نماز ثابت کرنے کے لئے انہوں نے سورۃ النور کی ایک آیت کا یہ حصہ پڑھ دیا: وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ لفظ تُمْسُوْنَ ہی سے مغرب اور عشاء دونوں مراد ہیں' اور اسی آیت سے پانچوں نمازوں کو ثابت کر دیا۔ نماز چونکہ افضل الاعمال ہے اور سراپا اللہ کے ذکر پر مشتمل ہے اس لئے ان اوقات میں عام ذکر کے علاوہ فرض نمازوں کا اہتمام کرنے کا بھی خصوصیت کے ساتھ حکم فرمایا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ نمازیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرض فرمائی ہیں' جس نے ان نمازوں کو اچھی طرح ادا کیا اور ان کو بروقت پڑھا اور ان کا رکوع اور سجدہ پورا کیا ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کا عہد ہے کہ اسکی مغفرت فرما دے گا' اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد نہیں اگر چاہے تو اس کی مغفرت فرما دے اور چاہے تو اسے عذاب دے (رواہ احمد وابو داؤد کما فی المشکوٰۃ ص ۵۸) لفظ "عشی" عربی زبان میں زوال سے لے کر غروب آفتاب کے لئے بولا جاتا ہے' جس کا ترجمہ ہم نے "دن کے پچھلے اوقات" کیا ہے۔ آیت شریف میں یہ لفظ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ سے پہلے آیا ہے اور اس سے عصر کا وقت مراد لیا ہے۔

بعض اکابر نے اس میں یہ نکتہ بتایا ہے کہ نماز عصر چونکہ صلوٰۃ وسطیٰ ہے اور اس کی ادائیگی کے لئے خاص تاکید وارد ہوئی ہے اور چونکہ یہ وقت عموماً کاروبار کا ہوتا ہے اور اس میں مشغولیت کی وجہ سے نماز کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں (جیسا کہ بازاروں میں دیکھا جاتا ہے کہ عام حالات میں نمازوں کا اہتمام کرنے والے بھی نماز کو چھوڑ بیٹھتے ہیں) اس لئے اس کا ذکر مقدم فرمایا۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ (الآیۃ)۔ (اللہ تعالیٰ مردہ کو زندہ سے اور زندہ کو مردہ سے پیدا کرتا ہے) اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بیان فرمایا ہے کہ وہ جاندار کو مردہ سے اور مردہ کو جاندار سے نکالتا ہے۔ مفسرین نے اسکی شرح میں فرمایا ہے کہ مردہ سے نطفہ مراد ہے جو بے جان ہے' اور بعض حضرات نے اس کی مثال بچہ اور انڈے سے دی ہے کہ چوزے کو انڈے سے اور انڈے کو پرندے سے نکالتا ہے۔ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (اور زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ فرماتا ہے) یعنی جب زمین خشک ہو کر مردہ ہو جاتی ہے اس میں ایسی جان ہی نہیں رہتی جس سے کھیتی اور گھاس وغیرہ پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو زندہ فرماتا ہے وہ تر و تازہ اور شاداب ہو جاتی ہے' اس میں سے کھیتیاں نکل کر لہلہانے لگتی ہیں۔ آخر میں فرمایا: وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ۔ (اور تم بھی اسی طرح نکالے جاؤ گے) یعنی قیامت کے دن قبروں سے زندہ ہو کر اٹھو گے۔ موت کے بعد زندہ ہونے کی یہ نشانی تمہارے سامنے ہے پھر بھی قیامت کا انکار کرتے ہو اور قیامت کے دن زندہ اٹھنے کو نہیں مانتے۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح کو یہ تین

آیات (فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ سے وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ تک) پڑھ لے اس کا جو ورد چھوٹ جائے گا اس کا ثواب پالے گا اور جو شخص یہ آیات شام کو پڑھ لے اس رات کو جو اس کا ورد چھوٹ جائے گا اس کا ثواب پالے گا۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ
اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا پھر اچانک تم آدمی بن کر پھیلے ہوئے پھرتے ہو اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے
لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے بنائے تا کہ تم ان کے پاس آرام کرو اور تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا فرمادی اس میں
لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ
ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں کا پیدا فرمانا اور تمہاری بولیوں اور رنگتوں کا مختلف ہونا ہے
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ
بلاشبہ اس میں جاننے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا ہے رات میں اور دن میں اور تمہارا تلاش کرنا ہے
مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا
اس کے فضل کو، بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے جس سے ڈر ہوتا ہے
وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
اور اُمید بھی اور وہ آسمان سے پانی اُتارتا ہے پھر اس کے ذریعہ زمین کو زندہ فرمادیتا ہے اس کی موت کے بعد، بلاشبہ اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں
لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ
جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب وہ تم کو پکار کر
مِّنَ الْاَرْضِ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ
زمین سے بلائے گا تو تم اُسی وقت نکل پڑو گے۔ اور اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے سب اُسی کے حکم کے تابع ہیں۔ اور وہی
الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ
ہے جو مخلوق کو پیدا فرماتا ہے پھر اسے لوٹائے گا اور وہ اس پر زیادہ آسان ہے اور اسی کیلئے شان اعلیٰ ہے آسمانوں میں
وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ ع
اور زمین میں، اور وہ عزت والا ہے حکمت والا ہے

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر اور توحید کے دلائل

تفسیر : یہ پوری آٹھ آیات کا ترجمہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق اور مخلوقات میں تصرف فرمانے کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق اور تصرفات بیان فرماتے ہوئے بار بار یوں فرمایا ہے کہ اس میں نشانیاں ہیں' یہ بات چار جگہ فرمائی ہے۔ **اوّلاً**: اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ اور **ثانیاً**: اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ اور **ثالثاً**: اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ اور **رابعًا**: اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ فرمایا ہے' درحقیقت ان آیات میں جن مظاہر قدرت کو بیان فرمایا ہے' ان میں غور وفکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق اور صفتِ ربوبیت واُلوہیّت اور اس کا وحدہٗ لاشریک لہٗ ہونا پوری طرح سمجھ میں آ جاتا ہے۔ آخری تین آیتوں میں قیامت کے دن دوبارہ پیدا فرمانے کا تذکرہ فرمایا ہے' اور یہ فرمایا کہ جس نے ابتداءً تخلیق فرمائی وہ دوبارہ بھی پیدا فرمائے گا۔

اوّل تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے تم لوگ اُنہیں کی نسل سے ہو' سورۂ نساء میں فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً (اے لوگو! اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی ایک جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے خوب زیادہ مرد وعورت پھیلائے) نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (ایک جان) سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں' ان کی تخلیق مٹی سے تھی للہٰذا سب انسانوں کی اصل مٹی ہی ہوئی۔ اسی لئے یہاں سورۂ روم میں خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ فرمایا' حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے ان کا جوڑا پیدا کیا یعنی حضرت حوا علیہا السلام وجود میں آئیں' پھر دونوں میاں بیوی سے نسل چلی' نسلیں چلتی ہیں مرد وعورت پیدا ہوتے ہیں' تدریجی طور پر نشو ونما ہوتی ہے' ہوش سنبھالتے ہیں' جسم میں قوت آتی ہے اپنی حاجات اور ضروریات کے لئے زمین میں پھیل پڑتے ہیں' مٹی جو بالکل بے جان چیز تھی' اللہ تعالیٰ نے اس سے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلہ بنایا پھر اس میں جان ڈال دی' اس طرح سب سے پہلے انسان کی تخلیق ہوئی۔ اس کے بعد برابر مادہ منویہ سے تخلیق ہو رہی ہے۔ جس نے بے جان مٹی میں جان ڈال دی اور بے جان مادہ سے جاندار کو پیدا فرما دیا۔ اُسے قدرت ہے کہ وہ موت دینے کے بعد دوبارہ پیدا فرما دے' جبکہ مٹی میں رل مل چکے ہوں گے۔

پہلے رکوع کے ختم پر جو وَکَذٰلِکَ تُخْرَجُوْنَ فرمایا تھا اس کی مزید تفہیم اس رکوع کی پہلی آیت میں فرما دی۔

دوم یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے جوڑے پیدا فرما دیئے جو تم ہی میں سے ہیں یعنی عورت مرد جو آپس میں شرعی نکاح کے ذریعہ زوجین بن جاتے ہیں' یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے۔ اگر وہ بیویاں پیدا نہ فرماتا تو انسان کو زندگی گذارنا دوبھر ہو جاتا۔ بیویوں کے تذکرہ میں جو خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ فرمایا' اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عورتیں جو تمہاری بیویاں ہیں یہ تمہاری ہی جنس سے ہیں' اگر یہ ہم جنس نہ ہوتیں تو اُلفت واُلفت کے ساتھ زندگی نہ گذرتی' اسی لئے لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْهَا بھی فرمایا' مطلب یہ ہے کہ ان بیویوں کی تخلیق تمہارے لئے ہے تاکہ تم اُن کے پاس جاؤ اور اُن سے تمہیں سکون حاصل ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیوی وہ ہونی چاہئے جس کے پاس جانے اور رہنے اور زندگی گذارنے سے سکون اور چین نصیب ہو۔ جب

ا مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶۸

میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے آرام وراحت کا خیال رکھتے ہیں تو اچھی طرح زندگی گذرتی ہے' جن عورتوں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ نافرمانی کرتی ہیں' بات بات میں لڑتی جھگڑتی ہیں وہ مرد کے لئے وبال بن جاتی ہیں۔

مزید فرمایا: وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا فرمادی) یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ میاں بیوی میں ایسا تعلق پیدا فرمادیتا ہے کہ صرف شرعی قانونی ہی نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کے دل میں اُلفت بھی پیدا فرمادیتا ہے اور رحمت بھی یہ دونوں ایک دوسرے کے چاہنے والے اور ایک دوسرے کے خیر خواہ اور ہمدرد اور رحمت کا برتاؤ کرنے والے بن جاتے ہیں۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ شوہر کہاں کا بیوی کہاں کی' جب نکاح ہوجاتا ہے تو ایک دوسرے میں بے مثال محبت پیدا ہوجاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ[1] (کہ اے مخاطب دو محبت کرنے والوں میں نکاح سے بڑھ کر تو نے کوئی چیز نہیں دیکھی) چونکہ نکاح والی زندگی شرعی زندگی ہے اور اس میں جذباتِ نفسانیہ کی تسکین کے علاوہ ایک دوسرے کے ساتھ نباہنے کے جذبات بھی ہوتے ہیں اور عموماً زندگی بھر ساتھ رہنے کی نیت ہوتی ہے اس لئے مؤمن مرد اور عورت آپس میں میل ومحبت سے رہنے ہی کو ترجیح دیتے ہیں اور آپس میں اونچ نیچ کو نباہتے ہوئے زندگی گذارتے رہتے ہیں۔

بعض مفسرین نے یہاں یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ مَوَدَّة کا تعلق جوانی کے زمانہ سے ہے جس میں دونوں کی خواہشات آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے پر مجبور کرتی ہیں اور رَحْمَة کا تعلق بڑھاپے سے ہے جب جذباتِ شہوانیہ ختم ہو جاتے ہیں تو آپس میں صرف رحمت ہی کا تعلق رہ جاتا ہے اور طبعی طور پر ایک دوسرے پر رحم کھاتے ہیں کہ جس کے ساتھ اتنی لمبی زندگی گذاری ہے اُس کے اعزار اور امراض کے زمانہ میں خدمت کرنا چاہئے اور اس کے کام آنا چاہئے۔ نکاح سے پہلے بھی یہ دیکھ لینا ہے کہ عورت میل ومحبت کے ساتھ رہنے والی ہے یا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ (ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت کے ساتھ گذارہ کرنے والی ہو اور جس سے اولاد زیادہ ہو کیونکہ میں دوسری اُمتوں کے مقابلہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا)[1] (عورت کے خاندان کی عورتوں کے احوال جاننے سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ خاندان کثیر الاولاد ہے کہ نہیں)

نکاح کے برخلاف جو نفسانی تعلق مردوں اور عورتوں میں پیدا ہو جاتا ہے' جس کا مظاہرہ زناکاری کی صورت میں ہوتا ہے' اس سے آپس میں محبت پیدا نہیں ہوتی' ایک نفسانی اور مطلب برآری کا تعلق ہوتا ہے یہ تعلق کٹتا رہتا ہے' جہاں جس سے مطلب نکلتا دیکھا اُسی سے جوڑ لگالیا پھر جب جی چاہا تعلق توڑ دیا۔ جیسا کہ انگلینڈ میں اس کا عام مزاج اور رواج بن گیا ہے وہاں زناکار مرد اور عورت جو آپس میں دوست (فرینڈ) بنتے ہیں وہ جھوٹی دوستی ہوتی ہے' آپس میں محبت اور رحمت کے وہ جذبات نہیں ہوتے جو شرعی نکاح کی وجہ سے دلوں میں رچ بچ جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مؤمن بندہ کو خوفِ خدا کی نعمت حاصل ہونے کے بعد نیک بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت حاصل نہیں ہوئی' اگر اس بیوی کو حکم دے تو فرمانبرداری کرے اور اس کی طرف دیکھے تو اُسے خوش کرے اور اگر وہ اس سے متعلق کوئی قسم کھا بیٹھے تو اُسے قسم میں سچا کر دے (ایسا معاملہ نہ کرے جس سے اُس کی قسم ٹوٹ جائے) اور اگر شوہر کہیں چلا جائے تو اپنی جان میں اور اس کے مال میں اس کی خیر خواہی کرے[2] (یعنی اس کی خیانت نہ کرے) مرد کو بھی

[1] رواہ ابو داؤد والنسائی کما فی المشکوۃ المصابیح ص ۲۶۸ [2] مشکوۃ المصابیح ص ۲۶۸

چاہئے کہ نباہنے اور آرام پہنچانے کی فکر رکھے اگر کوئی بات ناگوار ہو تو اُسے ٹال دے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مومن مرد اپنی مومن بیوی سے بغض نہ رکھے اگر اس کی کوئی خصلت ناگوار ہوگی تو دوسری خصلت پسند آ جائے گی۔ (رواہ مسلم)

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (بلاشبہ ان میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں) یعنی میاں بیوی کے مذکورہ تعلق کے مختلف پہلوؤں پر اور ان سے حاصل ہونے والے دینی اور دنیاوی مقاصد پر نظر کی جائے تو پہلے سے نشانیاں سمجھ میں آ سکتی ہیں۔

سوم آسمان اور زمین کی تخلیق کا اور **چہارم** انسانوں کی بولیوں اور رنگتوں کا تذکرہ فرمایا' اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ آسمان و زمین کی تخلیق کا دیگر آیات میں بھی تذکرہ ہے' ان دونوں کا وجود سب کے سامنے عیاں ہے' ظاہر ہے' آسمان اور زمین بڑی چیزیں ہیں' بنی آدم آسمان کے نیچے رہتے ہیں' زمین کے فرش پر بستے ہیں۔ انسانوں کی زبانوں کا مختلف ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کا مظاہرہ ہے' انسانوں کو بولنے کی صفت سے متصف فرمانا اور اُسے الفاظ و کلمات سکھانا اور بات کرنے کی قوت اور استعداد عطا فرمانا یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اور اس میں قدرتِ الٰہیہ کا مظاہرہ بھی ہے' جس کسی کو گونگا بنا دیا وہ بول نہیں سکتا اور جس کسی کو بولنے کی قوت دی ہے وہ حروف اور کلمات کی ادائیگی میں خود مختار نہیں' حروف کے جو مخارج اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیئے ہیں انسان اُنہی مخارج سے حروف ادا کرنے پر مجبور ہے۔ ب دونوں ہونٹوں کے ملنے سے ادا ہوتی ہے اور میم کا مخرج بھی یہی ہے لیکن ب بَرّی ہے اور میم بحری ہے (اسے اصحاب تجوید جانتے ہیں) ایک کو دوسرے کی جگہ سے ادا نہیں کر سکتے' جب ب اور میم کا یہ حال ہے جو بہت زیادہ قریب المخرج ہیں (بلکہ دونوں کا مخرج ایک ہی بتایا جاتا ہے تو ب کو جیم کے مخرج سے اور جیم کو ح کے مخرج سے کیسے ادا کر سکتے ہیں)

پھر اللہ تعالیٰ نے جو قوت گویائی عطا فرمائی ہے یہ مختلف لغات میں اور بے شمار بولیوں میں بٹی ہوئی ہیں' مشرق سے مغرب تک اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کتنی زبانیں ہیں' ہر زبان کے لغات علیحدہ ہیں' طرز تکلم مختلف ہے' کسی زبان میں مضاف الیہ پہلے بولا جاتا ہے اور کسی زبان میں مضاف پہلے ہوتا ہے' بعض زبانوں میں مذکر مؤنث کے لئے ایک ہی فعل ہے (مثلاً فارسی میں) اور بعض زبانوں میں تثنیہ کا صیغہ الگ ہے اور جمع کا صیغہ اس سے مختلف ہے' بعض زبانوں میں وہ حروف ہیں جو دوسری زبانوں میں نہیں ہیں مثلاً ص اور ظ اور ق اور ذ اور ث عربی زبان میں ہیں اور کھ اور گھ ہندی زبان میں ہیں جو دوسری زبانوں میں نہیں ہیں' اور برمی زبان میں را نہیں ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ جو حرف جس زبان کا ہے اس کے علاوہ دوسری زبان والے آدمی کو اس کا بولنا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ بہت سے لوگ محنت کرنے پر بھی نہیں بول سکتے۔ ان امور کا برابر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے' یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بھی مظاہرہ ہے اور اس کی نعمت کا بھی اور انسانوں کے عاجز ہونے کا بھی۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ کلمات اور لغات تو مختلف ہیں ہی لب و لہجہ بھی مختلف ہے' آوازیں بھی مختلف ہیں' مختلف علاقوں کے لوگ مختلف لب و لہجہ میں بات کرتے ہیں' بات سننے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں علاقہ کا آدمی ہے یا فلاں نسب و نسل سے تعلق رکھتا ہے' پھر مردوں کی آواز الگ اور عورتوں کی آواز جدا' بچوں کی آواز علیحدہ' پھر ہر فرد ہر شخص کی

آواز علیحدہ، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیاں ہیں۔
زبانوں کا اختلاف بیان فرمانے کے بعد رنگتوں کا اختلاف بیان فرمایا' سارے انسانوں کی صورتیں اس اعتبار سے تو ایک ہی ہیں کہ ہر شخص کے چہرہ پر ناک ہے اور ناک کے اوپر دو آنکھیں ہیں اور ناک کے نیچے منہ ہے اور اس کے اندر دانت ہیں جو ہونٹوں کے کھولنے سے نظر آتے ہیں' لیکن صورتوں میں اتنا اختلاف ہے کہ نسب و نسل کے اعتبار سے بھی صورتیں مختلف ہیں اور علاقوں کے اعتبار سے بھی' مردانہ صورتیں علیحدہ ہیں اور زنانہ صورتیں الگ' اور باہمی امتیاز بھی ہے' ہر شخص اور ہر فرد کی صورت جدا ہے' یہ تو ہوا صورتوں کی ہیئتوں کا اختلاف' پھر ان صورتوں کا مزید اختلاف رنگوں کے اعتبار سے بھی ہے' کسی کا رنگ کالا ہے کسی کا گورا ہے' پھر ان میں بھی تفاوت ہے۔ یہ الوان واشکال کا فرق صرف اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ (بلاشبہ اس میں جاننے والوں کے لئے نشانیاں ہیں)

پنجم اور ششم: السنہ اور الوان کی نعمت کا تذکرہ فرمانے کے بعد انسانوں کے سونے اور رزق تلاش کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ بات یہ ہے کہ انسانوں کا سونا اور سونے کے لئے مجبور ہونا اور نیند کا آجانا اور آرام پانا جو عموماً رات کو ہوتا ہے اور بہت سے افراد دن میں بھی سو جاتے ہیں خاص کر جنہیں قیلولہ کی عادت ہوتی ہے' یہ سونا اور آرام پانا سب اللہ تعالیٰ کی نعمت بھی ہے اور اس کی قدرت کی نشانی بھی' انسان بعض مرتبہ سونا نہیں چاہتا لیکن نیند کا غلبہ اسے سلا ہی دیتا ہے اور بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ سونے کی نیت سے لیٹا' دماغ تھکا ہوا ہے' جسم تھکن سے بے جان ہو رہا ہے آنکھیں میچتا ہے' کروٹیں بدلتا ہے' پوری رات گذر جاتی ہے لیکن نیند نہیں آتی' اللہ تعالیٰ ہی چاہتا ہے تو سلا دیتا ہے اور وہی چاہتا ہے تو جگا دیتا ہے۔ اسی لئے تو سو کر اٹھنے کی دعا میں دونوں نعمتوں کی یاد دہانی کرائی گئی ہے' اور نیند چونکہ موت کی بہن ہے اس لئے اسے موت سے تعبیر فرمایا ہے۔ سو کر اٹھنے کی دعا یہ ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرِ (سب تعریف اللہ کیلئے ہے جس نے ہمیں موت دے کر زندگی بخش دی اور اسی کی طرف زندہ ہو کر قبروں سے نکل کر جانا ہے) کیونکہ بہت سے لوگ رات میں بھی کسب کرتے ہیں اور رزق تلاش کرتے ہیں اس لئے مَنَامُکُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُکُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ فرمایا۔ جس طرح دن میں بھی سونا ہو جاتا ہے گو عمومی طور پر سونے کے لئے رات ہی کو اختیار کیا جاتا ہے اسی طرح رات میں بھی تحصیل رزق کی صورتیں بن جاتی ہیں' الفاظ کے عموم نے دو باتیں بنا دی ہیں۔

دن کا نکلنا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور رزق تلاش کرنے کے قابل ہونا بھی اس کا انعام ہے' اور ان سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں' آدمی نہ سونے میں مختار ہے نہ جاگنے میں نہ رزق کمانے کے لئے گھر سے باہر نکلنے میں' اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت کا ارادہ ہو تو یہ سب چیزیں وجود میں آتی ہیں' آخر میں فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں)

ہفتم و ہشتم: بجلی کے چمکنے اور آسمان سے پانی نازل فرمانے اور اس کے ذریعہ زمین کو زندہ فرمانے کا تذکرہ فرمایا۔ جب بجلی چمکتی ہے تو انسان ڈرتے بھی ہیں اور بارش ہونے کی امید بھی رکھتے ہیں' کیونکہ عام طور پر بجلی چمکنے کے بعد بارش ہو جاتی ہے اور جب بارش ہو جاتی ہے تو مردہ زمین میں زندگی آجاتی ہے' زمین سرسبز ہو جاتی ہے اور کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں' ان سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں' عقلمندوں کو چاہئے کہ اس میں غور کریں اور سوچیں' بجلی چمکی'

خوف وہراس طاری ہوا بارش کی امید بندھی پانی برسا زمین سرسبز ہوئی یہ سب کیسے ہوا؟ کس کی قدرت سے ہوا؟ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں) اگر غور کریں گے تو یہی سمجھ میں آئے گا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت اور ارادہ سے ہوا۔

نہم اور دہم :یہ فرمایا کہ آسمان اور زمین اسی کے حکم سے قائم ہیں۔ تین آیات پہلے آسمان اور زمین کے پیدا فرمانے کا تذکرہ تھا اور اس آیت کریمہ میں آسمان اور زمین کی بقا کا تذکرہ ہے جب تک ان کے باقی رکھنے کا اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے اس وقت تک باقی رہیں گے اور جب قیامت کے دن ان کا حال بدلنے کا ارادہ ہوگا تو اس وقت ان کی حالت بدل جائے گی آسمان پھٹ پڑیں گے اور زمین میں زلزلہ آجائے گا آسمان کو اپنی مقررہ جگہ پر اور موجودہ حالت پر قائم رکھنا اور زمین کو اس کی مقررہ جگہ پر اور موجودہ حالت پر باقی رکھنا یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہے اس میں کسی اور کا کچھ بھی کوئی دخل نہیں۔ سورۂ فاطر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ (بلاشبہ اللہ آسمان اور زمین کو اس سے روکے ہوئے ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹیں اور اگر وہ اپنی جگہ سے ہٹیں تو اس کے علاوہ کوئی بھی انہیں روکنے والا نہیں ہے)

یہ آسمان قائم ہے اس کے نیچے جیتے لوگ ہیں زمین کے اوپر بستے ہیں اس کے بقا کی اللہ تعالیٰ کے علم میں ایک مدت مقرر ہے وہ جب تک اس دنیا کو باقی رکھے گا باقی رہے گی جب فنا کرنا چاہے گا فنا ہو جائے گی صور پھونکا جائے گا اللہ تعالیٰ کا بلاوا ہوگا قبروں سے نکل کھڑے ہونگے اور حساب کے میدان میں جمع ہو جائیں گے اسی کو فرمایا: ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْاَرْضِ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ (پھر جب وہ تمہیں بلائے گا زمین سے اچانک تم نکل آؤ گے) پھر فرمایا: وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہے اور سب اس کے حکم کے تابع ہیں تکوینی طور پر وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے)

آخری آیت میں ابتداء اور اعادہ کا تذکرہ فرمایا وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ (اور وہی ہے جو پہلی بار پیدا فرماتا ہے پھر وہی دوبارہ زندہ فرمائے گا) وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ (اور اسے دوبارہ پیدا فرمانا پہلی بار پیدا فرمانے کے بہ نسبت زیادہ آسان ہے) یہ لوگوں کی سمجھ کے اعتبار سے فرمایا ہے کیونکہ لوگ اس بات کو جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ کسی چیز کا دوبارہ وجود میں لانے کے اعتبار سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔

اسی لئے حدیث قدسی میں فرمایا: فامّا تکذیبه ایای فقوله لن یعیدنی کما بدانی وَلَیْسَ اوّل الخلق باهون عَلَیَّ من اعادته (ابن آدم یوں کہہ کر مجھے جھٹلاتا ہے کہ اللہ نے جو پہلی بار مجھے پیدا کیا تھا اس کے بعد مجھے دوبارہ ہرگز پیدا نہ فرمائے گا حالانکہ میرے لئے پہلی بار پیدا کرنا دوسری بار پیدا کرنے سے زیادہ آسان ہے) یعنی جو قدرت ابتداءً پیدا کرنے پر ہے وہی دوبارہ پیدا کرنے پر ہے اس کے لئے دونوں برابر ہیں (رواہ البخاری) هٰذا اذا اُرید باهون مَا یَدُل علیه اسم التفضیل. (قال صاحب الرّوح وروی الزّجاج عن أبی عبیدة و کثیر من اهل اللغه ان (اهون) هٰهُنَا بمعنی هین وروی ذٰلک عن ابن عبّاس و الرّبیع و کذا هو فی مصحف عبدالله۔ (یہ اس وقت ہے جبکہ یہاں اَهْوَنَ کو اسم تفضیل کا صیغہ سمجھا جائے تفسیر روح المعانی والے کہتے ہیں زجاج نے ابوعبیدہ اور بہت سارے اہل لغۃ سے روایت کیا ہے کہ یہاں اَهْوَن هَیِّنٌ کے معنی میں ہے اور یہی بات حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ربیع

سے بھی مروی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں بھی اسی طرح تھا)

پھر فرمایا وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (اور آسمانوں اور زمین میں اس کی شان اعلیٰ ہے) یعنی آسمان اور زمین کے رہنے والے جانتے ہیں اور اس کا یہ وصف بیان کرتے ہیں کہ اس کی شان سب سے اعلیٰ وارفع ہے' وہ صفات کمال سے متصف ہے' اس کی صفت قدرت بھی عام ہے اور حکمت بھی تام ہے' قال صاحب الرّوح فِی السّمٰوٰت والارض متعلق بمضمون الجملة المتقدمة علیٰ معنی انه سبحانه وقد وصف بذٰلک وعرف به فیهما علیٰ اَلسِنَة الخلائق والسنة الدلائل: (تفسیر روح المعانی کے مصنف علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ پچھلے جملہ کے مضمون سے متعلق ہے اس معنی میں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان صفات کے آسمانوں اور زمینوں میں اسی وصف کے ساتھ جانا پہچانا جاتا ہے مخلوقات کی زبانوں پر بھی یہی ہے اور دلائل کی زبان سے بھی) وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (اور وہ عزت اور غلبہ والا ہے اس کی بڑی قدرت ہے اور وہ حکمت والا بھی ہے) قیامت واقع کرنے اور دوبارہ پیدا فرمانے میں جو تاخیر ہے وہ اس کی حکمت ہے وہ اس کی حکمت کے موافق ہے۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ
اللہ نے تمہارے لئے ایک مثال بیان فرمائی جو تمہارے نفسوں کے اندر سے ہے' جن کے تم مالک ہو کیا ان میں سے کوئی اس مال میں شریک ہے
مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ
جو ہم نے تمہیں دیا کہ وہ اور تم اس میں برابر ہو تم ان سے اسی طرح ڈرتے ہو جیسا اپنے نفسوں سے ڈرتے ہو ہم اسی طرح آیات کو بیان کرتے ہیں
الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ
اُن لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے ظلم کیا وہ بغیر علم کے اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں' سو جسے اللہ گمراہ کر دے
مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾
اُسے کون ہدایت دے گا اور کوئی بھی اُن کے لئے مددگار نہ ہوگا۔

ایک خاص مثال سے شرک کی تردید اور توحید کا اثبات

تفسیر: مشرکین جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مخلوق کو شریک کرتے ہیں اُن سے اللہ تعالیٰ نے مثال کے طور پر ایک سوال فرمایا اور وہ یہ کہ تم لوگوں کو ہم نے مال دیا ہے' اس مال میں تمہارے غلام اور باندیاں بھی ہیں' تم ان کے مالک ہو۔ مال تو تمہارے پاس غلام باندیوں کے علاوہ بھی ہے لیکن غلاموں اور باندیوں کے پاس سمجھ ہے کیونکہ وہ انسان ہیں' ان سے تم خدمت لیتے ہو' دوسرے مال کے اُٹھانے اور رکھنے اور خرچ کرنے میں انہیں استعمال کرتے ہو' ان غلاموں اور باندیوں سے کام تو لیتے ہو لیکن تم نے انہیں اپنے مالوں میں شریک تو نہیں کیا؟ اگر تم انہیں اپنے مالوں میں شریک کر لیتے تو یہ بھی اختیارات میں تمہارے برابر ہو جاتے اور تم سے پوچھے بغیر خرچ کرتے' اور جب وہ شریک ہو جاتے تو تم اُن سے اسی

طرح خوف کھاتے جیسے اپنے شرکاء سے اعتراض کا اندیشہ رکھتے ہو اور انہیں خوش کر کے چلتے ہو اور باوجود اپنی ذاتی شرکت کے اپنے شرکاء سے دریافت کر کے اور مشورہ لے کر تصرف کرتے ہو۔

جب تمہارے غلام تمہارے مالوں میں اور مال خرچ کرنے کے اختیار میں شریک نہیں جو تمہاری طرح کی مخلوق ہیں تو وہ جو تم نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں اُن کو تم اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاص یعنی معبودیت میں شریک کرتے ہو؟ وہ تو اللہ کی مخلوق ہیں' اپنے مالوں میں تو تم اپنے غلاموں کو شریک کرنے کو تیار نہیں اور عبادت میں تم نے مخلوق کو خالق کے ساتھ شریک کر دیا' یہ کیسی بھونڈی بات ہے اور اُلٹی سمجھ ہے۔ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (جو لوگ سمجھتے ہیں اور اپنی عقل کو کام میں لاتے ہیں ہم اسی طرح ان کے لئے واضح طور پر آیات بیان کرتے ہیں) بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ (الآیۃ) جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا' آیات میں غور نہ کیا یہ لوگ بغیر علم کے جہالت کے ساتھ اپنی اھواء یعنی نفس کی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے' جو جی میں آیا اُسی کو معبود بنا لیا' حق اور حقیقت کی طرف متوجہ نہ ہوئے' جب گمراہی کو قصداً اور ارادۃً اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں گمراہی میں چھوڑ دیا۔ سو وہ کون ہے جو اُسے ہدایت دے جسے اللہ نے گمراہ کر دیا۔ جب اس گمراہی پر عذاب ہونے لگے گا تو کوئی بھی مددگار اور عذاب سے چھڑانے والا نہ ملے گا۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ
آپ ایک طرف ہو کر اسی دین کی طرف اپنا رُخ رکھئے' اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کیجئے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے' اللہ کی
ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا
تخلیق میں تبدیل نہیں ہے' یہ دین قیم ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے' اللہ کی طرف رجوع ہو کر اس کی فطرت کا اتباع کرو اور اس سے ڈرو
الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۳۱ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍ
اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور مختلف گروہ ہو گئے ہر گروہ
بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝۳۲
اس چیز پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا

تفسیر: یہ ماقبل کے مضمون پر تفریع ہے' بظاہر آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے لیکن مخاطب سب ہی انسان ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب شرک کی مذمت سامنے آ گئی تو جو لوگ موحد ہیں صحیح راستہ پر ہیں وہ سیدھے راستہ پر ہی قائم رہیں اور اپنا رُخ دین قیم کی طرف رکھیں اور برابر اسی پر جمے رہیں اور تمام دینوں سے ہٹ کر یکسو ہو کر اسی دین میں لگے رہیں جو دین اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے یعنی دین توحید جس پر اُس نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا ہے' اور جو لوگ کافر و مشرک ہیں وہ بھی اسی دین پر آ جائیں۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے دین اسلام مراد ہے' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے دین اسلام قبول کرنے کی قابلیت مراد ہے' ترجمہ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اُسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی (آتش پرست) بنا دیتے ہیں جیسا کہ چوپایہ کا بچہ بالکل صحیح سالم پیدا ہوتا ہے' کیا تم اس میں دیکھتے ہو کہ اس کا کوئی حصہ کٹا ہوا ہو؟ اس کے بعد آپ نے یہی آیت فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ تلاوت فرمائی۔ (رواہ البخاری ومسلم)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں قبول حق کی صلاحیت اور قابلیت رکھی ہے' یہ قابلیت ہوش اختیار کرنے سے لے کر بوڑھا ہو کر مرنے تک باقی رہتی ہے۔ اگر انسان اپنے ماں باپ یا معاشرہ کے ماحول میں کافر و مشرک ہو گیا ہوا گروہ پھر اپنی عقل کو کام میں لائے اور کسی دنیاوی رکاوٹ سے متاثر نہ ہو تو وہ ضرور حق کو قبول کر لے گا اور دین حق پر آ جائے گا۔

مندرجہ بالا تشریح سے لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کا مطلب بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر جو انسان میں دین حق پر غور کرنے کی استعداد رکھی ہے وہ نہیں بدلتی۔ کیسا ہی کافر یا مشرک ہو اگر اپنی عقل سے لے گا اور غور و فکر کرے گا تو اسے دین اسلام قبول کرنے کی طرف توجہ ہو ہی جائے گی' اگر غور و فکر کی طرف متوجہ نہ ہو اور حق سے اعراض کرتا رہے تو یہ دوسری بات ہے۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کو نہی کے معنی میں لیا ہے (گو وہ بظاہر نفی ہے) اور ترجمہ یوں کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہ چاہئے اگر یہ معنی لئے جائیں تو اس سے ہر اُس چیز کو ممانعت ثابت ہو گئی جس سے دینی ماحول خراب ہوتا ہو' مثلاً ملحدوں اور زندیقوں کی کتابیں پڑھنا اور اُن کی مجلسوں میں اٹھنا بیٹھنا اور اُن کے درس میں جانا کیونکہ ان چیزوں سے قبول حق کی استعداد کمزور ہو جاتی ہے اور پھر انسان ملحدوں اور زندیقوں کے ہی گن گانے لگتا ہے۔ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ (یہ دین قیم ہے سیدھا راستہ ہے) وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے) غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے دُور بھاگتے ہیں۔ مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ (اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے فطرت کا اتباع کرو) وَاتَّقُوْهُ (اور اللہ سے ڈرو) وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ (اور نماز قائم کرو) وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (اور مشرکین میں سے مت ہو جاؤ) الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا (جنہوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈالی اور جو دین اختیار کیا اُسے ٹکڑے ٹکڑے کیا) دین حق تو ہمیشہ سے ایک ہی ہے اس کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے' جو لوگ اسے چھوڑتے ہیں اُن کے سامنے مختلف راہیں ہوتی ہیں' ان راہوں میں سے کسی راہ کو اختیار کر لیتے ہیں' اگر حق پر رہتے تو سب ایک راہ پر ہوتے۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ (ہر جماعت اُس سے خوش ہے جو اُن کے پاس ہے) حالانکہ ان باطل والوں میں سے کسی کی راہ بھی حق نہیں ہے' اور اگر اللہ کے بھیجے ہوئے دین پر ہوتے تو افتراق بھی نہ ہوتا اور اللہ کے دین پر ہی خوش اور نازاں ہوتے۔

شاید یہاں کوئی یہ سوال کرے کہ مسلمانوں میں بھی تو بہت سے فرقے ہیں؟ حقیقت میں یہ فرقے اسلام سے تعلق رکھنے والے نہیں ہیں' اسلام سے ہٹے تو یہ فرقے بنے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اور اس کے رسولِ مکرم ﷺ کی سُنت کو سامنے رکھ کر چلتے ہیں سب آپس میں ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہیں' جیسا کہ چاروں مذاہب کے مقلدین ہیں۔ جو اشخاص قرآن و

حدیث کو چھوڑتے گئے اُن کے فرقے الگ الگ بنتے گئے اگرچہ دھوکہ دینے کے لئے قرآن و حدیث کا دم بھرتے ہیں۔

وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُم مُّنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُم مِّنْهُ رَحْمَةً

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی طرف رجوع ہو کر پھر جب اللہ انہیں اپنی رحمت کا

إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾

کچھ مزہ چکھا دیتا ہے تو اچانک ان میں سے بعض لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں تاکہ وہ اس کے منکر ہو جائیں جو ہم نے انہیں دیا ہے سو مزے اُڑالو

أَمْ أَنزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً

عنقریب جان لوگے۔ کیا ہم نے ان پر کوئی سند نازل کی ہے سو وہ ان سے اس کے بارے میں بات کر رہے ہیں جو وہ شرک کرتے ہیں اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا

فَرِحُوا بِهَا ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ﴿٣٦﴾

کچھ مزہ چکھاتے ہیں تو اس پر خوش ہوتے ہیں اور اگر ان کے اعمالِ بد کی وجہ سے انہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے تو اچانک وہ نا اُمید ہو جاتے ہیں۔

رحمت اور زحمت کے بارے میں انسان کا ایک خاص مزاج

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو انسانوں کی ایک عادت کا تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان پر جب کوئی مصیبت آتی ہے اور کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور پوری توجہ کے ساتھ اُسے پکارتے ہیں کہ یہ مصیبت دور ہو جائے' یہ تو مصیبت کے وقت ان کا عمل ہوتا ہے' پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے کچھ رحمت سے نوازتا ہے تو اچانک اُن میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے' جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے خطاب فرمایا: فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ (کہ تم مزے اُڑالو عنقریب کفرو شرک اور ناشکری کا انجام دیکھ لوگے) یہ مضمون سورۂ عنکبوت کے ختم کے قریب بھی گذر چکا ہے۔

یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں خود ان کے نزدیک بھی ان کے باطل معبود کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں' اگر ان باطل معبودوں سے انہیں کوئی نفع ہوتا یا دُکھ درد میں کام آنے والے ہوتے تو مصیبت کے وقت میں انہیں کیوں چھوڑ دیتے اور صرف رب تعالیٰ شانہٗ ہی کی طرف کیوں متوجہ ہوتے۔ ان کی عقل خود یہ بتاتی ہے کہ غیر اللہ کی پرستش اور پوجا بالکل حماقت ہے' عقلی طور پر بھی باطل معبودوں کا باطل ہونا ان کی سمجھ میں آ چکا ہے' اور اس اعتبار سے بھی یہ لوگ باطل پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس کوئی سند نہیں آئی یعنی کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی' جس نے شرک کرنا بتایا ہو یا ان کے شرک کرنے کی تحسین کی ہو؟ یہ لوگ ہر اعتبار سے گمراہی میں ہیں۔ شرک کے درست ہونے کی نہ اُن کے پاس عقلی دلیل ہے اور نہ خالق کائنات جل مجدہٗ کی طرف سے انہیں سند ملی ہے' اسی کو فرمایا: أَمْ أَنزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا (الآیۃ)

پھر فرمایا: وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا (الآیۃ) کہ جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت چکھا دیتے ہیں تو اس پر خوش ہوتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے' اُن کی یہ خوشی غفلت اور مستی کی حد تک پہنچ جاتی ہے اور نعمت دینے والے کو بھول جاتے ہیں

اور اُس کی نافرمانیوں میں لگ جاتے ہیں اسی خوشی اور مستی کے بارے میں إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ فرمایا۔ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ اِترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا) یہ تو ہوا رحمت الٰہی کے ساتھ انسان کا معاملہ ہے۔ اب اس کے مزاج کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ جب اُنہیں اُن کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے تو نا اُمید ہو کر آس توڑ کر بیٹھے رہتے ہیں، گویا کہ اب اُن کو کوئی نعمت نہ ملے گی اور کوئی خیر نہ پہنچے گی۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾
کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ رزق پھیلا دیتا ہے جس کے لئے چاہے اور تنگ کر دیتا ہے بلاشبہ اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں،
فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫
سو اے مخاطب تو رشتہ دار کو اس کا حق دے دے اور مسکین کو اور مسافر کو، یہ اُن لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۠ فِىْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا
اور یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں اور جو بڑھنے والی چیز تم دو گے تاکہ وہ لوگوں کے مالوں میں شامل ہو کر بڑھ جائے، سو وہ
عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰهُ
اللہ کے نزدیک نہیں بڑھے گی اور جو بھی زکوٰۃ تم دو گے جس کے ذریعہ اللہ کی رضا چاہتے ہو سو یہ وہ لوگ ہیں جو بڑھانے والے ہیں، اللہ
الَّذِىْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ
وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تمہیں رزق دیا پھر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ فرمائے گا، کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے
مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَىْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾
جو اُن کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے؟ اللہ ان کے شرک سے پاک ہے اور برتر ہے۔

رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو دینے کا حکم اللہ کی رضا میں خرچ کرنے کی فضیلت

تفسیر: یہ چار آیات ہیں، پہلی آیت میں تو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنے بندوں کو رزق دیتا ہے اور رزق دینے میں وہ جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں تنگی فرما دیتا ہے، اور کھلی ہوئی بات ہے جو سب کے سامنے ہے، اہل ایمان اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں، دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگوں کو تھوڑی سی محنت سے اور بعض لوگوں کو بلا محنت ہی میراث یا ہبہ کے ذریعہ بہت زیادہ مال مل جاتا ہے، اور بعض لوگ بہت زیادہ محنت کرتے ہیں، طرح طرح کی تجارت میں ہاتھ ڈالتے ہیں، بڑی بڑی اسکیمیں سوچتے ہیں لیکن ان کا اصل مال بھی ختم ہو جاتا ہے، ایک شخص تجارت لے کر بیٹھتا ہے، تھوڑا سا مال لگاتا ہے اُس کا مال خوب زیادہ ہو جاتا ہے، یہ سب کچھ اللہ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے۔ وہ اپنی حکمت سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق بڑھا دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اس میں

دونوں فریق کا امتحان بھی ہوتا ہے۔ مال والا مال کی کثرت کی وجہ سے احکامِ الٰہیہ سے غافل ہوا اور گناہوں میں لگ گیا تو امتحان میں فیل ہو گیا اور ناشکروں میں شمار ہو گیا اور جس پر رزق میں تنگی کی گئی اس پر صبر لازم ہے، جزع فزع نہ کرے، زبان سے بُرے کلمات نہ نکالے، تنگدستی کی وجہ سے احکامِ شرعیہ کی خلاف ورزی نہ کرے جو اس سے متعلق ہیں، کسبِ مال کے لئے حرام طریقے اختیار نہ کرے۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ ذَا الْقُرْبٰی یعنی رشتہ داروں کو ان کا حق دے دو اور مسکینوں کو بھی دو اور مسافروں کو بھی۔ علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس سے صلہ رحمی کے طور پر خرچ کرنا اور نفلی صدقہ دینا مراد ہے کیونکہ سورۃ الروم مکیہ ہے اور زکوٰۃ کی فرضیت مدینہ منورہ میں ہوئی تھی، ان لوگوں پر اللہ کی رضا کے لئے خرچ کیا جائے، اللہ کے لئے خرچ کریں گے تو یہ بہتر ہوگا، ریاکاری کے لئے خرچ نہ کریں اور جس کو مال دیں اُسے عمل سے یا قول سے تکلیف نہ پہنچائیں اور اس پر احسان نہ دھریں محض اللہ کی رضا کے لئے دیں، اللہ سے ثواب لینے کی نیت رکھیں، اسی کو فرمایا: ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ (یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں) وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (اور یہی لوگ کامیاب ہیں)۔

ذَوِی الْقُرْبٰی اور یَتَامٰی اور مَسَاکِیْن اور مُسَافِرِیْن پر خرچ کرنے کا ثواب کسی قدر تفصیل سے سورۂ بقرہ کی آیت شریفہ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ کے ذیل میں اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیت وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ کے ذیل میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ (انوار البیان جلد ۲) نیز انفاق مال کے احکام وآداب کے بارے میں سورۂ بقرہ کے رکوع (۳۶) اور (۳۷) کی تفسیر بھی دیکھ لی جائے۔ (انوار البیان ج ۲)

تیسری آیت میں فرمایا: وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۠ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ (تم جو کچھ بڑھنے والی چیز دو گے تاکہ وہ لوگوں کے مالوں میں شامل ہو کر بڑھ جائے سو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھے گی) پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ لفظ رِبٰوا اصل میں رِبَوٌ ہے جس کا معنی زائد چیز کا ہے، یہ فِعَلٌ کے وزن پر ہے اس کا ماضی مضارع رَبٰی یَرْبُوْا ہے۔ لغت میں تو اس کا ترجمہ یہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے یعنی بڑھنے والی چیز پھر یہ لفظ عام طور سے سود کے لئے استعمال ہونے لگا جیسا کہ سورۂ بقرہ (رکوع ۳۸) میں کئی جگہ یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مال چونکہ بڑھنے والی چیز ہے سلیقہ سے اُسے کاروبار میں لگایا جائے اور شرعی طریقہ کے مطابق خرچ کیا جائے تو اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے اس آیت بالا میں رِبٰوا سے تعبیر فرمایا۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں سود لینے کی ممانعت بیان فرمائی ہے اور اس کی بے برکتی کو واضح فرمایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب تم کسی کو قرض کے طور پر مال دو گے تاکہ وہ دوسروں کے مال میں شامل ہو کر زائد مال لے کر آئے تو اگرچہ تمہارے خیال میں اس سے مال میں اضافہ ہوا لیکن اللہ کے نزدیک اس میں کوئی اضافہ نہیں۔ اول تو سود لینے کی نیت سے دینا ہی حرام ہے پھر جو زائد مال مل گیا وہ بھی حرام ہے اور جو بظاہر زیادہ ہوا ہے وہ تمہاری نظروں میں زیادہ ہوا ہے۔ چونکہ یہ مال حلال نہیں ہے اس لئے قانونِ شرعی میں تمہارے لئے کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ یہ زائد مال کا واپس کرنا واجب ہے پھر اگر تم نے واپس نہ کیا تو وہ بے برکت ہوگا اور حرام خوری کا گناہ اپنی جگہ پر رہا۔ یہ تفسیر آیت کریمہ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ کے مطابق ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اگرچہ سود

بہت ہو جائے اس کا انجام کمی ہی کی طرف ہو گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۶)

سود سے جو مال جمع ہوتا ہے اس سے اسباب معیشت تو جمع ہو جاتے ہیں لیکن سکون و اطمینان سلب ہو جاتا ہے' سودی اموال ہلاک ہو جاتے ہیں' بینکوں کا دیوالیہ ہو جاتا ہے' مالوں سے بھرے ہوئے جہاز ڈوب جاتے ہیں' پھر اگر کسی سود خور کا مال دنیا میں ہلاک و برباد نہ ہوا تو آخرت میں تو پوری طرح بربادی ہے ہی' وہاں تو یہ مال بالکل ہی کام نہ دے گا بلکہ دوزخ میں لے جانے کا ذریعہ بنے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص حرام مال کما کر صدقہ کرے گا تو وہ قبول نہ ہو گا اور جو کچھ اس میں سے خرچ کرے گا اس میں برکت نہ ہو گی اور اپنے پیچھے چھوڑ کر جائے گا تو وہ اس کے لئے دوزخ کی آگ میں لے جانے والا توشہ بنے گا۔ (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص ۲۴۲) مزید توضیح کے لئے سورۂ بقرہ رکوع ۳۸ کی تفصیل کا مطالعہ کر لیا جائے۔ (انوار البیان ج ۱)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ میں وہ بخشش اور عطیہ مراد ہے جس میں دینے والے نے یہ نیت کی ہو کہ جسے میں بخشش کر رہا ہوں وہ مجھے اس سے زائد دے گا۔ اپنے کسی عزیز قریب کو یا کسی استاذ یا شیخ کو یا کسی دوست کو جو بھی کچھ پیش کیا جائے اس سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہونی چاہئے' دوسری جانب سے مال ملنے کی نیت نہ رکھے' اگر دوسری جانب سے مال ملنے کی نیت کی تو یہ اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرنا نہ ہوا لہٰذا یہ مال اللہ کے نزدیک نہیں بڑھے گا اور اس کا ثواب نہیں ملے گا۔ کیونکہ خرچ کئے ہوئے مال کا بڑھنا اُسی مال کے ساتھ مخصوص ہے جو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کیا جائے۔ آیت کے الفاظ میں جو عموم ہے اس کے اعتبار سے یہ معنی اور مفہوم مراد لینا بھی صحیح ہے' البتہ اتنی بات یاد رہے کہ ہدیہ دینے والے کو تو صرف اللہ کی رضا کے لئے دینا چاہئے لیکن جسے ہدیہ دیا گیا ہو اُسے چاہئے کہ ذہن میں رکھے کہ مجھے فلاں شخص نے ہدیہ دیا تھا پھر جب موقع دیکھے اس کا بدلہ دے دے لیکن اُسے نہ جتائے کہ یہ تمہارے ہدیہ کے بدلہ میں ہے' اور جَزَاکَ اللہ کی دعا تو اُسی وقت دیدے جب کسی نے کچھ دیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: مَنْ اُعْطِیَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلیجز بہٖ ومن لَمْ یَجِدْ فلیثن فان من اثنی فَقَدْ شَکَرَ وَمَنْ کَتَمَ فَقَدْ کَفَرَ (یعنی جسے بطور بخشش کچھ دیا جائے اور اُسے مقدور ہو تو اس کا بدلہ دے دے اور جسے بدلہ دینے کا مقدور نہ ہو وہ لوگوں کے سامنے بیان کر دے کہ فلاں شخص نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے' جس نے اس کے احسان کو بیان کیا اس نے شکریہ ادا کر دیا اور جس نے پوشیدہ رکھا اُس نے ناشکری کی) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶۱) یہ تو ہدیہ لینے والے کی طرف سے ہونا چاہئے اور جو شخص ہدیہ دے اُسے مال زیادہ ملنے کی اُمید تو کیا شکریہ تک کی اُمید سے غافل ہو جانا چاہئے' جیسا کہ سورۃ الدہر میں فرمایا: اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں ہم تم سے کوئی بدلہ یا شکریہ نہیں چاہتے)

رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے پھر اس کے بدلہ میں اس سے زیادہ دیتے تھے ایک اعرابی نے آپ ﷺ کو ایک جوان اونٹ ہدیۃً دیا تھا تو آپ نے اُسے چھ جوان اونٹ عطا فرمائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶۱)

آیت کے ختم پر فرمایا: وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (اور جو بھی تم زکوٰۃ دو گے جس سے اللہ کی رضا مقصود ہو تو ایسا عمل کرنے والے ہی بڑھانے والے ہیں) اس میں مفسرین نے لفظ زکوٰۃ سے صدقۂ نافلہ مراد لیا ہے (کیونکہ سورۂ روم مکیہ ہے اور زکوٰۃ بمعنی معروف مدینہ منورہ میں فرض ہوئی تھی) چونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے مال کا خرچ کرنا

نفس کے بخل سے پاک کرنے کے لئے بھی ہے اس لئے عام صدقات کو بھی زکوٰۃ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے' جیسا کہ نیک کام ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ مفروضہ کو بھی صدقہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ (کَمَا فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی : اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ) آیت کریمہ میں یہ بتایا کہ تم جو کچھ بھی کوئی صدقہ اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے دو گے اس میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ اس اضافہ کو لفظ اَلْمُضْعِفُوْنَ سے تعبیر فرمایا۔ یہ لفظ اِضْعَاف سے اسم فاعل کا صیغہ ہے' جس کا مادہ ضِعْفٌ ہے۔ ضِعْف عربی میں دوگنے کو کہتے ہیں اور اس کی جمع اَضْعَاف آتی ہے' جب کوئی چیز بہت زیادہ بڑھ جائے اور چند در چند ہو جائے تو اُسے اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً کہا جاتا ہے۔ اس تشریح کو سامنے رکھ کر آیت کریمہ کا مطلب سمجھ لیں کہ جو شخص اللہ کی رضا کے لئے کوئی صدقہ دے گا تو اس کا یہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاتا ہے اور اس کا ثواب بڑھ کر ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ تو عام قانون ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (جو شخص ایک نیکی کرے اُس کے لئے دس گنا ہے) یہ قانون تو ہر نیکی کو شامل ہے اور اس سے زائد جس قدر بھی اللہ تعالیٰ چاہے بڑھا چڑھا کر ثواب عطا فرماتا ہے جسے سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ میں بیان فرما دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا تو اللہ تعالیٰ اُسے قبول فرما لیتا ہے' پھر اُسے صدقہ دینے والے کے لئے بڑھاتا رہتا ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کے بچہ کی تربیت کرتا رہتا ہو' یہ صدقہ جو کھجور کے برابر کیا تھا بڑھتے بڑھتے پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ (رواہ البخاری) جب صدقہ دینے والے کو قیامت کے روز ثواب دیا جانے لگے گا تو اُسے اس تھوڑے سے صدقہ کا اتنا بڑا ثواب ملے گا جیسے اُس نے پہاڑ کے برابر صدقہ کیا ہو۔

چوتھی آیت میں پھر توحید کی طرف متوجہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا فرمایا ہے پھر تمہیں رزق دیا' اس رزق کو کھاتے پیتے ہو اور زندہ رہتے ہو' پھر اس زندگی کے بعد تمہیں موت دے گا پھر زندہ فرمائے گا' اسی کی قدرت کے یہ سب مظاہرے ہیں اور وہی مستحق عبادت ہے' وحدہٗ لاشریک ہے تم لوگوں نے جو اس کے لئے شریک بنا رکھے ہیں کیا اُن میں سے کوئی ایسا ہے جسے ان چیزوں پر قدرت ہو؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی یہ کام نہیں کر سکتا' جب اُس کے علاوہ کوئی بھی قدرت رکھنے والا نہیں ہے تو پھر عبادت میں دوسروں کو شریک کیوں کرتے ہو' سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (وہ ان کے شرک سے پاک ہے اور برتر ہے)

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا

ظاہر ہو گیا فساد خشکی میں اور دریا میں لوگوں کے اعمال کی وجہ سے تاکہ اللہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھا دے' تاکہ وہ

لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلُ

لوگ باز آ جائیں' آپ فرما دیجئے' زمین میں چلو پھر دیکھو ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو تم سے پہلے تھے' اُن میں سے

كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِیْنَ ﴿۴۲﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ الْقَیِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ

اکثر مشرک تھے۔ سو اے مخاطب تو اپنا رخ دین قیم کی طرف رکھ اس دن کے آنے سے پہلے جس کیلئے اللہ کی طرف سے ہٹنا نہ ہو گا اس دن لوگ

مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿٤٣﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ

جدا جدا ہو جائیں گے۔ جو شخص کفر اختیار کرے گا تو اس کا کفر اُسی پر پڑے گا اور جو شخص نیک کام کرے گا سو ایسے لوگ اپنی ہی جانوں کے لئے

يَمْهَدُوْنَ ﴿٤٤﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٥﴾

راہ ہموار کر رہے ہیں۔ تا کہ اللہ اُن لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے بلاشبہ وہ کفر اختیار کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا

لوگوں کے اعمال بد کی وجہ سے بحر و بر میں فساد ظاہر ہو گیا

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بھیجا اور اُسے ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنے کا حکم فرمایا' امتحان کے لئے اس میں خیر و شر کے اپنانے کی قوت رکھ دی' اس کے اندر ایسے جذبات ہیں جو اُسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی طرف کھینچتے ہیں اور شیطان بھی ساتھ لگا ہوا ہے وہ لوگوں کو ایمان سے اور اعمالِ صالحہ سے ہٹاتا ہے اور کفر اور شرک کی راہ پر ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ یہ بتا دیا کہ کفر اور شرک اور برے اعمال کا نتیجہ بُرا ہے' کفر اور شرک کی سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے اور آخرت میں بھی ملے گی اور کفر اور شرک کے علاوہ جو برے اعمال ہیں انکی سزا بھی دونوں جہاں میں مل سکتی ہے۔ انسانوں کا مزاج کچھ ایسا ہے کہ عموماً برائیوں کی طرف زیادہ ڈھلتے ہیں اور یہ بُرائیاں طرح طرح کی مصیبتوں کا سبب بن جاتی ہیں' دنیا میں امن و امان قائم نہیں رہتا اور ایسے ایسے انقلاب آتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے دُنیا مصیبتوں کی آماجگاہ بنی رہتی ہے۔ آیت کریمہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ خشکی (جس میں آبادیاں اور جنگل سب شامل ہیں) اور سمندر میں فساد ظاہر ہو گیا' آپس میں قتل و خون ہوتا اور قحط آتا ہے' مہلک امراض کا عام ہو جانا' نئے نئے امراض کا پیدا ہو جانا' آندھیوں کا چلنا' کھیتوں کو کیڑوں کا کھا جانا اور زلزلوں کا آنا اور سخت سردی سے تباہ ہو جانا (جسے بعض علاقوں میں بالا مارنا کہتے ہیں) اور اس طرح کی بہت سی مصیبتوں کا ظہور ہونا' اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سزائیں دی جاتی ہیں تا کہ بندے ہوش میں آئیں' کفر و شرک اور گناہوں کو چھوڑیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور یہ انسانوں کے پورے اعمال کی سزا نہیں ہے بلکہ بعض اعمال کی سزا ہے۔ اسی لئے فرمایا ہے: لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (تا کہ اللہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے) اگر تمام اعمال پر گرفت کی جائے تو زمین پر کوئی بھی چلنے پھرنے والا زندہ نہ بچے۔ سورۂ فاطر میں فرمایا: وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (اور اگر اللہ لوگوں کا مواخذہ فرمائے اُن کے اعمال کی وجہ سے تو زمین کی پُشت پر کسی بھی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑے اور لیکن وہ انہیں مقررہ میعاد تک مؤخر فرماتا ہے) اور سورۂ شوریٰ میں فرمایا: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۔ (اور جو کچھ تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے سو وہ تمہارے اعمال کے سبب سے ہے اور اللہ بہت سے اعمال کو معاف فرما دیتا ہے)۔

زمین کے خشک حصہ میں جو فساد اور بگاڑ ہے وہ تو نظروں کے سامنے ہے سمندر میں جو فساد ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں تفسیر قرطبی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب بارش ہوتی ہے تو سمندر

میں جو سیپیاں ہیں اُن کا منہ کھل جاتا ہے اور جس سپی میں بارش کا قطرہ گر جائے وہ موتی بن جاتا ہے اور بارشیں انسانوں کے گناہوں کی وجہ سے رُک جاتی ہیں لہٰذا موتیوں کی پیدائش بھی کم ہو جاتی ہے اور یہ موتی جو انسانوں کے کام آتے ہیں اُن سے انسان محروم ہو جاتے ہیں۔

صاحب روح المعانی نے حضرت مجاہدؒ (تابعی) سے یوں نقل کیا ہے کہ ظالم لوگ غریب کشتی والوں کی کشتیاں چھین لیتے تھے۔ آیت میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ (اور یہ کشتی چھیننا بطور مثال کے ہے' سمندر کی سطح پر کشتیوں اور جہازوں میں جو لوگوں پر ظلم ہوتے ہیں' ٹیکس لئے جاتے ہیں اور ملکوں کی آپس کی لڑائیوں کی وجہ سے جو گولہ باری ہوتی ہے' جہاز تباہ ہوتے ہیں' ہر فریق کے آدمی مرتے ہیں اور سامانوں سے بھرے ہوئے جہاز ڈبو دیئے جاتے ہیں' یہ سب فساد فی البحر کے ذیل میں آتا ہے)

یاد رہے کہ آیت کریمہ میں عمومی فساد کا ذکر ہے جب گناہوں کی وجہ سے عمومی مصیبتیں آتی ہیں تو ان کی وجہ سے مومن اور کافر' نیک اور بد حتیٰ کہ جانور بھی متاثر ہوتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا کہ ایک شخص یوں کہہ رہا ہے کہ ظالم شخص صرف اپنی ہی جان کو نقصان پہنچاتا ہے' اس پر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ دوسری مخلوق بھی اس سے متاثر ہوتی ہے یہاں تک کہ حباری (ایک پرندہ کا نام ہے) بھی اپنے گھونسلہ میں ظالم کے ظلم کی وجہ سے دُبلی ہو کر مر جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۶)

جب بارش نہ ہوگی تو زمین میں پانی کی بھی کمی ہوگی۔ بارش کا پانی جو جگہ جگہ ٹھہر جاتا ہے جس سے انسان اور جانور سب ہی پیتے ہیں وہ نہ ہوگا تو پیاسے مریں گے اور بارش نہ ہونیکی وجہ سے جب کھیتوں میں پیداوار نہ ہوگی تو انسان اور جانور سب ہی مصیبت میں پڑ جائیں گے۔

یاد رہے کہ آیت کریمہ میں اُن تکلیفوں کا ذکر نہیں ہے جو نیک بندوں کو ان کے گناہ معاف کرنے یا درجات بلند کرنے کے لئے پیش آتی ہیں۔ ان حضرات کو آلام و امراض سے تکلیف تو ہوتی ہے لیکن یہ اُن کے حق میں مفید ہوتی ہے اس لئے مصیبت نہیں رہتی۔ پھر یہ لوگ صبر کرتے ہیں اس کا بھی ثواب پاتے ہیں اور گناہوں پر متنبہ ہو کر توبہ و استغفار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں' لہٰذا یہ تکلیفیں ان پر بطور قہر نہیں ہوتیں' ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور مہربانی ہوتی ہے اور صبر اور توبہ و استغفار کا مستقل ثواب ملتا ہے۔

پھر فرمایا: قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ (الآیۃ) کہ آپ اپنے مخاطبین یعنی مشرکین مکہ وغیرہم سے فرما دیجئے کہ تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو۔ تم سے پہلے جو قومیں تھیں اُن کا کیا انجام ہوا؟ ان لوگوں میں اکثر مشرک تھے' ان لوگوں کے کفر اور شرک کی وجہ سے عام عذاب آیا اور ہلاک و برباد ہوئے' اُن کے گھروں کے نشانات تمہارے سامنے ہیں' چلو پھرو' دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔ اس آیت میں جو كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ فرمایا اس میں یہ بتا دیا کہ ان برباد ہونے والوں میں اکثر تو مشرکین تھے اور بعض ایسے تھے جو کفر کی دوسری انواع میں مبتلا تھے۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ شرک کفر کی بد ترین اقسام میں سے ہے اس کا وبال بہت بڑا ہے۔ اس کے لئے فرمایا کہ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ (الآیۃ) اے مخاطب! اپنا رُخ دین قیم کی طرف رکھ یعنی توحید پر جما رہ' اس سے پہلے کہ ایسا دن آ جائے یعنی اللہ کی طرف سے عذاب والا دن آ جائے اور اس عذاب کو ہٹایا نہ جائے گا (اس سے قیامت کا دن مراد ہے) اس دن لوگ متفرق یعنی جدا جدا ہو

جائیں گے نیک اعمال والے الگ اور بُرے اعمال والے الگ ہوں گے۔

پھر فرمایا: مَنۡ كَفَرَ فَعَلَيۡهِ كُفۡرُهٗ (کہ جو شخص کفر کرے اس کا وبال اسی پر پڑے گا) وَمَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنۡفُسِهِمۡ يَمۡهَدُوۡنَ (اور جو شخص نیک کام کرے سو ایسے لوگ اپنی ہی جانوں کے لئے راہ ہموار کر رہے ہیں) یعنی پیشگی سامان کر رہے ہیں۔ لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡ فَضۡلِهٖ (تا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے فضل سے جزا دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے) اللہ تعالیٰ کے اس فضل سے کافر محروم ہوں گے۔ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ (بلاشبہ اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا) جب دنیا میں کافر اللہ کی ذات پر ایمان نہ لائے اُس کے انعامات کا شکر یہ ادا نہ کیا اور مزید یہ کیا کہ دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کر لیا تو قیامت کے دن اس کی سزا پائیں گے، ایمان لاتے تو اللہ کے محبوب ہوتے، اب انہیں کفر کی سزا دی جائے گی اور دوزخ میں داخل ہوں گے۔

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ يُّرۡسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيۡقَكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَلِتَجۡرِىَ الۡفُلۡكُ بِاَمۡرِهٖ

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو خوشخبری دیتی ہیں تا کہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے اور تا کہ کشتیاں اس کے حکم سے

وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوۡمِهِمۡ

جاری ہوں اور تا کہ تم اس کے فضل کو تلاش کرو اور تا کہ تم شکر ادا کرو، اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو ان کی قوم کی طرف بھیجا

فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَانۡتَقَمۡنَا مِنَ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۴۷﴾

سو وہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے پھر ہم نے اُن لوگوں سے انتقام لے لیا جنہوں نے جرم کئے اور اہل ایمان کو غالب کرنا ہمارے ذمہ ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِىۡ يُرۡسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيۡرُ سَحَابًا فَيَبۡسُطُهٗ فِى السَّمَآءِ كَيۡفَ يَشَآءُ وَيَجۡعَلُهٗ كِسَفًا

اللہ وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو جو اٹھاتی ہیں بادل کو پھر وہ اس کو آسمان میں پھیلا دیتی ہیں جیسے اللہ چاہے اور وہ بادل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے

فَتَرَى الۡوَدۡقَ يَخۡرُجُ مِنۡ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَاۤ اَصَابَ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمۡ

پھر اے مخاطب تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس کے اندر سے نکلتی ہے پھر وہ اس مینہ کو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے پھر

يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يُّنَزَّلَ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمُبۡلِسِيۡنَ ﴿۴۹﴾

وہ خوشی کرنے لگتے ہیں۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے کہ ان پر پانی اتارا جائے نا اُمید ہو گئے تھے

فَانۡظُرۡ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحۡمَتِ اللّٰهِ كَيۡفَ يُحۡىِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحۡىِ الۡمَوۡتٰى ۚ وَهُوَ

سو دیکھ لو اللہ کی رحمت کے آثار کو وہ کیسے زندہ فرماتا ہے زمین کو اس کی موت کے بعد، بلاشبہ وہی مردوں کو زندہ فرمانے والا ہے اور وہ

عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنۡ اَرۡسَلۡنَا رِيۡحًا فَرَاَوۡهُ مُصۡفَرًّا لَّظَلُّوۡا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ يَكۡفُرُوۡنَ ﴿۵۱﴾

ہر چیز پر قادر ہے اور اگر ہم اُن پر دوسری قسم کی ہوا چلا دیں پھر یہ اپنی کھیتی کو ایسی حالت میں دیکھیں کہ پیلی پڑ گئی ہو سو یہ ناشکری کرنے لگیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے اور بارش برساتا ہے' وہی مردوں کو زندہ فرمائے گا

تفسیر: ان آیات میں اول تو ہواؤں کا ذکر فرمایا جن کے چلنے سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ بارش آنے والی ہے' یہ ہوائیں بارش آنے سے پہلے بارش کی خوشخبری دے دیتی ہیں' پھر جب بارش ہو جاتی ہے انسان ان کے منافع سے مستفید ہوتے ہیں' ان منافع میں سے یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ بادبانی کشتیاں چلتی ہیں۔ جب ان کشتیوں میں سوار ہو کر سفر کرتے ہیں تو ان سفروں میں اللہ تعالیٰ کا رزق بھی تلاش کرتے' تجارت کے لئے بھی مال لاتے ہیں اور آل اولاد کے کھانے پینے کے لئے بھی' ان سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے انعامات بھی ہیں اور اس کی قدرت کے دلائل بھی ہیں' ان دلائل کے ذریعہ اُسے پہچانیں اور اُس کی جو نعمتیں ہیں اُن کا شکر ادا کریں۔ اُس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا' واضح دلائل پیش کئے لیکن جنہیں ماننا نہ تھا انہوں نے نہ مانا' انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور کفر پر جمے رہے اُن کے جرم کی وجہ سے ہم نے انتقام لے لیا۔ وہ انتقام یہ تھا کہ یہ مجرمین ہلاک ہوئے اور اہل ایمان عذاب سے محفوظ رہے۔ جو لوگ آپ ﷺ کی مخالفت کر رہے ہیں وہ بھی مجرم ہیں ان سے بھی انتقام لیا جائے گا۔ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (اور اہل ایمان کی مدد کرنا ہمارے ذمہ ہے) اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرما دیا اور یہ وعدہ فرمایا کہ جس طرح ہم نے گذشتہ زمانوں میں مؤمنین کی مدد کی ہے اسی طرح آئندہ بھی مؤمنین کی مدد ہوتی رہے گی البتہ مدد میں حکمت کے موافق دیر بھی لگ جاتی ہے جیسا کہ انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اُمتوں کے ساتھ ہوا ہے لہٰذا اہل ایمان کو نا اُمید اور اُداس نہ ہونا چاہئے اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ دُنیا ہی میں مدد ہو جائے۔ سب سے بڑی مدد یہ ہے کہ موت کے بعد انسان دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں چلا جائے۔ دنیا میں جو صبر شکر کے ساتھ زندگی گذاری اور نیک اعمال کئے یہ جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ بنیں گے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی مسلمان نے اپنے بھائی کی آبرو کی طرف سے دفاع کیا (یعنی بے آبرو کرنے والے کو جواب دیا) تو یہ بات اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ اس دفاع کرنے والے سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کو دور رکھیں گے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ تلاوت فرمائی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۴)

درمیان میں بطور جملہ معترضہ تسلی دینے کے طور پر کافروں سے انتقام لینے اور اہل ایمان کی مدد فرمانے کا تذکرہ فرمانے کے بعد پھر ہواؤں کے ارسال فرمانے اور ان کے بعض منافع کا تذکرہ فرمایا۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ وہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے' یہ ہوائیں بادلوں کو اُٹھا کر لاتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان بادلوں کو جیسے چاہے پھیلا دیتا ہے اور کبھی اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر ان بادلوں سے بارش کو نکالتا ہے' بارش آتی ہے تو دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ بادل کے اندر سے بارش آ رہی ہے اسی کو فرمایا: فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (پھر اللہ اس بارش کو اپنے بندوں میں سے جسے چاہے پہنچا دیتا ہے جنہیں بارش پہنچ گئی وہ خوش ہوتے ہیں) وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ

اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ (اور یہ بات واقعی ہے کہ وہ لوگ اس سے پہلے نا اُمید ہو چکے تھے) نا اُمیدوں کو اُمیدیں برلانا یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے بارش آنے پر خوشی بھی منائیں اور شکر بھی ادا کریں۔ (قرطبی)

پھر فرمایا: فَانْظُرْ اِلٰٓی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ (الآیۃ) (کہ اے مخاطب تو اللہ کے آثار کو دیکھ لے کہ وہ زمین کو اس کی موت کے بعد کیسے زندہ کرتا ہے) اس زمین کو بار بار زندہ فرماتا ہے بلاشبہ وہ وہی مردوں کو زندہ فرمانے والا ہے۔ زمین کی نظیر سب کے سامنے ہے پھر مردوں کو زندہ کئے جانے میں تردد اور تامل کیوں ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی نے زمین کو بار بار زندہ فرمایا ہے وہ ہی مردوں کو زندہ فرمائے گا۔ اس میں منکرین بعث بعد الموت کو تنبیہ ہے کہ بار بار اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھتے ہو پھر قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہو کر قبروں سے نکلنے کا کیوں انکار کرتے ہو؟

اس کے بعد فرمایا: وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا (الآیۃ) اور اگر ہم خاص قسم کی ہوا چلا دیں جس سے ان کی کھیتیاں زرد نظر آنے لگیں یعنی اُن کی سرسبزی اور شادابی جاتی رہے اور پتے پیلے پڑ جائیں سو اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں گے یعنی پچھلی نعمتوں کو بھول جائیں گے اور نئی صورتحال دیکھ کر ناشکری پر اُتر آئیں گے۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ

سو آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو پکار سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پشت پھیر کر چل دیں اور آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے ہٹا کر

عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾

ہدایت نہیں دے سکتے، آپ اُسی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لائے سو وہ ماننے والے ہیں

آپ مردوں اور بہروں کو نہیں سنا سکتے اور اندھوں کو ہدایت نہیں دے سکتے

تفسیر: یعنی آپ کے جو مخاطبین ہیں آپ ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کرتے ہیں، اُن کے سامنے دلائل پیش کرتے ہیں، یہ سننے کا ارادہ ہی نہیں کرتے۔ جس طرح آپ مردوں کو اور بہروں کو نہیں سُنا سکتے جبکہ یہ بہرے پیٹھ پھیر کر چل دیں اور اشارہ کو بھی نہ دیکھیں، اسی طرح یہ لوگ ہیں ان کا سننے کا ارادہ ہی نہیں ہے، مردوں کی طرح بنے ہوئے ہیں، پھر یہ لوگ اندھے بھی بنے ہوئے ہیں، راہ پر آنے کو تیار ہی نہیں لہٰذا آپ کی ہدایت دینے سے ہدایت پر نہ آئیں گے۔ (صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ)

آپ تو بس اُنہیں لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو اللہ کی آیات پر یقین رکھتے ہیں اور اس یقین کی وجہ سے وہ فرمانبردار بنے ہوئے ہیں۔ اس میں امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے کہ جو لوگ آپ کی باتیں سُنکر اَن سنی کر دیتے ہیں اور گونگے بہرے بنے ہوئے ہیں آپ اُن کی حالت پر غم نہ کریں اور اُن سے ایمان کی اُمید نہ رکھیں آپ کا کام دعوت دینا اور حق کو ظاہر کر دینا ہے، جو لوگ دعوتِ حق قبول نہ کریں اور اُن کی اپنی گمراہی ہے۔

آیت کریمہ میں جو فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى فرمایا ہے اس کے بارے میں سورۂ نمل کی آیت اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ کے ذیل میں ضروری بحث گذر چکی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ضعف کی حالت میں پیدا فرمایا پھر ضعف کے بعد قوت پیدا کر دی، پھر قوت کے

بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾

بعد ضعف اور بڑھاپا پیدا فرما دیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے وہ خوب جاننے والا ہے بڑی قدرت والا ہے

انسان ضعف وقوت کے مختلف احوال سے گذرتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہوتا ہے

تفسیر: اس آیت میں انسان کی پیدائش اور اس کی قوت وضعف کی حالت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو ایسی حالت میں پیدا فرمایا کہ تم کمزور تھے یعنی بچے تھے پھر ضعف کے بعد قوت سے نواز دیا، انسان پہلے دودھ پیتا بچہ ہوتا ہے حرکت کے قابل بھی نہیں ہوتا، پھر ہاتھ پاؤں چلاتا ہے، نظریں گھماتا ہے، اپنے گھر والوں کو پہچانتا ہے، پھر لیٹے لیٹے پلٹیں کھانا شروع کر دیتا ہے، پھر ٹیک لگا کر بیٹھنے کے قابل ہوتا ہے، پھر بغیر سہارے کے بیٹھنے لگتا ہے، پھر گھٹنوں کے بل چلنا شروع کر دیتا ہے، پھر سہارے سے کھڑا ہوتا ہے ایک دو قدم چلنا شروع کرتا ہے پھر بلا سہارہ چلنا شروع کر دیتا ہے۔ ضعف کے احوال سے گذرتا ہوا جوانی میں داخل ہوتا ہے، جوانی کا زمانہ قوت اور طاقت کا ہوتا ہے، جسمانی طاقت بھی اچھی ہوتی ہے اور بچپن اور بڑھاپے کے مقابلہ میں عقل وفہم وادراک بھی جوانی میں زیادہ ہوتا ہے، (گو بعض مرتبہ بڑھاپے میں ارذل العمر آنے سے پہلے پہلے تجربات کی بناء پر سوچ سمجھ کی قوت زیادہ ہوتی ہے) جب بڑھاپا آ جاتا ہے تو پھر کمزوری آ جاتی ہے بال بھی سفید ہو جاتے ہیں اور جیسے جیسے بڑھاپا بڑھتا جاتا ہے کمزوری بھی بڑھتی جاتی ہے، پھر ارذل العمر یعنی گھٹیا ترین نکمی زندگی کو پہنچ جاتا ہے اور بچپن والا ضعف آ جاتا ہے، ہوش وحواس بھی باقی نہیں رہتے، واپس ہو کر پھر اسی ضعف پر پہنچ جاتا ہے جو بچپن میں تھا۔ اسی کو سورۂ یٰسین میں فرمایا، وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ (اور ہم جس کو زیادہ عمر دیتے ہیں اُس کی خلقی حالت میں واپس کر دیتے ہیں، کیا وہ نہیں سمجھتے؟)

یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ (اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے) وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ (اور وہ خوب جاننے والا ہے اور بڑی قدرت والا ہے) اُسے سب کے احوال اور اعمال کا علم ہے اور اُسے پوری طرح سے قدرت ہے جس طرح چاہے پیدا فرمائے اور جس حالت میں رکھے اُسے پورا اختیار ہے۔

وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرمین قسم کھائیں گے کہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے وہ اسی طرح سے دنیا میں اُلٹے چلائے جاتے تھے

وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى یَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا یَوْمُ

اور جن کو علم اور ایمان دیا گیا وہ کہیں گے کہ بلاشبہ تم اللہ کے نوشتہ میں بعث کے دن تک ٹھہرے ہو سو یہ

الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَیَوْمَىٕذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ

بعث کا دن ہے اور لیکن تم نہیں جانتے' سو اُس دن ظالموں کو اُن کی معذرت نفع نہ دے گی اور نہ انہیں اس کا

یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

موقع دیا جائے گا۔

قیامت کے دن مجرمین کی جھوٹی قسما دھرمی اور اہل ایمان کی حق بیانی

تفسیر: یہ تین آیات ہیں' پہلی آیت میں یہ بتایا کہ جب قیامت قائم ہوگی اور زندہ ہو کر قبروں سے نکلیں گے تو اس وقت مجرمین یعنی کافر لوگ قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم تو موت کے بعد قبروں میں تھوڑی سی ہی دیر رہے ہیں۔ اور بعض مفسرین نے بتایا کہ اس سے دنیا کی زندگی مراد لیں گے اور ان کے کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا میں ہم ذرا دیر ہی رہے تھے' عمریں تو اچھی خاصی گذاریں لیکن ایمان نہ لائے اور نیک عمل نہ کئے' اتنی بڑی زندگی بے کار ہی چلی گئی' جو چیز زیادہ ہو اور اس سے نفع نہ اٹھایا جائے تو وہ قلیل مانی جاتی ہے جیسا کہ قلیل چیز نفع مند ہو تو اسے کثیر کہا جاتا ہے۔ (ذکرہ صاحب الروح)

ان لوگوں کا یہ کہنا کہ ہم دنیا میں یا برزخ میں صرف ذرا دیر ہی رہے جھوٹ ہی ہوگا اور یہ ان کا پہلا جھوٹ نہیں ہوگا بلکہ دنیا میں جب ان کے سامنے حق آتا تھا تو اس سے اعراض کرتے تھے اور اس کی تکذیب کرتے تھے اور اُلٹی ہی چال چلتے تھے' شیطان اور نفس انہیں حق کی تکذیب پر آمادہ کرتے تھے۔ جن لوگوں کو اللہ نے علم دیا اور ایمان دیا (ان میں فرشتے بھی ہیں اور بنی آدم میں سے وہ افراد بھی ہیں جنہیں علم اور ایمان کے لئے منتخب فرمالیا) یہ حضرات ان سے یوں کہیں گے کہ تم اللہ کے نوشتہ میں یعنی اللہ کی کتاب میں بعث کے دن تک ٹھہرے رہے ہو' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا تھا اور اپنی کتاب میں جو وَمِنْ وَّرَآىٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ فرما دیا تھا تم اسی کے مطابق بعث کے دن تک ٹھہرے رہے ہو۔ یَوْمُ الْبَعْثِ سے قبروں سے اُٹھائے جانے کا دن مراد ہے۔

اہل علم وایمان مجرمین سے خطاب کرتے ہوئے یوں کہیں گے کہ یہ یَوْمُ الْبَعْثِ ہے' قبروں سے زندہ ہو کر اٹھائے جانے کا دن ہے' تم جس کے منکر تھے وہ سامنے آ گیا اور آج واضح ہو گیا کہ تمہارا انکار کرنا باطل تھا لیکن تم نہیں جانتے تھے' جو حضرات قیامت واقع ہونے اور وہاں کی پیشی ہونے کی باتیں کرتے تھے تم ان کو جھٹلاتے تھے اور مذاق اڑاتے تھے' ان کی بات مانتے تو تمہیں آج کے دن کا اور آج کے دن کے حالات کا علم ہوتا۔

تیسری آیت میں فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا' کفر اختیار کیا' قیامت کے دن پر ایمان نہ لائے اب جو بھی کوئی معذرت کریں وہ قبول نہیں ہوگی اور معذرت انہیں کوئی نفع نہ دے گی اور نہ ان کو اس کا موقع دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیں کیونکہ کفر پر مرنے کے بعد توبہ کرنے کا کوئی موقع نہیں اور ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کبھی راضی نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے عمدہ مضامین بیان کر دیئے ہیں اور اگر آپ ان کے پاس کوئی بھی نشانی لے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

آئیں تب بھی وہ لوگ جو کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم لوگ صرف باطل والے ہو۔ جو لوگ نہیں جانتے ان کے دلوں پر اللہ یوں ہی مہر کر دیتا ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝

سو آپ صبر کیجئے' بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور جو لوگ یقین نہیں کرتے وہ لوگ آپ کو بے برداشت نہ بنا دیں۔

قرآن عمدہ مضامین پر مشتمل ہے' معاندین کو حق ماننا نہیں ہے آپ صبر سے کام لیں' اللہ کا وعدہ حق ہے

تفسیر: یہ تین آیات کا ترجمہ ہے۔ اوّل تو یہ بتایا کہ ہم نے اس قرآن میں ہر طرح کی عمدہ باتیں بتا دی ہیں ان میں جو کوئی شخص غور و فکر کرے گا تو اُس کے ذہن پر یہ وارد ہوگا کہ قرآن حق ہے اور قرآن کا ہر بیان حق ہے' قرآن اور صاحب القرآن ﷺ کی دعوت حق ہے' لیکن جو لوگ انکار پر تلے ہوئے ہیں اور ضد و عناد اور ہٹ دھرمی پر کمر باندھ رکھی ہے وہ بات ماننے والے نہیں ہیں' یہ قرآن خود ایک معجزہ ہے' اس کے علاوہ بھی جتنے معجزے اور آیات آپ پیش فرما دیں کافر لوگ آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کے بارے میں یوں ہی کہیں گے کہ تم لوگ باطل والے ہو۔

اہل باطل کا یہ طریقہ ہے کہ خود بھی حق قبول نہیں کرتے اور اہل حق کو اہل باطل بتاتے ہیں' ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے' جیسے ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اسی طرح اللہ اُن لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے جو نہیں جانتے یعنی جاننا نہیں چاہتے اور حق قبول کرنے کے بجائے اپنی خرافات پر ہی مصر رہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو مکذبین و معاندین کی باتوں سے تکلیف ہوتی تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ صبر کیجئے بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے' اُس نے جو آپ سے مدد کا اور دین اسلام کو غالب کرنے کا اور کلمۂ حق کو بلند کرنے کا وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور پورا ہوگا' آپ کے صبر میں فرق نہ آئے پوری طرح ثابت قدم رہیں' یہ لوگ جو یقین نہیں کرتے' آپ کی دعوت کو نہیں مانتے' اُن کے اس طرزِ عمل سے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے پائے ثبات میں لغزش آ جائے' یہ لوگ آپ کو بے صبری پر آمادہ نہ کر دیں۔

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ لقمان مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چونتیس (۳۴) آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

الٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۲ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝۳ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

الٓمّٓ ۝ یہ قرآن حکیم کی آیات ہیں جو اچھے کام کرنے والوں کے لئے ہدایت ہے اور رحمت ہے' جو نماز قائم کرتے ہیں

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ

اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں' یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵

اور یہی لوگ کامیاب ہیں

قرآن مجید محسنین کے لئے ہدایت اور رحمت ہے

تفسیر: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ سورۂ لقمان مکہ معظمہ میں نازل ہوئی' اور ان کا ایک قول یہ ہے کہ پوری سورت میں سے تین آیات وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ سے لے کر اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ تک مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔

الٓمّٓ ۝ یہ حروف مقطعات میں سے ہے کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ یہ کتاب حکیم یعنی قرآن کریم کی آیات ہیں پر حکمت ہیں۔ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ یہ قرآن اچھے کام کرنے والوں کے لئے ہدایت ہے اور رحمت ہے۔ ہدایت اور رحمت تو سارے انسانوں کے لئے ہے لیکن سب اسے قبول نہیں کرتے' قبول کرنے والے وہی لوگ ہیں جو صفتِ احسان سے متصف ہیں' اُن کے قلوب صالح ہیں' نیتوں میں اخلاص ہے' اس لئے قرآن کو سنکر اس کی ہدایت کو قبول کر لیتے ہیں پھر اس کی ہدایت کے مطابق زندگی گذا تے ہیں' اور یہ قرآن کے مطابق زندگی گزارنا ان کے لئے رحمت کا باعث بن جاتا ہے ان محسنین کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا' الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ کہ یہ لوگ نماز قائم کرتے ہیں وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ اور یہ لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ در حقیقت اقامت صلوٰۃ اور ادائیگی زکوٰۃ یہ دونوں اسلام کے اہم رُکن ہیں جن کا درجہ توحید اور رسالت پر ایمان لانے کے بعد ہے' باقی دو رُکن یعنی صیامِ رمضان اور حج بیت اللہ اسلام کے ارکان تو ہیں لیکن ان کا درجہ نماز اور زکوٰۃ کے بعد ہے' نماز اور زکوٰۃ کی پابندی ہی رہے اور آخرت کا مضبوط یقین ہو تو انسان اسلام کے دوسرے احکام پر آسانی چل سکتا ہے

اوران کی ادائیگی کے لئے اپنے نفس کو آمادہ کر سکتا ہے۔ ایسے حضرات کے بارے میں فرمایا کہ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ یہ حضرات اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور یہ وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔ (اصل کامیاب آخرت کی کامیابی ہے یعنی دوزخ سے بچ جانا اور جنت میں داخل ہونا) جنہیں دنیا ہی میں اس کی بشارت دے دی گئی ان کا عظیم مرتبہ ہے یہ مضمون سورۂ بقرہ کے شروع میں بھی گذر چکا ہے۔

چونکہ آیت بالا میں زکوٰۃ دینے کا بھی ذکر ہے اس لئے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ آیات بھی مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اور اس بات کی بنیاد اس پر ہے کہ زکوٰۃ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی۔ اور جن حضرات نے مذکورہ بالا آیات کو مکی کہا ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ زکوٰۃ بھی مکہ معظمہ میں فرض ہو گئی تھی البتہ اس کے تفصیلی احکام مقادیر نصاب وغیرہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئے لیکن اگر زکوٰۃ سے عام صدقہ مراد لے لیا جائے جیسا کہ چند صفحات پہلے سورۂ روم کی آیت وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ کے ذیل میں گذر چکا ہے تو پھر ان آیات کو بھی مکی کہنے میں کوئی تأمل نہیں رہتا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ

اور بعض ایسے لوگ ہیں جو ان باتوں کو خریدتے ہیں جو کھیل کی باتیں ہیں تاکہ بغیر علم کے اللہ کے راستے سے ہٹائیں اور اللہ کی راہ کا مذاق بنائیں

وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا

اور لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے اور جب ایسے شخص پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو تکبر کرتے ہوئے پیٹھ پھیر دیتا ہے

كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

گویا کہ اس نے ان کو سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں بوجھ ہے سو آپ اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اور نیک عمل کئے ان کیلئے نعمتوں والے باغ ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اللہ نے سچا وعدہ فرمایا ہے اور وہ عزیز ہے حکیم ہے

قرآن کے دشمنوں کی حرکتیں، اُن کیلئے عذاب مہین کی وعید

تفسیر: قرآن پر ایمان لانے والوں کے اعمال اور ان کے ہدایت پر ہونے اور آخرت پر کامیاب ہونے کی بشارت دینے کے بعد قرآن کا انکار کرنے والوں اور اس کے مقابلہ میں بعض چیزیں اختیار کرنے والوں کا شغل پھر ان کے عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے جو قرآن کے مخالف رویہ رکھتے ہیں اور قرآن سے خود بھی دور رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لھوالحدیث ہر وہ بات جو اللہ کی یاد سے غافل کرے اور کھیل میں لگائے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے لَهْوَ الْحَدِيْثِ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: هو كل ما شغلك عن عبادة الله تعالىٰ وذكره یعنی ہر وہ چیز جو اللہ کی عبادت سے ہٹائے وہ لھو الحدیث ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے غِناء یعنی گانا بجانا مراد ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی یہ بات منقول ہے۔ حضرت مکحول تابعیؒ نے فرمایا

کہ لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے گانے بجانے والی لونڈیاں مراد ہیں۔ (روح المعانی)

آیت بالا کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے کئی باتیں منقول ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ نضر بن حارث (جو مشرکین مکہ میں سے اسلام کے بڑے کٹر دشمنوں میں سے تھا) نے ایک گانے والی باندی خرید لی تھی اُسے جس کسی کے بارے میں یہ خبر ملتی تھی کہ وہ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر رہا ہے تو وہ اسے اس لونڈی کے پاس لے جاتا تھا اور اس لونڈی سے کہتا تھا کہ اس شخص کو کھلا پلا اور گانا سنا، پھر جس شخص کو ساتھ لے جاتا تھا اس سے کہتا تھا کہ یہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تجھے محمد ﷺ دعوت دیتے ہیں، وہ تو کہتے ہیں کہ نماز پڑھ روزے رکھ اور ان کے ساتھ مل کر اُن کے دشمنوں سے جنگ کر، اس پر آیت کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ نازل ہوئی۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ نضر بن حارث تجارت کیلئے فارس جاتا تھا وہاں سے عجمیوں کی کتابیں خریدتا تھا پھر انہیں مکہ معظمہ میں لا کر قریش کو سناتا تھا اور کہتا تھا کہ محمد ﷺ تمہیں عاد اور ثمود کی باتیں سناتے ہیں اور میں تمہیں رُستم اور اسفندیار اور فارس کے بادشاہوں کی خبریں سناتا ہوں، لوگوں کو یہ باتیں پسند آتی تھیں اور قرآن کے بجائے ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے، اس پر آیات بالا نازل ہوئی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ابن خطل نے یہ حرکت کی تھی کہ اُس نے گانے والی باندی خریدی تھی جو ایسے گانے گاتی تھی جو مسلمانوں کو اور اسلام کو برے الفاظ سے ذکر کرنے پر مشتمل ہوتے تھے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جو فرمایا کہ لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے ہر وہ چیز مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اور اُس کے ذکر سے ہٹائے یہ لُغت کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے اور حدیث شریف سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كُل شيءٍ يَلْهُوْبه الرَّجُلُ بَاطِلًا اِلَّا رَمْيَهُ بِقَوْسِه وَتادِيبَهُ فَرَسَهُ وَملا عَبتَه امرأتهُ فانهن من الحق (رواہ الترمذی وابن ماجہ کمافی المشکوٰۃ ص ۳۳۷) مطلب یہ ہے کہ تین چیزوں کے علاوہ جو بھی کوئی لہو کا کام کوئی شخص کرتا ہے تو وہ باطل ہے ہاں تین کھیل ایسے ہیں جو درست ہیں (۱) اپنی کمان سے تیر پھینکنے کی مشق کرنا (۲) گھوڑے کو سدھانا (یہ دونوں جہاد کے کام میں آتے ہیں جو دینی ضرورت ہے) (۳) اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کرنا (جو نفس و نظر کو پاک رکھنے کا ذریعہ ہے)

گانے بجانے کی مذمت و حرمت: لہو و لعب میں ہر طرح کا جوا اور تاش کھیلنا اور ہر وہ شغل آ جاتا ہے جو شرعاً ممنوع ہو اور جو نماز سے اور اللہ کے ذکر سے غافل کرتا ہو۔ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے اچھی آواز دی ہو اور وہ قرآن مجید کی تلاوت کرے یا نعت کے اشعار پڑھے (جس میں بجانے کا سامان بالکل نہ ہو) یا عبرت کے لئے کچھ اشعار پڑھے تو یہ جائز ہے۔ گندے گانے، عشقیہ غزلیں اگرچہ ان کے ساتھ بجانے کا سامان نہ ہو یہ سب ممنوع ہیں، اس قسم کے گانوں کو بعض اکابر نے رُقيةُ الزّناء (زنا کا منتر) فرمایا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِيْ الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ (کہ گانا دل میں نفاق کو اگاتا ہے جیسے پانی کھیتی کو اگاتا ہے) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۱)

اگر عشقیہ غزلیں نہ ہوں تو پھر شعر پڑھنے والا خوش آواز ہو تب بھی اسے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ میرے آس پاس کون ہے اگر عورتیں آواز سن رہی ہوں تو پھر شعر نہ پڑھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ انجشہؓ ایک صحابی تھے وہ سفر میں جا رہے تھے۔

عرب کا طریقہ تھا کہ سفر میں اونٹوں کو مست کرنے اور اچھی رفتار سے چلانے کے لئے بلند آواز سے شعر پڑھتے ہوئے جاتے تھے۔ انجشہؓ خوش آواز آدمی تھے انہوں نے اونٹوں کی رفتار جاری رکھنے کے لئے اشعار پڑھنا شروں کئے جسے حدی پڑھنا کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کی آواز سن لی اور فرمایا کہ اے انجشہ! ٹھہر جاؤ شیشوں کو نہ توڑو۔ راوی قتادہؓ نے شرح کرتے ہوئے بتایا کہ شیشوں سے عورتیں مراد ہیں جو جلدی متاثر ہو جاتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۰)

دیکھو حضرت انجشہؓ اونٹوں کو سنانے کے لئے اشعار پڑھ رہے تھے چونکہ وہاں عورتیں بھی تھیں اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ٹوک دیا۔

آجکل تو گانا بجانا جزو زندگی بن چکا ہے، حلق سے لقمہ ہی تب اترتا ہے جب گانے کی کیسٹ لگا کر کھانا شروع نہ کریں۔ اور آجکل تو ہر گھر کوٹی وی نے ناچ گھر اور گانا گھر بنا دیا ہے، چھوٹے بڑے مل کر سب گانا سنتے ہیں جس کی وجہ سے فرض نمازیں تک غارت کی جاتی ہیں اور اللہ کی یاد میں مشغول ہونے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ جن گھروں کو کبھی شریف گھرانہ سمجھا جاتا تھا آج ان گھرانوں کی بچیوں کو ناچ گانا سکھایا جاتا ہے اور ان کی ہمت افزائی کی جاتی ہے اور انہیں گلوکارہ اور فنکار کے القاب دیئے جاتے ہیں، پھر اوپر سے غضب یہ ہے کہ اسے اسلامی ثقافت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ گانے والی لونڈیوں کی فروخت نہ کرو اور انہیں (گانا) نہ سکھاؤ، اور ان کی قیمت حرام ہے۔ اور فرمایا اسی جیسے معاملے کے لئے آیت کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ نازل ہوئی۔

حضرت ابو الصہباء نے بیان کیا کہ میں نے اس آیت کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ قسم اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس آیت میں غناء یعنی گانے کی مذمت کی گئی ہے۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۴۹۰)

گانے بجانے کے شغل نے لوگوں کو بربادی کے گڑھے پر لا کر کھڑا کر دیا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ جو مصیبتیں آتی ہیں انہیں اپنی بدعملی کا نتیجہ نہیں سمجھتے اور اگر سمجھتے ہیں تو جھوٹی زبان سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے لیکن ان اعمال کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے، گناہوں میں جیسے لت پت تھے ایسے ہی مصیبتوں کے آنے پر ان میں مشغول رہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہم نے نفس ہی کو آگے رکھ لیا ہے، اسی کو امام بنا لیا ہے، اسے ناراض کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ضرور ایسے لوگ ہوں گے جو زنا کو اور ریشم کو اور شراب کو اور گانے بجانے کے سامان کو حلال کریں گے اور بہت سے ایسے لوگ ہوں گے جو ایک پہاڑ کے قریب قیام کریں گے ان کے جانور شام کو ان کے پاس پہنچا کریں گے، ان کے پاس ایک شخص کسی ضرورت سے آئے گا تو اس سے کہیں گے کہ کل کو آنا، پھر کل آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک فرما دے گا اور ان پر پہاڑ گر پڑے گا اور ان میں سے کچھ لوگوں کو قیامت کے دن تک کے لئے بندر خنزیر بنا دے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۶ از صحیح بخاری)

ارشاد نبوی (ﷺ) کہ میں گانے بجانے کی چیزیں مٹانے کیلئے آیا ہوں: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جہانوں کے لئے رحمت بنا

کر اور جہانوں کے لئے ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کے آلات کو اور بتوں کو اور صلیب کو (جسے عیسائی پوجتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹا دوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۸) اب نام نہاد مسلمانوں کو دیکھو کہ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ جن چیزوں کو مٹانے کے لئے تشریف لائے انہیں چیزوں کو آنحضرت ﷺ کی نعت سننے میں استعمال کرتے ہیں، پھر اوپر سے ثواب کی امید کرتے ہیں۔ نفس وشیطان نے ایسا مزاج بنا دیا ہے کہ قرآن وحدیث کا قانون بتانے والوں کی بات ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ راتوں رات ہارمونیم اور سارنگی پر اشعار سنتے ہیں اور ساری رات اس کام میں مشغول رہتے ہیں جس کے مٹانے کے لئے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور رات بھر قوالی سن کر فجر کی آذان ہوتے ہی نماز پڑھے بغیر سو جاتے ہیں۔ دیکھ لو یہ ہیں حب نبوی کے متوالے جنہیں فرض نمازوں کے غارت کرنے پر ذرا بھی ملال نہیں، خدارا انصاف کرو یہ راتوں کو جاگنا نبی اکرم ﷺ کی نعت سننے کے لئے ہے یا آپ کا اسم گرامی استعمال کر کے نفس وشیطان کو لذیذ گانے کی غذا دینے کے لئے ہے؟

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اَلْجَرَسُ مَزَامِیْرُ الشَّیْطَانِ [1] (گھنٹیاں شیطان کے باجے ہیں) اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ: لَا تَصْحَبُ الْمَلٰٓئِکَۃُ رُفْقَۃً فِیْھَا کَلْبٌ وَّلَا جَرَسٌ [2] (جن لوگوں کے ساتھ کتا یا گھنٹی ہو رحمت کے فرشتے ان کے ساتھ نہیں رہتے) ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ: مَعَ کُلِّ جَرَسٍ شَیْطَانٌ [3] (ہر گھنٹی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک لڑکی داخل ہونے لگی، اس کے پاؤں میں بجنے والا زیور تھا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس لڑکی کو میرے پاس ہرگز نہ لائیں جب تک اس کے جھانجن نہ کاٹ دیئے جائیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جس گھر میں گھنٹی ہو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

بات یہ ہے کہ گانے بجانے کا دھندا شیطانی دھندا ہے، جو لوگ شیطانی اعمال کرتے ہیں انہیں بجنے بجانے والی چیزوں سے محبت اور رغبت ہوتی ہے، اسی لئے دیکھا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے مندروں اور نصاریٰ کے گرجوں میں اور ان تمام مواقع میں جہاں شیطان کا راج ہو گانے بجانے کا انتظام اور اہتمام ہوتا ہے، شیطان ان سے گانے گواتا ہے اور باجے بجواتا ہے اور خود بھی سنتا ہے اور مزے لیتا ہے۔

جاہل پیروں کی بد عملی: بعض لوگ جو پیری مریدی کا پیشہ کرتے ہیں وہ اپنی خانقاہوں میں اور قبروں پر ساز سارنگی اور ہارمونیم اور طبلہ بجانے کا خاص اہتمام کرتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ اس کو کار خیر سمجھتے ہیں اور بزرگوں کا طریقہ بتاتے ہیں، حالانکہ جن بزرگوں سے نعتیہ اشعار سننا منقول ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ ایسی محفلوں میں شریک ہونے کی شرط یہ ہے کہ "بجانے کا سامان نہ ہو اور بے ریش لڑکے نہ ہوں اور عورتیں نہ ہوں" اگر کسی شخص نے ساز اور سارنگی کے ساتھ قوالی سن لی (اگرچہ پیر بنتا ہو) تو اس کا یہ عمل کیسے دلیل بن سکتا ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا کہ میں گانے بجانے کے سامان کو مٹانے کے لئے آیا ہوں۔ اسلام میں جب بجتا ہوا زیور گوارا نہیں اور جانوروں کے گلے میں گھنٹی ڈال دی جاتی ہے وہ بھی برداشت نہیں تو گانے بجانے کا اہتمام کرنا اور اس کے لئے جمع ہونا کیسے گوارا ہو سکتا ہے؟

حضرت نافعؒ نے بیان کیا کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جا رہا تھا انہوں نے مزمار کی آواز سنی (جو

---

[1]-[2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۸ رواہما مسلم [3] مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۷۹

بجانے کی چیز تھی) یہ آواز سنکر انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے دیں اور ایک جانب کو راستہ سے دور ہو گئے، پھر دور چلے جانے کے بعد دریافت فرمایا کہ اے نافع کیا آواز آ رہی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اب آواز نہیں آ رہی، اس پر انہوں نے اپنے کانوں سے انگلیاں ہٹا دیں اور فرمایا کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا کہ آپ نے ایک بانسری کی آواز سنی اور یہی عمل کیا ہے جو میں نے کیا ہے۔ واقعہ بیان کر کے حضرت نافعؒ نے فرمایا کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے میں اس وقت کم عمر تھا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۱ از احمد وابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے شراب سے جوے سے طبل سے اور غبیراء سے منع فرمایا۔ یہ اہل حبشہ کی ایک شراب تھی، اور فرمایا کہ ہر نشہ والی چیز حرام ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۸)

لَهْوَ الْحَدِيْثِ...... (جو چیز کھیل میں لگائے): اس کے عموم میں ہر چیز آ جاتی ہے، چونکہ سبب نزول میں گانے بجانے کی چیزوں کا بھی ذکر ہے اور یہ اللہ کے ذکر سے اور نماز سے غافل کرنے میں سب سے زیادہ بڑھ کر ہے اور بعض لوگ ساز اور سارنگی کے ساتھ قوالی سننے کو ثواب سمجھتے ہیں اس لئے مندرجہ بالا مضمون کو ہم نے اہتمام سے بیان کیا ہے اور گانے بجانے کے سلسلہ میں جو روایت سرسری طور پر سامنے آئی ہیں ان کو جمع کر دیا ہے، جو لوگ کسی بھی ایسے کام میں مشغول ہوں جو اللہ کی یاد سے ہٹائے یہ سب لَهْوَ الْحَدِيْثِ ہے۔

یاد رہے کہ لایعنی باتوں میں مشغول ہونے میں یہ نقصان بہرحال ہے کہ جتنی دیر میں یہ باتیں کی جائیں گی، تلاوت قرآن اور ذکر اللہ سے محروم رہے گا جو بہت بڑا نقصان ہے، مباح ہونا اور بات ہے اور ثواب سے محروم ہونا دوسری چیز ہے اور غیبت اور چغلی جھوٹ تو بہرحال حرام ہی ہے۔

لَهْوَ الْحَدِيْثِ میں بعض چیزیں حرام ہیں جن میں قمار یعنی جوا کھیلنا بھی شامل ہے اور بعض چیزیں مکروہ ہیں جن میں گناہ تو نہیں مگر وقت ضائع ہوتا ہے، اگر ضیافت طبع اور دماغ کی تفریح کے لئے کوئی شعر پڑھا جائے جو گندا نہ ہو تو یہ مباح ہے۔

شطرنج وغیرہ کا تذکرہ: شطرنج کے بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شطرنج سے وہی شخص کھیلے گا جو گنہگار ہوگا۔ اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ یہ باطل چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کو باطل چیز پسند نہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۷) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نرد سے کھیلا (جو شطرنج کی طرح کھیلنے کی ایک چیز تھی) سو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو کبوتر کے پیچھے لگا ہوا تھا، اسے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے جو شیطان کے پیچھے لگ رہا ہے، (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۶) روایات حدیث میں تاش کھیلنے کا ذکر نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں نہیں تھا، اگر ہار جیت کی شرط کے ساتھ ہو تو قمار یعنی جوا ہے، اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر قمار کے بغیر ہو تو بہرحال اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کرنے والا تو ہے ہی جیسا کہ تاش کھیلنے والوں کو دیکھا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ فرمایا ہے۔ اِشْتَرٰی کے لغوی معنی خریدنے کے ہیں اور ایک

کام کے بدلہ دوسرے کام کو اختیار کرنے کے لئے بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں آیت کریمہ میں جو یَشْتَرِیْ فرمایا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ بعض لوگ قرآن کو چھوڑ کر اس کے عوض لهو الحديث کو اختیار کر لیتے ہیں یعنی کھیلنے کی چیزوں میں لگ جاتے ہیں اور قرآن کریم کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، جس کی فضیلت سورۃ کے شروع کی دو آیتوں میں بیان فرمائی' قَالَ البغوي في معالم التنزيل اى يستبدل ويختار الغناء والمزامير والمعازف على القران ۔(ج ۳ ص ۴۹۰) (علامہ بغویؒ نے معالم التنزیل میں لکھا ہے "یعنی گانے بجانے اور لہو ولعب کے آلات کو قرآن کے بدلے میں لیتا ہے اور انہیں قرآن کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ
اللہ نے آسمانوں کو بلاستون پیدا فرمایا تم اُسے دیکھ رہے ہو اور زمین میں پہاڑ ڈال دیئے کہ وہ تم کو لے کر ڈانواں ڈول نہ ہو
وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۗ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ
اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلا دیئے' اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا سو ہم نے زمین میں ہر قسم کے اچھے پھل
كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ
اُگا دیئے۔ یہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں سو تم مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے کیا پیدا کیا جو اس کے علاوہ ہیں؟ بلکہ بات یہ ہے کہ ظالم لوگ
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾
کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں

آسمان وزمین اور پہاڑ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اس کے سوا کسی نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا

تفسیر: یہ دو آیتیں ہیں' پہلی آیت میں آسمان کی تخلیق اور زمین کے بعض احوال بیان فرمائے' اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بغیر ستون کے پیدا فرمایا ہے تم آسمانوں کو دیکھ رہے ہو کہیں بھی کوئی ستون نہیں ہے اتنے بڑے اور بھاری ساتوں آسمان محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قائم ہیں انہیں قائم رکھنے کے لئے اُسے ستون بنانے اور اُن پر قائم رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے بعد پہاڑوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں بڑے بڑے بھاری بھاری پہاڑ ڈال دیئے تا کہ وہ تمہیں لے کر حرکت نہ کریں اگر یہ پہاڑ نہ ہوتے تو سمندروں کے پانیوں کی وجہ سے جو اُسے گھیرے ہوئے ہیں اور سخت تیز ہواؤں کی وجہ سے زمین حرکت کرتی رہتی جب وہ حرکت کرتی تو بنی آدم بھی اس کے ساتھ متحرک ہوتے گرتے

پڑتے اور کوئی کام نہ کر پاتے' یوں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ پہاڑوں کے بغیر بھی زمین کو ہلنے جلنے سے محفوظ رکھے لیکن اس نے اسباب کے طور پر اس پر پہاڑ پیدا فرما دیئے۔ اسی لئے جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے تو پہاڑوں کے ہوتے ہوئے بھی زمین میں زلزلہ آ جاتا ہے اور قیامت کے دن تو زمین میں پوری طرح بھونچال آنا ہی ہے جسے اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا میں بیان فرمایا ہے۔ یاد رہے کہ آیت کریمہ میں جس حرکت کی نفی فرمائی ہے اس سے زلزلہ جیسی حرکت مراد ہے' اگر زمین کی حرکت مستدیرہ ہو جیسا کہ اہل سائنس کہنے لگے ہیں تو آیت کریمہ میں اس کی نفی نہیں ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ہر طرح کے چوپائے پیدا فرما دیئے' یہ چوپائے زمین پر پھیلے ہوئے ہیں' چرتے پھرتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں اور انسانوں کی ضرورت میں کام آتے ہیں' نیز اللہ تعالیٰ نے آسمان سے زمین پر پانی برسایا جو بار بار برستا ہے اور برستا رہتا ہے' اس پانی کی وجہ سے مختلف انواع کی چیزیں پیدا ہوتی رہتی ہیں جو انسانوں کے بھی کام آتی ہیں اور ان کے چوپایوں کو بھی ان میں سے چارہ ملتا ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ جو اوپر مذکور ہوا یہ سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے' جو ان چیزوں کا خالق ہے صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے سوا جو معبود تجویز کر رکھے ہیں وہ تو عاجز محض ہیں اگر انہوں نے کوئی چیز پیدا کی ہو تو دکھاؤ وہ کیا ہے۔ جب کائنات کا ذرّہ ذرّہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور تمہارے تجویز کیے ہوئے باطل معبود بھی اسی کی مخلوق ہیں اور ان کے عاجز ہونے کا یہ عالم ہے کہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے (لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ) تو انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ اللہ تعالیٰ کے سوا معبود تجویز کرنا صریح گمراہی ہے' اس بات کو واضح فرمانے کے لئے آیت کریمہ کو بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ پر ختم فرمایا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ

اور بلاشبہ ہم نے لقمان کو دانشمندی عطا فرمائی کہ اللہ کا شکر ادا کر' اور جو شخص شکر ادا کرے سو وہ اپنے ہی بھلے کے لئے شکر ادا کرتا ہے' اور جو

كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ

شخص ناشکری کرے تو اس میں شک نہیں کہ اللہ بے نیاز حمد کا مستحق ہے' اور جب لقمان نے نصیحت کرتے ہوئے اپنے بیٹے سے کہا کہ اے میرے بیٹا! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا'

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي

بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں تاکید کر دی' اس کی ماں نے ضعف پر ضعف برداشت کرتے ہوئے اُسے پیٹ میں رکھا

وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ

اور اس کا دودھ چھوٹنا دو سال میں ہے' یہ کہ تو میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی' میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے' اور اگر تیرے ماں باپ تجھ پر زور دیں کہ تو

عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ

میرے ساتھ شرک کرے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں تو ان کی فرمانبرداری نہ کرنا' اور ان کے ساتھ دنیا میں خوبی کے ساتھ رہنا'

وَّاتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَىَّ‌ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵﴾

اور جو شخص میری طرف متوجہ ہو اس کا اتباع کرنا پھر تم سب کو میری طرف لوٹنا ہے سو میں تمہیں ان اعمال سے باخبر کردوں گا جو تم کیا کرتے تھے

حضرت حکیم لقمان رحمۃ اللہ علیہ کے نصائح

تفسیر: اس رکوع میں حضرت لقمانؒ کا اور ان کی نصیحتوں کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں‘ درمیان میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو وصیت کی کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھی طرح پیش آئے۔

حضرت لقمانؒ کا تعارف: لقمانؒ کون تھے اور کس زمانہ میں تھے؟ اس بارے میں اصحاب سیر اور علمائے تفسیر نے کئی باتیں لکھی ہیں یہ سب باتیں اسرائیلیات میں سے ہیں صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بہن کے بیٹے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی خالہ کے بیٹے تھے‘ والد کا نام باعوراء اور عنقا لکھا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آزر کی اولاد میں سے تھے‘ ایک ہزار سال تک زندہ رہے اور داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان سے علم بھی حاصل کیا واقدی سے نقل کیا گیا ہے وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان جو زمانہ تھا اُس میں گذرے ہیں۔ پھر اس میں یہ اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا نہیں۔ حضرت عکرمہ اور شعبی سے نقل کیا ہے کہ وہ نبی تھے‘ بعض لوگوں نے انہیں حبشی بتایا ہے‘ ان کے آزاد اور غلام ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔**

ان کا شغل کیا تھا؟ اس بارے میں بھی متعدد اقوال ہیں: اول یہ کہ وہ نجار تھے یعنی بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ اور دوم یہ کہ گدے اور تکیے بناتے تھے۔ سوم یہ کہ درزی کا کام کرتے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ بکریاں چراتے تھے۔ یہ سب باتیں لکھنے کے بعد صاحب روح المعانی جلد ۲۱ ص ۸۳ میں فرماتے ہیں: **ولا وثوق لی بشیءٍ من ھٰذہ الاخبار غیر أنی اختار انہ کان رَجُلًا صالحًا حکیمًا ولم یکن نبیًّا** (یعنی ان باتوں میں سے کسی بات پر بھی وثوق نہیں کیا جاسکتا اور میں یہ مانتا ہوں کہ وہ رجل صالح تھے‘ حکیم تھے اور نبی نہیں تھے) جب نبی نہیں تھے تو ان کو جو خطاب ہے وہ بذریعہ الہام تھا یا ان کے زمانہ کے نبی کے ذریعہ تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے قاضی تھے۔ حضرت لقمانؒ سے بہت کلمات حکمت منقول ہیں‘ مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت لقمان حکیم سے دریافت کیا گیا کہ یہ جو آپ کو علم اور فضل ملا ہے اس کا کیا سبب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ تین باتوں پر عمل کرنے سے یہ مقام حاصل ہوا (۱) سچی بات کرنا (۲) امانت ادا کرنا (۳) لایعنی بات اور لایعنی کام کو چھوڑ دینا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۵)

یہ جو فرمایا کہ ہم نے لقمان کو حکمت دی‘ اس حکمت کی تشریح میں بھی متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حکمت سے عقل وفہم اور سمجھداری مراد ہے۔ اور علامہ راغب اصفہانیؒ نے فرمایا کہ اس سے موجودات کی معرفت اور اچھے کام کرنا مراد ہے۔ امام رازیؒ نے فرمایا کہ علم کے مطابق عمل کرنا مراد ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے علم وعمل دونوں کی پختگی مراد ہے۔ (روح المعانی)

اَنِ اشۡكُرۡ لِلّٰهِ (کہ تو اللہ کا شکر ادا کر) جو نعمتیں تمہیں دی ہیں ان سب کا اور خاص کر حکمت جو عطا فرمائی ہے اس کا

شکر ادا کرو' وَمَنْ يَّشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ (اور جو شخص اللہ کا شکر ادا کرتا ہے وہ اپنی ہی جان کے لئے شکر کرتا ہے) کیونکہ اس شکر کا نفع خود اسی کو پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ ثواب بھی عطا فرمائے گا اور مزید نعمتیں دے گا' جیسا کہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ میں واضح فرما دیا ہے' وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ اور جو شخص ناشکری کرے گا تو اس میں اس کا اپنا ہی نقصان ہے اور اللہ تعالیٰ کو کسی کے شکر گذار ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ ساری مخلوق سے اور ساری مخلوق کے اعمال سے اور طاعات سے بے نیاز ہے اور وہ حمید ہے تمام خوبیوں والا ہے' اس کی ذات کامل ہے' صفاتِ عالیہ سے متصف ہے' کوئی شخص اس کی حمد و ثناء بیان کرنے میں مشغول ہو یا نہ ہو وہ بہر حال حمید ہے۔

شرک ظلم عظیم ہے: اس کے بعد حضرت لقمانؒ کی ایک اہم نصیحت کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ تو کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا نہ اعتقادیات میں نہ عبادات میں' إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (بلاشبہ شرک ظلم عظیم ہے) جس کسی چیز کو بے محل استعمال کیا جائے اسے ظلم کہتے ہیں اور اس سے بڑا کیا ظلم ہو گا کہ اپنے خالق اور اپنے مالک کو چھوڑ کر اپنے جیسی مخلوق کی عبادت کی جائے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت: وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ (الآیۃ) اور ہم نے انسانوں کو تاکید کی کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھی طرح پیش آ تا رہ' ان کی خدمت کر' حسن سلوک کا رویہ اختیار کر' انسان کو سمجھنا چاہئے کہ کبھی وہ حاجت مند تھا اس وقت اس کی ماں نے اس کی خدمت کی' اس کی ضرورتوں کا خیال رکھا اور اس کے لئے تکلیفیں برداشت کیں' ایک۔ والدہ ہی کی مصیبت کو دیکھ لو اس نے زمانہ حمل میں پیٹ میں رکھا' ضعف پر ضعف کو برداشت کیا کیونکہ جیسے جیسے حمل کی مدت بڑھتی چلی جاتی ہے اس کے ساتھ ساتھ عورت کا ضعف بھی بڑھتا چلا جاتا ہے' سورۂ بنی اسرائیل میں جو دعا تلقین فرمائی ہے اس میں ماں اور باپ دونوں کی محنت و مشقت کا ذکر ہے' ارشاد ہے: وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا (اے انسان تو یوں دعا کر کہ اے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپنے میں پالا ہے)۔

وَفِصَالُهُ فِيْ عَامَيْنِ (اور انسان کا دودھ چھوٹنا دو سال میں ہے) بچے کی پیدائش کے بعد دودھ پلانے کا سلسلہ چلتا ہے' اس زمانہ میں بھی ماں باپ کو تکلیف اٹھانی پڑتی ہے' بچہ دودھ پیتا جاتا ہے' جسم بڑھتا رہتا ہے' توانائی آتی رہتی ہے' ماں دودھ پلانے کا اہتمام کرتی ہے' باپ مال کسب کرتا ہے' بچہ سوتے سوتے ڈر جاتا ہے' کبھی بخار آ جاتا ہے' کبھی کسی اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے' ماں باپ جان نثاری کے ساتھ اس کی خدمت کرتے ہیں' اسے آرام سے سلاتے ہیں اپنی نیند کھوتے ہیں اور اسے سینے سے لگائے لگائے پھرتے ہیں' یہ تو بچپنے کی باتیں ہیں اور اس کے بعد بھی بالغ ہونے تک اس کی پرورش اور پرداخت میں لگے ہی رہتے ہیں۔ ان کی محنتوں اور مشقتوں کو سامنے رکھا جائے تو ایک شریف انسان کا دل یہی چاہتا ہے کہ جب بڑا ہو گیا تو اب انہیں آرام پہنچائے اور ان کی خدمت کرے اور ان کی خدمات کا شکر گذار ہو۔ شرافت انسانی کا تقاضا ہے پھر خالق مجدہٗ نے بھی اس کا حکم فرمایا ہے۔ سب سے بڑا شکر تو اللہ کا ہے جس نے انسان کو پیدا فرمایا اور اس کے ماں باپ کو بھی' اور ماں باپ کے دل میں محبت اور مامتا ڈالی جنہوں نے دکھ سکھ میں پرورش کی' ان کی یہ محنت اور مشقت لائق شکر ہے' اس لئے فرمایا: أَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ (کہ تو میرا شکر ادا کر اور اپنے ماں باپ کا)۔ ساتھ ہی إِلَيَّ الْمَصِيْرُ بھی فرمایا (کہ سب کو میری طرف لوٹنا ہے) جو شخص جو بھی عمل کرے گا اس کی جزا سزا پا لے گا۔

اس کے بعد فرمایا: وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى أَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (اور اگر تیرے والدین تجھ پر اس

بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو ان کی فرمانبرداری نہ کرنا)۔ دنیا میں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے اور غیر اللہ کی عبادت کرنے کا سلسلہ چلا ہوا ہے، یہ ایک محض اندھی تقلید کے طور پر ہے، ماں باپ کو مشرک پاتے ہوئے شرک کا رواج دیکھتے ہیں تو خود بھی شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے جب مشرکین کو تنبیہ کی جاتی ہے اور شرک سے روکا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی پر پایا' علمی عقلی دلیل کوئی نہیں محض تقلید ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ' نے ارشاد فرمایا کہ جو چیز بے دلیل ہے وہ غلط ہے' گمراہی ہے اسے اختیار نہ کرو' اگر ماں باپ زور دیں کہ اللہ کے ساتھ شرک کرو تو اس میں ان کی اطاعت نہ کرنا۔ انہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیں' سب سے بڑا اللہ تعالیٰ کا حق ہے کیونکہ وہ خالق اور مالک ہے' کسی کے کہنے سے اس کی نافرمانی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کسی کے کہنے سے نہ شرک اختیار کرنا جائز ہے نہ کسی بھی قسم کا کفر نہ کسی بھی قسم کا گناہ۔ اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا **لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق** کہ خالق کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری نہیں ہے۔

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا (اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی کے ساتھ رہنا سہنا رکھو) یعنی ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ رکھو' مومن ہوں یا کافر' حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے رہو' اگر وہ کافر ہیں تو ان کے کفر کی وجہ سے ان کی خدمت اور حسن سلوک سے منہ نہ موڑو' بس اتنا خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو۔

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (اور جو لوگ میرے راستے کی طرف رجوع کریں ان کا اتباع کرنا) اس میں نیک بننے اور نیکیوں پر ثابت قدم رکھنے کا طریقہ بتا دیا اور وہ یہ کہ جو بندے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کا اتباع کیا جائے۔ انسان کا مزاج ہے کہ وہ صحبت سے متاثر ہوتا ہے' برے آدمیوں میں آنا جانا رکھتا ہے تو ان کا اثر لے لیتا ہے اور اگر صالحین کے پاس آتا جاتا ہے' ان کی مجلسوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے تو نیکی کی طرف طبیعت چلنے لگتی ہے لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کی بتائی ہوئی راہ پر چلے' انہیں کے ساتھ رہے اور ان کا اتباع کرے ورنہ شیطان اچک لے گا اور بری راہ پر ڈال دے گا۔

ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (پھر میری طرف تم سب کو لوٹنا ہے سو میں تمہیں ان کاموں سے باخبر کر دوں گا جو تم کیا کرتے تھے) ہر ایک اپنے عمل سے باخبر ہوگا اور اپنے اپنے عمل کے مطابق سزا و جزا کا مستحق ہوگا۔ والدین کی خدمت اور فرمانبرداری کے بارے میں سورۃ الاسراء کے رکوع نمبر ۳ میں اور سورۃ العنکبوت کے رکوع نمبر ۱ میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے اسکا بھی مطالعہ کر لیا جائے۔

يٰبُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمٰوٰتِ

اے میرے بیٹو! بے شک بات یہ ہے کہ اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو تو پھر وہ پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں میں ہو

أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ۝١٦ يٰبُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ

یا زمین میں ہو اللہ اس کو حاضر کر دے گا' بلاشبہ وہ لطیف ہے خبیر ہے۔ اے بیٹو نماز قائم کرو اور بھلائی کا حکم کرو

بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾

اور برائی سے منع کرو اور تجھے جو تکلیف پہنچ جائے اس پر صبر کر بلاشبہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ

اور تو لوگوں سے اپنا رُخ مت پھیر اور زمین پر اترا کر مت چل، بلاشبہ تکبر کرنے والے کو اللہ پسند نہیں

فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾

فرماتا، اور تو اپنی چال میں درمیانہ طریقہ اختیار کر اور اپنی آواز کو پست کر، بلاشبہ سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھوں کی آواز ہے۔

نماز قائم کرنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید

تفسیر: انسانوں کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ زندگی گزارنے کا حکم فرمانے کے بعد پھر حضرت لقمان کی وصیتوں کا بیان شروع ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا علم بہت وسیع ہے وہ اپنی مخلوق کو اور مخلوق کے ہر عمل کو خوب اچھی طرح جانتا ہے، جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو وہ چھوٹے بڑے عمل کی جزا دے گا، اگر کسی شخص نے بہت ہی چھپا کر کوئی عمل کیا ہو جو چھوٹا ہونے میں رائی کے دانہ کے برابر ہو اور اس کے پوشیدہ ہونے کی یہ صورت ہو کہ وہ کسی پتھر کے اندر چھپا ہوا ہو یا آسمانوں کے اندر موجود ہو یا زمین میں ہو تو اللہ شانہ کو اس کا بھی علم ہے، جو چیزیں چھپی ہوئی ہیں وہ بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ حضرت لقمان نے فرمایا کہ دیکھو بیٹا کسی کا کوئی بھی عمل ہو، کسی بھی طرح اور کہیں بھی پوشیدہ ہو قیامت کے دن اللہ اس کو حاضر فرما دے گا۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں جو عمل چھپ کر کرلوں گا اس کی جزا سے بچ جاؤں گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ لطیف ہے، باریک بین ہے ہر ہر چیز کو جانتا ہے اور خبیر بھی ہے اسے ہر شخص ہر فرد اور ہر عمل کی خبر ہے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نماز قائم کرنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کی بھی وصیت فرمائی، نماز کو قائم کرنا، اچھی طرح پڑھنا، دنیاوی دھندوں سے دل فارغ کرکے نماز میں لگنا، نماز ہی کی طرف متوجہ رہنا اور نماز کو صحیح طریقہ پر ادا کرنا اور خود نیکی پر قائم رہتے ہوئے دوسروں کو بھی بھلائی کا حکم کرنا اور برائیوں سے روکنا یہ سب بہت بڑا اور اہم کام ہے۔ پھر جب کوئی شخص لوگوں کو فرائض و واجبات کی طرف متوجہ کرے، نیک کاموں کی تلقین کرے اور گناہوں پر متنبہ کرے تو اس کے مخاطبین بعض مرتبہ آڑے آجاتے ہیں، بے تکے جواب دیتے ہیں، طرح طرح کی باتیں سناتے ہیں جس سے قلبی و روحانی تکلیف ہوتی ہے اور بعض مرتبہ معاند جاہل جھٹ مخاطب مبلغ اور داعی کو جسمانی تکلیف بھی پہنچاتے ہیں، اس پر صبر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے ثابت قدمی کے ساتھ کام کرتے رہنے اور جو تکلیف پہنچے اسے سہنے اور اس پر صبر کرنے کی ہمت بیان کرتے ہوئے اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ فرمایا کہ بلاشبہ یہ سب کچھ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

صبر کرنے کی اہمیت و ضرورت اور تواضع سے پیش آنے کی تاکید: وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ جو فرمایا گو یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سیاق میں واقع ہے لیکن الفاظ کا عموم ہر طرح کی مصیبت پر صبر کرنے کو شامل

ہے۔ درحقیقت کسی بھی تکلیف پر صبر کرنا عین وقت پر تو بڑا مشکل ہوتا ہے لیکن اس کا پھل میٹھا اور اچھا ہی سامنے آتا ہے جسے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا کہ لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر یعنی تکبر نہ کرو اور ایسا انداز رکھو جس سے اپنی بڑائی اور لوگوں کی حقارت ظاہر نہ ہوتی ہو یعنی لوگوں کے ساتھ بشاشت کے ساتھ پیش آؤ، حق پر قائم رہتے ہوئے گھل مل کر رہو ان کی طرف سے اپنا رخ پھیر کر اور چہرہ موڑ کر نہ گذر جاؤ، درحقیقت یہ بہت بڑی نصیحت ہے اور ان لوگوں کو تنبیہ ہے جنہیں کچھ علم یا مال یا عہدہ مل جاتا ہے تو وہ دوسروں کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ ان کے ساتھ اٹھیں بیٹھیں یا ان کے ساتھ لطف اور رفق اور مہربانی سے پیش آئیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑائی دی کہ جو کسی بھی مخلوق کو عطا نہیں فرمائی، آپ ﷺ تواضع کے ساتھ زندگی گذارتے تھے۔ شمائل ترمذی میں آپ کے اخلاق کریمانہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: وَاِذَا الْتَفَتَ اِلْتَفَتَ مَعًا کہ جب آپ ﷺ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن کے ساتھ توجہ فرماتے تھے ایسا نہیں کہ جس سے بات ہو رہی ہو اس کے ساتھ لاپرواہی اور بے توجہی کا معاملہ فرماتے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جب کسی سے مصافحہ فرماتے تو اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ خود نہیں چھڑاتے تھے جب تک کہ وہی اپنا ہاتھ نہ چھڑا لیتا، اور جس سے ملاقات ہوتی تھی اس کی طرف سے اپنا چہرہ نہیں پھیرتے تھے جب تک کہ وہ خود نہ پھیر لیتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۲۰ از ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن الفت والا ہوتا ہے، اور اس میں کوئی خیر نہیں جو الفت نہیں رکھتا اور جس سے لوگ الفت نہیں رکھتے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۵ از احمد و بیہقی و مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۷۳)

تکبر کی مذمت: حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا یہ زمین پر اتراتے ہوئے اکڑتے مکڑتے ہوئے نہ چلو کیونکہ یہ تکبر کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے اور فخر کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا، سورۃ الاسراء رکوع نمبر ۳ میں بھی یہ مضمون گذر چکا ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے: اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (بلاشبہ تو زمین کو نہیں پھاڑ سکتا اور لمبائی کے اعتبار سے پہاڑوں تک نہیں پہنچ سکتا) یعنی تجھ سے بڑی بڑی مخلوق موجود ہے، تجھے اکڑنا مکڑنا، اترانا اور شیخی بھگارنا کہاں زیب دیتا ہے؟

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے یہ بھی کہا کہ اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو یعنی اس طرح چلو کہ دوڑ بھاگ نہ ہو کیونکہ وقار کے خلاف ہے، اور اس میں خود اپنی ذات کو اور زمین پر رہنے اور بسنے والوں اور چلنے پھرنے والوں کے لئے بھی خطرہ ہے، اور نہ بہت آہستہ چلو کہ تکبر اور تصنع والے چلتے ہیں تاکہ لوگوں پر اپنا امتیاز ظاہر کریں ہاں اگر کوئی بیمار اور ضعیف ہے تو وہ دوسری بات ہے۔

آواز کو پست کرنے کا حکم: حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت بھی فرمائی کہ اپنی آواز کو پست کرو یعنی شور نہ کرو اور ضرورت سے زیادہ بلند آواز نہ نکالو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ آوازوں میں سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھوں کی آواز ہے جس طرح گدھوں کی آواز سے تکلیف ہوتی ہے اسی طرح انسانوں کے چیخنے اور چلانے سے بھی وحشت اور اذیت ہوتی ہے۔

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ اللہ نے تمہارے لئے وہ سب کچھ مسخر فرمالیا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور تم پر اپنی ظاہری

وَّبَاطِنَةً ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾ وَإِذَا

اور باطنی نعمتیں بھرپور انڈیل دی ہیں، اور لوگوں میں بعض لوگ ایسے ہیں جو بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ اور جب

قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ

ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو جو اللہ نے نازل فرمائی تو کہتے ہیں کہ بلکہ ہم تو اس چیز کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے کیا باپ دادوں کا اتباع کرینگے

يَدْعُوْهُمْ إِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗ إِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

اگرچہ ان کے باپ دادوں کو شیطان عذاب دوزخ کی طرف بلا رہا ہو۔ اور جو شخص اپنی ذات کو اللہ کا فرمانبردار بنادے اور وہ مخلص بھی ہو تو اس نے مضبوط کڑے کو

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ وَإِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۗ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

اچھی طرح سے پکڑ لیا اور اللہ ہی کی طرف سے کاموں کا انجام ہے۔ اور جو کوئی شخص کفر اختیار کرے تو اس کا کفر آپ کو رنجیدہ نہ کرے ان سب کو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے

فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلٰى

سو ہم انہیں وہ عمل بتادیں گے جو انہوں نے کئے۔ بلاشبہ اللہ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں۔ ہم انہیں چند روزہ عیش دیں گے پھر انہیں سخت

عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾

عذاب کی طرف مجبور کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھرپور ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا ہے، منکرین آباؤ اجداد کی تقلید میں گمراہ ہوئے اہل ایمان نے مضبوط کڑے کو پکڑ رکھا ہے

تفسیر: حضرت لقمان کی نصائح کا تذکرہ ختم کرنے کے بعد پھر توحید کا مضمون شروع فرمایا۔ ارشاد فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ تمہارے لئے مسخر فرما دیا جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں آسمان و زمین میں پیدا فرمائی ہیں انہیں تمہارے کام میں لگا دیا ہے، ان میں بعض چیزیں تو وہ ہیں جو انسان کے حکم کے تابع ہیں اور جو تابع نہیں ہیں وہ بھی واسطہ یا بلاواسطہ انسانوں کیلئے فائدہ مند ہیں، ان کا وجود کسی نہ کسی طرح سے انسان کے منافع کا ذریعہ ہے، انسان اگر غور کرے اور اپنے واقعی نفع و ضرر کو پہچانے تو یہ بات اس کی سمجھ میں آ جائے گی۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں انڈیل دی ہیں یعنی بھرپور نعمتیں عطا فرمائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنی زیادہ نعمتیں دی ہیں جن کو شمار بھی نہیں کر سکتا اور یہ نعمتیں جسمانی بھی ہیں اور روحانی بھی، ظاہری بھی اور باطنی بھی، اہل ایمان کے لئے تو ایمان بہت بڑی نعمت ہے بلکہ سب سے بڑی نعمت ہے جو آخرت میں ابدی نعمتیں ملنے کا ذریعہ

ہے۔ تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے جسم دیا ہے، صحت و عافیت عطا فرمائی ہے، طرح طرح کی غذائیں دی ہیں، حواس خمسہ (یعنی قوت سامعہ اور باصرہ اور شامہ اور ذائقہ اور لامسہ) عطا فرمائی اور عقل و فہم سے نوازا ہے، اچھی صورت دی ہے، جسم میں جوڑ رکھے ہیں جن کے ذریعہ اُٹھتا بیٹھتا اور لیٹتا ہے اور چلتا پھرتا ہے اور ضرورت کی چیزوں کو پکڑتا اور استعمال کرتا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ ظاہری نعمتوں سے کون سی نعمتیں مراد ہیں اور باطنی نعمتیں کون سی ہیں؟ اس کے بارے میں صاحبِ روح المعانی نے متعدد اقوال نقل کئے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ظاہری نعمتوں سے اسلام کا غالب ہونا اور دشمنوں کے مقابلے میں فتح یاب ہونا اور باطنی نعمتوں سے فرشتوں کی امداد آنا مراد ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ نعم ظاہرہ سے دنیاوی نعمتیں اور نعم باطنہ سے اُخروی نعمتیں مراد ہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ظاہری نعمتوں سے سمع، بصر، زبان اور تمام اعضا مراد ہیں اور باطنی نعمتوں سے قلب اور عقل و فہم مراد ہیں، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ظاہری نعمتیں وہ ہیں جو سب کے سامنے ہیں اور باطنی نعمتیں وہ ہیں جو ہر شخص کے ساتھ مخصوص ہیں۔

نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ جس ذات پاک نے یہ نعمتیں دی ہیں صرف اُسی کی عبادت کی جائے لیکن بعض لوگ توحید کے بارے میں جھگڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو معبود حقیقی ماننے کو تیار نہیں نہ اُن کے پاس علم ہے نہ ہدایت ہے نہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ کتاب ہے جس کی روشنی میں کوئی بات کرتے، محض باپ دادوں کی اندھی تقلید کر رکھی ہے۔ جب اُنہیں توحید کی دعوت دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے اس کا اتباع کرو تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے جس دین پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اُسی کا اتباع کرتے رہیں گے ان لوگوں کی جہالت اور حماقت پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ (کیا یہ لوگ اپنے باپ دادوں کا اتباع کرتے رہیں گے اگرچہ ان لوگوں کو شیطان دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو) اور وہ اس کی دعوت کو قبول کر کے (جو شرک اور کفر کی دعوت ہے) دوزخ میں جاچکے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ہوش گوش سے کام لو، دنیاوی نقصان اور خسران کے بارے میں تو کسی کا اتباع کرنے کو تیار نہیں ہوتے اور صاف کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص کنویں میں گرنے لگے تو ہم کیوں گریں، لیکن باپ دادوں کی تقلید کر کے دوزخ کے دائمی عذاب میں جانے کو تیار ہیں۔

اہل شرک اور اہل کفر کی حماقت اور ضلالت بتانے کے بعد اہل ایمان کی تعریف فرمائی اور فرمایا وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (اور جو شخص اپنی ذات کو اللہ کا فرمانبردار بنادے اور وہ مخلص بھی ہو تو اس نے مضبوط کڑے کو اچھی طرح سے پکڑ لیا) یعنی جس نے اپنے جسم اور جان کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنادیا (عقائد میں بھی اعمال میں بھی) اور اس کی یہ فرمانبرداری اخلاص کے ساتھ ہے، ظاہر اور باطن دونوں یکساں ہیں تو اس نے بڑے مضبوط کڑے کو پکڑ لیا، یعنی ایسے دین کو اختیار کیا جو ہلاکت و خسران اور تباہی سے پوری طرح محفوظ ہونے کا سبب بن گیا اور اس کی وجہ سے وہ دار العذاب یعنی دوزخ میں جانے سے بچ گیا اور اس نے جو دین اختیار کیا یہ دین اُسے دار النعیم یعنی جنت میں لے جانے کا ضامن بن گیا۔ دین توحید مضبوط حلقہ ہے جو ٹوٹنے والا نہیں ہے، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں لَا انْفِصَامَ لَهَا فرمایا ہے۔

وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (اور اللہ ہی کی طرف سب کاموں کا انجام ہے) یعنی حق کا اتباع کرنے والے اور باطل کے ماننے والے اور ان کے اعمال سب ہی اس کے حضور پیش ہوں گے وہ سب کو ان کے عقائد و اعمال کے مطابق جزا سزا دے گا۔

اس کے بعد رسول اللہ علیہ ﷺ کو تسلی دینے کے لئے ارشاد فرمایا کہ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ (جو شخص کفر کرے اُس کا کفر آپ کو رنجیدہ نہ کرے) آپ اپنا کام کرتے رہیں اور واضح طور پر حق کو واضح فرماتے رہیں آپ کی اتنی ہی ذمہ داری ہے پھر آپ کسی کے کفر سے رنجیدہ کیوں ہوں؟ جو شخص کفر پر رہے گا اپنا ہی برا کرے گا۔ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا (ہماری ہی طرف سب کو لوٹنا ہے سو وہ جو اعمال کرتے تھے ہم ان کو بتا دیں گے) ہر ایک کا عمل سامنے آجائے گا پھر اس کے مطابق جزا سزا پائے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (بلاشبہ اللہ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں) اُسے اہل ایمان کے ایمان اور اہل کفر کے کفر کا پتہ ہے کسی کا کوئی عمل اور عقیدہ اُس سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔

دنیا میں کافروں کو جو کچھ مال ملا ہوا ہے اور اس کی وجہ سے اُن کی دُنیاوی زندگی اچھے حال میں گذر رہی ہے اُن کے بارے میں فرمایا کہ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا (ہم انہیں چند روز عیش دیں گے) ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ (پھر انہیں سخت عذاب کی طرف مجبور کریں گے) جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو دنیا کا چند روزہ عیش انہیں وہاں ذرا بھی فائدہ نہ دے گا اور انہیں دوزخ کے سخت عذاب میں داخل ہونے پر مجبور کیا جائے گا جس سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا فرمایا تو وہ ضرور ضرور یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے پیدا فرمایا آپ فرما دیجئے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے

يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ

بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے، اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، بلاشبہ وہ بے نیاز ہے سب خوبیوں والا ہے، اور زمین میں

مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ

جتنے بھی درخت ہیں اگر وہ سب قلم بن جائیں اور یہ جو سمندر ہے اس کے بعد سات سمندر اس میں اور شامل ہو جائیں تو اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے بلاشبہ اللہ عزیز ہے

حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ

حکیم ہے نہیں ہے تمہارا پیدا کرنا اور موت کے بعد اٹھانا مگر ایک ہی جان کی طرح بلاشبہ اللہ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے۔ اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ داخل کرتا ہے

الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؗ كُلٌّ يَّجْرِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ

رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں، اور اس نے چاند اور سورج کو مسخر فرمایا، ہر ایک اپنے وقتِ مقررہ تک چلتا ہے، اور

اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ

بلاشبہ اللہ اُن کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو، یہ اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ اللہ حق ہے اور بلاشبہ یہ لوگ اس کے علاوہ جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں

الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾

وہ باطل ہیں اور بلاشبہ اللہ عالی شان ہے اور بڑا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور تسخیر اور تصرفاتِ تکوینیہ کا تذکرہ

﴿کلماتُ اللہ غیر متناہی ہیں﴾

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت اور قدرت اور شانِ بے نیازی اور محمودیت اور عزت وحکمت اور سمع وبصر اور علم اور برتری اور کبریائی کو بیان فرمایا ہے۔ اول تو یہ فرمایا ہے کہ اگر آپ مشرکین سے دریافت فرمائیں کہ بتاؤ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے' آپ فرما دیجئے کہ سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے' جب تمہارے اقرار سے خالق وہی ہے جس نے اتنے بڑے آسمانوں کو اور زمین کو وجود بخشا تو یہ بھی سمجھ لینا کہ سب تعریفوں کا مستحق بھی وہی ہے' جب یہ بات ہے تو اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو اور شرک کے مرتکب کیوں ہوتے ہو؟ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (بلکہ بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے) ماحول سے متاثر ہو کر اور اپنے باپ دادوں کی تقلید کو سامنے رکھ کر ایسی جہالت میں مبتلا ہوئے ہیں کہ توحید کی طرف آتے ہی نہیں۔ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کی مخلوق ومملوک ہے) منجملہ اس مخلوق اور مملوک کے وہ چیزیں بھی ہیں جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں' یہ ان کی بیوقوفی ہے' اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ یہ بھی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی عبادت کی حاجت وضرورت نہیں ہے۔ وہ ہر حال میں ہر ایک سے بے نیاز ہے اور وہ حمید بھی ہے' تمام صفاتِ کمال سے متصف ہے' اگر کوئی بھی شخص اس کی حمد وثنا بیان نہ کرے وہ تب بھی حمید ہے اس کی صفتِ محمودیت میں کوئی فرق نہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ زمین میں جتنے بھی درخت ہیں اگر ان سب کے قلم بن جائیں (جو کروڑوں کی تعداد میں ہوں گے) اور سمندر کو روشنائی کی جگہ استعمال کیا جائے اور ایک سمندر ختم ہو جائے اور اس کے بعد سات سمندر اور ملا دیئے جائیں یعنی اُن کی بھی روشنائی بنادی جائے اور اس روشنائی سے اللہ تعالیٰ کے کلمات کو لکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے کیونکہ اس کے کلمات غیر متناہی ہیں اور متناہی خواہ کتنا بھی زیادہ ہو بہر حال وہ غیر متناہی کے مقابلہ میں کہیں پہنچ کر ختم ہو ہی جائے گا۔ اور سات دریا جو فرمایا یہ بھی بطور فرض ہے ان کے علاوہ جتنے بھی سمندر روشنائی کی جگہ استعمال ہوتے رہیں گے ختم ہوتے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔

کلمات سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت قدیم کلامِ نفسی مراد ہے' اور بعض حضرات نے اس سے اللہ تعالیٰ کی معلومات اور مقدورات مراد لی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی معلومات اور مقدورات غیر متناہی ہیں' جتنے بھی قلم تیار کر لئے جائیں اور جتنے بھی سمندروں کی روشنائی بنالی جائے پھر قلموں سے اللہ تعالیٰ کی معلومات و مقدورات کو لکھا جائے تو یہ معلومات ومقدورات ختم نہیں ہو سکتیں' اُن کا احصاء نہیں ہو سکتا اور بعض حضرات نے اس سے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ مراد لی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے کمالات کو لکھا جائے تو کبھی ختم نہیں ہو سکتے' ان کو لکھتے لکھتے بے انتہاء کروڑوں قلم اور کروڑوں بڑے بڑے دریا ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ کی صفات اور کمالات کو اس طرح نہیں لکھا جاتا کہ وہ

ختم ہو جائیں اس کا کچھ بیان سورۂ کہف کی آیت قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ کے ذیل میں گذر چکا ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (بلاشبہ اللہ عزت والا ہے حکمت والا ہے)۔

اس کے بعد فرمایا: مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (تمہارا پہلی بار پیدا کرنا اور موت دے کر دوبارہ زندہ فرمانا یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک جان کو پیدا کرنا) یعنی سارے انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمانا اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے' جس نے کثیر تعداد میں جانیں پیدا فرمادیں وہی دوبارہ ان سب کو زندہ اٹھادے گا' ابتداءً پیدا کرنا اور ایک جان کو پیدا کرنا اور بہت بھاری تعداد میں جانوں کا پیدا کرنا اور ان سب کو موت دے کر دوبارہ زندہ فرمانا اس قادرِ مطلق کے لئے یکساں ہے' لہٰذا بعثت کا انکار کر کے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ (بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے) جو لوگ اہل ایمان ہیں وہ ان کے اقوال کو سنتا ہے اور اعمال کو دیکھتا ہے اور جو لوگ کافر منکر ہیں وہ ان کے اقوال واعمال سے بھی باخبر ہے وہ ہر ایک کو اس کے عقیدہ اور قول کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ (الآیۃ) اے مخاطب کیا تو اس کو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے (یہ سب نظروں کے سامنے ہے) اور اس کے علاوہ کسی کو بھی اس تصرف پر قدرت نہیں ہے اور اسی نے چاند اور سورج کو مسخر کیا ہے ان دونوں کو جس کام میں لگایا ہے اس کے کرنے پر مجبور ہیں' ان کے لئے جو محور مقرر فرمایا ہے اُسی پر چلتے رہتے ہیں' ایک سرمو اس سے ہٹ نہیں سکتے' ان کے لئے جو اللہ تعالیٰ نے ایک اجل مقرر فرمادی ہے اسی اجل تک چل رہے ہیں' اپنی ذات میں ان کا اپنا ذاتی کوئی تصرف نہیں۔ وَاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (اور تم جو کچھ عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے) وہ اسی کے مطابق جزا وسزا دے گا۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ (الآیۃ) یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اُس کا وجود حقیقی ہے اور اس کا معبود ہونا بھی برحق ہے لہٰذا اسی کی عبادت کرنا لازم ہے وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ (اور مشرک لوگ جو اس کے علاوہ دوسروں کی عبادت کررہے ہیں وہ باطل ہیں' نہ وہ معبود ہیں نہ معبود ہونے کے قابل ہیں) وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (اور بلاشبہ اللہ عالیشان ہے اور بڑا ہے) کوئی اس کے برابر و ہمسر نہیں لہٰذا اُس کے علاوہ کوئی بھی مستحق عبادت نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ

اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ کشتی اللہ کی نعمت کے ساتھ سمندر میں چلتی ہے تاکہ وہ تمہیں اپنی نشانیوں میں سے دکھلائے' بلاشبہ اس میں ہر ایسے شخص کے لئے نشانیاں ہیں جو خوب

صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۳۱ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى

صبر کرنے والا خوب شکر کرنے والا ہو اور جب انہیں موج ڈھانپ لیتی ہے جو سائبانوں کی طرح ہوتی ہے تو وہ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں' پھر جب وہ انہیں نجات دے کر

الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝۳۲

خشکی کی طرف لے آتا ہے تو ان میں سے بعض لوگ راہِ اعتدال پر چلتے ہیں اور ہماری آیتوں کا بس وہی شخص انکار کرتا ہے جو عہد کا بہت جھوٹا بہت ناشکرا ہو

سمندر میں کشتیوں کا چلنا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، مشرکین کو جب موج گھیر لیتی ہے تو اخلاص کے ساتھ دعا کرتے ہیں

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام بیان فرمایا ہے کہ سمندر میں جو کشتی چلتی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وانعام ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ دیکھو آدھا تولہ لوہا سمندر میں ڈالو تو اسی وقت ڈوب جائے گا اور سومن کا لکڑ جو کشتی کی صورت میں ہے وہ نہیں ڈوبتا' یہ کشتیاں ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک لے جاتی ہیں' سامان لاتی ہیں' ضرورت کی چیزیں ان کے آنے جانے کی وجہ سے فراہم ہوتی ہیں' اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اُنہیں ہواؤں کے تھپیڑوں کے ذریعہ اس حال میں کر دیتا ہے کہ ان کا چلنا تیرنا مشکل ہو جاتا' پھر اللہ تعالیٰ ہواؤں کا رُخ بدل دیتا ہے تو آرام سے چلتی ہیں' یہ سب عبرت کی چیزیں ہیں ان کے ذریعہ خالق کائنات جل مجدہٗ کی معرفت حاصل کرنی چاہئے' جو لوگ صبر اور شکر کا مزاج رکھتے ہیں وہی اللہ تعالیٰ کی آیات سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ چلتی ہوئی کشتی کو پانی کا طوفان گھیر لیتا ہے' بڑی بڑی موجیں جو سائبانوں اور بادلوں کی طرح ہوتی ہیں وہ ڈھانپ لیتی ہیں۔ اس صورت میں انسان کو اپنے بچاؤ کا کوئی راستہ سمجھ میں نہیں آتا جو مومن بندے ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف اخلاص کے ساتھ رجوع ہوتے ہی ہیں اور اس سے دُعا مانگتے ہیں لیکن جو لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اُس وقت وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور پوری سچائی اور بھرپور اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں ان میں جو مومن بندے ہوتے ہیں وہ برابر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ رہتے ہیں خشکی میں آ کر غیر اللہ کو نہیں پکارتے اور شرک میں مبتلا نہیں ہوتے' ان کے بارے میں فرمایا فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ کہ کشتی سے اُتر کر خشکی میں آنے والے بعض لوگ اعتدال والی راہ اختیار کرنے والے ہوتے ہیں یعنی توحید پر ہی برقرار رہتے ہیں جو سیدھا اور اعتدال والا راستہ ہے' اور جو لوگ خشکی میں آ کر اُس مصیبت کو بھول جاتے ہیں جو کشتی میں پیش آئی تھی یعنی کشتی ڈوبنے کے قریب تھی یہ لوگ پھر شرک اختیار کر لیتے ہیں۔ سورۂ عنکبوت میں اسی کو فرمایا فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ (سو جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو وہ فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں)

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ (اور ہماری آیتوں کا ہر وہی شخص انکار کرتا ہے جو عہد کا بہت جھوٹا بہت ناشکرا ہو) ان جھوٹے عہد کرنے والوں میں وہ بھی ہوتے ہیں جو کشتی میں اخلاص کے ساتھ توحید کا عہد کرتے ہیں پھر کشتی سے باہر خشکی میں آ کر توڑ دیتے ہیں' بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بڑے بڑے دلائل اور آیات کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے اور توحید کی دعوت کو قبول نہیں کرتے اور نہ صرف یہ کہ حق کو قبول نہیں کرتے بلکہ جھوٹ بھی بولتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری بھی کرتے ہیں' آیت کے آخر میں اسی کو بیان فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اُس دن سے ڈرو جس دن باپ اپنے بیٹے کی طرف سے بدلہ نہ دے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کی طرف سے کچھ بھی

وَّالِدِهٖ شَيْئًا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

بدلہ دینے والا ہوگا' بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے' سو تمہیں دنیا والی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے' اور ہرگز تمہیں اللہ کا نام لے کر بڑا دھوکہ باز دھوکہ میں نہ ڈالے

اللہ تعالیٰ سے ڈرو' قیامت کے دن کی حاضری کا فکر کرو' شیطان دھوکہ باز تمہیں دھوکہ نہ دیدے

تفسیر: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سے ڈرو یعنی اُس دن کی بے بسی اور بے کسی کا دھیان کرو اور اس کا انتظام کرو اور وہ انتظام یہ ہے کہ ایمان لاؤ اور اعمال صالحہ اختیار کرو' اُس دن بے کسی کا یہ عالم ہوگا کہ آپس میں کوئی کسی کی طرف سے کوئی بدلہ دینے کو تیار نہ ہوگا' سب سے بڑا قریب تر رشتہ باپ اور بیٹے کا ہے' قیامت کا دن بڑا ہولناک ہوگا۔ سب کو اپنی اپنی فکر لگی ہوئی ہوگی' جب محاسبہ ہونے لگے گا اور کفر پر اور اعمالِ بد پر سزا ملنے کا فیصلہ ہوگا تو نہ باپ بیٹے کی طرف سے کوئی بدلہ دے گا اور نہ بیٹا باپ کی طرف سے' کسی کو بھی یہ گوارا نہ ہوگا کہ یہ عذاب سے بچ جائے اور اس کو جو عذاب ہونا ہے وہ مجھ پر آ جائے۔

قیامت کے بارے میں جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے کوئی شخص اُسے یوں ہی چلتی ہوئی بات نہ سمجھے' اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے ضرور واقع ہوگا۔ اب ہر شخص کو اپنے واقعی اصلی مفاد کے لئے متفکر ہونا ضروری ہے کہ میرا آخرت میں کیا بنے گا؟ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں آخرت کے دن کا لیکن دنیاوی زندگی کی مشغولیت آخرت کی تیاری نہیں کرنے دیتی' اسی کو فرمایا فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا (سو تمہیں ہرگز دنیا والی زندگی دھوکہ میں نہ ڈال دے) الفاظ کا عموم ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو دنیا کا جاہ و مال چھوٹ جانے کے ڈر سے اسلام قبول نہیں کرتے اور ان کو بھی شامل ہے جو مسلمان ہونے کا تو دم بھرتے ہیں لیکن دُنیا ہی کو انہوں نے مقصود حقیقی بنا رکھا ہے اور اسی کے لئے سوچتے ہیں' اسی کے لئے جیتے ہیں اور اسی کے لئے مرتے ہیں' انہیں ہری بھری دنیا پسند ہے' فرائض اور واجبات کو بھی چھوڑتے ہیں اور دُنیا جمع کرنے کے لئے خیانت' چوری' غصب' ظلم' حرام کاروبار سب کچھ کر گذرتے ہیں۔

نفس اور شیطان دونوں کا دوستانہ ہے دونوں انسان کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں اور اللہ کا نام لے کر انسان کو دھوکہ دیتے ہیں اور ورغلاتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ اس وقت نماز چھوڑ دو' روزہ توڑ دو' اگلے سال زکوٰۃ دے دینا اس سال حج کو نہ جاؤ ابھی تو جوانی ہے گناہ کر کے مزے اُڑا لو اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے گناہ کر لیا تو کیا ہے بعد میں توبہ کر لینا' اس طرح کی باتیں نفس اور شیطان اور گمراہی کے لیڈر سامنے لاتے رہتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ دھوکہ دینے والا تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے' اپنی فکر خود کرو' مومن بنو' اللہ کی عبادت میں لگو' اس کی فرمانبرداری کرو' ہوشیار بندہ وہی ہے جو نفس و شیطان کے کہنے میں نہ آئے اور کسی کے بھی بہلانے پھسلانے سے اپنی آخرت تباہ نہ کرے۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ

بلاشبہ اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے' اور وہ بارش کو نازل فرماتا ہے' اور وہ جانتا ہے جو ماؤں کے ارحام میں ہے' اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ

وَمَاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۳۴﴾

وہ کل کو کیا کرے گا' اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ اسے کس زمین میں موت آئے گی' بلاشبہ اللہ جاننے والا ہے باخبر ہے

پانچ چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے

تفسیر: قرآن مجید میں جگہ جگہ یہ فرمایا ہے کہ اللہ غیب اور شہادہ کو جاننے والا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا جس کسی کو اس نے غیب کا کچھ علم دیا ہے جس قدر عطا فرمایا ہے اُسے اُسی قدر علم ہے۔ یہاں پانچ اُمور غیبیہ کا تذکرہ فرمایا ہے' صحیح مسلم میں ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ قیامت کب آئے گی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پوچھنے والا اور جس سے پوچھا گیا ہے اس بارے میں دونوں برابر ہیں اور ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا فِیْ خَمْسٍ لَا یَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ (کہ یہ اُن پانچ چیزوں میں ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا) اس کے بعد آپ ﷺ نے سورۂ لقمان کی یہی آخری آیت تلاوت فرمائی۔ (صحیح مسلم)

جن پانچ چیزوں کا آیت بالا میں ذکر ہے ان میں ایک تو قیامت قائم ہونے کا علم ہے' یہ غیب کا علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی نہیں دیا۔ دوسرے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بارش کو برساتا ہے' تیسرے یہ فرمایا کہ ماؤں کے ارحام میں کیا ہے' اس کا بھی اللہ ہی کو علم ہے اُسے سب پتہ ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے' لڑکا ہے یا لڑکی ہے اور کچھ ہے یا کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد مزید دو چیزوں کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ کسی کو یہ معلوم نہیں کہ کل کو میں کیا کروں گا' اور فرمایا کہ کسی کو یہ بھی پتہ نہیں کہ اس کی موت کہاں ہو گی اور اُسے کس زمین میں موت آئے گی۔ آیت کے ختم پر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (بلاشبہ اللہ علم والا ہے باخبر ہے)

جب سے دُنیا میں آلات کا رواج ہو گیا ہے اُس وقت سے ایمانیات میں فرق آنے لگا ہے اور لوگ یوں کہتے ہیں کہ فضا میں جو آلات نصب کر دیتے ہیں وہ بتا دیتے ہیں کہ بارش کب ہو گی' اور ایکسرے کے ذریعہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حاملہ عورت کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ' ان لوگوں کو یہ پتہ نہیں کہ آیت شریفہ میں آلات کے ذریعہ جو علم حاصل ہو اُن کا ذکر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جو علم ہے وہ ازل سے ہے ہمیشہ سے ہے جب دنیا میں انسان نہیں آیا تھا اُس وقت بھی اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ انسانوں کی نسلیں چلیں گی اور فلاں فلاں عورت حاملہ ہو گی اور اس کے پیٹ میں نر ہو گا یا مادہ ہو گا' ناقص پیدا ہو گا یا کامل! کہاں اللہ تعالیٰ کا علم ازلی اور کہاں بنی آدم کا علم جو آلات اور اسباب اور تجربات پر موقوف ہے پھر اس بات کو بھی جاننے والے جانتے ہیں کہ اسباب و آلات سے پتہ چلانے والوں کی پیشین گوئیاں غلط بھی ہو جاتی ہیں' لہٰذا یہ کہنا کہ بندے بھی علم قطعی کے طور پر بارش آنے کا وقت بتا دیتے ہیں اور حاملہ عورتوں کے پیٹوں میں جو ہے اس سے باخبر کر دیتے ہیں' یہ اُن لوگوں کی جاہلانہ باتیں ہیں جو آیت کا مفہوم نہ جاننے کی وجہ سے صادر ہوتی ہیں۔ واضح رہے کہ آیت میں جو پانچ چیزوں کا ذکر ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان چیزوں کے علاوہ دوسری غیب کی چیزوں کو بندے جانتے ہیں' غیب کی تمام چیزوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے' ہر غیب کا علم علم قطعی' علم ازلی' علم ذاتی' علم محیط صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

وھٰذا اٰخر تفسیر سُورۃ لُقمٰن' واللہ المستعان وعلیه التکلان

سُورَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ السجدہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں تیس آیات اور تین رکوع ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ

الٓمّٓ۔ یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں رب العالمین کی طرف سے ہے کیا وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس نے جھوٹ بنالیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ وہ

رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ

آپ کے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ لوگ ہدایت پر آ جائیں۔ اللہ وہی ہے جس نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ

آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا فرمایا پھر عرش پر مستوی ہوا۔ تمہارے لئے

دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴﴾

اس کے سوا نہ کوئی ولی ہے نہ کوئی سفارشی کیا تم نہیں سمجھتے؟

قرآن مجید حق ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے
آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا فرمایا

تفسیر: یہاں سے سورۃ السجدہ شروع ہے اوپر چند آیات کا ترجمہ لکھا گیا ہے ان میں سے الٓمّٓ تو متشابہات میں سے ہے جس کا معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں باقی آیات میں قرآن مجید کا حق ہونا اور اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت اور صفت خالقیت بیان فرمائی ہے۔

مشرکین مکہ جو یوں کہتے تھے کہ یہ قرآن جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے خود سے بنالیا ہے اس کی تردید فرماتے ہوئے فرمایا: بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ (بلکہ وہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے ہے) لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ (تاکہ آپ ڈرائیں اُن لوگوں کو جن کے پاس آپ سے پہلے ڈرانے والا یعنی رسول اور نبی نہیں آیا) لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ (تاکہ وہ ہدایت پر آ جائیں)

اول تو یہ فرمایا کہ یہ قرآن اللہ جل مجدہٗ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے یہ کتاب آپ کی طرف اس لئے نازل کی گئی ہے کہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا' ان لوگوں سے اہل مکہ مراد ہیں' ان کے پاس براہِ راست کوئی رسول نہیں آیا تھا البتہ دوسرے انبیاء کرام کی بعثت کا انہیں علم تھا اور ان کی طرف سے دعوتِ توحید پہنچی تھی۔ یہ لوگ داعیٔ توحید حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد ہی میں سے تھے' ان دونوں نے جو مکہ معظمہ میں کعبہ شریف بنایا تھا اس کا وجود ہی اشاعتِ توحید کے لئے تھا اور ان لوگوں کو اس کا

علم بھی تھا کہ یہ حضرات داعیٔ توحید تھے۔ لہٰذا یہ اشکال نہیں رہتا کہ ان کے پاس نبی نہیں آیا تو شرک کی وجہ سے ان کا مواخذہ کیوں صحیح ہوا؟ سورۂ فاطر میں فرمایا ہے: وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ اس کا عموم ہر قوم اور ہر جماعت کو شامل ہے ضروری نہیں کہ نذیر (ڈرانے والا) رسول ہی ہو ان حضرات کے نائبین نے بھی تبلیغ کی ہے اور لوگوں کو توحید کی دعوت دی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا فرمایا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا (اس کا بیان سورۂ اعراف رکوع نمبر ۷ اور سورۂ فرقان رکوع نمبر ۵ میں گذر چکا ہے) مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ اللہ کے سوا تمہارے لئے کوئی ولی نہیں ہے (جو نافرمانی پر مواخذہ کرنے سے بچا سکے) اور کوئی سفارش کرنے والا بھی نہیں (جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ میں سفارش کرے) اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ (کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے)

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ
وہ آسمان سے لیکر زمین تک ہر امر اس کے حضور میں ایک ایسے دن میں پہنچ جائے گا جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق
مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۵﴾
ایک ہزار سال ہوگی

اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک تدبیر فرماتا ہے، ہر امر اس کے حضور میں ایسے دن میں پیش ہوگا جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے

تفسیر: جو کچھ وجود میں آتا ہے، کائنات میں جو انقلاب ہوتے ہیں اور جو مخلوق کے احوال اور اعمال وجود میں آتے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور تدبیر کے موافق ہے، جو کچھ وجود میں آ رہا ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں قیامت کے دن پیش ہوگا، اس دن کی مقدار اس شمار کے مطابق جو دنیا میں گنتے ہیں ایک ہزار سال کی ہوگی۔ الفاظ آیت سے متبادل تو یہی ہے کہ یَعْرُجُ میں جو ضمیر مرفوع ہے وہ اَلْاَمْر کی طرف راجع ہے لیکن مفسرین نے اس میں متعدد احتمالات بیان کئے ہیں اسی طرح لفظ اِلَیْهِ کے مرجع کے بارے میں بھی متعدد اقوال ہیں۔ (راجع تفسیر القرطبی جلد ۱۴ ص ۸۷، ۸۸) صاحب روح المعانی نے آیت کی تفسیر میں لمبی بحث کی ہے (جلد ۲۱ ص ۱۲۱) یہاں سورۃ السجدہ میں قیامت کے دن کو ایک ہزار سال بتایا اور سورۃ المعارج میں پچاس ہزار سال کا بتایا۔ جب اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا هما یومان ذکر هما الله تعالٰی فی کتابه الله تعالٰی اعلم بهما واکره ان اقول فی کتاب الله مالا اعلم (یعنی ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا اللہ تعالیٰ ہی کو ان کا علم ہے) بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے کہ احوال واشخاص کے اعتبار سے کسی کا یہ دن بہت جلدی گزر جائے گا اور کسی کا بہت دیر میں گذرے گا، مؤمنین صالحین جلدی سے چھٹکارہ پا جائیں گے، انہیں ایسا معلوم ہوگا جیسے ایک فرض نماز کا

وقت گذرا ہو۔ (کما ورد فی الحدیث) اور فاسقین کے لئے بہت مصیبت کا دن ہوگا اور کافروں کے لئے تو بہت ہی زیادہ مصیبت در پیش ہوگی اور ان کے لئے یہ دن پچاس ہزار سال گذرنے کے برابر ہوگا۔

قال العبد الفقیر عفا اللہ تعالٰی عنه: ان المفسرین الکرام ذکروا اقوالًا کثیرۃ فی تفسیر قولهٗ تعالٰی: یُدَبِّرُ الْاَمْرَ (الآیة) واختاروا فی مرجع ضمیر الیه ثمّ فی تطبیق قوله تعالٰی: اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ. وقوله تعالٰی: فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ. حتّٰی ان صاحب الرّوح جعل الاٰیة الکریمة من المتشابهات، والذی القی اللہ تعالٰی فی روعی هو ان اللہ تعالٰی یدبّر الامور التی تجری فی السّماء والارض وما بینهما حسب ما قدره ویرجع الامور کلها الیه تعالٰی فی یوم القیامة، والامور التکوینیة لیس لهاصلة بالعباد لا یثابون علیها ولا یعاقبون، فاما الامور التشریعیة التی امروا بامتثالها بعد عروجها الیه تعالٰی فی یوم القیامة تعرض علی العبادلا یخفٰی علیهم خافیة فیعاسبون فمنهم مثابون واٰخرون یعاقبون، فاما التّوفیق بین الف سنة وخمسین فعلم بذٰلک تخفیفه علی المؤمنین الّذین یصلون، فاما العصاة من اهل الایمان احوالهم مختلفة فمن مقل من الذنوب ومکثر منها فیهون او یصقب حسب حالم فیمتد لبعضهم اِلٰی مقدار الف سنة، واما الامتداد الاکبر فهو علی الکفرة الفجرة اعنی خمسین الف سنة، ثمّ انّهٗ لم یقید اللہ تعالٰی خمسین الف سنة بقوله مما تعدون، وکذٰلک لم یقیدها بذٰلک النبیّ ﷺ فی ذکر تعذیب من لا یؤدی زکوته کما رواه مسلم، فیمکن ان یکون الف سنة مما تعدو خمسین الف سنة باعتبار عدآخر، ومن الاکابر من قال ان هٰذا الاختلاف یمکن باعتبار اختلاف الآفاق کما هو موجود فی هٰذه الدّنیا فان ما یقع علٰی خط الاستواء یتم فیه اللیل والنّهار فی اَرْبع وعشرون ساعة واما ما یقع علٰی عرض التسعین فیمتد فیه الیوم فی سنة واحدة وهٰذا یتم اذا کان فی ذٰلک الحین للسّماء حرکة دولابیّة اور حویة ولم یثبت ذٰلکَ. واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیه المرجع المآب. (بندہ عاجز عاشق الٰہی عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ مفسرین کرام نے اللہ تعالٰی کے ارشاد یُدَبِّرُ الْاَمْرَ کی تفسیر میں بہت سارے اقوال ذکر کئے ہیں اور اِلَیْهِ کی ضمیر کے مرجع میں بھی اپنی اپنی ترجیحات کا ذکر کیا ہے پھر اللہ تعالٰی کے ارشاد اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (تمہاری اپنی اپنی گنتی کے مطابق ہزار سال) اور فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ (ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی) میں تطبیق کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہاں تک کہ تفسیر روح المعانی کے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ کو متشابہات میں شمار کیا ہے۔ وہ بات جو اللہ تعالٰی نے میرے دل میں ڈالی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی اپنی تقدیر کے مطابق آسمان وزمین اور ان کے درمیان کے امور کی تدبیر کرتا ہے اور تمام امور قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹیں گے۔ جو امور تکوینی ہیں ان کے ساتھ بندوں کا کوئی تعلق نہیں ہے نہ ان پر کسی کو ثواب ہوگا نہ

ان پر کسی کو ثواب ہوگا نہ عذاب لیکن شرعی امور جن پر عمل کرنے کا بندوں کو حکم دیا گیا ہے وہ امور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے بعد بندوں پر پیش کئے جائیں گے ان میں کوئی ذرہ بھی پوشیدہ نہیں رہے گا۔ پھر ان کے حساب ہوگا بعض کو ثواب ملے گا بعض کو عذاب اور رہا مسئلہ ایک ہزار سال اور پچاس ہزار میں تطبیق کا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکوکار مومنوں پر قیامت کا دن ہلکا اور چھوٹا ہوگا مگر گناہ گار مؤمنوں کے احوال مختلف ہوں گے کئی تھوڑے گناہوں والے ہوں گے کئی زیادہ والے لہٰذا قیامت کا دن ان کے گناہوں اور نیکیوں کے مطابق ان کو ہلکا یا سخت معلوم ہوگا حتیٰ کہ بعض کے لئے وہ دن ہزار سال کا ہو جائے گا۔ اور اس دن کا سب سے زیادہ لمبا ہونا وہ کافروں کے لئے ہوگا زیادہ لمبے سے مراد پچاس ہزار سال کا پھر یہ بھی ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے پچاس ہزار سال کے ساتھ بندوں کے شمار کی قید نہیں لگائی اور اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے بھی زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کو عذاب ہونے والی حدیث میں بندوں کے شمار کی قید نہیں بتائی جیسا کہ مسلم میں روایت ہے۔ تو ہوسکتا ہے کہ مطلب یہ ہو کہ ہزار سال جسے تم دوسری گنتی کے مطابق پچاس ہزار سال شمار کرتے ہو اور بعض اکابر نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے یہ ہزار سال اور پچاس ہزار سال کا فرق مطالع کے اختلاف کی وجہ سے ہو جو کہ اس دنیا میں موجود ہے جو ممالک خط استواء پر واقع ہیں وہاں ایک دن رات چوبیس گھنٹے میں مکمل ہوتا ہے اور جو علاقے ۹۰ فیصد درجہ زاویہ پر واقع ہیں وہاں ایک دن ایک سال تک لمبا ہو جاتا ہے اور یہ اس وقت مکمل ہوتا ہے جب آسمان کی حرکت دولانی اور جو یہ ہوتی ہے لیکن یہ توجیہ نصوص سے ثابت نہیں ہے۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶﴾ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ

وہی پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے زبردست ہے رحمت والا ہے اس نے جو چیز بنائی خوب بنائی، اور

الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۸﴾ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ

انسان کی پیدائش کی ابتداء مٹی سے کی، پھر اس کی نسل کو ذلیل پانی سے نکالی ہوئی چیز بنایا، پھر اس کو ٹھیک طرح بنا دیا۔ اور اس میں

مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۹﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا

اپنی روح پھونک دی، اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنا دیئے، تم کم شکر ادا کرتے ہو۔ اور انہوں نے کہا کیا یہ

ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ بَلْ هُمْ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ

واقعی بات ہے کہ جب ہم مٹی میں رل مل جائیں گے تو نئے طور پر پیدا ہوں گے، بلکہ بات یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ آپ فرما دیجئے

يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾

ملک الموت تمہاری جانوں کو قبض کرتا ہے جو تم پر مقرر ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

انسان کی تخلیق اور تصویر کا تذکرہ اور منکرین بعث کی تردید

تفسیر: جس ذات پاک کی صفات اوپر بیان ہوئیں وہ غیب اور شہادہ کا جاننے والا ہے یعنی جو کچھ بندوں سے غائب ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا اُسے اس سب کا علم ہے اور جو کچھ موجود ہے اور بندوں کے سامنے ہے وہ اس سب کو جانتا ہے' اَلْعَزِیْزُ (وہ سب پر غالب ہے) اَلرَّحِیْمُ (وہ اپنی مخلوق پر رحم فرمانے والا ہے) اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ (اس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اچھا بنایا) یعنی حکمت کے مطابق پیدا فرمایا اور حکمت کے مطابق اُسے کام میں لگایا' ساری مخلوق خالق جل مجدہ کی حکمت کے مطابق وجود میں آئی ہے اور حکمت کے موافق اپنے اپنے اعمال میں مشغول ہے۔

حکمت کے مطابق پیدا فرمانا' کام میں لگانا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے' اگر کوئی چیز فی نفسہ قبیح ہو تو یہ احسان الخلق کے منافی نہیں ہے کیونکہ احسان الخلق کا تعلق حکمت سے ہے۔

وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ (اور اللہ نے انسان کی ابتدائی پیدائش مٹی سے فرمائی) اس کی تفسیر سورۂ حجر کے رکوع نمبر ۳ میں گذر چکی ہے اور سورۂ صٓ کے آخری رکوع میں بھی اس کا تذکرہ فرمایا ہے' ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ (پھر اس کی نسل کو ذلیل پانی سے نکالی ہوئی چیز بنادی) یعنی مٹی سے ابتدائی تخلیق کے بعد جو انسان کی نسل چلائی اس کا سلسلہ اس طرح جاری فرمایا کہ نطفۂ منی جو ایک مَآءٍ مَّهِیْنٍ یعنی ذلیل پانی ہے باپ کی پشت سے نکل کر ماں کے رحم میں جاتا ہے (جسے سللة سے تعبیر فرمایا ہے جو سَلَّ یَسُلُّ سے فُعَالَة کا وزن ہے) یہ نطفہ رحم مادر میں قرار پاتا ہے پھر اس سے لڑکا یا لڑکی کی تخلیق ہوتی جاتی ہے۔ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ (پھر اللہ نے اس کو ٹھیک طرح بنادیا یعنی وہیں اندر اندر رحم مادر میں اس کی شکل وصورت بنادی' اعضاء بنادیئے پھر اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی' اس روح کے پھونکے جانے کے بعد جیتی جاگتی تصویر بن گئی' اس تصویر میں کان بھی بنادیئے اور آنکھیں بھی اور دل بھی) اب جو بچہ باہر آیا تو وہ ہاتھ پاؤں کے اعتبار سے صحیح جاندار سُننے اور دیکھنے والا اور اپنے دل کو ادراک اور فہم میں استعمال کرنے والا سامنے آ گیا' گو یہ قویٰ اور ادراکات بتدریج نشو ونما کے ساتھ ترقی پذیر ہوتے ہیں لیکن ابتداء ہی سے اس پیدا ہونے والے بچہ میں یہ چیزیں ودیعت رکھ دی جاتی ہیں۔ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ انسانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے خالق ومالک کا شکر ادا کریں جس نے نطفہ سے رحم مادر میں اس کی تخلیق کی ابتداء کی' اس کے اعضاء بنائے اور اس میں اپنی روح پھونکی اور اس میں قوتِ سامعہ وباصرہ ودیعت رکھی اور اس کے اندرونِ جسم دل بھی مرکب فرمادیئے جس کے دو کام ہیں' ایک تو رگوں میں خون کو برابر پھینکتے رہنا' دوسرے سوچنا سمجھنا' ان سب انعامات کا تقاضا یہ ہے کہ بنی آدم اپنے خالق کے شکر گذار ہوں لیکن شکر ادا کرنے والے کم ہیں اور جو شکر ادا کرنے والے ہیں وہ بھی بقدرِ استطاعت شکر ادا نہیں کرتے اور پورا شکر تو ادا ہو ہی نہیں سکتا۔

اس کے بعد منکرین قیامت کا ذکر فرمایا: وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ (اور ان لوگوں نے کہا کہ جب ہم زمین میں رَل مِل جائیں گے تو کیا ہم نئے طور پر پیدا ہوں گے' بلکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کے

منکر ہیں) وقوعِ قیامت کے منکرین جو باتیں کیا کرتے تھے اُن باتوں میں سے ایک بات نقل فرمائی ہے وہ یوں کہتے تھے کہ جب ہم مرجائیں گے زمین میں دفن ہو جائیں گے پھر ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور زمین میں ان کے ذرات رَل مل جائیں گے اُس وقت بھلا کیسے زندہ ہو سکتے ہیں؟ اُن کا یہ استبعاد دوسری آیات میں بھی ذکر فرمایا ہے ان لوگوں کا یہ کہنا قیامت آنے کے انکار پر مبنی تھا اسی لئے فرمایا بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ (بلکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں)

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ (آپ فرما دیجئے ملک الموت تمہاری جانوں کو قبض کرتا ہے جو تم پر مقرر ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے) اس میں یہ بتایا کہ تمہیں مرنا بھی ضروری ہے اور زندہ ہو کر اپنے رب کی طرف لوٹنا بھی ضروری ہے اور موت واقع کرنے کا یہ طریقہ مقرر کیا گیا ہے کہ تم پر ملک الموت کو مسلط فرمایا ہے وہ تمہیں مقررہ وقت پر موت دے گا' جان کو رگ رگ سے نکالے گا' کافر کا عذاب اسی وقت سے شروع ہو جائے گا۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ

اور اے مخاطب اگر تو اس موقع کو دیکھے جبکہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہونگے تو عجیب منظر دیکھے گا۔ یہ لوگ کہہ رہے ہونگے کہ اے ہمارے رب ہم نے دیکھ لیا اور سُن لیا سو ہم کو واپس بھیج

صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ

ہم نیک عمل کریں گے بلاشبہ ہمیں یقین آ گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت دے دیتے اور لیکن میری طرف سے یہ بات طے ہو چکی ہے کہ میں

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ

ضرور ضرور جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے بھر دوں گا جو اس میں اکٹھے ہوں گے۔ سو تم آج کے دن کی ملاقات کو بھول جانے کی وجہ سے چکھ لو

اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

بلاشبہ ہم نے تمہیں بھلا دیا اور تم جو اعمال کیا کرتے تھے اُن کی وجہ سے ہمیشگی والا عذاب چکھ لو۔

قیامت کے دن مجرمین کی بدحالی اور دُنیا میں واپس ہونے کی درخواست کرنا

تفسیر: یہ تین آیات کا ترجمہ کیا گیا ہے' پہلی آیت میں مجرمین کی ایک حالت بتائی ہے کہ یہ لوگ دنیا میں وقوع قیامت کا انکار کرتے تھے اور یوں کہتے تھے: ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ جب یہ لوگ قیامت کے دن حاضر ہوں گے اور بارگاہِ الٰہی میں پیشی ہوگی تو رُسوائی اور ذلت کے مارے ہوئے سر جھکائے ہوں گے اور یوں کہیں گے کہ ہم نے دیکھ لیا اور سُن لیا جس بات کے منکر تھے وہ سمجھ میں آ گئی لہٰذا ہمیں دُنیا میں واپس بھیج دیجئے اب واپس ہو کر اچھے عمل کریں گے' ہمیں پوری طرح ان باتوں کا یقین آ گیا جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے نائبین سناتے اور سمجھاتے تھے۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو ہدایت دے دیتے لیکن میری طرف سے یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ دوزخ کو جنات سے اور انسانوں سے بھر دینا ہے' دونوں گروہ کے افراد کثیر تعداد میں دوزخ میں جائیں گے جنہوں نے دنیا میں کفر اختیار کیا یہ لوگ وہاں اکٹھے ہوں گے' یہ بات ازل سے طے شدہ ہے اور کافروں کے لئے مقدر

ہے۔ جب ابلیس نے لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ کہا تھا اُس وقت اللہ جل شانہٗ نے فرمادیا تھا: لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ (کہ اے ابلیس میں تجھ سے اور جو تیرا اتباع کرے گا ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا)

ہدایت یعنی اراءۃ الطریق تو سب ہی کے لئے ہے لیکن ہدایت بمعنی ایصال الی المطلوب سب کے لئے نہیں ہے' دوزخ کو بھی بھرنا ہے اور جنت کو بھی' اور جو شخص دوزخ میں جائے گا وہ اپنے اختیار کو غلط استعمال کرنے کی وجہ سے جائے گا۔ اُسے دنیا میں ایمان اور کفر کے دونوں راستے دکھا دیئے گئے' اسی اختیار دے دینے کی وجہ سے کسی کو ایمان یا کفر پر مجبور نہیں کیا گیا' جیسا کہ سورۂ کہف میں فرمایا وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (اور آپ فرما دیجئے کہ تمہاری طرف حق آ چکا ہے سو تم میں سے جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کرے) بہر حال اللہ تعالیٰ نے اختیار بھی دیا ہے اور قضاء اور قدر کا فیصلہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ کافر ہوں گے اور بہت سے لوگ مومن ہوں گے اور کافر دوزخ میں جائیں گے اور اہل ایمان جنت میں۔ جو امر اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہے اس کا وجود میں آنا ضروری ہے۔

کفار جو وہاں کہیں گے کہ ہمیں واپس کر دیا جائے ہم نیک بنیں گے' اُن کا یہ وعدہ غلط ہوگا' سورۂ انعام میں فرمایا: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (اور اگر واپس کر دیئے جائیں تو پھر لازمی طور پر وہی کام کریں گے جن سے منع کیا گیا ہے اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں) اور سورۂ فاطر میں ہے کہ ان کے واپس لوٹا دیئے جانے کی درخواست کے جواب میں یوں ارشاد ہوگا: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ (کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر لیتا' اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا تھا)

تیسری آیت میں فرمایا کہ مجرمین کی واپسی کی درخواست کے جواب میں ان سے کہا جائے کہ تم آج کے دن کی ملاقات کو جو بھول گئے تھے (اور اسی بھولنے کی وجہ سے نافرمانی پر تلے ہوئے تھے) اس بھولنے کی وجہ سے عذاب چکھ لو۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا

ہماری آیات پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے ہیں جس کے ساتھ حمد بھی ہوتی ہے اور وہ

يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

تکبر نہیں کرتے۔ ان کے پہلو لیٹنے کی جگہوں سے جدا ہوتے ہیں وہ ڈرتے ہوئے اور اُمید باندھتے ہوئے اپنے رب کو پکارتے ہیں اور ہم نے انہیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے

يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾

خرچ کرتے ہیں۔ سو کسی شخص کو اس کا علم نہیں ہے جو ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان پوشیدہ رکھا گیا ہے یہ اُن اعمال کا بدلہ ہوگا جو دُنیا میں کیا کرتے تھے۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

سو جو شخص مومن ہو گیا وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے؟ برابر نہیں ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے

فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ

اُن کے لئے باغ ہونگے ٹھہرنے کی جگہوں میں یہ بطور مہمانی ان اعمال کے بدلہ ہونگے جو دنیا میں کیا کرتے تھے۔ اور جن لوگوں نے نافرمانی کی اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ

جب بھی اس میں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اُسی میں واپس لوٹا دیئے جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا کہ آگ کا عذاب چکھ لو جس کو

بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾

تم جھٹلاتے تھے۔ اور ضرور ضرور ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے قریب والا عذاب چکھا دیں گے تاکہ وہ باز آ جائیں'

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جسے اُس کے رب کی آیات یاد دلائی جائیں پھر وہ اُن سے اعراض کرے' بلاشبہ ہم مجرمین سے بدلہ لینے والے ہیں۔

اہل ایمان کی صفات' مومنین کا جنت میں داخلہ' اہل کفر کا دوزخ میں برا ٹھکانہ

تفسیر: ان آیات میں مؤمنین صالحین کی بعض صفات اور ان کے انعامات بیان فرمائے ہیں اور کافرین فاسقین کا ٹھکانہ اور ان کی بدحالی بیان فرمائی ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ ہماری آیات پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جو تذکیر اور نصیحت کا اثر لیتے ہیں' جب انہیں ہماری آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو انہیں سن کر سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح اور تحمید میں مشغول ہو جاتے ہیں اور تکبر بھی نہیں کرتے۔ مزید فرمایا کہ ان کے پہلو اپنے لیٹنے کی جگہوں سے یعنی خوابگاہوں سے دور ہو جاتے ہیں وہ ڈرتے ہوئے اور اُمید کرتے ہوئے اپنے رب کو پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں' اس میں نماز تہجد پڑھنے والوں کی فضیلت بتائی ہے کہ یہ لوگ سونے اور آرام کرنے کے لئے لیٹتے ہیں پھر تھوڑا سا آرام کر کے بستر کو چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور وضو کر کے نماز میں لگ جاتے ہیں' نماز بھی پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی مانگتے ہیں اور اس کے انعامات کی اُمید بھی رکھتے ہیں اور گرفت اور مواخذہ ہونے سے بھی ڈرتے ہیں۔ درحقیقت خوف اور طمع (ڈرنا اور نعمتوں اور مغفرتوں کی اُمید رکھنا) یہ دونوں مومن کی زندگی کے اہم جزو ہیں' مومن کی زندگی میں یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ رہنی چاہئیں یعنی گناہوں سے بچتا رہے اعمالِ صالحہ کرتا رہے اور عدم قبولیت کا خوف بھی لگا رہے' جیسا عمل چاہئے ویسا نہ ہونے کی وجہ سے مواخذہ سے بھی ڈرے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے اچھی امید بھی لگائے رکھے' جس کے دل سے خوف گیا وہ گناہ بھی کرے گا اعمال بھی ترک کرے گا اور فسق میں ترقی کرتا چلا جائے گا اور جس کے دل سے اُمید نکل گئی' اللہ کی طرف سے مغفرتوں اور نعمتوں کا امیدوار نہ رہا ایسا شخص دُعا بھی نہ کرے گا' خوف اور طمع نہ ہو تو بندہ محرومی کے غار میں اُترتا چلا جاتا ہے۔

جو شخص تہجد کا اہتمام کرے گا ظاہر ہے کہ فرائض وسنن کی ادائیگی کا اس سے زیادہ فکر مند ہوگا' لہٰذا اس میں نمازوں کا اہتمام کرنے والوں کی تعریف بیان فرما دی اور ساتھ ہی وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ بھی فرما دیا کہ یہ لوگ نمازوں کا اہتمام بھی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ بھی کرتے ہیں۔ لفظوں کا عموم زکوٰۃ اور نفلی صدقہ اور صدقہ واجبہ

سب کو شامل ہے اور قلیل و کثیر سب کچھ اس میں آ گیا' یعنی یہ جو فرمایا کہ ہم نے جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اس میں ایک پیسے سے لیکر لاکھوں خرچ کرنا سب داخل ہو گیا' اللہ کی رضا میں خرچ کرنے کے لئے مالدار ہونا ضروری نہیں جس کے پاس تھوڑا سامان ہو وہ اسی میں سے خرچ کرے' خرچ کرنے کا ذوق ہو تو زیادہ مالیت اور کم مالیت سے کچھ فرق نہیں پڑتا اور تھوڑا مال ہونا بھی خرچ سے مانع نہیں ہوتا' بعض صحابہؓ نے تو یہاں تک کیا کہ اپنے پاس کچھ نہ ہوا تو مزدوری کر کے کچھ حاصل کیا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

نمازِ تہجد کی فضیلت: تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ سے نمازِ تہجد مراد ہے جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا' صاحب معالم التنزیل (جلد ۳) فرماتے ہیں کہ یہ اشہر الاقوال ہے اور اس کی تائید میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت بھی نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں ساتھ چلتے ہوئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتائیے جس کے ذریعہ جنت میں داخل ہو جاؤں اور دوزخ سے دور رہ سکوں' سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے بہت بڑی چیز کا سوال کیا اور حقیقت میں کچھ بڑی بھی نہیں' جس کے لئے اللہ تعالیٰ آسان فرما دیں اُس کے لئے بے شک ضرور آسان ہے' اس کے بعد فرمایا کہ (وہ عمل یہ ہے کہ) تو اللہ کی عبادت کر اور کسی کو اس کا شریک نہ بنا اور نماز قائم کر اور زکوٰۃ ادا کر اور رمضان کے روزے رکھ اور بیت اللہ کا حج کر' پھر فرمایا کیا تم کو خیر کے دروازے نہ بتا دوں؟ (سنو!) روزہ ڈھال ہے (جو نفس کی شہوتوں کو توڑ کر شیطان کے حملہ سے بچاتا ہے) اور صدقہ گناہ کو بجھا دیتا ہے (یعنی اس کی وجہ سے جو دوزخ کی آگ جلاتی اُس سے محفوظ کر دیتا ہے گویا کہ اس آگ کو بجھا دیتا ہے' جیسا کہ آگ کو پانی بجھا دیتا ہے) اور انسان کا رات کے درمیان نماز پڑھنا (تہجد کے وقت) نیک بندوں کا امتیازی نشان ہے' اس کے بعد سرور کائنات ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (جس میں تہجد پڑھنے والوں کی تعریف کی گئی ہے) تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (ان کی کروٹیں (بستر چھوڑ کر) لیٹنے کی جگہوں سے جدا ہوتی ہیں' وہ اپنے رب کو اُمید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں سو کسی شخص کو خبر نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اُن کے لئے چھپا دیا گیا ہے خزانہ یہ اُن کو اُن کے اعمال کا صلہ ملا ہے) پھر فرمایا کیا تم کو احکامِ الٰہیہ کی جڑ اور اُن کا ستون اور اس کی چوٹی کا عمل نہ بتا دوں! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور بتائیے! آپ نے فرمایا احکام الٰہیہ کی جڑ فرمانبرداری ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور چوٹی کا عمل جہاد ہے۔ پھر فرمایا کیا تم کو اس سب کا جزو اصلی نہ بتا دوں (جس کو عمل میں لانے سے ان سب چیزوں پر عمل کر سکو گے) میں نے عرض کیا یا نبی اللہ ضرور ارشاد فرمائیے! آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا اسے قابو میں رکھ کر اپنی نجات کا سامان کرو میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! (ﷺ) جو باتیں ہم بولتے ہیں کیا اُن پر بھی پکڑ ہو گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اے معاذ! تم بھی عجیب آدمی ہو! دوزخ میں منہ کے بل اوندھے کر کے جو چیز لوگوں کو دوزخ میں گرائے گی وہ ان کی زبان کی باتیں ہی تو ہوں گی۔ پھر فرمایا تم جب تک خاموش رہتے ہو محفوظ رہتے ہو اور جب بولتے ہو تو تمہارا بول تمہارے لئے ثواب یا عذاب کا سبب بنا کر لکھ دیا جاتا ہے۔

صاحب معالم التنزیل نے یہ حدیث اپنی سند سے ذکر کی ہے اور صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے ص ۱۴ پر مسند احمد اور سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ سے نقل کی ہے' خوابگاہوں سے پہلو جدا ہوتے ہیں اس کا مصداق نماز تہجد بتا کر صاحب معالم

التنزیل نے دیگر اقوال بھی نقل کئے ہیں' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی' یہ حضرات مغرب کی نماز پڑھ کر ٹھہر جاتے تھے اور جب تک رسول اللہ علیہ کے ساتھ عشاء کی نماز نہ پڑھ لیتے تھے گھروں کو نہیں جاتے تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت اُن صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی جو مغرب کی نماز کے بعد عشاء تک برابر نماز پڑھتے رہتے تھے' اور حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوذر اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اس آیت میں ان حضرات کی تعریف فرمائی ہے جو عشاء اور فجر جماعت سے پڑھتے ہیں۔ (معالم التنزیل جلد ۳ ص ۵۰۰)

درحقیقت ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے البتہ صلوٰۃ اللیل یعنی نمازِ تہجد مصداق ہونا متبادر ہے اور حدیث شریف سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے' البتہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ جب نماز تہجد کے لئے خواب گاہ چھوڑنے کی فضیلت ہے جو نفل نماز ہے تو نماز فجر کے لئے گرمی اور سردی میں بستر چھوڑ کر نماز فجر ادا کرنے کی فضیلت کیوں نہ ہوگی جو فرض نماز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں نمازِ فجر جماعت سے پڑھ لوں تو یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے جو پوری رات نماز میں کھڑا رہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کو ایک ہی میدان میں جمع کیا جائے گا (اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ایک منادی پکار کر کہے گا کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو خوابگاہوں سے جدا ہوجاتے تھے' یہ سنکر کچھ لوگ کھڑے ہوجائیں گے جن کی تعداد تھوڑی ہوگی یہ لوگ بغیر حساب جنت میں داخل ہوجائیں گے' اس کے بعد باقی لوگوں کا حساب شروع کرنے کا حکم ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۷)

جن حضرات کی صفات اوپر بیان ہوئی ہیں اُن کا انعام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے لئے جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان پوشیدہ کیا ہوا ہے اُسے کوئی شخص نہیں جانتا' اس میں اجمالی طور پر جنت کی نعمتوں کا مرتبہ بتایا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے بندوں کے لئے وہ سامان تیار کیا ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا گذر ہوا' اس کے بعد راوی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۴)

درحقیقت بات یہ ہے کہ جنت کی جن چیزوں کا قرآن وحدیث میں تذکرہ ہے اس میں کسی نعمت کی پوری کیفیت بیان نہیں کی گئی جو کچھ بیان فرمایا ہے وہاں کی نعمتیں اس سے بہت بلند ہیں اور بالا ہیں اس لئے فرمادیا کہ آنکھوں کی ٹھنڈک کا جو سامان اہل جنت کے لئے تیار کیا گیا ہے کوئی آنکھ تو دنیا میں اُسے کیا دیکھ پاتی کسی کان نے اس کی کیفیت کو سنا تک نہیں اور کسی کے دل میں اس کا تصور تک نہیں آیا۔ جنت کے متعلق جو کچھ سن کر اور پڑھ کر سمجھ میں آتا ہے جب جنت میں جائیں گے تو اس سے بہت بلند و بالا پائیں گے' پھر جنت کی جن نعمتوں کا تذکرہ قرآن وحدیث میں موجود ہے وہاں اُن کے علاوہ بہت زیادہ نعمتیں ہیں' نیز کسی چیز کے دیکھنے اور استعمال کرنے سے جو پوری واقفیت حال ہوتی ہے وہ محض سُننے سے حاصل نہیں ہوتی' لہٰذا اس دنیا میں رہتے ہوئے نعمائے جنت کی واقعی حقیقت و کیفیت کا ادراک نہیں ہوسکتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر جنت کی نعمتوں میں سے اتنی تھوڑی سی کوئی چیز دُنیا والوں پر ظاہر ہو جائے جسے ناخن پر اُٹھا سکتے ہیں تو آسمان اور زمین کے کناروں میں جو کچھ ہے وہ سب مزین ہو جائے اور اہل جنت میں سے کوئی شخص دُنیا کی طرف جھانک لے جس سے اس کے کنگن ظاہر ہو جائیں تو اس کی روشنی سورج کی روشنی کو ختم کر دے جیسا کہ سورج ستاروں کی روشنی کو ختم کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ ساری دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سب سے بہتر ہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا کی چیزوں میں سے کوئی چیز بھی جنت میں نہیں ہے صرف ناموں کی مشابہت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جنت کی نعمتوں کے تذکرہ میں جو سونا چاندی' موتی' ریشم' درخت' پھل میوے' تخت' گدے' کپڑے وغیرہ آئے ہیں یہ چیزیں وہاں کی چیزیں ہوں گی اور اُسی عالم کے اعتبار سے ان کی خوبی اور بہتری ہوگی' دنیا کی کوئی بھی چیز جنت کی کسی چیز کے پاسنگ بھی نہیں ہے۔

تنبیہ: نیک بندوں کی تعریف فرماتے ہوئے وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ بھی فرمایا ہے یہ سلبی صفت ہے دیگر صفات ایجابی ہیں۔ بات یہ ہے کہ تکبر بہت بری بلا ہے اپنی بڑائی بگھارنا' شہرت کا طالب ہونا' دوسروں کو حقیر جاننا دکھاوے کے لئے عبادت کرنا تاکہ لوگ معتقد ہوں' یہ سب تکبر کے شعبے ہیں۔ تکبر عبادات کا ناس کھو دیتا ہے' کیا کرایا سب مٹی میں مل جاتا ہے' ریا کاری کی وجہ سے اعمال باطل ہو جاتے ہیں اور وہ مستوجب سزا بھی ہے جیسا کہ احادیث شریفہ میں اس کا تذکرہ آیا ہے' مومن بندوں پر لازم ہے کہ تکبر سے دور رہیں' تواضع اختیار کریں' فرائض بھی ادا کریں' واجبات بھی پورے کریں' نوافل بھی پڑھیں' زکوٰۃ بھی دیں' صدقہ بھی کریں' سب سے اللہ کی رضا مقصود ہو' دکھاوا نہ کریں اور نہ بندوں سے تعریف کی خواہشمند ہوں۔

مومن اور فاسق برابر نہیں:

مؤمنین صالحین کا اجر و انعام بتانے کے بعد ارشاد فرمایا: أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا کیا جو شخص مومن ہو وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے؟ پھر خود ہی جواب دے دیا لَا يَسْتَوُونَ (مؤمنین اور فاسقین برابر نہیں ہو سکتے) اس کے بعد دوبارہ اہل ایمان کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا اور ساتھ ہی کافروں کے عذاب کا بھی ارشاد فرمایا: أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ (جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اُن کے لئے باغ ہوں گے ٹھہرنے کی جگہوں میں) نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (یہ بطور مہمانی اُن اعمال کا بدلہ ہوں گے جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے) وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ (اور جن لوگوں نے نافرمانی کی اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے) كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا (جب بھی اس میں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اس میں واپس لوٹا دیئے جائیں) وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ۔ (اور اُن سے کہا جائے گا کہ آگ کا عذاب چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے) جب ایمان والوں اور نافرمانوں کے انجام میں فرق ہے کہ اہلِ ایمان ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں ہوں گے اور وہاں اُن کے ساتھ مہمانوں جیسا برتاؤ ہوگا اور نافرمان دوزخ میں جائیں گے تو دونوں فریق برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اہل کفر کی ذلت کا یہ عالم ہوگا کہ جب اس میں سے نکلنا چاہیں تو اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تم جھٹلانے والا عمل کیا کرتے تھے اس کی وجہ سے آگ کا عذاب چکھتے رہو۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ولید بن عقبہ بن ابی

معیط کے بارے میں نازل ہوئی، دونوں میں کچھ گفتگو ہو رہی تھی ولید نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا کہ چپ ہو جا تو بچہ ہے اور میں بولنے میں بھی تجھ سے بہتر ہوں اور نیزہ بھی زیادہ تیز ہے اور دلاور بھی تجھ سے زیادہ ہوں اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چپ ہو جا تو فاسق ہے اس پر آیت بالا نازل ہوئی (فی صحته کلام طویل ذکره صاحب الروح فراجعه ان شئت' قال صاحب الروح وفی روایة اخری انها نزلت فی علی اکرم اللّٰه وجهه ورجل من قریش ولم یسمه) (اس بات کے صحیح ہونے میں طویل کلام ہے جسے روح المعانی والے نے ذکر کیا ہے اگر آپ چاہیں تو اسے دیکھ لیں۔ روح المعانی کے مصنفؒ نے کہا ہے کہ ایک دوسری روایت میں ہے یہ آیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ایک دوسرے آدمی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ دوسرے آدمی کا نام ذکر نہیں کیا)

اس کے بعد ارشاد فرمایا وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (اور ہم انہیں ضرور ضرور بڑے عذاب سے پہلے قریب والا عذاب چکھا دیں گے تا کہ وہ باز آ جائیں) بڑے عذاب سے مراد آخرت کا عذاب اور قریب والے عذاب سے دُنیا کا عذاب مراد ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر میں دو باتیں منقول ہیں، اول یہ کہ اہل مکہ کو جو چند سال قحط میں مبتلا کیا اس سے وہ عذاب مراد ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مشرکین مکہ کا غزوۂ بدر میں مقتول ہونا اور شکست کھانا مراد ہے۔ اگر وَلَنُذِيقَنَّهُمْ کی ضمیر منصوب مشرکین مکہ کی طرف راجع ہو تو یہ دونوں تفسیر اس کے مناسب ہیں، اور اگر عمومی طور پر سب ہی کافر اس ضمیر کا مرجع قرار دیئے جائیں تو پھر دنیا کے مصائب اور امراض مراد ہوں گے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ تیسرا قول بھی مروی ہے۔ دنیا کا یہ عذاب ایمان کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہوتا ہے تا کہ تنبہ ہو جائے اور توبہ کی طرف رجوع کر لیں۔ (رُوح المعانی جلد ۲۱ ص ۱۳۴، ۱۳۵)

آخر میں فرمایا وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا (اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جسے اُس کے رب کی آیات یاد دلائی جائیں پھر وہ ان سے اعراض کرے) إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ (اور بلاشبہ ہم مجرمین سے بدلہ لینے والے ہیں) اس میں مکذبین کے مستحق عذاب ہونے کی وجہ بتائی ہے کہ ہماری آیات کو جھٹلا کر بڑے ظالم بن گئے، نیز امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی تسلی ہے کہ یہ لوگ جو تکذیب پر تلے ہوئے ہیں ہم ان سے بدلہ لے لیں گے۔

صاحب رُوح المعانی فرماتے ہیں کہ پہلے اُن حضرات کی تعریف فرمائی جو اللہ تعالیٰ کی آیات سن کر سجدے میں گر پڑتے ہیں اور ان آیات میں اُن لوگوں کی مذمت بیان فرمائی جن کے سامنے اللہ کی آیات آئیں پھر وہ ان سے اعراض کریں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُن فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَائِهِ ۖ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سو آپ اس کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجئے اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لئے موجب ہدایت

إِسْرَائِيلَ ﴿٢٣﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ﴿٢٤﴾

بنایا تھا۔ اور ہم نے ان میں سے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے جبکہ انہوں نے صبر کیا، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٢٥﴾

بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان چیزوں میں فیصلے فرمائے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

جن چیزوں میں اختلاف کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں قیامت کے دن فیصلہ فرما دے گا

تفسیر: یہ تین آیات کا ترجمہ ہے' پہلی آیت میں فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی (انہوں نے اس کی اشاعت میں تکلیفیں برداشت کیں) اور اب آپ کو یہ کتاب دی ہے یعنی قرآن مجید عطا فرمایا ہے آپ اس کتاب کے ملنے میں کچھ شک نہ کیجئے یعنی آپ صاحب کتاب ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی آتی ہے' آپ کا بلند مرتبہ ہے' اس بلند مرتبہ کے ہوتے ہوئے اگر کج فہم آپ کی دعوت پر دھیان نہ دیں تو آپ غم نہ کریں' موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی گئی وہ محنت کرتے رہے اور ایذا دینے والوں کی باتوں پر صبر کرتے رہے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ کا خطاب گو بظاہر حضور اکرم کو ہے لیکن مقصود خطاب آپ (ﷺ) کی امت ہے اور وہ لوگ ہیں جنہیں قرآن مجید کے بارے میں کتاب اللہ ہونے میں شک تھا۔

حضرت حسن نے فرمایا کہ لِقَآئِهٖ کی ضمیر مجرور شدت اور محنت کی طرف راجع ہے جو کلام سے مفہوم ہو رہی ہے فکانه قیل: ولقد اٰتینا موسیٰ هٰذا العبء الّذی انت بسبیله فلا تمترِ انک تلقی ما لقی هو من الشدة والمحنة بالنّاس. (ذکره صاحب روح) (گویا کہ کہا گیا ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہی مشقت دی ہے جس مشقت کے راستہ پر آپ چل رہے ہیں پس آپ گھبراہٹ میں نہ پڑیں لوگوں کی طرف سے جو تکالیف و پریشانیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہنچیں وہ یقیناً آپ کو بھی پہنچیں گی) صاحب بیان القرآن نے اپنی تفسیر میں ضمیر کا مرجع تو کتاب ہی کو بتایا ہے البتہ شدت و محنت والی بات لے لی ہے ہم نے بھی ان کا اتباع کیا ہے اگرچہ صاحب روح المعانی آخر میں فرماتے ہیں: ولا یخفی بعده۔ (اور اس توجیہ کا بعید ہونا ظاہر ہے)

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۔ اور ہم نے اس کتاب کو (جو موسیٰ علیہ السلام کو دی تھی) بنی اسرائیل کے لئے سبب ہدایت بنایا تھا اسی طرح آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب بھی آپ کی اُمت کے لئے ہدایت کا سبب ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل میں پیشوا بنا دیئے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے جبکہ انہوں نے صبر کیا (اس سے معلوم ہوا ہدایت اور محنت کی کوشش میں صبر کرنا ضروری ہے لہٰذا آپ بھی صبر کریں) اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے یہ یقین انہیں ہدایت اور دعوت کے کام پر ثابت قدم رکھتا تھا۔ اَئِمَّةً سے کون حضرات مراد ہیں؟ حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی اُمت کے افراد مراد ہیں جو ہدایت اور دعوت کے کام میں لگے رہتے تھے' یہ دوسرا قول اقرب ہے کیونکہ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ حال کے مناسب ہے' حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تو اصحاب یقین تھے ہی قال صاحب الروح ج ۲۱ ص ۱۳۸ والمراد کذالک لنجعلن الکتٰب الّذی اتیناک او لنجعلنک هدًى لامتک ولنجعلن منهم ائمة یهدون مثل تلک الهدایة۔ (تفسیر روح المعانی کے مصنف نے کہا ہے اور مراد یہ ہے کہ اسی طرح ہم نے آپ کو جو کتاب دی اسے یا خود آپ کو آپ کی امت کے لئے ہدایت کا سامان بنائیں گے اور ہم ضرور ان میں راہنما بنائیں گے جو اس ہدایت کے مطابق راہنمائی کریں)

تیسری آیت میں یہ فرمایا کہ قیامت کے دن آپ کا رب ان کے درمیان ان امور کے بارے میں فیصلہ فرمادے گا جن میں یہ لوگ آپس میں اختلاف کرتے تھے یعنی اہل ایمان کو جنت میں اور اہل کفر کو دوزخ میں داخل فرمادے گا۔ اس میں رسول اللہ علیہ ﷺ کو تسلی ہے کہ جو لوگ آپ کے مخالف رہے ہیں اگر کفر ہی پر جمے رہے تو قیامت کے دن سزا مل ہی جائے گی۔

أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسَاكِنِهِمْ ۚ إِنَّ
کیا ان لوگوں کو اس چیز نے ہدایت نہیں دی کہ ان سے پہلے ہم کتنی ہی اُمتوں کو ہلاک کر چکے ہیں' یہ لوگ ان کے رہنے کی جگہوں میں چلتے پھرتے ہیں' بلاشبہ
فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ ۖ أَفَلَا يَسْمَعُونَ ﴿٢٦﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ
اس میں نشانیاں ہیں' کیا یہ لوگ نہیں سنتے' کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم سوکھی زمین کی طرف پانی کو روانہ کرتے ہیں پھر اس کے ذریعہ
زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنفُسُهُمْ ۖ أَفَلَا يُبْصِرُونَ ﴿٢٧﴾
کھیتی نکالتے ہیں جس میں سے ان کے مویشی اور خود یہ لوگ کھاتے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے

ہلاک شدہ اقوام کے مساکن سے عبرت حاصل کرنے کی تاکید
کھیتیاں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں جن سے بنی آدم اور مویشی کھاتے ہیں

تفسیر: جو لوگ رسول اللہ علیہ ﷺ کو جھٹلاتے تھے اور اس تکذیب پر عذاب آ جانے کی وعید سنتے تھے وہ عذاب آنے کی بھی تکذیب کرتے تھے اور یوں سمجھتے تھے کہ عذاب آنے والا نہیں یہ یوں ہی باتیں' ایسے لوگوں کی تنبیہ کے لئے فرمایا کہ ان لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی اُمتیں ہلاک کر دی ہیں' یہ خبریں ان تک پہنچی ہوئی ہیں اور ان لوگوں کی ہلاکت کے واقعات انہوں نے سُن رکھے ہیں اور صرف سُنے ہی نہیں آنکھوں سے بھی ان کی تباہیوں کے آثار دیکھتے ہیں' جب اپنی تجارت کے لئے سفر کرتے ہیں (خصوصاً اہل مکہ جو تجارت کے لئے شام جایا کرتے تھے) تو یہ لوگ برباد شدہ اقوام کے کھنڈرات پر گذرتے ہیں تو ان کے قلعے گرے ہوئے اور مکانات ٹوٹے ہوئے اور بیکار پڑے ہوئے کنویں نظروں سے دیکھتے ہیں' کیا یہ بات ان کی ہدایت کے لئے کافی نہیں ہے' اگر فکر کریں اور تھوڑا سا بھی سوچیں تو یہ نشانیاں ہدایت کا سبب بن سکتی ہیں' جب یہ چیزیں نظر کے سامنے ہیں تو کیوں ہدایت نہیں کرتے' سورۃ الحج میں فرمایا: فَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ (سو کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا اور حال یہ ہے کہ ان کے رہنے والے ظلم کرنے والے تھے' سو وہ اپنی ہی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور کتنے ہی بے کار کنوئیں ہیں اور پختہ بنائے ہوئے محل ہیں جو ویران پڑے ہیں)

پھر ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو قیامت کے منکر تھے اور یوں کہتے تھے کہ دوبارہ زندہ ہونا ہماری سمجھ میں نہیں آتا ان کے بارے میں فرمایا کیا یہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ زمین خشک پڑی رہتی ہے' اس میں ذرا بھی ایک سبز پتہ کا نشان بھی نہیں ہوتا ہم اس زمین کی طرف پانی روانہ کرتے ہیں جو بادلوں سے بھی برستا ہے اور نہروں اور کنوؤں سے بھی حاصل کیا جاتا ہے جب یہ پانی زمین میں

اُترتا ہے تو ہم اس سے کھیتی نکال دیتے ہیں یہ کھیتی اُن کے کام آتی ہے اس سے ان کے جانوروں کا چارہ بھی بنتا ہے اور خود بھی یہ لوگ اس میں سے کھاتے ہیں' یہ مردہ زمین کو زندہ کرنا انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی زندہ مثال ہے اگر سمجھنا چاہیں تو سمجھ سکتے ہیں یہ سب کچھ نظروں کے سامنے ہے کیوں نہیں دیکھتے؟ سورۂ رُوم میں فرمایا فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ (سواے مخاطب اللہ کی رحمت کے آثار کو دیکھ لے وہ زمین کو اس کی موت کے بعد کیسے زندہ فرماتا ہے' بلاشبہ وہ ضرور مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے)

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ فتح کب ہوگی اگر تم سچے ہو' آپ (ﷺ) فرما دیجئے کہ فتح کے دن کافروں کو ان کا ایمان نہ نفع دے گا

وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ۝

اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ سو آپ ان سے اعراض کیجئے اور انتظار کیجئے بے شک وہ بھی منتظر ہیں۔

فتح کے دن کافروں کا ایمان نفع نہ دے گا

تفسیر: جب منکرین اور معاندین کے سامنے قیامت کے واقع ہونے اور وہاں فیصلے کئے جانے کا ذکر ہوتا تھا تو کافر لوگ بطور مذاق ہنسی اڑاتے ہوئے یوں کہتے تھے کہ فیصلہ کا دن کب ہوگا؟ تم سچے ہو تو ہمیں اس کی تاریخ بتادو' ان کے جواب میں فرمایا کہ انکار کرنے اور جلدی مچانے سے اس دن کے عذاب سے خلاصی نہ پاؤ گے آنے والی آ ہی جائے گی دیر میں آنے کا مطلب یہ نہیں کہ آنی ہی نہیں ہے' وہ آئے گی ضرور آئے گی اور کافروں کو بہت بڑی مصیبت کا سامنا ہوگا اسے دیکھ کر ایمان لاؤ گے تو ایمان بھی معتبر نہ ہوگا اور اگر یوں کہیں کہ ہمیں مہلت دیدی جائے تو مہلت بھی نہیں دی جائے گی قال صاحب الروح فکانہ قیل لھم: لا تستعجلوا بہ ولا تستھزؤا فکأنی باسم وقد حصلتم فی ذٰلک الیوم وامنتم فلم ینفعکم الایمان واستنظرتم فی ادراک العذاب فلم تنظروا' وھٰذا قریب من اسلوب الحکم. (تفسیر روح المعانی کے مصنف فرماتے ہیں گویا کہ ان سے کہا گیا ہے تم قیامت کی جلدی نہ مچاؤ اور نہ مذاق اڑاؤ میں تو دیکھ رہا ہوں کہ تم قیامت کے دن میں داخل ہو چکے ہو اور تم اس دن کو دیکھ کر ایمان لائے ہو اور تمہیں اس وقت کے ایمان نے کوئی نفع نہیں دیا ہے۔ تم نے عذاب سے بچاؤ کیلئے مہلت مانگی ہے لیکن تمہیں مہلت نہیں ملی یہ مفہوم امر کے صیغہ سے حکم کے انداز میں بات کہنے کے قریب ہے)

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ (سو آپ ان سے اعراض فرمایئے) ان کی تکذیب اور استہزاء کا وبال انہیں پر پڑے گا' ان کو سمجھنے کا ارادہ نہیں ہے اور افہام و تفہیم بھی ان کے حق میں مفید نہیں۔ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ (آپ انتظار کیجئے وہ بھی انتظار کر رہے ہیں) آپ ہماری مدد کے منتظر رہیں وہ غیر شعوری طور پر عذاب کے منتظر ہیں۔

ولقد تم تفسیر سورۃ السجدۃ بحمداللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ للیلۃ الثانی عشر
من شھر شعبان المعظم من شھور السنۃ السادس عشرۃ بعد الالف والربعمائۃ.
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ. وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ ثَلٰثٌ سَبْعُوْنَ اٰیَۃً وَّتِسْعُ رُکُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۂ احزاب مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں تہتر آیات اور نو رکوع ہیں

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۙ وَّاتَّبِعْ

اے نبی اللہ سے ڈرتے رہئے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے بلاشبہ اللہ علیم ہے حکیم ہے اور آپ اُس کا اتباع کیجئے

مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۙ وَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَکَفٰی

جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کیا جاتا ہے بلاشبہ اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو اور اللہ پر بھروسہ کیجئے اور وہ کافی

بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ۝

ہے اور کارساز ہے

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہئے اور اس پر توکل کیجئے، کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانئے

تفسیر: یہاں سے سورۂ احزاب شروع ہو رہی ہے، اَحْزَابُ حِزْبٌ کی جمع ہے جو گروہ کے معنی میں آتا ہے، ۵ھ میں قریش مکہ اور بہت سے قبائل اور جماعتیں سب مل کر مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے مدینہ طیبہ پر چڑھ آئے تھے۔ چونکہ ان کے بہت سے گروہ تھے اس لئے اس غزوہ کا نام غزوۂ احزاب معروف ہوا۔ اور چونکہ اس موقع پر خندق بھی کھودی گئی تھی (اور ظاہری اسباب میں وہی تمام گروہوں کے حملہ سے محفوظ ہونے کا ذریعہ بنے) اس لئے اس غزوہ کو غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے۔ تفسیر روح المعانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سورۃ الاحزاب کا سبب نزول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اہل مکہ میں سے ولید بن مغیرہ اور شیبہ بن ربیع نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر آپ اپنی دعوت کو چھوڑ دیں؟ تو ہم آپ کو اپنا آدھا مال دے دیں گے، اور ادھر مدینہ طیبہ کے یہودیوں اور منافقوں نے یہ دھمکی دی کہ آپ نے اگر اپنی بات نہ چھوڑی تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے، اس پر سورۃ الاحزاب نازل ہوئی۔

اوپر تین آیات کا ترجمہ ذکر کیا گیا ہے، ان میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے کہ آپ برابر تقوے پر قائم و دائم رہیے، کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیے اور آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو وحی کی جاتی ہے اس کا اتباع کرتے رہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں، اللہ کافی ہے اللہ کارساز ہے، وہ کارساز ہونے کے لئے کافی ہے، اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے، دشمنوں نے جو آپ کو مال کی پیش کش کی ہے اور جو قتل کی دھمکی دی ہے اُسے اس کا علم ہے، اللہ تعالیٰ حکیم بھی ہے جو کچھ وجود میں آتا ہے اس میں حکمت ہے، دشمنوں نے آپ کو جو پیش کش کی ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے جس میں سے ایک یہ ہے کہ آپ مضبوطی کے ساتھ اللہ کے دین پر جمے رہیں اور وحی کا اتباع کرتے رہیں تاکہ آپ کے اندر مزید قوت اور توکل کی شان پیدا ہو جائے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ

اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے اور تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو تمہاری ماں

اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ

نہیں بنایا' اور جو تمہارے منہ بولے بیٹے ہیں ان کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا' یہ تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے' اور اللہ حق بات فرماتا ہے

يَهْدِي السَّبِيْلَ ④ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ

اور راستہ دکھاتا ہے' تم انہیں ان کے باپوں کے نام سے پکارو' یہ اللہ کے نزدیک انصاف کی بات ہے' سو اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو

فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ

وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں' اور جو کچھ تم سے خطا ہو جائے اس کے بارے میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور لیکن جس کا تمہارے

قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑤

دل قصداً ارادہ کر لیں' اور اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

منہ بولے بیٹے تمہارے حقیقی بیٹے نہیں ہیں ان کی نسبت ان کے باپوں کی طرف کرو

تفسیر: تفسیر قرطبی جلد نمبر ۱۴ ص ۱۱۶ میں لکھا ہے کہ جمیل بن معمر فہری ایک آدمی تھا اس کی ذکاوت اور قوت حافظہ مشہور تھی' قریش اس کے بڑے معتقد تھے اور کہتے تھے کہ اس کے سینہ میں دو دل ہیں اور وہ خود بھی یوں کہتا تھا کہ میرے دو دل ہیں ان دونوں کے ذریعہ جو کچھ سمجھتا ہوں وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عقل سے زیادہ ہے' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی باتوں کی تردید فرمائی اور فرمایا' مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ (کہ اللہ نے کسی بندہ کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے) جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے اُسے اپنے دعوے کی سزا ضرور ملنا ہے اور اس کے دعوے کے خلاف ظاہر ہو جاتا ہے چنانچہ اس شخص کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا جو یہ کہتا تھا کہ میرے اندر دو دل ہیں۔ قصہ یہ ہوا کہ یہ شخص بھی جنگ بدر میں شریک تھا جب مشرکین کو شکست ہو گئی تو ابوسفیان نے اُس سے پوچھا کہ لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا وہ تو شکست کھا گئے' ابوسفیان نے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ تیرا ایک چپل تیرے ایک ہاتھ میں ہے اور دوسرا تیرے پاؤں میں ہے' کہنے لگا اچھا یہ بات ہے! میں تو یہی سمجھ رہا ہوں کہ وہ دونوں میرے پاؤں میں ہیں' اُس وقت لوگوں پر ظاہر ہو گیا کہ اگر اس کے دو دل ہوتے تو اپنے چپل کو ہاتھ میں لٹکائے ہوئے یہ نہ سمجھتا کہ وہ میرے پاؤں میں ہے۔

ظہار کیا ہے: اہل عرب میں ظہار کا طریقہ جاری تھا یعنی مرد اپنی بیوی سے یوں کہہ دیتا تھا کہ: اَنْتِ ...... كَظَهْرِ اُمِّيْ (تو میرے لئے ایسی ہے جیسی میری ماں کی کمر ہے) ایسا کہہ دینے سے اُس عورت کو اپنے اوپر ہمیشہ کے لئے حرام سمجھ لیتے تھے۔ اسلام میں اگر کوئی شخص ایسا کہہ دے تو اس کے لئے کفارہ مقرر کر دیا گیا ہے جو سورۃ المجادلہ کے پہلے رکوع میں مذکور ہے' اہل عرب جو اپنے اوپر عورت کو ہمیشہ کے لئے حرام سمجھ لیتے تھے اُن کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا جَعَلَ

اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ (اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو تمہاری حقیقی اور واقعی ماں نہیں بنا دیا) لہٰذا اگر کوئی شخص ظہار کر لے تو اس کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام نہ ہو جائے گی مقررہ کفارہ دے دے تو پھر میاں بیوی کی طرح رہیں۔

بیٹا بنا لینا: اہل عرب کا یہ بھی طریقہ تھا کہ جب کسی لڑکے کو منہ بولا بیٹا بنا لیتے تھے (جو اپنا بیٹا نہیں دوسرے شخص کا بیٹا ہوتا تھا جسے ہمارے محاورہ میں لے پالک کہتے ہیں) تو اس لڑکے کو بیٹا بنانے والا شخص اپنی ہی طرف منسوب کرتا تھا یعنی حقیقی بیٹے کی طرح سے اُسے مانتا اور سمجھتا تھا اور اس سے بیٹے جیسا معاملہ کرتا تھا اس کو میراث بھی دیتا تھا اور اس کی موت یا طلاق کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کرنے کو بھی حرام سمجھتا تھا اور عام طور سے دوسرے لوگ بھی اس لڑکے کو اُسی شخص کی طرف منسوب کرتے تھے جس نے بیٹا بنایا ہے اور ابن فلاں کہہ کر پکارتے تھے ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ (کہ اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا اصلی اور واقعی بیٹا قرار نہیں دیا) تم جو انہیں بیٹا بنانے والے کا بیٹا سمجھتے ہو اور اس پر حقیقی بیٹے کا قانون جاری کرتے ہو یہ غلط ہے۔ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ (یہ تمہارے اپنی منہ بولی باتیں ہیں، اللہ کی شریعت کے خلاف ہیں) وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ (اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور حق راہ بتاتا ہے) اسی میں سے یہ بھی ہے کہ منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹا نہ سمجھا جائے۔ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (تم انہیں ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے پکارو یہ اللہ کے نزدیک انصاف کی چیز ہے) فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ (سو اگر تمہیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو مثلاً کسی لڑکے کو پال لیا جس کا باپ معلوم نہ تھا مثلاً کسی لقیط (پڑا ہوا بچہ) کو اُٹھا لیا۔ اس کے باپ کا علم نہیں نہ بیٹا بنانے والے کو ہے نہ بستی والوں کو تو اُسے یَـا اَخِـیْ میرا بھائی کہہ کر بلاؤ کیونکہ وہ تمہارا دینی بھائی ہے یا دوست کہہ کر بلاؤ مَوَالِیْ مَوْلٰی کی جمع ہے جس کے متعدد معانی ہیں ان میں سے ایک ابن العم یعنی چچا کے بیٹے کے معنی میں بھی آتا ہے اس لئے صاحب جلالین نے مَـوَالِیْـکُمْ کا ترجمہ بنـو عـمـکـم کیا ہے یعنی چچازاد کہہ کر پکارلو۔ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ (اور جو کچھ تم سے خطا ہو جائے اس کے بارے میں تم پر کوئی گناہ نہیں) تم سے بھول چوک ہو جائے اور منہ سے بیٹا بنانے والے کی طرف نسبت کر بیٹھو تو اس پر گناہ نہیں ہے۔ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ (لیکن اس حکم کی خلاف ورزی قلبی ارادہ کے ساتھ قصداً ہو جائے تو یہ مواخذہ کی بات ہے) وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان ہے) گناہ ہو جائے تو مغفرت طلب کرو اور توبہ کرو۔

ضروری مسائل

مسئلہ: اگر کسی لڑکے یا لڑکی کو کوئی شخص لے کر پال لے اور بیٹا بیٹی کی طرح اس کی پرورش کرے جیسا کہ بعض بے اولاد ایسا کر لیتے ہیں تو ایسا کرنا جائز ہے لیکن حقیقی ماں باپ، بھائی، بہن اور دیگر رشتہ داروں سے اس کا تعلق حسب سابق باقی رہنے دیں شرعی اصول کے مطابق آنا جانا ملنا جلنا جاری ہے قطع رحمی نہ کی جائے۔

مسئلہ: قرآن مجید میں بتادیا کہ مُتَبَنّٰی یعنی منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہو جاتا لہٰذا اس کو پالنے والے مرد یا عورت کی میراث نہیں ملے گی، بعض مرتبہ کسی کو بیٹا بیٹی بنا لینے کے بعد اپنی اولاد پیدا ہو جاتی ہے اور اولاد کے علاوہ دیگر شرعی ورثاء

بھی ہوتے ہیں پس سمجھ لیا جائے کہ میراث اسی اصل ذاتی اولاد اور دیگر شرعی ورثاء کو ملے گی منہ بولے بیٹے بیٹی کا اس میں کوئی حصہ نہیں' البتہ منہ بولے بیٹے کے لئے وصیت کی جا سکتی ہے جو تہائی مال سے زیادہ نہ ہو اور اس وصیت کرنے میں اصل وارثوں کو محروم کرنے یا ان کا حصہ کم کرنے کی نیت نہ ہو۔

مسئلہ: منہ بولا بیٹا بیٹی چونکہ اپنے حقیقی بیٹا بیٹی نہیں بن جاتے اس لئے اگر وہ محرم نہیں ہیں تو ان سے وہی غیر محرم والا معاملہ کیا جائے گا اور سمجھدار ہو جانے پر پردہ کرنے کے احکام نافذ ہوں گے' ہاں اگر کسی مرد نے بھائی کی لڑکی لے کر پال لی تو اس سے پردہ نہ ہوگا یا اگر کسی عورت نے بہن کا لڑکا لے کر پال لیا تو اس سے بھی پردہ نہ ہوگا کیونکہ دونوں صورتوں میں محرم ہونے کا رشتہ سامنے آ گیا' ہاں جس کا رشتہ محرمیت نہ ہوگا اس سے پردہ ہوگا' مثلاً کسی عورت نے اپنے بھائی یا بہن کی لڑکی لے کر پال لی جس کا عورت کے شوہر سے کوئی رشتہ محرمیت نہیں ہے تو اُس مرد کے حق میں وہ غیر ہوگی اس سے پردہ ہوگا۔

مسئلہ: کسی نے کسی کو منہ بولا بیٹا بنایا اور اس بیٹا بنانے والے کی لڑکی بھی ہے تو اس لڑکے اور لڑکی کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے بشرطیکہ حُرمت نکاح کا کوئی دوسرا سبب نہ ہو۔

مسئلہ: اگر کسی نے کسی نامحرم کو اپنا بیٹا بنایا اور اس لڑکے کی کسی لڑکی سے شادی کر دی پھر یہ لڑکا مر گیا یا طلاق دے دی تو اس بیٹا بنانے والے شخص سے مرنے والے کی بیوی کا نکاح ہو سکتا ہے بشرطیکہ کوئی دوسری وجہ حرمت نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا پھر بڑا ہو جانے پر اپنی پھوپھی کی لڑکی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ان کا نکاح کر دیا تھا' جب انہوں نے طلاق دے دی تو آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا' اس پر عرب کے جاہلوں نے اعتراض کیا کہ دیکھو بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا' (جس کا تذکرہ اس سورت کے پانچویں رکوع میں آ رہا ہے' ان شاء اللہ) ان لوگوں کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ فرما دیا (کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا نہیں بنا دیا تھا)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم زید بن حارثہ کو زید بن محمد (ﷺ) کہا کرتے تھے۔ جب آیت وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ نازل ہوئی تو ہم نے ایسا کہنا چھوڑ دیا۔

مسئلہ: دوسروں کے بچوں کو شفقت اور پیار میں جو بیٹا کہہ کر بلا لیتے ہیں جبکہ ان کا باپ معروف و مشہور ہو تو یہ جائز تو ہے لیکن بہتر نہیں ہے۔

مسئلہ: جس طرح کسی کے منہ بولے بیٹے کو اپنا بیٹا بنانے والے کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح اس کی بھی اجازت نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی کو اپنا باپ بنائے یا بتائے یا کاغذات میں لکھوائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف نسبت کی حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ میرا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔ (رواہ البخاری عن سعد بن ابی وقاص) آجکل جو لوگوں میں اپنا نسب بدلنے' جھوٹا سید بنے یا اپنی قوم و قبیلہ کے علاوہ کسی دوسرے قبیلہ کی طرف منسوب ہونے کا رواج ہو گیا ہے یہ حرام ہے ایسا کرنے والے حدیث مذکور کی وعید کے مستحق ہیں۔

مسئلہ: اگر کسی عورت نے زنا کیا اور اس سے حمل رہ گیا پھر جلدی سے کسی سے نکاح کر لیا اور اس طرح سے اس شوہر کا بچہ ظاہر کر دیا جس سے نکاح کیا ہے تو یہ بھی حرام ہے' اور اگر کسی شخص کا واقعی بچہ ہے اور وہ اس کا انکار کرے تو یہ بھی حرام

ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی عورت کسی قوم میں کسی ایسے بچے کو شامل کر دے جو اُن میں سے نہیں ہے تو اللہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور اللہ اسے ہرگز اپنی جنت میں داخل نہ فرمائے گا، اور جس کسی مرد نے اپنے بچے کا انکار کر دیا حالانکہ وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اپنی رحمت سے دور فرما دے گا اور اسے (قیامت کے دن) اولین و آخرین کے سامنے رسوا کرے گا۔ (رواہ ابوداؤد)

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ
مؤمنین سے نبی کا تعلق اس سے زیادہ ہے جو اُن کا اپنے نفسوں سے ہے اور آپ کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں،
اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى
اور رشتہ دار اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ تعلق رکھنے والے ہیں بہ نسبت دوسرے مؤمنین مہاجرین کے مگر یہ کہ تم اپنے
اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝
دوستوں سے کچھ اچھا سلوک کرنا چاہو یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

مؤمنین سے نبی کا تعلق اس سے زیادہ ہے جو اُن کا اپنے نفسوں سے ہے اور آپ کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں

تفسیر: اس آیت میں بظاہر چار باتیں بتائی ہیں، اول یہ کہ نبی اکرم ﷺ کو مؤمنین سے جو تعلق ہے وہ اُس تعلق سے بھی زیادہ ہے جو مؤمنین کو اپنی جانوں سے ہے، اس میں بہت سے مضامین آ جاتے ہیں، اول یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو ایمان والوں کے ساتھ جو رحمت اور شفقت کا تعلق ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ مؤمنین کو بھی اپنی جانوں سے رحمت اور شفقت کا اتنا تعلق نہیں ہے، اس کا کچھ بیان سورۂ توبہ کی آیت کریمہ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ کے ذیل میں گذر چکا ہے وہاں آپ کی رحمت اور شفقت کے بارے میں بعض احادیث گذر چکی ہیں، آپ ﷺ کو یہ گوارہ نہ تھا کہ کسی مؤمن کو کوئی بھی تکلیف پہنچ جائے، آپ ﷺ نے کبھی کسی کو دینی ضرورت سے غصہ میں کچھ فرما دیا تو اس کو بھی رحمت بنا دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں یوں دعا کی: اَللّٰهُمَّ اِنِّي اتَّخَذْتُ عِنْدَكَ عَهْدًا لَنْ تُخْلِفَنِيْهِ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ اٰذَيْتُهٗ شَتَمْتُهٗ لَعَنْتُهٗ جَلَدْتُّهٗ فَاجْعَلْهَا لَهٗ صَلٰوةً وَّزَكٰوةً تُقَرِّبُهٗ بِهَا اِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (اے اللہ! میں آپ سے ایک درخواست کرتا ہوں جو امید ہے کہ آپ ضرور ہی قبول فرمائیں گے وہ یہ کہ میں ایک انسان ہوں پس جس کسی مؤمن کو میں نے تکلیف دی، برا بھلا کہا، لعنت کی، کوڑا مارا تو میرے اس عمل کو آپ اس کے لئے رحمت اور پاکیزگی اور اپنی نزدیکی کا ذریعہ بنا دیں جس کے ذریعہ آپ قیامت کے دن اس کو اپنے قرب سے نوازدیں)

رسول اللہ ﷺ کی شفقت عامہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی

عادت شریفہ تھی کہ جب کسی ایسے شخص کا جنازہ پڑھنے کے لئے لایا جاتا جس پر قرض ہوتا تو آپ ﷺ دریافت فرماتے تھے کہ اس نے ادائیگی کا انتظام چھوڑا ہے یا نہیں؟ اگر جواب میں عرض کیا جاتا کہ اس نے ادائیگی کا انتظام چھوڑا ہے تو آپ اس کی نماز جنازہ پڑھا دیتے تھے اور اگر یہ بتایا جاتا کہ اس نے قرض کی ادائیگی کا انتظام نہیں چھوڑا تو فرماتے تھے کہ تم لوگ اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو (یہ طریقہ آپ ﷺ نے اس لئے اختیار فرمایا تھا کہ لوگوں پر قرضدار ہو کر مرنے کی شناعت وقباحت ظاہر ہو جائے کہ دیکھو حضور نے اس کی نماز جنازہ تک نہیں پڑھی) پھر جب اللہ نے آپ پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے تو آپ ﷺ بطور خطیب کے کھڑے ہوئے اور فرمایا اَنَا اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ (مجھے مومنین سے اس سے زیادہ تعلق ہے جتنا انہیں ان کی جانوں سے ہے) لہٰذا مومنین میں سے جس کسی شخص کی وفات ہو جائے اور وہ اپنے اوپر قرضہ چھوڑ جائے تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جو کوئی مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کے لئے ہے۔

آپ ﷺ چاہتے تھے کہ کسی مسلمان کو کوئی بھی تکلیف نہ ہو نہ دنیا میں نہ آخرت میں، آپ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اور بتایا اور تعلیم دی اس میں مومنین کے لئے خیر ہی خیر ہے جبکہ خود مومن بندے کبھی اپنی رائے کی غلطی سے اور کبھی کسی خواہش سے متاثر ہو کر دنیا و آخرت میں اپنی جانوں کو تکلیف پہنچانے والے کام بھی کر گذرتے ہیں، آپ ﷺ نے اپنی مثال دے کر سمجھایا اور فرمایا کہ میری مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب آگ نے اپنے آس پاس روشنی کر دی تو پروانے اور یہ چھوٹے چھوٹے کیڑے جو آگ میں گرا کرتے ہیں اس میں گرنے لگے، آگ جلانے والا انہیں روکتا ہے اور وہ اس پر غالب ہو جاتے ہیں اور اس میں داخل ہو جاتے ہیں، میری اور تمہاری مثال ایسی ہے میں دوزخ سے بچانے کے لئے تمہاری کمروں کو پکڑتا ہوں کہ آ جاؤ آگ سے بچو آ جاؤ آگ سے بچو پھر تم مجھ پر غلبہ پا جاتے ہو (یعنی ایسے کام کرتے ہو جو دوزخ میں جانے کا سبب ہوتے ہیں) (رواہ مسلم جلد ۲ ص ۲۴۸)

رسول اللہ ﷺ کی کوشش تو یہی رہی کہ امت مسلمہ کا کوئی شخص دوزخ میں نہ جائے لیکن دنیا داری کی وجہ سے اور نفس کی خواہشوں کے دباؤ سے لوگ گناہ کر کے عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں، یہاں تو آپ ﷺ نے اپنی امت کی خیر خواہی کے لئے محنت کی ہی تھی آخرت میں سفارش بھی کریں گے، آپ ﷺ کی شفقت میں نہ یہاں کمی رہی نہ وہاں ہوگی، البتہ امت کو بھی اپنی جانوں کو عذاب آخرت سے بچانے کے لئے فکر رکھنا چاہئے۔

آپ ﷺ نے تو یہاں تک کیا کہ اُمت کی خیر خواہی کے لئے یقیناً مقبول ہونے والی دعا کو آخرت میں فائدہ پہنچانے کے لئے محفوظ فرما لیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے لئے ایک دعائے مستجاب ہے (یوں تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بہت سی دُعائیں کرتے تھے جو مقبول ہوا کرتی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار دیا گیا تا کہ کوئی سی ایک دعا کر لو جو ضرور ہی مقبول ہوگی) لہٰذا ہر نبی نے اپنی اس دعا کو دنیا ہی میں استعمال کر لیا اور میں نے یہ دعا اپنی اُمت کی شفاعت کے لئے قیامت کے دن تک چھپا کر رکھ لی ہے سو میری اُمت میں سے ہر اس شخص کو پہنچ جائے گی جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کیا ہو۔ (رواہ مسلم)

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا اکرام واحترام: دوسری بات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (کہ نبی اکرم ﷺ کی بیویاں ایمان والوں کی مائیں ہیں) یعنی ان کا اکرام واحترام واجب اور لازم ہے۔ آپ ﷺ کی

وفات کے بعد اُمت کے کسی فرد کے لئے یہ حلال نہیں کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے کسی سے نکاح کر سکے جیسا کہ اسی سورت کے رکوع نمبر ۷ میں وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا فرمایا ہے لیکن پردہ کے اعتبار سے وہ حکم نہیں تھا جو اپنی ماؤں سے ہے جیسا کہ اسی سورت میں فرمایا ہے: وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (اور جب تم ان سے کوئی سامان طلب کرو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو)

رشتہ داری کے اصول مقررہ کے مطابق میراث تقسیم کی جائے: تیسرا حکم بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ (اور رشتہ دار اللہ کی کتاب میں بہ نسبت دوسرے مؤمنین مہاجرین کے زیادہ قریب تر ہیں) جب حضرات صحابہؓ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو حضور اقدس ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات فرمادی تھی یعنی بعض کو بعض کا بھائی بنا دیا تھا' بھائی بن جانے کی وجہ سے ایک دوسرے کی خصوصی رعایت اور خدمت کے جذبات پیدا ہو گئے تھے اور یہ تعلق یہاں تک تھا کہ دونوں میں سے کسی ایک کے فوت ہو جانے پر آپس میں میراث بھی جاری ہوتی تھی' اس آیت میں اور سورۂ انفال کی آخری آیت میں اس اُخوت والی میراث کو منسوخ فرما دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ آپس میں رشتہ داریاں ہیں اب انہیں اُن کی بنیاد پر حسب قواعد شرعیہ میراث ملے گی۔

چوتھی بات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا (مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرو) یعنی غیر رشتہ داروں میں میراث تو جاری نہ ہوگی (بلکہ سب رشتہ داروں میں بھی جاری نہیں ہوتی) البتہ جس کو بھی شرعی اصول سے میراث نہ پہنچتی ہو اُس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے' مالی امداد کر دی جائے' اس کی حاجتیں پوری کرنے کی کوشش کی جائے' (مثلاً بطور ہبہ یا صدقہ یا میراث شرعی اصول کے مطابق دے دیا جائے) تو یہ دوسری بات ہے' یہ چیز نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مستحب و مستحسن اور باعث اجر وثواب ہے۔

كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا (یہ اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے) بعض حضرات نے یہاں کتاب سے لوح محفوظ مراد لی ہے اور مطلب یہ بتایا ہے کہ لوح محفوظ میں یہ لکھا ہے کہ ہجرت کی وجہ سے جو توارث مشروع ہوگا وہ منسوخ ہو جائے گا۔ اور آخری حکم توارث بالارحام یعنی رشتہ داریوں کے اصول پر میراث دینے کا حکم باقی رہے گا' اور بعض حضرات نے کتاب سے آیت المواریث اور بعض حضرات نے یہی آیت مراد لی ہے۔ صاحب روح المعانی نے ایک اور احتمال نکالا ہے وہ فرماتے ہیں: او فيما كتبه سبحانه وتعالى وفرضه وقضاه یعنی اللہ تعالیٰ نے فرض فرما دیا اور فیصلہ فرما دیا کہ اب میراث رشتہ داری کے اصول ہی پر منحصر رہے گی' یہ کتاب اللہ ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ
اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا اقرار لیا اور آپ سے بھی اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن
مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ
مریم سے' اور ہم نے ان سے پختہ عہد لے لیا تا کہ اللہ سچوں سے انکی سچائی کے بارے میں سوال فرمائے اور اس نے کافروں کے لئے

عَذَابًا اَلِيمًا ﴿۸﴾
دردناک عذاب تیار فرمایا ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لینا

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جو عہد لیا تھا اس آیت میں اس کا ذکر ہے، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا عمومی اور حضرت خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کا خصوصیت کے ساتھ نام لیا ہے، ان حضرات کی محنتیں اپنی اپنی اُمتوں کو تبلیغ کرنے سے متعلق بہت زیادہ تھیں، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ان حضرات کی فضیلت زائدہ ظاہر فرمانے اور یہ بتانے کے لئے کہ یہ حضرات گذشتہ اصحاب شرائع والے انبیاء علیہم السلام میں مشہور ہیں ان حضرات کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے۔

صاحب روح المعانی ؒ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کا ذکر مقدم کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کی تخلیق مقدم تھی اس لئے ذکر میں آپ ﷺ کی تقدیم فرمائی، اور اس بارے میں ضیاء الدین مقدسی کی کتاب المختارہ سے ایک مرفوع حدیث بھی نقل کی ہے: بدیٔ بی الخلق و کنت اٰخرھم فی البعث، (مخلوق کی پیدائش کی ابتداء مجھ سے کی گئی اور میں بعثت میں سب انبیاء سے آخری ہوں) اور ایک حدیث یوں نقل کی ہے: کنت اوّل النّبیّن فی الخلق واٰخرھم فی البعث (میں پیدائش کے لحاظ سے تمام انبیاء سے اوّل ہوں اور بعثت کے لحاظ سے آخری ہوں) (یہ حدیث علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ (ص ۳) میں بھی نقل کی ہے) نیز یہ بھی لکھا ہے کہ چونکہ آپ سب سے پہلے نبوت سے سرفراز کئے گئے تھے اسلئے بھی آپ ﷺ کا ذکر مقدم کیا گیا۔ اس بارے میں بھی متعدد روایات ہیں جنہیں علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں مختلف کتابوں سے جمع کیا ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۳ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بحوالہ سُنن ترمذی نقل کیا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی نبوت کب ثابت ہوگئی؛ آپ ﷺ نے فرمایا وَاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ (یعنی میرے لئے اس وقت نبوت ثابت ہوگئی تھی جب آدم روح و جسم کے درمیان تھے) اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ میں اُس وقت اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا۔ جب آدم اپنی مٹی ہی میں تھے۔

حضرت انبیاء کرام علیہم السلام سے کیا عہد لیا جس کا اس آیت شریفہ میں ذکر ہے، اس کے بارے میں صاحب روح المعانی (جلد ۲۱ ص ۱۵۴) لکھتے ہیں: ای واذکر وقت اخذنا من النبیین کافة عھودھم بتبلیغ الرّسالة والشرائع والدعاء الی الدین الحق، ''یعنی اُس وقت کو یاد کیجئے جب ہم نے تمام نبیوں سے یہ عہد لیا کہ رسالت کی تبلیغ کریں گے، احکام شریعت پہنچائیں گے اور دین حق کی طرف بلائیں گے'' مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴ پر مسند احمد سے نقل کیا ہے جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) فرمایا تو سب نے بَلٰی کہا یعنی اقرار کیا کہ ہاں واقعی آپ

ہمارے رب ہیں‘ اسی موقعہ پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ایک خصوصی عہد لیا گیا جو رسالت اور نبوت کے بارے میں تھا جو آیت (مذکورہ بالا) وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ میں مذکور ہے۔

سورۂ آل عمران رکوع نمبر ۹ میں بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے عہد لینے کا ذکر ہے اس کا بھی مطالعہ کر لیا جائے۔

وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا (اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا) جس عہد کا شروع آیت میں ذکر ہے بطور تاکید اسی کو دوبارہ ذکر فرمایا‘ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ پہلے مذکورہ بالا عہد لینے کے بعد پھر اللہ کی قسم دلا کر دوبارہ عہد لیا جسے مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا سے تعبیر فرمایا۔ (ذکرہ فی الروح)

لِیَسْـَٔلَ الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ (تا کہ اللہ سچوں سے اُن کی سچائی کے بارے میں سوال فرمائے) اس میں یثاق لینے کی حکمت بیان فرمائی اور مطلب یہ ہے کہ یہ یثاق اس لئے لی گئی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نبیوں سے دریافت فرمائے جو عہد کرنے میں سچے تھے کہ تم نے اپنے عہد کے مطابق اپنی اُمتوں کو تبلیغ کی یا نہیں؟ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۴۶۵ میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے سوال کیا جائے گا کہ کیا تم نے تبلیغ کی؟ تو وہ عرض کریں گے کہ اے رب میں نے واقعۃً تبلیغ کی‘ پھر اُن کی اُمت سے سوال ہوگا کہ کیا انہوں نے تمہیں میرے احکام پہنچائے؟ وہ کہیں گے نہیں! ہمارے پاس تو کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہیں آیا‘ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے دعوے کی تصدیق کے لئے گواہی دینے والے کون ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ حضرت محمد ﷺ اور ان کے اُمتی ہیں۔ یہاں تک بیان فرمانے کے بعد آنحضرت سید دو عالم ﷺ نے اپنی اُمت کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس کے بعد تم کو لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ بیشک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی۔

مسند احمد وغیرہ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی اُمتیں بھی انکاری ہوں گی اور کہیں گی کہ ہم کو تبلیغ نہیں کی گئی‘ ان کے نبیوں سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی؟ وہ اثبات میں جواب دیں گے کہ واقعی ہم نے تبلیغ کی تھی‘ اس پر اُن سے گواہ طلب کئے جائیں گے تو وہ بھی حضرت محمد رسول ﷺ اور آپ کی اُمت کی گواہی پیش کریں گے۔ (دُر منثور جلد ۱ ص ۱۴۴)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے یہ سوال اُن کی اُمتوں کے سامنے ہوگا تا کہ اُن پر حجت قائم ہو جائے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سچے تھے اور ان کے ماننے والے اپنے ایمان میں سچے تھے ان کے بارے میں سورۂ مائدہ کے آخری رکوع میں فرمایا: قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ (یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو اُن کی سچائی نفع دے گی) جن لوگوں نے سچ کو جھٹلایا اُن کے بارے میں فرمایا: وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا (اور کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار فرمایا) سورۂ زمر میں فرمایا: فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ (سو اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور سچ کو جھٹلایا جب اُس کے پاس آیا‘ کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں ہے)۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا

اے ایمان والو! اللہ کی نعمت جو تمہیں ملی ہے اُسے یاد کرو جبکہ تمہارے پاس لشکر آ گئے‘ سو ہم نے ان پر ہوا بھیج دی اور لشکر بھیج دیئے جنہیں تم

وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ

نے نہیں دیکھا' اور اللہ ان کاموں کو دیکھنے والا ہے جو تم کرتے ہو' جبکہ وہ لوگ تمہارے اوپر آ چڑھے اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی؛

مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ

اور جبکہ آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور دل گلوں کو پہنچ گئے' اور تم اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔ اس موقعہ پر

ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝

مؤمنین کی جانچ کی گئی اور انہیں سختی کے ساتھ جھنجھوڑ دیا گیا

غزوۂ احزاب کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کی مدد اور کفار کی جماعت کی بدحالی اور بدحواسی

تفسیر: اس رکوع میں غزوۂ احزاب کا ذکر ہے جسے غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے' یہ ۵ ہجری کا واقعہ ہے' تھوڑی سی تمہید کے بعد اس غزوہ کی تفصیل نقل کی جاتی ہے۔

مدینہ منورہ میں زمانۂ قدیم سے یہودی رہتے تھے اور دو قبیلے یمن سے آ کر آباد ہو گئے تھے جن میں سے ایک کا نام اَوس اور دوسرے کا نام خزرج تھا' انہیں خبر دی گئی تھی کہ نبی آخر الزمان خاتم النبیین ﷺ اس شہر میں تشریف لائیں گے' یہ لوگ آپ ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع کرنے کے لئے یہاں آ کر بس گئے تھے۔ جب حضور انور ﷺ نے حج کے موقع پر اوس اور خزرج کو منیٰ میں ایمان لانے کی دعوت دی تو اَوس اور خزرج کے جو افراد وہاں موجود تھے انہوں نے ایمان قبول کر لیا اور مدینہ منورہ آ کر اپنے اپنے قبیلہ کو حق کی دعوت دی تو وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ یہودیوں کے سامنے حق ظاہر ہو گیا تب بھی ایمان نہ لائے (فَلَمَّا جَآءَهُمْ كَفَرُوْا بِهٖ) یہودیوں کے تین قبیلے مدینہ منورہ میں آباد تھے ان میں سے ایک بنی قینقاع اور دوسرا بنی نضیر اور تیسرا بنی قریظہ تھا۔ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو ان تینوں سے تعاون اور تناصر کا معاہدہ فرما لیا تھا۔

بنی نضیر کا یہ واقعہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ دو مقتولین کی دیت کے سلسلہ میں ان کے پاس تشریف لے گئے' یہودیوں نے کہا کہ آپ تشریف رکھئے ہم اس بارے میں مالی تعاون کریں گے' ادھر تو آپ ﷺ سے یہ کہا اور اُدھر یہ مشورہ کیا کہ کوئی شخص اوپر چڑھ کر ان کے اوپر بھاری پتھر گرا دے' یہود میں سے ایک شخص نے اس کا ارادہ اور وعدہ کر لیا اور پتھر گرانے کے لئے اوپر چڑھ گیا' اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اُن کے مشورے سے مطلع فرما دیا اور آپ ﷺ جلدی سے واپس تشریف لے آئے اور آپ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہود کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ تم لوگ مدینہ منورہ چھوڑ دو اور یہاں سے چلے جاؤ' منافقین نے یہودیوں کو بھڑکایا اور کہا تم یہیں رہو اور ہرگز مت جاؤ ہم تمہاری مدد کریں گے' اس سے اُن کو تقویت پہنچ گئی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ ہم مدینہ سے نہیں نکلیں گے اور ہمارے اور آپ کے

درمیان جو عہد ہے وہ بھی توڑتے ہیں، جب اُن کی طرف سے یہ پیغام آیا تو آپ ﷺ نے ان سے جہاد کرنے کی تیاری کی اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نائب بنا کر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر بنونضیر کے محلہ کی طرف روانہ ہو گئے (یہ محلہ شہر سے ذرا دور تھا) آپ ﷺ وہاں پہنچے تو وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ فرمایا، منافقین نے یہودیوں کو خبر بھیجی کہ تم ڈٹے رہنا ہم تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے، اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم بھی ساتھ لڑیں گے اور اگر تمہیں نکلنا پڑا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے، یہودی منافقین کی مدد کے انتظار میں رہے، چند روز گذر گئے مگر انہوں نے کچھ بھی مدد نہ کی لہٰذا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ ہمیں جلاوطن کر دیں مگر قتل نہ فرمائیں اور ہمیں ہتھیار بھی نہ لے جانے دیں، اس کے علاوہ جتنا سامان اونٹوں پر لے جا سکیں اُسے لے جانے کی اجازت دیں، آپ نے انہیں جلاوطن کرنا منظور فرما لیا اور حکم فرمایا کہ تین دن میں مدینہ منورہ سے نکل جاؤ، وہ لوگ مدینہ منورہ سے نکل کر خیبر میں آباد ہو گئے اور بعض لوگ شام چلے گئے (بطور تمہید یہ واقعہ ہم نے البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۷۵ سے نقل کیا ہے، مفصل قصہ ان شاء اللہ سورۃ الحشر کی تفسیر میں بیان کریں گے) یہود نے جو اموال چھوڑے وہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں تقسیم فرما دیئے، یہ ۴ھ کا واقعہ ہے۔

غزوۂ احزاب کا مفصل واقعہ: اب غزوۂ احزاب کا واقعہ سنئے، اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ بنونضیر کو جب حضور انور ﷺ نے مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا تو وہ وہاں جا کر بھی شرارتوں سے اور اپنی یہودوالی بیہودگیوں سے باز نہ آئے، اُن کے چودھری مکہ معظمہ میں پہنچے اور قریش مکہ سے کہا کہ آؤ ہم تم مل کر داعی اسلام ﷺ سے جنگ کریں اور اُن کو اُن کے کام کو اور ان کے ساتھیوں کو سب کو ختم کر دیں۔ قریش مکہ نے کہا (جو مشرک تھے) کہ تم تو اہل کتاب ہو، سچ بولو ہمارا دین بہتر ہے یا محمد (ﷺ) کا دین بہتر ہے؟ ان لوگوں نے پوری ڈھٹائی کے ساتھ دین شرک کو دین توحید سے بہتر بتایا اور قریش نے کہہ دیا کہ تمہارا دین محمد (ﷺ) کے دین سے بہتر ہے، یہ بات سنکر قریش بہت خوش ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے، اس کے بعد یہودیوں کے سردار قبیلہ بنی غطفان کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ دیکھو محمد (ﷺ) سے جنگ کرنا ہے قریش مکہ نے ہمارا ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا ہے تم لوگ بھی ہمارے ساتھ جنگ میں شریک ہو جاؤ تاکہ اسلام اور مسلمانوں کا قصہ ہی ختم ہو جائے، ان کے علاوہ دیگر قبائل کی جماعتیں بھی جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئیں۔

دشمنوں سے حفاظت کے لئے خندق کھودنا: رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں کے ارادہ بد کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ مدینہ منورہ کے باہر خندق کھود لی جائے، انہوں نے بتایا کہ اہل فارس دشمن سے محفوظ رہنے کے لئے یہ تدبیر اختیار کرتے ہیں، چنانچہ خندق کھودی گئی جو مدینہ منورہ کے اُس جانب تھی جدھر سے دشمنوں کے آنے کا اندیشہ تھا، اس خندق کی کھدائی میں سید دو عالم ﷺ خود شریک ہوئے، سردی کا موسم تھا اور ہر طرف سے خوف ہی خوف تھا، سید دو عالم ﷺ نے خود ہی خط کھینچ کر خندق کی حدود مقرر فرمائیں اور ہر دس آدمیوں کو چالیس ہاتھ کا رقبہ کھودنے کے لئے دیا، (بعض حضرات نے اس خندق کی لمبائی ساڑھے تین میل بتائی ہے) حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ بڑے قوی اور تندرست آدمی تھے اُن کے متعلق مہاجرین وانصار میں اختلاف ہوا، انصار نے کہا کہ سلمان ہم میں سے ہیں اور مہاجرین نے کہا کہ ہم میں سے ہیں ان کو ہمارے ساتھ قطعہ

کھودنے کے لئے دیا جائے' یہ سن کر سید دو عالم ﷺ نے فرمایا سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلِ الْبَیْتِ (یعنی سلمان نہ مہاجرین میں سے ہیں نہ عام مہاجرین میں سے ہیں بلکہ وہ ہمارے اہل بیت میں سے ہیں) جب دشمنوں کی جماعتیں مدینہ طیبہ کے قریب پہنچیں جن کی تعداد دس بارہ ہزار تھی تو انہوں نے خندق کھدی ہوئی پائی اور کہنے لگے یہ تو عجیب دفاعی تدبیر ہے جسے اہل عرب نہیں جانتے تھے' وہ لوگ خندق کے اُس طرف رہ گئے اور رسول اللہ ﷺ خندق کے اس طرف تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ جبل سلع کی طرف پشت کر کے قیام پذیر ہو گئے اور عورتوں اور بچوں کو حفاظت کی جگہوں یعنی قلعوں میں محفوظ فرما دیا۔

دشمنوں کا خندق پار کرنے سے عاجز ہونا: خندق کو دیکھ کر مشرکین مسلمانوں تک پہنچ تو نہ سکے جس سے آمنے سامنے ہو کر دونوں لشکروں کی جنگ ہوتی لیکن اپنی جگہ سے جلدی واپس نہیں ہوئے اپنی جگہ پر جمے رہے' اُن کا اپنی جگہ پر جمے رہنا تقریباً ایک مہینہ تک تھا' گو وہ خندق کے پار نہیں آ سکتے تھے لیکن انہیں چھوڑ کر چلے جانے کا بھی موقع نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ اپنی جگہ پر مقیم رہے' اس موقعہ پر مسلمانوں کو بہت زیادہ تکلیف پہنچی' سردی بھی تھی' کھانے پینے کا انتظام بھی نہ تھا اور خندق بھی اس حال میں کھودی کہ بھوک کی وجہ سے پیٹوں پر پتھر بندھے ہوئے تھے پھر دشمن کے مقابلہ میں اتنا لمبا پڑاؤ ڈالنا پڑا نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن' اُس وقت جو سخت مصیبت کا سامنا تھا اُسے اللہ جل شانہٗ نے آیت بالا میں بیان فرمایا کہ دشمن تمہارے اوپر سے چڑھ آئے اور نیچے کی جانب سے بھی آ گئے اور آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور دل حلقوم کو پہنچ گئے جسے اُردو کے محاورہ میں کہتے ہیں کلیجہ منہ کو آ گیا' اُس وقت مسلمان آزمائش میں ڈالے گئے اور سختی کے ساتھ جھنجھوڑ دیئے گئے' مفسرین نے فرمایا ہے کہ مِنْ فَوْقِكُمْ سے وادی کا اوپر کا حصہ مراد ہے جو مشرق کی جانب تھا اس جانب سے بنو غطفان اور ان کے ساتھی آئے تھے جن میں اہل نجد بھی تھے اور بنو قریظہ بھی تھے اور بنو نضیر بھی' اور اَسْفَلَ مِنْكُمْ سے وادی کا نیچے والا حصہ مراد ہے جو مغرب کی جانب تھا اس جانب سے قریش مکہ' بنی کنانہ اور اہل تہامہ آئے تھے۔

وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا جو فرمایا اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ صیغہ خطاب مجموعی طور پر مدعیان اسلام کو شامل ہے' جس میں مخلص اہل ایمان بھی تھے اور منافقین بھی' مؤمنین بھی' مؤمنین تو یہی گمان کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا اور نبی کریم ﷺ کی مدد فرمائے گا' اور منافقین دوسری قسم کا خیال کر رہے تھے وہ سمجھ رہے تھے کہ اب تو اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان ہی مٹ جائے گا اور یوں سمجھتے تھے کہ اتنے لوگوں سے جنگ کرنا ان تھوڑے سے مسلمانوں کے بس کی بات نہیں ہے وقال بعضهم انه خطاب للمؤمنين المخلصين وكانت ظنونهم من خواطر نفس وهو اجسها التي يوجبها الخوف الطبيعي وهٰذا لا مؤاخذة فيه قال صاحب الرّوح بعد هٰذا الّذي ذكرنا او يقال: ظنونهم المختلفة هي ظن النصر بدون نيل العدو منهم شيئًا وظنه بعد النيل وظن الامتحان وعلىٰ هٰذا لا يحتاج الى الاعتذار. (اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا کا خطاب مؤمنین مخلصین سے ہے۔ مؤمنین مخلصین کے گمان دل کے خیالات تھے جن سے طبعی خوف پیدا ہوتا ہے اور ایسے گمانوں میں کوئی مؤاخذہ نہیں ہے۔ روح المعانی والے نے اس کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا یا بعض نے کہا کہ ان کے اس طرح کے مختلف گمان مراد ہیں کہ دشمن سے لڑائی کے بغیر ہی مدد ہو جائے اور دشمن سے لڑائی کے بعد اور آزمائش کا گمان اور اس طرح کے گمانوں پر کسی معذرت کی ضرورت نہیں ہے)

بعض کافروں کا مقتول ہونا: دشمن نے خندق کو پار کرنے کی ہمت تو نہ کی البتہ کچھ تیر اندازی ہوتی رہی' مشرکین میں سے چند آدمی اپنے گھوڑے لیکر خندق میں اُتر گئے جنہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا' ان میں سے ایک شخص عمرو بن عبدِ وُد بھی تھا' جنگ بدر میں اس نے سخت چوٹ کھائی تھی اس لئے جنگ اُحد میں شریک نہ ہو سکا تھا' غزوۂ خندق کے موقعہ پر وہ خندق میں کودا اور اس نے اپنی بہادری دکھانے کے لئے پکار کر کہا کہ ھَلْ مَنْ یُبَارِزُ یعنی مجھ سے کون مقابلہ کرتا ہے؟ (اس وقت وہ ہتھیاروں سے لیس تھا) اس کو اہل عرب ہزار سواروں کے برابر سمجھتے تھے حضرت علیؓ آپ ﷺ سے اجازت لے کر اس کے سامنے آئے عمرو بن عبدود نے کہا کہ تم کون ہو؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں علی بن ابی طالب ہوں! اُس نے کہا کہ تمہاری عمر کم ہے میں اچھا نہیں سمجھتا کہ تمہارا خون بہاؤں' تمہارے چچاؤں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو عمر میں تجھ سے بڑے ہیں اُن میں سے کسی کو سامنے لاؤ' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لیکن مجھے تو یہ پسند ہے کہ تیرا خون بہاؤں' یہ بات سن کر وہ غصہ میں بھر گیا اور تلوار نکال کر حضرت علیؓ کی طرف بڑھا اور حضرت علیؓ نے اس سے مقابلہ کیا اور ڈھال آگے بڑھادی' اُس نے ایسے زور سے تلوار ماری کہ ڈھال کٹ گئی' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے مونڈھے کے قریب تلوار ماری جس سے وہ گر گیا' غبار بلند ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زور سے اللّٰہ اکبر کہا' تکبیر کی آواز میں مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ حضرت علیؓ نے دشمن کو ختم کر دیا ہے' مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمیں اس کی نعش دے دی جائے ہم اس کے عوض بطور دیت کے دس ہزار درہم دے دیں گے' بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے بارہ ہزار درہم کی پیشکش کی' آپ ﷺ نے جواب میں کہلوادیا کہ تم اس کی نعش کو لے لو ہم مُردوں کی قیمت نہیں کھاتے' اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ اس کی نعش دے دو اس کی نعش بھی خبیث ہے اس کی دیت بھی خبیث ہے۔ عمرو بن عبدود کے علاوہ دشمن کے اور بھی تین چار آدمی مارے گئے جن میں سے ایک یہودی کو حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے قتل کیا جو مسلمان عورتوں کے قلعہ کے باہر چکر لگا رہا تھا' مسلمانوں میں سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک تیر آکر لگا جس نے ان کی اکحل نامی رگ کاٹ دی' انہوں نے دُعا کی کہ اے اللہ مجھے اتنی زندگی اور نصیب فرما کہ بنی قریظہ (قبیلہ یہود) کی ذلت اور ہلاکت دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرلوں' اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی جس کا تذکرہ غزوۂ احزاب کے تذکرہ کے بعد آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ شہید ہونے والوں میں انس بن اوس اور عبداللہ بن سہل اور طفیل بن نعمان ثعلبہ بن غنمہ اور کعب بن زید رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی ذکر کئے گئے ہیں۔

جہاد کی مشغولیت میں بعض نمازوں کا قضا ہو جانا: غزوۂ احزاب کے موقعہ پر اس قدر مشغولیت اور پریشانی رہی کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز بھی نہ پڑھ سکے' آپ نے بددُعا دیتے ہوئے فرمایا: ملأ اللّٰه علیهم بیوتهم و قبورهم نارًا کما شغلونا عن الصّلٰوة الوسطیٰ حتّٰی غابت الشمس (اللہ ان دشمنوں کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھرے جیسا کہ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے ایسا مشغول رکھا کہ سورج بھی غائب ہو گیا) اس کے بعد آپ نے وضو فرمایا پھر آپ نے عصر کی نماز پڑھی' اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی' بعض روایات میں ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی چار نمازیں قضاء ہو گئی تھیں ظہر' عصر' مغرب' عشاء' آپ ﷺ نے رات کو ایک حصہ گذر جانے پر ان کو اسی ترتیب سے پڑھا جس ترتیب سے قضاء ہوئی تھیں' (عشاء تو وقتِ عشاء ہی میں پڑھی گئی کیونکہ رات باقی

تھی البتہ جس وقت پڑھی جاتی تھی اس سے مؤخر ہو گئی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی دُعا: رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی مشکل پیش آتی تھی نماز میں مشغول ہو جاتے تھے' غزوۂ خندق کے موقعہ پر بھی آپ ﷺ دعائیں کرتے رہے' دشمنوں کے شکست خوردہ ہو کر بھاگنے سے پہلے تین دن تک خوب زیادہ دعا کا اہتمام کیا' صحیح بخاری ص ۵۹۰ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقابلے میں آنے والی جماعتوں کی شکست کے بارے میں یوں دعا کی: اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اھْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْھُمْ (اے اللہ کتاب کے نازل فرمانے والے جلدی حساب لینے والے ان جماعتوں کو شکست دے اور ان کو ڈگمگا دے)

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں بھی کوئی دُعا بتایئے' آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دعا پڑھو' اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَّوْعَاتِنَا (اے اللہ ہماری آبرو کی حفاظت فرما اور ہمارے خوف کو ہٹا کر امن عطا فرما)

دُعا کی قبولیت اور دشمنوں کی ہزیمت: اللہ تعالیٰ نے دُعا قبول فرمائی اور سخت تیز ہوا بھیج دی جس سے دشمنوں کے خیمے اُکھڑ گئے' چولہے بجھ گئے' ہانڈیاں اُلٹ گئیں' ہوا تیز بھی تھی اور سخت سرد بھی' دشمنوں کی جماعتیں اس سے متاثر ہو کر بھاگ کھڑی ہوئیں' ابوسفیان جو اُس وقت قریش مکہ کا قائد بن کر آیا تھا اُس نے کہا تھا اے قریشیو! اب یہاں ٹھہرنے کا موقع نہیں رہا ہتھیار بھی ختم ہو چکے' جانور بھی ختم ہو چکے اور بنو قریظہ معاہدہ کی خلاف ورزی کر چکے ہیں' ہوا کے تھپیڑوں کو تم دیکھ ہی رہے ہو' اب یہاں سے چلے جاؤ میں تو جا رہا ہوں' اس کے بعد ابوسفیان اپنے اونٹ پر بیٹھا اور چل دیا پھر قریش بھی چلے گئے' قبیلہ بنی غطفان کو قریش کی یہ حرکت معلوم ہوئی تو وہ بھی واپس ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنا انعام یاد دلایا اور فرمایا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا۔ (اے ایمان والو اللہ کی نعمت جو تمہیں ملی اُسے یاد کرو جبکہ تمہارے پاس لشکر آ گئے سو ہم نے اُن پر ہوا بھیج دی اور لشکر بھیج دیئے جو تم نے نہیں دیکھے) ''جن لشکروں کو نہیں دیکھا'' ان سے فرشتے مراد ہیں' اس موقعہ پر فرشتے نازل تو ہوئے تھے لیکن انہوں نے قتال میں حصہ نہیں لیا البتہ دشمنوں کے دلوں میں رُعب ڈالنے کا کام کیا' جب ہوا کے تھپیڑوں سے عاجز آ کر مشرکین بھاگ رہے تھے تو فرشتے تکبیر بلند کر رہے تھے اور یوں کہتے جا رہے تھے کہ بھاگ چلو یہاں ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعہ دشمنانِ اسلام کو واپس کر دیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب یہ لوگ ہم سے لڑنے کے لئے نہ آئیں گے اور ہم ہی ان سے لڑنے کے لئے جائیں گے[1] چنانچہ غزوۂ خندق کے بعد دشمن مدینہ منورہ پر چڑھائی کا ارادہ نہیں کر سکے' ۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہو گیا اور اس کے بعد عرب کے لوگ مسلمان ہو گئے' جوق در جوق مدینہ منورہ میں ان کے وفود آتے تھے اور اسلام قبول کرتے تھے۔

بعض اُن واقعات کا تذکرہ جو خندق کھودتے وقت پیش آئے

سخت بھوک اور سردی کا مقابلہ: جس وقت دشمن چڑھ کر آئے تھے اُس وقت سخت سردی کا زمانہ تھا' کھانے

[1] البدایہ والنہایہ' سیرت ابن ہشام' معالم التنزیل

پینے کا بھی معقول انتظام نہ تھا' بھوک کی مصیبت بھی درپیش تھی' رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس خندق کھودنے میں شریک تھے' حضرت صحابہ کرامؓ بھی اس کام میں مشغول تھے' پیٹوں پر پتھر باندھ رکھے تھے' خندق کھودنی بھی پڑتی تھی اور اس کی مٹی بھی منتقل کرنی پڑتی تھی جسے اپنے کندھوں اور پشتوں پر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے تھے' کھانے کے لئے ایک مٹھی جو لائے ہوتے تھے جنہیں اُبال لیا جاتا تھا اور یہ اُبلے ہوئے جو ایسے تیل یا چربی کے ساتھ سامنے رکھ لئے جاتے تھے جس میں بوآ جاتی تھی اور اس کو کھانا بھی آسان نہ تھا مشکل سے گلے سے اُترتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس موقعہ پر یہ پڑھتے جاتے تھے:
اللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃَ (اے اللہ زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے سو آپ انصار اور مہاجرین کو بخش دیجئے) آپ ﷺ کی یہ بات سن کر صحابہ کرامؓ جواب میں یوں کہتے تھے ؎

نَحْنُ الَّذِیْ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا ❖ عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

(ہم وہ ہیں جنہوں نے جہاد پر محمد سے بیعت کی ہے ہم جب تک بھی زندہ رہیں ہماری بیعت باقی ہے)

رسول اللہ ﷺ خندق کھودنے میں شریک تھے اور مٹی منتقل کرنے کی وجہ سے آپ ﷺ کے شکم مبارک پر اتنی مٹی لگ گئی کہ کھال دیکھنے میں نہیں آتی تھی' اس موقعہ پر آپ ﷺ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے جو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے شعر ہیں ؎

(۱) اَللّٰھُمَّ لو لا انت ما اھتدینا ❖ ولا تصدقنا ولا صلینا

(۲) فانزلن سکینۃ علینا ❖ وثبت الا قدام ان لا قینا

(۳) ان الا لی قد بغوا عَلَیْنَا ❖ وان ارادو فتنۃ اَبَیْنَا

(۱) اے اللہ اگر آپ ہدایت نہ دیتے تو ہم ہدایت نہ پاتے' اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔

(۲) سو ہم پر اطمینان نازل فرمایئے' اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھئے اگر ہماری مڈبھیڑ ہو جائے۔

(۳) بلاشبہ ان لوگوں نے ہم پر زیادتی کی ہے' اور اگر یہ فتنے کا ارادہ کریں گے تو ہم ان سے انکار کر دیں گے۔

آخری کلمہ اَبَیْنَا کو رسول اللہ ﷺ بلند آواز سے پڑھتے تھے [1] اور اس کلمہ کو دہراتے تھے [2]

رسول اللہ ﷺ کی پیشینگوئی کہ مسلمان فلاں فلاں علاقوں پر قابض ہونگے: خندق کھودتے وقت ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک ایسی سخت چٹان برآمد ہوئی جس کا توڑنا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بس سے باہر ہو گیا' صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا کہ میں اس میں اُترتا ہوں' آپ ﷺ نے پھاوڑہ لے کر اس میں مارا جس سے وہ ریت کا ڈھیر بن گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے اس چٹان میں پھاوڑہ مارا تو ضرب لگنے کی وجہ سے ایک ایسی تیز روشنی ظاہر ہوئی جس سے مدینہ منورہ کی دونوں جانب روشنی ہو گئی' ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اندھیری رات میں چراغ جل گیا ہو' اس پر آپ ﷺ نے فتح یابی ظاہر کرنے والی تکبیر کہی اور مسلمانوں نے بھی اللّٰہ اکبر کہا' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کیا روشنی تھی جو بار بار ظاہر ہو رہی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب پہلی بار روشنی ہوئی تو اس میں مجھے حیرہ شہر کے محلات اور کسریٰ کے شہر ظاہر ہو گئے' مجھے جبریل نے بتایا کہ آپ کی اُمت ان پر غلبہ پائے گی اور دوسری بار جو چمک ظاہر ہوئی اُس سے رُوم کی سرزمین

[1] صحیح بخاری ج۲ ص ۵۸۸' ص ۵۸۹ [2] مشکوٰۃ المصابیح (باب البیان والشعر)

کے سرخ محلات ظاہر ہو گئے مجھے جبریل نے بتایا کہ میری اُمت ان پر غلبہ پائے گی اور تیسری بار جو روشنی چمکی اس سے مجھے صنعاء کے محلات ظاہر ہوئے (جو یمن کا مشہور شہر ہے) جبریل نے مجھے بتایا کہ میری اُمت ان پر بھی غلبہ پائے گی لہٰذا تم خوش ہو جاؤ' اس پر مسلمان بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور یقین کر لیا کہ یہ سچا وعدہ ہے اور پورا ہو کر رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے جب مذکورہ بالا شہروں کو فتح ہونے کی خبر دی تو منافقین کہنے لگے کہ ان کو دیکھو یثرب سے ان کو حیرہ اور کسریٰ کے محل نظر آ رہے اور یہ خبر دی جا رہی ہے کہ تم انہیں فتح کرو گے اور حال یہ ہے کہ تم لوگ خندق کھود رہے ہو یعنی مصیبت میں گرفتار ہو۔

اور بعض روایات میں یوں ہے کہ جب آپ نے بسم اللہ پڑھ کر پہلی بار ضرب ماری تو اس چٹان کا تہائی حصہ ٹوٹ گیا آپ نے فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ مجھے ملک شام کے خزانے دے دیئے گئے' پھر دوبارہ ضرب ماری تو اس کا ایک تہائی حصہ اور ٹوٹ گیا اور فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ مجھے ملک فارس کی چابیاں دے دی گئیں' پھر تیسری بار ضرب ماری تو باقی پتھر بھی ٹوٹ گیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اکبر مجھے ملک یمن کی چابیاں دیدی گئیں ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ بھی اللہ کی قسم! میں شام کے سرخ محل اور مدائن کا سفید محل اور صنعاء کے دروازے ابھی یہیں اسی وقت دیکھ رہا ہوں۔

حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جب یہ شہر فتح ہوتے جاتے تھے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس ذات کے قبضہ میں ابو ہریرہ کی جان ہے اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے جن شہروں کو فتح کر لیا اور قیامت تک جن شہروں کو فتح کرو گے ان سب کی چابیاں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو پہلے ہی سے دے دی گئی تھیں' یعنی آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خوشخبری دے دی گئی تھی کہ آپ کی اُمت ان کو فتح کرے گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تو اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں اب تم ان کو حاصل کر رہے ہو۔ (البدایۃ و النہایۃ ج۴ ص۹۹ تا ۱۰۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہو گا اور جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہو گا' قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم قیصر و کسریٰ کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے مشارق اور مغارب مجھے عطا فرما دیئے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے میری اُمت کا ملک وہاں تک پہنچ جائے گا۔

حضرتِ جابر رضی اللہ عنہ کے ہاں ضیافتِ عامّہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ خندق کھودتے وقت جب ایک سخت چٹان پیش آ گئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایسی جگہ نکل آئی ہے جس کی مٹی بہت سخت ہے (جو ہمارے قابو میں نہیں آ رہی) آپ ﷺ نے فرمایا میں اُترتا ہوں اس کے بعد آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کی شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا اور بھوک کا یہ عالم تھا کہ ہم نے تین دن سے کچھ بھی نہیں چکھا تھا آپ نے پھاوڑا لیا اور اس سخت زمین میں مارا جس کی وجہ سے وہ ایسا ہو گیا جیسے ریت کا ڈھیر ہو وہ خود ہی پھسلا جا رہا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لی کہ ذرا گھر ہو آؤں' آپ نے اجازت دے دی' میں اپنے گھر گیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ تمہارے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے محسوس کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سخت بھوک کی حالت میں ہیں' اسی پر میری بیوی نے چمڑے کا ایک تھیلا نکالا جس میں ایک

صاع یعنی تین کیلو کے لگ بھگ جو تھے اس کے علاوہ ہماری ایک چھوٹی سی پالتو بکری بھی تھی میں نے اُسے ذبح کیا اور میری اہلیہ نے جو پیسنا شروع کئے اتنے میں میں نے بکری کی بوٹیاں بنا کر ہانڈی میں ڈالیں وہ جو پیسنے سے فارغ ہو گئی میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جانے لگا تو وہ کہنے لگی جا تو رہے ہو رسول اللہ ﷺ کے سامنے مجھے رسوامت کرنا (ایسا نہ ہو کہ زیادہ افراد آ جائیں) میں حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہم نے تھوڑا سا کھانا تیار کیا ہے آپ تشریف لے چلیں اور اپنے ہمراہ ایک دو آدمی اور لے لیں آپ ﷺ نے فرمایا کتنا کھانا ہے؟ میں نے پوری صورتحال عرض کر دی آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو بہت ہے پھر آپ نے زور سے اعلان فرمایا کہ اے خندق والو! آ جاؤ جابر نے کھانا تیار کیا ہے آپ ﷺ مہاجرین و انصار کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے آپ آگے تشریف لا رہے تھے اور حضرات صحابہؓ آپ کے پیچھے چل رہے تھے میں جلدی سے اپنی بیوی کے پاس پہنچا اور پوری کیفیت بیان کر دی (کہ مجمع کثیر آ رہا ہے) اس پر وہ ناراض ہوئی اور کہا کہ وہی ہوا نا! جس کا مجھے اندیشہ تھا میں نے کہا تھا کہ مجھے رسوامت کرنا! پھر کہنے لگی اچھا تم نے رسول اللہ ﷺ کو سب بات بتا دی تھی؟ میں نے کہا کہ ہاں میں نے سب کچھ بتا دیا تھا[1] آپ تشریف لائے تو جو گوندھا ہوا آٹا تھا اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور برکت کی دُعا فرمائی پھر ہانڈی کی طرف توجہ فرمائی اور اس میں بھی لعاب مبارک ڈال دیا اور برکت کی دعا فرمائی پھر فرمایا کہ ایک روٹی پکانے والی اور بلا لو اور ہانڈی کو چولہے سے مت اُتارو حضور اکرم ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم گھر میں آ جاؤ کھچ بچ میں مت بیٹھو چنانچہ صحابہ کرامؓ بیٹھ گئے اور روٹی پکتی رہی جو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوتی رہی آپ روٹی توڑ توڑ کر اس پر گوشت کی بوٹیاں رکھ کر اور شوربا بھر بھر کر حاضرین کو دیتے رہے یہاں تک کہ سب نے پیٹ بھر کر کھا لیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کھانے والے ہزار آدمی تھے میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ انہوں نے خوب کھایا اور سیر ہو کر واپس چلے گئے اور ہماری ہانڈی کا یہ حال تھا کہ جیسی تھی اُسی طرح اُبل رہی تھی اور ہمارا آٹا جیسا تھا ویسا ہی رہا (گویا اس میں سے کچھ بھی خرچ نہیں ہوا) آپ ﷺ نے میری بیوی سے فرمایا کہ یہ بچا ہوا کھانا خود کھا لو اور (پڑوسیوں کو بھی) ہدیہ دو کیونکہ لوگ بھوک کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸، ۵۸۹)

اسی طرح کا ایک واقعہ حافظ ابن کثیرؒ نے بحوالہ محمد بن اسحٰق یوں بیان کیا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی بہن نے بیان کیا کہ میری والدہ نے مجھے لپ بھر کر کھجوریں دیں جو میرے کپڑے میں ڈال دیں اور کہا کہ اے میرے بیٹا جاؤ اسے اپنے والد اور اپنے ماموں عبداللہ بن رواحہ کے پاس لے جاؤ تا کہ وہ صبح کے وقت ان کو کھا لیں (یہ دونوں حضرات بھی خندق کھودنے میں مشغول تھے) میں یہ کھجوریں لے کر روانہ ہوئی اپنے والد اور ماموں کی تلاش میں تھی کہ اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ پر میرا گذر ہوا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے بیٹا! یہ تمہارے پاس کیا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ کچھ کھجوریں ہیں جو میری والدہ نے بھیجی ہیں تا کہ اپنے والد اور اپنے ماموں کو دے دوں! حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان کو یہاں لاؤ میں نے وہ کھجوریں آپ ﷺ کی ہتھیلیوں میں ڈال دیں وہ اتنی کم تھیں کہ ان سے آپ کی دونوں ہتھیلیاں نہ بھر سکیں آپ ﷺ نے ایک کپڑا بچھانے کا حکم دیا پھر وہ کھجوریں اُس پر پھیلا دیں اور ایک شخص سے فرمایا کہ اُونچی آواز سے خندق والوں کو پکارو کہ آ جاؤ صبح کا کھانا کھا لو خندق کے کام میں جو حضرات مشغول تھے حاضر ہوئے اور ان کھجوروں میں سے کھاتے رہے یہاں تک کہ سب فارغ ہو کر واپس ہو گئے۔ (قال ابن کثیر فی البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۱۹۹ ھکذا رواہ ابن اسحاق رفیہ انقطاع)

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۹۸ میں بحوالہ دلائل النبوۃ للبیہقی یہ بھی اضافہ ہے کہ یہ سنکر وہ کہنے لگی کہ بس پھر تو اللہ اور اس کا رسول ہی جانیں۔

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ﴿۱۲﴾

اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یوں کہہ رہے تھے کہ ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول نے محض دھوکہ کا وعدہ کر رکھا ہے

وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰأَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ

اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ اے یثرب والو تمہارے لیے ٹھہرنے کا موقعہ نہیں ہے لہٰذا تم واپس ہو جاؤ، اور ان میں سے ایک فریق

النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۖ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ

نبی سے اجازت طلب کر رہا تھا یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے یہ لوگ صرف بھاگنے کا

عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ﴿۱۴﴾

ارادہ کر رہے تھے اگر مدینہ کے اطراف سے کوئی لشکر ان پر گھس جائے پھر ان سے فتنہ کا سوال کیا جائے تو یہ ضرور فتنے کو منظور کر لیں گے اور گھروں میں نہیں ٹھہریں

وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ﴿۱۵﴾

گے مگر بس ذرا سی دیر، اور اس سے پہلے انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ ہم پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ سے جو عہد کیا اس کی باز پرس ہوگی

قُل لَّن يَنفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِن فَرَرْتُم مِّنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۶﴾

آپ فرما دیجئے اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگو گے تو یہ بھاگنا تمہیں نفع نہ دے گا اور اس وقت بس تھوڑے ہی دن جیو گے۔

قُلْ مَن ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُم مِّنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَ

آپ فرما دیجئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا دے گا اگر وہ تمہارے بارے میں کسی بری حالت کا ارادہ فرمائے یا تم پر فضل فرمائے اور

لَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ

اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایت کرنے والا یا مددگار نہ پائیں گے بلاشبہ اللہ تم میں سے اُن لوگوں کو جانتا ہے جو رکاوٹ ڈالتے ہیں

مِنكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ۖ وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۸﴾ أَشِحَّةً

اور جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ اور یہ لوگ لڑائی میں کم آتے ہیں۔ یہ لوگ تمہارے بارے میں بخیل بنے ہوئے ہیں پھر جب خوف

عَلَيْكُمْ ۖ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ

پیش آ جاتا ہے تو آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ آپ کی طرف تک رہے ہیں اُن کی آنکھیں اس طرح چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کے وقت بے ہوشی

عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولٰئِكَ

طاری ہو رہی ہو پھر جب خوف چلا جاتا ہے تو تم کو تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں مال کے حریص بنے ہوئے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو

لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ

ایمان نہیں لائے، سواللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے وہ سمجھتے ہیں کہ جماعتیں واپس نہیں گئیں

لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِى الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ

اور اگر جماعتیں آ جائیں تو یہ لوگ اس بات کی آرزو کریں گے کہ کاش ہم دیہاتیوں میں ہوتے تمہاری خبریں

عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْۤا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾

دریافت کرلیا کرتے، اور اگر وہ تمہارے اندر موجود ہوں تو وہ لڑائی نہ لڑیں گے مگر ذراسی۔

منافقوں کی بدعہدی اور شرارتیں

تفسیر: یہ نو آیات کا ترجمہ ہے جس میں منافقین کی قولی اور عملی غداری کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان کی مخالفانہ اور بزدلانہ حرکتوں کو بیان کیا ہے۔

پہلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض تھا (جو ضعیف الاعتقاد تھے) انہوں نے یوں کہا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا ہے وہ محض ایک دھوکہ ہے، مفسرین نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خندق کھودتے وقت بشارت دی کہ تم حیرہ کے محل اور کسریٰ کے شہر اور یمن کے شہر اور روم کے محل فتح کرو گے، تو اس پر منافقین نے کہا لو دیکھ لو! یہاں کیا مصیبت پڑی ہوئی ہے، خندق کھودی جارہی ہے، ذرا بھی باہر نہیں جا سکتے، اگر یہاں سے جائیں تو قتل ہو جائیں حال تو یہ ہے لیکن بشارتیں یوں دی جارہی ہیں کہ یوں شہر فتح ہوں گے اور ایسے محلات پر قبضہ ہوگا، کچھ نہیں یہ سب دھوکہ ہی دھوکہ ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ نازل فرمائی۔

یہاں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کو دل سے مانتے ہی نہیں تھے پھر انہوں نے مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ کیسے کہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ منافق کا کوئی دین نہیں ہوتا وہ نہ دیکھی باتیں کرتا ہے، کیونکہ وہ لوگ بظاہر اسلام کے مُدعی تھے اور حضرات صحابہؓ کے سامنے یہ بات کہہ رہے تھے اس لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا کہ آپ کو رسول ماننے کا دم بھریں لیکن انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دھوکہ دہی کی نسبت کریں گے تو مسلمان ہمیں کیسے مسلمان مانیں گے۔

دوسری آیت میں منافقوں کی ایک جماعت کی یہ بات نقل فرمائی ہے کہ انہوں نے اس موقع پر یوں کہا کہ اے یثرب والو یعنی مدینے میں سکونت کرنے والے! یہاں ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے لہٰذا اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو جاؤ کیونکہ بظاہر قتل ہونے کی صورت بن رہی ہے، اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ گے تو قتل ہونے سے بچ جاؤ گے ورنہ تمہیں بھی یہیں موت کے منہ میں جانا پڑے گا۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ بات رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں نے کہی تھی۔ مفسرین نے

لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا کا ایک مطلب تو وہی لکھا ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا' اور بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اب محمد ﷺ کے دین میں رہنے کا موقع نہیں رہا لہٰذا تم اپنے پرانے دین شرک پر واپس ہو جاؤ۔ اور ایک مطلب یہ لکھا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے تم نے جو بیعت کی ہے اُس سے واپس ہو جاؤ اور انہیں دشمنوں کے حوالے کر دو۔

یثرب مدینہ منورہ کا سابق نام ہے' بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ عمالقہ میں سے ایک شخص کا نام یثرب تھا اُسی کے نام پر یہ نام رکھا گیا' چونکہ ثَرَبَ یَثْرِبُ ملامت کرنے کے معنی میں آتا ہے اس لئے اب اس کو اس نام سے یاد کرنا ممنوع ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: مَنْ سَمَّی الْمَدِیْنَةَ یَثْرِبُ فَلْیَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ تَعَالٰی هِیَ طَابَةُ هِیَ طَابَةُ هِیَ طَابَةُ (یعنی جو شخص مدینہ کو یثرب کے نام سے یاد کرے وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے' یہ طابہ ہے' یہ طابہ ہے' یہ طابہ ہے) یعنی عمدہ ہے مبارک ہے اچھا شہر ہے۔ (رواہ احمد فی مسند عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ)

رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد اس شہر کا نام مدینہ منورہ ہی مشہور ہو گیا اگرچہ اس کے علاوہ اس کے اور بھی نام ہیں۔

آیت بالا میں بعض منافقوں کے اجازت لینے کا ذکر ہے' ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہمیں واپس ہونے کی اجازت دے دی جائے کیونکہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں' چھوٹی چھوٹی دیواریں ہیں' چوروں کا خوف ہے' جب یہاں آ گئے تو وہاں کوئی حفاظت کا انتظام بھی نہیں اور وہاں دشمنوں کے پہنچنے کا ڈر ہے کیونکہ خندق کی جگہ سے دور ہیں۔ مفسرین نے بتایا ہے کہ جب منافقوں نے یہ کہا کہ اے یثرب والو! یہاں سے چلے جاؤ ٹھہرنے کا موقع نہیں ہے' تو اُن کی باتوں میں آ کر قبیلہ بنو حارثہ اور بنو سلمہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس ہونے کی اجازت طلب کر لی تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور فرمایا: وَمَا هِیَ بِعَوْرَةٍ (یہ بات نہیں ہے کہ ان کے گھر غیر محفوظ ہیں) اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا (ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ بھاگ جائیں)۔

تیسری آیت میں ان لوگوں کے فتنہ پردازی کا تذکرہ فرمایا: وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَیْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا (الآیۃ) (اگر مدینہ کے اطراف سے کوئی لشکر ان پر گھس آئے پھر ان سے فتنے کا سوال کیا جائے تو یہ ضرور فتنے کو منظور کر لیں گے) مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جو گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا بہانہ کر کے آپ ﷺ سے اجازت لے کر راہ فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں ان کا مقصد مسلمانوں کے ساتھ شریک قتال ہونے سے منہ موڑنا ہے۔ اگر کافروں کا کوئی لشکر اُن کے پاس پہنچ جائے اور وہ ان سے یہ کہے کہ چلو مسلمانوں سے لڑو تو یہ ضرور اُن کی بات مان لیں گے اور اپنے گھروں میں بہت ہی کم ٹھہریں گے بس کافروں سے کہتے ہی چل پڑیں گے یا اتنی دیر لگائیں گے جتنی دیر میں ہتھیار لے لیں' اُس وقت انہیں گھروں کی حفاظت کا بالکل نہیں رہے گا' انہیں مسلمانوں سے دشمنی ہے اور کافروں سے محبت ہے۔ قال صاحب الروح ان طلبهم الاذن فی الرّجوع لیس لا ختلال بیوتهم بل لنفاقهم و کراهتهم نصرتک۔ (تفسیر روح المعانی کے مصنف فرماتے ہیں ان کا واپسی کی اجازت مانگنا واقعۃً کوئی گھروں کے نقصان کا اندیشہ کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ان کے منافق ہونے اور تیری مدد کو ناپسند کرنے کی وجہ سے تھا)

آیت کریمہ کی دوسری طرح بھی تفسیر کی گئی ہے' صاحب روح المعانی فرماتے ہیں' والوجوه المحتملة

فی الاٰیات کثیرۃ کما لا یخفٰی علٰی من لہٗ ادنیٰ تأمل وما ذکرناہ اوّلاً ھو الاظھر فی ما أریٰ۔ (آیات میں کئی سارے احتمالات موجود ہیں جیسا کہ ذرا بھی غور کرنے والے آدمی پر مخفی نہیں ہے جو ہم نے سب سے پہلی توجیہ ذکر کی ہے میرے خیال میں وہی زیادہ راجح ہے)

چوتھی آیت میں بھی انہیں لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے گھروں کے خالی ہونے کا بہانہ کر کے راہِ فرار اختیار کرنے کے لئے اجازت طلب کی تھی' ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ (الآیۃ) یعنی ان لوگوں نے اس سے پہلے عہد کیا تھا کہ پشت پھیر کر نہ جائیں گے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بنوحارثہ کا ذکر ہے' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے قبیلہ بنوسلمہ مراد ہے' یہ لوگ غزوۂ اُحد کے موقع پر بزدلی دکھا چکے تھے پھر توبہ کر کے شریک ہو گئے تھے اور خندق کا واقعہ پیش آنے سے پہلے عہد کیا تھا کہ راہِ فرار اختیار نہ کریں گے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ میں اُن منافقوں کا ذکر ہے جو غزوۂ بدر کی شرکت سے رہ گئے تھے' پھر جب اللہ تعالیٰ نے وہاں مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور کافروں کو بری طرح شکست دی تو یہ کہنے لگے افسوس ہم شریک نہ ہوئے' اگر ہم شریک ہوتے تو یوں کرتب دکھاتے اور ایسا کرتے ویسا کرتے' آئندہ جب کوئی جہاد کا موقع ہوگا تو ہم اپنی بہادری کے جوہر دکھائیں گے' جب غزوۂ خندق کا موقع آیا تو اُن کے سارے دعوے اور معاہدے دھرے کے دھرے رہ گئے اور فرار کی راہیں اختیار کرنے لگے' وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا (اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی باز پرس ہوگی) عہد کی خلاف ورزی اور عہد شکنی کر کے سزا کے مستحق ہو چکے ہیں۔

پانچویں اور چھٹی آیت میں راہ فرار اختیار کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی کہ اگر تم موت سے یا قتل کے ڈر سے بھاگ گئے تو تمہارا یہ بھاگنا تمہیں نفع نہ دے گا' اگر بھاگ گئے تو کتنا جیو گے؟ اجل مقررہ کے مطابق موت تو آہی جائے گی اور عمر کا جو بقیہ حصہ ہے اُس سے بھی زیادہ نفع حاصل نہیں کر سکتے' بھاگ کر عمر نہیں بڑھ سکتی کیونکہ اس کا وقت مقرر ہے۔

مزید فرمایا کہ ہر چیز کا فیصلہ اللہ کے اختیار میں ہے اگر تم بھاگ گئے اور جہاں پہنچے وہاں اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہلاک فرما دیا تو تمہیں اللہ سے کون بچا سکتا ہے؟ اور وہ تم پر اپنا فضل فرمائے مثلاً تمہیں زندہ رکھے جو کہ ایک دنیاوی رحمت ہے تو اُسے اس سے کون روک سکتا ہے؟

ساتویں اور آٹھویں آیت میں بھی اُن لوگوں کا تذکرہ ہے جو دوسروں کو شرکت جہاد سے روک رہے تھے اور مسلمانوں کے حق میں اپنے قول اور فعل سے برا کردار ادا کر رہے تھے' ارشاد فرمایا اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو دوسروں کو جنگ میں شریک ہونے سے روکتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جاؤ۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ایک مخلص مسلمان غزوۂ خندق کے موقع پر اپنے سگے بھائی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ بھنا ہوا گوشت کھا رہا ہے اور اس کے پاس نبیذ (کھجوروں کا میٹھا پانی) پڑا ہے' یہ شخص منافق تھا' مخلص مسلمان (اس کا بھائی) جو اس کے پاس سے گذر رہا تھا' نے اُس سے کہا تو یہاں ہے؟ اور رسول اللہ ﷺ نیزوں اور تلواروں کے درمیان ہیں' اس پر بھنا ہوا گوشت کھانے والے شخص نے کہا کہ تو بھی میرے پاس آ جا کہ اب تو تم لوگ ایسے گھیرے میں آ گئے ہو کہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے' مخلص مسلمان نے کہا کہ تو جھوٹا ہے اللہ کی قسم میں تیری بات کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو کر دوں گا' یہ صاحب امام الانبیاء ﷺ

کی خدمت عالی میں پہنچے تو دیکھا کہ جبریل علیہ السلام آیت کریمہ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ لے کر نازل ہو چکے ہیں۔

اور صاحب معالم التنزیل نے (جلد ۳ صفحہ ۵۱۸) لکھا ہے کہ یہودیوں نے منافقوں کو کہلا بھیجا کہ تم لوگ ابوسفیان اور اس کی جماعت اور دوستوں کے ہاتھوں کیوں اپنی جان کو تباہ کر رہے ہو اگر اس مرتبہ انہوں نے تم پر قابو پالیا تو تم میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے' ہمیں تم پر ترس آ رہا ہے تم ہمارے بھائی ہو اور پڑوسی ہو ہمارے پاس آ جاؤ' (اس صورت میں اخوان سے برادر نسبتی نہیں بلکہ برادر وطنی مراد ہوں گے) یہود کی باتوں سے متاثر ہو کر رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی اور اُس کے ساتھی مؤمنین ومخلصین کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں جنگ کرنے سے روکنے لگے اور خوف زدہ کرنے لگے کہ دیکھو اگر ابوسفیان اور اُس کے ساتھیوں نے تم پر قابو پالیا تو تم میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے' تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کس خیر کی اُمید ہے اس کی جنگ کا تو یہ حاصل ہے کہ ہم سب یہیں مقتول ہو جائیں گے' چلو ہم اپنے یہودی بھائیوں کے پاس چلے چلیں' منافقوں کی یہ بات سن کر اہل ایمان کا ایمان اور مضبوط ہو گیا اور ان میں ثواب کی امید اور زیادہ پکی ہو گئی۔

وَلَا يَأْتُوْنَ الْبَأْسَ اِلَّا قَلِيْلًا (اور یہ لوگ یعنی منافقین لڑائی کے موقع پر جو حاضر ہو جاتے ہیں اُن کا یہ حاضر ہونا بس ذرا سا نام کرنے کو ہے) اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ (یعنی ان کا ذرا سا نام کرنے کے لئے آنا بھی تمہارے بارے میں بخل اختیار کرنے کے لئے ہے) جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمان جیت گئے اور انہیں غنیمت کا مال مل گیا تو ہم بھی استحقاق غنیمت کا دعویٰ کر سکیں گے۔

فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ (سو جب کوئی خوف کا موقع پیش آ جاتا ہے تو آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرائی جاتی ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو) فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ (پھر جب خوف دور ہو جاتا ہے تو تمہیں تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں) اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ (ان طعنوں کا باعث یہ ہے کہ وہ مال کی حرص کے لئے آئے ہوتے ہیں) یعنی مالِ غنیمت لینے کیلئے دلخراش باتیں کرتے ہیں کہ ہمیں مال غنیمت میں کیوں شریک نہیں کرتے ہم بھی تو جنگ میں شریک تھے' ہماری وجہ ہی سے تو تمہیں یہ فتح میسر ہوئی ہے' مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بزدل بھی ہیں اور حریص بھی ہیں ان میں دونوں چیزیں انتہاء کو پہنچی ہوئی ہیں۔ صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں: فَهُمْ عِنْدَ الْغَنِيْمَةِ اَشَحُّ قوم وَعِنْدَ الْبَعْثِ اَجْبَنُ قَوْم۔

اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا (یہ لوگ ایمان نہیں لائے) فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ (سو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے) جن کا آخرت میں کچھ بھی ثواب نہ ملے گا۔ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا (اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے) یعنی اس سے کوئی شخص مزاحمت کر کے اپنے اعمال کا بدلہ نہیں لے سکتا۔

نویں آیات میں منافقین کی بزدلی کو مزید آشکارا فرمایا کہ باوجودیکہ قریش مکہ اور بنی غطفان اور دیگر جماعتوں کے گروہ واپس چلے گئے لیکن یہ لوگ ڈر رہے ہیں اور یوں کہہ رہے ہیں کہ وہ لوگ ابھی نہیں گئے۔ مذکورہ گروہ جا تو چکے ہیں لیکن اگر واپس آ جائیں تو منافقین خوف اور بزدلی کی وجہ سے یوں آرزو کرنے لگیں گے کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر ہم دیہات میں چلے جاتے اور وہیں سے مسلمانوں کی خبریں معلوم کرتے رہتے کہ جنگ کا کیا انجام ہوا۔ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا۔

اے مسلمانو! یہ منافق اگر تمہارے اندر رہ جائیں تب بھی تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتے بس نام کیلئے ذرا سی جنگ کر لیں گے جس سے ریاکاری مقصود ہوگی ایک دو پتھر پھینک کر کہیں گے کہ ہم نے بھی تو جنگ میں شرکت کی تھی۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ

تمہارے لئے یعنی اس شخص کے لئے جو اللہ سے اور آخرت کے دن سے ڈرتا ہو اور اللہ کو کثرت سے

وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

یاد کرتا ہو رسول اللہ (ﷺ) کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔ اور جب ایمان والوں نے جماعتوں کو دیکھا تو انہوں نے کہا کہ یہ ہے وہ جس کا ہم سے اللہ نے

وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ

اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا۔ اور اللہ نے اور اس کے رسول نے سچ فرمایا اور ان کے ایمان اور فرمانبرداری میں ترقی ہی ہوگی۔ اہل ایمان میں بعض ایسے ہیں

صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا

جنہوں نے اپنا وہ عہد سچ کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا سو ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کر لی اور بعض وہ ہیں جو انتظار کر

بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا ﴿۲۳﴾ لِّیَجْزِیَ اللّٰهُ الصّٰدِقِیْنَ بِصِدْقِهِمْ وَیُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ اِنْ شَآءَ

رہے ہیں اور انہوں نے کچھ بھی تبدیلی نہیں کی۔ تاکہ اللہ سچوں کو اُن کی سچائی کا بدلہ دے اور منافقین کو عذاب دے اگر چاہے

اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۲۴﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ لَمْ یَنَالُوْا

یا اُن کی توبہ قبول فرمائے بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ اور کافروں کو اللہ نے اُن کے غصہ کے ساتھ واپس لوٹا دیا انہوں نے کوئی

خَیْرًا وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِیًّا عَزِیْزًا ﴿۲۵﴾

خیر نہ پائی اور قتال کی جانب سے مؤمنین کے لئے اللہ خود ہی کافی ہو گیا اور اللہ قوت والا ہے عزت والا ہے۔

مؤمنین کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی اُسوہ ہے اہل ایمان نے اللہ سے سچا وعدہ کیا اور اس پر پورے اُترے

تفسیر: ان آیات میں اول تو اہل ایمان کو تلقین فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتے رہیں، غزوۂ احزاب میں بھی سب کو وہی کرنا لازم تھا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا، کسی کو اپنی جان بچا کر چلے جانا درست نہیں تھا۔ اس میں اہل ایمان کو تعلیم فرما دی کہ جیسے اب رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیا اور اتباع کیا اسی طرح آئندہ بھی آپ کا اتباع کریں اور آپ کی ذات گرامی کو اپنے لئے اسوۂ حسنہ یعنی عملی زندگی کا نمونہ بنائیں، جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں اور یوم آخرت کی پیشی کا یقین رکھتے ہیں اُنہیں ایسا ہی ہونا چاہئے۔ مؤمنین کی تعلیم و تلقین کے ساتھ ہی منافقین پر تعریض بھی ہے جنہوں نے ایمان کا

دعویٰ کرنے کے باوجود راہِ فرار کو پسند کیا اور لوگوں کو غزوہ کی شرکت سے روکا۔ بات یہ ہے کہ صرف دعویٰ کچھ کام نہیں دیتا جب کسی کام کا دعویٰ کرے تو اس کو سچا کر دکھائے' منافقین دنیاوی مصالح کی بناء پر ایمان کا دعویٰ تو کر بیٹھے جب آزمائش آئی تو وعدہ کو نبھاہ نہ سکے' ان کا اعمال واقوال سے جھوٹا ہونا صاف طریقے پر واضح ہو گیا۔

اس کے بعد مؤمنین صحابہؓ کی تعریف فرمائی کہ جب انہوں نے کافروں کے گروہوں کو دیکھ لیا کہ وہ باہمی مشورے کر کے آ گئے ہیں تو انہوں نے یوں کہا: هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (یہ وہ ہے جس کا اللہ نے اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا تھا) یعنی اہل ایمان کی جانچ اور امتحان کا جو قرآن کریم میں کئی جگہ ذکر ہے اسی میں کا ایک یہ بھی امتحان وابتلا ہے' دشمنوں کی آمد اہل ایمان کے لئے ایمان میں اضافہ کا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو زیادہ بشاشت کے ساتھ تسلیم کرنے کا سبب بن گئی' سورۂ بقرہ میں امتحان کا ذکر فرمایا ہے: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ (الآیۃ) اور سورۃ آل عمران میں فرمایا ہے: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا ہے: الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ اور فرمایا وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ۔ ان آیات میں واضح طور پر بیان فرما دیا ہے کہ اہل ایمان کا امتحان ہو گا اور مؤمنین ومنافقین الگ الگ پہچان لئے جائیں گے۔

اس کے بعد اُن مؤمنین کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے ایمان والے عام عہد اور اقرار کے علاوہ بھی کچھ عہد زائد کیا تھا' ان کے لئے فرمایا کہ بعض نے تو اپنی نذر پوری کر دی یعنی معاہدہ کے مطابق جہاد میں شرکت کر کے شہید ہو گئے' ان کے بارے میں فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ فرمایا۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو ابھی انتظار میں ہیں کہ جب موقع ہو گا اپنی جان کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیں گے۔

یہاں مفسرین کرام نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ میرے چچا انس بن النضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر کی شرکت سے رہ گئے تھے انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ کا مشرکین سے جنگ کرنے کا یہ پہلا موقع تھا میں جس میں شریک نہ ہوا' اب اگر اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے جنگ کرنے کا موقع دیا تو میں جان جوکھوں میں ڈال کر دکھا دوں گا۔ جب غزوۂ اُحد کا موقع آیا تو یہ اس میں شریک ہو گئے اور مسلمانوں کو جب ظاہری شکست ہو گئی تو بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ ایمان والوں نے جو کچھ کیا میں اس کی معذرت پیش کرتا ہوں اور مشرکین نے جو کچھ کیا میں اس سے برأت ظاہر کرتا ہوں' یہ کہہ کر آگے بڑھے' مشرکین کی طرف جا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہو گئی اور اُن سے کہا میرے رب کی قسم! مجھے اُحد کے ورے جنت کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے اسکے بعد لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ان کی نعش ملی تو چونکہ مشرکین نے ان کے ناک کان کاٹ دیئے تھے جس سے چہرہ بدل گیا تھا اس لئے انگلیوں کے پوروں سے ان کی بہن نے انہیں پہچانا' شمار کیا تو دیکھا کہ ان کے جسم پر اسی سے کچھ اوپر تلوار' نیزہ اور تیر کے زخم تھے ہم سمجھتے تھے کہ یہ آیت یعنی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ حضرت انس بن نضر اور ان جیسے اصحاب کے بارے میں نازل

ہوئی۔(ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۲۰، وذکرہ البخاری فی کتاب التفسیر من جامعہ ج ۲ ص ۷۰۵ قال انس بن مالک نری ھٰذہ الاٰیۃ نزلت فی انس بن نضر)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوفرمایا کہ یہ آیت انس بن نضر اوران جیسے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان اصحاب کے اسمائے گرامی جومفسرین نے لکھے ہیں ان میں سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم ہیں' بعض روایات میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو یہ بات پسند کرے کہ کسی ایسے شخص کو زمین پر چلتا پھرتا دیکھے جس نے اپنی نذر پوری کردی ہوتو وہ طلحہ بن عبیداللہؓ کو دیکھے (معالم التنزیل) حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم غزوۂ اُحد اور غزوۂ احزاب میں شہید نہیں ہوئے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے انہیں مَنْ قَضٰی نَحْبَهٗ کا مصداق بتایا کیوں کہ انہوں نے غزوۂ اُحد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو دشمنوں کے تیروں سے اپنے ہاتھ کے ذریعہ بچایا تھا یعنی ڈھال کی جگہ اپنے ہاتھوں سے کام لیا تھا جس کی وجہ سے ان کا ہاتھ شل ہوگیا تھا اوران کے جسم میں ستر سے کچھ اوپر زخم آگئے تھے' اپنی طرف سے تو انہوں نے نذر پوری کرہی دی اور شہید ہونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی' یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندگی دی اور جنگ جمل کے موقع پر ۳۰ھ میں شہید ہوئے۔ صحابۂ کرام کے دشمن ذرا غور تو کریں کہ انہوں نے کیسی کیسی قربانیاں دی ہیں؟

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (اور بعض وہ ہیں جو انتظار کررہے ہیں اور انہوں نے کچھ بھی تبدیلی نہیں کی) یعنی جو حضرات ابھی زندہ ہیں اور شہادت کے منتظر ہیں اور اپنے عہد پر قائم ہیں اپنے عزم کو انہوں نے ذرا بھی نہیں بدلا' لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ (تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے) یعنی غزوۂ احزاب کا واقعہ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ سچے اور مخلص مسلمانوں کو اُن کے سچ کا بدلہ دے۔ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ (اور چاہے تو منافقین کو سزا دے) اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ یا ان کو توبہ کی توفیق دے اور وہ توبہ کرکے مسلمان ہوجائیں اور زمانہ کفر میں جو انہوں نے حرکت کی وہ معاف ہوجائے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے)

فائدہ: مَنْ قَضٰی نَحْبَهٗ ایک ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر ذکر کیا کہ اپنی نذر پوری کردی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ بطور استعارہ موت کے معنی میں آتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اپنے وعدہ کے مطابق کام کرکے دنیا سے چلے گئے' یہ دوسرا معنی مراد لینے میں بھی مطلب وہی نکلتا ہے کہ وہ اپنا کام کرگزرے اور دنیا سے چلے گئے۔

پھر فرمایا وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ (کہ کافر لوگ جو غصے میں بھرے ہوئے مدینہ منورہ پر چڑھ کر آئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں واپس لوٹا دیا) لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا (انہیں کوئی بھی خیر نہ ملی) یعنی جس فتحیابی کی اُمید پر غصہ میں بھرے ہوئے آئے تھے اُس میں سے کچھ بھی نہ ملا اور ناکام ونامراد واپس ہوئے وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ (اور قتال کی جانب سے اللہ مؤمنین کے لئے کافی ہوگیا) یعنی مؤمنین کو جنگ نہ کرنی پڑی' اللہ تعالیٰ نے سخت تیز ٹھنڈی ہوا بھیج دی جس کی وجہ سے دشمن بھاگ گئے اور مؤمنین صحیح سالم شہر مدینہ میں داخل ہوگئے' وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا (اور اللہ قوت والا ہے غالب ہے) وہ جس طرح جس کی چاہے مدد فرمادے کوئی اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ

اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ان کی مدد کی اللہ نے ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں

الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِیَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ

رُعب ڈال دیا، تم ایک جماعت کو قتل کرنے لگے اور ایک جماعت کو قید کرنے لگے اور تمہیں ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور ان کے مالوں کا

وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴿۲۷﴾

اور ایسی زمین کا مالک بنا دیا جس پر تم نے قدم نہیں رکھا تھا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اہل کتاب کو غداری کی سزا مل گئی اور اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا فرما دیا

تفسیر: جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ مدینہ منورہ میں پہلے سے یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے جب رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں کے تمام رہنے والوں کے درمیان ایک معاہدہ کروا دیا جس میں خود آپ ﷺ بھی مہاجرین و انصار کے ساتھ شریک تھے اور یہودیوں کے تینوں قبیلوں کو بھی شریک فرما لیا تھا۔ اس معاہدے میں جو باتیں لکھی گئی تھیں ان میں یہ بھی تھا کہ آپس میں جنگ نہ کریں گے اور یہ کہ مدینہ منورہ پر کوئی دشمن حملہ آور ہوگا تو سب مل کر دفاع کریں گے، ان میں سے بنی قینقاع نے تو غزوۂ بدر کے بعد ہی اس عہد کو توڑ دیا تھا جس کی سزا انہیں مل گئی۔ ان کے بعد قبیلہ بنی نضیر نے عہد توڑا جنہیں ۴ھ میں مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا گیا اور وہ خیبر میں جا کر آباد ہو گئے اور وہاں بس جانے کے بعد قریش مکہ اور بنی غطفان وغیرہم کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا جس کے نتیجے میں غزوۂ احزاب پیش آیا، اب صرف قبیلہ بنو قریظہ مدینہ منورہ میں باقی رہ گیا تھا جو اپنے عہد پر قائم تھا، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا بنی نضیر کو جب مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا گیا تو انہوں نے مکہ مکرمہ پہنچ کر قریش مکہ اور بنی غطفان کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف اُبھارا اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کیلئے تیار کیا اور یہ عزم لے کر چلے کہ مسلمانوں کو بالکل ختم ہی کر دینا ہے۔ جن یہودیوں نے قریش مکہ اور بنو غطفان وغیرہم کو اس کے لئے آمادہ کیا تھا اُن میں حی بن اخطب بھی تھا جو بنی نضیر کا سردار تھا، جب یہ دشمنان اسلام کی جماعتوں کو لے کر مدینہ منورہ پہنچا اور خندق کے باہر پڑاؤ ڈالنا پڑا تو وہ موقع پا کر بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا اور اُسے عہد شکنی پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، کعب بن اسد نے اول تو اپنے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور ابن اخطب کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی اور یہ کہہ کر عہد شکنی سے انکار کر دیا کہ محمد ﷺ سے میرا معاہدہ ہے میں نے اُن کی طرف سے وفائے عہد اور سچائی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا لہٰذا میں عہد شکنی نہیں کروں گا، لیکن ابن اخطب برابر اصرار کرتا رہا اور باتیں بناتا رہا، کعب بن اسد نے کہا کہ اچھا اگر قریش مکہ اور بنی غطفان نامراد ہو کر واپس ہو گئے اور

محمد ﷺ صحیح سالم مدینہ منورہ میں رہ گئے تو تیرا اور ہمارا کیا معاملہ بنے گا؟ ابن اخطب نے کہا کہ میں تیرے ساتھ تیرے قلعہ میں داخل ہو جاؤں گا پھر جو تیرا حال بنے گا میں بھی اسی میں تیرا ساتھی رہوں گا' یہ بات سن کر کعب بن اسد نے معاہدہ توڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ سے جو معاہدہ کیا تھا اُس سے بری ہو گیا۔

جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے حضرت سعد بن معاذ' سعد بن عبادہ اور عبداللہ بن رواحہ اور خوات بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھیجا کہ جاؤ تحقیق حال کرو' یہ حضرات بنو قریظہ پہنچے تو دیکھا کہ وہ واقعہ عہد توڑ چکے ہیں' ان حضرات نے واپس ہو کر رسول اللہ ﷺ کو اصل صورتحال سے مطلع کر دیا' اس کے بعد جب قریش مکہ اور بنی غطفان وغیرہم ناکام واپس چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ شہر مدینہ منورہ میں واپس تشریف لے آئے اور ہتھیار رکھ کر غسل فرمالیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا رسول اللہ آپ ﷺ نے ہتھیار رکھ دیئے؟ آپ نے فرمایا ہاں! حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا اللہ کی قسم ہم نے تو ہتھیار نہیں رکھے' اللہ تعالیٰ آپ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں میں بھی اُن کی طرف جا رہا ہوں میں اُن کے قلعوں میں زلزلہ لاؤں گا۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے اور مسلمانوں کے پاس خبر بھیج دی کہ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو جائیں اور وہیں جا کر عصر کی نماز پڑھیں' حضرات صحابہ کرامؓ روانہ ہوئے بعض نے یہ سمجھ کر راستہ میں عصر کی نماز پڑھ لی کہ وقت ختم ہو رہا ہے' انہوں نے آپ کے ارشاد کا یہ مطلب سمجھا کہ نماز پڑھ لی جائے تاکہ نماز قضاء نہ ہو اور بعض حضرات نے نماز قضاء کر دی اور وہیں جا کر پڑھی' ان حضرات نے ظاہر حکم کو دیکھا اور اپنی طرف سے اس کا کوئی مفہوم تجویز نہیں کیا' رسول اللہ ﷺ نے دونوں جماعتوں میں سے کسی کو بھی ملامت نہیں کی۔

اس سے علماء نے یہ اخذ کیا ہے کہ مجتہدین کرام کا اختلاف (جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہوں) منکر نہیں ہے' ہر مجتہد کو اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کرنے میں ثواب ملتا ہے۔

بنی قریظہ کا قبیلہ مدینہ منورہ سے باہر تین چار میل کے فاصلے پر رہتا تھا' رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اُن کے علاقوں میں پہنچ گئے اور وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے' آپ ﷺ نے پچیس دن تک ان کا محاصرہ فرمایا۔ یہ محاصرہ ان کے لئے مصیبت بن گیا اُن سے کعب بن اسد نے کہا کہ دیکھو میں تم پر تین باتیں پیش کرتا ہوں جس کو چاہو قبول کر لو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم سب مل کر محمد ﷺ پر ایمان لے آئیں اور آپ ﷺ کی تصدیق کر لیں' میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم پر یہ بات کھل چکی ہے کہ یہ واقعی نبی ہیں اور رسول ہیں اور ان کی شخصیت وہی ہے جن کا تم اپنی کتاب یعنی توارات شریف میں ذکر پاتے ہو' اگر ایسا کر لو گے تو تمہاری جانیں اور تمہاری اولاد اور تمہاری عورتیں اور تمہارے اموال سب محفوظ ہو جائیں گے' یہ سن کر وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم اپنا دین نہیں چھوڑ سکتے۔ کعب بن اسد نے کہا کہ اگر تم اس رائے کو قبول نہیں کرتے تو دوسری رائے یہ ہے کہ ہم سب اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیں اور محمد ﷺ اور اُن کے اصحاب کی طرف ننگی تلواریں لے کر نکل جائیں' پھر اللہ کا جو فیصلہ ہو وہ ہو جائے گا اگر ہم سب ہلاک ہو گئے تو بال بچوں کی طرف سے کوئی فکر نہ رہے گی' اور اگر ہم نے غلبہ پالیا اور عورتیں مل جائیں گی اور اولاد بھی پیدا ہو جائے گی' یہ بات سن کر اُس کی قوم کے لوگ بولے کہ ان مسکینوں کو اگر ہم قتل کر دیں تو ان کے بعد زندگی کا کیا مزہ ہے؟ کعب بن اسد نے کہا کہ تیسری صورت یہ ہے کہ آج لیلۃ

السبت ہے یعنی سنیچر کی رات ہے، قلعوں سے اُتر کر ہم محمد ﷺ اور ان کے اصحاب پر چپکے سے حملہ کر دیں، ہوسکتا ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ہمارے حملہ سے غافل ہوں کہ آج لیلۃ السبت ہے ہم ان پر حملہ نہ کریں گے، کعب بن اسد کی یہ رائے بھی ان کی قوم نے قبول نہیں کی اور کہنے لگے کہ ہم سنیچر کے دن کو کیوں خراب کریں۔

اس کے بعد بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس ابولبابہؓ کو بھیج دیجئے، یہ انصاری صحابی تھے، ان کا قبیلہ زمانہ جاہلیت میں بنو قریظہ کا حلیف تھا، یہود بنو قریظہ نے انہیں مشورہ لینے کے لئے طلب کیا، رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھیج دیا، جب یہود کی اُن پر نظر پڑی تو انکی عورتیں اور بچے ابولبابہ کے سامنے رونے لگے، یہودیوں نے ان سے مشورہ لیا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا ہم محمد ﷺ کے فیصلہ پر قلعے سے نیچے اُتر آئیں؟ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے رائے تو دے دی کہ ہاں اُتر آؤ اور ساتھ ہی اپنے حلق کی طرف اشارہ کر دیا یعنی یہ بتا دیا کہ تم ذبح کر دیئے جاؤ گے، اشارہ تو کر دیا لیکن اُسی وقت دل میں یہ بات آ گئی کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی خیانت کی ہے، یہ سوچا اور سیدھے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور مسجد کے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا اور کہنے لگے کہ میں اس جگہ سے نہ ٹلوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ فرمائے۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ سورۃ الانفال کی آیت: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کا سبب نزول حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا واقعہ ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچنے میں دیر ہوئی اور آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ایسا واقعہ پیش آیا ہے تو آپ نے فرمایا اگر وہ میرے پاس آ جاتا تو میں اس کے لئے اللہ سے استغفار کر دیتا، اب اُس نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے تو اب میں نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہ فرمائے۔ چھ دن تک وہ ستون سے بندھے رہے، ہر نماز کے وقت اُن کی بیوی آتی تھی اور نماز کے لئے کھول دیتی تھی، نماز سے فارغ ہو کر وہ پھر اپنے آپ کو ستون سے باندھ لیتے تھے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی توبہ کے بارے میں سورۂ توبہ کی آیت وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ الخ جب ان کی توبہ کی قبولیت کا اعلان ہو گیا (جو سحر کے وقت ہوا تھا) تو لوگ انہیں کھولنے کے لئے دوڑے، انہوں نے کہا کہ میں تمہارے ہاتھوں سے نہیں کھلوں گا رسول اللہ ﷺ ہی کھولیں گے تو میں کھلنا منظور کروں گا پھر جب رسول ﷺ نماز فجر کے لئے باہر تشریف لائے تو اُن کو کھول دیا۔

بنو قریظہ طولِ محاصرہ سے بلبلا اُٹھے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اب مقابلہ کا کوئی راستہ نہیں تو رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر راضی ہو گئے یعنی یہ کہلوا بھیجا کہ آپ جو بھی فیصلہ فرمائیں ہمیں منظور ہے۔

جب وہ لوگ آپ کے فیصلہ پر راضی ہو گئے تو قبیلۂ اوس کے اشخاص آگے بڑھے (جو انصار میں سے تھے) انہوں نے عرض کیا کہ یہ ہمارے حلیف تھے ان کا معاملہ ہمارے سپرد فرما دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا ان کا فیصلہ تم میں سے ایک شخص کے سپرد نہ کر دوں؟ کہنے لگے کہ جی ٹھیک ہے، آپ نے فرمایا میں ان کا فیصلہ سعد بن معاذؓ کے سپرد کرتا ہوں۔

(حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ بنی اوس کے سردار تھے)

پہلے گذر چکا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ دشمنوں کے مقابل اپنے صحابہؓ کے ساتھ جبل سلع کے قریب قیام پذیر تھے

اور مقابلہ تقریباً ایک ماہ تک تھا اُس وقت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی ایک رگ میں (جسے عربی میں اَکحَل کہتے ہیں) ایک تیر آ کر لگا جس کی وجہ سے ان کو تکلیف ہوگئی انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ زخم جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے لہٰذا انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تھی کہ اے اللہ مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک بنی قریظہ کا انجام دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں، رسول اللہ ﷺ نے انہیں رفیدہ نامی ایک عورت کے خیمہ میں ٹھہرا دیا تھا جب آپ نے ان کو بنی قریظہ کا فیصلہ سپرد فرما دیا تو انہیں بلایا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اُن کو آتا دیکھ کر فرمایا کہ اپنے سید کے لئے کھڑے ہو جاؤ (چونکہ وہ مریض تھے اور انہیں سواری سے اتارنے کی ضرورت تھی اس لئے آپ ﷺ نے کھڑے ہونے کا اور ان کی مدد کرنے کا حکم فرمایا) رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ یہود بنی قریظہ تمہارے فیصلہ پر راضی ہو گئے ہیں (راضی تو ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر، پھر جب انصار کے قبیلہ بنی اوس نے کہا کہ ان کا معاملہ ہمارے سپرد کر دیجئے تو آپ ﷺ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرما دیا، اس سے یہود بھی خوش ہوئے کیونکہ یہ اُن کے خلفاء میں سے تھے اور خود اُن کے اپنے قبیلہ کے لوگ بھی خوش ہوئے اور ان سے کہتے رہے کہ اپنے خلفاء کے بارے میں اچھا فیصلہ کرنا) حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ جو لوگ جنگ کرنے کے لائق ہیں اُن سب کو قتل کر دیا جائے اور مال تقسیم کر دیا جائے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے، جب انہوں نے اپنا یہ فیصلہ دے دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے وہ فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

اس کے بعد مدینہ منورہ کے بازار میں خندقیں کھودی گئیں، بنو قریظہ کی جماعتیں وہاں پہنچائی جاتی رہیں اور اُن کی گردنیں ماری جاتی رہیں، ان مقتولین میں حی بن اخطب بھی تھا اور کعب بن اسد بھی، جو بنو قریظہ کا سردار تھا جس نے بنو قریظہ پر تین باتیں پیش کی تھیں اُن کی پیش کش پر قوم مسلمان نہ ہوئی تو اس نے بھی اسلام قبول نہ کیا۔ یاد رہے کہ حی بن اخطب وہی شخص ہے جو اپنے ساتھیوں کو لے کر مکہ معظمہ پہنچا تھا اور قریش مکہ اور بنو غطفان کو مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے پر آمادہ کیا تھا اور اسی نے کعب بن اسد کو نقضِ عہد پر آمادہ کیا تھا اور آخر میں یوں کہا تھا کہ اگر ان جماعتوں کو شکست ہوئی، جو باہر سے آئی ہیں تو میں بھی تیرے ساتھ قلعہ میں داخل ہو جاؤں گا اور جو مصیبت تم لوگوں کو پہنچے گی میں بھی اس میں شریک رہوں گا، اسی عہد کی وجہ سے وہ واپس خیبر نہیں گیا جہاں بنی نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا تھا اور بنی قریضہ کے ساتھ یہ بھی مقتول ہوا۔ یہ شخص رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ طاہرہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا والد بھی تھا جنہیں ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے موقع پر قید کر کے لایا گیا تھا۔

بنی قریظہ میں سے صرف ایک عورت کو قتل کیا گیا اور باقی جو مقتولین تھے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے مطابق سب مرد تھے؛ جس عورت کو قتل کیا گیا اُس نے حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ پر چکی کا پاٹ گرا دیا تھا جس کی وجہ سے وہ شہید ہو گئے تھے، بنی قریظہ میں سے حضرت عطیہ قرظی کو بھی قتل نہیں کیا گیا کیونکہ وہ اُس وقت تک بلوغ کی حد کو نہیں پہنچے تھے۔

فیصلہ یہ ہوا کہ جس کے زیر ناف بال نکل آئے ہوں اُسے بالغ سمجھا جائے اور قتل کر دیا جائے اور جس کے بال نہ نکلے ہوں اُسے قتل نہ کیا جائے۔ حضرت عطیہ قرظی نے بتایا کہ میرے بال اُگنے کی جگہ پر نظر ڈالی گئی تو دیکھا کہ میرے بال نہیں نکلے ہیں لہٰذا مجھے چھوڑ دیا گیا اور قیدیوں میں شامل کر دیا گیا یہ بات انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بتائی تھی۔

بنی قریظہ کے کتنے افراد قتل کئے گئے؟ اس میں تین قول ہیں (۱) چھ سو (۲) سات سو (۳) آٹھ اور نو سو کے درمیان۔

یہود میں سے چند ایسے لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا جو نہ بنی قریظہ میں سے تھے اور نہ بنی نضیر میں سے تھے، جس رات بنی قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر راضی ہونے کا اعلان کیا اُسی وقت یہ لوگ مسلمان ہوئے ان کے نام یہ ہیں: ثعلبہ بن سعید اسد بن سعید اسد بن عبید یہ لوگ بنی عدل میں سے تھے۔

بنی قریظہ کے مردوں کو رسول اللہ ﷺ نے قتل فرما دیا اور ان کے مال اور ان کی عورتوں اور بچوں کو مال غنیمت بنا کر مجاہدین میں تقسیم فرما دیا اور ان کے اموال سے خمس یعنی ۱/۵ نکال دیا جیسا کہ مال غنیمت تقسیم کرنے کا طریقہ ہے۔ بنی قریظہ میں سے جن بچوں اور عورتوں کو قیدی بنایا تھا اُن میں سے بعض کو نجد کی طرف بھیج دیا، حضرت سعد بن زید انصاریؓ آپ ﷺ کے حکم سے انہیں لے گئے اور انہیں بیچ کر گھوڑے اور ہتھیار خرید لئے تا کہ جہاد میں مسلمانوں کے کام آئیں۔

جب بنی قریظہ کا معاملہ ختم ہوا یعنی انہیں قتل کر دیا گیا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زخم جاری ہو گیا اور خون بہتا رہا جو ان کی موت کا ظاہری سبب بن گیا، چونکہ یہ زخم انہیں جہاد کے موقع پر تیر لگنے کی وجہ سے آ گیا تھا اس لئے اُن کی یہ موت شہادت کی موت ہوئی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا بدن بھاری تھا جب اُن کا جنازہ اُٹھا کر لے جانے لگے تو ہلکا محسوس ہوا، بعض لوگوں نے کہا کہ اس شخص کا بدن تو بھاری تھا جنازہ اتنا ہلکا کیوں ہے؟ یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا جنازہ کو اٹھانے والی تمہارے علاوہ دوسری مخلوق بھی تھی، قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے فرشتوں کو سعدؓ کی روح پہنچنے پر خوشی ہوئی اور ان کے لئے عرش بھی متحرک ہو گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ہم سعد بن معاذؓ کی وفات کے موقع رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی پھر جب انہیں دفن کر دیا گیا تو آپ ﷺ نے دیر تک تسبیح پڑھی پھر تکبیر پڑھی، اس پر ہم نے بھی تکبیر پڑھی اور عرض کیا کہ آپ نے پہلے تسبیح پڑھی پھر تکبیر پڑھی اس کی کیا وجہ تھی؟ آپ نے فرمایا اس نیک بندہ پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی (میں برابر تسبیح پڑھتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مشکل دور فرما دی) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے لئے عرش متحرک ہوا اور آسمان کے دروازے کھولے گئے اور ستر ہزار فرشتے حاضر ہوئے، قبر میں اس کو کچھ دبایا گیا پھر تکلیف دور کر دی گئی۔ (جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو زمین نے دبایا جو شہید ہو گئے تھے تو دوسرے لوگ اپنے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں جو نماز نہیں پڑھتے اور گناہوں میں لت پت ہیں)

غزوۂ بنی قریظہ کا مفصل قصہ بیان کر دیا گیا ہے جو سیرت ابن ہشام سے ماخوذ ہے، ان میں سے بعض چیزیں کتب حدیث میں بھی ملتی ہیں۔ تفصیل کے ساتھ پورا واقعہ پڑھنے کے بعد آیت بالا کے ترجمہ پر دوبارہ نظر ڈال لیں۔

ممکن ہے بعض قارئین کو یہ اشکال ہو کہ بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو معاہدہ کر رکھا تھا اسے انہوں نے توڑ دیا تھا جس کی سزا پائی لیکن ابوسفیان نے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے یہ کیوں کہا کہ قریش وغیرہ کے ساتھ جو عہد کیا تھا بنو قریظہ اس عہد کو توڑ چکے ہیں حالانکہ مِنْ فَوْقِكُمْ کی تفسیر میں یہ بتایا گیا ہے کہ اوپر کی جانب سے بنی قریظہ آ گئے تھے اور ان لوگوں کو حُیَی بِنِ اخطب نے اپنے ساتھ ملانے اور مسلمانوں سے جنگ کرنے پر آمادہ کر لیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو

قریظہ قریش کے ساتھ تھے‘ اس کا جواب یہ ہے کہ بنی قریظہ نے قریش مکہ کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے کا وعدہ تو کرلیا تھا لیکن نعیم بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک تدبیر سے بنو قریظہ مشرکین مکہ اور ان کے ساتھیوں کی امداد سے بھی پھر گئے تھے‘ ہوا یہ کہ نعیم بن مسعودؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے لیکن میری قوم کو اس کا پتہ نہیں ہے آپ مجھے جو کچھ حکم فرمائیں میں حاضر ہوں‘ آپ ﷺ نے فرمایا کوئی ایسی صورت نکالو جس سے یہ جماعتیں ایک دوسرے کی مدد سے منحرف ہو جائیں۔ حضرت نعیم بن مسعودؓ بنی قریظہ کے پاس گئے جاہلیت میں تو ان کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا تھا ان سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے میری تمہاری کیسی دوستی ہے اور کیسے خصوصی تعلقات ہیں؟ بنو قریظہ نے جواب میں کہا کہ واقعی تم ہمارے دوست ہو ہم اس بات کو مانتے ہیں اس پر ان سے فرمایا کہ دیکھو قریش اور بنی غطفان تمہاری طرح سے نہیں ہیں تم شہر مدینہ میں رہتے ہو اس میں تمہارے اموال ہیں‘ بچے ہیں‘ عورتیں ہیں‘ اس شہر کو چھوڑ کر تم کہیں نہیں جا سکتے‘ رہے قریش اور بنی غطفان سو وہ محمد رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے آئے ہیں اور تم ان کی مدد کر رہے ہو اب دیکھو بات یہ ہے کہ انہیں اگر موقع مل گیا تو غلبہ پالیں گے اور اگر شکست ہوگئی تو اپنے شہروں کو چلے جائیں گے‘ اس کے بعد تم بے یار و مددگار رہ جاؤ گے‘ اور محمد رسول اللہ ﷺ سے مقابلہ کرنے کی تم میں طاقت نہیں ہے‘ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ تم قریش مکہ سے یوں کہو کہ تم لوگ اپنے سرداروں کو بطور رہن ہمارے پاس چھوڑ دو‘ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ وہ لوگ تمہیں چھوڑ کر بھاگ نہ سکیں گے انہیں اپنے آدمیوں کی فکر لاحق ہوگی‘ یہ بات سنکر بنو قریظہ نے کہا واقعی تمہاری رائے تو ٹھیک ہے۔

اس کے بعد نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ قریش کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ کیا تمہیں پتہ ہے کہ یہودی اس بات پر پچھتا رہے ہیں کہ انہوں نے تمہارا ساتھ دینے کا وعدہ کیوں کرلیا اور محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو معاہدہ تھا وہ توڑ دیا‘ اب انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس خبر بھیجی ہے کہ آپ ہم سے اس بات پر راضی ہو جائیں کہ ہم قریش اور بنی غطفان کے سرداروں پر قبضہ کر کے آپ کے پاس بھیج دیں اور آپ ان کی گردنیں ماردیں اس کے بعد ہم آپ کے ساتھ مل کر ان لوگوں کو بالکل ہی ختم کر دیں گے‘ اور ساتھ ہی قریش اور بنی غطفان سے یہ بھی کہا کہ دیکھو اگر یہودی تم سے یہ مطالبہ کریں کہ بطور رہن ہمیں اپنے آدمی دے دو تو تم بات مت ماننا اور انہیں اپنا ایک آدمی بھی نہ دینا پھر حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ بنی غطفان کے پاس آئے اور ان سے بھی یہی کہا کہ دیکھو تمہارے سرداروں میں سے یہودی بطور رہن کچھ افراد طلب کریں گے تم اپنا ایک شخص بھی ان کے حوالے نہ کرنا۔

اس کے بعد ابو سفیان نے اور بنی غطفان کے چودھریوں نے بنی قریظہ کے پاس عکرمہ بن ابی جہل کو قریش وغطفان کے چند افراد کے ساتھ پیغام دے کر بھیجا انہوں نے یہود سے کہا کہ دیکھو ہمارے ٹھہرنے کا موقع نہیں رہا‘ ہمارے پاس جو اونٹ اور گھوڑے تھے وہ ہلاک ہو چکے ہیں‘ آؤ صبح صبح سب مل کر یکبارگی محمد ﷺ پر حملہ کردیں اور معاملہ کو نمٹا دیں‘ یہودیوں نے جواب میں کہا کہ ہم اس وقت تک تمہارا ساتھ نہیں دیں گے جب تک تم اپنے چند آدمی بطور رہن ہمیں نہ دے دو جب تمہارے آدمی ہمارے ساتھ ہوں گے تو ہمیں بھروسہ رہے گا ہمیں ڈر ہے کہ تم لوگ لڑائی میں شکست کھا گئے تو ہمیں چھوڑ کر اپنے شہروں کو بھاگ جاؤ گے‘ جب یہ لوگ بنی قریظہ کا جواب لے کر قریش اور بنی غطفان کے پاس واپس پہنچے تو کہنے لگے کہ واقعی نعیم بن مسعودؓ نے سچ کہا تھا کہ بنو قریظہ تم سے بطور رہن آدمی طلب کریں گے‘ اس پر قریش اور بنی غطفان نے بنی قریظہ کو ٹکا سا جواب بھجوا دیا کہ ہم اپنا ایک شخص بھی تمہیں نہیں دیں گے‘ لہٰذا بنو قریظہ نے جواب دے دیا کہ ہم اس کے بغیر محمد (ﷺ) سے

جنگ نہیں کر سکتے لہٰذا اب صورتحال یہ پیدا ہوگئی کہ بنو قریظہ نے وہ معاہدہ بھی توڑ دیا جو رسول اللہ ﷺ سے کر رکھا تھا اور قریش و بنی غطفان کی مدد سے بھی دستبردار ہوگئے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی تلوار کی زد سے بھی نہ بچ سکے۔ نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ تدبیر ابن ہشامؒ نے لکھی ہے اور حافظ ابن کثیرؒ نے بھی ''البدایہ والنہایہ'' میں سے اس کو ذکر کیا ہے۔ **قولہ تعالیٰ:** (مِنْ صَيَاصِيهِمْ) ای من حصونهم جمع صيصية وهي كل ما يمتنع به ويقال لقرن الثور والظباء ولشوكة الديك التي في رجله كالقرن الصغير، وتطلق الصياصي على الشوك الذي للنساجين ويتخذ من حديد. (روح المعانی) (اللہ تعالیٰ کا قول (مِنْ صَيَاصِيهِمْ) یعنی ان کے قلعوں سے یہ صیصیۃ کی جمع ہے اور یہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو رکاوٹ بنے اور بیل کے سینگ، مرغ کے ناخن کو بھی کہا جاتا ہے گویا کہ وہ چھوٹا سینگ ہے اور صیاصی کا لفظ لوہے کے اس کانٹے پر بھی بولا جاتا ہے جو کپڑا بننے والوں کے پاس ہوتا ہے)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ

اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیا والی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں فائدہ پہنچا دوں

وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٢٨﴾ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ

اور تمہیں خوبی کے ساتھ چھوڑ دوں۔ اور اگر تم اللہ کو اور اس کے رسول کو چاہتی ہو اور دارِ آخرت کو تو بلاشبہ اللہ نے

لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٢٩﴾ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ

ان عورتوں کے لئے جو تم میں اچھے کام کرنے والی ہوں بڑا اجر تیار فرمایا ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو بیوی بے ہودگی کرے گی

يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾ وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُنَّ

اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ اور تم میں سے جو عورت

لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ﴿٣١﴾ يَا نِسَاءَ

اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرے گی اور نیک عمل کرے گی ہم اس کا ثواب دوہرا دیں گے اور ہم نے اس کے لئے رزق کریم تیار کیا ہے۔ اے

النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ ۚ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ

نبی کی بیویو! تم دوسری عورتوں میں سے کسی عورت کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو ایسا شخص لالچ نہ کرنے لگے جس کے دل میں

مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا ﴿٣٢﴾ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ

مرض ہو اور مناسب طریقہ پر بات کرو۔ اور تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور قدیم جہالت کے

الْأُولَىٰ ۖ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ

دستور کے موافق نہ پھرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، اللہ یہی چاہتا ہے

لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ

کہ اپنے نبی کے گھر والو تم سے گندگی کو دور فرما دے اور تم کو اچھی طرح پاک کر دے۔ اور گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں

فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿۳۴﴾

ان آیات کو اور حکمت کو یاد کرو، بلاشبہ اللہ مہربان ہے باخبر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو نصائح ضروریہ

تفسیر: آیت کریمہ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ سے أَجْرًا عَظِيمًا تک کا سبب نزول حضرات مفسرین کرام نے یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ زیادہ خرچہ ملنے کی درخواست کی، اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں۔ (۱) عائشہ بنت ابو بکر صدیق (۲) حفصہ بنت عمر (۳) اُم حبیبہ بنت ابی سفیان (۴) اِم سلمہ بنت ابی اُمیہ (۵) سودہ بنت زمعہ (۶) زینب بنت جحش (۷) میمونہ بنت حارث (۸) صفیہ بنت حیّ بن ابی اخطب (۹) جویریہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا یہ مطالبہ اچھا نہ لگا (بڑوں کی بڑی باتیں ہیں) وہ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تھیں اُنہیں آپ کے ساتھ صبر و شکر کے ساتھ رہنا چاہئے تھا اور بعض مرتبہ جو فاقہ کی نوبت آجاتی تھی اس کو درجات کی بلندی کے لئے برداشت کرنا چاہئے تھا اور خرچہ کا سوال زبان پر نہیں لانا چاہئے تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے خرچہ کا سوال کیا تو آپ نے قسم کھالی کہ ایک مہینہ تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا، حضرات صحابہ میں یہ مشہور ہو گیا کہ آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے، اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں اس کی خبر لاتا ہوں، انہوں نے خدمت عالی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں مسجد میں گیا تو دیکھا کہ وہاں مسلمان موجود ہیں اور یوں کہہ رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے آپ نے فرمایا میں نے طلاق نہیں دی، عرض کیا تو کیا میں مسلمانوں کو یہ بات بتا دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاہو تو بتا دو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر پکار کر اعلان کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو طلاق نہیں دی۔

جب اُنتیس دن گذر گئے تو آیت تخییر یعنی يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ (آخر تک) نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں دنیا کا سامان دے دیتا ہوں اور ساتھ ہی تمہیں خوبصورتی کے ساتھ چھوڑ دوں گا یعنی اپنے نکاح میں نہیں رکھوں گا اور اگر تم اللہ کو اور اس کے رسول کو چاہتی ہو اور آخرت کی طلبگار ہو تو تم سمجھ لو کہ اللہ نے نیک کام کرنے والی عورتوں کے لئے اجرِ عظیم تیار فرمایا ہے، یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زندگی گذارتی رہو، اچھے اعمال کرتی رہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ اجرِ عظیم عطا فرمائے گا (اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا کوئی مسئلہ نہیں) جب آیت تخییر نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت شریفہ کے مضمون کے مطابق اپنی بیویوں کو اختیار دے دیا کہ اگر چاہو تو دُنیا کا سامان لے لو اور ساتھ ہی یہ سمجھ لو میں تمہیں طلاق دے دوں گا اور

اگر چاہو تو میرے ہی پاس رہو لیکن اس صورت میں مطلوبہ اخراجات کا کوئی وعدہ نہیں، ہاں یہ وعدہ ہے کہ نیک کام کرتی رہو گی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجرِ عظیم دیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرتا ہوں جب تک اپنے ماں باپ سے مشورہ نہ کر لو جواب دینے میں جلدی نہ کرنا (آپ کو معلوم تھا کہ ان کے والدین انہیں رسول اللہ ﷺ سے جدا ہونے کا مشورہ نہیں دے سکتے تھے) یہ فرما کر آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو دونوں آیتیں سنا دیں جن میں اختیار دینے کا مضمون ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت سمجھدار اور مزاج شناسِ نبوت تھیں فوراً عرض کیا کیا میں آپ ﷺ کے بارے میں اپنے ماں باپ سے مشورہ لوں گی؟ میں اللہ اور اس کے رسول کو اور دارِ آخرت کو اختیار کرتی ہوں اور ساتھ ہی یوں بھی عرض کیا کہ آپ ﷺ دوسری بیویوں میں کسی کو میرے جواب سے مطلع نہ فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ اللہ نے مجھے تکلیف میں ڈالنے والا اور تکلیف میں پڑنے والا بنا کر نہیں بھیجا مجھے تو سکھانے والا اور سہولت کا طریقہ بتانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اس کے بعد آپ نے باقی آٹھ ازواجِ مطہرات کے سامنے بھی آیت بالا کا مضمون پیش فرمایا ان سب نے بھی یہی جواب دیا کہ ہم اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دارِ آخرت کو اختیار کرتی ہیں۔ جب اُنتیس دن گذر گئے تو آپ عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے اُنہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے تو یہ قسم کھائی تھی کہ پورے ایک ماہ ہمارے ہاں تشریف نہیں لائیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ مہینہ اُنتیس دن کا تھا، اُنتیس دن گذر گئے نیا مہینہ شروع ہو گیا۔ جب آپ کی تمام بیویوں نے اللہ اور اس کے رسول کو اور دارِ آخرت کو اختیار کر لیا تو آپ کے چہرۂ انور پر خوشی کے انوار ظاہر ہو گئے اور آپ ﷺ نے ان کی قدردانی فرمائی۔ (معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۲۶،۵۲۵ ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۵ ، صحیح مسلم ص ۴۸۰ تا ۴۸۲)

فائدہ: بیوی کو اگر طلاق کا اختیار دیا جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ طلاق کا اختیار عورت کے سپرد کر دیا جائے، اگر وہ چاہے تو اپنے اوپر طلاق واقع کر کے آزاد ہو جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ مرد طلاق کو اپنے ہی ہاتھ میں رکھے اور عورت سے یوں کہے کہ اگر تو چاہے تو میں تجھے طلاق دیدوں۔

رسول اللہ ﷺ نے جو اپنی بیویوں کو اختیار دیا تھا وہ یہی دوسری صورت تھی یعنی بطور مشورہ ایک بات پیش فرمائی تھی، اگرچہ بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ آیت کے سیاق میں دونوں باتوں کا احتمال ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اختیار دیا تھا ہم نے آپ ﷺ کے ساتھ رہنا منظور کر لیا اور آپ کی زوجیت اختیار کر لی، اور آپ ﷺ کا اختیار دے دینا کسی بھی طلاق میں شمار نہیں کیا گیا۔ ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے کہ محض اختیار دیدینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ صحیح مسلم میں تخییر کو طلاق میں شمار نہیں کیا گیا، اس کے ذیل میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فی ھٰذہ الاحادیث دلالۃ لمذھب مالک والشافعی وابی حنیفۃ واحمد وجماھیر العلماء زوجتہ فاختارتہ لم یکن ذٰلک طلاقًا ولا یقع بہ فرقۃ وروی عن علی وزید بن ثابت والحسن واللیث بن سعد ان نفس التخییر یقع بِہ طلقۃ بائنۃ سواء اختارت زوجھا ام لا وحکاہ الخطابی والنقاش عن مالک قال القاضی لا یصح ھٰذا عن مالک ثم ھو مذھب ضعیف مَرْدُوْد بِھٰذ والاحادیث الصّریحۃ وبعل القائلین بہ لم تبلغھم ھٰذہ الاحادیث. واللہ اعلم

(ان احادیث میں حضرت امام مالک' امام شافعی' امام ابوحنیفہ' امام احمد اور جمہور علماء رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب کی دلیل ہے اگر کسی نے اپنی بیوی کو اختیار دیا تو محض یہ اختیار دینا طلاق نہیں ہوگا اور نہ اس سے فرقت ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ حضرت زیدؓ حضرت حسن اور حضرت لیث بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ نفس تخییر سے طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے خواہ عورت نے اپنے آپ کو اختیار کیا ہو یا نہ کیا ہو اور اس بات کو خطابی اور نقاش نے امام مالک سے نقل کیا ہے۔ قاضی فرماتے ہیں حضرت امام مالک سے یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ پھر یہ کہ یہ مذہب ضعیف ہے اور ان مذکورہ صریح احادیث کی وجہ سے مردود ہے۔ شاید اس مذہب کے قائلین کو یہ احادیث نہیں پہنچیں)

حنفیہ میں سے صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ کوئی شخص طلاق کی نیت سے اپنی بیوی سے اِخْتَارِیْ (تو اختیار کر لے) کہہ دے یا یوں کہہ دے کہ تو اپنے نفس کو طلاق دے دے تو جب تک وہ اپنی مجلس میں رہے گی اُسے طلاق دینے کا اختیار رہے گا' اگر مجلس سے اٹھ گئی یا وہیں بیٹھے بیٹھے کسی کام میں لگ گئی (جس سے اعراض سمجھا جاتا ہو) تو اس کے ہاتھ سے اختیار جاتا رہا' اگر اِخْتَارِیْ کے جواب میں (جبکہ شوہر نے طلاق کی نیت سے کہا ہو) عورت نے یوں کہہ دیا کہ اخترت نفسی (میں اپنی جان کو اختیار کرتی ہوں) تو ایک بائن طلاق واقع ہو جائے گی۔ (باب تفویض الطلاق)

دوہرے عذاب وثواب کا استحقاق: تخییر کا مضمون بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ (الآیۃ) اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو عورت واضح طور پر کسی معصیت کا ارتکاب کرے گی تو اُسے دوہرا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے) ''واضح طور پر معصیت'' یہ لفظ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ کا ترجمہ ہے۔ صاحب بیان القرآن نے اس کا ترجمہ کھلی ہوئی بیہودگی کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس سے وہ معاملہ مراد ہے جس سے رسول اللہ ﷺ تنگ اور پریشان ہوں۔ صاحب معالم التنزیل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کا یہی مطلب نقل کیا ہے' فقال المراد بالفاحشة النشور وسوء الخلق۔ صاحب روح المعانی نے بھی بعض حضرات سے یہی تفسیر نقل کی ہے' فقال وقیل: ذٰلِکَ طلبھنّ ما یشق علیه علیه الصلوٰة والسلام او مایضیق به ذرعه ویغتم صلّی الله علیه وسلم لا جله۔ یعنی فاحشة سے یہ مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسی چیزیں طلب کی جائیں جس سے آپ تنگ دل ہوں اور آپ کو گھٹن محسوس ہو۔ اور بعض حضرات نے بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ کا ترجمہ مَعْصِیَةٍ ظَاهِرَةٍ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ علی السبیل الفرض ہے کما فی قوله تعالیٰ: لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ.

یہ دُہرا عذاب دیئے جانے کی وعید اس لئے ہے کہ جن کے مرتبہ بلند ہوتے ہیں ان کا مواخذہ زیادہ ہوتا ہے اسی طرح حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بعض ان چیزوں پر عتاب ہوا جن پر دوسرے مؤمنین پر عتاب نہیں ہوتا۔ ایک جاہل شخص ایک عمل کرے اور کوئی عالم شخص اس عمل کو کرلے تو اُس عالم کا مواخذہ جاہل کے مواخذہ سے زیادہ ہوتا ہے۔

صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے کہہ دیا کہ آپ تو اہل بیت کے فرد ہیں جو بخشے بخشائے ہیں' اُس پر وہ غصہ ہونے لگے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی ازواج کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے ہم اپنے کو اُسی کا مستحق سمجھتے ہیں ہم میں سے جو محسن ہیں اُن کے لئے دوہرے اجر کی اُمید رکھتے ہیں اور ہم میں سے جو شخص کوئی گناہ کرے اس کے لئے دوہرے عذاب کا اندیشہ رکھتے ہیں' اس کے بعد انہوں نے آیت کریمہ

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ اور اس کے بعد والی آیت وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْکُنَّ تلاوت فرمائی۔ (روح المعانی جلد ۲۱ ص ۱۸۴)

اس کے بعد فرمایا: وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْکُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَیْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا کَرِیْمًا (اور تم میں سے جو عورت اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گی اور نیک عمل کرے گی ہم اسے اس کا دوہرا ثواب دیں گے اور ہم نے اس کے لئے رزق کریم تیار کیا ہے)

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں علت اس تضعیفِ اجر اور اسی طرح تضعیف وزر کی جو اسکے قبل ارشاد ہے شرف زوجیت نبی ہے جس پر یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ دال ہے کیونکہ اہل خصوصیت کا عصیان بھی اوروں کے عصیان سے اشد ہوتا ہے اسی طرح ان کی اطاعت بھی اوروں کی طاعت سے زیادہ مقبول ہوتی ہے پس وعدہ و وعید دونوں میں وہ دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں اور خصوصاً مقامِ کلام میں یہ کہنا ممکن ہے کہ حضرات اُمّ المؤمنینؓ سے خدمت و اطاعت کا صدور حضور ﷺ کے قلب کو راحت افزا زیادہ ہوگا پس آپ کی راحت رسانی موجب اجر تھی زیادہ راحت رسانی موجبِ زیادتی اجر ہوگئی علیٰ ھٰذا اس کی ضد میں سمجھنا چاہئے۔

ایک ہی مرتبہ حضرات ازواج مطہراتؓ کی طرف سے خرچہ میں اضافہ اور خوشحالی کی بات اٹھائی گئی اس پر آیات بالا نازل ہوگئیں، اس کے بعد کوئی واقعہ اس قسم کا پیش نہیں آیا جس میں خرچہ کی تنگی کا سوال اٹھایا گیا ہو، ازواجِ مطہرات برابر زندگی بھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری میں اور عبادتِ الٰہی میں لگی رہیں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی احادیث کو اور آپ کی تعلیمات کو آگے بڑھاتی رہیں۔ رضی اللہ عنھنّ و ارضاھنّ۔

ازواج مطہراتؓ کی فضیلت: اس کے بعد فرمایا یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (اے نبی کی بیویو! تم دوسری عورتوں کی طرح سے نہیں ہو) اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں فضیلت دی ہے وہ بہت بڑی ہے جو اور کسی بھی عورت کو حاصل نہیں ہے، اپنے شرف اور بلند مقام کو سمجھو اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کی خوشنودی کے اعمال میں لگی رہو۔ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ (اگر تم تقویٰ اختیار کرتی ہو) یعنی تقویٰ ہی پر آئندہ زندگی گذارنی ہے تو اس بات کا بھی دھیان رکھو کہ جب کسی نامحرم مرد سے کسی ضرورت سے بات کرنی پڑ جائے تو لب و لہجہ میں نزاکت کا انداز مت اختیار کرو اگر ایسا انداز ہوگا تو بعض ایسے لوگ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے لالچ کر لیں گے یعنی تم سے بار بار اور بلا ضرورت بات کریں گے اور تمہارے لب و لہجہ سے اپنے کانوں کو لذت پہنچائیں گے۔ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (اور مناسب طریقہ پر بات کرو) نامحرموں سے بات کرنے کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ درشتی کے طور پر روکھا پن اختیار کر کے جواب دیا جائے، جب یہ صورت اختیار کی جائے گی تو جن کے دلوں میں مرض یعنی نفاق ہے وہ خود بات کرنے سے بچیں گے اور بلا ضرورت تو بالکل ہی پرہیز کریں گے۔ اور بعض حضرات نے قَوْلًا مَّعْرُوْفًا کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اللہ کے ذکر میں لگی رہو اور جو کوئی بات کرنی ہو تو بوقت ضرورت بات کر لو۔

نامحرموں سے بات کرنے کا طریقہ: معلوم ہوا عند الضرورت نامحرم سے بات کرنے کی اجازت تو ہے کیونکہ کبھی اس کی ضرورت پیش آ ہی جاتی ہے لیکن ایسے موقع پر زیادہ آواز بلند نہ کرے نہ آواز کو دراز کرے نہ نرم کرے نہ آواز کے اُتار چڑھاؤ کی صورت اختیار کرے کیونکہ اس سے نامحرموں کے دل مائل ہوں گے اور نفسانی خواہشوں کو تحریک ہوگی، اسی لئے عورت کو اذان دینا اور حج کے موقع پر زور سے تلبیہ پڑھنا ممنوع ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابو

العباس قرطبیؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فانا نجیز الکلام مع النساء للاجانب و محاورتھن عند الحاجة الیٰ ذٰلک ولا نجیز لھن رفع اصواتھن ولا تمطیطھا ولا تلیینھا ولا تقطیعھا لما فی ذٰلک من استمالة الرجال الیھن وتحریک الشھوات منھم ومن ھٰذا الم یجزان تؤذن المرء ة. اھ (شامی جلد ا صـ۲۷۲)

(لہٰذا ہم غیر محرم سے عورتوں کے بات کرنے اور جواب دینے کو جائز سمجھتے ہیں جبکہ اس کی ضرورت ہو البتہ آواز کو بلند کرنا، لمبا کرنا اور نرم کرنا اور بات میں اتار چڑھاؤ کرنا جائز نہیں سمجھتے کیونکہ اس سے مردوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں گے اور ان کے جذبات کو تحریک ملے گی اسی لئے عورت کے لئے اذان دینا جائز نہیں ہے)

گھروں میں ٹھہرے رہنے کا حکم: اس کے بعد فرمایا: وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ (اور تم اپنے گھر میں ٹھہری رہو) وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّةِ الْاُوْلٰی (اور قدیم جہالت کے دستور کے موافق بن ٹھن کر نہ پھرو) اس میں اوّل تو یہ حکم فرمایا کہ گھروں میں قرار پکڑے رہو اور دوسرے یہ فرمایا کہ جاہلیت اُولیٰ کے طریقہ پر باہر نہ نکلو جس سے کہ سر، سینہ چہرہ، گردن، کان کانوں کی بالیاں وغیرہ ظاہر ہوں۔ جاہلیت اُولیٰ سے عرب کا اسلام سے پہلے والا زمانہ مراد ہے، اس زمانہ میں عورتیں بلا پردہ بے محابا باہر نکلتی تھیں، سر اور سینے کھلے ہوئے ہوتے تھے اور بلا کھٹک مردوں کے درمیان سے گذر جاتی تھیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جاھلیة اولیٰ جاھلیة اُخریٰ کے مقابلہ میں ہے، مطلب یہ ہے کہ اسلام سے پہلے لوگ جاہلیت میں مبتلا تھے، زمانہ اسلام میں فسوق اور فجور اختیار کریں گے تو یہ دوسری جاہلیت ہوگی جو جاہلیت اولیٰ کی نقل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کو حکم دیا کہ گھروں میں ٹھہری رہیں اور اگر کسی ضرورت سے باہر جانا ہی ہو تو پردہ کا خاص اہتمام کیا کریں، اپنے اعضاء کو اور زیور اور زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں۔

مذکورہ بالا خطاب گو ازواج مطہراتؓ کو ہے لیکن تمام مسلمان عورتوں کے لئے یہی حکم ہے کہ جہاں تک ہو سکے گھروں میں رہیں اور اگر باہر نکلنا ضروری ہو تو پردۂ شرعی کا خوب زیادہ اہتمام کریں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اَلْمَرْءَةُ عورةٌ فَاِذَا خَرَجَتِ استشرفھا الشَّیْطٰن (کہ عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے جب باہر نکلتی ہے تو اسے شیطان تکنے لگتا ہے) (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶۹)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد سے باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ عورت مرد راستہ میں اکٹھے چل رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اے عورتو! پیچھے ہٹو تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ راستوں کے درمیان میں چلو تم راستہ کے کناروں پر چلو، آپ ﷺ کے اس ارشاد کے بعد عورتوں کا یہ حال تھا کہ بالکل دیوار کے ساتھ مل کر چلتی تھیں یہاں تک کہ اُن کا کپڑا دیوار سے اٹک جاتا تھا۔ (رواہ ابوداؤد)

اگر کسی عورت کو کسی مجبوری سے باہر نکلنا ہو تو بن ٹھن کر خوشبو لگا کر نہ نکلے اور مردوں سے دور ہو کر گذر جائے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر آنکھ زنا کار ہے (یعنی بے جگہ نظر ڈالنا، مرد کی نظر ہو یا عورت کی، زنا میں شمار ہے) اور بلا شبہ جب کوئی عورت عطر لگائے اور مجلس پر گذرے تو ایسی ہے ویسی ہے یعنی زنا کار ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۹۶)

قولهٗ تعالیٰ: وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ' قال صاحب الروح من قريقر من باب علم اصله اقررن فحذفت الراء الاولیٰ والقيت فتحها علیٰ ما قبلها وحذفت الهمزة لاستغناء عنها بتحرک القاف' وذكر ابوالفتح الهمداني في كتاب التبيان وجها اخر قال: قاريقار اذا اجتمع ومنه القارة لا جتماعها' الا ترى الى قول عضل والديش اجتمعوا فكونوا قارة فالمعنى واجمعهن انفسكن في البيوت. وقرأ الاكثر (وقرن) بكسرا لقاف من وقريقر وقارًا اذا سكن وثبت واصله اوقرن ففعل به مافعل بعدن من وعدأ ومن قريقر المضاعف من باب ضرب واصله اقررن حذفت الزاء الاولیٰ والقيت كسرتها الى القاف وحذفت الهمزة للاستغناء عنها. اهـ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ تفسیر روح المعانی کے مصنفؒ فرماتے ہیں قَـرْنَ قَرَّ يَقَرُّ باب عَلِمَ سے بنا ہے یہ اصل میں اِقْرَرْنَ تھا۔ پہلی راء حذف کی گئی اور اس کا فتحہ ماقبل کو دیدیا اور قاف کے متحرک ہو جانے کی وجہ سے ہمزہ وصلی کی ضرورت نہیں رہی اس لئے ہمزہ کو حذف کر دیا۔ اور ابوالفتح الھمدانی نے کتاب النبیان میں ایک اور صورت ذکر کی ہے اس نے کہا ہے قَارَ يَقَارُ کا معنی ہے جمع ہونا' مجتمع ہونا اکقارَة اسی سے ہے کیونکہ وہ بھی مجتمع ہوتا ہے' کیا آپ نہیں دیکھتے پس وہ ہو گئے۔ پس اس طرح قَرْنَ کا معنی ہوا کہ تم اپنے آپ کو گھروں میں ہی مجتمع رکھو۔ اور اکثر نے وَقِرْنَ پڑھا ہے قاف کے کسرہ کے ساتھ وَقَـرَ يَقِرُ وَقَارًا سے جس کا معنی ہے ساکن ہونا' قائم ہونا اور یہ اصل میں اوْقِرْنَ تھا پھر اس میں وَعدوالے باب کے صیغہ عِدْنَ والی تعلیل ہوئی یا یہ قَـرَّ يَقِرُّ سے ہے جو کہ مضاعف ہے اور باب ضَـرَبَ ہے اور اصل میں تھا اقْـرِرْنَ پہلی ط حذف کر دی گئی اور اس کا کسرہ قاف کو دیدیا گیا اور ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے ہمزہ بھی حذف کر دیا گیا)

پھر فرمایا: وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (اور نمازیں قائم کرتی رہو اور زکوتیں ادا کرتی رہو اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی) نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی اور اللہ اور اس کے رسول علیہ کی فرمانبرداری کا حکم تو ہر مسلمان مرد و عورت کو ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خطاب فرمانے میں یہ حکمت ہے کہ کہیں وہ اپنے رشتہ زوجیت پر فخر کر کے نہ بیٹھ جائیں اور اعمال دینیہ میں کوتاہی نہ کرنے لگیں۔

پھر فرمایا اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (اللہ کو یہی منظور ہے کہ اے اہل بیت تم سے گندگی کو دور رکھے اور تم کو اچھی طرح پاک کر دے)

آیت تطہیر یعنی اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ (الآیۃ) میں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے خطاب کر کے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے گندگی کو دور کرنے کا اور پاک کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ گندگی سے فسق اور گناہ کے کام مراد ہیں' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اخلاق رذیلہ' بخل' طمع' حسد وغیرہ مراد ہیں اور درحقیقت قولِ اول ہی میں یہ سب چیزیں داخل ہو جاتی ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ سے تخلیہ عن الرذائل اور وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا سے تحلیہ بالفضائل والفواضل مراد ہے' جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کو اَهْلَ الْبَيْتِ یعنی اہل بیت النبی (علیہ) کا لقب دے دیا اور انہیں معصیتوں سے اور گندگیوں سے پاک کرنے کا ارادہ فرما لیا تو اس کے بعد کوئی گمراہ اور منکر قرآن ہی ازواج مطہراتؓ کے خلاف کوئی بات لکھ سکتا ہے اور جہالت کی زبان سے کوئی نازیبا کلمہ نکال سکتا ہے۔

روافض جن کو (اپنے ایمان کی فکر نہیں اور) حضرات صحابہؓ سے اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اجمعین سے دشمنی ہے انہیں ان حضرات کی دشمنی میں قرآن کو جھٹلانے اور قرآنی تصریحات کو رد کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی' یہ لوگ کہتے ہیں کہ تین چار کے علاوہ سب صحابہ کافر تھے اور (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ) رسول اللہ ﷺ کی سب بیویاں کافرہ تھیں (العیاذ باللہ' نقل کفر کفر نہ باشد) یہ قرآنی آیات کے منکر ہیں' پھر بھی ان لوگوں سے ناراض ہوئے جو انہیں خارج عن الاسلام سمجھتے اور جانتے ہیں اور امت مسلمہ کو ان کے عقائد کفریہ سے باخبر کرتے ہیں۔

روافض کہتے ہیں کہ اَهْلَ الْبَيْتِ سے رسول اللہ ﷺ کے اہل قرابت یعنی حضرت علی' حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ ہمیں تو ان حضرات سے بھی محبت ہے اور ہمارے نزدیک یہ حضرات بھی رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت ہیں' البتہ قرآن مجید کے سیاق اور سباق سے یہ بالکل واضح ہے کہ یہاں اہل بیت سے حضرات ازواجِ مطہرات ہی مراد ہیں اور اس کا انکار کرنا زبردستی آنکھیں بند کرنے اور اندھا بننے کے مترادف ہے۔

روافض کو اپنی بات آگے بڑھانے کے لئے کچھ نہ ملا تو جاہلوں کو سمجھانے کے لئے یہ نکتہ نکالا کہ آیت شریفہ میں ضمیر جمع مذکر عَنْكُمُ اور وَيُطَهِّرَكُمْ لائی گئی ہے اگر ازوجِ مطہراتؓ مراد ہوتیں تو عَنْكُنَّ اور وَيُطَهِّرَكُنَّ ہوتا۔ ڈوبنے والے کو جب کچھ نہیں ملتا تو تنکے ہی کا سہارا لے لیتا ہے' ان لوگوں کو چونکہ ازواجِ مطہراتؓ سے بُغض ہے اور قرآن کے خلاف سوچنے ہی کو ہنر سمجھتے ہیں اس لئے انہوں نے قرآن مجید کی دوسری آیات کی طرف ذہن لے جانا مناسب نہ جانا' حالانکہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین سے واپس ہونے کا قصہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا' اس میں اُمْكُثُوا صیغہ میں جمع مذکر حاضر ہے اور خطاب بیوی کو ہے۔ اور سورۂ ہود میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سے خطاب کرتے ہوئے کہا: اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اس میں صرف ایک عورت کو لفظ عَلَيْكُمْ کے ساتھ خطاب فرمایا ہے جو جمع مذکر کی ضمیر ہے اور اسی عورت کو اھل البیت کے معزز لقب سے بھی نوازا ہے۔ معلوم ہوا کہ عورت کو کبھی کبھی مذکر کے صیغہ سے بھی خطاب کیا جاتا ہے اور یہ بھی بالتصریح معلوم ہوا کہ بیوی اہل بیت میں بھی شامل ہے' پھر ازواجِ مطہراتؓ کے پاکیزہ ہونے کا ذکر سورۂ نور میں بھی ہے' وہاں ارشاد فرمایا ہے: وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ' حسب تصریح سورۂ نور رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ طیبات تھیں اور آپ ﷺ خود طیب تھے' آپ ﷺ کی ازوج بھی طیبات تھیں۔ روافض نے صرف عَنْكُمُ اور وَيُطَهِّرَكُمْ کی ضمیر جمع مذکر دیکھا اور انہیں یہ نظر نہ آیا کہ اس کے بعد پھر جمع مؤنث کا صیغہ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى آرہا ہے اور یہ جملہ ماقبل پر معطوف ہے اور جو حضرات اس کے مخاطب ہیں وہی اس سے پہلے آیت میں بھی مخاطب ہیں۔ قال الحافظ ابن کثیر ج ۳ ص ۴۸۶ ثم الذی لا شک فیه من تدبّر القران أن نساء النبی صلّی الله علیه وسلّم داخلات فی قوله: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا. فان سیاق الکلام معهنّ ولهٰذا قال تعالیٰ بعد هٰذا کله وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ۔ (حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں قرآن میں غور و فکر رکھنے والے کو اس بات سے کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ میں داخل ہیں۔ چنانچہ سیاق کلام کا تعلق ازواج مطہرات کے متعلق ہے اسی وجہ سے اس سب کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا

کہ تمہارے گھروں اللہ تعالیٰ کی آیات اور حکمت کی جو تلاوت ہوتی ہے اسے تم یاد رکھو)

سورۂ احزاب والی آیتِ تطہیر کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے نزلت فی نساء النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم خاصۃ۔ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا من شاء باھلتہ انھا نزلت فی ازواج النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم کہ جو شخص چاہے میں اس سے مباہلہ کر سکتا ہوں کہ یہ آیت نبی کریم ﷺ کی ازواج کے بارے میں نازل ہوئی، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بازار میں پکار پکار کر یہ فرماتے تھے آیت کریمہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے تھے کہ آیت شریفہ میں ازواجِ مطہرات ؓ ہی مراد ہے۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۴۰)

البتہ یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ سنن ترمذی میں حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل ہے کہ جب آیت کریمہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا نازل ہوئی اس وقت آپ اُمّ المؤمنین حضرت ام سلمہ ؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے آپ نے فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کو بلایا اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے آپ ﷺ نے ان سب کو اپنی چادر اوڑھا دی اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا اَللّٰهُمَّ هٰٓؤُلَآءِ اَهْلِ بَیْتِیْ فَاَذْهِبِ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِیْرًا۔ (اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے رجس کو یعنی گندگی کو دور فرما دے) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا نبی اللہ میں بھی ان میں سے ہوں، آپ نے فرمایا انت علیٰ مکانک وانت علیٰ خیر کہ تم اپنی جگہ پر ہو اور خیر پر ہو۔

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو (جو ازواجِ مطہرات میں سے تھیں) آپ ﷺ نے اہل بیت میں شامل نہیں فرمایا، لیکن ہر مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام آیات اور احادیث کو سامنے رکھ کر چلے اور کسی حدیث کا ایسا مفہوم مراد نہ لے جو کسی بھی آیت سے معارض ہو یا اس سے کسی بھی آیت کا انکار لازم آتا ہو۔ روافض تو قرآنِ کریم میں تحریف کے قائل ہیں انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ کسی آیت کے خلاف کیا کہہ دیا اور کیا عقیدہ بنا لیا، مسلمان تو ایسا نہیں کر سکتے کہ کسی آیت کے مضمون کو رد کر دیں، اس لئے اکابر علماء اور محققین مفسرین نے یہی فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازوجِ مطہرات ؓ بھی اہل بیت میں شامل ہیں جس کی تصریح آیت بالا میں مذکور ہے اور جن حضرات کو آپ ﷺ نے چادر اوڑھا کر فرمایا کہ یہ میرے اہل بیت ہیں وہ بھی آپ ﷺ کے اہل بیت ہیں۔ بعض روایات میں یوں بھی ہے کہ جب حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ مجھے بھی چادر میں داخل فرمالیجئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اَنْتِ مِنْ اَهْلِیْ (تم بھی میرے اہل میں سے ہو) اور ایک روایت میں ہے فقلت وانا یا رسول اللہ؟ فقال صلّی اللہ علیہ وسلم وانت. (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۸۴، ۴۸۵) (تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اور تم بھی اہل بیت میں ہو)

اس سے معلوم ہو کہ چادر اوڑھانے کا واقعہ ایک سے زیادہ مرتبہ پیش آیا، بعض مرتبہ انک علیٰ خیر فرمادیا اور بعض مرتبہ انتِ من اھلی فرمایا اور بعض مرتبہ صرف وانتِ فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے بعض ایسے افراد کو بھی اہل بیت میں شمار فرمایا جن سے کوئی نسبی یا ازدواجی رشتہ نہ تھا چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ سلمان منا اھل البیت[1]۔ اور حضرت واثلہ بن اسقعؓ کے بارے میں

---

[1] ذکرہ صاحب الرّوح عن ابن عباسؓ وعن قتادۃ قل دفسرت بنصائحہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم. (ج ۲۲ ص ۲۰) (یہ روایت روح المعانی کے مصنف ؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اور حضرت قتادہؒ سے نقل کی ہے حضرت قتادہ نے فرمایا میں نے اہل البیت کی یہ تفسیر حضور ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں کی ہے)

بھی ایسا فرمایا ہے' بس جب یہ حضرات اہل بیت میں شمار ہو سکتے ہیں تو آپ ﷺ کے ہمراہ گھروں میں ساتھ رہنے والی بیویاں کیونکر اہل بیت میں شامل نہ ہوں گی؟

صاحبِ بیان القرآن لکھتے ہیں: اس میں محقق بات یہ بھی ہے کہ آیت اور حدیث میں اہل بیت کا مفہوم متحد نہیں بلکہ حدیث میں عترت مراد ہے اور آیت میں یا تو عام مراد ہے جس کی ایک نوع تو آیت ہی کی مدلول ہے اور دوسری نوع کا مدلول ہونا آپ ﷺ نے اپنے فعل سے ظاہر فرما دیا اور حضرت اُم سلمہؓ کا (چادر میں) داخل نہ کرنا اس لئے ہوگا کہ تمہارا تو مدلول آیت ہونا ظاہر ہی ہے جن کا خفی[1] ہے ان کو ظاہر کرتا ہوں پھر تم کو اس کا اہتمام کیا ضرور اور خیر سے بھی مدلولیت مراد ہو گی۔ **قال صاحب الرّوح (ج۲۲ص۱۵) وما اجاب به اُم سلمة وعدم ادخالها فی بعض المرات تحت الكساء ليس لا نها ليست من اهل البيت اصلاً بل لظهور أنها منهم حيث كانت من الازواج اللاتی يقتضی سياق الأية وسباقها دخولهن فيهم بخلاف من ادخلوا تحته رضی الله تعالیٰ عنهم فانه عليه الصّلوٰة والسلام لولم يد خلهم ويقل ما قال لتوهم عدم دخولهم فی الأية لعدم اقتضاء سياقها وسباقها ذلك.**

(تفسیر روح المعانی والے فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو جواب دیا گیا اور بعض دفعہ چادر کے تحت ان کو داخل نہ کرنا اس لئے نہیں تھا کہ وہ اہل بیت میں ہیں ہی نہیں بلکہ یہ تو اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ حضرت ام سلمہ تو ازواج میں سے ہیں جن کا اہل بیت میں داخل ہونا آیت کے سیاق سے ثابت ہے بخلاف ان حضرات کے جنہیں چادر کے تحت داخل کیا گیا کہ اگر حضور ﷺ چادر کے تحت ان کو لا کر اور ان کے بارے میں اہل بیت کا لفظ نہ فرماتے تو اہل بیت میں سے ان کے نہ ہونے کا خیال ہوتا کیونکہ آیات کا سیاق سباق ان کے اہل بیت میں سے ہونے کا تقاضا نہیں کرتا)

آخر میں فرمایا: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ آیات اللہ سے قرآن حکیم اور حکمت سے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور سنتیں مراد ہیں' جیسا کہ بعض مفسرین نے تفسیر کی ہے' اور واذکرن کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ ان چیزوں کو خود یاد رکھنا جن پر عمل کرنا ہے' دوسرے یہ کہ جو کچھ قرآن انکے گھروں میں ان کے سامنے نازل ہو یا جو تعلیمات رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیں اس کا ذکر امت کے دوسرے لوگوں سے کریں اور ان کو پہنچائیں۔

جس طرح قرآن حکیم کی تعلیم اور تدریس لازم ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور اعمال کی تحدیث اور تبلیغ بھی ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید کے مجمل احکام کی رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے تشریح اور توضیح ہوتی ہے۔ اگر احادیث شریفہ کو سامنے نہ رکھا جائے تو پانچوں نمازوں کے اوقات اور زکوتوں کی مقادیر اور نصاب معلوم نہیں ہو سکتے اور حدیث نبوی پر عمل کئے بغیر قرآن کریم پر عمل پیرا نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواج کی کثرت میں جہاں دوسری حکمتیں ہیں وہاں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ حضرات ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن وارضاھن کے ذریعہ ان احکامِ شرعیہ کی تبلیغ ہوئی جو گھر میں رہتے ہوئے صادر ہوتے تھے اور خاص کر وہ احکام جن کا تعلق ازدواجی امور سے تھا۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا یعنی اللہ تعالیٰ مہربان ہے تمہیں یہ مرتبہ عطا فرمایا کہ اپنے نبی کریم ﷺ کی زوجیت کا شرف بخشا اور ان گھروں میں تمہیں نصیب فرمایا جن میں اللہ کی کتاب پڑھی جاتی ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر بھی ہے تم جو خیر کے کام کرو گی اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے اور وہ اجر و ثواب سے نوازے گا۔

[1] یعنی جن کا مدلول آیت ہونا خفی ہے

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ

بلاشبہ مسلم مرد اور مسلم عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں

وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ

اور راستباز مرد اور راستباز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد

وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ

اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو

كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

بکثرت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں اُن کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے

مومن مردوں اور عورتوں کی صفات اور اُن کے لئے اجر عظیم کا وعدہ

تفسیر: مفسر ابن کثیر نے (جلد ۳ ص ۴۸۷) کتب حدیث سے متعدد روایات نقل کی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آیتِ بالا حضرت اُم سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوال پر نازل ہوئی انہوں نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ! قرآن مجید میں مردوں کا ذکر تو آتا ہے عورتوں کا ذکر نہیں آتا (یعنی جو احکام ہیں وہ مردوں کے خطاب کے ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں عورتوں سے علیحدہ خطاب یا مؤنث کے صیغے نہیں لائے جاتے) اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیتِ کریمہ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ آخر تک نازل فرمائی[1]۔ اور تانیث کے صیغے لا کر ان کی بھی دلداری فرما دی۔

مذکورہ آیت میں مسلمان مرد اور عورتوں کی صفات بتائی ہیں جن میں یہ بتایا کہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ان صفات سے متصف ہونا چاہئے اور آیت کے ختم پر مؤمنین و مؤمنات کے لئے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا۔

مسلمین اور مسلمات سے احکامِ پر اعضاء و جوارح سے عمل پیرا ہونا مراد ہے اور مؤمنین و مؤمنات سے دل سے صاحب ایمان ہونا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو کچھ بتایا اور فرمایا دل سے اس کی تصدیق کرنا اور ماننا مراد ہے، اور گو فرمانبرداری میں وہ صفات بھی داخل ہیں جو آئندہ بیان فرمائیں تاہم ان کو مستقل بھی مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے ذکر فرما دیا۔ اسلام اور ایمان بیان کرنے کے بعد جو دوسری صفات بیان فرمائیں، ان میں سے اولاً وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ فرمایا، یہ لفظ قُنُوت سے لیا گیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے ان دونوں لفظوں کا مطلب بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ المداومین علی الطاعات والقائمین بھا کہ یہ لوگ پابندی کے ساتھ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں لگے رہتے ہیں۔ اس کے بعد وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ فرمایا یعنی یہ حضرات قول و عمل میں سچائی اختیار کرنے والے ہیں۔ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ اور طاعات کی ادائیگی میں مصائب کے آنے پر صبر اختیار کرنے والے ہیں۔ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ اور یہ حضرات خشوع اختیار کرنے والے ہیں، خشوع قلب کی جھکاؤ کو کہا جاتا ہے، اگر مطلق خشوع مراد لیا جائے تو خشوع فی العبادات،

[1] واخرجھا الترمذی فی تفسیر سورۃ الاحزاب من کتابہ

خشوع فی الاعمال اور خشوع فی المعاملات سب کو شامل ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ تکبر نہیں کرتے' قلب و جوارح کو عناد سے اور ہر ایسی چیز سے پاک اور صاف رکھتے ہیں جس میں کبر اور نخوت والی چیز ہو۔ خشوع فی الصلوٰۃ کی فضیلت کے لئے آیت کریمہ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (سورۂ بقرہ) اور آیت قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (شروع پارہ ۱۸) کی مراجعت کر لی جائے۔

وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ اور یہ حضرات صدقہ کرنے والے ہیں' اس میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے' ضعیف اور مسکینوں کی حاجات پوری کرنے' فرض زکوٰۃ اور واجب اور نفل صدقات کے اموال مستحقین کو دینے کی فضیلت آجاتی ہے۔

وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ یعنی یہ حضرات روزہ رکھنے والے ہیں۔ اس میں روزے رکھنے کا اہتمام کرنے کی فضیلت بتائی ہے۔ الفاظ کے عموم میں فرض اور نفل روزے سب ہی داخل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جن پانچ چیزوں پر اسلام کی بنیاد بتائی ہیں اس میں رمضان شریف کے روزے رکھنا بھی ہے۔ سورۂ بقرہ میں رمضان کے روزوں کی فرضیت بتا کر فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ فرمایا ہے جس میں نفل روزوں کی ترغیب بھی دے دی ہے' روزے رکھنے سے نفس کے تقاضوں پر زد پڑتی ہے اور صفت تقویٰ پیدا ہوتی ہے' نفس کا ابھار کم ہو جاتا ہے اور شہوات اور لذات کی اُمنگ کم ہو جاتی ہے۔ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ (اور اپنی شرمگاہوں کی جگہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں) اس میں شرم کی جگہوں کو حرام جگہ استعمال کرنے سے منع فرمایا' انسان سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں ان میں سب سے زیادہ گناہ کا باعث دو چیزیں ہوتی ایک منہ دوسرے شرمگاہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ وہ کون سی چیز ہے جو سب سے زیادہ دوزخ میں لے جانے کا ذریعہ ہے' پھر خود ہی جواب میں فرمایا اَلْفَمُ وَالْفَرْجُ یعنی منہ اور شرم کی جگہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۲) اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو مجھے اس کی ضمانت دے کہ وہ مجھے اپنے جبڑوں کے درمیان کی چیز اور اپنی دونوں رانوں کے درمیان کی چیز کی حفاظت کرے گا میں اس کے لئے جنت کا ضامن بنتا ہوں۔ (رواہ البخاری)

سورۃ المعارج میں نیک لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ (اور جو لوگ اپنے شرم کی جگہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور باندیوں کے' کیونکہ بیویوں اور باندیوں کے بارے میں ان پر ملامت نہیں ہے)

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ (اور جو اللہ کا ذکر زیادہ کرنے والے مرد ہیں اور جو زیادہ ذکر کرنے والی عورتیں ہیں) اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے' نماز جو اسلام کا سب سے بڑا عمل ہے وہ خود ذکر ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں فرمایا کہ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو) اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا ہے' وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے)۔ قرآن مجید میں کثرتِ ذکر کا حکم دیا ہے جیسا کہ چند صفحات کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ آیت کریمہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا میں فرمایا ہے' اور سورہ جمعہ میں ارشاد ہے: وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ)

حدیث شریف میں بھی ذکر اللہ میں کثرت کے ساتھ مشغول ہونے کی ترغیب دی گئی ہے' حضرت ابو سعید خدری رضی

اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ بندوں میں سب سے زیادہ کون افضل ہیں اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کون سب سے زیادہ بلند درجہ والا ہوگا؟ آپ علیہ نے فرمایا: الذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ کہ یہ فضیلت اور مرتبہ ان لوگوں کو حاصل ہے جو (مرد و عورت) اللہ کو زیادہ یاد کرنے والے ہیں' کسی نے عرض کیا کیا یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں سے بھی افضل ہیں؟ آپ علیہ نے فرمایا کہ جہاد کرنے والا اگر کافروں اور مشرکوں میں اتنی کثرت کے ساتھ اپنی تلوار مارے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خود یہ شخص خون میں رنگ جائے تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا ہی درجہ کے اعتبار سے افضل رہے گا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۸)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! اسلام کے کام تو بہت ہیں مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے میں جس میں لگا رہوں' آپ نے فرمایا لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْباً مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ (تیری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۸)

مومن بندوں کو چاہئے کہ ہر وقت اللہ کی یاد میں لگے رہیں' فضول باتوں اور فضول کاموں سے بچیں ذکر و تلاوت کی کثرت کو اپنے درجات کو بلند کرنے کا ذریعہ بنائیں' تلاوت قرآن مجید' تسبیح' تہلیل' تکبیر و تحمید اور درود شریف میں لگے رہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں یوں کہوں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر تو یہ مجھے ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر آفتاب طلوع ہوا۔ (صحیح مسلم جلد۲ ص ۳۴۵)

ذکر کے فضائل ہم آیت کریمہ فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ اور دوسری آیت کریمہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ کے ذیل میں ذکر کر آئے ہیں۔ (انوار البیان ج۱' ج ۷ ص ۲۴۲)

زندگی کے مختلف احوال و اعمال کے وقت کی جو دعائیں مشروع کی گئی ہیں حسب مواقع انہیں پڑھتے رہا کریں تو کثرتِ ذکر کی نعمت بآسانی سے حاصل ہو سکتی ہے' اللہ کا ذکر تمام عبادات میں سب سے زیادہ سہل ہے لیٹے بیٹھے چلتے پھرتے' وضو بے وضو' تلاوت کرو' تسبیح پڑھو' درود شریف پڑھو سب درست ہے البتہ قرآنِ مجید کو بے وضو چھو نہیں سکتے اور حالتِ جنابت میں پڑھ بھی نہیں سکتے' ایسا سستا اور آسان شغل تو کبھی کسی حالت میں نہیں چھوڑنا چاہئے' جو لوگ کاروبار سے فارغ ہو چکے ہیں' ملازمتوں سے ریٹائر ہو چکے ہیں وہ اپنی زندگیوں کو فضول باتوں میں لگا کر برباد نہ کریں' ہر لمحہ کی قدر کریں اور ہر وقت اللہ کے ذکر میں لگے رہیں۔

اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا۔ ان مردوں اور عورتوں کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے پس مؤمنین اور مؤمنات کا یہی شغل ہونا چاہئے کہ مذکورہ بالا کاموں میں لگے رہیں۔

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ

اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لئے اس کی گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں تو انہیں اپنے

مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾ وَ اِذْ تَقُوْلُ

کام میں اختیار باقی رہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔ اور جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے

لِلَّذِيْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِيْ

جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے انعام کیا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو اور آپ اپنے دل میں

فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا

اس چیز کو چھپا رہے تھے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر فرمانے والا تھا' اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے اور آپ کو یہ سزاوار ہے کہ اللہ سے ڈریں'

وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا

پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس عورت کا آپ سے نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں

مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ

کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے حاجت پوری کر چکیں اور اللہ کا حکم پورا ہونے ہی والا تھا۔ نبی پر اس بارے میں کوئی تنگی نہیں ہے جو اللہ

لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ﴿۳۸﴾ الَّذِيْنَ

نے ان کے لئے مقرر فرما دیا' جو لوگ اس سے پہلے گذرے ہیں ان کے بارے میں اللہ نے یہی معمول رکھا ہے' اور اللہ کا حکم مقرر کیا ہوا ہے۔

يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ يَخْشَوْنَهٗ وَ لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾

جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو جائے تو اُس پر عمل کرنا لازم ہے' خلاف ورزی کرنا جائز نہیں

تفسیر: عرب میں یہ دستور تھا کہ دوسروں کی اولاد کو بیٹا بنا لیا کرتے تھے اور جو شخص بیٹا بناتا تھا اسی کی طرف نسبت کر کے اِبْنِ فُلَانٍ کہتے تھے' اور ایک رواج یہ بھی تھا کہ لوگ چلتے پھرتے کسی بچہ کو لے کر کسی ایسے شہر میں لے جاتے جہاں کوئی پہچانتا نہ ہوتا وہاں اسے اپنا غلام بتا کر بیچ دیتے تھے۔

زید بن حارثہؓ کا تعارف زید بن حارثہؓ اپنی والدہ کے ساتھ ننھیال جا رہے تھے کہ کچھ لوگوں نے ان پر قبضہ کر لیا جبکہ ان کی عمر آٹھ سال تھی' پھر انہیں مکہ معظمہ لے آئے اور سُوق بنی عکاظ میں (جو مکہ معظمہ کے قریب ایک بازار لگتا تھا) میں اپنا غلام بتا کر فروخت کر دیا' حکیم بن حزام بن خویلد نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے چار

سودرہم میں خرید لیا' جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے نکاح کرلیا تو زید بن حارثہ کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا اور آپ کو ہبہ کردیا' رسول اللہ ﷺ انہیں اپنا بیٹا بنالیا اور انہیں زید بن محمد ﷺ کے نام سے بلایا جانے لگا۔ حضرت زید بن حارثہ کے والد کو پتہ چلا کہ میرے بیٹے کو فلاں قوم کے لوگوں نے مکہ معظمہ میں لے جا کر بیچ دیا ہے اور وہ وہاں موجود ہے تو وہ حضرت زیدؓ کو چھڑانے کے لئے مکہ معظمہ آئے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ اس کے عوض اتنا اتنا مال لے لیں اور اسے چھوڑ دیں تا کہ ہم اسے اپنے ساتھ لے جائیں' آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا گوارہ کرے تو مفت میں ہی لے جاؤ' ہمیں کوئی پیسہ دینے کی ضرورت نہیں' زید کے والد نے کہا: **لقد زدتنا علی النصفة**، یہ بات تو آپ نے انصاف سے بھی آگے بڑھ کر فرمادی' آپ ﷺ کو رواج کے مطابق نہ چھوڑنے کا بھی حق تھا اور پیسے لے کر چھوڑ دینا آپ کا کرم تھا لیکن جب آپ ﷺ نے یہ فرمادیا کہ مفت میں ہی لے جاؤ تو یہ تو کرم بالائے کرم اور احسان پر احسان ہے' رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید سے فرمایا کہ جانتے ہو یہ کون ہیں؟ عرض کیا کہ یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا ہیں' آپ نے فرمایا تم مجھے بھی جانتے ہو اور انہیں بھی پہچانتے ہو' میری صحبت بھی اٹھا چکے ہو اب تمہیں اختیار ہے کہ چاہو تو میرے پاس رہو چاہو تو اپنے گھر چلے جاؤ' اس پر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس رہنے کو ترجیح دی اور اپنے باپ کے ساتھ جانا گوارا نہ کیا' رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ عالیہ حسنِ سلوک اور شفقت و محبت کے سامنے انہوں نے اپنے باپ کے ساتھ جانا اور کنبہ وقبیلہ میں رہنا منظور نہ کیا اور عرض کیا کہ آپ میرے لئے باپ اور چچا کی جگہ ہیں' باپ اور چچا نے کہا کہ اے زید افسوس کی بات ہے کہ تم نے آزادی کے مقابلہ میں غلامی کو پسند کیا اور اپنے باپ اور چچا اور سب گھر والوں پر کسی دوسرے شخص کو ترجیح دیتے ہو' حضرت زیدؓ نے کہا کہ ہاں میں نے ان میں ایسی صفات دیکھی ہیں کہ ان کو جانتے ہوئے کسی دوسرے کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

یہ پورا واقعہ رسول اللہ ﷺ کے نبوت سے سرفراز کئے جانے سے پہلے کا ہے' جب رسول اللہ ﷺ کو نبوت عطا کی گئی تو جن حضرات نے قبولِ اسلام کی طرف سبقت کی ان میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے' ایک اور قول کے مطابق مردوں میں سے وہ سب سے پہلے فرد تھے جنہوں نے قبول اسلام کی طرف سبقت کی۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی باندی برکہ حبشیہ سے ان کا نکاح کردیا تھا جن کی کنیت اُم ایمن تھی' یہ آپ ﷺ کو اپنے والد ماجد کی میراث میں (اور ایک قول کے مطابق والدہ کی میراث میں) ملی تھیں اور یہی وہ خاتون ہیں جو آپ کی والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد مقام ابوا سے آپ کو چھوٹی سی عمر میں مکہ معظمہ لے کر آئی تھیں' حضرت اُمِ ایمنؓ سے حضرت اسامہ بن زید پیدا ہوتے جنہیں حِبّ رسول اللہ (رسول اللہ ﷺ کا پیارا) کہا جاتا تھا۔

ایک عرصہ تک حضرت زیدؓ کو زید بن محمد ﷺ ہی کہا جاتا رہا پھر جب قرآن مجید کی آیت اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ نازل ہوئی (جو کہ اسی سورت کے پہلے رکوع کی آیات میں سے ہے) تو زید بن حارثہ کہا جانے لگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جو منہ بولے بیٹے ہیں ان کی نسبت ان کے باپوں کی طرف کرو۔

زید بن حارثہ سے زینب بنت جحش کا نکاح اور طلاق: پھر آپ ﷺ نے زید بن حارثہ کا نکاح اپنے پھوپھی کی بیٹی زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ کردیا تھا' حضرت زینبؓ نے آپ ﷺ کے فرمانے پر اس نکاح کو

قبول تو کر لیا تھا لیکن باہمی مزاج میں موافقت نہ ہوئی' حضرت زیدؓ چاہتے تھے کہ ان کو طلاق دے دیں لیکن رسول اللہ ﷺ انہیں اس سے باز رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں روکے رکھو لیکن انہوں نے طلاق دے ہی دی' جب انہوں نے طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ نے زینب بنت جحشؓ کا نکاح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کر دیا۔ یہاں اسی کو فرمایا: فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (جب زید نے ان سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اس سے آپ کا نکاح کر دیا) جب یہ آیت نازل ہوگئی تو آپ بلا اذن واجازت حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے اس سے پہلے بھی (زید کی طلاق کی عدت گذرنے کے بعد) آپ نے حضرت زیدؓ ہی کو اپنا پیغام دے کر بھیجا تھا لیکن حضرت زینبؓ نے جواب میں یوں کہہ دیا تھا کہ میں استخارہ کر کے جواب دوں گی۔ اللہ نے آپ ﷺ سے حضرت زینبؓ کا نکاح کر دیا' اس پر وہ بھی فخر کیا کرتی تھیں اور دوسری ازواجِ مطہرات سے کہا کرتی تھیں کہ تمہارے نکاح تمہارے اولیاء نے کئے اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔

اس ساری تفصیل کو سامنے رکھ کر آیات بالا کی تفسیر سمجھئے' پہلے آیتِ کریمہ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ کا ترجمہ دیکھ لیجئے جو اوپر مذکور ہوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ زید بن حارثہ کے نکاح کا پیغام لے کر حضرت زینب بنتِ جحشؓ کے پاس تشریف لے گئے' انہوں نے عرض کیا کہ میں ان سے نکاح نہیں کروں گی' آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم انکار نہ کرو ان سے نکاح کر لو' کہنے لگیں کہ اچھا میں پھر اپنے نفس سے مشورہ کر لوں یعنی مجھے سوچ بچار کا موقع دیا جائے' ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیتِ کریمہ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ (آخر تک) نازل فرما دی' اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کر دیا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہ کروں گی میں نے زید سے اپنا نکاح کر دیا۔

مفسر ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں یہ سببِ نزول لکھا ہے (جلد۳ ص۴۸۹) اور تفسیر روح المعانی میں ہے کہ جب آپ ﷺ نے زینب بنتِ جحشؓ کو زید بن حارثہ کے لئے پیغام دیا تو انہوں نے کہا کہ زید میرے میل کے نہیں میں مرتبہ کے اعتبار سے ان سے بہتر ہوں' اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش بھی یہی بات کہنے لگے (یہ انہوں نے اس لئے کہا کہ حضرت زیدؓ پر غلامی کا دھبہ لگ گیا تھا اور قریشی بھی نہ تھے) پھر جب آیت کریمہ نازل ہوگئی تو دونوں بہن بھائی راضی ہو گئے۔ (جلد۲۲ ص۲۳)

آیت شریفہ کا سبب نزول گو خاص ہے لیکن اس کا مفہوم عام ہے جیسا کہ دیگر آیات کے اسبابِ نزول کے بارے میں مفسرین یہی فرماتے ہیں۔ آیتِ کریمہ سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ کسی بھی مومن مرد اور عورت کیلئے یہ گنجائش نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی حکم آ جائے تو اس کے کرنے نہ کرنے کا اختیار باقی رہے' جو حکم مل جائے اس پر عمل کرنا ہی کرنا ہے' اسلام سراپا فرمانبرداری کا نام ہے' یہ جو آجکل لوگوں کا طریقہ ہے کہ مسلمانی کے دعویدار بھی ہیں لیکن احکام شرعیہ پر عمل کرنے کو تیار نہیں' یہ اہل ایمان کا طریقہ نہیں' جب قرآن وحدیث کی کوئی بات سامنے آتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ آجکل اس پر عمل نہیں ہو سکتا (العیاذ باللہ) معاشرت اور معاملات اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں قصداً وارادۃً قرآن وحدیث کے خلاف چلتے ہیں یہ سراسر بے دینی ہے' جیسا کہ آیت کریمہ کے ختم پر فرمایا: وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں جا پڑا)

فرائض اور واجبات کو چھوڑنے کی تو کوئی گنجائش نہیں ہے اور سُنن و نوافل کی ادائیگی کی بھی حرص کرنا چاہئے' جس کا فرمانبرداری کا مزاج نہیں ہوتا وہ پہلے سنتوں سے بچتا ہے پھر واجبات چھوٹنے لگتا ہے پھر فرائض کی ادائیگی کا اہتمام ختم ہو جاتا ہے حتیٰ کہ شیطان وسوسے ڈال کر ایمان سے بھی ہٹانے کی کوشش کرتا ہے' خیریت اسی میں ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے حکم ملا ہے دل و جان سے قبول کرے' نیم دروں نیم بروں مسلمان بھی ہیں اور نہیں بھی' یہ گمراہی کا طریقہ ہے۔

زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آنا: وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ (اور اس وقت کو یاد کرو جب آپ اس شخص سے (بطور فہمائش اور مشورہ) فرما رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا کہ تم اپنی بیوی کو روکے رکھو اور اللہ سے ڈرو) حضرت زید بن حارثہؓ پر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام فرمایا کہ انہیں اپنے رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچایا' غلامی سے چھڑایا اور اسلام کی توفیق دی' اور آپ ﷺ نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ محبتوں اور شفقتوں کے ساتھ اپنے پاس رکھا' دین سکھایا اور اپنی پھوپھی زاد بہن سے نکاح کرایا'

وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ (اور آپ اپنے جی میں اس چیز کو چھپا رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا) وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ (اور آپ لوگوں سے اندیشہ کر رہے تھے اور اللہ سے ڈرنا ہی آپ کو زیادہ سزاوار ہے) وہ کیا چیز تھی جسے آپ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے؟ بعض لوگوں نے تو اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ آپ ﷺ ظاہر میں تو یہ فرما رہے تھے اور اندر سے دل میں یہ بات تھی کہ زید طلاق دے دے تو میں ان سے نکاح کر لوں گا۔ تفسیر جلالین میں بھی یہی بات لکھی ہے' لیکن یہ بات شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ قال القشیری هٰذا اقدام عظیم من قائله وتفریط بحق النبی صلی اللہ علیه وسلم وبفضله. (ذکرہ فی حاشیة الجلالین) (امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بات کہنے والے کی بہت بڑی جرأت ہے اور حضور ﷺ کے حق میں اور شان میں کوتاہی ہے)

مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا تھا کہ زید طلاق دے دیں گے تو ہم زینب سے آپ کا نکاح کر دیں گے' یہ بات آپ ﷺ کے ذہن میں تھی آپ اسے ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے اور زید سے فرما رہے تھے کہ تم اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رکھو' یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ زید ضرور طلاق دے دیں گے اور زینب میرے نکاح میں آتی ہی ہے پھر بھی یہ مشورہ دینا کہ روکے رکھو' اس پر اللہ تعالیٰ نے ہلکا سا عتاب فرمایا' آپ نے تو اپنے نکاح میں آنے والی بات کو چھپایا لیکن اللہ تعالیٰ نے زَوَّجْنٰكَهَا نازل فرما کر زینب کو آپ کے نکاح میں دے ہی دیا۔ قال صاحب الرّوح (ج ۲۲ ص ۳۴) والمراد بالموصول علیٰ مَا اخرج الحکیم الترمذی وغیرہ عن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنهما ما اوحی اللّٰهُ تعالیٰ به الیه ان زینب سیطلّقها زید ویتزوّجها بعده علیه الصّلوٰة والسلام' الیٰ هٰذا ذهب اهل التحقیق من المفسّرین کالزهری وبکر بن العلاء والقشیری والقاضی ابی بکر بن العربی وغیرهم. (تفسیر روح المعانی والے لکھتے ہیں کہ یہاں حکیم ترمذیؒ وغیرہ نے جو حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی ہے کہ یہاں اسم موصول سے مراد وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی طرف وحی فرمائی تھی کہ عنقریب حضرت زید' حضرت زینب کو طلاق دیدیں گے اور اس کے بعد ان سے آپ ﷺ کا نکاح ہوگا۔ محقق مفسرین اسی کی طرف گئے ہیں جیسا کہ زہری' بکر

بن العلا' قشیری اور قاضی ابوبکر بن العربی وغیرہ)

متبنّٰی کی سابقہ بیوی سے نکاح کرنے کا جواز: مفسرین نے ایک یہ بات بھی لکھی ہے کہ اہل عرب جسے بیٹا بنا لیتے تھے اُس کی بیوی سے نکاح کرنے کو (جبکہ وہ مرجائے یا طلاق دے دے) ایسے ہی حرام سمجھتے تھے جیسے اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے کو حرام جانتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو یہ خیال ہو رہا تھا کہ اگر میں نے زید کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرلیا تو عرب کے جاہل اعتراض کریں گے اور یوں کہیں گے کہ دیکھو اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَکُمْ اَبْنَآءَکُمْ فرمایا کہ اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا اصلی بیٹا قرار نہیں دیا تو اب زید کی مطلقہ بیوی زینب سے نکاح کرنے میں کوئی باک نہیں ہونا چاہئے' جب اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دے دیا تو جاہلوں کے اعتراض کا خیال کرنا اور ان کے طعن و تشنیع سے ڈرنا آپ ﷺ کے مقام رفیع کے خلاف تھا' اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال قرار دیا ہے اُسے خوب واضح طریقہ پر حلال بتانا چاہئے عملاً بھی اور قولاً بھی تاکہ حکم شرعی پوری طرح واضح ہو جائے اور اہل ایمان کے دلوں میں اس کے حلال ہونے کے بارے میں کوئی شک و شبہ اور کوئی کسک باقی نہ رہے آپ کے دل میں جو لوگوں کے اعتراض کا خیال آیا اللہ تعالیٰ نے اس پر عتاب فرمایا اور ارشاد فرمایا: وَتَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ (اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے اور آپ کو یہ سزاوار ہے کہ اللہ سے ڈریں)

فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَهَا (پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اُس عورت کا نکاح آپ سے کر دیا) حاجت پوری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ زینب کی طرف سے بالکل ہی دل بھر گیا اور انہیں نکاح میں رکھنے کی ذرا سی بھی خواہش نہیں رہی اور بالآخر علیحدگی کے تقاضے پر عمل کرہی لیا اور طلاق دے دی۔ **قال صاحب الروح فکانّه قیل فلمّا قضٰی زید حاجته من نکاحها فطلّقها و انقضت عدّتها فلم یکن فی قلبه میل الیها و لا وحشة من فراقها۔**

لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا۔ (تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیوی کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے حاجت پوری کر چکیں) یعنی طلاق دے دیں اور عدت گذر جائے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ منہ بولے بیٹوں کے مطلقہ بیویوں سے نکاح جائز ہو جانا آپ ﷺ کے عمل سے بھی ظاہر ہو جائے اور آپ کی اُمت کے افراد اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے کے بارے میں ذرا بھی دل میں تنگی محسوس نہ کریں' اگر مذکورہ مطلقہ یا بیوہ عورتوں سے نکاح کرنے کی رغبت ہو اور کوئی دوسرا مانع شرعی نہ ہو تو بلا تکلف ان سے نکاح کرلیا کریں۔ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا (اور اللہ کا حکم پورا ہونے والا ہی تھا) یعنی اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر یہ طے فرما دیا تھا کہ زینبؓ کو آپ ﷺ کے نکاح میں ضرور ہی آنا ہے چنانچہ تکوینی طور پر جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا وہ پورا ہو کر ہی رہا اور اس میں جو تشریعی حکم تھا اپنے نبی ﷺ کے عمل سے اس کے جواز کا فیصلہ کرا دیا۔

سنن ترمذی میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ وحی کا کچھ بھی حصہ چھپا سکتے تو آیت کریمہ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ (آخر تک) کو ضرور ہی چھپا لیتے (جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو مخاطب فرما کر وَتَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ فرمایا ہے)

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ (نبی پر اس بارے میں کوئی تنگی نہیں ہے جو اللہ نے ان کے لئے مقرر فرما دیا) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے جو مقدور مقرر فرما دیا اور حلال قرار دے دیا اسکے بارے میں نبی پر کوئی الزام و مواخذہ نہیں، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی الزام نہیں تو مخلوق کو اعتراض کرنے کا اور طعن و تشنیع کا کوئی حق نہیں۔

سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (جو لوگ ان سے پہلے گذرے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا یہی طریقہ رکھا ہے) یعنی سابقین انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی معاملہ رہا ہے کہ ان کے لئے بہت سی چیزوں کو حلال قرار دیا ان پر انہوں نے بے تکلف عمل کیا اور مخلوق کے طعن و تشنیع کا بالکل خیال نہ کیا، حضور خاتم النبیین ﷺ نے بھی اسی پر عمل کر لیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عورت آپ ﷺ کے لئے حلال تھی اُسے اپنے نکاح میں لے لیا۔ **قال صاحب الروح:**

سنّة الله ای سن الله تعالیٰ ذٰلک سنة فهو مصدر منصوب بفعل مقدر من لفظه والجملة مؤكدة لما قبلها من نفي الحرج في الذين من قبل، ای من قبلک من الانبياء عليهم الصّلوٰة والسلام من حيث لم يحرج جل شانهٗ عليهم في الاقدام علیٰ ما حللهم ووسع لهم في باب النكاح وغيره۔ (جلد۲۲ص۲۷)

وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا (اور اللہ کا حکم مقرر کیا ہوا ہے) یہ مضمون سابق کی تاکید ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کوئی بات طے کر دی ہے کہ ایسا ہونا ہی ہونا ہے اور فلاں حکم دینا ہے اور اس پر عمل کرانا ہے تو اس کا وجود بھی ضروری ہے اور شرعی اصول کے مطابق اس کی حلت اور جواز کو بھی ظاہر کرنا ہے پس ایسی صورت میں کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ (جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں) وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ (اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے) یہ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ کی صفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حکم مقدر اور مقرر فرما دیا ہے اس پر بغیر کسی جھجک کے عمل کر لیا یہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ رہا ہے، ان حضرات کی شان یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے پیغاموں کی تبلیغ کرتے تھے اور صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے، مخلوق کی کسی قسم کی کوئی ملامت اُنہیں تبلیغ حق سے نہیں روکتی تھی وہ قول سے بھی عمل کرتے تھے اور عمل کر کے بھی دکھاتے تھے۔ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا (اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا) جو لوگ آپ پر طعن کر رہے ہیں آپ اُن کے طعن و تشنیع سے مغموم نہ ہوں اللہ تعالیٰ کو سب کے اعمال و اقوال کا علم ہے اور وہ حساب لینے کے لئے کافی ہے وہ جب حساب لے گا تو انہیں ان کے اعمال بد کی سزا دے گا۔

فوائد ضروریہ

(۱) شریعت اسلامیہ میں کفاءت کی بھی رعایت رکھی گئی ہے جس کا معنی برابری کا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے علی تین چیزیں ایسی ہیں جب ان کا وقت آ جائے تو ان میں تاخیر نہ کی جائے (۱) جب نماز کا وقت ہو جائے (۲) جب جنازہ حاضر ہو جائے (۳) جب تم بے نکاحی عورت کے لئے اس کے برابر کا آدمی پالو۔ (رواہ الترمذی ص ۵۲) مطلب یہ ہے کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو اس کی ادائیگی میں تاخیر نہ کرو، اور جب جنازہ حاضر ہو جائے تو نماز جنازہ ادا کر کے اُسے فوراً دفن کر دو اور جب کوئی عورت بے شوہر کی ہو (خواہ کنواری ہو خواہ مطلقہ ہو خواہ اس کا شوہر مر گیا ہو) جب اس کے میل کا آدمی مل جائے تو اُس مرد سے اس کا نکاح کر دو۔

اس سے معلوم ہوا کہ مرد عورت کی برابری اور باہمی میل کا دیکھنا بھی دینی اور شرعی بات ہے۔ یہ میل اور برابری نسبوں میں اور آزاد ہونے میں اور مسلمان ہونے میں اور دیندار ہونے میں اور پیشوں میں اور مال میں دیکھی جائے گی۔ کفاءت کا لحاظ اس لئے رکھا گیا ہے کہ عورت اور اس کے اولیاء کے لوگ عار نہ دلائیں کہ گھٹیا آدمی سے اس کا نکاح ہو گیا' تفصیلات فقہ کی کتابوں میں لکھی ہے۔ یہاں اس سوال کا جواب دینا مقصود ہے کہ جب حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی نے حضرت زیدؓ سے نکاح کرنے کے بارے میں یہ عذر پیش کر دیا کہ زیدؓ زینبؓ کے میل کے نہیں ہیں کیونکہ وہ قریشی بھی نہیں اور ان میں غلامی کا بٹہ بھی لگا ہوا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اُن کا عذر کیوں قبول نہیں فرمایا؟ بات یہ ہے کہ شرعاً کفاءت کا اعتبار تو ہے لیکن بعض مرتبہ دوسری مصالح ایسی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے کفاءت کا خیال چھوڑ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ یہاں ایک مصلحت مضمر تھی جو اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی کہ زیدؓ سے زینبؓ کا نکاح ہو جانے کے بعد طلاق ہو پھر رسول اللہ ﷺ کا زینبؓ سے نکاح ہو جس سے قیامت تک آنے والے مسلمانوں پر نہ صرف رسول اللہ ﷺ کے قول سے بلکہ عمل سے یہ واضح ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے اس کی طلاق اور عدت کے بعد نکاح کیا جا سکتا ہے۔ عملی تعلیم و تبلیغ کے پیش نظر کفاءت کی مصلحت کو چھوڑ دیا گیا اور آپ ﷺ نے زینب اور ان کے بھائی کو حکم دیا کہ زید کا زینبؓ سے نکاح ہو جانے میں کوئی حجت نہ کریں اور آپ نے جو پیغام دیا ہے اسے قبول کر لیں۔ چونکہ آپ کا یہ حکم تھا بطور مشورہ ایک رائے نہیں تھی اس لئے آیت کریمہ میں اس سے انحراف کرنے کو عصیان سے تعبیر فرمایا اور فرمایا وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا پھر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ اولیاء سے بلکہ ہر مومن کے اپنے نفس سے بھی زیادہ ہے جسے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ میں بتا دیا ہے' اس صورت میں آپ ﷺ کے حکم کا ماننا ہی لازم تھا' اگر امیر المؤمنین یا کوئی بھی بادشاہ یا حاکم یا ماں یا باپ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے خلاف حکم دے یا خود کسی عورت و مرد کا نفس آپ ﷺ کے حکم کے خلاف کرنا چاہے تو آپ کے حکم کی خلاف ورزی جائز نہیں' آپ ﷺ نے جو حکم دے دیا جو درجہ وجوب میں ہو اُس پر عمل کرنا ہی کرنا ہے۔ اگر آپ کا کوئی حکم عام مسلمانوں کے لئے درجہ استحباب میں ہو اور آپ کسی مسلمان کو اس کے بارے میں بطور وجوب حکم دے دیں تو اس مسلمان کو اس پر عمل کرنا فرض ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جو رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر نظر رکھنا لازم ہے۔ لوگ کیا کہیں گے اس کو نہ دیکھیں قرآن و حدیث میں جو حکم ہو اس پر نظر رکھیں۔ جو لوگ علماء اور مبلغ اور داعی ہوں خصوصیت کے ساتھ اس کا خیال رکھیں۔ آجکل لوگوں کا یہ مزاج بنا ہوا ہے کہ شرعی احکام کو اس ڈر سے چھوڑ دیتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے' وضع قطع میں اور لباس میں اور بیاہ شادی اور مرنے جینے کی رسموں میں عوام ہی کو خوش کرنے کے کام کرتے ہیں اور صریحاً شریعت مطہرہ کی خلاف ورزی کر جاتے ہیں' اچھے اچھے نام نہاد نیک اور نمازی بیاہ شادی میں خلاف شرع امور کا ارتکاب کر لیتے ہیں جب توجہ دلائی جاتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ کیا کریں جی! دور ہی ایسا ہے' مخلوق کو بھی راضی رکھنا پڑتا ہے۔ لوگوں کی باتوں کا خیال کرنا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرنا دعوائے ایمان کے سراسر منافی ہے' رسول اللہ ﷺ نے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تھی لیکن لوگوں کے طعن و تشنیع کا خیال آ گیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے عتاب فرما دیا کیونکہ ایسا خیال کرنا بھی آپ کی شانِ اقدس کے خلاف تھا۔

ہاں بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی عمل کے کرنے سے لوگوں کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اور اس کی وجہ سے ان کے دین و ایمان میں نقصان کا خطرہ ہوتا ہے۔ سو اگر وہ عمل فی نفسہٖ محمود ہو لیکن شرعاً مامور بہ نہ ہو تو اسے ترک کرنا درست ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر تمہاری قوم (قریش) نئی نئی مسلمان نہ ہوتی تو میں کعبہ شریف کو پھر سے تعمیر کر دیتا اور حطیم کو تعمیر کے اندر چھت والے حصہ میں شامل کر دیتا اور کعبہ شریف کے دو دروازے بنا دیتا۔ لیکن آپ نے اس کو اچھا عمل جانتے ہوئے بھی انجام نہیں دیا تا کہ کہنے والے یہ نہ کہیں کہ دیکھو یہ کیسا نبی ہے کہ کعبہ شریف کو گرا دیا۔ چونکہ آپ کو تعمیر جدید کا حکم نہیں دیا گیا تھا اس لئے آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اور اس میں تکوینی طور پر یہ حکمت تھی کہ جن لوگوں کو کعبہ شریف کے اندر داخلہ میسر نہ ہو وہ حطیم میں داخل ہو جائیں اس میں داخل ہونا بھی دخولِ کعبہ ہی کے حکم میں ہے کیونکہ حطیم بھی کعبہ شریف کا حصہ ہے۔

(۳) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کا اسم گرامی قرآن مجید میں وارد ہوا ہے آپ کے علاوہ کسی صحابی کا نام قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ حکم قرآنی اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ کی وجہ سے مسلمانوں نے انہیں زید بن محمد کہنا چھوڑ دیا۔ اور اس طرح سے وہ ایک بہت بڑے اعزاز سے محروم ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ شانہٗ نے انہیں دوسری طرح نواز دیا کہ ان کا نام قرآن مجید میں نازل فرما دیا۔ جب آیت قرآنیہ کی تلاوت کی جائے گی جس میں لفظ زَیْدٌ واقع ہوا ہے تو قرآن حکیم کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملنے کے وعدہ کے مطابق اس لفظ کے پڑھنے پر تیس نیکیاں مل جائیں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کی اس طرح بھی دلداری فرمائی کہ انہیں جس کسی لشکر میں بھیجتے تھے تو اُنہیں اس لشکر کا امیر بنا دیتے تھے۔ ۸ھ میں پچپن سال کی عمر میں غزوۂ موتہ میں انہوں نے شہادت پائی۔ اُس وقت بھی وہ لشکر کے امیر تھے۔ حضور ﷺ نے بعض مرتبہ انہیں اپنے پیچھے مدینہ منورہ کا امیر بھی بنایا اور اپنی آخری عمر میں اُن کے بیٹے حضرت اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ایک لشکر کا امیر بنایا تھا پھر اس لشکر کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روانہ فرمایا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

تمہارے مردوں میں سے محمد کسی کے باپ نہیں ہیں اور لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کی مہر ہیں اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النّبیین ہیں

تفسیر: اس آیت کریمہ میں اوّل تو یہ فرمایا کہ تم میں جو مرد ہیں یعنی بالغ افراد ہیں محمد رسول اللہ ﷺ اُن میں سے کسی کے نسبی والد نہیں ہیں اس میں اس بات کی نفی ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی بھی ایسے شخص کے والد ہوں جو رجولیت کے حدود میں داخل ہو گیا ہو اس کے عموم میں زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ہونے کی بھی نفی ہو گئی۔ آیت میں یہ بتا دیا

کہ نسبی والد ہونے سے جو باپ بیٹے کے درمیان احکام شرعیہ مرتب ہوتے ہیں مثلاً میراث جاری ہونا اور حرمت مصاہرت ثابت ہونا' آپ ﷺ کے اور زید بن حارثہؓ یا کسی بھی صحابی کے درمیان ان میں سے کوئی حکم بھی جاری نہیں ہے' اور رِجَالِکُمْ اس لئے فرمایا کہ آپ ﷺ چار صاحبزادیوں کے باپ تھے جو آپ ﷺ کے سامنے بالغ بھی ہوئیں اور ان کی شادیاں بھی ہوئیں۔ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ باقی صاحبزادیوں کی آپ کے سامنے وفات بھی ہوگئی۔ آپ ﷺ کی وفات کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھی وفات ہوگئی' حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے واسطہ سے آنحضرت ﷺ کی نسل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی سے چلی' آپ ﷺ کی اولاد میں صاحبزادے بھی تھے لیکن چونکہ وہ سب بچپن ہی میں وفات پاگئے اس لئے اس بات میں کوئی اشکال نہیں کہ آپ مردوں یعنی بالغ افراد میں سے کسی کے والد نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ بتائی کہ گو وہ کسی بالغ مرد کے نسبی باپ نہیں ہیں لیکن رُوحانی باپ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں بحیثیت رسول ہونے کے ساری امت پر فرض ہے کہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کے اکرام اور توقیر کا ہمیشہ لحاظ رکھیں' اور ساتھ ہی آپ ﷺ کو خاتم النّبیّین بھی بتایا اور یہ اعلان فرما دیا کہ آپ آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی بھی نبی قیامت تک آنے والا نہیں ہے۔ اس تصریح سے یہ واضح ہوگیا کہ آپ کی روحانی نبوت نسبی نبوت سے کہیں زیادہ اعلیٰ اور افضل ہے اور آپ ﷺ کی موجودگی میں جو صحابہؓ تھے صرف انہی کے لئے نہیں ہے بلکہ آپ خاتم النّبیّین ہیں قیامت تک آپ کے بعد نبی آنے والا نہیں ہے لہٰذا موجودہ افراد اور ان کی آنے والی نسلیں اور ان کے علاوہ جو بھی اقوام اور قبائل اور افراد ذکور اور اناث (مرد و عورت) آپ پر ایمان لائیں گے' آپ سب کے روحانی باپ ہیں' آپ کی یہ فضیلت و منقبت اس سے کہیں زیادہ ہے کہ اپنی دنیاوالی زندگی میں چند افراد کے نسبی باپ ہوتے۔ قال صاحب الرّوح فکانہ قیل: (مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ) بحیث تثبت بینہ وبینہ حرمۃ المصاھرۃ ولکن کان ابا کل واحد منکم وابا ابناء کم وابناء ابناء کم وھٰکذا الٰی یوم القیامۃ بحیث یجب لہ علیکم وعلٰی من تناسل منکم احترامہ وتوقیرہ ویجب علیہ لکم ولمن تناسل منکم الشفقۃ والنصح الکامل. (تفسیر روح المعانی والے فرماتے ہیں گویا یہاں مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اس طرح تم میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں کہ اس کے اور حضور ﷺ کے درمیان مصاہرت کی حرمت ثابت ہو ورنہ تو حضور ﷺ تم میں سے ہر ایک کے باپ ہیں اور تمہاری اگلی نسلوں کے بھی باپ ہیں اسی طرح قیامت تک سب کے باپ ہیں کہ تم پر اور تمہاری نسلوں پر حضور ﷺ کا اعزاز و احترام واجب ہے اور حضور ﷺ پر تمہارے لئے شفقت اور کامل ہمدردی ہے)

آپ ﷺ سے پہلے جو انبیاء اور رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے تھے وہ خاص قوم کیلئے اور محدود وقت کے لئے تشریف لایا کرتے تھے' خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک تمام جنات اور تمام انسانوں اور تمام قوموں اور قبیلوں اور تمام زمانوں اور تمام مکانوں کے بسنے والوں کے لئے رسول ہیں اور نبی ہیں کیونکہ نبی عام ہیں اور رسول خاص ہیں (جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ رسول کا اطلاق صاحبِ شریعت جدیدہ کے لئے ہے اور نبی ہر پیغمبر پر صادق آتا ہے صاحب شریعت جدیدہ ہو یا نہ ہو) لہٰذا خاتم النبیین فرمانے سے آپ کے خاتم الرسل ہونے کا بھی اعلان ہوگیا' سورۂ سباء

میں فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے)

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر وقفِ نبوت سے متصف ہونا یعنی نبوتِ جدیدہ سے سرفراز کیا جانا ختم ہو گیا ہے اور سلسلۂ نبوت آپ کی ذاتِ گرامی پر منقطع ہو گیا اب نبوتِ جدیدہ سے کوئی بھی شخص متصف نہیں ہوگا۔

ختم نبوت کے منکر قرآن کے منکر ہیں اسلام سے خارج ہیں: آپ ﷺ کے بعد جو بھی کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے' گمراہ ہے' کافر ہے اور اُس کی تصدیق کرنے والے بھی گمراہ اور کافر ہیں اور آیت قرآنیہ کے منکر ہیں جس میں صاف اس بات کا اعلان فرما دیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں' احادیث شریفہ صحیح اسانید کے ساتھ بہت زیادہ کثیر تعداد میں کتب حدیث میں مروی ہیں جن میں واضح طور پر بتایا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت اور رسالت ختم ہے۔ ان احادیث کو بعض اکابر نے اپنے رسائل میں جمع بھی فرمایا ہے' قرآن وحدیث کی تصریحات کے باوجود بعض لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا خود بھی کافر ہوئے اور اپنے ماننے والوں کو بھی کفر پر ڈالا۔ مفسر ابن کثیرؒ (جلد ۳ ص ۴۹۴) بہت سی احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: فمن رحمة الله تعالىٰ بالعباد ارسال محمد ﷺ اليهم ثم من تشريفه لهم ختم الانبياء والمرسلين به واكمال الدين الحنيف له وقد اخبر الله تبارك وتعالىٰ فى كتابه ورسوله ﷺ فى السنة المتواترة عنه انه لا نبى بعده ليعلموا ان كل من ادعى هذا المقام بعده فهو كذاب افاك دجال ضال مضل ولو تحرق وشعبذ واتى بانواع السحر والطلاسم والنير نجيات فكلها محال وضلال عند اولى الالباب۔ (یہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے حضرت محمد ﷺ کو ان کی طرف بھیجا پھر حضور ﷺ کی شان ختم نبوت بھی اور آپ پر دین حنیف کی تکمیل بھی بندوں پر رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور حضور ﷺ نے اپنی احادیث میں جو کہ متواتر ہیں خبر دیدی ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے' تا کہ سب پر واضح ہو جائے کہ حضور ﷺ کے بعد جو اس مقام کا دعویٰ کرے گا وہ مکار دجال' جھوٹا ہے خود بھی گمراہ ہے دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے اگر وہ جادوگریوں کے کرشمے دکھائے جو بھی طلسم ونیرنگیاں دکھائے سب عقل مندوں کے نزدیک بے کار وگمراہی ہیں)

خاتم النبیین بھی قراءتِ متواترہ ہے: یاد رہے کہ خاتم النبیین حضرت امام عاصم کوفی کی قرأت میں بفتح التاء ہے اور ان کے علاوہ دیگر قراء کے قراءت بکسر التاء یعنی خاتِم النبیین ہے۔ خاتَم (ت کے زبر کے ساتھ) مہر کے معنی میں آتا ہے اور خاتِم (ت کے زیر کے ساتھ) صیغہ اسم فاعل ہے جس کا معنی ہے ختم کرنے والا' دونوں قراءتوں کا مآل ایک ہی ہے یعنی آخر الانبیاء پس سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ خاتِم النبیّین بھی ہیں یعنی آپ کی تشریف آوری سے سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا' اور خاتَم النبیّین بھی ہیں یعنی آپ کی ذاتِ گرامی کو نبیوں کے لئے مہر بنا دیا گیا' جیسے مہر آخر میں لگائی جاتی ہے اسی طرح آپ ﷺ پر سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا اب آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔

یہ دوسری قرأت جو تا کے زیر کے ساتھ ہے قراءت متواترہ ہے اس کا انکار بھی کفر ہے' ہم نے خصوصیت کے ساتھ یہ

قرأت اس لئے ذکر کی ہے کہ بعض ملحدوں نے خاتم النبیّن (بفتح التاء) کا ترجمہ افضل النبیّن کر کے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے کا انکار کیا۔

گزشتہ صدی میں نصاریٰ کے کہنے سے پنجاب کے ایک آدمی (مرزا قادیانی) نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا نصاریٰ کو اس سے اپنا مقصد نکالنا مقصود تھا' انہوں نے اس جھوٹے نبی سے جہادِ شرعی منسوخ کرنے کا اعلان کرایا اور اُسے اور اس کے ماننے والوں کو دنیاوی لالچ دے کر اپنا ہمنوا بنالیا' دنیا کے طالب اس شخص کی جھوٹی نبوت کا اقرار کرتے چلے گئے اور جب ان کے سامنے آیتِ قرآنیہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ پیش کی گئی تو طرح طرح کی تاویلیں کر کے اس کو رد کر دیا اور آیت کے معانی اور مفاہیم اپنی طرف سے تجویز کر دیئے اور نبوت کی قسمیں بنالیں' حقیقی اور ظلی و بروزی کی تقسیم جاری کر دی تا وقت تحریر ان لوگوں کی جماعت موجود ہے جو یہود و نصاریٰ کی سرپرستی میں پرورش پاتی ہے اور اسلام اور قرآن اور مسلمانوں کی دشمنی میں برابر لگی ہوئی ہے' اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو ان کے شر سے بچائے۔ یہ ایک موٹی سی بات ہے کہ جو شخص قرآن کریم کی کسی آیت کا منکر ہو وہ نبی تو کیا ہوگا ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی نہیں' وہ تو ملحد اور زندیق اور کافر ہے تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ ان ملحدوں اور زندیقوں سے چوکنا رہیں یہ لوگ ایمان کے ڈاکو ہوتے ہیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے) اس میں قرآنی اعلان کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے تنبیہ ہے اور وعید ہے' جو لوگ حضور خاتم النبیین ﷺ کی نبوت کے بعد کسی دوسرے شخص کی نبوت کے قائل ہیں یا اسلام کے خلاف کوئی بھی عقیدہ رکھتے ہیں' ایسے لوگ یوں نہ سمجھیں کہ یہ دنیا ہی سب کچھ ہے اللہ تعالیٰ کو سب کا حال ظاہر و باطن' عقیدہ و عمل معلوم ہیں وہ اس کے مطابق سزا دے گا۔ حقیر دنیا کے لئے کفریہ عقائد اختیار کرنے والے اور کفریہ اعمال اختیار کرنے والے اللہ تعالیٰ کی وعید سے غافل نہ ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی تشریف آوری ختم نبوت کے منافی نہیں:

احادیث صحیحہ کثیرہ متواترہ سے صراحتاً اور آیتِ قرآنیہ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ سے (علی احد القولین) اور آیت وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ سے (علی احد التفسرین) یہ بات ظاہر ہوتی ہے حضرت عیسیٰ قیامت سے پہلے تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل کریں گے' تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اس پر اجماع ہے۔ چونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے تابع ہوں گے اور آپ ﷺ ہی کی شریعت پر عمل کریں گے اور امتِ محمدیہ سے بھی اسی شریعت پر عمل کرائیں گے اور وہ آپ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے ہی نبوت سے سرفراز تھے ایسا نہیں کہ وہ نئی نبوت لے کر آئیں گے بلکہ وہ پہلے ہی سے نبی ہیں جنہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا تھا' دنیا میں آ کر دجال کو قتل کریں گے اور شادی کر کے مسلمانوں کے ساتھ رہ کر وفات پا جائیں گے' اس سے جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا' شریعت محمدیہ میں جزیہ لینا مشروع ہے وہ اسے منسوخ کر دیں گے' اس منسوخ کرنے کی خبر رسول اللہ ﷺ نے پیشگی دے دی ہے لہٰذا یہ بھی آپ ﷺ ہی کا منسوخ کرنا ہوا۔

حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نزولِ عیسیٰ بن مریم آخر الزمان'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے اس میں ''معجم الکبیر للطبرانی'' اور ''کتاب البعث والنشور للبیہقی'' سے حدیث نقل کی ہے اور اس کی سند جید بتائی ہے جس میں اس

بات کی تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی ملت پر ہونگے‘ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: **عن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ یلبث الدجال ماشاء اللہ ثم ینزل عیسیٰ بن مریم مصدقا بمحمد وعلٰی ملتہ امامًا مھدیًا وحکمًا عدلًا فیقتل الدّجال** ۔(حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ چاہے گا دجال رہے گا پھر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اس حال میں کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی تصدیق کریں گے اور آپ ﷺ کی ملت پر ہوں گے ہدایت کے امام ہوں گے حاکم عادل ہوں گے اور پھر آپ دجال کو قتل کر دیں گے)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **وَالَّذِیْ نفسی بیدہٖ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکمًا عدلًا** ۔(الحدیث)(**باب نزول عیسیٰ علیہ السلام** ص۴۹۰)(قسم اس ذات کی جسکے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے عنقریب تم میں ابن مریم حاکم عادل بن کر نازل ہوں گے)

لفظ حکمًا کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ”فتح الباری جلد ۶ ص ۴۹۱“ میں لکھتے ہیں: **والمعنی انہٗ ینزل حاکما بھٰذہ الشریعۃ فان ھذہ الشریعۃ باقیۃ لا تنسخ بل یکون عیسیٰ علیہ السلام حاکمًا وفیہ روایۃ اللیث عن ابن شھاب عند مسلم حکمًا مقسطًا والمدطبرانی من حدیث عبداللہ بن مغفل ینزل عیسیٰ ابن مریم مصدقًا بمحمد علی ملتہ. اھ** (معنی یہ ہے کہ آپ شریعت محمدیہ کے مطابق فیصلے کرنے والے بن کر نازل ہوں گے کیونکہ یہ شریعت باقی ہے منسوخ نہیں ہوسکتی بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی کے مطابق حکومت کریں گے۔ اور اسی بارے میں امام مسلم نے لیث عن ابن شہاب کی روایت لی ہے کہ حاکمًا سے مراد ہے عادل حکمران اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور ﷺ کی تصدیق کرنے والے ہوکر اور آپ کی ملت کے تابع ہوکر نازل ہوں گے)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں: **ای ینزل حاکما بھٰذہ الشریعۃ لا ینزل نبیا برسالۃ مستقلۃ وشریعۃ ناسخۃ بل ھو حاکم من حکام ھٰذہ الامۃ** ۔(صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۷)(یعنی آپ شریعت محمدیہ کے مطابق فیصلے کرنے والے بن کر نازل ہوں گے مستقل نبوت ورسالت اور شریعت محمدیہ کو منسوخ کرنے والی شریعت لیکر نازل نہیں ہوں گے۔ بلکہ وہ اسی امت محمدیہ کے حاکموں میں سے ایک حاکم ہوں گے)

مطلب یہ ہے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور شریعت اسلامیہ محمدیہ کے مطابق ہی فیصلہ دیں گے‘ مستقل نبی نہ ہوں گے اور نہ مستقل شریعت لے کر آئیں گے جو جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت کو منسوخ کر دے‘ وہ اسی اُمت کے حکام میں سے ایک حاکم ہوں گے۔ قادیانی جماعت آیت کریمہ کی تصریح کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہے اور اس وجہ سے بھی کافر ہے کہ انہوں نے خاتم النبیین کے معنی میں تحریف کی ہے اور اس کا معنی افضل النبیین بتایا ہے۔ ان جاہلوں کو معلوم نہیں کہ قراءت میں ایک قراءت تاء کے زیر کے ساتھ بھی ہے اس کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔

قادیانی زندیقوں کا جھوٹ: قادیانیوں نے ختم نبوت کا انکار کرنے کے لئے ایک یہ بات نکالی تھی کہ چونکہ

حضرت مسیح علیہ السلام کے تشریف لانے کی خبر ہے اس لئے نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا اور ہم جسے نبی مانتے ہیں وہی مسیح ہے۔ ان لوگوں کی تردید کے لئے یہی کافی ہے کہ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جگہ جگہ مسیح ابن مریم فرمایا ہے' دنیا جانتی ہے اور قادیانیوں کو بھی اس کا علم ہے کہ مرزا قادیانی کی ماں کا نام مریم نہیں تھا' ملحدوں اور زندیقوں کو قرآن وحدیث ماننا نہیں ہوتا' اپنی تاویلات وتحریفات کے پیچھے چل کر ملعون ہوتے ہیں۔

یہ لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے کا عقیدہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ علیہ پر نبوت ختم نہیں ہوئی۔ ان لوگوں کی اس بات کی تردید حضرات مفسرین کرام اور علماء عظام پہلے ہی کر گئے اور انہوں نے بتادیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستقل رسالت ونبوت کے ساتھ نہیں آئیں گے وہ اسی شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے مطابق عمل کریں گے اور اُمت محمدیہ سے متعلق اسی سے عمل کرائیں گے جبکہ قادیانی جماعت سیدنا محمد رسول اللہ علیہ کے دین وشریعت پر نہیں ہے' اگر آنحضرت علیہ کے دین وشریعت پر ہوتے تو جہاد کو کیوں منسوخ کرتے' جہاد کو منسوخ کرنا ہی تو مرزا قادیانی کا اصل کارنامہ ہے جو اُس نے نبوت کا دعویٰ کرانے والی حکومت برطانیہ کو خوش کرنے کے لئے انجام دیا تھا۔ ارے قادیانیو! شرم کرو' اللہ کے سچے نبی خاتم النبیین علیہ کے سچے اُمتی بنو اور جھوٹے نبی کی نبوت کے اقرار سے توبہ کرکے اپنی جانوں کو دوزخ سے محفوظ کرلو' یہ تمہاری خیرخواہی کے طور پر کہا جارہا ہے۔ واللہ علیٰ ما نقول وکیل۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِيْ
اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کرو خوب کثرت کے ساتھ۔ اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو۔ وہی ہے
يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾
جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے آئے۔ اور وہ ایمان والوں پر رحم فرمانے والا ہے۔
تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَّاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾
جس دن یہ لوگ اس سے ملاقات کریں گے ان کا تحیہ سلام ہوگا اور اس نے ان کے لئے اجر کریم تیار فرمایا ہے۔

ایمان والوں کو ذکر اللہ کی کثرت کرنے کا حکم اور اس بات کی بشارت کہ اللہ اور اُس کے فرشتے مؤمنین پر رحمت بھیجتے ہیں

تفسیر: یہ چار آیات کا ترجمہ ہے پہلی اور دوسری آیت میں اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوب زیادہ ذکر کریں اور صبح وشام اس کی تسبیح بیان کریں۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ صبح وشام تسبیح بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں' اور بعض حضرات نے فرمایا کہ صبح سے دن کو اور شام سے رات کی ابتداء ہوتی ہے اس لئے خصوصیت کے لئے لیل ونہار کے ابتدائی اوقات میں ذکر کرنے کا خصوصی حکم دیا تاکہ لیل ونہار کے باقی اوقات میں بھی

ذکر کے لئے ذہن حاضر رہے اور قلب ولسان ذکر اللہ میں مشغول رہیں۔

ذکر اللہ کے فضائل: درحقیقت ذکر اللہ بہت بڑی عبادت ہے اور ہر وقت اس میں مشغول رہنے کی ضرورت ہے' سورۂ نساء میں فرمایا: فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا ۔سو جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر یعنی لیٹے ہوئے' انسان کی یہی تین حالتیں ہیں اور ان تینوں حالتوں میں اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ درحقیقت ذکر ہی اس عالم کی جان ہے اور اس کے بقاء کا ذریعہ ہے۔صحیح مسلم جلد نمبر ۱ ص ۸۴ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔دوسری عبادتوں کی روح بھی اللہ کا ذکر ہی ہے' سورۂ طٰہٰ میں فرمایا ہے: وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو۔ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور قلب سے بھی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان اور چین وسکون ملتا ہے جیسا کہ سورۂ رعد میں فرمایا: اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ خبردار اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکر کمثل الحیّ والمیّت مثال اُس شخص کی جو اپنے ربّ کو یاد کرتا ہے اور جو یاد نہیں کرتا زندہ اور مردہ کی سی مثال ہے۔(رواہ البخاری) معلوم ہوا کہ کھاتے پیتے رہنا اور دُنیاوی مشاغل میں زندگی گذار لینا یہ کوئی زندگی نہیں ہے' زندہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگے رہتے ہیں جہاں تک ممکن ہو لیٹے بیٹھے اور کھڑے ہوئے اللہ کو یاد کرتے رہیں اور زبان کو ذکر اللہ میں لگائے رہیں۔

ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ جنت والوں کو کسی بھی چیز کی حسرت نہ ہوگی سوائے اس ایک گھڑی کے جو دنیا میں اللہ کی یاد کئے بغیر گذر گئی تھی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی اکرم ﷺ نے کہ چند لوگ کسی جگہ بیٹھے اُنہوں نے اپنی مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو یہ مجلس ان کے لئے نقصان کا سبب ہوگی' پھر اگر اللہ چاہے تو اُن کو عذاب دے اور اگر چاہے تو اُن کی مغفرت فرمادے' اور اگر کوئی شخص کسی جگہ لیٹا اور اس نے لیٹنے میں اللہ کو یاد نہ کیا تو یہ لیٹنا اس کے لئے نقصان کا سبب ہوگا اور جو شخص کسی جگہ چلا اور اس چلنے میں اُس نے اللہ کو یاد نہ کیا تو اللہ کی طرف سے اُس کا یہ چلنا نقصان کا باعث ہوگا۔آنحضرت ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی جگہ بیٹھے جس میں انہوں نے اللہ کو یاد نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو قیامت کے دن اُن کا یہ بیٹھنا حسرت اور افسوس کا باعث ہوگا اگرچہ ثواب کے لئے جنت میں داخل ہوجائیں۔(الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۴۱۰'۴۰۹)

ہوشیار بندے وہی ہیں جو اپنی عمر کی ایک گھڑی بھی ضائع نہیں جانے دیتے' دنیا میں جینے کیلئے جو تھوڑے بہت شغل کی ضرورت ہے' اس میں تھوڑا بہت وقت لگایا اور اس میں بھی اللہ کا ذکر کرتے رہے اس کے بعد سارے وقت کو اللہ ہی کی یاد میں تلاوت میں' تسبیح میں' تہلیل میں' تحمید میں' تکبیر میں' درود شریف میں لگاتے رہتے ہیں لایعنی باتوں میں مشغول ہوکر اپنا وقت ضائع نہیں کرتے اور اپنے دل کا ناس نہیں کھوتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ نہ بولا

کرو کیونکہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ بولنا قساوتِ قلب یعنی دل کی سختی کا سبب ہے اور بلاشبہ لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ دور وہی شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔ (رواہ الترمذی)

اُم المؤمنین حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کا ہر بول اس کے لئے وبال ہے سوائے اس بات کے کہ بھلائی کا حکم کرے یا کسی برائی سے روکے یا اللہ کا ذکر کرے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی یعنی دیہات کا رہنے والا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سوال کیا کہ لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال اچھے ہوں، اس نے عرض کیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کہ تو دنیا سے اس حال میں رخصت ہو کہ تیری زبان اللہ کی یاد میں تر ہو۔ (رواہ الترمذی)

سورۂ طٰہٰ میں فرمایا: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ (نماز قائم کر میرے ذکر کے لئے) نماز سے پہلے اذان بھی ذکر ہے اور اقامت بھی، اذان کا جواب بھی، وضو کی دُعا بھی، فرضوں سے پہلے سنتیں بھی، پھر تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک نمازی برابر ذکر میں مشغول رہتا ہے، کبھی اللہ کی حمد وثناء میں مشغول رہتا ہے، کبھی تکبیر کہتا ہے کبھی قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے، کبھی اللہ کی حمد بیان کرتا ہے، کبھی تنزیہ کلمات ادا کرتا ہے اور اپنے رب کو ہر طرح کے عیب ونقص سے پاک بتاتا ہے اور اس کے بارے میں اپنا عقیدہ ظاہر کرتا ہے اور کبھی دعا مانگتا ہے نمازی کی زبان بھی اللہ کی یاد میں لگی ہوئی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دل بھی اللہ کے ذکر میں مشغول ہے، قلب حاضر ہے، اعضاء متواضع ہیں۔ کبھی قیام میں قراءت پڑھ رہا ہے، کبھی رکوع میں تسبیح ہے، کبھی قومہ میں تحمید ہے، کبھی سجدہ میں گیا جبینِ نیاز زمین پر رکھ دی اور رب تعالیٰ شانہٗ کی تسبیح میں مشغول ہو گیا، بندہ کے پاس اپنا عجز ونیاز اور تذلل اور عبودیت کا عملی اقرار ظاہر کرنے کے لئے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اشرف الاعضاء یعنی اپنے سر کو ارذل العناصر یعنی مٹی پر رکھ دیا اور اپنے رب کریم کے حضور اپنی ذات کو بالکل ذلیل کر کے پیش کر دیا۔ پھر نماز کے بعد سنن ونوافل بھی ذکر ہیں اور نماز کے بعد تسبیحات بھی، درحقیقت پانچوں نمازیں اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف کھینچتی ہیں، مومن کی زندگی سراپا ذکر ہے۔

نماز جمعہ سے فارغ ہو کر بازار میں جانے کی اجازت دی اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم فرمایا، سورۂ جمعہ میں ارشاد فرمایا: فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (پھر جب نماز پوری کر چکو تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کے فضل سے تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ)۔

اللہ تعالیٰ ذاکرین کو یاد فرماتا ہے: سورۂ بقرہ میں فرمایا فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ (سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا) دیکھو کتنی بڑی سعادت ہے کہ فرشِ خاکی کا رہنے والا جس کے اندر خون وغیرہ بھرا ہوا ہے اسے صاحبِ عرش اپنے دربار میں یاد فرمائیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ ہلتے ہیں۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں کہ وہ جب چاہے مجھے یاد کرے سو اگر وہ مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں اسے تنہا یاد کرتا ہوں

اور اگر وہ گروہ مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اس جماعت سے بہتر ہوتی ہے[1] جس میں اس نے مجھے یاد کیا۔ (رواہ البخاری)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس سے کیسی عمدہ بات نقل فرمائی ہے انہوں نے فرمایا: **ان اللہ تعالٰی لم یفرض علٰی عبادہ فریضۃ الاجعل لھا حدًا معلوما ثم وعذر اھلھا فی حال العذر غیر الذکر فانّ اللہ تعالٰی لم یجعل لہٗ حدا ینتھی الیہ ولم یعذر احدا فی ترکہ الا مغلو باعلٰی ترکہ فقال (فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ) باللیل والنھار فی البرّوا لبحزو فی السّفروا لحضر' والغنی والفقر' والسقم والصحۃ، والسّرّوا لعلانیۃ وعلٰی کل حال.** مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں پر جو عبادات فرض فرمائی ہیں ان کی حد مقرر ہے اور اصحاب عذر کو (معافی یا تخفیف کی صورت میں) معذور قرار دیا ہے مگر ذکر اللہ ایسی عبادت ہے کہ اس کی نہ کوئی حد اور تعداد متعین ہے اور نہ کوئی خاص وقت اور زمانہ مقرر ہے نہ اس کے لئے کوئی خاص ہیئت قیام یا نشست کی مقرر فرمائی ہے نہ اس کے لئے طاہر اور باوضو ہونا شرط ہے ہر وقت اور ہر حال میں بکثرت اللہ تعالٰی کا ذکر کرنے کا حکم ہے سفر ہو یا حضر' تندرستی ہو یا بیماری' خشکی میں ہو یا دریا میں' رات ہو یا دن ہر حال میں ذکر اللہ کرتے رہیں' اسی لئے اس کے ترک میں انسان کا کوئی عذر مسموع نہیں بجز اس کے کہ عقل وحواس ہی نہ رہیں اور بے ہوش ہو جائے۔

تیسری آیت میں یہ فرمایا: هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ کہ اللہ تعالٰی تم پر اپنی رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے (تمہارے لئے استغفار کرتے ہیں) اس میں جو لفظ يُصَلِّيْ وارد ہوا ہے اس کی نسبت اللہ تعالٰی کی طرف بھی ہے اور فرشتوں کی طرف بھی حضرات اکابر علماء نے فرمایا ہے کہ صلوٰۃ کی نسبت جو اللہ تعالٰی کی طرف ہے اس سے رحمت مراد ہے یعنی اے مومنو! اللہ تم پر رحمت بھیجتا ہے۔ اور فرشتوں کی طرف جو صلوٰۃ کی نسبت ہے اس سے استغفار مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے فرشتے تمہارے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں (کما فی سورۃ المومن) وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مزید فرمایا لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ کہ تم پر اللہ کی رحمت ہونا اور تمہارے لئے فرشتوں کا استغفار کرنا اس لئے ہے کہ اللہ تمہیں اندھیروں سے روشنیوں کی طرف نکالے یعنی جہالت اور گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت اور یقین کے نور سے منور فرمائے۔ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۔ (اور اللہ مؤمنین پر رحم فرمانے والا ہے) یعنی وہ اہل ایمان پر دنیا میں بھی رحم فرماتا ہے اور آخرت میں بھی رحم فرمائے گا' دنیا میں ایمان کی دولت سے نوازا' کفر سے اور شرک سے اور بدعت سے بچایا' کھانے پینے اور پہننے اور برتنے کے لئے پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں اور آخرت میں انہیں امن وچین' اطمینان اور نجات عطا فرمائے گا اور جنت میں داخل فرمائے گا اور فرشتے

---

[1] **قال الطیبی' المراد ملأمن الملئکۃ المقرّبین وارواح المرسلین فلاد لالۃ علٰی کون الملٰئکۃ افضل والاحسن ان یقال الخیریۃ من جھۃ النزاھۃ والتقدّس والعلوّ وھی لا تنافی الفضلیۃ البشر من جھۃ کثرۃ الثواب. (کذا فی حاشیۃ المشکوٰۃ عن اللمعاف)** (علامہ طیبی فرماتے ہیں اس سے مراد مقرب فرشتوں اور بھیجی ہوئی روحوں کی جماعت ہے۔ یہ بات فرشتوں کے افضل واحسن ہونے کی دلیل نہیں ہے کہ کہا جائے فرشتے اپنی بے خواہشی اور معصومیت وبلندی کی وجہ سے انسان سے افضل وبہتر ہیں کیونکہ انسان کے کثرت ثواب کی وجہ سے یہ چیزیں بشریت کو کم قیمت کرنے والی نہیں ہیں)

بشارت دیتے ہوئے ان سے ملاقات کریں گے۔

چوتھی آیت میں فرمایا تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ (جس دن اللہ سے ملاقات کریں گے ان کا تحیہ سلام ہوگا) یعنی اللہ تعالیٰ کے طرف سے ان پر سلام بھیجا جائے گا۔ کما قال فی سورۃ یٰسٓ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيمٍ ۔ اور فرشتے بھی ان پر داخل ہوں گے اور ان پر سلام پیش کریں گے۔ کما فی سورۃ الرّعد وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے روح قبض ہونے کے وقت کا تحیہ مراد ہے کیونکہ جب فرشتہ مومن بندہ کی روح قبض کرنے کے لئے آتا ہے تو سَلَامٌ عَلَيْكُمْ کہہ کر خطاب کرتا ہے۔ (ذکر فی الرّوح عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا (اور اللہ نے ان کے لئے اجر کریم تیار فرمایا ہے) یعنی ان کے لئے عزت والا ثواب تیار فرمایا ہے۔ مفسر ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اجر کریم سے جنت اور وہاں کی نعمتیں اور ہر طرح کی لذتیں مراد ہیں۔ اول تو جنت کا داخلہ ہی بڑا اعزاز واکرام ہے پھر اس میں جو کچھ پیش کیا جائے گا وہ بھی اعزاز کے ساتھ پیش ہوگا وہاں ہمیشہ مکرم اور معزز ہی رہیں گے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ

اے نبی بے شک ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت دینے والا اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا

وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ۝ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ

اور روشن کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے اور آپ مومنین کو خوشخبری سنا دیجئے کہ بلاشبہ اللہ کی طرف سے ان پر بڑا فضل ہے اور آپ کافروں

وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعْ أَذَاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

اور منافقوں کی بات نہ مانئے اور ان کی ایذاء کو چھوڑیئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے اور اللہ کافی کارساز ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات جمیلہ

تفسیر: یہ چار آیات کا ترجمہ ہے، پہلی دو آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان فرمائی ہیں اور تیسری آیت میں آپ کو بشارت دینے کا حکم دیا ہے اور چوتھی آیت میں کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ ماننے کا اور ان سے جو تکلیفیں پہنچیں ان کی طرف دھیان نہ دینے کا اور اللہ پر بھروسہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

اول تو یوں فرمایا ہے يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا کہ اے نبی ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا ہے، شاہد گواہ کو کہتے ہیں، سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے: وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دیا جو اعتدال والی ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائے) اور سورۂ نساء میں فرمایا فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۔ (سو کیا حال ہوگا

جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ ﷺ کو ان پر گواہ بنائیں گے) اور سورۂ حج میں فرمایا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى (تا کہ رسول تم پر گواہ ہو جائے اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بن جاؤ)۔ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ آپ قیامت کے دن اپنے سے پہلے امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے' سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء کی آیات کے ذیل میں جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس کی مراجعت فرمالیں ۔ (انوار البیان ص ۲۲۶ جلد ۲)

پھر فرمایا وَمُبَشِّرًا کہ آپ کو بشارت دینے والا بنا کر بھیجا' اہلِ ایمان کو ایمان کے منافع اور اعمالِ صالحہ کے اجر و ثواب کی خوشخبری دینا آپ کے کارِ مفوضہ میں شامل ہے۔ وَنَذِيرًا اور آپ کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ جیسا کہ اہل ایمان کو بشارت دینا آپ کے فرائض منصبی میں سے ہے اسی طرح اہلِ کفر اور اہل معصیت کو ڈرانا اور وعیدیں سنانا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے ذمہ کیا گیا ہے۔

عرب وعجم کے لئے' تمام ادیان والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا' سورۂ سباء میں ارشاد فرمایا: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۔ (اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے) رسول اللہ ﷺ نے تمام انسانوں کو اور تمام اہل ادیان کو ایمان قبول کرنے پر آخرت کی بھلائی کی بشارت دی اور ایمان سے منحرف اور منکر ہونے پر آخرت کے عذاب سے باخبر فرمایا' یہود و نصاریٰ بھی اسی میں شامل ہیں جو اپنے پاس دین سماوی ہونے کے مدعی ہیں' سورۂ مائدہ میں فرمایا: يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَن تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آ پہنچے جو کہ تم کو صاف صاف بتلاتے ہیں ایسے وقت میں کہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تا کہ تم یوں نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا سو تمہارے پاس بشیر اور نذیر آ چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں)۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو بشیر اور نذیر کی صفاتِ عظیمہ سے متصف فرمایا ہے اور آپ ﷺ کو شاہد بھی بتایا ہے' توریت شریف میں بھی آپ ﷺ کی یہ صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔

صحیح بخاری جلد ا ص ۲۸۵ میں حضرت عطا بن یسار سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ توریت میں جو رسول اللہ ﷺ کی صفت بیان کی گئی ہے اس سے مجھے باخبر فرمایئے' انہوں نے فرمایا جو آپ کی صفات قرآن شریف میں بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض صفات توریت میں مذکور ہیں۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۔ اے نبی ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ (یہ الفاظ قرآنیہ کا ترجمہ ہے) اور توریت میں مزید یہ باتیں بھی ہیں کہ آپ ﷺ کو امیین یعنی عرب کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا' تو میرا بندہ ہے میں نے تیرا نام متوکل رکھا جو درشت خو اور سخت مزاج نہیں ہے اور بازاروں میں شور مچانے والا نہیں اور جو برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا لیکن معاف کرتا ہے اور بخش دیتا ہے اور اللہ اسے نہیں اٹھائے گا جب تک کہ اس کے ذریعہ کجی والی ملت کو سیدھی نہ کر دے اس طرح سے کہ وہ لوگ لا الہ الا اللہ کہیں گے اور اس کے ذریعے ان کی اندھی آنکھوں کو کھول دے گا اور بہرے کانوں کو اور غلاف چڑھے ہوئے قلوب کو کھول دے گا۔

وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ (اور ہم نے آپ کو اللہ کی طرف بلانے والا بھیجا اللہ کے حکم سے) آپ سارے انسانوں اور سارے جنات کو توحید کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلانے والے ہیں' آپ نے بڑی محنت سے اللہ کی طرف بلایا اور اللہ کا بول بالا کیا اور اسبارے میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ اس میں جو لفظ بِإِذْنِهٖ وارد ہوا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: ای بتسهیله وتیسرهٗ تعالیٰ 'یعنی اللہ تعالیٰ نے دعوت کا کام آپ کے لئے آسان کر دیا' تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے آپ آگے بڑھتے رہے اور آپ ﷺ کے سامنے ہی امت مسلمہ کی بھاری تعداد وجود میں آگئی' دعوت کا کام ہمیشہ جاری رکھا جائے آپ کی امت بھی اس کی مخاطب ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اور تم میں سے ایسی جماعت ہو جو خیر کی طرف بلاتے ہوں اور بھلائی کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں)

آپ ﷺ کی صفات بیان فرماتے ہوئے آیت کے ختم پر وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا بھی فرمایا یعنی ہم نے آپ کو روشن چراغ بنا کر بھیجا' اس چراغ کی وجہ سے لوگ جہالت وگمراہی کی تاریکیوں سے نکلتے ہیں اور انوارِ ہدایت حاصل کرتے ہیں' حضرات اکابر نے فرمایا ہے کہ آپ کو سِرَاجًا مُّنِيْرًا سے تشبیہ دینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے صرف آپ کے زمانے کے انسانوں اور جنات ہی نے روشنی حاصل نہیں کی بلکہ آپ کے بعد بھی یہ روشنی رہے گی اور آپ کے علوم اور اعمال کو پہنچانے والے برابر رہیں گے۔ جس طرح ایک چراغ سے بہت سے چراغ روشن ہو جاتے ہیں پھر ان چراغوں سے دوسرے بہت سے چراغوں کو روشنی ملتی چلی جاتی ہے' اسی طرح آپ کا نور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ملا پھر انہوں نے اسے آگے بڑھایا اور آج تک ہر استاد سے شاگرد تک پہنچ رہا ہے اور آپ ﷺ کے جلائے ہوئے چراغوں سے برابر چراغ روشن ہیں' گو آپ کی روشنی آفتاب کی روشنی سے کہیں زیادہ ہے لیکن چونکہ ہمیشہ سے آفتاب ایک ہی آفتاب ہے پھر اسکی روشنی بھی دائمی نہیں' رات کو اندھیرا ہو جاتا ہے اور اس سے روشنی حاصل کرنا بندوں کے اختیار میں بھی نہیں اس لئے آپ کی ذاتِ گرامی کو سراجِ منیر سے تشبیہ دینا مناسب ہوا' ایک چراغ سے بہت سے چراغ جل سکتے ہیں اور جس وقت چاہیں اس سے روشنی حاصل کر سکتا ہے۔

پھر فرمایا آپ اہلِ ایمان کو خوشخبری سنا دیں ان کے لئے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے' وہ فضل دنیا میں ایمان کی دولت سے اور آخرت میں دخولِ جنت اور وہاں کی نعمتوں سے نوازش فرماتا ہے۔

پھر فرمایا وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ (اور آپ کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے) انہیں گوارا نہیں ہے کہ آپ دعوت الی اللہ کا کام کریں اور جو کام آپ کے سپرد کیا گیا ہے یعنی تبشیر اور انذار' آپ اسے چھوڑ دیں' اس سلسلے میں آپ ان کی کوئی بات نہ مانیں اور کسی طرح کی مسامحت اور مدارات اختیار نہ فرمائیں۔ قال صاحب الروح: نهی عن مداراتهم فی امر الدعوة ولین الجانب فی التبلیغ والمسامحة فی الانذار۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ دعوت وتبلیغ کے معاملہ میں کافروں کی مدارات' اور ان کی رعایت اور چشم پوشی سے منع کیا گیا ہے)

وَدَعْ أَذٰىهُمْ (اور ان کی ایذا کو چھوڑیئے) یعنی ان کی طرف سے جو تکلیفیں آپ کو پہنچی ہیں ان کی پرواہ نہ کیجئے اور ان پر صبر کیجئے۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (اور اللہ پر بھروسہ کیجئے) وہی مدد فرمائے گا۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (اور اللہ کافی کارساز ہے) سب

کچھ اسی کے سپرد کیجئے' وہی نفع کا مالک ہے' دشمنوں کی ایذاؤں سے بھی بچائے گا اور آپ کو خیریت اور عافیت سے بھی رکھے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ

اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر تم انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہاری

فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ۖ فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٤٩﴾

ان پر کوئی عدت نہیں جسے شمار کرو تم ان کو کچھ متاع دے دو اور انہیں خوبی کے ساتھ چھوڑ دو۔

عدّت کے بعض مسائل

تفسیر: شریعت اسلامیہ میں نکاح اور طلاق' ادائے مہر نان نفقہ اور طلاق کے بعد عدت گذارنے کے بہت سے احکام ہیں جو قرآن مجید میں کئی جگہ مذکور ہیں اور فقہاء کرام نے ان کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ نکاح تو بہت مبارک اور مستحسن اقدام ہے اور بعض صورتوں میں واجب بھی ہوتا ہے اور طلاق بھی شریعت اسلامیہ میں مشروع ہے لیکن اسے ابغض المباحات قرار دیا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرلے جس سے نکاح حلال ہو تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے' اب وہ اس کے نکاح سے اُسی وقت نکلے گی جب یہ شخص مر جائے یا طلاق بائن یا مغلظہ دے دے یا طلاقِ رجعی دے کر عدت گذرنے تک رجوع نہ کرے۔

لفظ عِدّت عَدَّ یَعُدُّ کا مصدر ہے جس کا معنی ہے شمار کرنا' چونکہ مطلقہ اور متوفّٰی عنہا زوجہا کو مہینے اور حیض شمار کرنے ہوتے ہیں تاکہ ان کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرسکے' اس لئے دوسرے نکاح کے انتظار کے زمانہ کو عدت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس کسی مرد نے نکاح کر کے جماع کرلیا پھر کسی وجہ سے طلاق دے دی اور عورت ایسی ہے جسے حیض آتا ہے اور حاملہ بھی نہیں ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے اور اگر حیض والی نہیں ہے تو اس کی عدت کی مدت تین مہینے ہے اور جس عورت کو حالت حمل میں طلاق ہو جائے اُس کی عدت وضع حمل پر ختم ہو جائے گی۔ اور جس منکوحہ عورت کا شوہر مر جائے جو حمل والی نہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے شوہر نے اس سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو اور اگر حمل والی ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

اگر کسی عورت سے نکاح کیا اور اس سے جماع کرنے سے پہلے ہی طلاق دے دی تو کوئی عدت واجب نہیں یعنی ایسی عورت طلاق ہونے کے ساتھ ہی کسی دوسرے مرد سے نکاح کرسکتی ہے۔

طلاق دینے والے شوہر کو کوئی حق نہیں کہ اس کو عدت گذارنے کو کہے اور دوسری جگہ نکاح کرنے سے روکے' اور اسے کچھ متاع بھی دے دیں۔ لفظ مَتَاعٌ مال کو کہتے ہیں' صورت مذکورہ میں کتنا مال دینا ہے؟ سورۂ بقرہ میں اس کو بیان فرمایا: وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ یعنی اگر تم انہیں اس سے پہلے طلاق دے دو کہ انہیں ہاتھ لگاؤ' اور حال یہ ہے کہ ان کے لئے مہر مقرر کرچکے ہو تو جو کچھ مقرر کیا ہے اس کا آدھا دے دو' اور اگر ہاتھ لگائے بغیر طلاق دے دی اور مہر مقرر نہیں کیا تھا تو ایک جوڑا کپڑے دینا واجب ہے۔ سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت

سے پہلے جو وَمَتِّعُوهُنَّ فرمایا ہے اس سے یہی مراد ہے، فقہاء کی اصطلاح میں اس جوڑے کو متاع کہتے ہیں۔ یہ جوڑا تین کپڑوں پر مشتمل ہوگا' ایک خوب بڑی چادر جس میں سر سے پاؤں تک لپٹ سکے' دوسرے دوپٹہ تیسرے کرتہ' اور یہ متاع مرد کی حیثیت کے مطابق دیا جائے گا۔ اور اگر کسی عورت سے نکاح کے بعد جماع بھی کر لیا لیکن مہر مقرر نہیں کیا گیا تو اس صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ اگر کسی عورت سے نکاح کیا بھی ہو اور اس کے ساتھ جماع بھی کیا اور پھر طلاق دے دی اور حال یہ ہے کہ مہر بھی مقرر کیا تھا تو اس صورت میں پورا مہر دینا واجب ہوگا۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک جماع اور خلوتِ صحیحہ کا ایک ہی حکم ہے یعنی نکاح شدہ عورت سے خلوتِ صحیحہ ہوگئی تو اس میں بھی عدت واجب ہوگئی اور مقررہ مہر بھی پورا دینا ہوگا۔

قال ابن قدامة في المغني ج ۹ ص ۸۰: ولا خلاف بين اهل العلم في وجوبها على المطلّقة بعد الدخول فاما أن خلابها ولم يصبها ثم طلقها فان مذهب احمد وجوب العدة عليها وروى ذٰلك عن الخلفاء الرّاشدين وزيد وابن عمر وبه قال عروة وعلى بن حسين وعطاء والزهرى والثورى والاوزاعى والاسحٰق واصحاب الرائيو الشافعي في قديم قوليه وقال الشافعي في الجديد لا عدة عليها' لقوله تعالىٰ: (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا) وهٰذا نص' ولا نها مطلقة لم تمس فاشبهت من يخل بها' ولنا اجماع الصحابة روى الامام احمد والاثرم باسنادهما عن زرارة بن اوفى قال قضى الخلفاء الراشدون ان من اوخى سترا اوْا غلق بَابًا فقد وجب المهرووجبت العدة ورواه الاثرم ايضًا عن الاحنف عن عمرو على وعن سعيد بن المسيب عن عمرو زيد بن ثابت' وهٰذه قضايا اشهرت فلم تنكر فصارت اجماعا' وضعف احمد ماروى فى خلاف ذاک. اھ (علامہ ابن قدامہ نے ''المغنی'' میں لکھا ہے کہ دخول کے بعد جس عورت کو طلاق دیدی جائے تو اس کے لئے حق مہر واجب ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے لیکن اگر خاوند نے خلوت تو کی مگر وطی نہیں کی پھر طلاق دیدی تو اس کے بارے میں امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ اس پر عدت واجب ہے اور یہی بات حضرات خلفائے راشدین' حضرت زید اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور عروہ' علی بن حسین' عطاء' زہری' ثوری اور زاعی' اسحاق' رائے والے اور امام شافعی اپنے پرانے قول کے مطابق یہ سب بھی اسی کے قائل ہیں کہ اس پر عدت واجب ہے' امام شافعی کا جدید قول یہ ہے اس پر عدت نہیں ہے اس آیت کی وجہ سے (آیت دیکھ کر لکھ لیں) اور یہ آیت اس بارے میں نص ہے کہ دخول سے پہلے طلاق میں عدت نہیں ہے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ ایسی مطلقہ ہے جس کے ساتھ وطی نہیں ہوئی لہٰذا اس کی خلوت مشتبہ ہوگئی ہے۔ اور ہماری دلیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ امام احمد اور اثرم نے اپنی اپنی سند کے ساتھ حضرت زرارۃ بن اوفی سے نقل کیا ہے کہ خلفائے راشدین کا فیصلہ یہ تھا کہ جس نے پردہ لٹکا لیا یا دروازہ بند کر دیا تو مہر بھی واجب ہے اور عدت بھی اور اثرم نے احنف سے انہوں نے عمر و علی سے اور سعید بن المسیب سے انہوں نے عمر اور زید بن ثابت سے بھی یہی روایت کی ہے اور یہ مشہور فیصلے ہیں ان پر کسی صحابی نے نکیر نہیں کی لہٰذا اجماع ہوگیا اور اس کے خلاف جو مروی ہے امام احمد نے اسے ضعیف قرار دیا ہے)

قال العبد الفقیر: مذھب الجمھور مخالف فی الظاھر الاٰیۃ وھوا لتصریح بعدم وجوب العدۃ اذا طلقھا ولم یمسھا' وکیف ساغ للصحابۃ والتابعین وجمھور الفقھاء ان یختار واخلاف ماصرحت بہ الاٰیۃ الکریمۃ' ھٰذا ماکان یختلج فی قلبی' ثم ان اللہ تعالٰی القی فی روعی ان اللہ تعالٰی انما خاطب الزوج الاول الذی طلقھا انہ لیس لک ان تامرھا بالعدۃ کان لان صلتہ انقطعت عنھا' فاما عدم الاعتداد فی حق الزوج الثانی الذی یرید نکاحھا بعد طلاق الزوج الاوّل وجواز النکاح بعد طلاق مباشرۃ فالآیۃ الکریمۃ ساکتۃ عن ذٰلک' وانما جعل الجمھور الخلوۃ الصحیحۃ مثل المسیس فی ایجاب العدۃ قطعًا للاحتمال فقد یحتمل ان یکون ھاوعد سرًّا مع رجل یرغب فی نکاحھا وتستعجل فی ذٰلک وَتکذب فی انہ لم یمسھا الزوج الاوّل مع وجود المسیس وقد یمکن انہ جامعھا الزوج الاول وعلقت منہ وانکرت المسیس وامر المسیس لا یعلمہ اِلّا ھی والزوج الاوّل' فلو اخذبقولھا واجیز لھا ان تنکح زوجًا اٰخر بغیر اعتداد عدۃ وجامعھا الزوج للثانی بعد نکاحہ یختلط النسب لانہ اذا وُلِدَ وَلَدٌ یظن الزّوج الثانی انہ ولدہ ولد علٰی فراشہ فیکون ذٰلک ادخالًا لی قوم من لیس منھم وھو محترم' فقد روٰی ابو داؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انہ سمع النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لما نزلت اٰیۃ الملاعنۃ ایما امرأۃ ادخلت علٰی قوم من لیس منھم فلیست من اللہ فی شیءٍ ولن یدخلھا اللہ الجنۃ فان قیل انھا کیف تتیقن بالعلوق من الزوج الاوّل؟ قلنا یحتاط فی الانساب مالا یحتاطفی غیرھا فنزل الجماع منزلۃ العلوق' بقی انہ لم خوطب الزوج الاول بانہ لیس لک علیھا عدۃ تعتدھا؟ فوجھہ—واللہ تعالٰی اعلم. (بندہ عاجز کہتا ہے کہ جمہور کا مذہب آیت کے ظاہر کا مخالف نظر آتا ہے آیت میں تو وطی کے بغیر عدت نہ ہونے کی تصریح ہے تو صحابہ تابعین اور جمہور فقہاء نے' آیت کی تصریح کے خلاف کیسے کیا ہے؟ یہ بات میرے دل میں کھٹک رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے' والے پہلے خاوند سے خطاب کر کے فرمایا ہے کہ تو ایسی صورت میں اسے عدت کا حکم نہیں کر سکتا کیونکہ اس خاوند کا تعلق ختم ہو چکا ہے۔ مگر دوسرا خاوند جو اب پہلے کی طلاق کے بعد نکاح کرنا چاہتا ہے اور اس طلاق کے فوراً بعد نکاح کے بارے میں آیت کریمہ خاموش ہے۔ لہٰذا جمہور نے خلوۃ صحیحہ کو عدت کے واجب ہونے کے بارے میں واقعۃً وطی کے قائم مقام قرار دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ پہلے خاوند نے وطی کی ہو مگر یہ عورت دوسرے خاوند کی طرف رغبت کی وجہ سے کہتی ہو کہ وطی نہیں ہوئی جلدی نکاح ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے خاوند کے جماع سے حمل ہو گیا ہو اور جماع کے معاملہ کو یہ عورت جانتی ہے یا پہلا خاوند جس نے طلاق دیدی ہے اور عورت اب اس کو چھپاتی ہے تاکہ جلدی دوسرا نکاح ہو جائے۔ اب اگر عورت کی بات کا اعتبار کیا جائے اور عدت گذارے بغیر دوسرے خاوند سے نکاح کی اجازت دیدی جائے اور نکاح کے بعد دوسرے خاوند نے جماع کر لیا تو نسب خلط ہو جائے گا تو یہ اس عورت کی طرف سے ایک قوم کے نطفہ کو دوسری قوم میں شامل کرنا ہوا ہو جو کہ حرام ہے۔ ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے سنا ہے جب لعان والی آیت اتری تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جس عورت نے کسی اور کا بچہ دوسری

قوم میں داخل کر دیا تو اس عورت کا اللہ کے ہاں کوئی مقام نہیں ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا اگر کوئی کہے کہ پہلے خاوند سے حمل کا یقین کیسے ہوا ہے؟ تو ہم کہتے ہیں نسب کے معاملہ میں دوسرے معاملات سے زیادہ احتیاط کی جاتی ہے لہٰذا یہاں جماع ہی کو طلاق کے قائمقام سمجھا گیا۔ باقی رہی یہ بات کہ جب دوسرے خاوند سے نکاح کیلئے احتیاط اسی میں تھی کہ وہ عورت عدت گذارے تو پھر اللہ تعالیٰ نے پہلے خاوند کو عدت گذروانے کا حکم کیوں نہیں فرمایا؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے)

انه مامور بالسراج الجميل فلا يعترض بشيء لا صلة له به بعد قطع صلة المرءة عن نفسه. والعلم عند الله الكريم. (ہوسکتا ہے یہ وجہ ہو کہ پہلا خاوند تو طلاق کے بعد حسن سلوک کا مامور ہے لہٰذا اب اسے ایسے معاملہ میں رکاوٹ نہیں بننا چاہئے کہ جس کے بارے میں اس کا تعلق عورت سے نہیں رہا کیونکہ وہ خود عورت سے اپنا تعلق کاٹ چکا ہے)

آخر میں فرمایا: وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا (اور انہیں خوبی کے ساتھ چھوڑ دو) یعنی انہیں تنگ نہ کرو اُن کا حق نصف مہر یا متاع خوش دلی کے ساتھ اور کوئی سخت بات نہ کہو اور اس کا حق دے چکے ہو وہ واپس نہ لو۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ
اے نبی ہم نے آپ کے لئے یہ بیویاں حلال کر دیں جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں اور وہ عورتیں بھی حلال کیں جو آپ کی مملوکہ ہیں اُن اموال میں سے
اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ
جو اللہ نے آپ کو مالِ غنیمت میں سے دلوائے اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں
مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً
نے آپ کے ساتھ ہجرت کی اور وہ عورتیں حلال کیں جو بغیر عوض کے اپنی جان نبی کو بخش دیں اگر پیغمبر اُن سے نکاح کرنا چاہیں یہ آپ کے لئے مخصوص
لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ
ہے نہ کہ مؤمنین کے لئے ہم نے جان لیا جو کچھ ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور باندیوں
لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝
کے بارے میں احکام مقرر کئے تا کہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو اور اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

نکاح کے بعض احکام ○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض خصوصیات

تفسیر: حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد عورتوں سے نکاح فرمایا جن کے اسمائے گرامی آیتِ کریمہ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا کے ذیل میں بیان کئے جا چکے ہیں اُن بیویوں

میں اکثر بیویاں مہاجرات تھیں، البتہ صفیہؓ بنت حی بن اخطب یہود خیبر کے قیدیوں میں سے اور حضرت جویریہؓ غزوۂ بنی المصطلق کے قیدیوں میں سے تھیں ان بیویوں کو آیت بالا میں اَلّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ میں بیان فرمایا اور آپ کی بعض سراری یعنی باندیاں بھی تھیں جنہیں وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْکَ میں بیان فرمایا، ان باندیوں میں سے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں جن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور زمانہ رضاعت ہی میں وفات پا گئے۔

آیتِ بالا میں فرمایا کہ اے نبی! ہم نے آپ کے لئے آپ کی بیویاں حلال کر دیں، یہ وہ بیویاں ہیں جنہیں آپ اُن کے مہر ادا کر چکے ہیں، مہر ادا کر دینا ازدواجی تعلقات حلال ہونے کی شرط نہیں لیکن جتنا جلدی ادا کر سکے وہ بہتر ہے خاص کر مہر معجّل تو ازدواجی تعلق قائم کرنے سے پہلے ہی دے دیں۔ **قال صاحب الروح، وتقييد الا حلال له باطائها معجلة ليس لتوقف الحل عليه بل لا يثار الافضل له صلى الله عليه وسلم فان فى التعجيل براءة الذمة وطيب النفس ولذا كان سنة السلف لا يعرف منهم غيره.** (تفسیر روح المعانی والے فرماتے ہیں کہ عورتوں کے حلال کرنے کو مہر جلدی ادا کرنے کے ساتھ مقید کرنا اس لئے نہیں ہے کہ عورت کا حلال ہونا ادائیگی مہر پر موقوف ہے نہیں بلکہ یہ اس لئے کہا کہ حضور ﷺ کے لئے افضل صورت کو پسند کیا گیا ہے کیونکہ جلدی مہر ادا کرنے میں ذمہ داری سے براءت ہے اور دل کی پاکیزگی ہے اسی لئے اسلاف کا طریقہ ایسا تھا کہ دوسرے اس سے قاصر ہیں)

ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہم نے آپ کے لئے آپ کے چچا کی لڑکیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی لڑکیاں اور آپ کے ماموں کی لڑکیاں اور آپ کی خالاؤں کی لڑکیاں حلال کر دیں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی، اس مضمون کو وَبَنٰتِ عَمِّکَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِکَ وَبَنٰتِ خَالِکَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِکَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَکَ بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے ان رشتہ داروں کی بیٹیوں کو حلال تو فرما دیا لیکن ان میں سے آپ کے نکاح میں صرف حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا آئیں جو آپ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں، چچا کی بیٹیوں میں سے آپ ﷺ کے نکاح میں کوئی بی بی نہیں آئیں، ان میں سے حضرت اُمِ ہانیؓ بھی تھیں جو آپ کے چچا ابو طالب کی بیٹی اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، آپ نے مکہ معظمہ میں ان کو نکاح کا پیغام دیا تھا اُس وقت انہوں نے عذر پیش کر دیا، وہ فرماتی ہیں کہ جب آیت بالا نازل ہوئی تو میں آپ کے لئے حلال نہ تھی کیونکہ میں ہجرت کرنے والی عورتوں میں سے نہ تھی۔ (رواہ الترمذی)

حضرت اُمِ ہانیؓ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئی تھیں اور ان عورتوں میں سے نہ تھیں جنہوں نے پہلے سے اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ کسی عورت کا مہاجرہ ہونا حلت کی شرط نہیں تھی، حضرت اُمِ ہانی رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا کہ میں آیت بالا نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ کیلئے حلال نہ تھی کیونکہ میں مہاجرات میں سے نہ تھی، یہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے فرمایا لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ہجرت کو شرط حلت قرار دیا۔ (**كما رواه الترمذى فى تفسير الآية الكريمه**)

اور اَلّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَکَ بطور تغلیب ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ مدینہ منورہ ہی کی تھیں لہٰذا ان کے بھائیوں اور بہنوں کے ہجرت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، پھر سیرت کی کتابوں سے آپ ﷺ کے ماموں اور

خالاؤں کی بیٹیوں اور ان کی اولاد کا واضح پتہ نہیں چلتا۔ گو صاحب روح المعانی نے رجال اور سیر کی کتابوں سے تلاش کر کے بعض ماموؤں اور خالاؤں کا ذکر کیا ہے لیکن ان میں سے کسی کی بیٹی سے آنحضرت ﷺ کا نکاح نہیں ہوا اور ہر حال میں آیت کے مضمون پر کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ آیت میں تو چچا اور پھوپھی اور ماموں اور خالہ کی بیٹیوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے کوئی امر وجوبی نہیں ہے اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کو خطاب فرما کر آپ کی اُمت کو بتایا گیا ہے کہ تمہارے لئے چچا' پھوپھی' خالہ اور ماموں کی لڑکیوں سے نکاح کرنا درست ہے جیسا کہ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ میں مسلمانوں کو بھی طلاق دینے کا سنت طریقہ بتایا ہے بظاہر خطاب آپ ﷺ کو ہے۔

پھر فرمایا: وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (اور وہ عورت حلال کی جو بغیر عوض کے اپنی جان نبی کو بخش دے اگر پیغمبر اس سے نکاح کرنا چاہے نہ کہ مؤمنین کے لئے) اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر کوئی مسلمان عورت رسول اللہ ﷺ کو اپنا نفس ہبہ کردے یعنی بغیر مہر کے آپ سے نکاح کرنا چاہیں اور آپ اس سے نکاح کا ارادہ کریں تو آپ کے لئے یہ نکاح حلال ہے اور یہ خاص آپ ﷺ کے لئے ہے دوسرے مؤمنین کے لئے نہیں اگر کوئی دوسرا مسلمان کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے اور عورت یوں کہہ دے کہ میں مہر نہیں لوں گی تب بھی مہر دینا ہوگا اور مہر مثل کے بقدر ہوگا۔

آیت کریمہ میں جواز نکاح کا ذکر ہے یعنی یہ فرمایا ہے کہ نبی کے لئے ایسی عورت سے نکاح کرنا حلال ہے جو بغیر مہر کے نکاح کرنے پر راضی ہو جائے' لیکن علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا ایسا کوئی واقعہ پیش آیا بھی تھا یا نہیں یعنی کیا آپ نے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جس نے اپنے نفس کو بطور ہبہ پیش کیا ہو اور آپ نے نکاح فرمالیا ہو ایسی صورت پیش آئی تھی یا نہیں؟ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لئے جائز ہونے کا اعلان ہے لیکن ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا' دوسرا فریق کہتا ہے کہ ایسے واقعات پیش آئے تھے بعض عورتوں کو آپ نے اپنے نکاح میں قبول فرمالیا اور بعض کو قبول فرمانے سے انکار فرمادیا۔ بعض حضرات نے میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام بھی اس سلسلہ میں ذکر کیا ہے اور بعض حضرات نے زینب بنت خزیمہؓ کا نام بھی لیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے ان کے علاوہ دوسرے نام بھی لکھے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی ایسی عورت نہیں تھی جس نے اپنے نفس کو ہبہ کیا ہو۔

لفظ امْرَاَةً کے ساتھ جو لفظ مُّؤْمِنَةً کا اضافہ فرمایا ہے اس سے حضرات مفسرین کرام نے یہ استنباط کیا ہے کہ کتابی عورتوں سے نبی اکرم ﷺ کو نکاح کرنا جائز نہیں تھا گو دیگر مسلمانوں کے لئے یہودیہ اور نصرانیہ سے نکاح کرنا جائز ہے (گو بہتر نہیں ہے) اور اگر ان کے میل جول سے اپنے ایمان اور اعمال اسلام میں رخنہ پڑنے کا اندیشہ ہو تو بقدر خطر کراہت میں شدت آجائے گی۔

پھر فرمایا: قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ (ہم نے جان لیا جو کچھ ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور باندیوں کے بارے میں احکام مقرر کیے) یعنی آپ کے علاوہ باقی مؤمنین کے لئے جو احکام ہم نے مقرر کئے ہیں وہ ہم جانتے ہیں' آپ کے ساتھ جو خصوصی احکام ہیں وہ ان میں شریک نہیں ہیں' مثلاً عام مسلمانوں کا نکاح بطور ہبہ

یعنی بغیر مہر کے نہیں ہوسکتا اور کتابی عورتوں سے انہیں نکاح کرنا جائز ہے اسی طرح سے جومملوکہ باندیاں ہیں ان سے عام مؤمنین کا نکاح درست ہے۔

لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ (یعنی اوپر جو آپ کے لئے خصوصی احکام بیان کئے گئے یہ اس لئے ہیں کہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا تعلق ان وھبت نفسھا سے ہے' مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو بلامہر ہبہ کرنے والی عورت سے نکاح کرنا آپ کے لئے جائز قرار دیا' یہ اس لئے ہے کہ آپ پر کوئی تنگی نہ ہو۔ اور بعض حضرات نے جملہ احکامِ مذکورہ سے متعلق کیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اوپر جو احکام بیان ہوئے یہ اس لئے مشروع کئے گئے کہ آپ تنگی میں نہ پڑیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (اور اللہ غفور ہے رحیم ہے) اس کی مغفرت اور رحمت بہت بڑی ہے۔

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ

آپ ان میں سے جسے چاہیں اپنے سے دور رکھیں اور جسے چاہیں اپنے نزدیک ٹھکانہ دیں اور جسے آپ دور کردیں اُسے طلب کریں

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ

تو اس بارے میں آپ پر کوئی گناہ نہیں یہ اس بات سے قریب تر ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور جو کچھ آپ

كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾

ان کو دیں وہ سب اس پر راضی رہیں اور اللہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ جاننے والا ہے حلم والا ہے۔

ازواج مطہرات علیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آپ کو اختیار ہے کہ جسے چاہیں اپنے پاس رکھیں اور جسے چاہیں دور کردیں

تفسیر: آیت بالا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے اور یہ فرمایا ہے کہ آپ کے نکاح میں جو عورتیں ہیں اُن میں باری مقرر کرنے یا نہ کرنے کا آپ کو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں باری دینے میں شامل فرمادیں اور جس کو چاہیں شامل نہ فرمائیں یعنی ازواج کے درمیان باری تقسیم کرنا آپ پر واجب نہیں ہے جیسا کہ اُمت کے افراد پر واجب ہے' اگر آپ نے کسی کو باری میں شمار نہیں فرمایا اور اس کے بعد پھر اس کے لئے باری مقرر کرنا چاہیں تو پھر سے باری میں شامل فرماسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو مذکورہ بالا اختیار دے دیا اور آپ کی ازواج کو یہ معلوم ہوگیا کہ آپ کے ذمہ باری مقرر کرنا واجب نہیں ہے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آپ جو کچھ انہیں مال عطا فرمائیں گے وہ بھی محض تبرع ہوگا۔ تو یہ سب باتیں جانتے ہوئے اگر ان میں سے کسی کو مال نہ ملا یا باری میں شمار نہیں کی گئیں تو اس سے رنجیدہ نہ ہوں گی اور جو کچھ ملے گا اس سے راضی رہیں گی اور اس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی۔ اور بعض حضرات نے اٰتَيْتَهُنَّ سے مال مراد نہیں

لیا بلکہ ان کے درمیان باری مقرر کرنا اور باری کا چھوڑ دینا مرادلیا ہے۔ قال صاحب الرّوح (ج ۲۲ ص ۶۳) أی تفویض الامر الٰی مشیئتک اقرب الٰی قرۃ عیونھنّ وسرورھن ورضاھنّ جمیعا لانه حکم کلھن فیه سواء ثم ان سویت بینھنّ وجدن ذٰلک تفضلًا منک وان رجحت بعضھن علمن انه بحکم اللہ تعالٰی فتطمئن به نفوسھن' وروی ھٰذا عن قتادۃ والمراد بما اٰتَیْتَهُنَّ علیه ما صنعت معھنّ فیتناول ترک المضاجعۃ والقسم۔ (تفسیر روح المعانی کے مصنفؒ فرماتے ہیں یعنی معاملہ کا آپ کے سپرد ہونا ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اوران کی خوشی ورضا کے زیادہ قریب ہے کیونکہ اس میں سب کا حکم برابر ہے۔ پھر اگر آپ ان میں برابری کریں گے تو وہ آپ کی طرف سے احسان سمجھیں گی۔ اوراگر آپ ان میں سے کسی کو ترجیح دیں گے تو وہ یہی سمجھیں گی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اوران کے دل مطمئن رہیں گے۔ اور یہ قتادہ سے مروی ہے۔ اور بما اٰتَیْتَهُنَّ سے مراد ہے وہ معاملہ وسلوک جو آپ ان سے کریں گے پس یہ ساتھ لیٹنے کے ترک اور باری کی تقسیم کو شامل ہے)

وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کے ازواجِ مطہراتؓ کو خطاب ہے (جو علیٰ سبیل التغلیب ہے) اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کے قلب مبارک میں بعض ازواج کی طرف میلان ڈالا اور ازواجِ مطہراتؓ کے بارے میں جو حکم نازل ہوا جسے انہوں نے خوشی کے ساتھ قبول کیا اللہ تعالیٰ کو اس سب کا علم ہے باوجودیکہ رسول اللہ ﷺ کو یہ اجازت تھی کہ جسے دور رکھیں اور جسے چاہیں قریب رکھیں پھر بھی آپ تقسیم میں برابری فرماتے تھے اور غیر اختیاری رُجحان جو کسی کی طرف تھا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض کیا: **اللّٰھم ھٰذا قَسْمِیْ فیما اَملک فلا تَلُمنی فیما تملک ولا املک** اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جو میرے اختیار میں ہے لہٰذا آپ اس پر ملامت نہ فرمایئے جو کہ آپ کے اختیار میں ہے (یعنی قلبی میلان) اور جو میرے اختیار میں نہیں ہے۔ (رواہ الترمذی)

رسول اللہ ﷺ تمام بیویوں کے لئے باری مقرر کرتے تھے اور برابری فرماتے تھے البتہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی لہٰذا آپ ﷺ ان کی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیتے تھے اور سفر میں میں تشریف لے جاتے تھے تو قرعہ ڈالتے تھے اس طرح آپ سب کی دلداری فرماتے تھے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا ۔ اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے اُسے سب کچھ معلوم ہے اور حلیم بھی ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اُسے سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتا۔

لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ

اس کے بعد آپ کے لئے عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ یہ بات حلال ہے کہ آپ ان بیویوں کے بدلہ دوسری بیویوں سے نکاح کریں

حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا ﴿۵۲﴾

اگرچہ آپ کو ان کا حسن بھلا معلوم ہو مگر جو آپ کی مملوکہ ہو اور اللہ ہر چیز کا نگران ہے

اس کے بعد آپ کے لئے عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ آپ ان بیویوں کے بدلے دوسری عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں

تفسیر: اس آیت کا مطلب ظاہری الفاظ اور سباق کے اعتبار سے یہ ہے کہ اس وقت (اس آیت کے نزول کے وقت) جو آپ کے نکاح میں عورتیں ہیں آپ انہیں کو اپنے نکاح میں رکھیں ان کے علاوہ کسی عورت سے آپ کو نکاح کرنا حلال نہیں ہے اور اس کی بھی اجازت نہیں ہے کہ ان میں سے کسی عورت کو طلاق دے کر اس کی جگہ کسی اور عورت سے نکاح کر لیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور دیگر ائمہ تفسیر سے آیت بالا کی یہ تفسیر منقول ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی ازواجِ مطہراتؓ کو اختیار دے دیا کہ چاہو تو دُنیا لے لو اور چاہو تو میرے پاس رہو (جس کا ذکر آیت کریمہ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ) میں گذر چکا ہے اور آپ ﷺ کی ازواج مطہراتؓ نے نفقہ کا مطالبہ چھوڑ کر آپ ہی کی زوجیت میں رہنا پسند کر لیا تو اللہ جل شانہٗ نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ اپنے نبی ﷺ کی ذاتِ گرامی کو بھی انہیں بیویوں کے لئے مخصوص فرما دیا جو اُس وقت آپ ﷺ کے نکاح میں تھیں جن کی تعداد نو تھی اُن کے سوا کسی سے آپ کے لئے نکاح جائز نہیں رکھا گیا۔ صاحب روح المعانی نے سننِ بیہقی سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے پھر حضرت ابنِ عباسؓ سے بھی یہی بات نقل کی ہے (جسـه اللہ تـعـالـیٰ علیهن کما جسهنّ علیه علیه الصلوٰۃ والسّلام) جب انہوں نے آپ ﷺ کی زوجیت میں رہنے کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جذبہ کی قدر دانی فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کو حکم دے دیا کہ اُنکے نکاح میں ہوتے ہوئے یا ان میں سے کسی کو چھوڑ کر ان کے بدلہ میں کسی دوسری عورت سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے، ساتھ ہی وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ بھی فرما دیا یعنی ان کے علاوہ کسی عورت سے نکاح کرنا آپ کے لئے اب حلال نہیں ہے اگرچہ کسی عورت کا حسن آپ کو پسند آ جائے۔

بعض حضرات نے آیت بالا کی دوسری تفسیر کی ہے وہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ شروع آیت میں آپ کے لئے عورتوں کی جتنی اقسام حلال کی ہیں ان کے بعد یعنی ان کے علاوہ کسی اور قسم کی عورتوں سے آپ کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے، اپنے خاندان کی عورتوں میں سے آپ ﷺ کے لئے صرف وہ عورتیں حلال کی گئیں جو مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئی تھیں غیر مہاجرات سے آپ کا نکاح حلال نہیں رکھا گیا۔ اسی طرح غیر مومنہ یعنی اہل کتاب کی عورتوں سے آپ ﷺ کا نکاح جائز نہیں رکھا گیا۔ اور مِنْۢ بَعْدُ کا مطلب یہ ہوا کہ جتنی قسمیں آپ کے لئے حلال کر دی گئیں آپ انہیں میں سے کسی عورت سے نکاح کر سکتے ہیں، اگر یہ مطلب لیا جائے تو یہ کسی نئے حکم کا اعادہ نہیں ہے بلکہ پہلے حکم ہی کی تاکید اور توضیح ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کے نکاح میں جو موجودہ نو عورتیں ہیں ان کے علاوہ کسی اور سے نکاح درست نہیں، اگر پہلی تفسیر مراد لی جائے تب بھی اس حکم کو منسوخ مانا گیا ہے۔ اُمّ المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ آپ کا وصال ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے دیگر خواتین سے نکاح کی اجازت دے دی تھی۔ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الاحزاب)

سرور دو عالم علیہ وسلم ﷺ کے لئے کثرتِ ازواج کی حکمت اور مصلحت

یہود اور نصاریٰ اور دیگر مشرک اقوام جنہیں اسلام اور داعی اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے دشمنی ہے اسلام کا مقابلہ کرنے میں دلائل سے عاجز ہیں۔ عقائد اسلامیہ اور اعمال اسلامیہ کی خوبی پر اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے خلاف کوئی معقول اعتراض نہ کر سکے لیکن ان کے اکابر نے اپنے عوام کو اسلام سے دور رکھنے اور خود بھی دور رہنے کے لئے دو چار ایسے نامعقول قسم کے اعتراضات تراش لئے جو ان کے خیال میں بہت وزنی ہیں۔ اُن اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے بہت سی شادیاں کی تھیں اور آپ کے نکاح میں بہت سی بیویاں تھیں۔ درحقیقت سب سے پہلے بنیادی بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے دلائل اور آپ کے معجزات کو دیکھنا چاہئے جن میں سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم نے چیلنج کیا ہے کہ قرآن جیسی کوئی سورت بنا کر لاؤ اگر تم سچے ہو! آج جبکہ قرآن کے اس چیلنج کو ڈیڑھ ہزار سال کے قریب ہو رہے ہیں کوئی فرد یا جماعت اس کی مثل بنا کر نہیں لا سکی اور لا بھی نہیں سکتے کیونکہ قرآن نے ساتھ ہی وَلَنْ تَفْعَلُوْا بھی فرما دیا ہے۔ جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے کامل اور جامع دین پیش کیا۔ انسانی زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی حالات کے قوانین بتائے آداب بھی بتلائے اور اخلاق بھی سکھائے جبکہ آپ ﷺ نے کسی سے کچھ بھی نہیں پڑھا تھا کیا یہ سب چیزیں اس بات کی دلیل نہیں ہیں کہ واقعی آپ ﷺ اللہ کے رسول اور نبی ہیں۔ **لکن الناس یعاندون الحق۔**

جب دلیل سے ثابت ہو گیا کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ واقعی اور بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نبی ہیں تو آپ کی ہر بات اور ہر عمل صحیح ہے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے موافق ہے بندوں کے لئے قانون وضع فرمانے والا اور احکام بھیجنے والا اور بعض کو بعض احکام سے مستثنیٰ فرمانے والا وہی ہے۔ چونکہ وہ خالق اور مالک ہے اور سارے بندے اُسی کی مخلوق ہیں اس لئے اُسے اختیار ہے کہ جو احکام نافذ فرمائے اور جسے جس عمل کی اجازت دے دے جو دوسروں کے لئے نہ ہو۔

انہی امور میں سے رسول اللہ ﷺ کے لئے کثرتِ ازواج کا حلال ہونا بھی ہے عام مؤمنین کو بشرطِ عدل چار بیویوں کی اجازت ہے اور آپ ﷺ کے لئے اس سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت دیدی ہے۔

پھر یوں فرما دیا لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ (اس کے بعد آپ ﷺ کے لئے عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ یہ حلال ہے کہ آپ ان کے بدلہ دوسری بیویاں حاصل کر لیں اگرچہ آپ کو ان کا حسن بھاتا ہو الا یہ کہ کوئی آپ کی باندی ہو)

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اگر آپ بالفرض اللہ کے نبی نہیں تھے اور زیادہ بیویاں رکھنا محض نفسانی خواہشات کیلئے تھا تو آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ مجھ پر آیت کریمہ لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ نازل ہوئی ہے اور مجھے اب آئندہ نکاح کرنے سے منع فرما دیا ہے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جو شخص نفس ہی کا پابند ہو گا وہ اپنے اوپر ایسی پابندی کیوں لگائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ آپ کے چچا حمزہؓ کی فلاں لڑکی بہت خوبصورت ہے اُس سے نکاح فرما لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا حمزہؓ میرے رضاعی بھائی ہیں اُن کی لڑکی سے میرا نکاح حلال نہیں ہے اسی طرح بعض ازواج

نے اپنی بہن سے نکاح کرنے کی گذارش کی جسے آپ ﷺ نے نامنظور فرمادیا۔ ظاہر ہے کہ جس کو شہوت رانی سے مطلب ہو وہ قاعدہ قانون اور حرام وحلال کی پرواہ نہیں کرتا خصوصاً جبکہ جو کچھ اس کی زبان سے نکل جاتا ہو اس کے معتقدین کے نزدیک وہی قانون بن جاتا ہو۔ پھر یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب آپ کے فرمانبردار ہی نہیں بلکہ جان نثار بھی تھے اگر آپ ﷺ چاہتے تو بہت سی کنواری لڑکیوں سے نکاح ہوسکتا تھا لیکن آپ کے نکاح میں صرف ایک بیوی ایسی تھی جس سے کنوار پن میں نکاح ہوا یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' ان سے نکاح کرنے سے اُمت کے لئے بہت احکام مشروع ہوگئے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بڑی عمر والے شخص کا کم عمر لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر مستقل باب قائم کیا ہے' پھر یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ سسرال ہی میں میاں بیوی کا میل ہوسکتا ہے اور دن میں بھی ہوسکتا ہے۔ روایات حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف لائے اور وہیں تنہائی اور یکجائی کا موقع دے دیا گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے احکام ثابت ہوئے' آپ ﷺ قول سے بھی تعلیم دیتے تھے اور عمل سے بھی' آپ ﷺ اُمت کی رہبری نہ فرماتے تو کون بتانے والا تھا جبکہ سب کو آپ ہی کے اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نو سال آپ کے ساتھ رہیں' اس نو سال کے عرصہ میں انہوں نے بڑی بھاری تعداد میں روایاتِ قولیہ اور فعلیہ کو محفوظ کیا اور پھر آپ ﷺ کی وفات کے بعد اڑتالیس سال تک ان کی تبلیغ فرمائی بڑی بھاری تعداد میں حضرات تابعینؒ نے آپ سے علم حاصل کیا' آپ سے جو روایات مروی ہیں ان کی تعداد ۲۲ سو سے زیادہ ہے' ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتی تھیں منٰی میں جو آپ کا خیمہ ہوتا تھا وہ ایک بہت بڑا مرکزی دار العلوم بن جاتا تھا' ہمیشہ سے پوری امت مسلمہ آپ کی روایت کردہ قولی اور فعلی احادیث سے مستفید ہورہی ہے اور ہوتی رہے گی۔ تعداد ازواج کی وجہ سے تعلیمی اور تبلیغی فوائد جو اُمت کو حاصل ہوئے اور جو احکام اُمت تک پہنچے اس کی جزئیات اس قدر کثیر تعداد میں ہیں کہ ان کا احصاء دشوار ہے کتب احادیث اس پر شاہد ہیں' البتہ بعض دیگر فوائد کی طرف یہاں ہم اشارہ کرتے ہیں۔

انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کی رہبری کی ضرورت نہ ہو' نماز باجماعت سے لے کر بیویوں کے تعلقات' آل واولاد کی پرورش اور پاخانہ و پیشاب اور طہارت تک کے بارے میں آپ ﷺ کی قولی اور فعلی ہدایات سے کتبِ حدیث بھرپور ہیں' اندرونِ خانہ کیا کیا کام کیا' بیویوں سے کیسے میل جول رکھا' اور گھر میں آکر مسائل پوچھنے والی خواتین کو کیا کیا جواب دیا۔ اس طرح کے سینکڑوں مسائل ہیں جن سے ازواجِ مطہراتؓ کے ذریعہ ہی اُمت کو راہنمائی ملی ہے' تعلیم وتبلیغ کی دینی ضرورت کے پیش نظر حضور اقدس ﷺ کے لئے کثرتِ ازواج ایک ضروری امر تھا۔

حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابوسلمہؓ کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے اُن سے نکاح کرلیا تھا' وہ اپنے سابق شوہر کے بچوں کے ساتھ آپ ﷺ کے گھر تشریف لائیں' ان کے بچوں کی آپ ﷺ نے پرورش کی اور اپنے عمل سے بتادیا کہ کس پیار ومحبت سے سوتیلی اولاد کی پرورش کرنی چاہئے۔ آپ ﷺ کی بیویوں میں صرف یہی ایک بیوی ہیں جو بچوں کے ساتھ آئیں اگر کوئی بھی بیوی اس طرح کی نہ ہوتی تو عملی طور پر سوتیلی اولاد کی پرورش کی تعلیم کا خانہ خالی رہ جاتا اور اُمت کو اس سلسلے میں کوئی ہدایت نہ ملتی۔ ان کے بیٹے حضرت عمر بن ابی سلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی گود

میں پرورش پاتا تھا۔ ایک بار آپ ﷺ کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے پیالہ میں ہر جگہ ہاتھ ڈال رہا تھا آپ ﷺ نے فرمایا سَمِّ اللّٰهَ وَ كُلْ بِيَمِيْنِكَ وَ كُلْ مِمَّا يَلِيْكَ۔ (اللہ کا نام لے کر کھا اپنے ہاتھ سے کھا اور سامنے سے کھا) بخاری و مسلم

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرویات کی تعداد تین سو اٹھتر تک پہنچی ہوئی ہے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ایک جہاد میں قید ہو کر آئی تھی، دوسرے قیدیوں کی طرح یہ بھی تقسیم میں آ گئیں، اور ثابت بن قیس یا ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں ان کو لگا دیا گیا، لیکن انہوں نے اپنے آقا سے اس طرح معاملہ کر لیا کہ اتنا اتنا مال تم کو دوں گی مجھے آزاد کر دو، یہ معاملہ کر کے حضور ﷺ کے پاس آئیں اور مالی امداد کی درخواست کی، آپ ﷺ نے فرمایا اس سے بہتر تمہیں بات نہ بتادوں؟ وہ یہ کہ میں تمہاری طرف سے مال ادا کر دوں اور تم سے نکاح کر لوں، انہوں نے بخوشی منظور کر لیا، آپ ﷺ نے ان کی طرف سے مال ادا کر کے نکاح فرما لیا، ان کی قوم کے سینکڑوں افراد حضرات صحابہؓ کی ملکیت میں آ چکے تھے کیونکہ وہ سب لوگ قیدی ہو کر آئے تھے، جب صحابہؓ کو پتہ چلا کہ جویریہؓ آپ ﷺ کے نکاح میں آ گئی ہیں تو آنحضرت ﷺ کے احترام کے پیش نظر سب نے اپنے اپنے غلام باندی آزاد کر دیئے۔ سبحان اللہ! حضرات صحابہ کرامؓ کے ادب کی کیا شان تھی، اس جذبہ کے پیش نظر کہ یہ لوگ اب سرکار دو عالم ﷺ کے سسرال والے ہو گئے ہیں ان کو غلام بنا کر کیسے رکھیں، سب کو آزاد کر دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس واقعہ کے متعلق فرماتی ہیں: **فلقد اعتق بتزوجہ ایّاھا مائۃ اھلِ بیت من بنی المصطلق فما اعلم امرأۃ اعظم برکۃ علٰی قومھا منھا الاستیعاب والاصابہ.** (آنحضرت ﷺ کے جویریہؓ سے نکاح کر لینے سے بنوالمصطلق کے سوگھرانے آزاد ہوئے، میں نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو جویریہؓ سے بڑھ کر اپنی قوم کے لئے بڑی برکت والی ثابت ہوئی ہو)

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے ساتھ ابتداء اسلام ہی میں مکہ میں اسلام قبول کیا تھا اور پھر دونوں میاں بیوی ہجرت کر کے قافلے کے دوسرے افراد کے ساتھ حبشہ چلے گئے وہاں ان کا شوہر نصرانی ہو گیا اور چند دن کے بعد مر گیا، آنحضرت ﷺ نے شاہِ حبشہ نجاشی کے واسطہ سے ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا جسے انہوں نے قبول کر لیا اور وہیں حبشہ میں نجاشی ہی نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا، دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور حضرت ابوسفیانؓ اس وقت اُس گروہ کے سرخیل تھے جس نے اسلام دشمنی کو اپنا سب سے بڑا مقصد قرار دیا تھا اور وہ مسلمانوں کو اور پیغمبر خدا ﷺ کو اذیت دینے سے باز نہیں آتے تھے اور انہیں فنا کے گھاٹ اتار دینے کی فکر میں رہتے تھے، جب اُن کو اس نکاح کی اطلاع ہوئی تو بلا اختیار اُن کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: هُوَ الْفَحْلُ لَا يُجْدَعُ اَنْفُهٗ (یعنی محمد ﷺ جوان مرد ہیں ان کی ناک نہیں کاٹی جا سکتی) مطلب یہ کہ وہ بلند ناک والے معزز ہیں ان کو ذلیل کرنا آسان نہیں، ادھر تو ہم ان کو ذلیل کرنے کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں اور اُدھر ہماری لڑکی ان کے نکاح میں چلی گئی۔

غرض اس نکاح سے کفر کے ایک قائد کے حوصلے پست ہو گئے اور اس نکاح کی وجہ سے جو سیاسی فائدہ اسلام اور مسلمانوں کو پہنچا اُس کی اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ خدا کے مُدبّر اور حکیم رسول (ﷺ) نے اس فائدہ کو ضرور پیش نظر رکھا ہو گا۔

اور اس کثرتِ ازواج کی حقیقت بھی سن لیجئے کہ کس طرح وجود میں آئی پچیس سال کی عمر سے لے کر پچاس سال کی عمر شریف ہونے تک تنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی زوجہ رہیں' انکی وفات کے بعد حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا لیکن صغرسنی کی وجہ سے حضرت عائشہؓ اپنے والد کے گھر ہی رہیں' پھر چند سال کے بعد ۲ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عائشہؓ کی رخصتی عمل میں آئی' اُس وقت آپ ﷺ کی عمر چون سال ہو چکی ہے اور دو بیویاں اس عمر میں جمع ہوئی ہیں' یہاں سے تعددِ ازواج کا معاملہ شروع ہوا' اسکے ایک سال بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا پھر کچھ ماہ بعد حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا' انہوں نے صرف اٹھارہ ماہ آپ کے نکاح میں رہ کر وفات پائی' ایک قول کے مطابق تین ماہ آپ ﷺ کے نکاح میں زندہ رہیں پھر ۴ھ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ پھر ۵ھ میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ اُس وقت آپ کی عمر شریف اٹھاون سال ہو چکی تھی اور اتنی بڑی عمر میں آ کر چار بیویاں جمع ہوئیں' ان کے بعد ۶ھ میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے اور ۷ھ میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا۔

خلاصہ یہ کہ چون برس کی عمر تک آپ ﷺ نے صرف ایک بیوی کے ساتھ گذارہ کیا یعنی پچیس سال حضرت خدیجہؓ کے ساتھ اور چار پانچ سال حضرت سودہؓ کے ساتھ گذارے' پھر اٹھاون سال کی عمر میں چار بیویاں جمع ہوئیں اور باقی ازواجِ مطہراتؓ دو تین سال کے اندر حرم نبوت میں آئیں اور ۱۰ھ میں آپ ﷺ نے وفات پائی۔

اور یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ ان سب بیویوں میں صرف ایک ہی عورت ایسی تھیں جن سے کنوارے پن میں نکاح ہوا یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا' ان کے علاوہ باقی سب ازواجِ مطہراتؓ بیوہ تھیں جن میں بعض کے دو شوہر پہلے گذر چکے تھے' اور یہ تعداد بھی آخر عمر میں آ کر جمع ہوئی۔

اسلام کے بلند مقاصد اور پورے عالم کی انفرادی و اجتماعی' خانگی اور ملکی اصلاحات کی فکر کو دنیا کے شہوت پرست انسان کیا جانیں' وہ تو سب کو اپنے اوپر قیاس کر سکتے ہیں' اسی کے نتیجے میں کئی صدی سے یورپ کے ملحدین اور مستشرقین نے اپنی ہٹ دھرمی سے فخر عالم ﷺ کے تعدد ازواج کو ایک خالص جنسی اور نفسانی خواہش کی پیداوار قرار دے رکھا ہے۔ اگر حضور اقدس ﷺ کی سیرت پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو ایک ہوشمند منصف مزاج کبھی بھی آپ ﷺ کی کثرتِ ازواج کو اس پر محمول نہیں کر سکتا۔

آپ ﷺ کی معصوم زندگی قریش مکہ کے سامنے اس طرح گذری کہ سب سے پہلے پچیس سال کی عمر میں ایک سن رسیدہ صاحبِ اولاد بیوہ (جس کے دو شوہر فوت ہو چکے تھے) سے عقد کیا اور پچیس سال تک ان ہی کے ساتھ گذارہ کیا' وہ بھی اس طرح کہ مہینہ مہینہ گھر چھوڑ کر غار حرا میں مشغول عبادت رہتے تھے' اس کے بعد جو دوسرے نکاح ہوئے پچاس سالہ عمر شریف گذر جانے کے بعد ہوئے' یہ پچاس سالہ زندگی اور عنفوانِ شباب کا سارا وقت اہل مکہ کی نظروں کے سامنے تھا' کبھی کسی دشمن کو بھی آنحضرت ﷺ کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرنے کا موقع نہیں ملا جو تقویٰ و طہارت کو مشکوک کر سکے' آپ ﷺ کے دشمنوں نے آپ ﷺ پر ساحر' شاعر' مجنون' کذاب' مفتری جیسے الزامات تراشنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی لیکن آپ ﷺ کی معصوم زندگی کے بارے میں کوئی ایک حرف کہنے کی بھی جرأت نہیں ہوئی جس کا تعلق جنسی اور

نفسانی جذبات کی بے راہ روی سے ہو۔

ان حالات میں کیا یہ بات غور طلب نہیں ہے کہ چڑھتی جوانی سے لیکر پچاس سال کی عمر ہو جانے تک اس زہد و تقویٰ اور لذائذ دنیا سے یکسوئی میں گذارنے کے بعد وہ کیا داعیہ تھا جس نے آخر عمر میں آپ علیہ کو متعدد نکاحوں پر آمادہ کیا' اگر دل میں ذرا سا بھی انصاف ہو تو ان متعدد نکاحوں کی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں بتلائی جا سکتی جس کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے۔

وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے

نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ

منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو جایا کرو' پھر جب کھانا کھا چکو تو اُٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو'

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا

اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف صاف بات کہنے میں لحاظ نہیں فرماتا' اور جب تم

سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ

ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو' یہ بات تمہارے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے اور تم کو یہ جائز نہیں ہے کہ رسول کو کلفت پہنچاؤ

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ

اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو' بیشک تمہاری یہ بات خدا کے نزدیک بڑی بھاری ہوگی'

عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾

اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا اُسے پوشیدہ رکھو گے تو اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

نزول آیت حجاب کا واقعہ

تفسیر: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول خدا علیہ نے حضرت زینبؓ (بنت جحش) سے نکاح کیا (اور ولیمہ کھانے کیلئے آپ علیہ کے دولت کدہ پر) لوگ حاضر ہوئے تو طعامِ ولیمہ کھا کر وہیں باتیں کرتے ہوئے بیٹھے رہ گئے' حضور اقدس علیہ نے (چاہا کہ وہ لوگ اُٹھ جائیں لہٰذا آپ نے) ایسا طرز اختیار فرمایا جیسے کہ آپ اُٹھ رہے ہیں (اور وجہ اس کی یہ تھی کہ آپ علیہ کے مزاج میں وسعت اخلاق کے باعث لحاظ بہت تھا اس وجہ سے آپ علیہ نے صاف طور سے یہ نہ فرمایا کہ چلے جاؤ) وہ آپ علیہ کو اٹھتے دیکھ کر بھی نہ اٹھے' جب آپ علیہ نے یہ حال دیکھا تو اُٹھ کر چلے گئے' آپ علیہ کے اٹھ جانے پر کچھ آدمی تو چلے گئے اور کچھ رہ گئے' حضور اقدس علیہ (حضرت عائشہؓ

کے دروازے تک جا کر یہ سمجھتے ہوئے) واپس ہوئے کہ وہ لوگ نکل گئے ہوں گے۔ جب تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں (لہٰذا آپ ﷺ پھر واپس ہو گئے) اس کے بعد وہ لوگ کھڑے ہوئے اور چلے گئے' میں نے اُن کے چلے جانے کی خبر آپ ﷺ کو دی' آپ ﷺ تشریف لائے یہاں تک کہ گھر میں داخل ہو گئے' میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ داخل ہونے لگا تو آپ ﷺ نے (مجھ کو روک دیا اور) میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ نے آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ (آخر تک) نازل فرمائی۔

یہ قصہ بخاری شریف میں کہیں اجمالاً کہیں تفصیلاً کئی جگہ مروی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچپن سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کہ مدینہ منورہ تشریف لائے اُس وقت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر دس سال تھی اور آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے ۵ھ میں نکاح فرمایا لہٰذا اس حساب سے اس واقعہ کے وقت حضرت انسؓ کی عمر پندرہ سال ہوئی۔ چونکہ وہ پہلے سے آنحضرت ﷺ کے گھروں میں آیا جایا کرتے تھے اسی وجہ سے جب آنحضرت ﷺ لوگوں کے چلے جانے کے بعد گھر میں داخل ہونے لگے تو حضرت انسؓ نے بھی آپ ﷺ کے ہمراہ اندر جانے کا ارادہ کیا مگر چونکہ اس اثناء میں پردہ کا حکم آ چکا تھا اسلئے آنحضرت ﷺ نے اُن کو گھر کے اندر جانے سے روک دیا۔ حضرت انسؓ چونکہ شروع واقعہ سے آخر تک موجود تھے اس لئے فرمایا کرتے تھے انا اعلم الناس بھٰذہ (یعنی میں پردہ کی آیت کے متعلق سب لوگوں سے زیادہ علم رکھتا ہوں)۔

اس آیت میں متعدد احکام بیان فرمائے ہیں' پہلا حکم یہ ہے کہ نبی کے گھروں میں داخل مت ہوا کرو' ہاں اگر تمہیں کھانے کیلئے بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ لیکن اس صورت میں بھی ایسا نہ کرو کہ جلدی پہنچ جاؤ اور کھانے کے انتظار میں بیٹھے رہو۔ دوسرا حکم یہ فرمایا کہ جب کھانا کھا چکو تو وہاں سے منتشر ہو جاؤ وہاں سے اُٹھ کر چلے جاؤ۔ ایسا نہ کرو کہ کھانا کھا کر وہاں بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہو اور باتوں میں جی لگائے رہو کیونکہ اس سے نبی اکرم ﷺ کو ناگواری ہوتی ہے وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور زبان سے نہیں فرماتے کہ اٹھ کر چلے جاؤ' اللہ تعالیٰ تمہیں صاف بتاتا ہے اور صاف حکم دیتا ہے کہ تم کھانا کھا کر چلے جاؤ نبی کریم ﷺ کو تکلیف نہ دو۔

تیسرا حکم یہ دیا کہ جب نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہراتؓ سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے طلب کرو' اس میں پردہ کا اہتمام کرنے کا حکم فرما دیا کہ مردوں کو کوئی چیز طلب کرنا ہو تو وہ بھی پردہ کے پیچھے سے طلب کریں اور عورتیں بھی سامنے نہ آئیں' کوئی چیز دینا ہو تو وہ بھی پردہ کے پیچھے سے دیں۔ پردہ کے اس اہتمام پر مزید زور دیتے ہوئے فرمایا ذٰلِکُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِکُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ یہ بات تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔

چوتھا حکم یہ دیا کہ نبی کریم ﷺ کو ایذا مت پہنچاؤ جو لوگ گھر میں بیٹھے رہ گئے تھے ان سے آپ ﷺ کو ایذا پہنچی تھی' وہ ایک وقتی اور خاص قسم کی ایذا تھی اس کے بعد عمومی حکم فرما دیا کہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھی کسی بھی قسم کی ایذا مت پہنچاؤ۔

پانچواں حکم فرمایا کہ نبی کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح مت کرنا' اس سورت کے پہلے رکوع میں فرمایا کہ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ کہ آپ ﷺ کی بیویاں امت کی مائیں ہیں اور یہاں فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کی بیویوں سے کسی کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے' یہ حکم ان پاک بیبیوں کے اکرام واحترام کی وجہ سے ہے' مزید فرمایا: اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ عِنْدَ اللّٰهِ

عَظِیْمًا (بلاشبہ یہ اللہ کے نزدیک بڑی بھاری بات ہے) یعنی بہت بڑی معصیت ہے' نہ گناہ کا ارادہ کرو نہ کر گناہ کرو۔ اسی کو فرمایا اِنْ تُبْدُوْا شَیْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ اگر تم ظاہراً کوئی گناہ کرو گے یا اسے پوشیدہ رکھو گے تو دونوں گناہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہونگے وہ ظاہر کو بھی جانتا ہے اور پوشیدہ کو بھی فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا (وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے)

واضح رہے کہ جو احکام اوپر مذکور ہوئے ہیں ان میں صرف ایک حکم ایسا ہے جو آنحضرت سرور عالم ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص ہے یعنی یہ کہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی کسی بیوی سے کسی کا بھی نکاح جائز نہیں' باقی احکام سب کے لئے برابر ہیں' نہ تو کسی کے یہاں بغیر بلائے دعوت میں جائے اور نہ بلائے جانے کی صورت میں کھانا پکنے کے انتظار میں اس کے گھر میں جا کر بیٹھا رہے اور نہ کھانا کھا کر وہاں بیٹھ کر باتوں میں مشغول رہے بلکہ کھانا کھا کر وہاں سے چلا جائے' اگر کسی نامحرم عورت سے کوئی چیز طلب کرنی ہو تو پردہ کے پیچھے سے طلب کریں' نہ عورت سامنے آئے نہ مرد عورت کو دیکھیں۔ آجکل کے بعض جاہل جو پردہ کے دشمن ہیں انہوں نے یہ جاہلانہ نکتہ نکالا ہے کہ چہرہ کا پردہ کرنے کا حکم صرف آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات﷢ کے لئے ہے' غور کرنے کی بات ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات﷢ کے بارے میں اُمت کے افراد کو یہ حکم ہے کہ پردہ کے پیچھے سے سوال کریں حالانکہ ان کو مسلمانوں کی مائیں بتایا گیا ہے تو دوسری عورتوں سے بغیر پردہ کے سامنے ہو کر بات چیت یا کوئی چیز طلب کرنے کی کیونکر اجازت ہو سکتی ہے خصوصاً اس زمانے میں جو فساد اور فتنوں کا دور ہے۔

پردہ کے بارے میں ہم نے ضروری مضمون سورہ مؤمنوں کی آیت وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ اور اس سورت کی آیت وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ کے ذیل میں لکھ دیا ہے اور آئندہ رکوع کی پہلی آیت کے ذیل میں بھی اس بارے میں کچھ لکھیں گے۔ اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِیْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ
ان بیویوں پر کوئی گناہ نہیں ہے اپنے باپوں کے بارے میں اور اپنے بیٹوں کے بارے میں اور اپنے بھائیوں کے بارے میں اور اپنے بھتیجوں کے
اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ
بارے میں اور اپنے بھانجوں کے بارے میں اور اپنی عورتوں کے بارے میں اور اپنی لونڈیوں کے بارے میں' اور اللہ سے ڈرتی رہو' بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر
شَیْءٍ شَهِيْدًا ۝
چیز پر حاضر ہے۔

عورتوں کو اپنے محرموں کے سامنے آنے کی اجازت ہے

تفسیر: روح المعانی میں لکھا ہے کہ جب آیت حجاب نازل ہوئی تو ازواج مطہرات﷢ کے آباء و ابناء اور اقارب نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا ہم بھی ان سے پردہ کے پیچھے سے بات کیا کریں' اس پر آیت بالا نازل ہوئی اور ازواج مطہرات کو

اجازت دے دی گئی کہ اپنے باپوں اور بیٹوں اور اپنے بھائیوں کے بیٹوں اور بہنوں کے بیٹوں کے سامنے آ سکتی ہیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: وفی حکمهم کل ذی رحم محرم من نسب او رضاع علی ماروی ابن سعد عن الزهری (ج ۲۲ ص ۷۴) یعنی آیت کریمہ میں چار رشتوں کا ذکر ہے' دوسرے جو محرم ہیں نسب سے ہوں یا رضاع سے اُن کا بھی یہی حکم ہے۔ پھر لکھا ہے کہ آیت کریمہ میں چچا اور ماموں کا ذکر نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں والدین کی طرح سے ہیں۔

محرموں سے پردہ نہ کرنے کی اجازت کے ساتھ ہی وَلَا نِسَآئِهِنَّ فرمایا ہے یعنی مسلمان عورتوں سے بھی ان کا کوئی پردہ نہیں ہے البتہ کافر عورتوں کے سامنے نہ آئیں اگرچہ کتابیہ یعنی یہودیہ یا نصرانیہ ہوں۔

مزید فرمایا وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اور جن کے مالک ہیں اُن کے سامنے آنے میں بھی پردہ نہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے باندیاں مراد ہیں' اپنے غلاموں کے سامنے بھی آنا جائز نہیں ہے۔ سورۂ نور کی آیت وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ میں بھی ان رشتہ داروں کا ذکر ہے جن سے پردہ کرنا واجب نہیں ہے وہاں چند مزید رشتے ذکر فرمائے سورۂ نور کی آیت کی تفسیر ملاحظہ کر لی جائے۔ سورۂ نور میں جو اَوْ نِسَآئِهِنَّ اور یہاں سورۂ احزاب میں وَلَا نِسَآئِهِنَّ فرمایا ہے اس میں جو ضمیر مضاف الیہ ہے اس سے واضح ہو رہا ہے کہ مسلمان عورت کو کافر عورت کے سامنے آنا جائز نہیں۔

سورۂ نور میں مومن عورتوں کو جو پردہ کا حکم دیا ہے اور محارم کے سامنے آنے کی اجازت دی ہے اس کے عموم میں ازواج مطہرات ؓ بھی آ جاتی ہیں اس کے باوجود یہاں خصوصیت کے ساتھ ازواجِ مطہرات ؓ کا محارم کے سامنے آنا علیحدہ سے بھی ذکر فرما دیا جس سے یہ احتمال رفع ہو گیا کہ شاید انہیں محارم کے سامنے بھی آنا جائز نہ ہو۔

وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ (اور اللہ سے ڈرتی رہو) اس میں التفات ہے جو غیوبت سے خطاب کی طرف ہے' اللہ تعالیٰ نے خطاب کے صیغے کے ساتھ ازواجِ مطہرات ؓ کو خطاب فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو کیونکہ تقویٰ ہی ہر نیکی کی بنیاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا (بلاشبہ اللہ ہر چیز پر حاضر ہے یعنی وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے) اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں' درحقیقت یہ یقین اور استحضار کہ اللہ تعالیٰ حاضر ناظر ہے دلوں میں تقویٰ پیدا ہونے اور اس کے استحضار کے لئے بڑا اکسیر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾
بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر' اے ایمان والو تم بھی آپ ؐ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں' اے مسلمانو! تم بھی نبی پر صلوٰۃ وسلام بھیجا کرو

تفسیر: اصل مقصود آیت کا مسلمانوں کو یہ حکم دینا تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجا کریں مگر اس کی تعبیر و بیان میں یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ پہلے حق تعالیٰ نے خود اپنا اور اپنے فرشتوں کا رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنے کا ذکر فرمایا' اس کے بعد عام مؤمنین کو اس کا حکم دیا جس میں آپ کے شرف اور عظمت کو مزید بلند فرما دیا کہ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کا جو حکم

مسلمانوں کو دیا جاتا ہے وہ کام ایسا ہے کہ خود حق تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی وہ کام کرتے ہیں عام مؤمنین جن پر رسول اللہ ﷺ کے بے شمار احسانات ہیں ان کو تو اس عمل کا بڑا اہتمام کرنا چاہئے۔ اور ایک فائدہ اس تعبیر میں یہ بھی ہے کہ اس سے درود و سلام بھیجنے والے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی فضیلت یہ ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُس کام میں شریک فرما لیا جو کام حق تعالیٰ خود بھی کرتے ہیں اور اس کے فرشتے بھی۔

آیت شریفہ میں لفظ یُصَلُّوْنَ وارد ہوا ہے جس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے کہ بلاشبہ اللہ اور اُسکے فرشتے پیغمبر پر رحمت بھیجتے ہیں۔ لفظ یُصَلُّوْنَ صلوٰۃ سے ماخوذ ہے' مفسرین و محدثین نے فرمایا ہے کہ لفظ صلوٰۃ عربی زبان میں چند معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ رحمت' دُعا' مدح و ثناء پھر جس کی طرف صلوٰۃ منسوب ہوگی اسکی شان اور مرتبہ کے مناسب ثنا' تعظیم اور رحمت و شفقت مراد لیں گے' جیسے کہا جاتا ہے کہ باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے اور بھائی بھائی سے محبت کرتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ جو محبت باپ کو بیٹے سے ہے بیٹے کو باپ سے اس طرح کی محبت نہیں ہے۔ نیز بھائی بھائی کی محبت اور باپ بیٹے کی محبت جدا ہوتی ہے لیکن محبت سب کو ہی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح صلوٰۃ کو سمجھ لو کہ اللہ جل شانہٗ نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں اور فرشتے بھی اور عام مؤمنین بھی' مگر سب کے صلوٰۃ کے معنی ایک ہی نہیں ہیں بلکہ ہر ایک کی شان کے مناسب صلوٰۃ کے معنی مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی صلوٰۃ رحمت بھیجنا ہے اور فرشتوں کی صلوٰۃ استغفار ہے اور مومنوں کی صلوٰۃ دُعائے رحمت ہے اور ایک میں مدح و ثناء اور تعظیم و توقیر کے معنی ملحوظ ہیں' اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی عظمت اور توقیر یہ ہے کہ آپ کا ذکر بلند فرمایا اور آپ کے دین کو غالب کیا اور قیامت تک اس کو باقی رکھا اور آخرت میں آپ ﷺ کی عظمت اور توقیر یہ ہے کہ آپ کو شفاعتِ کبریٰ نصیب فرمائی اور مقامِ محمود عطا فرمایا اور تمام مقربین اور اولین و آخرین پر آپ کی فضیلت ظاہر فرمائی۔

اور لفظ سلام مصدر بمعنی السلامۃ ہے اور مراد اس سے نقائص و عیوب اور آفتوں سے سالم رہنا ہے' سلام معنی ثناء کو متضمن ہے اس لئے حرف عَلٰی کے ساتھ عَلَیْکَ یا عَلَیْکُمْ کہا جاتا ہے۔

اور بعض حضرات نے یہاں لفظ سلام سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات لی ہے کیونکہ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حُسنٰی میں سے ہے تو مراد اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ سے یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت و رعایت کا متولی اور کفیل رہے۔ (از روح المعانی)

اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ سرورِ عالم ﷺ پر درود بھیجا کریں علمائے اُمت کا ارشاد ہے کہ اس صیغۂ امر (صَلُّوْا) کی وجہ سے عمر بھر میں ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنا فرض ہے' اور اگر ایک مجلس میں کئی بار آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک کرے یا سُنے تو ذکر کرنے اور سننے والے پر حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر بار درود شریف پڑھنا واجب ہے مگر فتویٰ اس پر ہے کہ ایک بار واجب ہے پھر مستحب ہے' احتیاط اسی میں ہے کہ ہر بار درود شریف پڑھے اور آقائے دو جہاں ﷺ کی محبت کا ثبوت دے۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُ

اس آیت میں لفظ صلوٰۃ وارد ہوا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ صلوٰۃ علی النبی کے معنی یہ ہیں کہ شفقت و رحمت کے ساتھ نبی ﷺ کی ثناء کی جائے' پھر جس کی طرف صلوٰۃ منسوب ہوگی اس کی شان اور مرتبہ کے مناسب ثناء تعظیم اور رحمت و

شفقت مراد لیں گے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ باپ۔

درود شریف کے فضائل: سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا بہت بڑی فضیلت والا عمل ہے' قرآن مجید میں حکم فرمایا ہے (جیسا کہ آیت بالا میں نظروں کے سامنے) اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی بہت سی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۶۶ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ جل شانہ' اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔

سنن نسائی میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دس درجات بلند فرماتے ہیں اور اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دیتے ہیں اور اس کے دس گناہ (نامۂ اعمال سے) مٹا دیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجا کرتے تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے بہت سے فرشتے زمین میں گشت لگاتے پھرتے ہیں اور مجھ کو میری امت کا سلام پہنچا دیتے ہیں۔ نیز ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ اور میری قبر کو عید مت بناؤ اور مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود میرے پاس پہنچ جاتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔ (یہ سب روایت مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۲ "باب الصلوٰۃ علی النبی وفضلہا" سے لی گئی ہیں)

''گھروں کو قبریں مت بناؤ'' (اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح قبریں عبادت سے خالی ہوتی ہیں اس طرح گھروں کو عبادت سے خالی مت رکھو بلکہ نفل نمازیں ادا کرتے رہو) ''میری قبر کو عید مت بناؤ'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عید کے روز زیب و زینت کے ساتھ خصوصی اجتماع ہوتا ہے میری قبر کی اس طرح زیارت نہ کرو بلکہ توقیر و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے حاضری دو' آپ ﷺ کا دربار کوئی معمولی دربار نہیں ہے کہ وہاں ہنستے ہوئے جاؤ بلکہ وہ تو شاہ دو جہاں سید الانبیاء ﷺ کا درِ اطہر ہے' اس کی توقیر و عظمت دل میں لے کر حاضر ہونا چاہئے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتا ہے اللہ اور اس کے فرشتے اس شخص پر ستر رحمتیں بھیجتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۷)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ یہ (یعنی ایک درود کے بدلے میں ستر رحمتیں نازل فرمانا) غالباً جمعہ کے روز کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ بعض اوقات اعمال کا ثواب وقت کی فضیلت و عظمت کی وجہ سے بڑھا دیا جاتا ہے' لہٰذا جمعہ کے روز دس رحمتوں کی بجائے ستر رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تمہارے دنوں میں سب دنوں سے بہتر جمعہ کا دن ہے' اسی روز آدم پیدا کئے گئے اور اسی روز انہوں نے وفات پائی' جمعہ کے روز ہی صور پھونکا جائے گا۔ اور جمعہ ہی کے روز صور کی آواز سنکر مخلوق بے ہوش ہوگی' چونکہ جمعہ کا دن سب سے افضل ہے اسلئے اس روز مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ (ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۵۰)

ارشاد فرمایا رسولِ خدا ﷺ نے کہ جو بھی مسلمان مجھ پر درود بھیجتا ہے فرشتے اس پر رحمت بھیجتے ہیں اب اختیار ہے کہ

کوئی بندہ مجھ پر زیادہ درود بھیجے یا کم۔ (ابن ماجہ) مطلب یہ ہے کہ کثرت سے درود بھیجا کرو جیسا کہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں عمل اچھا ہے آگے اختیار ہے کوئی کم کرے یا زیادہ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور رسول خدا ﷺ موجود تھے آپ کے ساتھ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ جب میں نماز پڑھ کر بیٹھا تو اللہ کی تعریف بیان کی پھر رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا' بعد میں اپنے لئے دعا کی' یہ ماجرا دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مانگ جو مانگے گا ملے گا۔ (ترمذی)

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور نماز پڑھ کر اس نے دعا شروع کر دی اور کہا "اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے نماز پڑھنے والے تو نے دعا کرنے میں جلدی کی' آئندہ کے لئے یاد رکھ کہ جب تو نماز پڑھ چکے تو بیٹھ کر اللہ کی حمد بیان کر جیسی اس کی ذات کے لائق ہے پھر مجھ پر درود بھیج پھر اللہ سے دعا کر۔

فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد پھر ایک اور شخص نے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا' نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے نماز پڑھنے والے دعا کر تیری دعا قبول ہوگی۔ (ترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعاء کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے پھر رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے پھر اللہ سے دعا کرے' دعا کے قبول ہونے میں درود شریف کو بڑا دخل ہے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جب تک آنحضرت ﷺ پر درود نہ پڑھا جائے دعا آسمان و زمین کے درمیان لٹکی رہتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۷)

اہل معرفت نے فرمایا ہے کہ درود شریف کے علاوہ جو دوسرے اذکار و عبادات ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کا ثواب نہ دیا جائے لیکن درود شریف ہمیشہ مقبول ہی ہوتا ہے' جب دعا کرے تو دعا سے پہلے بھی درود شریف پڑھے اور دُعا کے اخیر میں بھی۔ اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے جب دونوں درودوں کو قبول فرمائے گا تو درمیان میں جو دعا واقع ہوگی اُسے بھی قبول فرمائے گا۔ (ذکرہ فی الحصن)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں اللہ کا ذکر نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو یہ مجلس ان کے لئے نقصان کا باعث ہوگی۔ اب اللہ چاہے تو انہیں عذاب دے اور چاہے تو ان کی مغفرت فرمادے۔ (رواہ الترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی مجلس اللہ کے ذکر سے اور درود شریف سے خالی نہ رہ جائے۔

جب کسی مجلس میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک آئے خواہ خود ذکر کرے یا دوسرے شخص سے سنے تو درود شریف ضرور پڑھے۔ گو کسی مجلس میں آپ کا اسم گرامی سن کر ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا واجب ہے لیکن اکمل اور افضل یہی ہے کہ جب بھی آپ کا اسم گرامی سنے ہر بار درود شریف پڑھے' احتیاط اسی میں ہے کہ ہر مرتبہ درود شریف پڑھے کیونکہ درود شریف نہ پڑھنے پر وعیدیں آئی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اصلی بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا

ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ (ترمذی)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو سب سے بڑا بخیل نہ بتادوں؟ صحابہؓ نے عرض کیا حضور ضرور ارشاد فرمائیں' فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے وہ سب سے بڑا بخیل ہے۔ (ترغیب)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ چنانچہ ہم حاضر ہو گئے (اور آپ منبر پر چڑھنے لگے) جب آپ نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا ''آمین'' پھر جب دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو پھر فرمایا ''آمین'' جب تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو پھر فرمایا ''آمین'' جب آپ منبر سے اُترے تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ سے منبر پر چڑھتے ہوئے ایسی بات سنیں جو پہلے نہ سنتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ سبب اس کا یہ ہوا کہ جبریل میرے سامنے آئے اور جب میں نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو جبریل نے کہا کہ ہلاک ہو وہ شخص کہ جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس کی مغفرت نہ ہوئی' میں نے کہا آمین' پھر جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو جبرائیل نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ کا اسم گرامی لیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے' میں نے کہا آمین' پھر جب میں تیسری سیڑھی پر چڑھا تو جبرائیل نے کہا ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اس کے دونوں والدین یا ان میں سے ایک بوڑھا ہو جائے اور وہ اس کو جنت میں داخل نہ کریں۔ (الترغیب والترہیب)

ضروری مسئلہ: جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر خود کرے یا کسی سے سنے تو درود شریف پڑھے' اسی طرح جب کوئی مضمون یا تحریر لکھنے لگے تو اس وقت بھی درود شریف کے الفاظ لکھنا واجب ہے' کم از کم صلی اللہ علیہ وسلم تو ضرور لکھ دے' بعض لوگ اختصار کے طور پر ''صلعم'' یا ''ص'' لکھ دیتے ہیں' یہ صحیح نہیں پورا صلی اللہ علیہ وسلم لکھیں یا علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھ دیں' صلوٰۃ کے ساتھ سلام بھی بھیجنا چاہئے دونوں کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے' آپ کے چہرۂ انور پر بشاشت ظاہر ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے تھے' انہوں نے کہا کہ بیشک آپ کے رب نے فرمایا ہے کہ اے محمد! کیا یہ بات آپ کو خوش کرنے والی نہیں ہے کہ آپ کی امت میں سے جو شخص آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجوں گا اور آپ کی اُمت میں سے جو شخص آپ پر سلام بھیجے گا میں اُس پر دس سلام بھیجوں گا۔ (رواہ النسائی)

مسئلہ: صلوٰۃ وسلام دونوں ہی ایک ساتھ پڑھنا چاہئے۔ اگر ایک پر اکتفا کرے تو بعض حضرات نے اس کو خلاف اولیٰ یعنی مکروہ تنزیہی بتایا ہے' درود شریف کے بہت سے صیغے احادیث شریف میں وارد ہوئے ہیں اور بہت سے صیغے اکابر سے منقول ہیں' جو صیغے سنت سے ثابت ہیں ان کے مطابق عمل کرنا افضل ہے اور دوسرے صیغوں کے ذریعہ صلوٰۃ وسلام پڑھنا بھی جائز ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم آپ پر اور آپ کے اہل بیت پر کسطرح درود بھیجیں' آپ پر سلام بھیجنا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھا دیا (یعنی نماز میں جو تشہد پڑھتے ہیں اس میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ بتا دیا) آپ نے فرمایا درود اس طرح پڑھو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ

مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اے اللہ درود بھیج محمد پر اور محمد کی آل پر جیسا کہ آپ نے درود بھیجا ابراہیم پر اور ابراہیم کی آل پر بیشک آپ مستحق حمد ہیں اور صاحب مجد ہیں' اے اللہ برکت نازل فرمایئے محمد پر اور آل محمد پر جیسا کہ آپ نے برکت نازل فرمائی ابراہیم پر اور آلِ ابراہیم پر بیشک آپ مستحق حمد ہیں اور صاحب مجد ہیں۔ (رواہ البخاری ج ا ص ۴۷۷) یہ درود شریف وہی ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم آپ پر کیسے درود بھیجیں' آپ نے فرمایا کہ یوں کہو: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (اے اللہ درود بھیجئے محمد پر اور آپ کی بیویوں پر اور ان کی آل واولاد پر جیسا کہ آپ نے درود بھیجا آلِ ابراہیم پر اور اے اللہ برکت دیجئے محمد پر اور آپ کی بیویوں پر اور ان کی آل واولاد پر جیسا کہ برکت بھیجی آپ نے آلِ ابراہیم پر بلاشبہ آپ مستحق حمد ہیں صاحب مجد ہیں (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے یہ خوشی ہو کہ ہم پر اور ہمارے اہل بیت پر درود بھیج کر بھرپور طریقے پر ناپ تول کر ثواب لے تو وہ یوں کہے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (اے اللہ درود بھیج محمد پر جو نبی امّی ہیں اور آپ کے ازواج پر جو اُمہات المؤمنین ہیں اور آپ کی اولاد پر اور آپ کے اہل بیت پر جیسا کہ آپ نے درود بھیجا ابراہیم پر بلاشبہ آپ مستحق حمد ہیں صاحب مجد ہیں)(رواہ ابوداؤد ص ۱۴۱)

حضرت رویفع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے محمد ﷺ پر درود بھیجا اور پھر یوں دعا کی اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (اے اللہ ان کو (یعنی حضور اقدس ﷺ کو) قیامت کے روز اپنے قریب مقام میں نازل کیجئو) تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۷)

فائدہ: بعض بزرگوں نے کثرت سے درود شریف پڑھنے کے لئے یہ مختصر درود شریف تجویز کیا ہے: صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ عَدَدَ مَا فِيْ عِلْمِهٖ۔

درود شریف پڑھنے کی حکمتیں: حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے ''نشر الطیب'' میں درود شریف کی مشروعیت کی حکمتیں درج فرمائی ہیں جن میں بعض حضرت ممدوح نے مواہب سے نقل فرمائی ہیں اور بعض ان مواہب خداوندیہ سے ہیں جو حضرت ممدوح کو عطا کی گئیں تھیں۔

(۱) اُمت مرحومہ پر آنحضرت ﷺ کے احسانات بیشمار ہیں کہ آپ نے صرف حکم خداوندی پورا کر دینے کے طور پر تبلیغ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اصلاحِ امت کے لئے تدبیریں سوچیں اور بڑے اہتمام کے ساتھ ان کے لئے دُعائیں کیں اور ان کے احتمالِ مضرت سے رنجیدہ ہوئے لہٰذا آپ محسن بھی ہیں اور احساناتِ خداوندی کا واسطہ بھی ہیں' اور فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس محسن اور واسطۂ احسان کے لئے رحمت کاملہ کی دعا کرے بالخصوص جبکہ احسانات کے بدلہ سے قاصر اور عاجز بھی ہے لہٰذا شریعت مطہرہ نے اسی فطرت سلیمہ کے مطابق کہیں وجوباً اور کہیں استحباباً درود شریف کا حکم دیا۔

(۲) آنحضرت ﷺ خدا کے محبوب ہیں اور محبوب کے لئے محبت سے کسی چیز کی درخواست کرنا اس درخواست کرنے والے کو اس محبّ کا محبوب بنا دیتا ہے' اگرچہ خداوند قدوس خود اپنے محبوب پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اور خدا کی رحمت ملنے کے لئے آنحضرت ﷺ کو ہماری دعائے رحمت کی حاجت نہیں ہے مگر خدا کی جناب میں آپ کے لئے رحمت کی دُعا کر کے خود ہم کو خدا کا قرب اور اس کی رضا میسر ہوتی ہے۔

(۳) آپ کے لئے دعائے رحمت کرنے میں آپ کے کمال عبدیت کے شرفِ خاص کا اظہار ہے کہ آپ کو بھی رحمت خداوندی کی حاجت ہے' نیز اس سے اُن لوگوں کے ظنِ فاسد کی تردید بھی ہو جاتی ہے جو آنحضرت ﷺ کے معجزات دیکھ کر امورِ تکوین میں آپ کا دخل سمجھتے ہیں یا احکام شرعیہ کو آپ کے اختیار میں جانتے ہیں۔

(۴) آنحضرت ﷺ بھی انسان ہیں اور بشریت میں اُمت کے ساتھ شریک ہیں کہ اُمت کی طرح کھانے پینے اور دیگر حوائج زندگی کی آپ کو بھی ضرورت ہوتی تھی بلکہ بعض امور میں اُمت کے افراد آنجناب ﷺ سے بڑھے ہوئے ہیں' مثلاً کثرۃ المال وغیرہ' تو اس وجہ سے ممکن تھا کہ بعض افرادِ اُمت آپ کو اپنے جیسا بشر سمجھ کر بلکہ بعض امور میں کم دیکھ کر آپ کے اتباع سے گریز کرتے' لہٰذا شریعت مطہرہ نے اس کا علاج کیا اور آپ پر درود شریف بھیجنے کا حکم دیا تا کہ بشری اشتراک اور اپنا مالی امتیاز دیکھ کر کوئی دھوکہ نہ کھائے بلکہ آنحضرت ﷺ پر جو خدا کی رحمت خاص ہے اس کا استحضار کرے اور یہ سمجھے کہ یہ مال و دولت رحمت خداوندی کے سامنے کچھ بھی نہیں بالخصوص جبکہ آپ کے اسمِ گرامی سے قبل لفظ سیدنا و مولٰینا بڑھائے اور تبلیغ دین کی جدوجہد کے بعض احوال آپ کی صفات میں ذکر کرے تو خود کو آپ کا احسان مند ہی پائے گا اور بجائے اپنے نفس کو بڑا سمجھنے کے اپنی ذات کو آنحضرت ﷺ کا محتاج سمجھے گا اور آپ کے واسطہ سے قرب خداوندی حاصل کرے گا۔

(۵) بعض طبائع میں مذاق توحید کا غلبہ ہوتا ہے اور اس غلبہ کی وجہ سے واسطوں سے زیادہ متعلق نہیں ہوتیں جن میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی ہیں' گو اس اعتقاد و انقیاد کے بعد جو شرعاً واجب ہے یہ عدم زیادت مضر فی الایمان نہیں ہے لیکن کمال یہی ہے کہ جس واسطہ کی طرف التفات کو واحد حقیقی نے اپنی رضا کا ذریعہ بنایا ہے اس کی طرف التفات کرنے کو ذوقاً اور طبعاً بھی شاغل عن التوحید نہ سمجھے۔ بلکہ مکمل توحید جانے' جیسا کہ محبوب کے قاصد کا اکرام اور اس کی خدمت و مدارت جس قدر عاشق کی جانب سے زیادہ تر ہوگی اُسی قدر محبوب عاشق سے خوش ہوگا اور عاشق بیش از بیش قاصد کی مدارت کرے گا اور اس خدمت کو یہ نہ سمجھے گا کہ محبوب کے لئے میری محنت نہیں ہو رہی ہے بلکہ جس قدر محبوب کی خوشی دیکھے گا اُسی قدر قاصد کی زیادہ خدمت کرے گا۔

پس شریعت مطہرہ نے ذوقی نقص کے دفع کرنے کے درود شریف شروع فرمایا اور صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کا حکم دے کر یہ بتایا کہ خدا تک پہنچانے والے واسطہ کی طرف جس قدر بھی احترام کے ساتھ توجہ کرو گے اللہ جل شانہٗ کی رضا نصیب ہوگی لہٰذا واسطہ کی جانب توجہ کرنے کو خلاف مقصود نہ سمجھو۔[1]

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ

بلاشبہ جو لوگ اللہ کو اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ نے دُنیا میں اور آخرت میں ان پر لعنت کی اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا

[1] یہاں ہم نے مختصر لکھ دیا ہے' "فضائل صلوٰۃ وسلام" کے نام سے ہمارا ایک رسالہ بھی ہے اُسے بھی ملاحظہ کر لیا جائے

عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿٥٧﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ

عذاب تیار فرمایا ہے۔ اور جو لوگ مؤمن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر گناہ کئے ایذا پہنچاتے ہیں

احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٥٨﴾

وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار اُٹھاتے ہیں۔

ایذا دینے والے اور تہمت لگانے والوں کا برا انجام

تفسیر: رسول اللہ علیہ وسلم کے اکرام واحترام کا حکم دینے اور آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا حکم فرمانے کے بعد آپ کو تکلیف دینے والوں کی مذمت بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کو اور اس کے رسول (علیہ وسلم) کو تکلیف دیتے ہیں اللہ نے اُن پر دنیا اور آخرت میں لعنت کر دی۔ لعنت پھٹکار ڈالنے اور اللہ کی رحمت سے دور ہونے کو کہا جاتا ہے اور سب سے بڑی لعنت کافروں ہی پر ہے۔ گو بعض معصیتوں پر بھی لعنت وارد ہوئی ہے۔ (کن کن افراد پر لعنت وارد ہوئی ہے انہیں ہم نے چہل حدیث میں جمع کر دیا ہے اس کا مطالعہ کیا جائے) اللہ تعالیٰ تاثر اور انفعال سے پاک ہے اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ ایسے افعال کے ارتکاب کو اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے سے تعبیر فرمایا ہے جن سے مخلوق کو تکلیف ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم مجھے ایذا دیتا ہے وہ زمانے کو برا کہتا ہے حالانکہ میں زمانہ ہوں (یعنی میں نے زمانے کو پیدا کیا ہے) سب امور میرے قبضۂ قدرت میں ہیں میں رات اور دن کو اُلٹتا پلٹتا ہوں۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تکلیف کی بات سن کر صبر کرنے والا اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں' لوگ اللہ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں (حالانکہ وہ اس سے پاک ہے) پھر بھی وہ انہیں عافیت دیتا ہے اور رزق دیتا ہے۔

حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص کچھ لوگوں کا امام بنا اُس نے قبلہ کی جانب تھوک دیا' رسول اللہ علیہ وسلم اس کی طرف دیکھ رہے تھے جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے اُس کی قوم سے فرمایا کہ آئندہ یہ تمہیں نماز نہ پڑھائے' اس کے بعد اُس نے نماز پڑھانا چاہی تو ان لوگوں نے اسے منع کر دیا اور رسول اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے باخبر کر دیا۔ اُس شخص نے رسول اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا تذکرہ کیا (یعنی یہ دریافت کیا کہ کیا آپ نے ایسا فرمایا ہے) آپ نے فرمایا ہاں! حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے خیال ہے کہ آپ نے یوں بھی فرمایا کہ بلاشبہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دی۔ (رواہ ابوداؤد)

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اللہ کو ایذا دینے سے رسول اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینا مراد ہے اور اس میں اور زیادہ آپ کا اکرام ہے کہ آپ کی ایذا دینے کو اللہ تعالیٰ کو ایذا دینے سے تعبیر فرمایا۔ روایات حدیث سے اس معنی کی بھی تائید ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو' اللہ سے

ڈرؤ ان کو میرے بعد اپنے اعتراضات وتنقیدات کا نشانہ نہ بناؤ کیونکہ ان سے جس نے محبت کی میری محبت کی وجہ سے کی اور جس نے اُن سے بغض رکھا میرے بغض کی وجہ سے رکھا' اور جس جس نے ان کو ایذا پہنچائی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی گرفت فرمائے گا۔(مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۵۴ عن الترمذی)

آیت شریفہ میں رسول اللہ ﷺ کو ہر قسم کی ایذا پہنچانے پر ملعون ہونے کا ذکر ہے' بعض حضرات نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل فرمایا ہے کہ جس زمانہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان باندھا گیا (جس کا ذکر سورۂ مومنون کے دوسرے رکوع میں گذر چکا ہے) تو رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے گھر میں کچھ لوگ جمع ہوئے جو اس بہتان کو پھیلانے اور چلتا کرنے کی باتیں کرتے تھے' اُس وقت رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ سے اس کی شکایت فرمائی کہ یہ شخص مجھے ایذا پہنچاتا ہے۔

سنن ترمذی کی جو حدیث ہم نے اوپر نقل کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا جس نے میرے صحابہ کو ایذا دی اس نے ہمیں بھی ایذا دی۔ اسی سے سمجھ لیا جائے کہ جو لوگ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ اجمعین کو برا کہتے ہیں اور اُن پر تبرا کرتے ہیں یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے کا عمل کرتے ہیں لہٰذا قرآن کریم کی رو سے یہ لوگ ملعون ہیں' اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول کو ایذا پہنچانے والے مستحق لعنت ہیں' پھر اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو جو لوگ تکلیف پہنچاتے ہیں اور وہ کام اُنکے ذمہ لگاتے ہیں جو انہوں نے نہیں کئے یعنی ان پر تہمت باندھتے ہیں' ان لوگوں نے بہتان کا اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے ذمہ اُٹھایا۔ (جس کا وبال آخرت میں بہت زیادہ ہے)

بدزبانی اور بدگوئی پر وعید: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور بلند آواز سے فرمایا کہ اے وہ لوگو! جنہوں نے زبان سے اسلام قبول کیا ہے اور ان کے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا مسلمانوں کو تکلیف نہ دو اور اُن پر عیب نہ لگاؤ اور ان کے پوشیدہ حالات کے پیچھے نہ پڑو کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی کسی چھپی ہوئی عیب کی بات کے پیچھے پڑے گا اللہ اُس کے پوشیدہ عیب کے پیچھے لگے گا اور اللہ جس کے عیب کے پیچھے لگے اُسے رسوا کر دے گا اگرچہ اپنے گھر کے اندر ہی کرے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بڑا سود یہ ہے کہ ناحق کسی مسلمان کی آبرو میں زبان درازی کی جائے۔ (ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گذرا جن کے تانبے کے ناخن تھے وہ اُن سے اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے میں نے کہا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے ہیں (یعنی ان کی غیبت کرتے ہیں) اور ان کی بے آبروئی کرنے میں پڑے رہتے ہیں۔ (رواہ ابوداؤد کما فی المشکوٰۃ ص ۴۲۹)

لوگوں میں غیبت' بدگوئی' چغل خوری اور ایذا رسانی کی جو مجلسیں منعقد ہوتی ہیں سب اس آیت کریمہ اور حدیث شریف کے مضمون پر غور کریں اور اپنی اصلاح کریں اور زبان پر پابندی لگائیں کہ زبان کا یہ بھیڑیا صاحب زبان ہی کو پھاڑ کھا

جائے گا۔ اگر کبھی کسی چغل خور بدگو کی طرف سے کسی مسلمان کی بے آبروئی ہوتی دیکھیں تو اس کا دفاع کریں اور پارٹ لیں۔

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی شخص نے منافق کی باتیں سن کر کسی مومن کی حمایت کی اللہ اُس کے لئے ایک فرشتہ بھیج دے گا جو قیامت کے دن اس کے گوشت کو دوزخ کی آگ سے بچائے گا' اور جس شخص نے کسی مسلمان کو عیب لگانے کے لئے کوئی بات کہی تو اللہ تعالیٰ اُسے دوزخ کے پل (یعنی پل صراط) پر روک دے گا یہاں تک کہ اپنی کہی ہوئی بات سے نکل جائے (یا اُسے راضی کرے جس کی بے آبروئی کی تھی یا عذاب بھگتے) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۴)

يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ

اے نبی اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیجئے کہ

جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ أَدْنٰٓى أَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ

اپنی چادریں نیچی کر لیا کریں اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا کریں گی' اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے'

لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ

اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو مدینہ میں افواہیں اُڑایا کرتے ہیں اگر یہ لوگ باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ کو اُن پر مسلط کر دیں گے'

ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ أَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا أُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا

پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پائیں گے جو پھٹکارے ہوئے ہونگے جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ ہوگی اور قتل کئے

تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾

جائیں گے۔ جو لوگ پہلے گذرے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنا یہی دستور رکھا ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے دستور میں ردّ و بدل نہ پائیں گے۔

ازواج مطہرات اور بنات طاہرات اور عام مؤمنات کو پردہ کا اہتمام کرنے کا حکم' اور منافقین کے لئے وعید

تفسیر: مفسرین نے لکھا ہے کہ رات کے وقت (جب گھروں میں بیت الخلا نہیں بنائے گئے تھے) عورتیں قضائے حاجت کے لئے کھجور کے باغوں میں نشیبی علاقوں میں جایا کرتی تھیں ان میں حرائر (آزاد) عورتیں اور اماء (باندیاں) دونوں ہوتی تھیں۔ منافقین اور بدنفس لوگ راستوں میں کھڑے ہو جاتے تھے اور عورتوں کو چھیڑتے تھے یعنی اشارے بازی کرتے تھے' ان کا دھیان باندیوں کی طرف ہوتا تھا اگر کبھی کسی آزاد عورت کو چھیڑتے اور اس پر گرفت کی جاتی تو کہہ دیتے تھے کہ ہم نے یہ خیال کیا تھا کہ شاید یہ باندی ہے۔ نیز دشمنانِ اسلام (جن میں مدینے کے رہنے والے یہودی بھی تھے اور منافق بھی) یہ حرکت بھی کرتے تھے کہ مسلمانوں کے لشکر میں جب کہیں جاتے تو لوگوں میں رُعب پیدا کرنے والی باتیں پھیلاتے اور شکست کی خبریں اُڑا دیتے اور خواہ مخواہ بیٹھے بٹھائے یوں کہتے تھے کہ دشمن آ گیا دشمن آ گیا۔

آیات بالا میں اول تو یہ حکم دیا کہ اپنی عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم دیں، ارشاد فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ (اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مؤمنین کی عورتوں سے فرمادیجئے کہ اپنی بڑی بڑی چادریں جواتنی چوڑی چکلی ہوں جس میں عورت سر سے پاؤں تک اپنے آپ کو لپیٹ سکے، اپنی ان چادروں کا ایک حصہ اپنے اوپر ڈال لیا کریں) یعنی سر بھی ڈھکے رہیں اور چہرے بھی اور سینے بھی، جب پردہ کا یہ اہتمام ہوگا تو آزاد عورتیں اور باندیاں الگ الگ پہچانی جاسکیں گی کیونکہ کام کاج کے لئے نکلنے کی وجہ سے باندیوں کو چہرہ ڈھانکنے کا حکم نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے سروں کو اور چہروں کو بڑی بڑی چادروں سے ڈھانکے رہا کریں صرف ایک آنکھ کھلی رہے، جس سے چلنے پھرنے اور دیکھنے بھالنے کی ضرورت پوری ہوجائے اور پورا پردہ کرنے کی وجہ سے آزاد عورتوں اور باندیوں میں امتیاز ہوجائے تاکہ بدنفس چھیڑ چھاڑ نہ کرسکیں، گو باندیوں کے ساتھ بھی چھیڑ چھاڑ کرنا ممنوع تھا لیکن آزاد عورتوں کو پورے پردہ کا حکم دینے سے ان بدنفسوں کا یہ بہانہ ختم ہوگیا کہ ہم نے باندی سمجھ کر آوازہ کسا تھا۔ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۸۹)

یاد رہے کہ آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں کو حکم دے دو کہ اپنے اوپر چوڑی چکلی چادریں ڈالے رہا کریں۔ اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک سے زیادہ بیٹیاں تھیں، جس سے واضح طور پر روافض کی بات کی تردید ہوگئی جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی صرف ایک بیٹی حضرت سیدہ فاطمہ تھیں۔ (احقر نے بناتِ طاہرات کے احوال میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اُسے ملاحظہ کرلیا جائے) اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جیسے سیدنا رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہراتؓ اور بنات طاہراتؓ کو پردہ کرنے کا حکم تھا اسی طرح دیگر مؤمنین کی بیبیوں کو بھی پردہ کرنے کا حکم ہے۔ بعض فیشن ایبل جاہل جو عورتوں کو بے پردہ بازاروں اور پارکوں میں گھمانے کو قابل فخر سمجھتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ پردہ کا حکم صرف ازواجِ مطہراتؓ کے لئے تھا عام عورتوں کے لئے نہیں ہے آیت کریمہ سے ان لوگوں کی ان جاہلانہ باتوں کی تردید ہورہی ہے۔

یہودیوں اور منافقوں کی یہ جو حرکت تھی کہ وہ مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا کریں، اسکے بارے میں فرمایا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ (الآیۃ) اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی ایمان کا ضعف[1] ہے ٹھیک طرح سے مسلمان نہیں ہوئے، اور وہ مدینہ منورہ میں خبریں اڑانے والے باز نہ آئے تو ہم آپ کو آمادہ اور برانگیختہ کریں گے کہ آپ اُن کے ساتھ وہ معاملہ کریں جو دُشمن کے ساتھ ہوتا ہے، جب آپ ایسا کریں گے تو وہ آپ کے ساتھ مدینہ منورہ میں تھوڑے ہی وقت تک رہ سکیں گے۔ اس میں خطاب تو ہے رسول اللہ ﷺ کو لیکن تنبیہ ہے اُن لوگوں کو جو بری حرکتیں کرتے ہیں اگر انہوں نے اپنی حرکتیں نہ چھوڑیں تو ہم اپنے نبی کو اُن پر مسلط کردیں گے۔

مَلْعُوْنِیْنَ جب مدینہ منورہ سے جلاوطن کئے جائیں تو حالتِ لعنت میں پھرتے رہیں گے اُن پر اللہ کی پھٹکار ہوگی۔ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا پھر جہاں کہیں بھی ہوں گے پکڑے جائیں گے اور خوب قتل کئے جائیں گے۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ اللہ نے ان لوگوں میں طریقہ مقرر فرمادیا ہے جو پہلے گذر چکے ہیں کہ فسادیوں کو قتل کیا جاتا رہے گا اور وہ جلاوطن کئے جاتے رہیں گے اور جہاں کہیں بھی ہوں گے ملعون و ماخوذ اور مقتول ہوتے رہیں گے۔

---

[1] وهم قوم كان فيهم ضعف ايمانهم وقلة ثبات عليه عماهم عليه من التزلزل وما يستتبعه مالا خير فيه. (روح المعانی)
اور وہ ایسی قوم ہے کہ جس میں ایمان کی کمزوری ہے اور نہ ہی ایمان پر استقامت ہے اس لئے کہ وہ متزلزل ہیں اور اس کے علاوہ ان میں بھی غیر ایمانی رویے ہیں

وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا اور آپ اللہ کے طریقہ یعنی عادت مستمرہ میں تبدیلی نہ پائیں گے۔ چونکہ مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق تکوینی فیصلے ہونا امور فرعیہ میں سے نہیں ہیں اسلئے اس میں نسل کا احتمال نہیں۔

صاحب روح المعانی نے جو اقوال لکھے ہیں اُن میں سے ایک تو یہ ہے کہ منافقین ایذا کے کاموں سے رُک گئے تھے اور جو وعید نازل ہوئی تھی اُس کے ڈر سے اپنے کاموں سے باز آ گئے تھے لہٰذا اغراء اور اخراج اور قتل کا وقوع نہیں ہوا' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو تنبیہ کی گئی تھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے اور مسجد سے نکال کر انہیں ذلیل کیا گیا اور ان پر نماز جنازہ پڑھنے سے بھی آنحضرت ﷺ کو منع فرما دیا اور اس طرح وہ سب کی نظروں میں ملعون ہو گئے۔ یہ تو منافقین کے ساتھ ہوا البتہ یہودیوں کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کیا گیا یہ قبیلہ بنی نضیر تھا' اور یہود کے قبیلہ بنی قریظہ کے بالغ مردوں کو قتل کر دیا گیا۔ (خوف وہراس کی خبریں اڑانے میں یہود کا زیادہ حصہ تھا)

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللّٰهِ ۚ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ

وہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں اور آپ کو اس کی کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی زمانہ میں

تَكُونُ قَرِيبًا ﴿۶۳﴾ إِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ﴿۶۴﴾ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ

واقع ہو جائے۔ بے شک اللہ نے لعنت کر دی ہے کافروں پر اور ان کے لئے دہکنے والی آگ تیار کی ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے

لَّا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۶۵﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا

وہ کوئی یار و مددگار نہ پائیں گے۔ جس دن اُن کے چہرے آگ میں اُلٹ پلٹ کئے جائیں گے یوں کہیں گے اے کاش کہ ہم نے اللہ کی

أَطَعْنَا اللّٰهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا ﴿۶۶﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا

اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ اور وہ یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب بلاشبہ ہم نے اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی فرمانبرداری کی سو انہوں نے

السَّبِيلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ﴿۶۸﴾

ہمیں راستہ سے گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے رب انہیں عذاب کا دوہرا حصہ دیجئے اور ان پر لعنت کر دیجئے بڑی لعنت

کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے وہ بھی دوزخ میں اپنے سرداروں پر لعنت کریں گے اور ان کے لئے دوہرے عذاب کی درخواست کرینگے

تفسیر: کافروں اور منافقوں کے سامنے جب قیامت کا ذکر آتا تھا تو اس کے واقع ہونے کا انکار کرتے ہوئے یوں کہتے تھے یہ تو بتاؤ کہ قیامت کب آئے گی؟ اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللّٰهِ کہ اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے' اس کے واقعہ ہونے کا وقت متعین کر کے اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتایا نہ کسی فرشتہ کو نہ کسی نبی کو' لیکن اس کا یہ

مطلب نہیں کہ وہ واقع ہی نہ ہوگی' اس کا وقوع مقرر اور مقدر ہے' اس کے آنے میں دیر لگنا اور تمہارے سامنے واقع نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ واقع نہ ہوگی۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرمایا: وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا (اور آپ کو اس کی کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہی زمانہ میں واقع ہو جائے) جب آپ کو اس کا وقتِ مقررہ معلوم نہیں اور قرب وقوع کا ہر وقت احتمال ہے تو ان جھٹلانے والوں کو تو بطریق اَولیٰ اس کا وقت مقررہ معلوم نہیں جب ہمیشہ قریب الوقوع ہونے کا احتمال ہے تو ان پر لازم ہے کہ اس سے ڈرتے رہیں اور تیاری کرتے رہیں نہ یہ کہ جلدی مچائیں' مذاق اڑائیں' اس میں خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور تنبیہ ہے منکرین کو۔

اس کے بعد کافروں کی بدحالی بتائی اور ارشاد فرمایا إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ (الآیۃ) بلاشبہ اللہ نے کافروں پر لعنت کر دی وہ دنیا میں بھی ملعون ہیں اور آخرت میں بھی' اگر دنیا میں کچھ مزے اڑاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت اور پھٹکار میں ہوتے ہوئے جیتے ہیں' اور ملعونیت کی زندگی کوئی زندگی نہیں اور آخرت میں ان کے لئے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب ہے وہ بھی تھوڑے دن کا یا بہت ذرا دیر کا نہیں بلکہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے' وہاں کوئی یار اور مددگار نہ ملے گا' جس روز اُن کے چہرے آگ میں اُلٹ پلٹ کیے جائیں گے' چہروں کے بل دوزخ کی آگ میں گھسیٹے جائیں گے تو حسرت کے ساتھ یوں کہیں گے کہ ہائے کاش ہم نے اللہ کی فرمانبرداری کی ہوتی اور رسول کی بات مانی ہوتی' اگر ہم اطاعت کرتے تو آج عذاب میں مبتلا نہ ہوتے۔

اس کے بعد یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی فرمانبرداری کی انہوں نے ہمیں ایمان قبول نہ کرنے دیا اور کفر پر جمے رہنے کی تاکید کرتے رہے' اس طرح سے انہوں نے ہمیں صحیح راستہ سے اور دین حق سے ہٹا کر گمراہ کر دیا۔

سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا کے عموم میں چھوٹے بڑے چودھری' کفر کے سرغنے' گمراہی کے لیڈر سب ہی داخل ہیں۔ دنیا میں جہاں کہیں ایمان کی فضا بنتی ہے قوموں کے لیڈر اور چودھری ایمان سے روکتے ہیں جو شخص اسلام قبول کرلے اُسے واپس کفر میں لے جانے کی کوشش کرتے ہیں' کفر کی دعوت دینے کیلئے اور اپنی قوموں کو کفر پر جمانے کے لئے ان کے ملوک اور رؤسا اور امراء اور وزراء و اغنیاء بڑی بڑی محنتیں کرتے ہیں اور اربوں کی تعداد میں روپیہ خرچ کرتے ہیں اور دنیا میں اپنی بڑائی اور چودھراہٹ باقی رکھنے کے لئے کروڑوں انسانوں کو دوزخ کا ایندھن بنانے اور بنائے رکھنے کی کوششیں جاری رکھتے ہیں' دنیا میں یہ حال ہے لیکن وہاں جب عذاب میں مبتلا ہوں گے تو اپنے ماننے والوں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور چھوٹوں بڑوں میں ہر قسم کے تعلقات ختم ہو جائیں گے اور چھوٹے بڑوں پر اور بڑے چھوٹوں پر لعنت کریں گے کوئی کسی کا مددگار نہ ہوگا' یہی عوام اور پبلک کے افراد جو دنیا میں اپنے بڑوں اور چودھریوں کی بات مانتے ہیں دوزخ میں پہنچ کر اپنے بڑوں' لیڈروں اور چودھریوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب ان کو دوہرا عذاب دے' خود جو گمراہ تھے عذاب تو انہیں ہونا ہی ہے ہمیں جو انہوں نے گمراہ کیا اس کے عوض بھی ان کو عذاب دے۔

دوزخی لوگ اپنے بڑوں کے لئے یوں بھی دعا کریں گے کہ اے ہمارے رب ان پر بڑی لعنت کیجئے۔ (جو شخص کفر پر مر گیا اس پر لعنت ہے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا لیکن عوام الناس اپنے بڑوں اور چودھریوں کے لئے خوب بڑی لعنت کا سوال کریں)

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ

اے ایمان والو! الوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی سو اللہ نے انہیں اس بات سے بری کر دیا جو ان لوگوں

اللَّهِ وَجِيهًا ﴿٦٩﴾ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ

نے کہی تھی، اور موسیٰ اللہ کے نزدیک باوجاہت تھے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کہو۔ اللہ تمہارے اعمال کو صحیح بنا دے گا

أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾

اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے سو وہ کامیاب ہو گیا بڑی کامیابی کے ساتھ۔

ایمان والوں کو خطاب کہ اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی

تفسیر: صحیح بخاری ص ۴۲، ص ۴۸۳ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ موسیٰ علیہ السلام شرمیلے آدمی تھے اور پردہ کرنے کا خوب زیادہ اہتمام کرتے تھے حتیٰ کہ اگر ان کے جسم کی کھال بھی نظر آ جائے تو اس سے بھی شرماتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل ننگے نہاتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے جاتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام تنہا غسل کرتے تھے، بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے انہیں تکلیف پہنچائی اور یوں کہا کہ یہ شخص اس قدر پردہ کرتا ہے ہو نہ ہو اس کی کھال میں کوئی عیب ہے یا جسم میں برص کے داغ ہیں یا اس کے فوطے پھولے ہوئے ہیں یا کوئی اور تکلیف کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو بنی اسرائیل کی بات سے بری کرنے کا ارادہ فرمایا اور قصہ یہ پیش آیا کہ ایک دن انہوں نے تنہائی میں پتھر پر اپنے کپڑے رکھ دیئے پھر غسل فرمانے لگے، غسل کر کے فارغ ہوئے تو کپڑے لینے کا ارادہ کیا ابھی کپڑے لینے نہ پائے تھے کہ جس پتھر پر کپڑے تھے وہ کپڑوں کو لیکر تیزی سے چلا گیا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی لی اور پتھر کے پیچھے چل دیئے اور فرمانے لگے کہ اے پتھر میرے کپڑے دے میرے کپڑے دیدے، اسی طرح بنی اسرائیل کی ایک جماعت تک پہنچ گئے کیونکہ کپڑے پہنے ہوئے نہیں تھے اس لئے آپ کو انہوں نے برہنہ دیکھ لیا اور انہیں پتہ چل گیا کہ ان کے جسم پر کوئی بھی عیب نہیں ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی اچھی حالت میں پیدا فرمایا ہے، جب ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ لیا اور مان لیا کہ ان کے جسم میں کوئی عیب نہیں ہے تو پتھر کھڑا ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے لے کر پہن لئے اور پتھر کو اپنے عصا سے مارنا شروع کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ اللہ کی قسم ان کے مارنے سے پتھر میں تین یا چار یا پانچ یا چھ یا سات نشانات پڑ گئے تھے۔

قرآن مجید میں جو يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا فرمایا ہے اس میں اسی قصے کو بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے ایمان والو اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف دی سو اللہ نے انہیں اُن کی باتوں سے بری کر

دیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باوجاہت تھے۔

یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر ہے لیکن امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ علیہ کو لوگوں نے کیا تکلیفیں دی تھیں؟ اس کے بارے میں بھی صحیح بخاری جلد نمبر اص ۴۴۶ اور ص ۴۸۳ میں ایک قصہ لکھا ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ علیہ نے غزوۂ حنین کے موقع پر عرب کے بعض سرداروں میں مال تقسیم فرمایا تھا اور ان میں سے کسی کو دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ دے دیا۔ وہیں حاضرین میں سے کسی نے یوں کہہ دیا کہ یہ ایسی تقسیم ہے جس میں انصاف نہیں کیا گیا یا یوں کہہ دیا کہ اس تقسیم سے اللہ کی رضا مقصود نہیں ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان لوگوں کی یہ بات نقل کر دی تو آپ علیہ نے فرمایا کہ جب اللہ اور اس کا رسول انصاف نہیں کرے گا تو پھر کون انصاف کرے گا؟ اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے اُنہیں اس سے زیادہ تکلیف دی گئی پھر بھی انہوں نے صبر کیا۔

بات یہ ہے کہ جو مال آنحضرت علیہ نے تقسیم فرمایا وہ کسی کی ملکیت نہیں تھا وہ اموال فئے تھا اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ اختیار دیا گیا کہ اپنی صوابدید سے تقسیم فرمالیں' کسی کا حق روک کر مال تقسیم نہیں فرمایا تھا اور یہ بات نہ تھی کہ ایک کا حق دوسرے کو دے دیا' پھر اس کو انصاف کے خلاف کہنا ہی ظلم ہے۔ حدیث کی شرح لکھنے والے حضرات نے لکھا ہے کہ رسول اللہ علیہ پر اعتراض کرنا کفر ہے جس کی سزا قتل ہے لیکن آپ نے مذکورہ بالا بات کہنے والے شخص کو مصلحتاً قتل نہیں کیا کیونکہ تالیف قلب کی ضرورت تھی۔ اہل عرب میں یہ شہرت ہو جاتی کہ جناب محمد رسول اللہ علیہ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں' اس شہرت کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ اسلام جو پھیل رہا تھا اس میں رکاوٹ ہو جاتی۔

بہر حال رسول اللہ علیہ نے اتنی بڑی تکلیف دینے والی بات کو برداشت کر لیا اور فرمادیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس سے زیادہ تکلیف دی گئی اور انہوں نے صبر کیا' یہ تو ایک تکلیف تھی اس کے علاوہ منافقین سے تکلیفیں پہنچتی رہتی تھیں آپ درگذر فرماتے تھے' جب کبھی کوئی شخص دعوت کے لئے کھڑا ہوتا ہے اسے تکلیفیں پہنچتی ہیں' رسول اللہ علیہ نے اپنے عمل سے برداشت کر کے بتادیا اور قول سے سمجھا دیا کہ پہلے بھی ایسا ہوا ہے۔

یہ جو ارشاد فرمایا کہ ''اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی'' مسلمانوں کو مزید خطاب فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کہو' ٹھیک بات میں سب کچھ آ گیا سچی بات بھی اور صحیح بات بھی اور عدل و انصاف کی بات بھی اور ہر دینی بات بھی۔ اسی لئے حضرت عکرمہؒ نے فرمایا (کمافی معالم التنزیل) کہ قَوْلًا سَدِیْدًا سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا مراد ہے۔ ترتیب میں اوّلاً تقوے کا ذکر کیا پھر قولِ سدید کہنے کا حکم فرمایا' اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ تقویٰ ہوگا تو بندہ اعمالِ صالحہ اختیار کرے گا اگر تقویٰ نہ ہو تو اعمال صالحہ اختیار کرنے اور گناہ سے بچنے کی بندہ کو ہمت نہیں ہوتی' اللہ سے ڈرے اور آخرت کی فکر کرے تب قول اور فعل ٹھیک ہوتا ہے۔

پھر تقویٰ اختیار کرنے اور ٹھیک بات کہنے کا انعام بتایا یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو قبول فرمالے گا اور تمہارے گناہوں کی مغفرت فرمادے گا۔

اللہ اور رسول علیہ کی اطاعت میں کامیابی ہے: اس کے بعد یہ فرمایا وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا

(اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے تو وہ بڑی کامیابی کے ساتھ کامیاب ہوگا)

لوگوں میں کامیابی کے بہت سے معیار معروف ہیں' کوئی شخص مال زیادہ ہونے کو کامیابی سمجھتا ہے اور کوئی شخص بادشاہ بن جانے کو' کوئی شخص وزارت مل جانے کو اور کوئی شخص جائیداد بنا لینے کو اور کوئی شخص زیادہ پیسوں والی ملازمت مل جانے کو کامیابی سمجھتا ہے' اللہ تعالیٰ نے کامیابی کا معیار بتا دیا کہ کامیاب وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

خطبۂ نکاح میں رسول اللہ ﷺ شہادتین کے بعد آیت کریمہ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ (الآیۃ) اور آیت کریمہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ (الآیۃ) اور آیت کریمہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا پڑھا کرتے تھے' (پورا خطبہ حصن حصین میں مذکور ہے) آپ ﷺ نے خطبۂ نکاح میں جو تین آیات اختیار فرمائیں ان میں چار جگہ تقویٰ کا حکم ہے اس سے تقویٰ کی اہمیت اور ضرورت معلوم ہوگئی۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ
بلاشبہ ہم نے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی سو انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور
مِنْھَا وَحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا ﴿۷۲﴾ لِّیُعَذِّبَ اللّٰہُ الْمُنٰفِقِیْنَ
انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا' بے شک وہ ظلوم ہے جہول ہے تاکہ اللہ منافقوں کو
وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِکِیْنَ وَالْمُشْرِکٰتِ وَیَتُوْبَ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَکَانَ
اور منافقات کو اور مشرکوں کو اور مشرکات کو سزا دے اور مؤمنین اور مؤمنات پر توجہ فرمائے اور
اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۷۳﴾
اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں نے بارِ امانت اٹھانے سے انکار کر دیا اور انسان نے اُسے اُٹھا لیا

تفسیر: یہ دو آیات کا ترجمہ ہے' پہلی آیت میں امانت سپرد کرنے کا اور دوسری آیت میں نافرمانوں کے لئے عذاب دینے کا اور اہل ایمان پر مہربانی فرمانے کا ذکر ہے۔

یہ جو فرمایا کہ ہم نے آسمانوں پر اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر امانت پیش کی اور انہوں نے اس کی ذمہ داری اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ اس میں امانت سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں متعدد اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس سے حکم کی فرمانبردی کرنا یعنی فرائض کا انجام دینا مراد ہے' آسمانوں سے اور زمین سے اور پہاڑوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم امانت کو قبول کر لو یعنی احکام کی فرمانبرداری کی ذمہ داری کا اقرار کرو اور ان کی ادائیگی کا بوجھ اٹھاؤ تو ان چیزوں نے کہا کہ اگر ہم ذمہ داری کو برداشت کر

لیں اور احکام پر عمل پیرا ہونے کا وعدہ کرلیں تو اس کا انجام کیا ہوگا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اچھے عمل کرو گے تو اس کا اچھا اجر ملے گا اور اگر نافرمانی کرو گے تو عذاب دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے بس کی بات نہیں نہ ہمیں ثواب چاہئے نہ عذاب میں مبتلا ہونے کو تیار ہیں' (تشریعی طور پر اوامر اور احکام کا بوجھ اٹھانا ہمارے بس کا روگ نہیں ہاں ہم تکوینی طور پر مسخر ہیں' آپ کے حکم کے مطابق رہیں گے' اس میں نہ مخالفت کا اندیشہ ہے اور ثواب بھی نہیں عذاب بھی نہیں' ہمیں بے ثواب رہنا منظور ہے عذاب کی برداشت نہیں) ان پر خوف اور خشیت کا ایسا غلبہ ہوا کہ عذاب کے ڈر سے ثواب چھوڑنے پر بھی آمادہ ہوگئے۔ ان چیزوں پر جو اللہ تعالیٰ نے امانت پیش فرمائی تھی وہ بطور تخییر کے تھی یعنی اختیار دیا گیا تھا کہ چاہو تو اس کو اپنے ذمہ لے لو چاہو تو نہ لو لہٰذا انہوں نے تخییر سے فائدہ اٹھایا اور تحمل امانت سے انکار کردیا۔ اگر کوئی شخص یہ سوال اٹھائے کہ آسمان و زمین اور پہاڑ تو جمادات ہیں ان سے سوال جواب کیسے ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ہمارے نزدیک بے فہم ہیں خالق اور مالک سے جو اُن کا تعلق ہے وہ ادراک اور سمجھ کے ساتھ ہے' جیسا کہ سورۃ الحج میں فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (اے مخاطب! کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ کے سامنے سب عاجزی کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی بھی' اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہوگیا اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں' اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے)

سورۃ حٰمٓ السجدہ میں فرمایا: ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ (پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ دھواں تھا' سو اس سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے' دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں)

سورۃ البقرہ میں پتھروں کے بارے میں فرمایا وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (اور ان میں بعض وہ ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں)

اصل بات یہ ہے کہ پتھروں میں اور دوسری جمادات میں ہمارے خیال میں ادراک اور شعور نہیں ہے کیونکہ وہ ہم سے بات نہیں کرتے اور ہمیں وہ احوال معلوم نہیں جو ان پر گذرتے ہیں' اور ان کا اپنے خالق سے مخلوق اور مملوک اور عبادت گذار ہونے کا جو تعلق ہے انسان اس سے واقف نہیں ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اُحد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ (جلد ۲ ص ۵۸۵)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ مکہ مکرمہ میں ایک پتھر ہے میں اسے پہچانتا ہوں جن دنوں میں میری بعثت ہوئی وہ مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۴۵)

امانت کی تشریح اور توضیح و تفصیل: جب انسان پر امانت پیش کی گئی اور احکامِ الٰہیہ پر عمل پیرا ہونے کی ذمہ داری سونپی گئی تو انسان نے اسے قبول کرلیا اور برداشت کرلیا اور یہ مان لیا کہ میں احکامِ الٰہیہ پر عمل کروں گا۔ فرائض کی

پابندی کروں گا واجبات ادا کروں گا۔

وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ میں الْإِنْسَانُ سے کیا مراد ہے؟ بعض مفسرین کے بیان کے مطابق یہ امانت کی پیشی حضرت آدم علیہ السلام پر ہوئی تھی جذبہ ثواب میں آ کر انہوں نے قبول کر لیا معصیت کے عقاب کی طرف گویا خاص دھیان نہیں دیا اور تکوینی طور پر بھی انہیں قبول کرنا تھا کیونکہ انہیں خلافت کے لئے پیدا کیا گیا۔ یہ امانت کی پیشی کب ہوئی؟ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ بھی یوم المیثاق میں ہوا جس کا ذکر آیت کریمہ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ میں مذکور ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ واقعہ یوم المیثاق سے پہلے کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں پہلے شرمگاہ پیدا فرمائی اور فرمایا کہ یہ امانت ہے اور تیرے پاس ودیعت رکھی جارہی ہے اسے ضائع مت کرنا صرف حلال جگہ میں استعمال کرنا' اگر تو نے اس کی حفاظت کی تو میں تیری حفاظت کروں گا (اس کے بعد فرمایا) لہٰذا شرمگاہ امانت ہے' کان امانت ہیں' آنکھیں امانت ہیں' زبان امانت ہے' پیٹ امانت ہے' ہاتھ امانت ہیں' پاؤں امانت ہیں یعنی ان چیزوں سے متعلق جو احکام دیئے گئے ہیں اُن کی خلاف ورزی خیانت ہے اور انہیں احکام الٰہیہ کے مطابق استعمال کرنا ادائے امانت ہے۔ (روح المعانی جلد ۲۲ ص ۹۶ تا ۹۸)

آیت کریمہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا لا تخونوا الله بترک فرائضه والرّسول بترک سنة یعنی فرائض کو چھوڑ کر اللہ کی خیانت نہ کرو اور سنتوں کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خیانت نہ کرو۔ (درمنثور جلد ۳ ص ۱۷۸)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خیانت کرنے کی ممانعت کرنے کے بعد فرمایا وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ اور آپس میں اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو' چونکہ امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے اور ہر طرح کی امانت میں خیانت کرنے کی ممانعت ہے اس لئے ہر خیانت سے نہایت اہتمام کے ساتھ پرہیز کرنا لازم ہے۔ مالی خیانت کو تو سبھی جانتے ہیں مثلاً کوئی شخص کسی کے پاس امانت رکھے اور وہ اس کو کھا جائے یا استعمال کرے یا کم کر دے یا دو شریک آپس میں خیانت کر لیں جو شخص قرض دے کر یا کسی بھی طرح اپنا مال دے کر بھول جائے' اس کا حق رکھ لیں وغیرہ وغیرہ' یہ سب خیانتیں ہیں' اور ہر شخص کو معلوم ہوتا ہے کہ میں نے کس کا حق مارا ہے اور کس کی خیانت کی ہے فکر آخرت اور اللہ کا ڈر ہو تو انسان خیانت سے بچ سکتا ہے ورنہ دنیاوی نفع کو دیکھ کر بڑے بڑے دینداری کے دعویدار اس مسئلہ میں کچے پڑ جاتے ہیں' ہر شخص اپنے اپنے متعلقہ احکام میں دیانتدار ہے' چھوٹے بڑے حکام اور ملوک اور رؤساء اور وزراء امانتدار ہیں' انہوں نے جو عہدے اپنے ذمہ لئے ہیں وہ ان کی ذمہ داری شریعت اسلامیہ کے مطابق پوری کریں کسی بھی معاملے میں عوام کی خیانت نہ کریں۔ اسی طرح بائع اور مشتری اور سفر کے ساتھی' پڑوسی' میاں بیوی' ماں باپ اور اولاد سب ایک دوسرے کے مال کے اور دیگر متعلقہ امور کے امانتدار ہیں' جو بھی کوئی کسی کی خیانت کرے گا گنہگار ہوگا اور میدانِ آخرت میں پکڑا جائے گا' مالیات کے علاوہ دیگر امور میں بھی خیانت ہوتی ہے جن کا ذکر احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے۔

سورۂ نساء میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (بے شک اللہ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ امانت والوں کو اُن کی امانتیں دے دیا کرو) اور سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ (سو اگر

تم میں سے ایک شخص دوسرے شخص پر اعتماد کرے تو جس پر اعتماد کیا گیا ہے وہ دوسرے کی امانت ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے) سورۂ معارج میں نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (اور وہ لوگ جو اپنی امانتیں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ بہت کم ایسا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا ہو اور یوں نہ فرمایا ہو لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) (اُس کا کوئی ایمان نہیں جو امانتدار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں)

مؤمن کا کام یہ ہے کہ پوری طرح امانت دار رہے اللہ تعالیٰ کے فرائض اور واجبات کو بھی ادا کرے سنتوں کا بھی اہتمام رکھے بندوں کے حقوق بھی ادا کرے اور عہد کی بھی پابندی کرے۔

امانتوں کی کچھ تفصیل ہم نے سورۂ نساء کی آیت اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا کے ذیل میں بیان کر دی ہے۔ (انوار البیان ج ۲) اور مستقل ایک رسالہ بھی "امانت وخیانت" کے عنوان سے لکھ دیا ہے اُس کو ملاحظہ کر لیا جائے۔

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (بیشک انسان ظلوم ہے جہول ہے) ظلوم کا معنی ہے ظلم کرنے والا ہے۔ اور جہول کا معنی ہے "نادان"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ظلوم کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے۔ اور جہول کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جو امانت کی ادائیگی کا بوجھ اٹھایا وہ اسکے انجام کو نہیں جانتا تھا۔ یہ افراد کے اعتبار سے فرمایا کیونکہ انسانوں میں صالح بھی ہیں علماء بھی ہیں عارفین بھی ہیں۔ اسی لئے مجموعہ افراد کا انجام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا لِیُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِیْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ (تا کہ اللہ عذاب دے منافق مردوں کو اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو) وَیَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (اور تا کہ رحمت کے ساتھ اللہ متوجہ ہو مومن مردوں اور مومن عورتوں پر) یعنی انسان نے امانت کے بوجھ کو اُٹھا لیا پھر اس ذمہ داری کو نباہنے والے بھی ہوئے اور خلاف ورزی کرنیوالے بھی ہوئے جس کا انجام یہ ہوا کہ منافقوں اور مشرکوں کو عذاب ہو (اس میں اَلْکَافِرِیْنَ وَالْکَافِرَاتِ کا ذکر نہیں ہے کیونکہ جب ان کافروں کا انجام عذاب ہے جو منافق ہیں یعنی زبان سے اسلام کا اقرار کرتے ہیں اور دل سے انکاری ہیں تو جو لوگ کھلے کافر ہوں گے وہ بطریق اُولیٰ مستحق عذاب ہوں گے) اور ایمان والے مردوں اور عورتوں پر اللہ رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے گا۔ اس میں ویرحم اللہ کی بجائے ویتوبُ فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص نافرمانی کے بعد توبہ کر لے گا وہ بھی رحمت اور مغفرت کا مستحق ہوگا۔

آخر میں جو وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا فرمایا اس میں یہ بات بتا دی کہ مغفرت فرمانا اور رحم فرمانا اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ ہیں کافر اور مشرک کی تو مغفرت نہیں جیسا کہ دوسری آیت میں بیان فرمایا ہے دنیا میں تو سب ہی پر رحمت ہے اور آخرت میں صرف اہل ایمان پر رحمت ہوگی۔

تم تفسیر سورۃ الاحزاب والحمد للہ الملک الوھاب والصّلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سیدنا من اُوتی الکتاب وعلیٰ اٰلہ خیر اٰل و اصحاب

سُوْرَةُ سَبَاٍ مَّكِّيَّةٌ وَّهِيَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَرْبَعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ سبا مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ اس میں چون آیات اور چھ رکوع ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ؕ

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہے جس کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں اور زمینوں میں ہے اور اسی کے لئے حمد ہے دنیا میں اور آخرت میں،

وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ

دنیا میں اور آخرت میں، اور وہ حکیم ہے باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ اس میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس میں سے نکلتا ہے اور جو کچھ

السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا

آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے۔ اور وہ رحیم ہے غفور ہے۔ اور کافروں نے کہا کہ ہمارے پاس قیامت نہیں

السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي

آئے گی۔ آپ فرما دیجئے۔ ہاں میرے رب کی قسم وہ تم پر ضرور آئے گی، میرا رب عالم الغیب ہے، اس سے ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز

السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ۙ

آسمانوں میں اور زمین میں غائب نہیں ہے اور نہ کوئی اس سے چھوٹی چیز ہے نہ بڑی چیز مگر کتاب مبین میں موجود ہے۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ

تاکہ وہ ان لوگوں کو بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے مغفرت ہے اور رزق کریم ہے، اور جن لوگوں نے

سَعَوْ فِيْ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

ہماری آیات کے بارے میں عاجز کرنے کی کوشش کی اُن لوگوں کے لئے سختی والا دردناک عذاب ہے۔ اور جن کو علم دیا گیا

الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝

وہ سمجھتے ہیں کہ اُن کے رب کی طرف سے جو کچھ نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے اور عزیز حمید کے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مستحق حمد ہے اُسے ہر چیز کا علم ہے

اہل ایمان کیلئے مغفرت اور رزقِ کریم ہے

تفسیر: یہاں سے سورۂ سباء شروع ہو رہی ہے۔ سباء ایک قوم تھی جو یمن میں رہتی تھی اس سورت کے دوسرے رکوع میں ان لوگوں کی بود و باش اور باغوں سے متمتع ہونے کا پھر ناشکری کی وجہ سے ان کی بربادی کا تذکرہ فرمایا ہے اس لئے

سورۃ کا نام سورۂ سباء معروف ہوا۔

شروع سورۃ میں ارشاد فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ ہی مستحق حمد ہے اس دنیا میں بھی اسی کے لئے حمد ہے اور آخرت میں بھی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ بیان فرمائی اولاً تو یہ فرمایا کہ وہ حکیم ہے حکمت والا ہے اُس کا کوئی فعل اور کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں، پھر فرمایا کہ وہ خبیر بھی ہے اُسے اپنی مخلوق کی اور مخلوق کی مصالح اور منافع اور مضار کی پوری طرح خبر ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کے علم کی کچھ تفصیل بیان فرمائی کہ زمین میں جو کچھ داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو آسمان میں چڑھتا ہے وہ ان سب کو جانتا ہے وہ رحمت والا بھی ہے اور مغفرت کرنے والا بھی ہے۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ کی حمد بیان ہوئی جس میں اس کی صفت علم اور صفتِ رحمت اور صفتِ حکمت اور صفت مغفرت کا ذکر آیا ہے اور اس سے توحید بھی ثابت ہوگئی۔ اس کے بعد منکرین قیامت کا قول نقل فرمایا اور ان کی تردید فرمائی۔ ارشاد فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ (اور کافروں نے کہا کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی) قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ (آپ فرما دیجئے کہ ہاں میرے رب کی قسم قیامت ضرور آئے گی) عٰلِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (میرا رب عالم الغیب ہے اس سے ذرہ کے برابر بھی کوئی چیز آسمانوں میں اور زمین میں غائب نہیں ہے اور نہ کوئی اس سے چھوٹی چیز ہے نہ بڑی چیز مگر کتاب مبین میں موجود ہے) اس میں منکرین قیامت کی اس بات کا جواب دے دیا کہ جب اموات کی ہڈیاں گل سڑ جائیں گی اُن کے ذرات کہاں کے کہاں پہنچے ہوں گے، بعض دریا میں مرکر دریائی جانوروں کی غذا بنے ہوں گے اور بعض کو خشکی کے جانوروں نے کھایا ہوگا تو اُن کے اجزاء کس طرح جمع ہوں گے؟ ان کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے کوئی چیز ذرہ بھر بھی اس کے علم سے باہر نہیں ہے آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو کوئی بھی چیز خواہ چھوٹی ہو یا بڑی کتاب مبین میں محفوظ ہے۔

پھر قیامت قائم فرمانے کی غایت بتائی لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (تاکہ اللہ اُن لوگوں کو صلہ دے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے) اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (یہ وہ لوگ ہیں جنکے لئے مغفرت ہے اور عزت والا رزق ہے) وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ (اور جن لوگوں نے ہماری آیات کے بارے میں عاجز کرنے کی کوشش کی اُن لوگوں کے لئے سختی والا دردناک عذاب ہے) اس میں ان لوگوں کی سزا کا تذکرہ فرمایا ہے جو اہل ایمان کے مخالف ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلا کر باطل کر دیں یعنی قیامت کے وقوع کو نہ مانیں اور قیامت کی خبر دینے والے (یعنی رسول اللہ ﷺ) کو ہرا دیں۔ قیامت قائم ہو کر جس طرح اہل ایمان اور اعمالِ صالحہ والوں کو مغفرت اور رزقِ کریم کا انعام ملے گا اسی طرح منکرین کو دردناک عذاب ہوگا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کی غایت جزا اور سزا دینے کے لئے ہے۔

اس کے بعد اہل علم کی تعریف فرمائی: وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (الآیۃ) کہ جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ اس قرآن کو جو آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف بھیجا گیا ہے حق سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا راستہ بتاتا ہے جو غالب ہے اور مستحق حمد ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ

اور کافروں نے کہا کیا ہم تمہیں ایسا شخص نہ بتا دیں جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم پوری طرح ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے

اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝۷ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

تو تم ضرور ایک نئی پیدائش میں آ جاؤ گے۔ کیا اس شخص نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یا اس کو کسی طرح کا جنون ہے' بلکہ بات یہ ہے کہ جو لوگ

بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝۸ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ عذاب میں اور دور کی گمراہی میں ہیں۔ کیا انہوں نے اُسے نہیں دیکھا جو ان کے سامنے ہے

مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ

اور جو اُن کے پیچھے ہے یعنی آسمان اور زمین' اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ہم اُن پر

السَّمَاۗءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝۹

آسمان کے ٹکڑے گرا دیں' بلاشبہ اس میں متوجہ ہونے والے ہر بندہ کیلئے نشانی ضرور ہے۔

کافروں کی طرف سے وقوعِ قیامت کا انکار اور اُن کیلئے عذاب کی وعید

تفسیر: جو لوگ قیامت کے منکر تھے وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں آپس میں کہتے تھے کہ کیا ہم تمہیں ایسا آدمی نہ بتا دیں جو تمہیں یہ بتاتا ہے کہ جب تم بالکل ہی چورہ چورہ ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر نئے طریقے سے پیدا ہو گے' انہیں نئے طور پر پیدا ہونے سے جو تعجب ہوتا تھا اپنے اس تعجب کو اس طرح ظاہر کیا اور اس میں کچھ استہزاء اور تمسخر کا بھی پہلو ہے۔ چونکہ یہ لوگ رسالت پر ایمان نہیں رکھتے تھے اس لئے انہوں نے وقوع قیامت کی خبر کو دو باتوں میں منحصر کر دیا اور کہنے لگے کہ یہ شخص اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے یعنی وہ بات کہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں بتائی گئی' اور اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر یہ شخص دیوانگی میں مبتلا ہے' خبر کے سچا ہونے کا اُنکے نزدیک احتمال ہی نہیں تھا اس لئے انہوں نے تیسری بات کا تذکرہ ہی نہیں کیا یعنی یوں نہیں کہا کہ ممکن ہے اس کی بات سچی ہو بلکہ دو ہی باتوں میں منحصر کر دیا حالانکہ ان کی دونوں باتیں غلط ہیں' نہ آپ ﷺ نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور نہ آپ کو دیوانگی ہے۔ اُن کے جواب میں فرمایا: بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ مطلب یہ ہے کہ ہمارا نبی نہ افتراء کرنے والا ہے نہ دیوانہ ہے بلکہ بات یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ عذاب اور دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں' گمراہی میں اتنے زیادہ آگے بڑھ چکے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی خبر انہیں جھوٹی معلوم ہوتی ہے اور انہیں دیوانگی کی طرف منسوب کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

پھر ان لوگوں کا تعجب دور کرنے کے لئے فرمایا: اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ '

اس میں یہ بتایا کہ دیکھو تمہارے سامنے آسمان ہیں اور زمین ہے، تمہیں معلوم ہے کہ ان کا کتنا وجود ہے، کتنی وسعت ہے، یہ بھی مانتے ہو کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا جس نے انہیں پیدا فرمادیا اس کے بارے میں یہ غلط خیال کیسے کرنے لگے کہ وہ چھوٹی سی مخلوق کو یعنی تمہارے وجود کو دوبارہ پیدا نہ کرسکے گا۔ اسی کو سورۃ المومن میں یوں فرمایا۔ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (البتہ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانا لوگوں کے پیدا فرمانے کی بہ نسبت بڑا کام ہے اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے) اور سورۃ یٰسٓ میں فرمایا۔ اَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (کیا وہ ذات جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا اس پر قادر نہیں ہے کہ انکے جیسے پیدا فرمادے) اور سورۂ احقاف میں فرمایا اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ۚ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ جس خدا نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا اور ان کے پیدا کرنے میں ذرا بھی نہیں تھکا وہ اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ فرمائے، کیوں نہیں، بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

پھر فرمایا: اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ (اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا اگر چاہیں تو ان پر آسمان کے ٹکڑے گرادیں) یعنی آسمان اور زمین کو دیکھ کر یہ لوگ عبرت و بصیرت حاصل نہیں کرتے، ان کے اس انکار و تکذیب کی سزا میں ہم اسی زمین کو اور اسی آسمان کو اُن کے لئے عذاب کا ذریعہ بنا سکتے ہیں۔ حکمت کے مقتضا کے باعث گرفت میں جو دیر لگ رہی ہے اس سے دھوکہ نہ کھائیں۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ (بلاشبہ اس میں اُس بندے کے لئے بڑی نشانی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو) اور حق کا طالب ہو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۘ يٰجِبَالُ اَوِّبِىْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿۱۰﴾ اَنِ

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی، اے پہاڑو! داؤد کے ساتھ بار بار تسبیح کرو اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا، اور ہم نے

اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِى السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۖ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱﴾

ان کے لئے لوہے کو نرم کردیا کہ تم پوری زرہیں بناؤ اور جوڑنے میں اندازہ رکھو اور تم سب نیک کام کیا کرو، بلاشبہ میں ان کاموں کو دیکھ رہا ہوں جنہیں تم کرتے ہو۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۗ وَمِنَ

اور ہم نے سلیمان کے لئے ہوا کو مسخر کیا اس کا صبح کا چلنا ایک ماہ کی مسافت تھا اور اس کا شام کا چلنا ایک ماہ کی مسافت تھا، اور ہم نے ان کے لئے تانبے کا چشمہ بہادیا، اور

الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۗ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ

جنات میں بعض وہ تھے جو اُن کے سامنے اُن کے رب کے حکم سے کام کرتے تھے، اور ان میں سے جو شخص ہمارے حکم سے سرتابی کرے ہم اسے دوزخ کا عذاب

السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ

چکھائیں گے۔ جنات ان کے لئے ان کی فرمائش کے مطابق بڑی بڑی عمارتیں اور مجسمے اور حوضوں کے برابر بڑے بڑے لگن اور ایسی دیگیں بناتے تھے جو ایک ہی جگہ

رَّسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

جمی رہیں اے داؤد کے خاندان والو تم شکر کا کام کرو اور میرے بندوں میں شکر گذار کم ہوتے ہیں

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام والے انعامات کا تذکرہ

تفسیر: یہاں حضرت داؤد اور ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہما السلام کا تذکرہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں جس اقتدار اور اختیار اور جن نعمتوں سے نوازا تھا ان میں سے بعض کا تذکرہ ہے۔ سورۂ انبیاء (رکوع نمبر ۵) میں دونوں حضرات کا تذکرہ گذر چکا ہے اور سورۂ صٓ میں بھی (رکوع نمبر ۲ اور رکوع نمبر ۳ میں) آ رہا ہے۔

پہاڑوں اور پرندوں کا تسبیح میں مشغول ہونا: اولاً تو یہ فرمایا کہ ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دیا کہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ ہماری طرف بار بار رجوع ہوں اور ان کے ساتھ ہماری ذکر و تسبیح میں مشغول رہیں۔ لفظ اَوِّبِیْ باب تفعیل سے ہے اور چونکہ مجرد سے بھی اس کا معنی رجوع کرنے کا ہے اس لئے اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ رَجِّعِیْ مَعَهُ التَّسْبِیْحَ وَرَدِّدِیْ بِهٖ کہ داؤد کے ساتھ بار بار تسبیح کرو۔ اور پرندوں کو بھی حکم دیا کہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ اللہ کی تسبیح میں مشغول رہیں۔ سورۂ صٓ میں فرمایا ہے: اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ (ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں اور پرندوں کو بھی حکم دیا تھا جو جمع ہو جاتے تھے سب اس کی وجہ سے ذکر میں مشغول رہتے تھے)۔

یوں تو ہر چیز اللہ کی تسبیح میں مشغول رہتی ہے جیسا کہ متعدد آیات میں بیان فرمایا ہے لیکن پہاڑوں اور پرندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی حکم تھا کہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنے میں مشغول رہیں، یہ تسبیح حروف اور کلمات کے ساتھ تھیں، جیسا کہ اس طرح کے معجزات نبویہ بھی کتب احادیث میں مذکور ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے جس وقت وہ کھایا جاتا تھا۔ (رواہ البخاری کما فی المشکوٰۃ المصابیح ص ۵۳۸)

جب داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تھے تو پہاڑ بھی تسبیح پڑھتے تھے اور پرندے بھی آپ کے پاس جمع ہوتے اور مشغول تسبیح ہو جاتے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام نہایت خوش آواز تھے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خوش آوازی کو تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا لقد اُوتی مزمارا من مزامیر آل داود۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۷۵ عن البخاری و مسلم) (کہ ان کو داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی کا حصہ دیا گیا)

لوہے کو نرم فرمانا: ثانیاً یہ فرمایا: وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ کہ ہم نے لوہے کو داؤد علیہ السلام کے لئے نرم کر دیا، اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ اور انہیں حکم دیا کہ تم پوری زرہیں بناؤ۔ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ اور ان کے جوڑنے میں اندازہ رکھو۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے جو تلواروں کا حملہ روکنے کے لئے زرہیں بنائی جاتی تھیں وہ لوہے کے تختے ہوتے تھے جو جنگ کرنے والا اپنے آگے پیچھے باندھ لیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہیں بنانے کا یہ طریقہ سکھایا کہ پہلے وہ لوہے کے زنجیر نما حلقے بنالیں پھر انہیں آپس میں ایک اچھے اور مناسب انداز میں جوڑ دیا کریں۔ اسی کو سورۃ الانبیاء میں فرمایا:

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَأْسِكُمْ (اور ہم نے انہیں زرہ بنانے کی کاریگری سکھائی تاکہ وہ تمہیں تمہاری جنگوں میں محفوظ رکھیں)۔

معالم التنزیل جلد ۳ ص ۵۰۵ میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو جب حکومت ملی تو آپ ہیئت بدل کر گھوما پھرا کرتے تھے اور اِکا دُکا جو کوئی شخص مل جاتا اُس سے دریافت فرماتے تھے کہ کہو بھائی داؤد کیسے ہیں؟ عام طور سے اس کے جواب میں لوگ ان کی تعریف ہی کر دیتے تھے۔ ایک دن اللہ تعالیٰ نے انسانی صورت میں ایک فرشتہ بھیجا' داؤد علیہ السلام نے اس سے بھی وہی سوال کیا جو دوسرے لوگوں سے کیا کرتے تھے' فرشتے نے کہا کہ ہاں آدمی تو وہ اچھے ہیں اگر اُن میں ایک خصلت نہ ہوتی یہ سنکر حضرت داؤد علیہ السلام متفکر ہوئے اور دریافت کیا کہ وہ کون سی خصلت ہے؟ فرشتے نے جواب دیا وہ یہ ہے کہ وہ خود بھی بیت المال سے کھاتے ہیں اور اپنے بال بچوں کو بھی اسی میں سے کھلاتے ہیں' یہ بات سنکر آپ کو تنبہ ہوا اور اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ میرے لئے کوئی ایسا سبب بنا دیجئے جس سے میرا اور میرے اہل وعیال کا گذارہ ہوتا رہے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو زرہ بنانی سکھائی اور آپ کے لئے لوہے کو نرم کر دیا۔ زرہ بنانے کے لئے انہیں لوہے کو آگ میں ڈال کر نرم کرنے اور ہتھوڑوں سے کوٹنے پیٹنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی' ان کے ہاتھوں میں لوہا موم کی طرح پگھل جاتا تھا اور گوندھے ہوئے آٹے کی طرح نرم ہو جاتا تھا' روزانہ ایک زرہ بنا لیتے تھے جو چار ہزار درہم (اور ایک قول کے مطابق چھ ہزار درھم) میں فروخت کر دیتے تھے' اُن میں سے اپنی جان پر' اپنے اہل وعیال پر خرچ فرماتے تھے اور فقراءِ بنی اسرائیل پر بھی صدقہ فرماتے تھے۔

حضرت مقداد بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی شخص نے اس سے بہتر کھانا نہیں کھایا کہ اپنے ہاتھ سے کام کرے اور اس سے جو حاصل ہو اُس میں سے کھائے' اور فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی محنت سے کھاتے تھے (رواہ البخاری ص ۲۷۸)

اس کے بعد فرمایا: وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اور اے داؤد کے گھر والو نیک عمل کرو' اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (بلاشبہ میں تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہوں)

ہوا کی تسخیر: اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام پر جو انعامات تھے ان کا تذکرہ فرمایا' انہیں میں سے ایک انعام یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہوا کو مسخر فرما دیا تھا' جہاں جانا ہوتا تھا ہوا کو حکم دے دیتے تھے وہ ان کو اور ان کے لشکر کو لے کر چل دیتی تھی' اور اس کی رفتار کا یہ عالم تھا کہ صبح کو چلتی تھی تو اُس زمانہ کے مسافروں کی عام رفتار کے مطابق ایک مہینے کی مسافت تک پہنچا دیتی تھی اور شام کو چلتی تو مزید ایک ماہ کی مسافت کو پہنچا دیتی تھی۔

معالم التنزیل میں حضرت حسنؒ سے نقل کیا ہے کہ صبح کو دمشق سے چل کر شام تک اصطخر پہنچا دیتی تھی پھر شام کو اصطخر سے چل کر صبح تک کابل پہنچا دیتی تھی۔ تیز رفتار سوار کے لئے دونوں مسافتیں ایک ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صبح کا کھانا مقام رَے میں کھاتے تھے اور شام کا کھانا سمرقند میں کھاتے تھے۔

تانبے کا چشمہ بہا دینا: دوسرا انعام ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کے لئے تانبے کا چشمہ بہا دیا۔ تانبا مشہور معدنی چیز ہے اور جامد ہے' اُسے برتن وغیرہ بنانے کے لئے پگھلانا پڑتا ہے'

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آپ کو پگھلے ہوئے تانبے کی نعمت دی اور تھوڑا بہت نہیں بلکہ اس کا چشمہ جاری فرما دیا۔ صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ تانبے کا یہ چشمہ یمن کی سرزمین میں تھا۔

جنات کی تسخیر: تیسری نعمت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ (اور جنات میں سے بعض وہ تھے جو اُن کے سامنے اُن کے رب کے حکم سے کام کرتے تھے) اللہ تعالیٰ نے جنات کو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں لگا دیا تھا' یہ شیاطین ان کے حکم کے مطابق کام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم جنات کے لئے یہ تھا کہ سلیمان (علیہ السلام) کی اطاعت کرو۔ وَمَنْ يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ (ہمارے اس حکم سے جو سرتابی کرے گا یعنی سلیمان کی حکم عدولی کرے گا ہم اُسے دوزخ کا عذاب چکھا دیں گے) شیاطین تو تھے ہی ان کو تشریعی طور پر بھی حضرت سلیمان کی اطاعت کا حکم تھا اسکی خلاف ورزی پر عذاب آخرت کی وعید ذکر فرمائی۔

محاریب اور تماثیل کا تذکرہ: يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ یہ جنات سلیمان علیہ السلام کے لئے ان کی فرمائش کے مطابق بڑی بڑی عمارتیں اور مجسمے یعنی مورتیاں بناتے تھے۔

لفظ مَحَارِيبَ محراب کی جمع ہے جس کا ترجمہ عمارتیں کیا گیا ہے' بعض حضرات نے اس کا ترجمہ قصور یعنی محلات کیا ہے' اور بعض حضرات نے مساکن یعنی رہنے کی جگہیں' اور بعض نے اُونچی جگہ یعنی بالاخانہ کا ترجمہ کیا ہے۔ اور تَمَاثِيلَ تمثال کی جمع ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جنات تصویریں بناتے تھے جو تانبا' پیتل' شیشہ اور سفید پتھروں کی ہوتی تھیں۔

جِفَانٍ اور قُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ: وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ اور بڑے بڑے لگن بناتے تھے جو حوضوں کی طرح ہوتے تھے۔ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ اور ایسی دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہنے والی تھی۔ جِفَانٌ' جَفْنَةٌ کی جمع ہے جو پیالہ کے معنی میں آتا ہے اور اَلْجَوَابُ جمع ہے جَابِيَةٌ کی۔ جیسے نَوَاصِيْ' نَاصِيَةٌ کی جمع ہے اس کے آخر سے یاء حذف ہوگئی۔ جابیہ بڑے پیالہ کے معنی میں آتا ہے کیونکہ وہ پیالے بڑے بڑے ہوتے تھے اس لئے اوپر لگن کا ترجمہ کیا گیا۔

جنات جو دیگیں بناتے تھے وہ بھی بہت بڑی بڑی ہوتی تھیں جو اپنی جگہوں پر جام رہتی تھیں معالم التنزیل جلد ۳ ص ۵۵۲ میں لکھا ہے کہ ایک پیالہ سے ہزار آدمی کھاتے تھے اور یہ پیالے پایوں والے تھے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتے تھے اور سیڑھیوں کے ذریعہ ان تک پہنچتے تھے۔ ظاہر ہے کہ پیالے اتنے بڑے تھے تو دیگیں کتنی بڑی ہوں گی جو اپنی جگہ جمی رہتی تھیں۔ حضرت سلیمانؑ کا یہ سلسلہ یمن میں تھا۔

ادائیگی شکر کا حکم: اِعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا' اے داؤد کے گھر والو شکر کا کام کرو (یعنی تمہیں جو نعمتیں ملی ہیں قولاً وفعلاً ان کا شکر ادا کرو' اعمال صالحہ میں لگے رہو) وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (اور میرے بندوں میں شکر گذار کم ہیں)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن بے روزہ رہتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نماز داؤد علیہ السلام کی نماز تھی (یعنی نماز تہجد) وہ آدھی رات سوتے تھے اور تہائی رات نماز میں کھڑے رہتے تھے اور رات کے چوتھے حصہ میں پھر سو جاتے تھے۔ (راجع صحیح البخاری کتاب الانبیاء)

اور معالم التنزیل میں حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے رات اور دن کے حصوں کو

اپنے اہل وعیال پر تقسیم کر رکھا تھا' رات اور دن میں جو بھی کوئی وقت ہوتا تھا ان کے گھر کا کوئی نہ کوئی شخص نماز میں مشغول رہتا تھا۔

شریعت محمدیہ میں تماثیل اور تصاویر کا حرام ہونا: حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جنات اُن کے تابع کر دیئے گئے تھے' ان کے بعض اعمال سورۂ سباء میں اور بعض اعمال سورۂ ص میں مذکور ہیں۔ یہاں جنات کے جن اعمال کا ذکر ہے ان میں تماثیل یعنی مورتیاں بنانے کا بھی تذکرہ فرمایا۔ بعض وہ لوگ جنہیں تصاویر سے اور مورتیوں سے محبت ہے وہ تصاویر اور تماثیل کے جواز پر اس آیت کو پیش کرتے ہیں' یہ ان لوگوں کی غلطی ہے' جب رسول اللہ ﷺ نے منع فرما دیا جو قرآن کو اور احکام الٰہیہ کو سب سے زیادہ جانتے تھے تو کسی دوسرے کو کیا اختیار ہے کہ آپ کے حکم سے سرتابی کرے اور جس چیز کو آپ ﷺ حرام قرار دیں اُسے حلال کہے' بات یہ ہے کہ سابقہ امتوں کے لئے بعض چیزیں حلال کر دی گئیں تھیں اور بعض چیزیں ان پر حرام تھیں' شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ نے ان حلال چیزوں میں سے بہت سی چیزیں حرام قرار دے دیں' یہ منسوخ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے' خود اس اُمت کیلئے ابتدائے اسلام میں بہت سی چیزیں جائز تھیں پھر ان کو حرام کر دیا گیا' اس میں سے شراب کی ابتداءً حلال ہونا پھر حرام ہونا تو تقریباً سب ہی جانتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔ (رواہ البخاری ص ۸۸۰ ج ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر تصویر بنانے والا دوزخ میں ہوگا' جو بھی صورت اس نے بنائی تھی وہ ایک جان بنا دی جائے گی جو اُسے دوزخ میں عذاب دیتی رہے گی۔ (رواہ البخاری و مسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۳۸۵)

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان تصویر والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔ ان سے کہا جائے گا کہ تم نے جو کچھ بنایا تھا اس میں جان ڈالو اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جس گھر میں تصویر ہو اُس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ (رواہ البخاری ص ۸۸۱)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے خون کی قیمت اور کتے کی قیمت اور زنا کے ذریعہ مال کمانے سے منع فرمایا اور سود کھانے والے اور سود کھلانے والے پر اور گودنے والی اور گدوانے والی پر اور تصویر بنانے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ (رواہ البخاری ص ۲۸۰)

یہ چند حدیثیں ہم نے صحیح بخاری سے نقل کر دی ہیں اور ان کے علاوہ بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں تصویر بنانے اور تصویر رکھنے کی ممانعت ہے' مجموعی حیثیت سے ان کی تعداد تواتر معنوی کو پہنچی ہوئی ہے۔ جو لوگ تصاویر و تماثیل کو جائز کہہ رہے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور وجہ ممانعت کو نہیں دیکھتے اور اپنی طرف سے علتیں نکالتے ہیں پھر یوں کہتے ہیں کہ علت نہ رہی تو حکم بھی باقی نہیں رہا اور خود سے یہ علت نکالی کہ اہل عرب مشرک تھے' اُن کے دلوں میں تصاویر کی اہمیت تھی لہٰذا ان کے دلوں سے تصاویر کی محبت نکالنے کے لئے تصاویر و تماثیل کو حرام قرار دے دیا تھا اب جب علت نہ رہی تو حکم بھی نہ رہا۔ العیاذ باللہ

آنحضرت ﷺ نے تو یہ علت نہیں بتائی۔ آپ نے تو یہ بتایا ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کو عذاب ہوگا جو اللہ

تعالیٰ کی صفت خالقیت کے مشابہ بنتے ہیں۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو میری صفت خالقیت سے ساجھا کرے۔ اگر ایسے ہی پیدا کرنے والے ہیں تو ایک ذرہ پیدا کردیں یا ایک حبہ یا ایک جو پیدا کردیں۔ (رواہ البخاری ص ۸۸۰ ج ۲)

آخر میں ایک اور حدیث سنتے چلیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ سے ایک گردن نکلے گی، اُس کی آنکھیں ہوں گی ان سے دیکھتی ہوگی اور دو کان ہوں گے جن سے سنتی ہوگی اور ایک زبان ہوگی جس سے بات کرتی ہوگی اور یوں کہے گی کہ میں تین شخصوں پر مسلط کی گئی ہوں، (۱) ہر وہ شخص جو ظالم ہو، عناد کرنے والا ہو (۲) وہ شخص جس نے اللہ کے ساتھ معبود بنا کر کسی کو پکارا ہو (۳) جو تصویر بنانے والا ہو۔ (رواہ الترمذی)

ایک شخص داڑھی منڈی ہوئی، پتلون پہنے ہوئے نصرانی صورت میں احقر سے بھڑ گیا کہنے لگا کیمرہ تو بہت سے بہت ڈیڑھ سو سال پہلے کی ایجاد ہے، میں نے کہا گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے کرو تو توبہ کی توفیق بھی ہو جائے گی اور اگر گناہ کو حلال کرنے کی کوشش کی جائے گی تو گناہ ڈبل ہو جائے گا اور گناہ حلال نہیں ہوگا اور حلال سمجھنے کی وجہ سے توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے کسی آلہ کی تخصیص تو نہیں فرمائی کہ تصویر ہاتھ سے بناؤ گے تو فرشتے گھر میں داخل نہ ہوں گے اور کسی آلہ کے ذریعہ سے تصویر کھینچو گے تو فرشتوں کو ناگواری نہ ہوگی، اور یہ نہیں فرمایا کہ یہ عمل یضاھؤن خلق اللہ میں شامل نہیں۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ

پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم جاری کردیا تو اُن کو سلیمان کی موت کا پتہ نہ دیا مگر گھن کے کیڑے نے جو اُن کے عصا کو کھا رہا تھا،

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿١٤﴾

سو جب وہ گر پڑے تو جنات کو پتہ چلا کہ اگر جن غیب کو جانتے ہوتے تو ذلیل کرنے والے عذاب میں نہ ٹھہرے رہتے۔

جنات غیب کو نہیں جانتے، وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات سے بے خبر رہے

تفسیر: جیسا کہ پہلے معلوم ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام جنات سے بڑے بڑے کام لیتے تھے، ان میں سخت کام بھی ہوتے تھے اور ان میں سے بعض شیاطین کو بیڑیوں میں جکڑ کر بھی ڈالتے تھے، کما ذکر اللہ فی سورۃ ص (وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ۝ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ) جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب ہوا تو وہ ایک لاٹھی لے کر اپنی ٹھوڑی سے لگا کر تخت پر بیٹھ گئے، اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی موت آنے کا فیصلہ فرما دیا لہٰذا اُن کو موت آ گئی، جنات یہ سمجھ کر کہ آپ بیٹھے ہیں اور ہمیں دیکھ رہے ہیں برابر کاموں میں لگے رہے اور تکلیفیں اٹھاتے رہے ان میں سے چھوٹے درجے کے جنات کو ایسا خیال تھا کہ جو ہمارے بڑے ہیں وہ غیب کو جانتے ہیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں جو بڑے جنات تھے وہ خود بھی اپنے بارے میں غیب

دانی کا دعویٰ کرتے ہوں' حضرت سلیمان علیہ السلام کو موت بھی آ گئی اور بدستور لاٹھی سے ٹیک لگائے بیٹھے رہے اور لاٹھی کو گھن کا کیڑا کھاتا رہا۔ جب ایک سال گذرا تو گھن کھانے کی وجہ سے لاٹھی ٹوٹ گئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی لاش گر پڑی' اب جو لاش گری تو جنات کو پتہ چل گیا کہ ارے یہ تو مرے ہوئے تھے' ان کا بیٹھا رہنا اور ٹکا رہنا لاٹھی کی ٹیک کی وجہ سے تھا' پھر حساب لگایا کہ گھن کے کیڑے نے کتنے دن تک لاٹھی کو کھایا ہوگا تو اندازہ ہوا کہ ایک سال تک کیڑے نے لکڑی کو کھایا ہے' جس کا ہمیں اب پتہ چلا ہے' اگر ہم پہلے ہی سے اس بات کو جان لیتے کہ ان کو موت آ چکی ہے تو مشقت کے کاموں میں کیوں لگے رہتے جو ہمارے لئے باعث عذاب بنے ہوئے تھے اور ہماری ذلت کا باعث تھے' اُن کا غیب دانی کا جو دعویٰ تھا وہ غلط نکلا اور پوری طرح یہ واضح ہو گیا کہ جنات غیب کو نہیں جانتے' یہ غلط فہمی اس اُمت کے بعض لوگوں کو بھی ہے' حالانکہ علم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کے لئے مخصوص ہے' کسی رسول یا فرشتے کو جو کچھ علم حاصل ہوا وہ اللہ تعالیٰ ہی کے عطا فرمانے سے ملا' سورۃ آل عمران میں فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے واقعہ سے پوری طرح عیاں ہو گیا کہ جنات غیب دان نہیں ہیں۔

قولہٗ تعالیٰ مِنْسَأَتَهٗ قال صاحب الرّوح وَالمنسأة من نسأت البعير اذا طردته' لانها يطرد بها أو من نسأته اذا اخرته ومنه النسئ' ويظهر من هٰذا انها العصا الكبيرة الّتى تكون مع الراعى واضرابه.

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ
واقعی بات ہے کہ قوم سبا کے لئے ان کے ٹھہرنے کی جگہ میں بڑی نشانی تھی' دائیں بائیں دونوں طرف باغوں کی قطاریں تھیں'
رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ
کھاؤ اپنے رب کے رزق سے اور اس کا شکر ادا کرو' عمدہ شہر ہے اور رب بخشنے والا ہے۔ سوانہوں نے روگردانی کی لہٰذا ہم نے ان پر بند کا سیلاب
وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ
بھیج دیا اور ہم نے ان کے باغوں کے بدلہ میں دو ایسے باغ دے دیئے جن میں بدمزہ پھل اور جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ تھوڑے سے بیری کے درخت تھے۔ ہم نے
جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ
انہیں یہ سزا ان کے کفر کی وجہ سے دی اور ہم ناشکروں ہی کو سزا دیا کرتے ہیں۔ اور ہم نے اُن کے درمیان اور اُن بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے
بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾
برکت رکھی تھی بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو نظر آتے تھے اور ہم نے ان کے درمیان اُن کے چلنے کا ایک خاص انداز رکھا تھا ان میں راتوں کو چلو اور دن میں چلو امن وامان کے ساتھ۔
فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ
سوانہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب دوری کر دیجئے ہمارے سفروں کے درمیان' اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا' سو ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور انہیں

كُلَّ مُمَزَّقٍ ۭ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّـكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدۡ صَدَّقَ عَلَيۡهِمۡ اِبۡلِيۡسُ

پوری طرح تتر بتر کر دیا بیشک اس میں ہر صابر و شاکر کے لئے بڑی عبرتیں ہیں' اور یہ بات واقعی ہے کہ ان کے بارے میں ابلیس نے

ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوۡهُ اِلَّا فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّا

اپنا گمان صحیح پالیا سو سب اسکے اتباع میں لگ گئے سوائے مومنین کی تھوڑی سی جماعت کے۔ اور ابلیس کا ان لوگوں پر کوئی زور نہ بجز اس کے اور کسی وجہ سے نہیں کہ ہم

لِنَعۡلَمَ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِالۡاٰخِرَةِ مِمَّنۡ هُوَ مِنۡهَا فِىۡ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ حَفِيۡظٌ ﴿۲۱﴾

یہ جان لیں کہ آخرت پر ایمان لانے والا کون ہے جو اُن لوگوں سے علیحدہ ہے جو اُس کی طرف سے شک میں ہیں اور آپ کا رب ہر چیز پر نگران ہے۔

قوم سباء پر اللہ تعالیٰ کے انعامات'
پھر ناشکری کی وجہ سے نعمتوں کا مسلوب ہونا

تفسیر: سبا ایک قوم تھی جو اپنے جدِ اعلیٰ سبا ابن یشجب کی طرف منسوب تھی' یہ لوگ یعرب بن قحطان کی اولاد سے تھے اور یمن میں رہتے تھے' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کو بہت نوازا تھا' دائیں بائیں باغوں کی قطاریں چلی گئی تھیں' انہیں میں رہتے سہتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں استعمال کرتے تھے' ان کے علاقہ کا نام مارب تھا جو شہر صنعاء سے (جواب بھی موجود ہے) تین دن کی مسافت پر تھا' ان کو حکم دیا تھا کہ اپنے رب کے رزق میں سے کھاؤ اور اس کا شکر بھی کیا کرو۔ روح المعانی میں مجمع البیان سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کی تیرہ بستیاں تھیں اور ہر ہر بستی میں اللہ تعالیٰ کا ایک ایک نبی مبعوث ہوا تھا جو انہیں اس بات کی ترغیب دیتا تھا کہ اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس شکر ادا کرو۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا بَلۡدَةٌ طَيِّبَةٌ (کہ یہ جگہ جہاں تم بستے ہو عمدہ جگہ ہے) جس کی آب و ہوا بھی اچھی ہے اور سرزمین بھی کاشت وغیرہ کے اعتبار سے بہترین ہے نہ اس میں جوئیں ہیں نہ کھٹمل نہ دوسرے کیڑے مکوڑے۔ (من روح المعانی)

وَرَبٌّ غَفُوۡرٌ اور تمہارے رب بخشنے والا ہے۔ اس کی عبادت اور شکر گذاری میں لگے رہو' کوئی قصور اور گناہ ہو جائے تو معافی مانگ لو وہ بخش دے گا۔

یہ لوگ ان نعمتوں میں مست تھے' جس کو اللہ تعالیٰ نے نعمتیں دی ہوں اُسے خود اپنے ہوش گوش کے ساتھ اللہ کا شکر گذار ہونا چاہئے لیکن ان لوگوں نے توجہ دلانے پر بھی شکر ادا نہ کیا' جسے فَاَعۡرَضُوۡا سے تعبیر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ناشکری کی سزا دے دی اور ان پر عذاب بھیج دیا' یہ عذاب کیا تھا ایک سیلاب تھا اور یہ سیلاب بھی سخت تھا' جو بند بنا ہوا تھا وہ ٹوٹ گیا اور سیلاب نے ان کے گھروں کو' مکانوں کو' باغوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ وہ جو باغوں کی قطاریں تھیں سب برباد ہو گئیں اور ان کی جگہ ایسے باغ نکل آئے جن کے پھل کڑوے تھے اور کچھ جھاؤ کے درخت تھے اور کچھ بیری کے' اب تو افسوس کے ساتھ ہاتھ ملتے ہوئے رہ گئے لیکن ''اب پچھتائے کیا ہوت جب سب کچھ بہا کر لے گیا سیلاب''۔ سیلاب کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرمایا: وَهَلۡ نُجٰزِىۡۤ اِلَّا الۡـكَفُوۡرَ (اور ہم سزا نہیں دیتے مگر ناشکرے ہی کو)

لفظ الْكَفُوْرَ میں سب سے بڑی ناشکری یعنی کفر بھی داخل ہے اور مدعیان اسلام کی قولی و عملی ناشکری بھی' ناشکرا آدمی یہ نہیں سمجھتا کہ میری نعمتیں چھینی بھی جا سکتی ہیں' اپنی نعمتوں میں مست رہتا ہے اُنہیں گناہوں میں خرچ کر کے ناشکری میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے' پھر سزا میں پکڑ لیا جاتا ہے۔

سورۃ النحل میں فرمایا ہے: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ امن و اطمینان میں تھے ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے چہار طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں' سو انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی بے قدری کی' اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی حرکات کے سبب انہیں ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا)

اس کے بعد ان لوگوں کے انعامات کا اور ان کی ناشکریوں کا کچھ مزید تذکرہ فرمایا' ارشاد فرمایا وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً (اور ہم نے ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی بہت سے گاؤں آباد کر رکھے تھے جو ظاہر تھے) یہ گاؤں برلب سڑک تھے' جب ایک بستی سے دوسری بستی تک گذرنا ہوتا تھا تو یہ گاؤں نظر آتے تھے' اگر کوئی ٹھہرنا چاہتا تو ان میں ٹھہر سکتا تھا اور یوں بھی بار بار آبادی نظر آنے سے سفر کی وحشت اور دہشت کم ہو جاتی ہے' آبادیوں کا برابر مسلسل اور متصل ہونا یہ بھی اہل سباء پر اللہ تعالیٰ کا انعام تھا۔

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا سے ملک شام کی بستیاں مراد ہیں' جب یہ لوگ اپنے علاقہ سے ملک شام جاتے تھے تو راستہ میں قریب قریب بہت سی بستیاں آتی تھیں جن کے قریب سے گذرتے تھے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ برکت والی بستیوں سے خود اہل سبا ہی کی بستیاں مراد ہیں' جو بڑی بڑی بستیاں تھیں' اور قُرًى ظَاهِرَةً سے چھوٹی بستیاں مراد ہیں جو بڑی بستیوں سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر واقع تھیں اور سفر کرنے والے کو عموماً نظر آتی تھیں۔

وَقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ (اور ہم نے ان کے درمیان ان کے چلنے کا ایک خاص انداز رکھا تھا) یعنی ان بستیوں کے درمیان جو مسافت تھی اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مقدار معین کے ساتھ رکھی تھی' مثلاً کوئی شخص صبح کو روانہ ہوتا تو دوپہر ہونے تک دوسری بستی میں پہنچ جاتا اور ظہر کے بعد چلتا تو غروب آفتاب تک دوسری بستی میں پہنچ جاتا تھا۔ کھانا دانہ ساتھ لینے کی ضرورت نہ ہوتی تھی اور دشمن کا بھی کوئی خوف نہ تھا۔ بعض مفسرین نے بطور مثال مناسب اندازہ کے رفتار کا مطلب بتاتے ہوئے یہ بات کہی ہے' اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک بستی سے لے کر دوسری بستی تک ایک میل کی مسافت تھی۔

سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان کر دیا گیا کہ تم ان بستیوں کے درمیان راتوں کو اور دن کو یعنی جب چاہو امن و امان کے ساتھ سفر کرو) تمہارے راتوں کے سفر بھی پر امن ہیں جبکہ ان میں چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ رہتا ہے اور دن کے اسفار بھی پر امن ہیں' بغیر کسی خوف کے جب تک اور جہاں تک چاہو سفر کرو۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا (سو اُن لوگوں نے کہا کہ اے ہمارے رب دوری کر دیجئے ہمارے سفروں کے درمیان) جب انسانوں کو مال مل جاتا ہے اور نعمتیں بہت ہو جاتی ہیں تو اترانے لگتے ہیں' بغاوت پر اُتر آتے ہیں اور نعمتوں کی ناقدری کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ یہی حال اہل سباء کا ہوا' اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا جو حکم ہوا تھا اُس پر تو عمل نہ کیا اور

ایسی سمجھ اُلٹی' اور عقل کے پیچھے لٹھ لے کر پڑے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے یوں بددعا کی کہ یہ جو ہمارے علاقہ میں آسانیاں ہیں' قریب قریب آبادیاں ہیں اور طرح طرح کی نعمتیں موجود ہیں اور سب کا حال برابر ہے ہمیں یہ منظور نہیں' ہماری تجارت گاہیں دور ہو جائیں تو اچھا ہے تا کہ دور دراز شہروں' بازاروں اور منڈیوں سے اپنی ضرورت کی چیزیں لایا کریں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں فخر و کبر کا دخل تھا' مطلب یہ تھا کہ جب سبھی برابر ہیں تو کسی کو کسی پر بڑائی جتانے اور مالداری کا غرور ظاہر کرنے کا موقع بالکل نہیں ہے' اب جب دور کے سفر کرنے پڑیں گے تو سب لوگ تو نہیں جاسکیں گے' بڑے بڑے مالدار جو سواریوں کے مالک ہوں گے وہی جاسکیں گے اور مال لاسکیں گے' فقراء اور کم پیسے والے ان کے محتاج ہوں گے تو ذرا تمکنت اور غرور اور بڑائی ظاہر کرنے کا موقع ملے گا' یہ بددعا اپنے حق میں کر بیٹھے وَظَلَمُوٓا اَنْفُسَهُمْ اور اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کر لیا۔ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ (سو ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کی بستیوں کو برباد کر دیا' دنیا والوں میں جو اُن کی نعمتوں کی اور باغوں اور شہروں کی شہرت تھی بس دوسروں کے لئے وہ ایک افسانہ بن کر رہ گئی۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اَحَادِيْث جمع ہے اُحْدُوْثَة کی' اور مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے احوال کے تذکرے زبانوں پر رہ گئے جیسے وقت گذاری کے طور پر لوگ قصے کہانیاں بیان کیا کرتے ہیں۔

وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ (اور انہیں پوری طرح تتر بتر کر دیا) ان کا ملک بھی برباد ہو گیا اور قبیلے بھی منتشر ہو گئے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ (بلاشبہ اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں ہر اُس شخص کے لئے جو خوب صبر کرنے والا ہو اور خوب شکر کرنے والا ہو) قوم سبا کا حال سن کر جو کوئی شخص سرکشی سے بچا رہے اطاعت پر جما رہے' شکر کی شان رکھتا ہو وہ ان لوگوں کے قصہ سے بڑی عبرت حاصل کر سکتا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ (الآیتین) (اور یہ بات واقعی ہے ان کے بارے میں ابلیس نے اپنا گمان صحیح پا لیا' سو اُسی کے اتباع میں لگ گئے سوائے اہل ایمان کی تھوڑی سی جماعت کے' اور ابلیس کا ان لوگوں پر جو کچھ زور تھا صرف اس لئے تھا کہ ہم یہ جان لیں کہ آخرت پر ایمان لانے والا کون ہے جو ان لوگوں سے علیحدہ ہے جو اس کی طرف سے شک میں ہے اور آپ کا رب ہر چیز پر نگراں ہے) ابلیس نے ملعون قرار دیئے جانے کے بعد جو اللہ تعالیٰ کے دربار میں یوں عرض کیا تھا کہ میں بنی آدم کو بہکاؤں گا' ورغلاؤں گا اور ان میں سے اکثر کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اور ان میں سے اکثر ناشکرے ہونگے (وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ) اُس نے اپنے اس گمان کو سچ کر دکھایا یعنی اُس نے جو کچھ کہا تھا صحیح پایا اکثر بنی آدم اس کے اتباع میں لگ گئے مگر تھوڑے سے افراد جو مومن بندے ہیں اُنہوں نے اس کا اتباع نہیں کیا۔

شیطان نے جو ان لوگوں پر غلبہ پایا اُس کا سبب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو وسوسہ ڈالنے کی قوت دی اور انسان کو امتحان میں ڈالا' اس میں خیر اور شر کو قبول کرنے کی استعداد رکھی تا کہ ثواب یا عتاب کا مستحق ہو سکے' موت اور حیات امتحان کے لئے رکھی ہے' انسان پر جبر اور اکراہ نہیں رکھا تا کہ وہ جو کچھ کرے اپنے اختیار سے کرے اور ابلیس کا تسلط بھی اسی سلسلۂ امتحان کی ایک کڑی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں ایک ممنوع درخت کے کھانے پر نکالے گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا تھا: فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ

هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ (پس اگر تمہارے پاس میری ہدایت آئے تو جو لوگ اس کا اتباع کریں گے اُن پر کوئی خوف نہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا تو وہ آگ میں جانے والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے)

جب بنی آدم دنیا میں آئے تو اختیار بھی ساتھ لائے' ہوش گوش بھی ملا اور امتحان کے لئے شیطان کو بھی وسوسے ڈالنے کا موقع دے دیا گیا اور ساتھ ہی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت بھی سامنے آتی رہی اور لوگ ان کے معجزات بھی دیکھتے رہے' لہٰذا انسانوں کے لئے اپنے خالق اور مالک کی الوہیت اور اس کے رسولوں کی دعوت کی حقانیت میں کسی طرح کا کوئی شک کرنے کا موقع نہ تھا لیکن بہت سے لوگوں نے شک کیا' حق میں شک کرنا کفر ہے جس کی وجہ سے مستحق عقاب وعذاب ہوئے۔

اس آیت میں بتادیا کہ شیطان کو جو تسلط دیا گیا کہ وہ وسوسہ ڈال سکے اُس کی حکمت یہ تھی کہ ہمیں علم ظہوری کے طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ کون لوگ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں اور کون لوگ شک میں پڑنے والے ہیں' لیکن یہ تسلط ایسا نہیں ہے کہ جبر اور اکراہ کے درجہ میں ہو جس سے انسان مجبور محض بن جائے اور ہوش وگوش اور اختیار باقی نہ رہے۔

وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ حَفِيۡظٌ ۔(اور آپ کا رب ہر چیز کا نگران ہے) اُسے سب کے حال کی خبر ہے وہ ہر ایک کو ایمان اور عدم ایمان کی صفت کے اعتبار سے جزا اور سزا دے گا۔ **قولهٗ تعالىٰ: سَيۡلَ الۡعَرِمِ اى الصعب من عرم الرجل المثلث الراء فهو عارم وعرم اذا شرس خلقهٗ وصعب وفى معناه ما جاء فى رواية عن ابن عباس من تفسيره بالشديد' وقيل: العرم المطر الشديد وقال ابن جبير العرم المسناة بلسان الحبشة' وقولهٗ تعالىٰ: خمط اى حامض اومر' وعن ابن عباس الخمط الأراک ويقال لثمره مطلقا او اذا اسود و بلغ البربر' وقيل شجرة الغضا ولا اعلم هل لهٗ ثمرام لا' وقال ابو عبيدة كل شجرة مرة ذات شوک' وقولهٗ تعالىٰ: وَّاَثۡلٍ هو ضرب من الطرفاء على ماقاله ابو حنيفة اللغوى فى كتاب النبات لهٗ ونقل الطبرسى قولا انه سمر.** (من روح المعانی ج ۲۲ ص ۱۲۶' ۱۲۷) (اللہ تعالیٰ کا قول سَيۡلَ الۡعَرِمِ یعنی سخت وشدید سیلاب کہتے ہیں عرم الرجلُ راء کے زبر' زیر اور پیش کے ساتھ عارِمٌ جبکہ کوئی آدمی تند خو اور بداخلاق ہو۔ اور اس کا وہ معنی بھی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں آیا ہے کہ آپ نے اس کی تفسیر شدید سے کی ہے اور بعض نے کہا اَلۡعَرِم' شدید بارش کو کہتے ہیں ابن جبیر کہتے ہیں حبشیوں کی زبان میں کو ہان کو کہتے ہیں اور "خمط" یعنی کھٹا یا کڑوا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ خمط کا معنی ہے "پیلو" اور پیلو کے پھل کو بھی کہتے ہیں خواہ کچا ہو یا پکا یا اس وقت کہتے ہیں جب وہ سیاہ ہو جائے اور بعض نے کہا جھاؤ کے درخت کو کہتے ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ اس کا پھل بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں خمط ہر اس درخت کو کہتے ہیں جو کڑوا ہو اور کانٹے دار ہو اور اَثۡلٍ یہ بھی جھاؤ کی طرح کے ایک درخت کو کہتے ہیں یہ معنی ابو حنیفہ بغوی نے اپنی کتاب النبات میں لکھا ہے اور طبرسی نے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ اَثۡلٍ کا معنی ہے کیکر)

قُلِ ادۡعُوا الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمۡلِكُوۡنَ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى

آپ فرما دیجئے کہ اللہ کے سوا تم نے جنہیں معبود سمجھ رکھا ہے انہیں پکارو' وہ ایک ذرّہ کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں نہ

الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ

زمینوں میں اور ان دونوں میں ان کا کچھ ساجھا نہیں اور ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار نہیں۔ اور اس کے پاس سفارش کام نہیں دے سکتی

عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ

سوائے اس کے جس کے لئے اجازت دی ہو یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ جواب میں کہتے ہیں کہ حق ہی فرمایا اور وہ

الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝

برتر ہے بڑا ہے۔

مشرکین نے جن کو شریک قرار دیا ہے نہ اُنہیں کچھ اختیار ہے نہ آسمان وزمین میں ان کا کوئی ساجھا

تفسیر: ان دونوں آیتوں میں مشرکین کی تردید فرمائی ہے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سوا تم نے جنہیں معبود بنا رکھا ہے اور یہ سمجھ رہے ہو کہ وہ خدائی میں دخیل ہیں ذرا انہیں اپنی کسی حاجت کے لئے پکارو تو سہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ ذرّہ برابر بھی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور یہ بھی سمجھ لو کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں تمہارے تجویز کئے ہوئے معبودوں کی کوئی شرکت نہیں ہے اور ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا مددگار نہیں ہے، نہ ایجادِ عالم میں ان کا کوئی دخل ہے نہ اس کے باقی رکھنے میں نہ تصرفات میں۔

اور یہ بھی سمجھ لو کہ اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ عالی میں کسی کے لئے کوئی شفاعت کام نہیں دے سکتی، تم لوگ جو یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے تجویز کردہ معبود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کر دیں گے تو تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ (کیونکہ ان میں بہت سے تو بے جان ہیں وہ شفاعت کو کیا جانیں، ان میں اس کی قابلیت ہی نہیں) اور ملائکہ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہم السلام کی سفارش کی بھی کوئی اُمید نہ رکھو جن کو تم نے معبود بنایا ہے اور سفارش کرنے والا سمجھا ہوا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس شخص کے بارے میں اجازت دی جائے گی مقبولان بارگاہ الٰہی اُسی کے لئے سفارش کر سکیں گے، اور مشرکین اور کافروں کے لئے اجازت نہ ہوگی لہٰذا تم جو اُن کی شفاعت کے اُمیدوار ہو تمہاری یہ اُمید بھی غلط ہے۔ سورۃ الانبیاء میں فرشتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (اور وہ اسی کیلئے سفارش کریں گے جس کے لئے اللہ کی مرضی ہوگی اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں)

حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ اس میں فرشتوں کی گھبراہٹ، خوف اور خشیت کا تذکرہ فرمایا، مطلب یہ ہے کہ یہ فرشتے جنہیں معبود تجویز کر کے ان کی شفاعت کی اُمید لئے بیٹھے ہو ان کا اپنا خود یہ حال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کام کا حکم ہوتا ہے تو ہیبت کے مارے گھبرا اُٹھتے ہیں شدت ہیبت کی وجہ سے ان کی حالت دگرگوں ہو جاتی ہے جب فرمانِ عالی پورا ہو جاتا ہے اور ہیبت کی کیفیت دور ہو جاتی ہے تو آپس میں دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا حکم فرمایا۔

پھر بعض بعض سے کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے حق ہی فرمایا۔

جہاں ہیبت کا یہ عالم ہے وہاں شفاعت کی کیا مجال ہو سکتی ہے ملائکہ مقربین گھبراتے ہیں اور خوف زدہ ہوتے ہیں تو اصنام اور شیاطین کس شمار میں ہیں اسی سے سمجھ لیا جائے۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ (وہ بلند ہے بڑا ہے) اس کی بارگاہ میں وہی شفاعت کر سکتا ہے جسے شفاعت کی اجازت ہو اور اسی کے لئے شفاعت کر سکتا ہے جس کے لئے شفاعت کی اجازت ہو مشرکوں کی حماقت دیکھو کہ خود ہی اللہ تعالیٰ کے لئے شریک تجویز کئے اور خود ہی یہ تجویز کر لیا کہ وہ ہماری سفارش کریں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب آسمان میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فیصلہ ہوتا ہے تو فرشتے اس کے فرمان کی وجہ سے بطور تواضع وانقیاد اپنے پروں کو مارتے ہیں جس سے ایسی آواز پیدا ہوتی ہے کہ گویا چکنے پتھر پر زنجیر کھینچی جا رہی ہے پھر جب اُن کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ پھر آپس میں جواب دیتے ہیں کہ وہ برتر ہے بڑا ہے۔ (رواہ البخاری ص ۷۰۶ ج ۲)

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ
آپ فرما دیجئے کہ کون تمہیں رزق دیتا ہے آسمانوں سے اور زمین سے آپ فرما دیجئے کہ اللہ! اور بے شک ہم یا تم ضرور راہ راست پر ہیں یا
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٤﴾ قُلْ لَّا تُسْــَٔـلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْــَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ قُلْ يَجْمَعُ
صریح گمراہی میں ہیں۔ آپ فرما دیجئے ہم نے جو جرم کئے تم سے اس کی باز پرس نہ ہوگی اور ہم سے اُن کاموں کے بارے میں سوال نہ ہوگا جو تم کرتے ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ
بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿٢٦﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ
ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرمائے گا اور وہ بڑا فیصلہ فرمانے والا ہے خوب جاننے والا ہے۔ آپ فرما دیجئے مجھے دکھا دو وہ لوگ جنہیں تم نے شریک بنا کر
بِهٖ شُرَكَاۗءَ كَلَّا ۭ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٧﴾
اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے ہرگز نہیں بلکہ وہ اللہ ہے زبردست ہے حکمت والا ہے۔

قیامت کے دن صحیح فیصلے ہونگے' اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم ہے

تفسیر: ان آیات میں بھی توحید کا اثبات ہے اوّل تو یہ فرمایا کہ تم یہ بتا دو کہ آسمانوں سے اور زمین سے تمہیں کون روزی دیتا ہے آسمان سے پانی برستا ہے اور زمین سے درخت نکلتے ہیں اور کھیتیاں پیدا ہوتی ہیں بتاؤ یہ کس کی قدرت کا مظاہرہ ہے اور ان چیزوں کو کسی نے پیدا کیا' جواب اُن کے نزدیک بھی متعین ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت وارادہ سے ہوتا ہے اگر وہ جواب نہ دیں یا دیر سے جواب دیں تو آپ ہی فرما دیجئے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت سے ہے۔

وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (اور بیشک ہم یا تم ضرور راہِ راست پر ہیں یا صریح گمراہی میں ہیں) یہ بطور تلطف کے فرمایا اور فکر کی دعوت دی اور مطلب یہ ہے کہ ہم تو توحید کی دعوت دیتے ہیں اور تم توحید کے منکر ہو اور ظاہر

ہے کہ دونوں باتیں درست نہیں ہو سکتیں، اور یہ سمجھ لو کہ جو ہدایت پر ہے موت کے بعد اسی کی خیر ہوگی اور اسی کو انعامات ملیں گے اور جو گمراہ ہوگا وہ عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اب تمہیں فکر مند ہونا چاہئے اور غور کرنا چاہئے کہ ہم ہدایت پر ہیں یا تم ہو اور ہم گمراہی پر ہیں یا تم ہو، ہم نے تو غور کر لیا ہے دلائل سے دین توحید کو سمجھ لیا ہے اور تم کو بھی اس کی دعوت دی ہے اب تم اپنی خیر خواہی کے لئے غور و فکر کر لو، ہم نے جو دلائل دیئے ہیں ان میں غور کر لو ہمیں بھی مرنا ہے تمہیں بھی مرنا ہے، اگر موت کے بعد یہ ظاہر ہوا کہ تم برائی پر تھے تو وہاں دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہو گے (جہاں سے واپس ہونے اور نکلنے کا امکان ہی نہیں) عذاب دائمی میں رہنا پڑے گا۔ اس وقت کا پچھتاوا اور غور کرنا کام نہ دے گا لہٰذا اسی دنیا میں سمجھ لو، غور و فکر کر لو اور مان لو، آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ توحید والے ممکن ہے گمراہی پر ہوں بلکہ مخاطب کو قریب کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (آپ فرما دیجئے ہم نے جو جرم کئے تم سے ان کا سوال نہ ہوگا اور جو تم کام کرتے ہو ہم سے ان کی پرستش نہ ہوگی) ہر فریق کا الگ الگ معاملہ ہے، اہل توحید بخشے جائیں گے اور کفر و شرک والے عذاب میں داخل ہوں گے، گو تمہارے اعمال کے بارے میں ہم سے سوال نہ ہوگا لیکن کسی عوض کا مطالبہ کیے بغیر تمہاری خیر خواہی کے لئے تمہیں حق کی دعوت دے رہے ہیں اب تم خود اپنی فکر کر لو۔

قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ (آپ فرما دیجئے کہ ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرمائے گا) جب قیامت کے دن توحید والوں کے لئے انعام و اکرام کا اور مشرکین و کافرین کے لئے عذاب کا فیصلہ ہوگا اُس وقت تمہیں اپنی گمراہی کا پتہ چل جائے گا۔

وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ (اور وہ بڑا فیصلہ فرمانے والا ہے اور خوب جاننے والا ہے) چونکہ ہر ہر شخص کا ہر ہر عمل اُسے معلوم ہے اور ہر ایک کے عقیدوں کا بھی اُسے پتہ ہے اس لئے اس کے سارے فیصلے حق ہوں گے اور حقیقت کے مطابق ہوں گے۔

قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ (آپ فرما دیجئے مجھے دکھاؤ وہ لوگ جنہیں تم نے شریک بنا کر اللہ کے ساتھ ملا رکھا ہے) یعنی تم نے جو باطل معبود بنا رکھے ہیں اور انہیں مستحق عبادت سمجھ کر خدائی کا درجہ دے رکھا ہے، ذرا مجھے دکھاؤ وہ کون ہیں یعنی وہ تو خود مخلوق ہیں اس لائق کہاں ہیں کہ الوہیت میں شریک ہوں کوئی دلیل اور حجت ہے تو سامنے لاؤ۔

قال صاحب الروح والمراد أعلمونی بالحجة والدلیل کیف وجدت الشرکة۔

كَلَّا (ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہو) تمہاری بیوقوفی ہے جو تم نے اس کے لئے شریک تجویز کر رکھے ہیں۔ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (بلکہ وہی اللہ ہے یعنی معبود برحق ہے زبردست ہے حکمت والا ہے)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ کا اعلان

تفسیر: اس آیت کریمہ میں نبی اُمی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ عامہ کا ذکر ہے، چونکہ آپ کی بعثت عامہ ہے

اس لئے ہر فرد و بشر کے لئے آپ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں' آپ کا دامن پکڑے بغیر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو راضی نہیں کرسکتا خواہ کتنی ہی عبادت کرتا ہو' جو ہدایت اللہ کے یہاں معتبر ہے وہ خاتم النبیین رسول الانس والجان کے اتباع میں مرکوز ہے اور منحصر ہے۔

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا دیگر مواضع میں بھی قرآن مجید میں تذکرہ فرمایا ہے' سورۂ اعراف میں فرمایا: قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ﰳالَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں' جس کے لئے بادشاہت ہے آسمانوں کی اور زمین کی' اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے' سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی اُمی ہے جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور اس کے کلمات پر' اور اسکا اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ)

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے خصوصی امتیازات اور فضائل عطا فرمائے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی بعثت عام ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پانچ وہ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔

۱- رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی' ایک ماہ کی مسافت تک دشمن مجھ سے ڈرتے ہیں۔

۲- پوری زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنا دی گئی (کہ مسجد کے علاوہ بھی ہر پاک جگہ نماز ہو جاتی ہے' پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم سے حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر دور ہو جاتے ہیں) سو میری اُمت کے جس شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے نماز پڑھ لے۔

۳- میرے لئے غنیمت کے مال حلال کر دیئے گئے اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کئے گئے۔

۴- اور مجھے شفاعت عطا کی گئی (یعنی شفاعت کبریٰ) جو قیامت کے دن ساری مخلوق کے لئے ہو گی۔

۵- اور مجھ سے پہلے نبی خاص کر اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں عامۃً تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔ (رواہ البخاری جلد ۱ ص ۴۸)

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: والذی نفس محمد بیدہٖ لا یسمع بی احد من ھٰذہ الامّۃ یھودی ولا نصرانی ثمّ یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت بہٖ الا کان من اصحاب النّار۔ (رواہ مسلم ج ۱ ص ۸۶) (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اس اُمت میں جس کسی کو بھی میری بعثت کا علم ہو خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی ہو پھر وہ اس حالت میں مر جائے کہ میں جو دین لے کر بھیجا گیا ہوں اُس کو نہ مانا تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہو گا)

سورۂ آل عمران میں فرمایا: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے) اور فرمایا وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُۚ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو چاہے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ کار لوگوں میں سے ہو گا)

جب سے آپ کی بعثت ہوئی ہے یہودی' نصرانی' فرقہ صابئین اور ہر قوم اور ہر اہل مذہب کے لئے معیار نجات

صرف سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اور کسی قسم کا کوئی ایمان معتبر نہیں صرف یہی ایمان معتبر ہے کہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے اور آپ نے جو کچھ بتایا ہے اُس کو دل سے مانے اور تسلیم کرے۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٩﴾ قُل لَّكُم مِّيعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَأْخِرُونَ

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو' آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے ایک خاص دن کا وعدہ ہے اس سے

عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٠﴾

نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو۔

قیامت کا وقت مقرر ہے اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی ہے

تفسیر: قیامت کے منکرین وقوع قیامت کا انکار کرتے ہوئے یوں بھی کہتے تھے کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اور قیامت کس دن آئے گی؟ مقصود اُن کا یہ تھا قیامت آنے والی ہوتی تو آ جاتی اور اگر آنے میں دیر ہے تو اس کی تاریخ بتا دو' مقصد یہ تھا کہ نہ تو اب تک قیامت آئی ہے نہ آنے کی تاریخ بتاتے ہو' معلوم ہوا کہ یہ محض باتیں ہی باتیں ہیں' ان کے جواب میں فرمایا کہ تمہارے لئے ایک خاص دن مقرر ہے وہ اسی دن آئے گی نہ اس سے پیچھے ہٹ سکتے ہو نہ آگے بڑھ سکتے ہو' اپنے مقررہ وقت پر آ ہی جائے گی' تمہیں تاریخ نہ بتائی جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا وقوع ہی نہیں ہوگا۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن نُّؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ

اور کافروں نے کہا کہ ہم ہرگز اس قرآن پر اور اس سے پہلے جو کتابیں تھیں ان پر ایمان نہ لائیں گے اور اگر آپ اس وقت کی حالت دیکھ لیں

إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ

جبکہ یہ ظالم لوگ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے' ہر ایک دوسرے پر بات کو ڈال رہا ہوگا۔ نیچے درجہ والے لوگ بڑے

الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا

لوگوں سے کہیں گے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لائے ہوتے' بڑے لوگ چھوٹے درجے کے

لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُم ۖ بَلْ كُنتُم مُّجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾

لوگوں سے کہیں گے کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روک دیا تھا اس کے بعد کہ تمہارے پاس ہدایت آئی' بلکہ بات یہ ہے کہ تم مجرم تھے'

وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَن

اور نیچے درجہ والے اُن لوگوں سے کہیں گے جو بڑے تھے بلکہ رات دن تمہاری مکاری نے روکا تھا جبکہ تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ

تَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ

شرک کریں اور اس کے لئے شریک قرار دیں اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو ندامت کو چھپالیں گے' اور ہم کافروں کی گردنوں

فِیْۤ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ

میں طوق ڈال دیں گے' انہیں صرف انہیں کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے' اور کسی بستی میں ہم نے کوئی ڈرانے والا نہیں

نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا

بھیجا مگر ہوا یہ کہ ان کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ بلاشبہ تم جو کچھ لے کر بھیجے گئے ہو ہم اُسے نہیں مانتے' اور انہوں نے کہا کہ ہمارے اموال

وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ

واولاد تم سے زیادہ ہیں اور ہمیں عذاب ہونے والا نہیں ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ میرا رب جس کے لئے چاہے روزی کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا

اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ اور تمہارے اموال اور اولاد ایسے نہیں ہیں جو تمہیں ہمارا مقرب بنا دیں مگر ہاں جو ایمان لائے

زُلْفٰۤى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ؗ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی

اور نیک عمل کرے' سو اُن لوگوں کے لئے ان کے اعمال کی وجہ سے ایسا صلہ ہے جو بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا اور وہ بالا خانوں میں

الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

امن وچین سے ہوں گے۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے بارے میں ہرانے کی کوشش کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو عذاب میں حاضر کئے جائیں گے'

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ

آپ فرما دیجئے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے روزی کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے اور جو بھی کوئی

شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾

چیز تم خرچ کرو گے سو وہ اس کے بعد اس کا عوض دے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے

عذاب کیوجہ سے کافروں کی بدحالی اور ایک دوسرے پر جرم کو ٹالنے کی گفتگو

تفسیر: ان آیات میں قیامت کے دن کا ایک منظر بیان فرمایا ہے جو کافروں کے آپس کے سوال وجواب سے متعلق ہے وہاں سبھی چھوٹے بڑے موجود ہوں گے' کفر کی سزا سامنے ہوگی' دوزخ کا داخلہ یقینی ہو چکا ہوگا' ان میں سے جو لوگ دنیا میں چھوٹے یعنی کم درجہ کے لوگ تھے وہ اپنے بڑوں سے (جن کی دنیا میں بات مانتے تھے) کہیں گے کہ تم نے ہی ہمیں

برباد کیا اگر تم نہ ہوتے تو ہم اللہ کے نبیوں پر اور اس کی کتابوں پر ایمان لے آتے اور آج کے دن پر بھی ایمان لاتے' اُن کے بڑے کہیں گے کہ اپنا قصور ہمارے سر کیوں منڈھ رہے ہو' اپنی کرنی ہمارے ذمہ کیوں لگاتے ہو؟ کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا؟ جب تمہارے پاس ہدایت آ گئی تو ہم نے کوئی زبردستی نہیں کی تھی اور کسی جبر واکراہ سے کام لے کر تمہیں ایمان سے نہیں روکا تھا' ایسا تو نہیں ہوا کہ تم نے ایمان قبول کرنے کا ارادہ کیا ہو اور ہم نے تمہیں جبر واکراہ کے ساتھ روک دیا ہو' اپنی آئی ہم پر کیوں لگاتے ہو؟ بات یہ ہے کہ تم خود ہی مجرم ہو۔

یہ جواب سن کر چھوٹے بڑوں سے کہیں گے کہ تم نے تلوار لیکر جبر واکراہ کے ساتھ تو ہمیں ایمان سے نہیں روکا لیکن رات دن تم مکاری کرتے تھے اور ایسی تدبیریں کرتے تھے کہ ہم ایمان نہ لائیں اور کفر پر جمے رہیں تاکہ تمہاری جماعت سے نہ نکلیں تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اللہ کے لئے شریک تجویز کریں۔ تمہاری یہ محنتیں اور تدبیریں اپنا کام کر گئیں اور ہم کفر پر جمے رہے اور موت آنے تک کفر ہی پر رہے' تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے آج ہم اس مصیبت میں پھنسے ہیں دونوں فریق چھوٹے اور بڑے جب عذاب دیکھیں گے تو نادم و پشیمان ہوں گے لیکن ندامت کا اظہار نہ کریں گے اپنے دلوں ہی میں پشیمان ہوتے رہیں گے۔ (لیکن پشیمانی کچھ فائدہ نہ دے گی)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے جائیں گے اور اسی حالت میں دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے اور ہر ایک کو اپنے کئے کا بدلہ ملے گا ایسا نہ ہوگا کہ بغیر کسی جرم کے سزا مل جائے یا جرم سے زیادہ سزا دے دی جائے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ. (الآیۃ) اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جس کسی بھی بستی میں کوئی ڈرانے والا یعنی اپنا کوئی رسول بھیجا تو وہاں کے خوشحال لوگوں نے (جنہیں مال اور دولت پر گھمنڈ تھا اور رزق کی وسعت اور نعمت کثیرہ کی وجہ سے مست تھے) یوں کہا کہ تم لوگ جو دین لیکر آئے ہو ہم اُسے نہیں مانتے' مال کے غرور نے انہیں نبیوں پر ایمان لانے سے روکا اور کہنے لگے کہ ہم ہی اللہ کے مقبول بندے ہیں' اگر ہم سے اللہ ناراض ہوتا تو ہمیں زیادہ مال اور زیادہ اولاد سے کیوں نوازتا' مال اور اولاد میں ہم تم سے بڑھ کر ہیں' جب دنیا میں ہمارا یہ حال ہے تو آخرت میں بھی ہمارا حال اچھا ہی رہے گا نہ یہاں تکلیف ہے نہ وہاں عذاب ہوگا۔ (اوّل تو وہ قیامت کے قائل ہی نہ تھے لیکن بطورِ فرض وتقدیر انہوں نے کہا کہ اگر قیامت آ ہی گئی تو ہم وہاں بھی عذاب سے محفوظ رہیں گے)

ان کی تردید میں فرمایا: قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ (الآیۃ) آپ فرما دیجئے کہ میرا رب جس کے لئے چاہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے۔ دنیا میں رزق کا زیادہ ہونا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہونے کی دلیل نہیں ہے جیسا کہ رزق کا تنگ ہونا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نامقبول ہونے کی دلیل نہیں ہے' وہ اپنی حکمت کے مطابق کبھی نافرمان کی روزی وسیع فرما دیتا ہے اور فرمانبردار کی روزی تنگ فرما دیتا ہے اور اس کا عکس بھی ہوتا رہتا ہے' بات یہ ہے کہ اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو نہیں جانتے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ رزق کی فراخی اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہونے کی اور رزق کی تنگی اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

اس کے بعد ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا: وَمَآ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ (الآیۃ) ارشاد فرمایا کہ تمہارے اموال اور اولاد تمہیں ہمارا مقرب بنانے والے نہیں ہیں' جو کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ چونکہ میرے پاس مال و اولاد زیادہ ہے اس لئے اللہ کا

مقرب ہوں' اور اپنے اعمال کو نہیں دیکھتا وہ شخص احمق ہے اور گمراہ ہے' اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا اللہ تعالیٰ کے ہاں تو وہ مقرب ہے جو ایمان لایا اور اعمال صالحہ میں لگا۔

جو مؤمن بندے ہوں گے اور ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ میں بھی لگے ہوں گے' ان کے ایمان اور اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بڑھ چڑھ کر بدلہ دیا جائے گا جس میں نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا ہوگا اور یہ حضرات جنت کے بالا خانوں میں امن وچین کے ساتھ رہیں گے۔ آگے مخالفین کی سزا کا تذکرہ ہے وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا (الآیۃ) اور جو لوگ ہماری آیتوں کے بارے میں ہرانے کی کوشش کرتے ہیں یعنی ہماری آیتوں میں طعن کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ انکار کر کے کہیں دور نکل جائیں گے اور (العیاذ باللہ) اللہ کو ہرا دیں گے اور اسکی قدرت اور گرفت سے باہر ہو جائیں گے' یہ لوگ عذاب میں حاضر کر دیئے جائیں گے' یہ اُن لوگوں کے لئے وعید ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات سن کر تکذیب بھی کرتے تھے' اُن کا مذاق بھی اُڑاتے تھے۔ اور طعن وتشنیع بھی کرتے تھے اور یوں سمجھتے تھے کہ ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا' انہیں واضح طور پر بتا دیا کہ تم پکڑے جاؤ گے اور عذاب میں حاضر کئے جاؤ گے' بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ (الآیۃ) اس میں اہل ایمان کو فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی ترغیب بھی ہے اور جو کچھ اللہ فی اللہ خرچ کریں گے اس کا بدلہ دیئے جانے کا وعدہ بھی ہے' جو شخص اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے بہت کچھ ملتا ہے' دنیا میں بھی صلہ دیا جاتا ہے اور آخرت میں تو بہت زیادہ دیا جائے گا۔ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے) حقیقی رزاق تو وہی ہے' عربی کے محاورات میں خیر اللہ کے لئے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے کہتے ہیں کہ رزق الامیرا لجندی اس لئے مفسرین نے خیر الرّازقین کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ رزق پہنچانے والوں میں وہ سب سے بہتر ہے۔ قال صاحب الروح: ومعنی الرّازقین الموصلین للرّزق والموھبین لهٗ فیطلق الرزاق حقیقة علی اللہ عزّوجل وعلٰی غیرہ ویشعر بذٰلک۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بھی صبح ہوتی ہے دو فرشتے نازل ہوتے ہیں' ایک کہتا ہے: اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا (اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس کے بعد اور مال دے) اور دوسرا کہتا ہے: اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا (اے اللہ روک کر رکھنے والے کا مال تلف فرما دے) (رواہ البخاری ومسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۱۶۴)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ کرنے سے کبھی مال میں کمی نہیں ہوتی' اور جس کسی بندے نے کسی کو معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی عزت بڑھا دے گا' اور جو شخص اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے گا تو اللہ اس کو بلند فرمائے گا۔ (رواہ مسلم ص ۳۲۱)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ

اور جس دن اللہ ان سب کو جمع فرمائے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ فرشتے عرض کریں گے کہ آپ پاک ہیں'

اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝ فَالْيَوْمَ

آپ ہمارے ولی ہیں ان سے ہمارا کچھ تعلق نہیں' بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ جنات کی عبادت کرتے تھے ان میں سے اکثر ان پر ایمان لائے ہوئے تھے۔ سو آج تم

لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ

میں سے بعض بعض کے لئے کسی نفع یا ضرر کا مالک نہیں، اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ دوزخ کا عذاب چکھ لو

الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ

جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ شخص تو یہی چاہتا ہے کہ تم لوگوں کو اُن چیزوں

اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

سے روک دے جن کی تمہارے باپ دادے عبادت کیا کرتے تھے، اور انہوں نے کہا کہ یہ تو محض ایک تراشا ہوا جھوٹ ہے، اور کافروں نے

لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ

حق کے بارے میں کہا جب ان کے پاس آ گیا کہ یہ محض ایک جادو ہے کھلا ہوا۔ اور ہم نے انہیں کتابیں نہیں دی تھیں جن کو وہ پڑھتے پڑھاتے ہوں،

اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ

اور ہم نے آپ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا۔ اور جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے تکذیب کی، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا تھا یہ لوگ اس کے دسویں حصہ کو

اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾

بھی نہیں پہنچے، سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا، سو کیسا ہوا میرا عذاب؟

کافروں کا عناد اور انکار اور عذاب و انجام کار

تفسیر: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب کو جمع فرمائے گا ان میں غیر اللہ کی عبادت کرنے والے بھی ہوں گے، ان میں وہ لوگ بھی موجود ہوں گے جو دنیا میں فرشتوں کی عبادت کرتے تھے، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے سوال فرمائیں گے کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے؟ یہ سوال مشرکین کی سرزنش کرنے اور ان کی گمراہی ظاہر کرنے کے لئے ہوگا فرشتے عرض کریں گے کہ سُبْحٰنَكَ آپ پاک ہیں (آپ کا کوئی شریک نہیں) اَنْتَ وَلِيُّنَا آپ ہمارے ولی ہیں، مِنْ دُوْنِهِمْ ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں (نہ ہم نے انہیں شرک پر ڈالا نہ ہم ان کے اس عمل سے راضی ہیں) بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ (بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ جنات کی یعنی شیاطین کی پرستش کرتے تھے) شیاطین جو ڈراونی صورتیں بنا بنا کر ان کے سامنے آتے تھے اُن کی شکلوں کی مورتیاں بنا کر پوجا کرتے تھے اور دوسروں کی عبادت بھی اسی لئے کرتے تھے کہ شیاطین انہیں اس کا حکم دیتے تھے، فرمانبرداری کے اعتبار سے یہ بھی شیاطین کی عبادت ہوئی، شیاطین ہی کی بات مانتے ہوئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے معبود تجویز کیے اور ان کی عبادت کی اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (ان میں اکثر شیاطین پر ہی ایمان لائے) یعنی ان ہی کے معتقد تھے، ان ہی کی بات مانتے تھے۔

چونکہ مشرکین غیر اللہ کی عبادت اس عقیدہ سے بھی کرتے تھے کہ وہ آخرت میں سفارش کریں گے اور عذاب سے بچا

لیں گے اس لئے اُن کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا (سو آج تم میں سے بعض بعض کیلئے کسی نفع یا ضرر کا مالک نہیں) لہٰذا غیر اللہ کی عبادت کر کے جو امیدیں باندھ رکھی تھیں وہ سب جھوٹی نکلیں اور اپنے بنائے ہوئے خیال سب باطل نکلے۔ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ (اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ دوزخ کے عذاب کو چکھ لو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے)

اس کے بعد مشرکین کی تکذیب والی باتیں نقل فرمائیں: وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ (الآیۃ) اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ شخص (جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے) یہ تو بس ایک ایسا ہی آدمی ہے جو تمہیں ان چیزوں سے روکتا ہے جن کو تمہارے باپ دادے پوجتے تھے اور دوسری بات یہ کہتے تھے کہ یہ تو ایک تراشا ہوا جھوٹ ہے اور تیسری بات یہ کہتے تھے کہ محمد (رسول اللہ ﷺ) جو کچھ سناتے ہیں یہ تو کھلا ہوا جادو ہے ان کے بارے میں فرمایا: وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ (اور ہم نے انہیں کتابیں نہیں دی تھیں جن کو وہ پڑھتے پڑھاتے ہوں اور ہم نے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا تھا) لہٰذا انہیں اللہ کی اس نعمت کی قدر کرنا لازم تھا کیونکہ اُس نے اُن کی طرف نبی کو مبعوث فرمایا اور نبی بھی وہ ہے جو انہیں میں سے ہے اس سے پہلے تو قسم کھا کھا کر کہتے تھے کہ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ (اگر ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آ جائے تو ہم دوسری اُمتوں کے مقابلے میں ہر اُمت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے) ان لوگوں نے وعدہ پورا نہ کیا اور الٹے تکذیب پر اُتر آئے اور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں نازیبا کلمات کہنے لگے۔

اس کے بعد مشرکین مکہ کے لئے وعید ذکر فرمائی: وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ (اور ان لوگوں نے جھٹلایا جو اُن سے پہلے تھے اور حال یہ ہے کہ اُن لوگوں کو جو کچھ ہم نے دیا تھا یہ لوگ اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے) فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (سو اُن لوگوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا سو کیسا تھا میرا عذاب) مطلب یہ ہے کہ سابقہ اُمتیں تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہیں اُن کے پاس تو حکومتیں بھی تھیں اموال بھی بہت تھے طرح طرح کے سامان بھی ان کے پاس تھے قلعے تھے بڑے بڑے مکانات تھے اور اُن کی عمریں بھی بڑی تھیں اُنہیں اُن پر گھمنڈ بھی تھا یہ لوگ جو تکذیب پر اڑے ہوئے ہیں اور عناد پر جمے ہوئے ہیں ان کے پاس تو اُن نعمتوں کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے جو ہم نے گزشتہ اُمتوں کو دی تھیں اُن لوگوں کے احوال انہیں معلوم ہیں اسفار میں جاتے ہیں تو ان کے نشانات دیکھتے ہیں تکذیب رُسل کی وجہ سے وہ ہلاک کر دیئے گئے انہیں بھی اپنا انجام سوچ لینا چاہئے جبکہ اُن کے سامنے ان کی اہمیت کچھ بھی نہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۚ مَا بِصَاحِبِكُمْ

آپ فرما دیجئے کہ میں تمہیں ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ تم اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ دو دو اور ایک ایک پھر تم سوچو تمہارے ساتھی کو کوئی

مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ

دیوانگی نہیں ہے۔ وہ تو ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے تمہیں ڈرانے والا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ میں نے جو کچھ تم سے

اَجۡرٍ فَهُوَ لَكُمۡ ؕ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ ﴿۴۷﴾ قُلۡ اِنَّ رَبِّیۡ

معاوضہ کا سوال کیا ہو سو وہ تمہارے لئے ہی ہے میرا اجر تو صرف اللہ پر ہے' اور وہ ہر چیز پر اطلاع رکھنے والا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ بے شک میرا رب

یَقۡذِفُ بِالۡحَقِّ ۚ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ﴿۴۸﴾ قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَمَا یُبۡدِئُ الۡبَاطِلُ وَمَا یُعِیۡدُ ﴿۴۹﴾

حق کو غالب کر دیتا ہے وہ پوری طرح غیبوں کا جاننے والا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل نہ کرنے کا رہا' نہ دھرنے کا۔

قُلۡ اِنۡ ضَلَلۡتُ فَاِنَّمَاۤ اَضِلُّ عَلٰى نَفۡسِیۡ ۚ وَاِنِ اهۡتَدَیۡتُ فَبِمَا یُوۡحِیۡۤ اِلَیَّ رَبِّیۡ ؕ اِنَّهٗ

آپ فرما دیجئے کہ اگر میں گمراہ ہو جاؤں تو میری گمراہی مجھ ہی پر پڑے گی اور اگر میں ہدایت پر رہوں تو اسی وحی کی بدولت جو اللہ میرے پاس بھیج رہا ہے' بے شک

سَمِیۡعٌ قَرِیۡبٌ ﴿۵۰﴾ وَلَوۡ تَرٰۤی اِذۡ فَزِعُوۡا فَلَا فَوۡتَ وَاُخِذُوۡا مِنۡ مَّكَانٍ قَرِیۡبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوۡۤا

وہ سننے والا ہے قریب ہے۔ اور اگر اُس وقت کو آپ دیکھیں جب یہ لوگ گھبرا جائیں گے پھر چھوٹنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور قریب ہی جگہ سے پکڑ لئے جائیں گے۔ اور کہیں گے

اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنۡ مَّكَانٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۵۲﴾ وَّقَدۡ كَفَرُوۡا بِهٖ مِنۡ قَبۡلُ ۚ

کہ ہم اس پر ایمان لائے اور اتنی دور جگہ سے ان کے ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے حالانکہ وہ اس سے پہلے اس کا انکار کر چکے ہیں'

وَیَقۡذِفُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ مِنۡ مَّكَانٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِیۡلَ بَیۡنَهُمۡ وَبَیۡنَ مَا یَشۡتَهُوۡنَ كَمَا فُعِلَ

اور دور ہی دور سے بے تحقیق باتیں پھینکا کرتے ہیں۔ اور اُن کے اور اُن کی آرزوؤں کے درمیان آڑ کر دی جائے گی جیسا کہ اُن سے پہلے

بِاَشۡیَاعِهِمۡ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا فِیۡ شَكٍّ مُّرِیۡبٍ ﴿۵۴﴾

اُن کے ہم مشربوں کے ساتھ کیا گیا' بلاشبہ وہ تردد میں ڈالنے والے شک میں تھے

انفرادی اور اجتماعی طور پر غور و فکر کرنے کی دعوت

تفسیر: رسول اللہ ﷺ کے اولین مخاطبین جو آپ کی تکذیب کرتے تھے وہ آپ کو دیوانگی کی طرف منسوب کرتے تھے' اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیجئے کہ میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں یہ نصیحت محض تمہاری ہمدردی کے لئے ہے' تم دو دو آدمی مل کر یا علیحدہ علیحدہ تنہائیوں میں سوچو اور غور و فکر کرو تمہارا یہ سوچنا صرف اللہ کی رضا کیلئے ہو' اس میں نفسانیت اور تعصب کا دخل نہ ہو' تم لوگ یہ سوچ لو کہ جو شخص یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ میں نبی ہوں اور تمہیں توحید کی دعوت دے رہا ہے وہ دیوانہ نہیں ہے' اُس کے احوال دیکھ لو' اُس کی بات سن لو' وہ جو قرآن سناتا ہے اُسے سنو اور یہ بھی سمجھ لو کہ باوجود چیلنج کے تم اس جیسا بنا کر نہیں لا سکتے اگر تم غور و فکر کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ دعوت دینے والا شخص دیوانہ نہیں ہے وہ تو تم کو ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈراتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے چند باتوں کا حکم دیا کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیں: **اوّل** یہ کہ تم یہ بتاؤ کہ میں نے تم سے کوئی

معاوضہ تو طلب نہیں کیا؟ اگر میں نے تم سے معاوضہ کا کوئی سوال کیا ہو تو وہ مجھے نہیں چاہئے وہ تم ہی رکھو میرا اجر و ثواب تو صرف اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اُس نے مجھ سے ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے وہ مجھے ضرور عطا فرمائے گا اور یہ بھی سمجھ لو کہ وہ ہر چیز پر اطلاع رکھنے والا ہے، جو میری محنتیں ہیں اس کا بھی اُسے علم ہے اور جو تمہاری حرکتیں ہیں وہ ان سے بھی باخبر ہے۔

دوسری بات کہہ دیں کہ میرا رب حق کو غالب فرما دیتا ہے، میں جو حق لے کر آیا ہوں وہ غالب ہو کر رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ، تم اپنی مغلوبیت کو سوچ لو وہ علام الغیوب ہے اُسے پہلے سے سب کچھ معلوم ہے۔ **تیسری** بات یہ فرمائی کہ آپ فرما دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل کسی کام کا نہ رہا یعنی اس کا ذکر فکر ختم ہو گیا، فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا اور یہ آیت قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ تلاوت فرمائی تھی۔ (کما روی البخاری فی تفسیر سورۃ الاسراء ج ۲ ص ۶۸۶) کیونکہ اس وقت بالکل اس کا مظاہرہ ہو گیا تھا کہ حق ظاہر ہوا اور باطل چلتا بنا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ آپ ان لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر میں گمراہ ہو جاؤں تو اس کا وبال مجھ ہی پر ہو گا (میں جو دین لایا ہوں وہ حق ہے جو اس کا منکر ہو گا گمراہ ہو گا) بالفرض اگر میں بھی اس دین کو چھوڑوں تو میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا اور مجھ پر اس کا وبال پڑے گا اس میں نام اپنا ہے اور سنانا اُن کو ہے جو علیٰ اسلوب الحکیم ہے، یعنی میں تو اسی راہ پر ہوں تم اس کے منکر ہو لہٰذا تم گمراہ ہوا اور اس کا وبال تم پر پڑے گا اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس قرآن کی بدولت ہوں جس کی وحی میرا رب میری طرف بھیج رہا ہے، یہ بھی علیٰ اسلوب الحکیم ہے، مطلب یہ ہے کہ تم ہدایت چاہو تو تمہیں بھی اسی راہ پر آنا پڑے گا۔

اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ (بے شک میرا رب سننے والا ہے بہت نزدیک ہے) میری باتیں بھی سنتا ہے اور تمہاری باتیں بھی۔

آخری آیتوں میں منکرین کے لئے وعید ہے، فرمایا: وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا (الٰی اٰخر السُّورۃ) (اور اگر آپ اُس وقت کو دیکھیں جب یہ لوگ گھبرا جائیں گے تو پھر چھوٹنے کی کوئی صورت نہ ہو گی اور قریبی جگہ سے پکڑ لئے جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم اس پر ایمان لائے اور اتنی دور سے اُن کے ہاتھ آنا کہاں ممکن ہے حالانکہ وہ اس سے پہلے اس کا انکار کر چکے ہیں، اور دور ہی دور سے بے تحقیق باتیں پھینکا کرتے ہیں اور اُن کے اور اُن کی آرزو کے درمیان آڑ کر دی جائے گی۔ بلاشبہ وہ تردّد میں ڈالنے والے شک میں تھے۔

بتوفیق اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سورۂ سبا کی تفسیر تمام ہوئی۔

والحمد للہ اوّلًا واٰخرًا وباطنًا وظاهرًا
والسّلام علٰی من ارسل طیبًا وطاهرًا

سُوْرَۃُ فَاطِرٍ مَکِّیَّۃٌ وَّهِیَ خَمْسٌ　بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ　وَّاَرْبَعُوْنَ اٰیَۃً وَّخَمْسُ رُکُوْعَاتٍ

سورۂ فاطر مکہ میں نازل ہوئی اس میں ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾ پینتالیس آیات اور پانچ رکوع ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے وہ فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے جن کے دو دو اور تین تین

وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١ مَا يَفْتَحِ

اور چار چار بازو ہیں، وہ پیدائش میں جو چاہے زیادہ کر دیتا ہے، بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو بھی کوئی

اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَ

رحمت اللہ انسانوں کے لئے کھول دے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں، اور جس کو وہ بند کر دے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں اور

هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٢ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ

وہ غالب ہے حکیم ہے۔ اے لوگو! اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے، کیا اللہ کے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے

اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝٣ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ

جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق عطا فرماتا ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، سو تم کہاں الٹے جا رہے ہو۔ اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں

فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝٤ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

تو آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر جھٹلائے جا چکے ہیں، اور اللہ ہی کی طرف سب امور لوٹائے جائیں گے، اے لوگو! بلاشبہ اللہ کا وعدہ

حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝٥ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ

حق ہے سو تمہیں ہرگز دنیا والی زندگی دھوکہ میں نہ ڈالے اور تمہیں اللہ کا نام لے کر دھوکہ باز ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے بلاشبہ شیطان تمہارا دشمن ہے

فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝٦ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ

سو تم اُسے اپنا دشمن سمجھتے رہو، وہ اپنے گروہ کو اسی لئے بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخیوں میں سے ہو جائیں۔ جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے لئے سخت

عَذَابٌ شَدِيْدٌ ڛ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝٧

عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اُن کے لئے مغفرت ہے اور اجرِ کبیر ہے۔

اللہ تعالیٰ خالقِ ارض وسما ہے ہر چیز پر قادر ہے اسکے سوا کوئی پیدا کرنیوالا نہیں اور اسکے سوا کوئی معبود نہیں

تفسیر: یہاں سے سورۂ فاطر شروع ہو رہی ہے جس کا دوسرا نام سورۃ الملائکہ بھی ہے۔ سورۃ الفاتحہ سورۃ الکہف اور سورۂ سباء کی طرح یہ سورت بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف سے شروع ہے' فرمایا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے' اس کی مخلوق میں فرشتے بھی ہیں ان فرشتوں کو بھی اس نے پیدا فرمایا اور کاموں پر مقرر فرمایا' ان کاموں میں سے ایک یہ کام ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اور اس کے نبیوں کے درمیان پیغام رسانی کا کام کرتے رہے ہیں' اُن کی تخلیق بھی دوسری مخلوق سے علیحدہ ہے' ان کے جو بازو ہیں وہ دو دو بھی ہیں تین تین بھی ہیں اور چار چار بھی' فرشتے ان بازوؤں کے ساتھ جاتے اور آتے ہیں' چڑھتے اور اُترتے ہیں۔ اور صرف چار بازوؤں پر ہی منحصر نہیں ہے اس اس سے زیادہ بازوؤں کا بھی صحیح بخاری میں ذکر ہے' رسول اللہ ﷺ نے حضرتِ جبریل علیہ السلام کو دو بار اصلی صورت میں دیکھا جن کے چھ سو بازو تھے۔

یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ (اللہ تعالیٰ پیدائش میں جو چاہے زیادہ فرما دیتا ہے) اور یہ زیادتی کمیت اور کیفیت دونوں میں ہوتی ہے' مخلوق میں جو کمی بیشی نظر آتی ہے اجسام میں بھی ہے اور اوصاف میں بھی' یہ سب محض اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہٗ کی شانِ رحمت کو بیان فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو بھی کوئی رحمت کھول دے یعنی لوگوں پر رحم فرمائے اس رحمت کو کوئی روکنے والا نہیں' جس شخص پر بھی جس طرح کی نعمت اللہ تعالیٰ بھیجنا چاہے اُسے اس پر پوری پوری قدرت ہے' کسی بھی مخلوق کی مجال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو روک دے' بعض چھوٹے درجہ کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے وہ بڑھتے اور ترقی کرتے چلے جاتے ہیں جلنے والے ان سے جلتے ہیں' حسد کرنے والے ان سے حسد کرتے ہیں لیکن کچھ کر نہیں سکتے' اللہ تعالیٰ کی رحمت برابر جاری رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو جس سے روک لے کسی میں طاقت نہیں کہ اس کو جاری کر دے' وہ غالب ہے جس کو چاہے دے' جس سے جو چاہے چھین لے' وہ غالب بھی ہے اور حکیم بھی ہے' جس کو جو کچھ وہ دیتا ہے اور جس سے واپس لیتا ہے یہ سب کچھ حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر جو انعام فرمایا ہے اور جو نعمتیں دی ہیں ان کو یاد کرو' نعمتوں کو یاد کرنے میں ان کا شکر ادا کرنا بھی شامل ہے' جب نعمتوں کو یاد کریں گے اور غور کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فلاں فلاں نعمتیں دی ہیں' جان بھی دی اولاد بھی عنایت فرمائی' مال بھی دیا اور حسن و جمال بھی' علمی و عملی کمال بھی' اور جاہ و اقتدار بھی' تو اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری کی طرف طبیعت چلے گی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف ذہن' دل اور دماغ متوجہ ہوگا۔

یہ بھی فرمایا کہ تم غور کر لو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور پیدا کرنے والا ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہو' غور کرو گے تو سمجھ میں آ جائے گا اور یقینی طور پر یہ بات دل میں بیٹھ جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی پیدا کرنے والا نہیں

ہے اور اس کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے بارش برساتا ہے۔ اور زمین میں اُس نے غلے میوے اور کھانے پینے کی بہت سی چیزیں پیدا فرمائی ہیں' یہ سب چیزیں اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' جب اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو کہاں الٹے پھرے جا رہے ہو کہ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنا رکھا ہے۔

اثباتِ توحید کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی کہ آپ کے مخالفین آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ رنجیدہ نہ ہوں' آپ نے اپنا کام پورا کر لیا حجت تمام کر دی' آپ سے پہلے بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جھٹلایا گیا اُنہوں نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجئے سب امور اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہوں گے اور کافرین و منکرین کو عذاب دے گا۔

اس کے بعد توحید اور رسالت کے منکرین سے خطاب فرمایا کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ ہے کہ قیامت قائم ہوگی اور ایمان اور کفر کا بدلہ دیا جائے گا یہ وعدہ حق ہے اور پورا ہو کر رہے گا' تمہیں دنیا والی زندگی دھوکہ میں نہ ڈالے (جس کا ہرا بھرا ہونا تمہیں اپنی طرف کھینچتا ہے اور آخرت کے ماننے سے اور آخرت میں نفع دینے والے کاموں سے روکتا ہے) ایک طرف تو دنیا کی سرسبزی ہے دوسری طرف شیطان تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے اُس سے چوکنے اور ہوشیار رہو وہ تمہارا دشمن ہے اُسے دشمن ہی سمجھو وہ تمہیں دھوکہ نہ دے' اُس کے دھوکہ دینے کے جتنے طریقے ہیں اُن میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لیکر دھوکہ دیتا ہے اور یہ سمجھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے' ابھی تو بہت بڑی زندگی پڑی ہے رنگ رلیوں میں رہو اور بدمستیاں کرو' آخر میں توبہ کر لینا' حالانکہ بندہ کو یہ معلوم نہیں کہ کتنی زندگی باقی ہے' موت اچانک آ جاتی ہے اور بغیر ایمان کے اور بغیر توبہ کے مر جاتے ہیں' شیطان دشمن ہے اگر ہم نے اُس کی بات مانی تو وہ پٹک دے گا' دشمن کو دشمن ہی سمجھتے رہیں' وہ ہر وقت دشمنی میں لگا ہوا ہے' اپنی جماعت کو دوزخ ہی کی طرف بلاتا ہے اور اپنا بناتا ہے لہٰذا انسانوں کو بہت ہی بیدار مغزی کے ساتھ زندگی گذارنا لازم ہے۔

اس کے بعد اہل کفر کا عذاب اور اہل ایمان کا ثواب بیان فرمایا' ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے لئے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ میں مشغول ہوئے اُن کیلئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے۔

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ڮ

سو کیا جس شخص کے لئے اس کا عمل بد اچھا کر کے رکھ دیا گیا ہو سو اُس نے اس کو اچھا سمجھا ہو سو بے شک اللہ گمراہ فرماتا ہے جس کو چاہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ⑧ وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ

سو اُن پر حسرتیں کرنے کی وجہ سے آپ کی جان نہ جاتی رہے' بلاشبہ جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ خوب جانتا ہے اور اللہ وہ ہے

اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ

جس نے ہواؤں کو بھیجا جو اُٹھاتی ہیں بادل کو پھر ہم نے اُسے ایسے قطعہ زمین کی طرف ہانک دیا جو خشک تھا پھر ہم نے اس کے ذریعہ زمین کو

مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ⑨

زندہ کر دیا اسی طرح جی اُٹھنا ہوگا۔

بُرے عمل کو اچھا سمجھنے والا اچھے عمل والے کے برابر نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ سب کے اعمال کو جانتا ہے

تفسیر: یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے، پہلی آیت میں یہ بتایا کہ بہت سے لوگ برے عمل کرتے ہیں کفر اختیار کئے ہوئے ہیں اور شیطان نے اور ان کے ماحول نے اور ان کے نفوس نے کفر ہی کو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہی کو ان کے سامنے اچھا کر کے پیش کیا ہے، جس کی وجہ سے کفر کو اور برے اعمال کو اچھا سمجھتے ہیں اور ایمان سے اور اعمال صالحہ سے بچتے ہیں اور ان کو قبیح جانتے ہیں، ارشاد فرمایا ایسا شخص جس کے لئے برے اعمال کو مزین بنا دیا گیا ہو اور اُس نے برے اعمال ہی کو اچھا سمجھ لیا ہو کیا یہ شخص اور وہ آدمی دونوں برابر ہو سکتے ہیں جو برے اعمال کو برا جانتا ہو اور اچھے اعمال کو اچھا سمجھ کر اپنی زندگی میں اختیار کئے ہوئے ہو۔ یہ استفہام انکاری ہے، مطلب یہ ہے کہ جس کیلئے برے اعمال کو اچھا بنا کر پیش کر دیا گیا اور اس نے برے عمل کو اچھا سمجھ لیا یہ شخص اور اس کا مقابل وہ شخص جو برے اعمال کو برا اور اچھے اعمال کو اچھا سمجھتا ہو دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

فَإِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (پس اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے)

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ (سو ان پر حسرتیں کرنے کی وجہ سے آپ کی جان نہ جاتی رہے) رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی بڑی حرص تھی کہ ساری امت دعوت مسلمان ہو جائے لیکن مخاطبین کی طرف سے تکذیب تھی اور عناد تھا اور اس سے آپ کو رنج ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں پر افسوس کر کے آپ کی جان نہ جاتی رہے، جیسا کہ سورۃ الشعراء میں فرمایا: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (کیا ایسا ہونے کو ہے کہ آپ اپنی جان کو اس وجہ سے ہلاک کر دیں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے)۔

پھر فرمایا إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ (بلاشبہ اللہ کو ان کے کاموں کا خوب علم ہے) وہ اپنے علم و حکمت کے مطابق بدلہ دے گا۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی شان رزاقیت بیان فرمائی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے یہ ہوائیں بادلوں کو اُن کی جگہوں سے ہٹاتی ہیں، پھر ان بادلوں کو اللہ تعالیٰ مردہ یعنی خشک زمین کی طرف بھیج دیتا ہے وہ وہاں جا کر پانی برساتے ہیں جس سے خشک زمین زندہ ہو جاتی ہے، گھاس پھونس پیدا ہوتا ہے جو مویشیوں کے کام آتا ہے، انسان اپنی ضرورت کی پیداوار کے لئے زمین میں بیج ڈالے ہوئے ہوتے ہیں بارش ہونے سے کھیتیاں نکلتی ہیں اور بقدر ضرورت بلند ہوتی ہیں، چھوٹی بڑی بالیں نکلتی ہیں جن میں دانے ہوتے ہیں، یہ دانے پکتے ہیں پھر کھیتی کاٹی جاتی ہے، بھوسہ اور دانہ الگ الگ کیا جاتا ہے، پھر دانوں کو پیس کر پکاتے ہیں اور کھاتے ہیں۔ آیت کے ختم پر جو كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ہے اس میں ایک مزید فائدہ کی طرف اشارہ فرما دیا اور وہ یہ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ فرماتا ہے اسی طرح تم لوگ دوبارہ زندہ ہو کر قبروں سے نکلو گے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ

جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے تو ساری عزت اللہ ہی کے لئے ہے، اچھے کلمات اُس کی طرف پہنچتے ہیں اور نیک عمل

یَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِیْنَ یَمْكُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓىِٕكَ هُوَ یَبُوْرُ ﴿۱۰﴾
اُنہیں بلند کر دیتا ہے اور جو لوگ بری تدبیریں کرتے ہیں اُن کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کی تدبیر برباد ہو گی۔
وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا
اور اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر نطفہ سے پھر اُس نے تمہیں جوڑے جوڑے بنایا اور جس کسی عورت کو حمل رہ جاتا ہے اور جو کوئی عورت جنتی ہے تو یہ سب
تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ
اُس کے علم میں ہوتا ہے اور جس کسی عمر والے کی عمر زیادہ کی جاتی ہے اور جس کی عمر کم کر دی جاتی ہے وہ سب کتاب میں ہے بلاشبہ
عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿۱۱﴾
یہ اللہ پر آسان ہے۔

ساری عزت اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے، کلماتِ طیبات اسکی طرف جاتے ہیں اُسے بندوں کی عمروں میں کمی بیشی کا علم ہے

تفسیر: لوگ دنیا میں عزت چاہتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ بڑے بن کر رہیں اور اس کے ذریعہ دنیاوی مصائب اور مشکلات سے بھی بچنا چاہتے ہیں، اس بارے میں غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور مخلوق کو راضی کرنے کے لئے ایسا اعمال کرتے ہیں جن سے خالق کائنات جل شانہٗ راضی نہیں ہیں۔ ایسے لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا یعنی جسے عزت چاہئے تو وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے، وہ عزیز ہے اور ساری عزت اسی کے لئے ہے اپنی مخلوق میں جس کو چاہے عزت دے سکتا ہے اور جس کی عزت چاہے کم کر سکتا ہے اور ختم کر سکتا ہے لہٰذا اللہ ہی کی فرمانبرداری کرے اور اُسی سے سب کچھ مانگے۔

بعض حضرات نے لفظ عِزَّةٌ کا ترجمہ غَلَبَةٌ سے کیا ہے یہ بھی درست ہے اور حقیقت میں اللہ ہی سب پر غالب ہے اور جسے چاہے غلبہ دے سکتا ہے۔ ایک مرتبہ منافقین رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں چلے گئے وہاں آپس میں کہنے لگے: لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (اگر ہم مدینہ واپس ہو گئے تو جو عزت والا ہے وہ ذلت والے کو نکال دے گا) مطلب یہ تھا کہ ہم پردیسی مہاجرین کو مدینہ سے نکال دیں گے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (اور اللہ ہی کے لئے عزت ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مؤمنین کے لئے، اور لیکن منافقین نہیں جانتے) سورۃ النساء میں فرمایا ہے۔ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا (منافقین کو خوشخبری سنا دیجئے اس امر کی کہ ان کے واسطے بڑی دردناک سزا ہے جن کی حالت یہ ہے کہ کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر، کیا ان کے پاس معزز رہنا چاہتے ہیں سو اعزاز تو سارا اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے)

ان آیات میں اُن سب لوگوں کو تنبیہ ہے جو اللہ کے دشمنوں کو راضی کرنے کے لئے حکومت اور سیاست اور معیشت خوراک، پوشاک، وضع قطع اور شکل وصورت میں کافروں کی مشابہت اور ان کے طور طریق اختیار کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح سے ہم باعزت سمجھے جائیں گے، حالانکہ عزت ایمان اور اعمال صالحہ میں ہے اور ساری عزت اللہ ہی کے لئے ہے، اللہ جسے چاہے گا عزت دے گا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں کوئی عزت نہیں ہے، دنیا میں اگر کسی کافر فاسق کو کوئی عزت حاصل ہے تو بے حقیقت ہے، اور ذرا سی سے ہے، اور ذرا سی دیر کے لئے ہے۔

پھر فرمایا اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ (اور اچھے کلمات اس کی طرف پہنچتے ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرماتا ہے، اچھے کلمات کلمہ توحید اور تمام اذکارِ الٰہیہ کو شامل ہیں۔ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ (اور نیک عمل انہیں بلند کر دیتا ہے) نیک عمل سے اعمال صالحہ ظاہرہ باطنہ مراد ہیں، تصدیق قلبی یعنی ایمان تو ہر عمل کے مقبول ہونے کی شرط ہی ہے دوسرے اعمال صالحہ کو بھی کلمات طیبات کی مقبولیت میں دخل ہے، اور جن لوگوں کے اعمال واذکار عند اللہ مقبول ہوتے ہیں حقیقی عزت اُنہیں کو ملتی ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَمْكُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ (اور جو لوگ بری تدبیریں کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے) اس میں اُن لوگوں کے لئے وعید ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے تھے اور آپ کی دعوت کو روکنے کے لئے مشورے کرتے تھے، ایک مرتبہ وہ لوگ جمع ہو کر یہ مشورہ کرنے لگے کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ آپ کو قید کر دیا جائے یا قتل کر دیا جائے یا مکہ معظمہ سے نکال دیا جائے جسے سورۂ انفال کی آیت کریمہ وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ میں بیان فرمایا ہے۔

وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ یَبُوْرُ (اور اُن لوگوں کی تدبیر برباد ہوگی) چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ کے خلاف تدبیریں کرنے والے غزوۂ بدر میں مقتول ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے مستقل یہ تکوینی قانون بتا دیا وَلَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (اور بری تدبیروں کا وبال انہیں لوگوں پر پڑتا ہے جو ایسی تدبیریں کرتے ہیں) ہر صاحب عقل وفہم کو یہ نکتہ سمجھ لینا چاہئے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی شانِ خالقیت بیان فرمائی وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ (اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا) یعنی ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا مٹی سے بنایا پھر اس میں روح پھونکی، چونکہ ان کی تخلیق میں ان کی ساری اولاد کی تخلیق مضمر تھی اس لئے ان کی ساری اولاد کے بارے میں فرمایا کہ مٹی سے تمہاری پیدائش فرمائی، پھر چونکہ سلسلۂ توالد و تناسل نطفہ کے ذریعہ ہوتا رہا اور ہوتا ہے، اس لئے ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ بھی فرمایا یعنی مٹی سے تمہاری تخلیق فرمائی اس کے بعد تمہاری پیدائش کا سلسلہ اس طرح جاری فرمایا کہ مرد کا نطفہ عورت کے رحم میں جاتا ہے پھر اس سے انسان پیدا ہوتا ہے۔

ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا (پھر تمہیں جوڑے بنا دیا) یعنی مرد بھی پیدا فرمائے اور عورتیں بھی، جو ایک دوسرے کی زوجیت میں آتے ہیں اور ان سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی صفت علم بیان فرمائی کہ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ جس کسی بھی عورت کو حمل قرار پاجاتا ہے اور جو بھی کوئی عورت بچہ جنتی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ (اور جس کسی عمر والے کی عمر زیادہ کی جاتی ہے اور جس کی عمر کم کر دی جاتی ہے وہ سب کتاب میں ہے) یعنی جس کسی کی عمر زیادہ مقرر کی گئی اور جس کی عمر دوسروں کے مقابلہ میں کم مقرر کی گئی، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ (بلاشبہ یہ اللہ پر آسان ہے) یعنی لوح

محفوظ میں انسانوں کی تخلیق سے پہلے ہی ان کی عمروں کی کمی بیشی لکھ دینا یہ اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل آسان ہے کیونکہ اُسے ازل سے ابد تک ہر چیز کا علم ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ

اور دو سمندر برابر نہیں، یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا آسان ہے اس کا پینا، اور یہ شور ہے کڑوا، اور ہر ایک میں سے تم تازہ

لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ

گوشت کھاتے ہو اور نکالتے ہو زیور جسے تم پہنتے ہو۔ اور اے مخاطب تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ پانی کو پھاڑتی ہوئی چلی جاتی ہیں تاکہ تم

فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

اس کے فضل سے تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں، اور اُس نے سورج کو

وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ

اور چاند کو مسخر فرمایا۔ ہر ایک مقررہ وقت کے لئے چلتا ہے۔ یہ اللہ رب ہے تمہارا اسی کے لئے ملک ہے اور اس کے سوا تم جن لوگوں کو پکارتے ہو

دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا

وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تم اُن کو پکارو تو تمہاری پکار نہیں سنیں گے اور اگر وہ سن لیں تو تمہاری بات نہ مانیں گے

لَكُمْ ؕ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾

اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے منکر ہو جائیں گے اور خبر رکھنے والے کے برابر تجھے کوئی نہیں بتا سکتا۔

سمندر کے سفر کے فوائد اور چاند سورج کی تسخیر کا بیان، مشرکین کو تنبیہ کہ تمہارے معبود گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کسی چیز کے مالک نہیں

تفسیر: سمندر بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے بعض سمندر میٹھے پانی کے ہیں ان کا پانی پیئو تو خوب میٹھا اور شیریں ہوتا ہے جو پیاس کو بجھاتا ہے اور اس کا پانی بھی آسانی کے ساتھ گلے میں اتر جاتا ہے اور بعض سمندر ایسے ہیں کہ ان کا پانی بہت زیادہ نمکین اور شور ہے وہ پیا ہی نہیں جا سکتا نہ گلے سے اُترتا ہے نہ اُس سے پیاس بجھتی ہے۔ بعض دریاؤں میں شیرینی اور مٹھاس اور بعض میں یہ نمکینی اور کڑوا پن سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے، دونوں سمندر برابر نہیں اور میٹھے سمندر کا میٹھا پن اور کڑوے سمندر کا کڑوا پن محض اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے ہے، ان سمندروں سے انسانوں کو بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان سے تازہ تازہ گوشت کھاتے ہیں یعنی مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں پھر انہیں پکا کر اور تل کر کھاتے ہیں۔ بعض حضرات نے مچھلی کے ساتھ پرندوں کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

دریاؤں کا ایک نفع یہ بتایا کہ تم ان میں سے زیور نکالتے ہو اور اُن کو پہنتے ہو اس سے موتی اور سیپی وغیرہ مراد ہے ان کے پہننے اور استعمال کے طریقے مختلف علاقوں میں مختلف پائے جاتے ہیں۔

اس کے بعد کشتیوں کا تذکرہ فرمایا کہ اے مخاطب تو دیکھتا ہے سمندر میں کشتیاں چلتی ہیں جو پانی کو پھاڑتی ہوئی جاتی ہیں ان کشتیوں کا چلنا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور بہت بڑی نعمت ہے ان کے ذریعہ دور دراز ملکوں کے سفر ہوتے ہیں ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک مال پہنچایا جاتا ہے اور طرح طرح کے منافع حاصل ہوتے ہیں جو اموال اور اثقال باہر سے کشتیوں سے لائے جاتے ہیں اس میں بہت سی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو کھانے پینے اور دیگر ضروریات میں استعمال ہوتی ہیں اسی کو فرمایا کہ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ تا کہ تم اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔ اور جب اس کی نعمتیں استعمال کرو تو اس کا شکر بھی ادا کرو آخر میں اسی کی یاد دہانی فرمائی: وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

پھر فرمایا اللہ دن میں رات کو اور رات میں دن کو داخل فرماتا ہے کبھی یہ کم ہو کر وہ بڑھ جاتا ہے اور کبھی وہ کم ہوتا ہے تو یہ بڑھ جاتا ہے اور چاند اور سورج کو بھی اُس نے مسخر فرمایا ہے یعنی ہر ایک کو اس سے متعلقہ کام میں لگا دیا ہے ان کی روزانہ کی جو حرکات مقرر فرمائی ہیں اور ان کے لئے جو مدار معین فرمایا ہے وہ اس کے خلاف نہیں چل سکتے۔

ان کی یہ رفتار اَجَلٍ مُّسَمًّى یعنی مقررہ مدت تک اسی طرح جاری رہے گی جس طرح اللہ نے مقرر فرما دی اور مقررہ مدت سے یوم قیامت مراد ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ یہ ذات پاک جس کی مخلوقات اور مصنوعات کا اوپر تذکرہ ہوا یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وہ تمہارا رب ہے اُسی کے لئے ملک ہے۔ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ اور جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ (جن لوگوں کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ تم عبادت کرتے ہو اُن کی بے بسی اور عاجزی کا یہ حال ہے کہ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار سن بھی نہ سکیں گے) وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ (اور اگر بالفرض تمہاری بات سن بھی لے تو تمہاری بات نہ مانیں) یعنی تمہاری پکار تمہارے کچھ بھی کام نہ آئیں نہ جواب میں ہاں کہیں نہ اُسی وقت کوئی مدد کر سکیں نہ بعد میں (یہ تو رہی دنیا کی حالت اور) رہا آخرت کا معاملہ سو سمجھ لو کہ تم نے جو اُن کی مدد کا خیال جما رکھا ہے یہ خیال غلط ہے وہ تو وہاں تم سے بیزار ہو جائیں گے اور تم جو انہیں اللہ کا شریک بناتے ہو اس کے وہ منکر ہو جائیں گے۔ اسی کو یہاں فرمایا: وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ (اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے منکر ہو جائیں گے)۔ سورۃ النحل میں فرمایا ہے: وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ (اور جب مشرک لوگ اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! یہ ہمارے شریک ہیں آپ کو چھوڑ کر ہم ان کی پوجا کرتے تھے سو وہ اُن کی طرف کلام کو متوجہ کریں گے کہ تم جھوٹے ہو)۔

وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ (اور اے مخاطب تجھے خبر رکھنے والے کے برابر کوئی نہیں بتائے گا) علیم وخبیر جل مجدہٗ نے تجھے بتایا ہے جسے سب کچھ علم ہے اُس نے جو کچھ بتایا ہے اس کو مان لے اسی میں تیرا بھلا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ

اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ غنی ہے تعریف کا مستحق ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور نئی مخلوق پیدا فرما دے۔ اور یہ

بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿١٦﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿١٧﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ

اللہ پر کچھ مشکل نہیں۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور اگر کوئی بوجھ والا اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے بلائے گا

مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ

تو اس میں سے کچھ بھی نہیں اٹھایا جائے گا اگرچہ قرابت دار ہی ہو' آپ صرف انہی لوگوں کو ڈراتے ہیں جو بن دیکھے

رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٨﴾

اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور انہوں نے نماز قائم کی' اور جو شخص پاکیزہ بنا تو وہ اپنی جان کے لئے پاکیزگی اختیار کرتا ہے'

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿٢٠﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿٢١﴾

اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور نابینا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔ اور نہ اندھیریاں اور روشنی برابر ہے۔ اور نہ سایہ اور دھوپ برابر ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاۗءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي

اور نہ زندہ اور مردہ برابر ہیں۔ بلاشبہ اللہ جسے چاہتا ہے سنوا دیتا ہے' اور آپ اُن لوگوں کو سنانے والے نہیں

الْقُبُوْرِ ﴿٢٢﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿٢٣﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا

جو قبروں میں ہیں آپ صرف ڈرانے والے ہیں۔ بیشک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے بشیر اور نذیر بنا کر' اور کوئی بھی اُمت ایسی نہیں ہے

فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿٢٤﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

جس میں ڈرانے والا نہ گذرا ہو۔ اور اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے جو لوگ تھے وہ بھی جھٹلا چکے ہیں اُن کے پاس ان کے پیغمبر کھلے ہوئے معجزات

وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٢٦﴾

اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے۔ پھر میں نے اُن لوگوں کو پکڑ لیا جنہوں نے کفر کیا سو میرا عذاب کیسا ہوا۔

سب اللہ کے محتاج ہیں' قیامت کے دن کوئی کسی کا بوجھ نہ اُٹھائیگا' بینا اور نابینا' اندھیریاں اور روشنی' زندہ اور مردہ برابر نہیں' ہر اُمت میں نذیر بھیجا گیا ہے

تفسیر : یہ پورے ایک رکوع کا ترجمہ ہے جس میں بہت سے امور پر تنبیہ فرمائی ہے اور متعدد نصیحتیں فرمائیں۔

اوّلاً یہ فرمایا کہ اے لوگو تم سب اللہ ہی کے محتاج ہو' اللہ تعالیٰ غنی ہے جسے کسی چیز کی حاجت نہیں ہے' کوئی بھی ایمان لانے والا اور اس کی عبادت کرنے والا یہ نہ سمجھے کہ اُسے میری حاجت اور ضرورت ہے' بلکہ یہ سمجھ کر اس کی عبادت

کرے کہ مجھے اُسے راضی کرنے کی حاجت ہے وہ غنی ہے' بے نیاز ہے اور ہر تعریف کا مستحق ہے' وہ ہر عیب سے پاک ہے اور صفاتِ جلیلہ سے متصف ہے۔

ثانیا یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو پورا پورا اختیار ہے کہ وہ تمہیں باقی رکھے زندہ رہنے دے' اور اگر چاہے تو تمہیں بالکل نیست و نابود کر دے' تمہیں پیدا فرمانے کے بعد اُس کی قدرت اور صفتِ خالقیت اسی طرح باقی ہے جیسے پہلے تھی' وہ تمہیں ختم فرما کر دوسری مخلوق پیدا فرمانے پر اور اس دنیا میں بسانے پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے' تمہیں ختم کرنا اور دوسری مخلوق پیدا کرنا اس کیلئے ذرا بھی مشکل نہیں۔

ثالثا یہ فرمایا کہ ہر ایک کو اپنا اپنا بوجھ اٹھانا ہے' قیامت کے دن کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اُٹھائے گی' وہاں بڑے بڑے بوجھل انسان حاضر ہوں گے' گناہوں سے لدے ہوئے ہوں گے' اگر کوئی شخص کسی سے یوں کہے کہ آ میرا کچھ بوجھ اُٹھا لے تو اس کا ذرا سا بوجھ بھی کوئی نہ اُٹھائے گا' اگر کوئی شخص اپنے کسی قریبی رشتہ دار سے کہے گا کہ تم میرے بوجھ میں شریک ہو جاؤ تو وہ بھی صاف انکار کر دے گا۔ سورۂ عبس میں فرمایا: یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ (جس دن بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے' ان میں سے ہر شخص کا حال جدا ہوگا جو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا)

رابعا یہ فرمایا کہ آپ انہی لوگوں کو ڈراتے رہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں' یعنی جو اہل ایمان ہیں اور ایمان کی ذمہ داریاں پوری کرتے ہیں وہی آپ کے ڈرانے سے منتفع ہوتے ہیں' ڈراتے تو آپ سب ہی کو ہیں لیکن ڈرانے کا فائدہ اُنہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جن کے دلوں میں اللہ کا ڈر ہے اور جو نماز میں لگے رہتے ہیں' ساری ہی عبادت اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ادا کی جاتی ہے لیکن چونکہ نماز میں بہت سی خصوصیات ہیں جو صرف خوف و خشیت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اس لئے نماز کا خصوصی تذکرہ فرمایا۔

خامسا یہ فرمایا کہ پاکیزہ ہونا' گناہوں سے بچکر رہنا' ظاہری باطنی عیوب سے محفوظ رہنا' اس میں کوئی شخص کسی پر احسان نہ دھرے' جو شخص پاکیزہ ہوگا وہ اپنی ہی جان کے لئے پاکیزگی اختیار کرے گا یعنی اس کا صلہ پائے گا' اور سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنا ہے اور ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ملنا ہے۔

سادسا یہ فرمایا کہ اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔ (یہاں اندھے سے مراد کافر اور دیکھنے والے سے مومن مراد ہے) اور اندھیریاں اور روشنی برابر نہیں یعنی حق اور باطل برابر نہیں ہو سکتے اور سایہ اور گرمی برابر نہیں یعنی ثواب و عقاب برابر نہیں ہو سکتے۔ (اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے جنت اور دوزخ مراد ہیں) نیز یہ بھی فرمایا کہ زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے (زندوں سے اہل ایمان اور مردوں سے کافر مراد ہیں) اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر دوزخ میں ہوں گے۔

اس کے بعد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ جس کو چاہے سنا دے' یعنی ہدایت کی بات سنا کر سننے والے کے لئے سبب ہدایت بنا دیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ قبروں میں ہیں آپ انہیں نہیں سنا سکتے یعنی جنہیں کفر پر اصرار ہے انہوں نے اپنا حال ایسا بنا لیا ہے جیسے قبروں میں ہیں' قبروں میں جو لوگ چلے گئے آپ انہیں نہیں سنا سکتے اور یہ لوگ بھی آپ کی باتیں سن کر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

سماعِ موتی کے بارے میں ضروری تحقیق سورۂ نمل (رکوع نمبر ۶) میں گذر چکی ہے' حقیقی سنانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے'

وہ جب چاہے جس کو چاہے سنائے اس میں کوئی اشکال ہی نہیں۔

سابعًا یہ فرمایا کہ ہم نے آپ کو حق دے کر بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جتنی بھی اُمتیں گذری ہیں اُن میں کوئی نہ کوئی ڈرانے والا ضرور گذرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون رہا ہے کہ بستیوں میں پیغامبر بھیجے جو حق پہنچانے والے ہوتے تھے۔ وہ خوب اچھی طرح واضح طور پر حق اور ناحق بتا دیتے تھے' توحید کی دعوت دیتے تھے اور شرک سے روکتے تھے' جب لوگ سرکشی پر اُتر آتے تو انہیں عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا تھا۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کوئی رسول نہ بھیج دیں) اور سورۃ القصص میں فرمایا ہے' وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ (اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک کہ اُن کے صدر مقام میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج دے' اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اس حالت میں کہ وہاں کے باشندے ظالم ہوں)

لہٰذا جتنی بھی اُمتیں گذری ہیں اُن سب میں ڈرانے والا ضرور پہنچا اُس نے تبلیغ کی اور حق کی دعوت دی' ضروری نہیں ہے کہ جو مبلغ اور داعی پہنچا ہو وہ نبی ہی ہو' حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے جو اپنے نمائندے اور قاصد بھیجے آیت کا مفہوم اُن کو بھی شامل ہے' یہاں اتنی بات سمجھ لینا چاہئے کہ اس وقت دنیا میں جو قومیں مذہبی کہلاتی ہیں وہ کسی ایک شخص کی طرف اپنی نسبت کرتی ہیں اُن میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی نبوت و رسالت تو قرآن مجید سے ثابت ہے' ان کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا فرض ہے البتہ ان حضرات کی شریعت منسوخ ہے' اور ہر فرد و بشر پر فرض ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لائے' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ جو دوسری مذہبی قومیں اپنے جن اکابر کی طرف منسوب ہیں اُن کے بارے میں یہ یقین کر لینا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور اس بارے میں الفاظ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ سے استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ قرآن کریم میں ان کا نام نہیں لیا اور کسی سند کے ساتھ ان لوگوں کا نبی و رسول ہونا ثابت نہیں ہے' کسی کو متعین کر کے نبی و رسول ماننے کے لئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے جو یہاں مفقود ہے' ان لوگوں کی صحیح تاریخ بھی معلوم نہیں ہے اور اُن کے جو قصے مشہور ہیں اُن کے پیش نظر یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ لوگ نبی نہیں ہو سکتے' بلکہ ان میں سے بعض کی تصویریں اور مورتیاں جو اُن کے ماننے والوں میں رواج پائے ہوئے ہیں وہ تو ننگی تصویریں ہیں' اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی ننگا نہیں ہو سکتا' خوب سمجھ لیا جائے۔

ثامنًا یہ فرمایا کہ اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو یہ کوئی تعجب کرنے اور رنجیدہ ہونے کی بات نہیں ہے کیونکہ آپ سے پہلے بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام آ چکے ہیں اُن کی اُمتوں نے انہیں جھٹلایا حالانکہ وہ حضرات اُن کے پاس کھلی کھلی دلیلیں لے کر پہنچے صحیفے لے کر آئے' بڑی کتابیں بھی لائے جیسے توراۃ' انجیل وغیرہ' لیکن جنہیں ماننا نہ تھا انہوں نے نہ مانا' اگر یہ لوگ آپ پر ایمان نہیں لاتے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

تاسعًا یہ فرمایا کہ میں نے کافروں کو پکڑ لیا یعنی ان کو عذاب دیدیا۔ اور مزید فرمایا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ کہ غور کر لو میرا عذاب کیسا تھا۔ اس میں مخاطبین کو تنبیہ ہے کہ پہلی اُمتوں پر تکذیب کی وجہ سے عذاب آتا رہا ہے' یہ عذاب عبرتناک تھا' اس کے بارے میں ان مخاطبین کو کچھ نہ کچھ علم بھی ہے لہٰذا عبرت حاصل کریں اور غور کریں کہ ان کا کیا انجام ہوا اور یہ کہ یہی

انجام ہمارا بھی ہوسکتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ الْجِبَالِ

اے مخاطب کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ پھل نکالے جن کے رنگ مختلف ہیں اور پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں،

جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ

سفید ہیں اور سُرخ ہیں ان کے رنگ مختلف ہیں اور ان میں گہرے سیاہ رنگ والے بھی ہیں۔ اور انسانوں میں اور چوپایوں میں اور جانوروں میں ایسے ہیں

مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

جن کے رنگ مختلف ہیں، اسی طرح اللہ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے بخشنے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً

بلاشبہ جو لوگ اللہ کی کتاب کو پڑھتے ہیں اور انہوں نے نماز کو قائم کیا اور ہم نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کیا چھپے سے اور ظاہری طور پر

يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾

یہ لوگ ایسی تجارت کی اُمید رکھتے ہیں جو کبھی ہلاک نہ ہوگی۔ تاکہ ان کا رب انہیں پورے اجر عطا فرمادے اور اپنے فضل سے اور زیادہ دے بلاشبہ وہ خوب بخشنے والا ہے بہت قدردان ہے۔

وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ

اور یہ کتاب جو ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے بالکل حق ہے جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں۔ بلاشبہ اللہ اپنے بندوں کی پوری

لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ

خبر رکھنے والا ہے خوب دیکھنے والا ہے۔ پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چُن لیا سو ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں،

وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾ جَنّٰتُ

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو درمیانہ درجہ والے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو باذن اللہ بھلائی کے کاموں میں آگے بڑھنے والے ہیں یہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔ وہ ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں

عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾

جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے اس میں انہیں سونے کے کنگن اور موتی زیور کے طور پر پہنائے جائیں گے اور اس میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ

اور وہ کہیں گے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم سے غم کو دور فرمادیا۔ بلاشبہ ہمارا رب بڑا بخشنے والا ہے خوب قدردان ہے جس نے ہمیں

مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾

اپنے فضل سے رہنے کی جگہ میں نازل فرمادیا ہمیں اس میں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ہمیں اس میں کوئی تھکن پہنچے گی۔

بارش کے منافع' نیک بندوں کی صفات اور ان کا اجر وثواب

تفسیر: یہ متعدد آیات ہیں' پہلی دو آیتوں میں بعض علوی اور بعض سفلی انعامات کا تذکرہ فرمایا جو اللہ تعالیٰ شانہٗ کی قدرت قاہرہ پر دلالت کرتے ہیں۔

اوّل تو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا' اس پانی کے جہاں بہت سے فائدے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے درخت نکال دیئے' پھر ان درختوں پر پھل لگا دیئے' ان پھلوں کے اقسام بھی بہت ہیں اور الوان یعنی رنگ بھی' مزے بھی مختلف ہیں اور ہر قسم میں مختلف قسمیں ہیں۔

اور دوسری بات یہ بتائی کہ پہاڑوں کے مختلف حصے ہیں' اُن کے رنگ بھی مختلف ہیں بعض سفید ہیں اور بعض بالکل سیاہ ہیں پہاڑوں سے بنی آدم کو مختلف قسم کے منافع حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جُــدَدٌ کی تفسیر معلوم کی گئی تو فرمایا کہ اس سے پہاڑوں کے راستے مراد ہیں' بنی آدم پہاڑوں پر چڑھتے ہیں' ان کے راستوں میں سفر کرتے ہیں' منافع حاصل کرتے ہیں۔ غرابیب جمع ہے غِرْبِیْب کی' جو بہت زیادہ سیاہ ہو عربی میں اسے غِرْبِیْب کہا جاتا ہے' اور سُوْدٌ اَسْوَدُ کی جمع ہے جو سیاہ کے معنی میں آتا ہے' دونوں لفظوں کو ملا کر مبالغہ کا معنی پیدا ہو جاتا ہے' اسی لئے اوپر گہرے سیاہ رنگ والے کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ قال صاحب الرُّوح و کثر فی کلامھم اتباع للاسود علی انہ صفۃ لہ او تاکید لفظی فقالوا اسود غِرْبِیْب کما قالوا بیضٌ یَقِقٌ واصفر فاقع واحمر قانٍ۔ (تفسیر روح المعانی کے مصنفؒ فرماتے ہیں عرب کے کلام میں اَلْاَسْود کے ساتھ غِرْبِیْبٌ کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے اس طرح کہ غربیب اسود کی صفت بنتا ہے یا تاکید لفظی چنانچہ کہتے ہیں اسود غربیب جیسا کہ کہا جاتا ہے ''بیض یقق'' بہت ہی سفید اور ''اصفر فاقع'' زرد خالص اور ''احمر قان'' بہت ہی سرخ)

بارش اور پھلوں اور پہاڑوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ انسانوں میں اور چوپایوں میں اور جانوروں میں بھی مختلف اقسام کی چیزیں ہیں' ان کی اقسام بھی مختلف ہیں اور انواع بھی اور رنگتیں بھی' اس سب میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق کا مظاہرہ بھی ہے اور انسانوں پر انعامات بھی ہیں' انسان جانوروں سے اور جانور انسانوں سے مستفید اور متمتع ہوتے ہیں۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (اللہ سے علم والے ہی ڈرتے ہیں) جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے خواہ علم الآفاق ہو خواہ علم الانفس' خواہ علم المصنوعات ہو خواہ علم الکتاب' یہی لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کیونکہ علم ذریعہ معرفت ہے' جسے جتنی معرفت حاصل ہو گی اُسی قدر اپنے خالق و مالک سے ڈرے گا اور معاصی سے باز رہے گا ہاں اگر کوئی شخص علم ہوتے ہوئے بھی اپنے نفس کا اتباع کرے تو وہ گمراہ ہی رہے گا' کما قال اللہ تعالیٰ: اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰہُ وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ۔

رسول اللہ ﷺ سب سے بڑے عالم بھی تھے اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے بھی تھے' آپ نے فرمایا: اما واللّٰہِ انی لأخشاکم للّٰہ واتقاکم لہ۔ (رواہ البخاری ج ۲ ص ۷۰۷ و مسلم ج ۱ ص ۴۴۹) (خبردار! اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں)

آیت کے آخر میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ (بلاشبہ اللہ عزت والا ہے خوب بخشنے والا ہے)
اس کے بعد نیک بندوں کی تعریف فرمائی اور ان کے اجر و ثواب کا تذکرہ فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور پوشیدہ اور ظاہری طور پر ہمارے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرتے ہیں۔ یہ لوگ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی بھی ہلاک نہ ہوگی اُن کی عبادتوں کے اُجور اللہ تعالیٰ انہیں پورے پورے عطا فرمائے گا (جانی عبادتیں ہوں یا مالی) اور انہیں اپنے فضل سے مزید عطا فرمائے گا' وہ بہت بخشنے والا بھی ہے' کمی کوتاہی کو معاف فرما دے گا اور وہ بڑا قدر دان بھی ہے ہر نیکی کا اجر کم از کم دس گنا کر کے عطا فرمائے گا' اسی تجارت میں لگنے میں نفع عظیم ہے جس کے تباہ ہونے کا خطرہ نہیں اور نقصان کا اندیشہ نہیں۔
اس کے بعد قرآن مجید کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے جو کچھ آپ کو وحی بھیجی ہے وہ حق ہے' اُن کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی تھیں' بلاشبہ اللہ اپنے بندوں کی پوری طرح خبر رکھنے والا ہے پوری طرح دیکھنے والا ہے۔
اس کے بعد اُن بندوں کا تذکرہ فرمایا جنہیں اللہ تعالیٰ نے کتاب عطا فرمائی' اُن کے بارے میں لفظ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فرمایا جس میں یہ بتا دیا کہ جسے اللہ تعالیٰ کی کتاب مل گئی وہ اللہ کا برگزیدہ بندہ ہے' (خواہ عمل کے اعتبار سے اس نے اپنی حیثیت گرا رکھی ہو)
حدیث شریف میں ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے حفظِ قرآن کی نعمت عطا فرما دی پھر اُس نے کسی شخص کے بارے میں یہ خیال کیا کہ اُسے مجھ سے افضل چیز عطا کی گئی ہے تو اُس نے سب سے بڑی نعمت کو حقیر جانا (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج۶ص۷۵)
پھر ان کی تین قسمیں بتائیں کہ ان میں بعض وہ ہیں جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں یعنی گناہوں میں مشغول رہتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو متوسط درجہ کے لوگ ہیں' اور بعض وہ ہیں جو باذن اللہ نیکیوں میں آگے بڑھے ہوئے ہیں' یہ وہ حضرات ہیں جو گناہوں سے بھی بچتے ہیں اور فرائض و واجبات کے علاوہ دوسرے نیک کاموں کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔
ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ (یہ اللہ کا بڑا فضل ہے) معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عطا فرمائی ہے اُن میں جو لوگ گنہگار ہیں ان کا بھی اکرام کرنا چاہئے' ان کے گناہوں پر نظر نہ کریں بلکہ اللہ کے فضل کو دیکھیں اُس نے اُنہیں اپنی کتاب دے کر فضل کبیر سے نوازا ہے۔
سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تینوں قسم کے لوگ ایک ہی مرتبہ میں ہیں' یعنی اللہ تعالیٰ کے نوازے ہوئے ہیں اور یہ سب جنت میں ہوں گے۔ (راجع تفسیر سورۃ فاطر من سُنن الترمذی)
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آیت بالا منبر پر پڑھی اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا سابقنا سابق مقتصدنا ناج وظالمنا مغفور لهٗ یعنی ہم میں جو آگے بڑھنے والے ہیں وہ (اجر و ثواب اور رفع درجات میں) آگے بڑھنے والے ہیں اور جو متوسط طبقہ کے ہیں وہ نجات پانے والے ہیں اور جو ظالم ہیں اُن کی مغفرت ہو جائے گی۔
اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور یوں فرمایا کہ جو سابق بالخیرات ہوگا وہ بلا حساب جنت میں داخل ہوگا اور جو متوسط درجہ کے ہوں گے' اُن سے ہلکا سا حساب لیا جائے گا' اور

جو اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہوں گے انہیں حساب کے مقام پر روک لیا جائے گا یہاں تک کہ انہیں رنج لاحق ہو جائے گا پھر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ (راجع للمحدیثین معالم التنزیل ج ۳ ص ۵۷۱)

ظالم اور مقتصد اور سابق بالخیرات کی تعیین اور تشریح میں متعدد اقوال ہیں جو روح المعانی و معالم التنزیل میں مذکور ہیں۔

اس کے بعد جنتیوں کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا کہ یہ لوگ ہمیشہ رہنے کے باغیچوں میں ہوں گے جن میں انہیں سونے اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔ یہ مضمون سورۃ الحج (رکوع نمبر ۳) میں بھی گذر چکا ہے یہاں یہ اشکال نہ کیا جائے کہ زیور تو عورتوں پر اچھا لگتا ہے مردوں کو کیا زیب دے گا؟ بات یہ ہے کہ ہر جگہ کا ایک ایک مزاج اور رواج ہوتا ہے اہل جنت کا یہ مزاج ہوگا کہ مرد بھی رغبت سے زیور پہنیں گے جیسا کہ دنیا میں بھی راجہ اور بادشاہ پہنتے رہے ہیں شریعت اسلامیہ میں مردوں کو زیور پہننا منع ہے لیکن وہاں ان کے لئے حلال بھی ہوگا اور ان کو مرغوب بھی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہوگا اسی طرح ریشم کو سمجھ لیا جائے کہ مردوں کے لئے اس کا لباس پہننا اس دنیا میں جائز نہیں ہے لیکن جنتی مردوں کو وہاں ریشم کا لباس عطا کیا جائے گا۔

متعدد صحابہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دُنیا میں ریشم کا لباس پہنے گا آخرت میں ریشم کا لباس نہیں پہنے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۷۳ از بخاری و مسلم)

اس کے بعد اہل جنت کے شکر گذاری کے کلمات نقل فرمائے: وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ (اور وہ لوگ کہیں گے کہ اللہ کے لئے سب تعریف ہے جس نے ہم سے غم کو دور فرما دیا) اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ (بلاشبہ ہمارا رب بہت بخشنے والا ہے) اس نے ہمارے گناہوں کو اور لغزشوں کو بخش دیا۔ شَكُوْرٌ (بڑا قدر دان ہے) ہماری نیکیوں کی قدر دانی فرمائی اور وہ وہ نعمتیں عطا فرمائیں جن کے ہم بالکل مستحق نہ تھے۔ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ (جس نے ہمیں اپنے فضل سے رہنے کی جگہ میں اُتار دیا) اس میں یہ بتایا کہ جنت رہنے کی جگہ ہے جس کے بارے میں فرمایا ہے لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا کہ جنتی وہاں سے کہیں اور منتقل ہونا نہ چاہیں گے۔ اور تعریضاً یہ بھی بتا دیا کہ دنیا رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ جو جنت میں پہنچا۔ اس نے صحیح ٹھکانہ پکڑا جہاں سے کہیں اور جانا ہی نہیں اور نہ اس سے کوئی اچھی جگہ ہے جہاں جانے کا خیال آئے۔

لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ (ہمیں یہاں کوئی دُکھ نہیں پہنچے گی اور نہ ہمیں یہاں کوئی تھکن محسوس ہو گی) وہاں آرام ہی آرام ہے کسی طرح کی کمائی کی کوئی حاجت نہیں اس لئے نہ محنت ہوگی نہ مشقت نہ دُکھن ہوگی نہ تھکن سے واسطہ پڑے گا۔ سورۃ الحجر میں فرمایا لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (نہ انہیں وہاں تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ
اور جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے لئے دوزخ کی آگ ہے نہ تو اُن کی قضا آئے گی کہ وہ مر ہی جائیں اور نہ اُن سے اس کا

عَنْهَا ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا

عذاب ہلکا کیا جائے گا' ہر کافر کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ دوزخ میں چلائیں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں دوزخ سے نکال لیجئے ہم اُن اعمال کے

غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا

علاوہ دوسرے عمل کریں گے جو کیا کرتے تھے' کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں وہ شخص سمجھ سکتا تھا جو سمجھنا چاہتا' اور تمہارے پاس ڈرانے والا آیا تھا'

فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾

سو تم چکھ لو سو ظالموں کے لئے کوئی بھی مددگار نہیں۔

دوزخیوں کو نہ موت آئے گی نہ اُن کا عذاب ہلکا کیا جائے گا نہ اس میں سے کبھی نکلیں گے

تفسیر: اہل ایمان کا انعام واکرام بیان فرمانے کے بعد اہل کفر کی سزا بیان فرمائی اور ان کے لئے دوزخ کی آگ میں داخل ہونے اور اس میں ہمیشہ رہنے کا تذکرہ فرمایا' نہ تو ان کے بارے میں یہ فیصلہ ہوگا کہ مرجائیں اور نہ اُن کا عذاب ہلکا کیا جائے گا۔ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ اسی طرح ہم ہر کافر کو جزا دیتے ہیں۔ مزید فرمایا کہ جب اہل کفر دوزخ میں مبتلائے عذاب ہوں گے تو وہاں چیخیں گے اور چلائیں گے اور بارگاہِ خداوندی میں درخواست پیش کریں گے کہ ہمیں اس سے نکال دیجئے ہم پہلے جو عمل کیا کرتے تھے اب ان کے علاوہ عمل کریں گے یعنی آپ کے حکم کے مطابق چلیں گے' اللہ جل شانہ' کا ارشاد ہوگا کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر لیتا' اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا تھا' نہ تو تم نے اپنی عمر کو نیکیوں میں لگایا اور نہ ہماری طرف سے بھیجے ہوئے رسول اور نبی کی بات مانی جس نے تمہیں سمجھایا اور اُس مصیبت سے ڈرایا جس میں تم آج مبتلا ہو۔ لہٰذا اب عذاب چکھو اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رکھا جس کی عمر میں اتنی ڈھیل دے دی کہ ساٹھ سال تک پہنچا دیا۔ (رواہ البخاری کما فی مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۰)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک پکارنے والا یوں پکارے گا کہ ساٹھ سال کی عمر والے کہاں ہیں؟ (پھر فرمایا) یہی وہ عمر ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۱)

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۳۸﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ

بلاشبہ اللہ آسمانوں کے اور زمین کے غیب کا جاننے والا ہے' بلاشبہ وہ دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے۔ وہی ہے جس نے

خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ
تمہیں زمین میں پہلے لوگوں کے بعد آباد فرمایا' سو جو شخص کفر اختیار کرے اس کا کفر اُسی پر ہے' اور کافروں کے لئے ان کا کفر اُن کے رب
اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ
کے نزدیک ناراضگی ہی کو بڑھاتا ہے' اور کافروں کے لئے اُن کا کفر صرف خسارہ ہی میں اضافہ کرتا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ تم جنہیں
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ
اللہ کے سوا پکارتے ہو ان کا حال بتاؤ' مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا' کیا آسمانوں میں ان کا کوئی ساجھا ہے' کیا ہم نے
كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰی بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ
انہیں کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اس کی دلیل پر قائم ہوں' بلکہ بات یہ ہے کہ ظالم لوگ ایک دوسرے کو صرف دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کرتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ
يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ ۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ
آسمانوں کو اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائے اور اگر وہ ٹل جائیں تو اُس کے سوا ان دونوں کو کوئی بھی تھامنے والا نہیں' بلاشبہ
كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾
وہ حلیم ہے غفور ہے۔

کفر کا وبال اہل کفر ہی پر پڑے گا' کافر آپس میں ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے ہیں' آسمانوں اور زمین کو اللہ تعالیٰ ہی روکے ہوئے ہے

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم وقدرت کو بیان فرمایا ہے اور مشرکوں اور کافروں کی گمراہی اور بدحالی بیان فرمائی ہے۔ **اول** تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو آسمانوں کی اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا علم ہے یعنی جو چیزیں مخلوق کے علم سے غائب ہیں وہ ان سب کو پوری طرح جانتا ہے **دوم** یہ فرمایا کہ وہ دلوں کی باتوں کو جانتا ہے' **سوم** یہ فرمایا کہ تم لوگوں کو اس نے زمین میں خلیفہ بنایا ہے یعنی تم سے پہلے جو لوگ زمین میں رہتے اور بستے تھے اُن کے بعد تمہیں بسا دیا' سارے انسانوں پر لازم ہے کہ اس کا شکر ادا کریں' اس کی ذات وصفات پر' اس کے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لائیں لیکن لوگ اکثر کفر اختیار کئے ہوئے ہیں۔

فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ (سو جو شخص کفر اختیار کرے گا اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے) وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا اور کافروں کا کفر انہی کے حق میں مضر ہے جس کا سب سے بڑا ضرر یہ ہے کہ ان کا رب ان سے ناراض ہے اور جیسے جیسے یہ لوگ کفر میں آگے بڑھتے ہیں برابر پروردگارِ عالم جل مجدہٗ کی ناراضگی بڑھتی چلی جاتی ہے' کافر خواہ یہ سمجھتے ہوں کہ ہم بڑے نفع میں ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا کفر اُن کے لئے خسارہ میں اضافہ کا باعث بنتا چلا جا رہا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ جو لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنا رکھے ہیں جن کی پوجا کرتے ہیں اور جن کو پکارتے ہیں ان کے بارے میں ان سے دریافت کیجئے کہ ان کا کیا حال ہے؟ انہیں جو تم نے معبود بنایا ہے ان میں کون سی صفت دیکھ رکھی ہے جس کی وجہ سے وہ مستحق عبادت سمجھے گئے؟ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے؟ کیا آسمانوں میں ان کا کچھ ساجھا ہے؟ اس میں سے کوئی بات نہیں ہے! زمین اللہ کی ہے جس پر رہتے سہتے ہو آسمان اللہ کے ہیں جن کے نیچے زندگی گذارتے ہو' یہ سب کچھ جانتے ہوئے غیروں کی عبادت کرنا کون سی سمجھداری ہے۔

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ (کیا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس کی دلیل پر یہ لوگ قائم ہیں) یہ استفہام انکاری ہے' مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے جس کی رو سے شرک اختیار کرنے کو درست سمجھتے ہیں۔ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا شرک کے درست ہونے کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ ظالم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے دھوکہ کی باتوں کا وعدہ کرتے ہیں یعنی ایک دوسرے کو شرک پر جماتے ہیں اور توحید پر نہیں آنے دیتے اور شرک میں فائدہ بتا بتا کر ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ یہ باطل معبود ہماری سفارش کریں گے۔

اس کے بعد اللہ جل شانہ کی قوت قاہرہ ایک اور طریقہ پر بیان فرمائی اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اور زمینوں کو تھامے ہوئے ہے' ان کی جو جگہ مقرر ہے وہاں سے نہیں ٹل سکتے (اپنے محور ہی میں رہتے ہیں) اور اگر بالفرض اپنی مقررہ جگہ کو چھوڑ دیں تو اس کے علاوہ کوئی ان کو تھام نہیں سکتا' آسمان و زمین اسی کی مخلوق ہیں' اسی نے ان کی جگہ مقرر فرمائی ہے' کسی کو ان میں ذرا سے تصرف کا بھی اختیار نہیں ہے وہی ان کی حفاظت فرماتا ہے وہی ان کا مالک ہے' ان میں جو چیزیں ہیں وہ ان کا بھی خالق و مالک ہے پھر اس کے علاوہ دوسرا کوئی مستحق عبادت کیسے ہو سکتا ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا (بے شک وہ حلیم ہے (عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا) غفور بھی ہے) سب کچھ معاف کرنے والا ہے۔

آسمان و زمین کے تھامنے کی تشریح میں یہ جو عرض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کی جگہ مقرر فرما دی ہے اس کے علاوہ دوسری جگہ منتقل نہیں ہو سکتے' اس معنی کو لینے سے آسمان اور زمین کی حرکت کے بارے میں کوئی اشکال نہیں رہتا وہ اسی جگہ میں رہتے ہوئے حرکت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر فرمائی ہے دونوں حرکت کرتے ہوں یا ایک متحرک ہو حسب ما یقول اصحاب الفلسفة القديمة و الجديدة بہر حال اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمودہ حد میں رہتے ہیں۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ

اور ان لوگوں نے مضبوطی کے ساتھ اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آ جائے تو دوسری امتوں کے مقابلہ میں ہر ایک سے زیادہ ہدایت پانے والے ہوں گے

فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ﴿۴۲﴾ اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ

پھر جب ان کے پاس ڈرانے والا آ گیا تو ان کی نفرت زیادہ ہو گئی زمین میں تکبر کرنے اور بری تدبیریں اختیار کرنے کی وجہ سے' اور بری تدبیر

السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۚ

کا وبال اُسی پر ہے جو یہ کام کرے، سو کیا وہ پرانے لوگوں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں، سو آپ ہرگز اللہ کے دستور میں تبدیلی نہ پائیں گے

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا ﴿۴۳﴾

اور آپ ہرگز اللہ کے دستور میں منتقل ہونا نہ پائیں گے۔

قریش مکہ نے قسم کھا کر کہا کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آ گیا تو ہم دوسروں سے بڑھ کر ہدایت والے ہونگے، پھر جب ڈرانے والا آ گیا تو متکبر بن گئے اور حق سے منحرف ہو گئے

تفسیر: قریش مکہ مشرک تھے، تجارت کے لئے شام جایا کرتے تھے وہاں نصاریٰ کی حکومت تھی اور یہودیوں کا بھی انہیں کچھ علم تھا جب انہیں یہ پتہ چلا کہ ان دونوں قوموں نے اللہ کے پیغمبروں کی تکذیب کی ہے تو کہنے لگے کہ یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو ان کے پاس اللہ کے رسول آئے تو انہیں جھٹلا دیا ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس کوئی رسول آ گیا تو ان لوگوں سے بڑھ کر ہدایت پر ہوں گے، یہ بات انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے کہی تھی، پھر جب آپ کی بعثت ہوئی تو نہ صرف یہ کہ آپ کی تکذیب کی بلکہ آپ کی تکذیب کی اور تنفر ہی کو اختیار کر لیا، اور نفرت اختیار کرنے کا باعث یہ تھا کہ ایمان قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے جو سراسر تکبر تھا، یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے خلاف بری بری تدبیریں کرتے تھے، پھر جو تدبیریں کیں وہ خود اُلٹی اُنہیں کے گلے پڑیں، جن حضرات کو اسلام سے روکتے تھے ان کے روکنے میں بھی کامیاب نہ ہوئے اور یہ روکنے والے غزوۂ بدر میں مقتول ہوئے اور سارا تکبر دھرا رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بطور قاعدہ کلیہ اس کو یوں بیان فرمایا: وَلَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (اور بری تدبیروں کا وبال ان تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے) یہ تکوینی قانون ہے کہ جو شخص کسی کو دکھ دینے کی تدبیریں کرے گا وہ خود اسی پر پڑیں گی، عموماً ایسا دیکھا جاتا رہا ہے اور اس کے بارے میں یہ جملہ مشہور ہو گیا ہے: من حفر بئیر لاخیه فقد وقع فیه ۔ (جو شخص اپنے بھائی کے لئے کنواں کھودے وہ خود اسی میں گرے گا)

فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ (سو کیا وہ پرانے لوگوں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں) فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا (سو آپ ہرگز اللہ کے دستور میں تبدیلی نہ پائیں گے) وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا (اور آپ ہرگز اللہ کے دستور میں منتقل ہونا نہ پائیں گے) یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ کافروں پر عذاب ہو گا خواہ دنیا و آخرت دونوں میں ہو، خواہ صرف آخرت میں ہو، اور یہ بھی دستور ہے کہ جو عذاب کا مستحق ہو اُسی کو عذاب ہوتا ہے، ایسا نہیں کہ انہیں چھوڑ کر کسی دوسری قوم کو عذاب ہو جائے جو مستحق عذاب نہ ہو، ان کا ڈھنگ اور طریقہ کار ایسا ہے جیسے عذاب کے منتظر ہوں اور وجہ اس کی عناد اور باطل پر اصرار ہے، چونکہ عذاب میں مبتلا ہونے کا یقین نہیں اس لئے عذاب کے انتظار میں بیٹھے ہیں، انتظار کرنے سے

عذاب سے حفاظت نہ ہو جائے گی آنے والا عذاب آ کر رہے گا۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ

کیا وہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تا کہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو اُن سے پہلے تھے اور وہ اُن سے

قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿۴۴﴾

قوت میں بڑھے ہوئے تھے اور آسمانوں میں اور زمین میں اللہ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، بلاشبہ وہ جاننے والا ہے قدرت والا ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ

اور اگر اللہ لوگوں کے اعمال کی وجہ سے ان کا مواخذہ فرمائے تو زمین کی پشت پر کسی ایک چلنے پھرنے والے کو بھی نہ چھوڑے اور لیکن وہ ایک میعادِ مقررہ تک

مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ﴿۴۵﴾

مہلت دے رہا ہے سو جب اُن کی مقررہ میعاد آ جائے گی تو اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

زمین میں چل پھر کر دیکھتے ہیں پھر بھی سابقہ اُمتوں کے انجام سے عبرت حاصل نہیں کرتے، لوگوں کے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مواخذہ فرماتا تو زمین کی پشت پر کسی کو بھی نہ چھوڑتا

تفسیر: مکہ والے تجارت کیلئے شام کے اسفار میں جایا کرتے تھے راستہ میں قوم ثمود کی برباد شدہ بستیاں پڑتی تھیں اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم بستی (سدوم) کے پاس سے بھی گذر ہوتا تھا اس لئے انہیں یاد دہانی فرمائی، اور فرمایا کہ کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تا کہ ان لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو اُن سے پہلے تھے، یعنی جن قوموں پر عذاب آیا اور ہلاک کئے گئے ان کا حال انہیں معلوم ہے؟ ان کی آبادیوں کے نشان دیکھتے ہوئے گذرتے ہیں پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے، اور عبرت کے لئے مزید بات یہ ہے کہ وہ لوگ ان سے قوت میں بڑھے ہوئے تھے جب وہ ہلاک کر دیئے گئے تو ان کی تو ہستی ہی کیا ہے۔

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ اور اللہ تعالیٰ کو پوری پوری قدرت ہے جو چاہے کرے اور جسے چاہے عذاب دے، آسمانوں اور زمین میں اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا (بلاشبہ وہ بڑے علم والا ہے بڑی قدرت والا ہے) کوئی شخص یا کوئی جماعت یہ نہ سمجھے کہ اسے ہمارے کرتوتوں کا علم نہیں ہے اور یہ بھی نہ سمجھے کہ وہ عذاب دینے پر قدرت نہیں رکھتا، وہ تو ہر چیز پر قادر ہے اُس کی گرفت سے بچ کر کوئی کہیں نہیں جا سکتا۔

سورت کے ختم پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا' دنیا میں لوگوں کا حال یہ ہے کہ اپنے کفر کی وجہ سے بربادی کے مستحق ہیں اگر اللہ تعالیٰ ان کا مواخذہ فرمائے تو زمین پر کسی چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑے' لیکن اس کے یہاں تاخیر ہے اور ڈھیل ہے اُس نے جو اجل اور میعاد مقرر فرما رکھی ہے جب وہ آئے گی تو عذاب آ جائے گا۔ اور کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ کتنے کافر گذر گئے اور کتنوں نے بدعملی کر لی اُن سب کی فہرست کہاں ہے اور ہر ایک کا مواخذہ کیسے ہوگا' جو شخص ایسا خیال کرتا ہے یہ اس کی جہالت کی بات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنے ہر ہر بندہ کو دیکھتا ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے' جب مقررہ میعاد آ جائے گی اپنے علم کے مطابق سزا دے دے گا۔ اسی کو فرمایا: فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا (سو جب اُن کی اجل آ جائے گی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے)۔

یہاں جو یہ اشکال ہوتا ہے کہ زمین کے باشندوں میں سب کی ہلاکت ہوگی تو اہل ایمان کو بھی شامل ہوگی' وہ ہلاکت میں کیوں شریک کئے جائیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی قانون کے مطابق ہلاک تو سبھی ہوں گے لیکن قیامت کے دن اپنے اپنے اعمال کے مطابق اٹھائے جائیں گے' اہل کفر دوزخ میں اور اہل ایمان جنت میں جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے تو جو بھی لوگ وہاں موجود ہوں ان سب کو عذاب پہنچ جاتا ہے پھر اپنے اپنے اعمال کے مطابق قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔ (رواہ البخاری ص ۱۰۵۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک لشکر کعبہ شریف پر حملہ کرنے کے لئے آئے گا جب وہ میدان میں ہوں گے تو اوّل سے آخر تک سب کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اوّل سے آخر تک سب کو کیسے دھنسا دیا جائے گا حالانکہ ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو خرید و فروخت کے لئے نکلے ہوں گے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو اُن میں شامل نہ ہوں گے' آپ نے فرمایا کہ دھنسائے تو جائیں گے سب ہی پھر اپنی اپنی نیت پر اُٹھائے جائیں گے۔ (رواہ البخاری ج ۱ ص ۲۸۴)

کہیں لکھا تو نہیں دیکھا لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے پیش نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل ایمان کے لئے یہ ہلاکت باعث اجر و ثواب ہوگی اور محض ایمان و اعمال صالحہ پر جو اجر ملتا ہے اس مجموعی عذاب میں شامل کئے جانے کی وجہ سے مزید اجر ملے گا اور اس تکلیف کو مستقل ثواب کا سبب بنا دیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وهٰذا اٰخر التفسير من سورة فاطر

فی السّابع من ايّام ربيع الاوّل

١٤١٧ من الهجرة النّبوية علی صاحبها الصلوة و التحيه

سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ یٰسٓ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں تراسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے﴾

يٰسٓ ۞ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۞ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞

یٰسٓ قسم ہے قرآن حکیم کی، بلاشبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں، سیدھے راستہ پر ہیں، یہ قرآن ایسی ذات کی طرف سے

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۞ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۞ لَقَدْ

نازل کیا گیا ہے جو زبردست ہے رحم والا ہے، تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادوں کو نہیں ڈرایا گیا سو وہ غافل ہیں۔ البتہ

حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا

یہ بات واقعی ہے کہ ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے سو وہ ایمان نہ لائیں گے۔ بلاشبہ ہم نے اُن کی گردنوں میں

فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۞ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ

طوق ڈال دیئے ہیں سو وہ اوپر ہی کو رہ گئے ہیں۔ اور ہم نے اُن کے آگے آڑ بنا دی اور اُن کے پیچھے

خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۞ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ

آڑ بنا دی سو ہم نے اُن کو گھیر دیا لہٰذا وہ نہیں دیکھ سکتے، اور ان کے حق میں بات برابر ہے آپ انہیں ڈرائیں

اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ

یا نہ ڈرائیں ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ اُسی شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت کا اتباع کرے اور بن دیکھے رحمٰن سے ڈرے،

فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۞ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ

سو آپ اُسے مغفرت کی اور اجر کریم کی خوشخبری سنا دیجئے، بیشک ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور اُن لوگوں نے جو آگے بھیجا اُسے اور اُن کے نشانوں کو لکھ لیتے ہیں،

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۞

اور ہر چیز کو ہم نے ایک واضح کتاب میں پوری طرح لکھ دیا۔

آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تاکہ آپ اُن لوگوں کو تبلیغ کریں جن کے باپ دادوں کے پاس ڈرانے والے نہیں آئے

تفسیر: لفظ یٰسٓ متشابہات میں سے ہے، جس کا معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، منکرین جو آنحضرت ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی قسم کھا کر اُن کی تردید فرمائی اور فرمایا اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (بلاشبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں) اور مزید فرمایا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (کہ آپ سیدھے راستہ پر ہیں) آپ کے دشمن جو آپ کے بارے میں غلط باتیں کہتے ہیں اور آپ جس راہ پر ہیں یعنی توحید اور عبودیت للہ اس سے جو مخاطبین بدکتے ہیں اُن کا خیال نہ کیجئے اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے کہ آپ صراط مستقیم پر ہیں۔

جو لوگ آپ کی رسالت کے منکر تھے اور قرآن کریم کو بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں مانتے تھے اُن لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ اس میں مصدر مفعول مطلق ہے جو نَزَّلَ محذوف کی وجہ سے منصوب ہے، ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن ایسی ذات پاک کی طرف سے اُتارا گیا ہے جو زبردست ہے اور رحم فرمانے والا ہے۔ اَلْعَزِيْزُ فرما کر یہ بتا دیا کہ منکرین چین سے نہ بیٹھیں، نڈر نہ ہوں جس نے یہ قرآن نازل فرمایا ہے وہ باعزت ہے غلبہ والا ہے اور انکار پر سزا دینے پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے، اور اَلرَّحِيْمُ فرما کر یہ بتا دیا کہ گرفت میں جو دیر لگ رہی ہے وہ اُس کی شانِ رحمت کا مظاہرہ ہے اس دیر لگنے سے یہ نہ سمجھیں کہ عذاب میں مبتلا ہونا ہی نہیں ہے۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ آپ کو جو نبوت سے نوازا گیا ہے اور آپ پر جو قرآن مجید نازل کیا گیا ہے یہ اس لئے ہے کہ آپ اُن لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادوں کو نہیں ڈرایا گیا یعنی آپ کے اوّلین مخاطب اہل مکہ ہیں ماضی قریب میں اُن کے پاس کوئی نبی نہیں آیا جو اُنہیں ڈراتا، یوں تو یہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ کی اولاد ہیں اُنہوں نے انہیں دین حق کی تبلیغ کی تھی، توحید سمجھائی تھی، شرک سے بچنے کی تاکید کی تھی لیکن بعد میں یہ لوگ کفر اور شرک پر لگ گئے۔ **هٰذا اذا كانت ما نافية كما هوا المتبادر وقال ابن عطية يحتمل ان تكون مَا مصدرية تكون نعتًا لمصدرٍ مؤكداى لتنذر قومًا انذارًا مثل انذار الرّسل اٰبآئهم الا بعدين** ۔(یہ اس وقت ہے جب مَا نافیہ ہو جیسا کہ ظاہر ہے اور ابن عطیہ نے کہا ہو سکتا ہے کہ مَا مصدریہ ہو کر مصدر مؤکد کی صفت ہو یعنی تاکہ آپ قوم کو ڈرائیں جیسا کہ ان کے دور کے آباء کو رسولوں نے ڈرایا)

فَهُمْ غٰفِلُوْنَ (سو یہ لوگ غافل ہیں) ان کے باپ دادوں کو ڈرانے کے لئے کوئی نبی نہیں بھیجا گیا لہٰذا وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اب آپ ان کو ڈرایئے اور سمجھایئے۔

پھر فرمایا لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ (الآیة) جب رسول اللہ ﷺ اہل مکہ کو تبلیغ کرتے تھے تو وہ آپ کی تکذیب کرتے تھے

اور آپ کی بات نہیں مانتے تھے اس سے آپ کو رنج ہوتا تھا' اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ ان میں سے اکثر پر بات ثابت ہو چکی ہے یعنی ان کے بارے میں یہ طے ہو چکا ہے کہ عذاب میں جائیں گے۔ تکوینی طور پر یہ بات طے شدہ ہے کہ اکثر ایمان نہیں لائیں گے لہٰذا آپ کارِ رسالت انجام دیں اور ان کے انکار اور عناد سے دلگیر نہ ہوں۔

اس کے بعد منکرین کے ایک عذاب کا تذکرہ فرمایا اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ (الاٰیۃ) کہ ہم اُن کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے یہ طوق ٹھوڑیوں تک ہیں (اور ہاتھ بھی اوپر ہی ان طوقوں میں بندھے ہوئے ہوں گے) لہٰذا ان لوگوں کی کیفیت ایسی ہو جائے گی کہ اُن کے سر اُوپر ہی کو اٹھے ہوئے رہ جائیں گے نیچے کو نہ جھکا سکیں گے۔

علامہ قرطبیؒ (جلد ۱۵ ص ۹) نے بعض حضرات سے آیت کا یہ مفہوم نقل کیا ہے اور بتایا ہے کہ اہل کفر کے ساتھ یہ معاملہ دوزخ میں ہوگا اور سورۃ المومن کی آیت کریمہ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ سے استدلال کیا ہے' بظاہر یہ رائے ٹھیک ہے اس میں مجاز اور تمثیل کا ارتکاب نہیں کرنا پڑتا۔

آیات بالا کا شانِ نزول: اور صاحب روح المعانی نے بحوالہ دلائل النبوۃ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن (مسجد میں) بلند آواز سے قرآن مجید پڑھ رہے تھے قریش مکہ کو اس سے تکلیف ہوئی وہ لوگ جمع ہو کر آپ کے قریب آئے تا کہ آپ کو پکڑ لیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود اُن کی پکڑ ہوگئی' اُن لوگوں کے ہاتھ گردنوں تک پہنچ کر جام ہوگئے اور نظر آنا بھی بند ہوگیا۔ جب یہ حال ہوا تو نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ ہم آپ کو اللہ تعالیٰ اور رشتہ داری کے واسطہ دیتے ہیں دُعا کیجئے کہ ہماری مصیبت دور ہو جائے' آپ نے اُن کے لئے دعا کر دی جس سے اُن کی وہ حالت ختم ہوگئی اور یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ سے لے کر اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ تک آیات نازل ہوئیں' لیکن اُن میں سے ایک شخص بھی ایمان نہ لایا۔

اس قصہ میں یہ تصریح ہے کہ جب اُن لوگوں نے آپ کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو اُن کی یہ حالت ہوئی کہ اُن کے ہاتھ گردنوں سے چپک کر رہ گئے[1]۔ اگر دنیا میں بھی ایسا واقعہ ہوا ہو جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور آخرت میں اس سے بڑھ کر ہو جائے تو اس میں کوئی منافاۃ نہیں ہے۔

صاحب روح المعانی نے ایک یہ قصہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن ابوجہل نے پتھر اٹھایا تا کہ آپ پر حملہ کرے' آپ نماز پڑھ رہے تھے' ابوجہل کا ہاتھ گردن تک اٹھا اور وہیں جا کر چپک گیا' وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا' کیا دیکھتے ہیں کہ پتھر اُس کے ہاتھ میں اور اس کا ہاتھ گردن سے چپکا ہوا ہے' اُن لوگوں نے بڑی محنت اور مشقت سے اس کا ہاتھ گردن سے چھڑایا' پھر اُس پتھر کو بنی مخزوم کے آدمی نے لے لیا جب وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ کی روشنی ختم کر دی وہ واپس لوٹا تو اس کے ساتھی اُسے نظر نہ آ رہے تھے اُنہوں نے آواز دے کر اُسے اپنے پاس بلا لیا' اب تیسرا شخص اُٹھا اُس نے پتھر لیا اور یوں کہتا ہوا چلا کہ میں اُن کا سر پھوڑوں گا' تھوڑا سا چلا تھا کہ فوراً ایڑھیوں کے بل پیچھے لوٹا یہاں تک کہ گدّی کے بل گر پڑا کسی نے کہا ارے تجھے کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ بہت بڑا حادثہ ہو گیا وہ یہ کہ میں جب اُن کے قریب گیا تو دیکھتا ہوں کہ وہاں ایک بہت بڑا اونٹ ہے' ایسا اونٹ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا' یہ اونٹ میرے اور اُن کے درمیان حائل ہو گیا' پھر بتوں کی قسم کھا کر کہا اگر میں اُن کے قریب چلا جاتا تو یہ اُونٹ مجھے کھائے بغیر نہ چھوڑتا۔

[1] اُوپر جو ترجمہ لکھا گیا ہے اسی کے مطابق ہے ۱۲ مولف عفا اللہ عنہ

یہ قصہ لکھ کر صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ (اگر اس قصے کو سبب نزول مانا جائے تو) طوق ڈالنا اور آگے پیچھے آڑ بن جانا یہ سب استعارہ ہوگا یعنی وہ تینوں حملہ کرنے والے پیچھے ہٹ گئے اور حملہ نہ کر سکے ایسے بے بس ہو گئے جیسے کسی کا ہاتھ گردن سے بندھ جائے اور آنکھوں کی روشنی چلی جائے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں کے لئے ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے ان کو ایمان لانا نہیں ہے یعنی یہ لوگ آپ کے انذار کا اثر نہ لیں گے جو لوگ انذار کا اثر لیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کا نصیحت قبول کرنے کا مزاج ہے جو حق بات سنتے ہیں اور فکر کرتے ہیں اور وضوحِ حق کے بعد حق کو مان لیتے ہیں: ھٰذا علیٰ احد القولین ۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ سے مؤمنین مراد ہیں اور ویؤید ما بعدہ ۔ جو وہ بن دیکھے رحمان سے ڈرتے ہیں وہ رحمان کو رحمٰن بھی مانتے ہیں لیکن ساتھ ہی نافرمانی اور تقصیر اور کوتاہی کے سبب سے اس کی گرفت سے بھی ڈرتے ہیں۔

فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ (سو اس شخص کو مغفرت اور اجر کریم کی بشارت دے دو) اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى (الآیۃ) بلاشبہ ہم مُردوں کو زندہ کریں گے اور ہم اُن کے آثار کو یعنی اچھے اور برے اعمال کو لکھ رہے ہیں جو وہ آگے بھیج رہے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو واضح کتاب یعنی لوحِ محفوظ میں پوری طرح محفوظ کر دیا ہے۔

لفظ وَاٰثَارَهُمْ اچھے برے تمام اعمال کو شامل ہے اور اعمال کی بجائے اٰثَارَ کا لفظ لانے میں یہ نکتہ ہے کہ جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا (اچھا ہو یا برا) جس کا اتباع بعد کے آنے والے لوگ کرتے ہیں اور جس سے نفع حاصل کرتے رہے ہیں وہ بھی اس کے عموم میں داخل ہو جائے جو اپنی نماز خود پڑھی یا قرآن مجید کی تلاوت کی اس کا ثواب تو ملتا ہی ہے لیکن اگر کسی کو نماز سکھا دی قرآن مجید پڑھا دیا نماز پڑھنے والوں کے لئے مسجد بنا دی کوئی دینی کتاب لکھ دی تو یہ سب آثار میں شامل ہے جب تک فیض جاری رہے گا ثواب بھی ملتا رہے گا۔ یہی حال معصیتوں بدعتوں اور بری رسوم کے جاری کرنے کا ہے جس کسی نے یہ چیزیں جاری کر دیں بعد میں عمل کرنے والے کے گناہوں میں ان کا جاری کرنے والا بھی شریک رہے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بیشک اُن چیزوں میں جو مومن کو موت کے بعد پہنچتی ہیں یعنی اُس کا عمل اور اس کی نیکیاں اُن میں ایک تو علم ہے جسے اُس نے حاصل کیا اور پھیلایا اور اولادِ صالح ہے جسے چھوڑ گیا یا قرآن ورثہ میں چھوڑ گیا یا مسافر خانہ تعمیر کر گیا یا نہر جاری کر گیا یا اپنے مال سے زندگی میں اور تندرستی کے زمانے میں ایسا صدقہ نکال گیا جو مرنے کے بعد اس کو پہنچتا ہے۔ (رواہ ابن ماجہ ص ۲۲)

رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس کسی نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اُسے اُس کا ثواب ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس پر عمل کریں گے اُسے اُن کے عمل کا بھی ثواب ملے گا اور اُن کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اور جس شخص نے اسلام میں کوئی برا طریقہ جاری کیا اُسے اُس کا گناہ ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے اُن کے عمل کا گناہ بھی اُسے ملے گا اور ان لوگوں کے گناہوں میں سے کچھ کمی نہ کی جائے گی۔ (رواہ مسلم)

بعض حضرات نے وَاٰثَارَهُمْ کے عموم میں مساجد کو جانے آنے کے نشان ہائے قدم کو بھی شمار کیا ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی کے آس پاس جگہیں خالی ہو گئیں تو قبیلہ بنو سلمہ نے ارادہ کیا کہ اپنے دور

والے گھروں کو چھوڑ کر مسجد نبوی کے قریب آباد ہو جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اس ارادہ کی خبر ملی تو ارشاد فرمایا کہ اے بنی سلمہ تم اپنے گھروں ہی میں ٹھہرے رہو تمہارے قدموں کے نشان لکھے جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۸ از مسلم)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ
اور آپ ان کے سامنے بستی والوں کا قصہ بیان کیجئے جبکہ ان کے پاس رسول آئے جبکہ ہم نے ان کے پاس
اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا
دو پیامبروں کو بھیجا سو انہوں نے انہیں جھٹلا دیا پھر ہم نے تیسرے رسول کے ذریعہ ان کو تقویت دے دی ان تینوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ
بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ
تم تو ہماری ہی طرح کے آدمی ہو اور رحمٰن نے کچھ بھی نازل نہیں کیا تم تو جھوٹ ہی بول رہے ہو۔ انہوں نے کہا بلاشبہ یہ بات واقعی ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں
اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ
اور ہماری ذمہ داری صرف یہی ہے کہ کھول کر بات پہنچا دیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ بے شک ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں پتھر مار کر ہلاک کر دیں گے
تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ
اور ہماری طرف سے تمہیں ضرور ضرور دردناک تکلیف پہنچے گی۔ انہوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے کیا اس بات کو تم نے نحوست سمجھ لیا کہ تم کو
ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾
نصیحت کی گئی بلکہ بات یہ ہے کہ تم حد سے بڑھ جانے والے لوگ ہو۔

ایک بستی میں پیامبروں کا پہنچنا اور بستی والوں کا معاندانہ طریقہ پر گفتگو کرنا

تفسیر: ان آیات میں ایک واقعہ کا تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ایک بستی (جس کا نام مفسرین نے انطاکیہ بتایا ہے) میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو فرستادہ گئے' مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں نبی نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے آدمی تھے جو انہوں نے اپنے حوارین میں سے بھیجے تھے' چونکہ اللہ تعالیٰ کے ایک رسول نے انہیں بھیجا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت فرمائی اور اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ فرمایا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ حضرات مستقل نبی تھے' پہلے دو حضرات تشریف لے گئے اور انہوں نے بستی والوں سے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں ہماری بات سنو' دین اسلام قبول کرو اور توحید پر آؤ' یہ بات سنکر بستی والوں نے انہیں جھٹلا دیا اور کہا کہ نہیں تم لوگ اللہ کے رسول نہیں ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک تیسرے آدمی کو بھیجا جس کے ذریعہ پہلے دو آدمیوں کی تائید کرنا مقصود تھا' اب ان تینوں نے مل کر وہی بات کہی کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں تم ایمان لاؤ توحید کو قبول کرو' بستی والوں نے کہا کہ تم کو کیسے اللہ کا فرستادہ مانیں تم تو ہمارے ہی جیسے ہو تم میں ایسی کونسی فضیلت کی بات ہے جس کی وجہ

سے تم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بنائے گئے۔ تمہارا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی ہے ہم اسے نہیں مانتے' ہمارے نزدیک تو رحمٰن نے تم پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا' تم جو یہ دعویٰ کر رہے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں یہ جھوٹ ہے۔

اُن تینوں حضرات نے کہا کہ تم مانو یا نہ مانو ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم ضرور ضرور تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں تمہارے ماننے نہ ماننے سے ہمارے کام پر کچھ اثر نہیں پڑتا' ہم نتیجہ کے مکلف نہیں ہیں ہماری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ خوب اچھی طرح واضح طور پر بیان کریں ماننا نہ ماننا یہ تمہارا کام ہے' بستی والے کہنے لگے کہ تمہارا آنا تو ہمارے لئے منحوس ہو گیا' ایک تو تمہارے آنے سے ہمارے اندر دو فرقے ہو گئے کوئی تمہارا مخالف اور منکر ہے اور کوئی تمہارا موافق ہے (اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اُن لوگوں کے انکار کی وجہ سے بطور عذاب بعض چیزوں کا وقوع ہو گیا تھا اس کو انہوں نے نحوست بتایا) گاؤں والوں نے مزید کہا کہ تم اپنی باتیں بس کرو اگر باز نہ آئے تو تمہاری خیر نہیں اگر تم نے اپنی باتیں نہ چھوڑیں تو ہم پتھروں سے مار مار کر ختم کر دیں گے اور اس کے علاوہ بھی ہم تمہیں سخت تکلیف پہنچائیں گے۔

اُن تینوں حضرات نے کہا کہ تم نحوست کو ہماری طرف منسوب کر رہے ہو' تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے نہ تم کفر پر جمے رہتے نہ پھوٹ پڑتی نہ کوئی اور تکلیف آتی کرتوت تمہارے ہیں اور ان کا نتیجہ ہمارے ذمہ لگا رہے ہو' ہم نے تو اتنا ہی کیا ہے کہ تمہیں توحید کی دعوت دی ہے اور ایمان قبول کرنے کو کہا ہے اس میں کون سی ایسی بات ہے جسے نحوست کا سبب بنا لیا جائے۔ **قال صاحب الرّوح اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ووعظتم مَا فيه سعادتكم تطيّرون او تتوعدون او نحو ذلك ويقدر مضارع وان شئت قدرت ماضيًا كتطيرتم.** (صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں کیا اس لئے کہ تمہیں اس چیز کی وعظ و نصیحت کی گئی ہے جس میں تمہاری کامیابی ہے تم نحوست کی فال لیتے ہو یا یہ کہ تم ہمیں دھمکیاں دیتے ہو یا اسی جیسی کوئی اور عبارت محذوف ہو سکتی۔ اور فعل محذوف مضارع بھی مانا جا سکتا ہے اور اگر چاہو تو ماضی مان لو جیسے تطیّرون کی جگہ تطیّرتم)

اُن تینوں حضرات نے آخر میں فرمایا بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ بلکہ بات یہ ہے کہ تم حد سے آگے بڑھ جانے والے ہو تمہارا حد سے آگے بڑھنا یعنی کفر پر جمے رہنا ان چیزوں کا سبب ہے جنہیں ہماری آمد کی نحوست بتا رہے ہیں۔

یاد رہے کہ اسلام میں نحوست کوئی چیز نہیں ہے' تینوں حضرات نے جو یہ فرمایا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے' یہ ان کے جواب میں **علی سبیل المشاکلہ** فرمایا' کفر کی وجہ سے جو اُن لوگوں کی کچھ گرفت ہوئی تھی اُسے انہوں نے نحوست بتا دیا' تینوں حضرات نے ان کے الفاظ ان پر لوٹا دیئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے **الطيرة شرك** یعنی بدشگونی شرک ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۲)

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٠﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ
اور ایک شخص اُن شہر کے دور والے مقام سے دوڑتا ہوا آیا' اُس نے کہا کہ اے میری قوم ان فرستادہ آدمیوں کا اتباع کرو
لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٢﴾
ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کسی اُجرت کا سوال نہیں کرتے اور وہ خود راہِ ہدایت پر ہیں۔ اور میرے پاس کون سا عذر ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا

جس نے مجھے پیدا فرمایا اور تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ کیا میں اُس کے سوا ایسے معبود مان لوں کہ اگر رحمٰن مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے

يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِيْلَ ادْخُلِ

تو ان کی سفارش مجھے ذرا بھی کام نہ دے سکے اور نہ وہ مجھے بچا سکیں اگر میں ایسا کروں تو صریح گمراہی میں جا پڑوں گا بیشک میں تمہارے رب پر ایمان لا چکا سو تم میری بات سنو۔ اس سے کہا گیا کہ

الْجَنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۷﴾

جنت میں داخل ہو جاؤ وہ کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے باعزت بندوں میں شامل فرما دیا۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْ كَانَتْ

اور ہم نے اس کے بعد اُس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نازل نہیں کیا اور نہ ہم اتارنے والے تھے۔ نہیں تھی

اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ

مگر ایک چیخ سو وہ بجھ کر رہ گئے۔ افسوس ہے بندوں کے حال پر جب اُن کے پاس کوئی رسول

اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ

آیا تو انہوں نے ضرور اس کا مذاق بنایا۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم اُن سے پہلے بہت سی اُمتیں ہلاک کر چکے ہیں بے شک وہ اُن کی طرف واپس

لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾

نہیں ہوں گے۔ اور یہ سب مجتمع طور پر ہمارے پاس ضرور حاضر ہوں گے

مذکورہ بستی کے باشندوں میں سے ایک شخص کا پیامبروں کی تصدیق کرنا اور بستی والوں کو توحید کی تلقین کرنا

تفسیر: تینوں حضرات بستی والوں کو ہدایت دے رہے تھے اور وہ لوگ ان حضرات سے اُلجھ رہے تھے اور یوں کہہ رہے تھے کہ تمہارا آنا ہمارے لئے نحوست کا سبب ہے' یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک شخص اُس بستی کی ایک جانب سے جو بہت دور تھی دوڑتا ہوا وہاں پہنچ گیا اُس نے تینوں حضرات کی تائید کی اور بستی والوں سے کہا کہ اے میری قوم یہ حضرات ٹھیک فرما رہے ہیں' یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں تم ان کی بات مان لو اور ان کا اتباع کرو' یہ حضرات ایک تو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں دوسرے تم سے کسی معاوضہ کا سوال نہیں کرتے تیسرے یہ خود ہدایت پر ہیں' ان کا عمل ان کے قول کے مطابق ہے۔ (لہٰذا ان کا اتباع تم پر لازم ہے)

یہ باتیں کہہ کر اُس شخص نے اُن لوگوں کو عبادت خداوندی کی دعوت دی اور اپنے اوپر بات رکھ کر کہا کہ کیا وجہ ہے کہ

میں اُس ذات پاک کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا۔ اس میں یہ بتادیا کہ جس نے پیدا کیا وہی عبادت کا مستحق ہے جب پیدا فرمانا استحقاقِ عبودیت کی دلیل ہوا تو ضروری ہے کہ تم بھی اللہ ہی کی عبادت کرو میں بھی اُسی کی عبادت کروں اسی لئے آخر میں والیہ ارجع (اور میں اُسی کی طرف لوٹایا جاؤں گا) نہیں کہا بلکہ وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ (اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) کہا۔ جب اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے جس نے پیدا کیا تو اس کی عبادت چھوڑنا یا دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کرنا یہ تو بالکل ہی حماقت اور بیوقوفی کی بات ہے۔

چونکہ اس بستی کے لوگ مشرک تھے اس لئے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے اُس شخص نے مزید کہا: ءَاَتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً (الآیتین) (کیا میں اپنے پیدا کرنے والے کے علاوہ دوسرے معبود تجویز کرلوں) یہ جو تم نے اُس کے سوا معبود بنا رکھے ہیں وہ تو بالکل ہی بے حقیقت ہیں اگر رحمٰن تبارک وتعالیٰ مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو یہ اُس کی بارگاہ میں سفارش کر کے میری کوئی مدد نہیں کر سکتے اور نہ خود مجھے اس ضرر سے چھڑا سکتے ہیں یعنی نہ تو یہ شفاعت کے اہل ہیں اور نہ خود ان میں کوئی قوت اور طاقت ہے اگر رحمان جل مجدہٗ کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنالوں تو میں کھلی گمراہی میں پڑ جاؤں گا۔ (یہ سب باتیں اُس دور سے آنے والے آدمی نے اپنے اوپر رکھ کر کہیں اور انہیں بتادیا کہ تم لوگ مشرک ہو کھلی گمراہی میں ہو اور خالق جل مجدہٗ کے علاوہ جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تمہیں کچھ بھی نفع نہیں پہنچا سکتے)۔

اس کے بعد اس شخص نے اپنے دین توحید کا کھل کر اعلان کر دیا کہ اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّكُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ (بلاشک وشبہ میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا تم میرے اس اعلان کو سن لو) اس اعلان میں بِرَبِّیۡ نہیں کہا بلکہ بِرَبِّكُمۡ کہا جس میں انہیں تنبیہ کردی اور یہ بتادیا کہ جو تمہارا رب ہے وہی مستحق عبادت ہے دوسرے یہ بتایا کہ تم اُسی کی طرف واپس جاؤ گے تیسرے یہ بتایا کہ تم نے جو اس کے علاوہ معبود بنا رکھے ہیں بے حقیقت ہیں چوتھے یہ بتایا کہ تم کھلی ہوئی گمراہی میں ہو اور پانچویں یہ بتادیا کہ میں نے یہی دین اختیار کیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کروں تم بھی یہ دین اختیار کرلو۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ جب اُس شخص نے یہ باتیں کہیں تو وہ لوگ یکبارہی اُس پر پل پڑے اور اُسے قتل کر دیا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اُسے پاؤں سے اتنا روندا کہ اسکی آنتیں نکل پڑیں۔

قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّةَ اللہ تعالیٰ نے اُس کو ایمان اور دعوتِ توحید اور شہادت کا انعام دیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوا کہ جنت میں داخل ہوجا۔

قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ بِمَا غَفَرَ لِیۡ رَبِّیۡ وَجَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُكۡرَمِیۡنَ جنت میں داخل ہوکر اس شخص نے کہا کیا اچھا ہوتا کہ میری قوم کو اس کا پتہ چل جاتا جو میرے رب نے میری مغفرت فرمائی اور جو مجھے معزز بندوں میں شامل فرمایا (یہ بات اُس نے آرزو کے طور پر کہی کہ میری قوم کو اللہ کے انعام واکرام کا پتہ چل جاتا تو وہ بھی مسلمان ہوجاتے)

معالم التنزیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب بستی والوں نے اُس آدمی کو قتل کر دیا جو بستی کے آخر والے حصہ سے آیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر عذاب بھیج دیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام کو اُن کے ہلاک کرنے کا حکم دیا انہوں نے وہاں زور سے ایک چیخ ماری جس کی وجہ سے وہ سب لقمۂ اجل بن گئے ان لوگوں کی ہلاکت کے بارے میں فرمایا: وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی قَوۡمِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ جُنۡدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنۡزِلِیۡنَ ○ اِنۡ كَانَتۡ اِلَّا صَیۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ خٰمِدُوۡنَ ○ (اور ہم نے اس شخص

کی قوم پر اس کے بعد آسمان سے کوئی لشکر نازل نہیں کیا اور ہم لشکر کے نازل کرنے والے نہ تھے وہ تو صرف ایک چیخ تھی سو اچانک وہ بجھ کر رہ گئے) یعنی مذکورہ بستی والے جو ہلاک کئے گئے اُن کی ہلاکت کے لئے ہمیں کوئی لشکر اور جماعت کبیرہ بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی بس ایک چیخ ہی کے ذریعے ہلاک کر دیئے گئے۔ اس میں عبرت ہے دوسرے منکرین و مکذبین کے لئے، کوئی فرد یا جماعت یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے انتقام نہیں لے سکتا اگر وہ انتقام لینا چاہے گا تو العیاذ باللہ اُسے دشواری نہ ہوگی نہ اُسے کوئی لشکر بھیجنا پڑے گا۔ وہ تو قادرِ مطلق ہے اُس کے صرف کُنْ کے خطاب سے سب کچھ ہو جاتا ہے جو چیخ بھیجی اُس کی بھی ضرورت نہ تھی لیکن حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ اُنہیں ایک چیخ کے ذریعے ہلاک کر دیا جائے، ایک چیخ آئی اور یہ لوگ بجھے ہوئے رہ گئے، بڑے غرور اور طمطراق میں بھرے ہوئے تھے نہ خود رہے نہ جماعت رہی نہ غرور رہا، بالکل ایسے ہو گئے جیسے آگ کسی لکڑی کو بجھا کر راکھ بنا دے۔

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ جو فرمایا ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ بلا حساب کتاب جنت میں داخل ہوں گے اُس شخص کو انہیں میں شامل فرما دیا اور اُسے مزید یہ فضیلت دی کہ وقوع قیامت کا انتظار نہیں کیا گیا ابھی سے جنت میں داخل کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ کوئی بعید نہیں ہے۔ کما قال النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم لقد رأیت رَجُلًا یتقلّب فی الجنّة فی شجرة قطعها من ظهر الطریق کانت تؤذی النّاس. (رواہ مسلم ص ۳۲۸) (جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے جنت میں ایک آدمی کو آزادی سے پھرتے دیکھا جس نے راستہ سے لوگوں کو تکلیف دینے والا درخت کاٹا)

اور بعض حضرات نے قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ کا مطلب یہ لیا ہے کہ اس سے محض بشارت دینا مقصود ہے اور جنت کا داخلہ قیامت کے دن اپنے وقت پر ہوگا، اگر یہ قول مراد لیا جائے تو قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ موت کے بعد ہی برزخ میں جو حسن سلوک ہوا اُسی سے متاثر ہو کر اُس نے یہ بات کہی۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ

اور وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بستی کے ہلاک کرنے کے لئے ہم فرشتوں کو اُتارنے والے نہیں تھے کیونکہ ہمیشہ تعذیب اور ہلاکت کے لئے فرشتے نہیں آتے، اللہ تعالیٰ کبھی فرشتوں کو اتار دیتے ہیں جیسا کہ غزوۂ بدر میں فرشتے نازل کئے گئے اور کبھی نہیں اتارتے، مختلف طریقوں سے ہلاک کیا گیا۔

قال صاحب الروح (ج ۲۳ ص ۲) والظّاهر انّ المراد بهٰذا الجند جند الملٰئکة ای ما انزلنا لاهلاکهم مَلٰئِکَةً مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ وَمَا صح فی حکمتنا ان ننزّل الجند لا هلاکهم لما انا قدرنا لکلّ شَیْءٍ سببًا حیث اهلکنا بعض من اَهلکنا من الاُمم بالحاصب و بعضهم بالصیحة و بعضهم بالخسف و بعضهم بالاغراق وجعلنا انزال الجند من خصائصک فی الانتصار لک من قومک و کفینا امر هؤلاءِ بصیحة ملک صاح بهم فهلکوا. یعنی ان ذلک الرجل فوطب بذلک. (صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ اس لشکر سے مراد فرشتوں کا لشکر ہے یعنی ہم نے ان کے ہلاک کرنے کے لئے آسمان سے فرشتے نہیں اتارے اور نہ ہی ہم فرشتے اتارنے والے تھے کہ ہماری حکمت میں ان کی ہلاکت کے لئے فرشتوں کا اتارنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ہم نے ہر چیز کے لئے سبب مقرر کیا ہے جیسا کہ بعض قوموں کو ہم نے پتھر برسا کر

ہلاک کیا بعض کو چیخ سے بعض کو زمین میں دھنسا کر بعض کو پانی میں غرق کر کے ہلاک کیا فرشتے نہیں اتارے، لیکن اب یہ تیری قوم میں تیری مدد کیلئے فرشتوں کا اترنا تیری خصوصیات میں سے ہے۔ اور ہم نے ان کے لئے ایک فرشتہ کی چیخ کو کافی کر دیا فرشتے نے چیخ ماری اور یہ سب ہلاک ہو گئے۔ یعنی اس آدمی سے خطاب کر کے یہ کہا گیا)

یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ (افسوس ہے بندوں کے حال پر) بیان القرآن میں لفظ ''حسرت'' کا ترجمہ افسوس سے کیا ہے، لفظ حسرت وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں کوئی نفع مند چیز فوت ہو جائے اور اس پر ندامت اور شرمندگی ہونے لگے۔ چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے اصلی معنی میں حسرت ہونا محال ہے اسلئے افسوس سے ترجمہ کیا گیا ہے، لیکن احقر کو اس میں بھی اشکال ہے کیونکہ افسوس سے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پاک بلند و برتر ہے، صاحب روح المعانی نے اس موقع پر متعدد اقوال نقل کئے ہیں کہ حسرت کرنے والے کون ہیں اور العباد کون ہیں جن پر حسرت کی گئی، پھر ایک قول یہ لکھا گیا ہے: **وجوز ان یکون التحسر منه سبحانهٗ و تعالیٰ مجازاً علی استعظام ماجنوه علی انفسهم** ۔ (اور ہو سکتا ہے کہ یہ حسرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجازاً ہوان کے جرم کی بڑائی کو ظاہر کرنے کے لئے) پھر چند سطر کے بعد لکھا ہے: **وقیل (یا) للنداء والمنادی محذوف و (حسرة) مفعول مُطلق لفعل مضمرو (علی العباد) متعلق بذٰلِکَ الفعل ای یا هٰؤُلَاءِ تحسروا حسرة علی العباد** ۔ (بعض نے کہا ہے یا نداء کیلئے ہے اور منادی محذوف ہے اور حسرۃً فعلِ محذوف کا مفعول مطلق ہے اور علی العباد اسی فعل محذوف کا متعلق ہے یعنی اے لوگو! ان بندوں پر خوب حسرۃ کرو) یعنی منادی محذوف ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! بندوں کے حال پر حسرت کرو، اُن کے پاس جب کبھی کوئی رسول آیا انہوں نے اس کا مذاق اُڑایا اور اپنی آخرت برباد کی۔

صاحب رُوح المعانی نے اخیر میں لکھا ہے: **ولعل الاوفق للمقام المتبادر الی الافهام ان المراد نداء حسرة کل من یتأتی منه التحسر ففیه من المبالغة مافیه** ۔ (اور مقام کے زیادہ موافق ذہن کو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس سے مراد حسرت کی دعوت ہے ہر اس آدمی کو جو حسرت کر سکتا ہے ایسی صورت میں اس میں مبالغہ ہے) یعنی مقام کے مناسب یہ مطلب زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ شخص جو حسرت کرنے کا اہل ہے اُن لوگوں کے حال پر حسرت کرے جنہوں نے نبیوں کو جھٹلایا اور ان کا مذاق بنایا۔

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ کیا اُن لوگوں (یعنی اہل مکہ) نے اس کو نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی اُمتیں ہلاک کر دیں (جس کا انہیں علم ہے اور اقرار ہے) اسفار میں جاتے ہیں تو ہلاک شدہ قوموں کے کھنڈر دیکھتے ہیں اگر غور کرتے تو جھٹلانے اور نبیوں کا مذاق بنانے سے بچتے اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ یہ ہلاک شدگان ان کی طرف لوٹنے والے نہیں ہیں یعنی جنہیں ہلاک کیا گیا وہ ختم ہو گئے دنیا سے چلے گئے اب انہیں واپس آنا نہیں ہے، جو کچھ محل تعمیر کئے، عمارتیں بنائیں، مال جمع کیا سب کچھ دھرا رہ گیا نہ پہلی زندگی میں ان چیزوں نے ان کی جان بچائی نہ واپس آ کر ان سے منتفع اور مستفید ہو سکتے ہیں۔

وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ (اور یہ سب لوگ مجتمع طور پر ہمارے روبرو حاضر کئے جائیں گے) یعنی جو لوگ کفر کی وجہ سے ہلاک کئے گئے اُن کا جو دُنیا میں ہلاک کیا جانا اور عذاب دیا جانا ہے اسی پر بس نہیں ہے مزید عذاب آخرت میں

دیا جائے گا جو دائمی ہوگا جو لوگ بھی ہلاک کئے جائیں گے وہ سب مجتمع طور پر ہمارے روبرو حاضر ہوں گے' حجتیں قائم ہوں گی پھر دائمی عذاب کی جگہ یعنی دوزخ میں جائیں گے۔

فوائد مستنبطہ از قصہ مذکورہ: تین حضرات مذکورہ بستی میں دعوت اور تبلیغ کے کام کے لئے گئے اُن کے بارے میں بیان فرمایا کہ پہلے دو حضرات کو بھیجا تھا پھر تیسرا شخص بھی اُن کی تقویت کے لئے بھیجدیا' اس سے جماعتی طور پر دعوت و تبلیغ کا کام کرنے کا ایک طریقہ معلوم ہوا' یوں تو ایک شخص تنہا بھی اپنی بساط کے موافق جتنا چاہے کر سکتا ہے اور بعض مرتبہ مخاطبین کی بدسلوکی کی وجہ سے اُسے بہت زیادہ ثواب بھی مل سکتا ہے لیکن جماعت بن کر لوگوں کے پاس جانے اور اُنہیں حق کی تبلیغ کرنے اور ایمان اور ایمانیات کی دعوت دینے کے لئے نکل کر لوگوں کے پاس پہنچنے سے بعض مرتبہ نفع زیادہ ہوتا ہے اور فی نفسہ یہ طریقہ بہت مفید ہے۔

قصہ بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو حضرات دینی دعوت کے لئے کہیں جائیں تو مقامی لوگوں کو بھی اُن کی تائید میں کھڑا ہونا چاہئے جیسا کہ مذکورہ بستی کے دور دراز حصہ سے آ کر ایک شخص نے اصحاب ثلاثہ کی تائید کی' اس سے دعوت دینے والے حضرات کو تقویت ہوتی ہے۔

ان حضرات کے قصہ سے دو باتیں اور مزید معلوم ہوئیں' اول یہ کہ دور دراز سے جو شخص آیا اُس نے خطاب کی ابتداء کرتے ہوئے یا قوم کہا پھر یوں کہا اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْئَلُکُمْ اَجْرًا (کہ اے میری قوم تم اُن لوگوں کا اتباع کرو جو کسی معاوضہ یا اُجرت کا سوال نہیں کرتے) وَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ (اور وہ لوگ خود بھی ہدایت پر ہیں) معلوم ہوا کہ جو لوگ دعوت کا کام کہیں لے کر جائیں وہ بغیر کسی دنیاوی غرض کے دعوت کے کام کے لئے نکلیں اور جن لوگوں کے پاس پہنچیں اُن سے کسی قسم کا ذرا سا بھی کوئی لالچ نہ رکھیں نہ دعوت و ضیافت کا نہ روٹی پانی کا نہ بوریا اور بستر کا' اپنا خرچہ خود ہی کریں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یہ خاص وصف تھا کہ وہ اپنے دعوت کے کام کا ثواب صرف اللہ تعالیٰ سے چاہتے تھے مخاطبین سے ذرا سی بھی نہ اُمید رکھتے تھے نہ اُن سے کچھ طلب کرتے تھے' ان حضرات کا فرمانا یہ تھا

وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (اور میں تم سے توحید کی دعوت پر کوئی اُجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر صرف اللہ کے ذمہ ہے) سورۂ سبا میں ہے: قُلْ مَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَھُوَ لَکُمْ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ (آپ فرما دیجئے کہ میں نے جو کچھ کوئی عوض تم سے طلب کیا ہو تو وہ تمہارے ہی لئے ہے میرا اجر صرف اللہ پر ہے)۔ سورۂ صٓ کے آخر میں فرمایا: قُلْ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ (آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے اپنے دعوت کے کام پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور میں بناوٹ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں)

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جو لوگ ہدایت کی دعوت دیں وہ خود بھی ہدایت یافتہ ہوں' اگر خود بھی ہدایت پر ہوں گے تو مخاطبین اُن کی بات کا اثر جلدی لیں گے اور ان میں سے کوئی شخص یوں نہ کہہ سکے گا کہ نکلے ہو دوسروں کو بتانے اور دینی اعتبار سے تمہارا اپنا حال پلپلا ہے۔

داعیٔ حق کو مخاطبین سے بات کرنے کا اسلوب بھی ایسا اختیار کرنا چاہئے جسے اُن کے کان خوشی سے سن لیں اور قلوب گوارا کر لیں۔ مذکورہ بالا بستی کا جو شخص دور سے دوڑا ہوا آیا تھا ایک تو بستی والوں کا یٰقَوْمِ کہہ کر اپنایا اور یہ بتایا کہ تم اور

میں ایک ہی قوم کے افراد ہیں اُنکے ذہنوں کو قریب کرنے کیلئے یہ بتایا کہ میں تمہیں میں سے ہوں۔

پھر یہ صاحب جب اصحاب ثلاثہ (تینوں فرستادوں) کی تائید سے فارغ ہوئے تو اپنے اوپر رکھ کر یوں کہا: وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي (اور کیا ہوا کہ میں اُس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا فرمایا) وہ شخص خود تو ہدایت پر تھا' موحد تھا اور جو خاطب تھے وہ مشرک تھے' لیکن بات کرنے میں متکلم کا صیغہ استعمال کیا کہ مجھے کیا ہوا جو میں اپنے خالق کی عبادت نہ کروں' حالانکہ بظاہر یوں کہنا چاہئے تھا وَمَا لَكُمْ لَا تَعْبُدُوْنَ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ کہ تمہیں کیا ہوا کہ اُس ذات کی عبادت نہیں کرتے جس نے تمہیں پیدا کیا' خطاب اُن سے کیا بات اپنے اوپر رکھی اور توحید کی دلیل بھی بتادی اور شرک کی تردید بھی کردی کہ جس نے پیدا کیا ہے صرف وہی مستحق عبادت ہے اور اُس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا کسی بھی طرح درست نہیں ہے کیونکہ اُس کی صفتِ خالقیت میں کوئی بھی شریک نہیں' اور چونکہ اصل تبلیغ مخاطبین ہی کو کرنی تھی اس لئے آخر میں وَاِلَيْهِ اُرْجَعُ نہیں کہا (کہ میں اُس کی طرف لوٹایا جاؤں گا) بلکہ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ کہا کہ تم اُس کی طرف لوٹائے جاؤ گے' اَب تم سمجھ لو کہ تمہارا کیا حال بنے گا' شرک کی پاداش میں سزا بھگتنا ہے تو تم جانو۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے صاحب موصوف نے کہا إِنِّيْ إِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (اگر میں اپنے خالق کے علاوہ کسی اور کی عبادت کرنے لگوں تو کھلی ہوئی گمراہی میں پڑ جاؤں گا) یہ بات بھی اپنے اوپر رکھ کر کہی اور مخاطبین کو بتادیا کہ دیکھو تم مشرک ہو اور کھلی ہوئی گمراہی میں ہو۔

آخر میں کہا إِنِّيْ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ (بلاشبہ میں تو تمہارے رب پر ایمان لے آیا سو تم میری بات سنو) اس میں اپنے ایمان کا واضح طور پر اعلان کردیا اور اس میں بھی ان کو ایمان کی دعوت دیدی اٰمَنْتُ بِرَبِّيْ کے بجائے اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ کہا اور یہ بتادیا کہ جو تمہارا پروردگار ہے اسی پر ایمان لانا اور اسی کی عبادت کرنا لازم ہے پرورش تو کرے خالق اور مالک جس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور عبادت دوسروں کی کی جائے یہ تو ہلاکت اور ضلالت کی بات ہے۔

بات یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی رضا کے لئے دعوت وارشاد کا کام کرتے ہیں' ناصح اور امین ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے قلوب میں اس کا طریقہ ڈال دیتے ہیں اور اُن کی زبانیں حسن اسلوب' حسن اداء اور عمدہ سلیقہ سے متصف ہو جاتی ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا

اور ان لوگوں کے لئے ایک نشانی مردہ زمین ہے' ہم نے اُسے زندہ کیا اور ہم نے اُس سے غلے نکالے سو وہ اس میں سے کھاتے ہیں' اور ہم نے اس میں

جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا

کھجوروں کے اور انگوروں کے باغ پیدا کئے اور ہم نے اُس میں چشمے جاری کردیئے' تاکہ وہ اس کے پھلوں سے کھائیں اور اسے اُن کے ہاتھوں

عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ

نے نہیں بنایا' سو کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں سے ہر قسم کی چیزیں پیدا فرمائیں

وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور ان لوگوں کی جانوں میں سے اور ان چیزوں میں سے جنہیں یہ لوگ نہیں جانتے۔

مردہ زمین کو زندہ فرمانا اور اس میں سے کھیتیاں اور پھل پیدا فرمانا' یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بعض مظاہرے ہیں'

تفسیر: اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہرے تو بہت ہیں اور کثیر تعداد میں ایسی چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت پر دلالت کرتی ہیں' اللہ کی نشانیوں میں سے زمین بھی ہے' زمین کا وجود اور پھیلاؤ اور اس پر جو کائنات آباد ہے ان سب کا وجود اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں' انہیں نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ زمین مردہ ہو جاتی ہے اس میں کوئی سبزی اور گھاس پھونس باقی نہیں رہتا' پھر اللہ جل شانہٗ پانی برسا دیتے ہیں اور اس پانی کے ذریعے زمین کو زندہ فرما دیتے ہیں' پانی برسا زمین زندہ ہوگئی کسانوں نے بیج ڈالا تو کھیتی ظاہر ہوگئی' آگے بڑھی بالیں نکلیں اُن میں دانے پیدا ہوئے پھر وہ پک گئے' کاٹی گئیں' غلے نکلے پھر لوگوں نے ان کو غذا بنایا' یہ تو سلسلہ کھیتی کا ہے اور کھیتی کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں بہت سارے باغ بھی پیدا فرمائے ہیں' اُن میں مختلف قسم کے درختوں کے باغ ہیں۔ آیت بالا میں انگوروں اور کھجوروں کے باغوں کا تذکرہ فرمایا' کھجور اور انگور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں ان میں بڑی غذائیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چشمے بھی پیدا فرما دیئے ہیں' جن کا پانی میٹھا ہوتا ہے بارش نہ ہو تو ان چشموں سے کھیتوں کو اور باغوں کو سیراب کر دیا جاتا ہے جس طرح کھیتوں سے پیدا ہونے والے غلوں سے خوراک حاصل کرتے ہیں اسی طرح درختوں کے پھل بھی غذائیت کا کام دیتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان کے میوہ جات بھی بنائے جاتے ہیں۔

کھیتوں اور باغوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ کہ یہ جو چیزیں ہم نے پیدا کی ہیں انہیں ان کے ہاتھوں نے پیدا نہیں کیا یہ سب چیزیں ہماری ہی بنائی ہوئی ہیں' ان نعمتوں کا شکر کرنا لازم ہے اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ کیا پھر بھی شکر ادا نہیں کرتے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا (الآیۃ) یعنی زمین سے جو بھی چیزیں پیدا ہوتی ہیں سب اُس ذات نے پیدا فرمائی ہیں جو بالکل بے عیب ہے' ہر نقص اور ہر کمی کوتاہی سے پاک ہے' یہ چیزیں جو زمین کی پیداوار ہیں ان میں طرح طرح کے انواع و اقسام ہیں اور خود انسانوں کی جانوں میں بھی ازواج ہیں یعنی کچھ مذکر ہیں اور کچھ مؤنث ہیں' اپنی جانوں کو اور زمین کی پیداوار کو تو لوگ جانتے ہیں ان کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے جو بر و بحر میں پھیلی ہوئی ہیں' درندے ہیں چرندے ہیں' دریائی جانور ہیں' ان میں بھی مختلف قسم کے انواع و اقسام ہیں' وَذٰلِکَ کلہ من صنع اللہ تعالٰی لا دخل فیہ لغیرہٖ سبحانہٗ وتعالٰی۔

انسان ہل جوتنے اور بیج ڈالنے اور ٹریکٹر چلانے کی کچھ کوشش تو کر لیتے ہیں لیکن پیدا فرمانا' زمین سے نکالنا' بڑھانا' پھل پھول کے لائق بنانا دانہ نکالنا پھر ثمرات ظاہر ہونا یہ سب اللہ تعالیٰ شانہٗ کی قدرت اور تخلیق اور ایجاد سے ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِىْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ

اوران کے لئے ایک نشانی رات ہے ہم اس سے دن کو کھینچ لیتے ہیں سو وہ اچانک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں' اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا ہے' یہ اس کا

تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا

مقررہ کیا ہوا ہے جو زبردست ہے علم والا ہے۔ اور اس نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کردیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی ٹہنی کی طرح رہ جاتا ہے' نہ

الشَّمْسُ يَنْۢبَغِىْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

تو سورج کی مجال ہے کہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ کر پہلے آسکتی ہے اور سب ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں۔

رات دن اور شمس و قمر اللہ تعالیٰ کے مظاہر قدرت میں سے ہیں

تفسیر: آیات سفلیہ بیان فرمانے کے بعد آیاتِ علویہ کا بیان شروع ہو رہا ہے' رات اور دن کا تعلق چونکہ سورج کے طلوع اور غروب سے ہے اس لئے ان دونوں کو بھی آیاتِ علویہ میں ذکر فرما دیا' ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے لئے رات بھی ایک نشانی ہے رات کے آنے جانے سے بھی اپنے خالق کو پہچان سکتے ہیں' سب کو معلوم ہے کہ رات کے آنے جانے میں صرف اللہ تعالیٰ کے حکم تکوینی کو دخل ہے' فرمایا: نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ (ہم اس سے دن کو کھینچ لیتے ہیں سو وہ اچانک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں) یعنی جس جگہ روشنی ہوتی ہے اور دن ہوتا ہے اُس جگہ سے ہم روشنی کو کھینچ لیتے ہیں[1] جب روشنی ختم ہو جاتی ہے تو دن ختم ہو جاتا ہے اور رات آجاتی ہے' دن گیا رات آئی اور لوگوں پر اندھیرا چھا گیا' اب ان میں سے کسی میں بھی یہ طاقت نہیں ہے کہ رات کو ختم کر کے دن کی روشنی لے آئے جس نے رات کو پیدا فرمایا وہی دن کو پیدا فرماتا ہے۔

سورج کی رفتار میں مظاہر قدرت ہے: وَالشَّمْسُ تَجْرِىْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا (اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا ہے) سورج بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے' اس کا وجود مستقل نشانی ہے اور اس کی روشنی مستقل نشانی ہے پھر اس کا اپنے ٹھکانہ کے لئے چلنا یہ بھی مستقل نشانی ہے' اس کی رفتار اور اس کے محور پر چلنا' ادھر اُدھر نہ ہونا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کی نشانی ہے۔ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (یہ اس کا مقرر کیا ہوا ہے جو زبردست ہے علم والا ہے) سورج پابند ہے کہ اپنے محور پر چلے اور اسی رفتار پر چلے جو اس کی رفتار مقرر ہے' گرمیوں کے زمانہ میں سورج خط استواء پر چلتا ہے اور سردیوں میں ہٹ جاتا ہے اور دوسرا محور اختیار کر لیتا ہے' اس کا جو راستہ خالق جل مجدہ کی طرف سے طے کر دیا گیا ہے اُس کے خلاف نہیں چل سکتا۔

سورج کے مستقر یعنی ٹھکانہ کا کیا مطلب ہے۔ بعض لوگوں نے بلا وجہ اسکو مجاز پر محمول کیا ہے' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ ایک سال سے دوسرے سال کے ختم تک اس کا جو دور ہے اسی حد معین کا نام مستقر ہے' اور بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ لام تعلیلیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ چونکہ اُسے اپنے مستقر کے مشارق اور مغارب پر

---

[1] قال صاحب الروح ای نکشف ونزیل الضوء من مکان اللیل وموضع القاء ظلّه وظلمته وهو الهواء فالنهار عبارة عن الضوء اما علی التجوز أو علی حذف المضاف وقوله تعالی (منه) علی حذف مضاف وذلک لأن النهار واللیل عبارتان عن زمان کون الشمس فوق الافق وتحته ولا معنی لکشف احدهما عن الأخر (الی اخر ما ذکر)

پہنچنا ہے اسلئے چلتا رہتا ہے اس کی ایک حد مقرر ہے وہاں تک پہنچنے اور پھر آگے بڑھنے کو مستقر فرمایا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ بارہ برجوں میں مخصوص طریقہ پر ٹھہرنا اور پھر آگے بڑھنا یہ مستقر میں پہنچنا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ مستقر اسم زمان ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کے مسلسل چلتے رہنے کا جو ایک وقت مقرر ہے اُس وقت تک چلتا رہے گا اور جب قیامت قائم ہوگی تو اس کی رفتار ختم ہو جائے گی۔

سورج کا سجدہ کرنا: ان سب باتوں کی بنیاد محض احتمالات ہیں، صحیح بات وہ ہے جو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن مجھ سے) سورج چھپ جانے کے بعد فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک یہ چلتے چلتے عرش کے نیچے پہنچ کر سجدہ کرتا ہے اور حسب عادت مشرق سے طلوع ہونے کی اجازت چاہتا ہے اور اُسے اجازت دے دی جاتی ہے اور ایسا بھی ہونے والا ہے کہ ایک روز یہ سجدہ کرے گا اور اس کا سجدہ قبول نہ ہوگا اور (مشرق سے طلوع ہونے کی) اجازت چاہے گا تو اجازت نہ دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں واپس لوٹ جا، چنانچہ سورج (واپس ہو کر) مغرب کی جانب سے طلوع ہوگا۔ پھر فرمایا کہ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا (سورج اپنے ٹھکانے کو جاتا ہے) کا یہی مطلب ہے کہ (اپنے مقررہ ٹھکانے تک جا کر مشرق سے نکلتا ہے) اور فرمایا کہ اس کا ٹھکانا عرش کے نیچے ہے۔ (بخاری و مسلم)

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ سورج چلتا ہے اپنے مستقر پر جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے، آگے بڑھنے اور طلوع ہونے کی اجازت مانگتا ہے جب اجازت ملتی ہے تو وہ آگے بڑھتا ہے اور طلوع ہوتا ہے، ایک وہ وقت بھی آئے گا جب وہ آگے بڑھنے کی اجازت طلب کرے گا تو اجازت نہ دی جائے گی اور واپس پیچھے لوٹنے کا حکم ہوگا چنانچہ وہ واپس پیچھے لوٹ جائے گا۔ یہاں لوگوں نے یہ اشکال کیا ہے کہ آلاتِ رصدیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حرکت کسی وقت بھی ختم نہیں ہوتی برابر چلتا رہتا ہے، اس کا اصل جواب تو یہ ہے کہ حدیث شریف کی تصریح کے بعد اس کے خلاف کوئی قول معتبر نہیں، پھر کیا یہ ضروری ہے کہ پورے عالم کا ہر ہر جگہ کا طلوع اور غروب مراد ہو، ممکن ہے کہ خاص مدینہ منورہ اور اس کے محاذی نقطۂ غروب والے مقامات کا غروب مراد ہو اور یہ سجدہ والا سکون ایسا خفیف ہو جس کا آلاتِ رصدیہ سے ادراک نہ ہوتا ہو۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے حرکت سنویہ بھی مراد ہو سکتی ہے یعنی ہر سال کے ختم پر وہ اپنے مستقر پر جاتا ہے پھر سجدہ کرتا ہے اور طلوع ہونے کی اجازت لیتا ہے، لیکن یہ اُس مفہوم کے خلاف ہے جو حدیث شریف سے متبادر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم باسرارہٖ وما اودع فی کتابہٖ۔

فائدہ: سورج کا چلنا تو آیت کریمہ سے ثابت ہوا جس کا انکار کفر ہے، رہی یہ بات کہ زمین چلتی ہے یا نہیں! اس کے بارے میں قرآن مجید ساکت ہے، اور سورۂ نمل میں جو اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا فرمایا ہے اس سے قطعی طور پر زمین کے عدم تحرک پر واضح دلالت نہیں ہے کیونکہ قَرَارًا کا ایک یہ معنی بتایا گیا ہے کہ وہ اس طرح حرکت نہیں کرتی کہ اس پر انسانوں کا رہنا مشکل ہو جائے جسے سورۂ لقمان میں وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ میں بیان فرمایا ہے۔

منازل قمر کا تذکرہ: یہ بتانے کے بعد کہ آفتاب کا اپنے مستقر تک جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے چاند کے بارے میں فرمایا وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ (اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی

ٹہنی کی طرح رہ جاتا ہے) یعنی جس طرح کھجور کی پرانی ٹہنی ٹیڑھی ہو جاتی ہے اسی طرح مہینے کے اول میں اور آخر میں نظر کے سامنے بظاہر خمدار نظر آتا ہے‘ چاند کی جو منزلیں اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں ترتیب کے ساتھ انہیں میں چلتا رہتا ہے۔

سورج چاند کو نہیں پکڑ سکتا: اس کے بعد چاند اور سورج کی رفتار اور رات اور دن کی آمد کے نظام بے مثال کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ (کہ نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ چاند کو جا کر پکڑ لے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے) مطلب یہ ہے کہ آفتاب رات کے محو نہیں کر سکتا‘ جو چاند کے منور ہونے کا وقت ہے۔

اور دن جتنا وقت مقرر ہے اُس وقت کے ختم ہونے سے پہلے رات نہیں آ سکتی‘ رات آگے بڑھ کر دن کا کچھ حصہ اپنے اندر لے لے اور مقررہ نظام کے خلاف دن گھٹ جائے اور رات بڑھ جائے ایسا کوئی اختیار نہ رات کو ہے نہ دن کو ہے‘ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (اور سب ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں) فلک گول چیز کو کہتے ہیں جس کا ترجمہ دائرہ سے کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چاند اور سورج کی حرکت مستدیر ہے۔

وَآيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ﴿۴۲﴾

اور ان لوگوں کے لئے ایک نشانی یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اور ہم نے ان کے لئے کشتی جیسی چیزیں پیدا کیں جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں۔

وَإِن نَّشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنقَذُونَ ﴿۴۳﴾ إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ

اور اگر ہم چاہیں تو انہیں ڈبو دیں سو ان کی کوئی بھی فریاد رسی کرنے والا نہ ہو اور نہ انہیں چھٹکارا دیا جائے۔ مگر یہ کہ ہماری مہربانی ہو جائے اور ایک وقت مقررہ تک فائدہ

حِينٍ ﴿۴۴﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۴۵﴾

دینا منظور ہو۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اس سے ڈرو جو تمہارے آگے ہے اور جو پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۴۶﴾ وَإِذَا قِيلَ

اور اُن کے رب کی نشانیوں میں سے جو نشانی بھی اُن کے پاس آتی ہے اُس کی طرف سے اعراض کرنے والے بن جاتے ہیں۔ اور جب اُن سے کہا

لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ

جاتا ہے کہ اُس میں سے خرچ کرو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے تو کافر لوگ اہل ایمان سے کہتے ہیں کہ کیا ہم لوگ اُن لوگوں کو کھلائیں جنہیں

اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۴۷﴾

اللہ چاہے تو کھلا دے بات یہی ہے کہ تم کھلی ہوئی گمراہی میں ہو

کشتی اللہ کی نعمت ہے اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتا ہے اور ڈوبنے سے بچاتا ہے

تفسیر: ان آیات میں کشتی کی سواری کا ذکر ہے‘ کشتیوں کا دریاؤں میں چلنا (مطلق کشتی ہر چھوٹے بڑے جہاز کو شامل

ہے) انسانوں کا ان پر سوار ہونا اور سامان لادنا' ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک سفر کرنا اس میں اللہ تعالیٰ کا انعام عظیم بھی ہے اور قدرت قاہرہ پر دلالت بھی ہے۔ کشتی کی سواری کے ساتھ یوں بھی فرمادیا۔ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُوْنَ (اور ہم نے ان کے لئے کشتی جیسی ایسی چیزیں پیدا فرمائیں جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں) یہ سواریاں گھوڑے' خچر اور گدھے ہیں جن کا سورۃ النحل میں ذکر ہے: وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً اور اب تو ریل گاڑی اور پٹرول سے چلنے والی گاڑیاں اور ہوائی جہاز بھی سواریوں کا کام دے رہے ہیں اور بوجھ بھی لے جاتے ہیں۔ سورۃ النحل میں ان نئی سواریوں کی بلکہ انکے بعد جو سواریاں پیدا ہوں گی اُن کے بارے میں پیشینگوئی فرمادی: وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (اور اللہ وہ چیزیں پیدا فرمائے گا جو تم نہیں جانتے)

مزید فرمایا کہ یہ لوگ جو جہازوں اور کشتیوں میں امن وامان کے ساتھ سفر کرتے ہیں' یہ امن وامان سے رکھنا اور ڈوبنے سے حفاظت کرنا ہمارا ہی انعام ہے۔ وَإِنْ نَّشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ (اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کردیں پھر انہیں کوئی فریادرس نہ ملے) وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ (اور نہ انہیں خلاصی دی جائے) إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا إِلٰى حِيْنٍ (مگر یہ کہ ہماری مہربانی ہوجائے اور ایک وقت معین تک انہیں فائدہ دینا منظور ہو) اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے محفوظ فرماتا ہے اور وقت معین تک فائدہ پہنچاتا ہے۔

اعراض کرنے والوں کی محرومی:

پھر فرمایا وَإِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ أَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ اور جب مکذبین ومنکرین سے کہا جاتا ہے کہ تم اُس عذاب سے ڈرو جو تمہارے سامنے ہے (یعنی غرق کیا جانا یا زمین میں دھنسایا جانا یا مقتول ہونا وغیرہ) اور اُس عذاب سے ڈرو جو تمہارے پیچھے ہے یعنی آخرت میں آنے والا ہے تمہارا یہ ڈرنا تم پر رحمت کا سبب بن جائے گا' تو وہ لوگ نصیحت پر کان نہیں دھرتے اور اس سے اعراض کرتے ہیں۔

وَمَا تَأْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ (اور اُن کے پاس اُن کے رب کی نشانیوں میں سے جو بھی نشانی آتی ہے اُس سے اعراض کرنے والے بن جاتے ہیں)

یہ تو ان کا معاملہ عقیدۂ توحید کے ساتھ ہوا جسے وہ قبول کرنے کو تیار نہیں۔ آگے مالی انعامات ہوتے ہوئے جو کنجوسی اور ناشکری کرتے تھے اُس کا تذکرہ فرمایا کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اُس میں سے مسکینوں اور حاجت مندوں پر خرچ کرو' تو خرچ کرنے کی بجائے شرارت سے اور مذاق اڑانے کی نیت سے کافروں نے یوں کہا کیا ہم اُن لوگوں کو کھلائیں جو تمہارے ساتھ ایمان قبول کرچکے ہیں اللہ چاہے تو انہیں کھلادے اُن کا مطلب یہ تھا کہ تم کہتے ہو کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے تو بس وہی انہیں رزق دے دے گا۔ اُن لوگوں نے یہ بھی کہا کہ تم جو ہمیں خرچ کرنے کو کہہ رہے ہو' یہ کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

کفار بھی یہ بات مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے اور کھلانے والا ہے لیکن اس بات کو انہوں نے بطور طنز کے ذکر کیا اور مقصد ان کا یہ تھا کہ تم تو یوں کہتے ہو کہ جسے اللہ تعالیٰ چاہے کھلادے تو اپنے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ ہی سے مانگ لو اور انہیں کھلادو۔

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو۔ وہ لوگ بس ایک سخت آواز کے انتظار میں ہیں جو اُن کو پکڑ لے

وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ۝ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ

اور وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں۔ سو نہ تو وہ کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جا سکیں گے۔ اور صور پھونکا جائے گا

فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ

سو وہ سب یکایک قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف جلدی جلدی چلنے لگیں گے۔ وہ کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی ہمیں کس نے ہماری لیٹنے کی جگہ سے اُٹھا دیا'

هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ

یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا اور پیغمبروں نے سچی خبر دی۔ بس وہ ایک چیخ ہوگی سو وہ سب ہمارے پاس حاضر کر

لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

دیئے جائیں گے۔ سو اُس دن کسی جان پر ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا اور تمہیں صرف اُنہیں کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کرتے تھے۔

منکرین بعث کا قول اور ان کی تردید

تفسیر: توحید کے دلائل اور منکرین کے اعراض کا بیان فرمانے کے بعد وقوع قیامت کے یقینی ہونے کا اور منکرین کے استبعاد کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو) یعنی تم جو یوں کہتے ہو کہ قیامت آئے گی ہمارے خیال میں یہ تمہاری باتیں ہی باتیں ہیں آنی ہوتی تو کب کی آ چکی ہوتی' اس کے واقع ہونے کی جو تم خبر دے رہے ہو اگر تم اس خبر میں سچے ہو تو وقت طے کر دو کہ قیامت فلاں وقت آئے گی' یہ بات کہنے سے ان کا مقصود وقوع قیامت کا انکار کرنا تھا' اس انکار کو انہوں نے استفہام انکاری کے پیرایہ میں بیان کیا' اللہ جل شانہٗ نے فرمایا مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ یہ لوگ جو قیامت کا انکار کر رہے ہیں ان کے انکار کرنے سے قیامت کا آنا رک نہیں جائے گا' بس یہ لوگ ایک چیخ کے انتظار میں ہیں جو انہیں پکڑ لے گی اور اس وقت یہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے اس وقت جو جہاں ہوگا وہیں دھرا رہ جائے گا اور وہیں مر جائے گا' اس وقت نہ کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ سکیں گے۔ (یہ نفخہ اولیٰ یعنی پہلی بار صور پھونکنے کے وقت ہوگا)

نفخ صور کے وقت حیرانی اور پریشانی: مزید فرمایا وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ (اور صور میں پھونکا جائے گا تو وہ اچانک قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف (یعنی حساب کی جگہ کے لئے) جلدی جلدی چلنے لگیں گے۔ قبروں سے اٹھنے والے (جن کو اللہ تعالیٰ امن وامان نہ دے' گھبراہٹ سے محفوظ نہ فرمائے' وہ) کہیں گے

یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا (ہائے ہماری کم بختی ہمیں لیٹنے کی جگہ سے کس نے اٹھا دیا) فرشتے جواب میں کہیں گے ھٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ (یہ وہی قیامت کا دن ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور پیغمبروں نے سچی خبر دی تھی)

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ (بس وہ نفخۂ ثانیہ ایک زور کی آواز ہوگی جس سے یکا یک سب جمع ہو کر ہمارے پاس حاضر کئے جائیں گے) یہ جمع ہونا حساب کتاب کے لئے ہوگا' حساب ہونے پر جس کو جو سزا ملے گی اس میں کسی جان پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا' نہ کسی کی کوئی نیکی کم کی جائے گی جو لائق ثواب ہو اور نہ کسی کے گناہوں میں کسی نہ کردہ گناہ کا اضافہ ہوگا۔ سورۂ کہف میں فرمایا: وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (اور انہوں نے جو عمل کئے تھے ان کو حاضر پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا)

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْیَوْمَ فِیْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِیْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ

بلاشبہ آج جنت والے اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں ہوں گے' مسہریوں پر تکیہ لگائے ہوئے

مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِیْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا یَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ﴿۵۸﴾

ہوں گے۔ اس میں اُن کے لئے میوے ہوں گے اور جو کچھ طلب کریں گے انہیں وہ ملے گا۔ مہربان رب کی طرف سے اُن پر سلام ہوگا۔

اہل جنت کی نعمتوں کا تذکرہ' وہ اپنی بیویوں کے ساتھ سایوں میں تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے

تفسیر: ان آیات میں اہل جنت کی بعض نعمتوں کا تذکرہ فرمایا' اول تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ اپنے اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: والمراد به ما هم فيه من النعيم الّذى شغلهم عن كل ما يخطر بالبال یعنی شغل سے وہاں کی نعمتوں میں مشغول رہنا مراد ہے' وہاں کی نعمتیں ہر اس چیز کے تصور سے بے پرواہ کر دیں گی جن کا تصور آ سکتا ہو۔ فٰكِهُوْنَ کا ایک ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے یعنی وہ اپنی نعمتوں میں خوش ہوں گے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے تمتع اور تلذذ مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ انکے پاس میوے موجود ہونگے جن میں سے کھایا کرینگے (روح المعانی)

پھر فرمایا کہ اہل جنت اور ان کی بیویاں سایوں میں ہوں گے جہاں ناگوار گرمی ذرا نہ ہوگی اَرَآئِك یعنی مسہریوں پر ہوں گے' یہ اَرِیْكَةٌ کی جمع ہے' اریکہ مسہری کو کہتے ہیں۔

مُتَّكِـُٔوْنَ تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔ سورۃ الواقعہ میں فرمایا عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝ مُّتَّكِـِٕیْنَ عَلَیْهَا مُتَقٰبِلِیْنَ ۝ (وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے)

مزید فرمایا لَهُمْ فِیْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا یَدَّعُوْنَ (اس میں ان کے لئے میوے ہوں گے اور جو کچھ طلب کریں گے انہیں وہ ملے گا) اس میں یہ بتا دیا کہ اہل جنت کی جن نعمتوں کا صریح طور پر تذکرہ کر دیا گیا ہے صرف انہی نعمتوں میں انحصار نہیں ہے' وہ لوگ

وہاں جو کچھ بھی طلب کریں گے سب کچھ حاضر کر دیا جائے گا۔ سورۃ الزخرف میں فرمایا وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ (اور اس میں وہ چیزیں ملیں گی جن کی ان کے نفسوں کو خواہش ہوگی اور جن سے آنکھوں کو لذت ہوگی)۔

اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام آئے گا جسے سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ فرما کر بتایا ہے' کیا کہنے ان بندوں کے لئے ان کے رب کا سلام آئے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کے درمیان کہ اہل جنت اپنی نعمتوں میں ہوں گے اچانک ایک نور کی چمک ہوگی اوپر کو اپنے سر اٹھائیں گے تو دیکھیں گے کہ رب جل شانہٗ نے ان پر توجہ فرمائی ہے' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ یَا اَهْلَ الْجَنَّةِ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۲ از ابن ماجہ)

وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ۚ
اور اے مجرمو! آج علیحدہ ہو جاؤ۔ اے بنی آدم کیا میں نے تمہیں تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت مت کرنا'
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ
بلا شبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور میری عبادت کرنا' یہ سیدھا راستہ ہے۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ شیطان نے
جِبِلًّا كَثِیْرًا ؕ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ
تم میں سے کثیر مخلوق کو گمراہ کر دیا' کیا تم سمجھ نہیں رکھتے تھے۔ یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ آج تم اس میں
بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا
داخل ہو جاؤ اپنے کفر کی وجہ سے آج ہم اُن کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ہم سے اُن کے ہاتھ کلام کریں گے اور اُن کے پاؤں اس کی گواہی دیں گے جو کچھ وہ
كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓی اَعْیُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰی یُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَلَوْ نَشَآءُ
کیا کرتے تھے۔ اور اگر ہم چاہتے تو اُن کی آنکھوں کو مٹا دیتے سو وہ راستے کی طرف دوڑتے پھرتے سو اُن کو کہاں نظر آتا۔ اور اگر ہم چاہتے
لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰی مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِیًّا وَّلَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی
تو انہیں اُن کی جگہ پر مسخ کر دیتے اس طرح پر کہ وہ جہاں ہیں وہیں رہ جاتے جس کی وجہ سے یہ نہ آگے چل سکتے اور نہ پیچھے کو لوٹ سکتے' اور ہم جس کو زیادہ عمر دے دیتے ہیں
الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾
اُسے طبعی حالت پر لوٹا دیتے ہیں' کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے

مجرمین سے خطاب اور ان کے عذاب کا تذکرہ

تفسیر: اہل جنت کا اکرام اور انعام بیان فرمانے کے بعد اہلِ دوزخ کی تباہی اور بربادی کو بیان فرمایا جو قیامت کے دن ان کے سامنے آئے گی۔ اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ان سے خطاب ہوگا کہ اے مجرمو! آج تم علیحدہ ہو جاؤ' دنیا میں

تم اہلِ ایمان کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے اور قبروں سے نکل کر بھی میدانِ حشر میں اکٹھے جمع ہوئے ہو اب تم ان سے علیحدہ ہو جاؤ کیونکہ ان کو جنت میں جانا ہے اور تم کو دوزخ میں جانا ہے۔ (یہ آیت بہت زیادہ فکر مند بنانے والی ہے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ پوری رات نفل نماز میں کھڑے رہے اور اسی آیتِ مبارکہ کو پڑھتے رہے) اس میں فکر کی بات یہ ہے کہ جس وقت یہ حکم ہوگا اس وقت میں کن لوگوں میں ہوں گا مجرمین میں ہوں گا یا مؤمنین میں۔

کافروں سے یہ خطاب بھی ہوگا اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ (الآیۃ) اے آدم کی اولاد کیا میں نے تمہیں یہ تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت مت کرنا یعنی اس کی فرمانبرداری مت کرنا اور اس کے کہنے کے مطابق عمل نہ کرنا' بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور تمہیں تاکید کی تھی کہ میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے (تم اس سیدھے راستہ سے ہٹ گئے) وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ (الآیۃ) اور یہ بات واقعی ہے کہ شیطان نے تم میں سے کثیر مخلوق کو گمراہ کر دیا' کیا تم سمجھ نہیں رکھتے تھے۔ (اب اس گمراہی کا بدلہ ملے گا) هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ یہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ (آج اس میں داخل ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے)

مجرمین کے خلاف ان کے اعضاء کی گواہی کافروں کی سزا بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ (ہم آج کے دن ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے) وَتُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ (اور ہم سے ان کے ہاتھ کلام کریں گے) وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ (اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مجرمین کی زبانوں پر مہر لگا دی جائے گی اور ہاتھ پاؤں ان کے اعمال بد کی گواہی دیں گے۔ اور سورۃ النور میں فرمایا: یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال بد کی گواہی زبان بھی دے گی اس میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ قیامت کے دن احوال مختلف ہوں گے' کسی وقت ہاتھ پاؤں بلکہ انکے چمڑے تک ان کے خلاف گواہی دے دیں گے اور زبان نہ بول سکے گی اور جب زبان کھول دی جائے گی تو زبان سے بھی اپنی نافرمانی کے اقراری ہو جائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰۤى اَعْیُنِهِمْ (الآیۃ) اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو ختم کر دیں پھر وہ راستے کی طرف دوڑیں سو ان کو کہاں نظر آئے۔ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ (الآیۃ) اور اگر ہم چاہیں تو ان کی جگہوں پر ہی ان کی صورتوں کو مسخ کر دیں تو انہیں نہ گذرنے کی طاقت رہے اور نہ واپس ہو سکیں۔

ان دو آیتوں میں یہ بتایا کہ ہم دنیا میں بھی سزا دینے پر قدرت رکھتے ہیں اور ان سزاؤں کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہم ان کی آنکھوں کو ختم کر دیں یعنی چہرہ کو سپاٹ بنا دیں آنکھیں باقی ہی نہ رہیں' آگے بڑھنا چاہیں تو کچھ بھی نظر نہ آئے' اسی طرح ہم ان ہی کی جگہ رکھتے ہوئے انہیں مسخ بھی کر سکتے ہیں یعنی ان کی صورتیں بدل سکتے ہیں جیسے گذشتہ امتوں میں سے بعض لوگ بندر اور خنزیر بنا دیئے گئے' جب جانور ہی بن جائیں تو جہاں تھے وہیں رہ جائیں نہ آگے بڑھ سکیں نہ پیچھے ہٹ سکیں' جو مقاصد دنیاویہ لے کر نکلے تھے ان کا ہوش ہی نہ رہے گا۔

انسان قوّت کے بعد دوبارہ ضعف کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے: اس کے بعد فرمایا وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ (الآیۃ) کہ ہم جسے طویل عمر دے دیتے ہیں اس کی حالتِ طبعی جو اسے پہلے دی گئی تھیں اسے الٹ دیتے ہیں یعنی جوانی میں جو قوتیں

دی گئی تھیں وہ چلی جاتی ہیں اور ضعف بڑھتا چلا جاتا ہے، سننے اور دیکھنے کی قوتیں ضعیف ہو جاتی ہیں، سمجھنے اور سوچنے کی طاقت بھی کمزور ہو جاتی ہیں، گوشت گھل جاتا ہے، کھال لٹک جاتی ہے، یہ تو سب کے سامنے ہے اسی سے سمجھ لینا چاہئے کہ ہم آنکھوں کو ختم کر سکتے ہیں اور صورتیں مسخ کر سکتے ہیں: اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ (کیا یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی نہیں سمجھتے ہیں)

قولہ تعالیٰ مُضِيًّا اصلہٗ مضوی اجتمعت الواو ساکنۃ مع الیاء فقلبت یاء کما ھو القاعدۃ و ادغمت الیاء فی الیاء وقلبت ضمّۃ الضّاد کسرۃ لتخف وتناسب الیاء (اللہ تعالیٰ کا قول مُضِيًّا یہ اصل میں مُضُوِیٌ تھا واؤ ساکنہ اور یاء جمع ہو گئیں تو واؤ کو یا کر دیا جیسا کہ قانون ہے پھر یاء کو یاء میں ادغام کیا اور ضاد کو ضمہ کو تخفیف اولیاء کی مناسبت کی وجہ سے کسرہ سے تبدیل کر دیا)

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ
اور ہم نے ان کو شعر نہیں سکھایا اور نہ شعر ان کے لائق ہے، وہ تو بس ایک نصیحت ہے اور قرآن مبین ہے، تاکہ وہ اُسے ڈرائے
حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾
جو زندہ ہے اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے

شاعری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق نہیں، قرآن کریم زندہ قلوب کے لئے نصیحت ہے اور کافروں کے لئے حجّت ہے

تفسیر: مشرکین عرب اور خاص کر اہلِ مکہ جب قرآنِ مجید سنتے تھے تو یہ جانتے ہوئے کہ نہ اس میں اشعار ہیں نہ شاعرانہ خیالی مضامین ہیں پھر بھی قرآن مجید کے بارے میں یوں کہہ دیتے تھے کہ یہ شاعرانہ باتیں ہیں، ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ (ہم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر نہیں سکھایا) وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ (اور نہ شعر کہنا ان کی شان کے لائق ہے) سو جب وہ شعر کہنا جانتے ہی نہیں اور ان کی شان کے لائق ہی نہیں تو تمہارے سامنے شاعرانہ باتیں کیسے بیان کر سکتے ہیں؟ شاعرانہ تخیلات تو جھوٹے ہوتے ہیں، ان میں جب تک ان کہنی نہ ہو اس وقت تک شعر شعر ہی نہیں ہوتا، پھر یوں بھی دیکھنا لازم ہے کہ یہ جو قرآنِ کریم آپ پیش فرماتے ہیں یہ شعر نہیں ہے نہ اس میں خیالی مضامین ہیں نہ شاعرانہ تک بندیاں ہیں بلکہ لفظی اعتبار سے نہایت فصیح اور بلیغ اور محکم کلام ہے اور معنوی اعتبار سے اس کے مضامین اعلیٰ درجہ کے محقق ہیں اور سراپا سچ ہیں لیکن دشمن جب اعتراض پر آ جائے تو اندھا بن جاتا ہے پھر اسے حق اور ناحق کی کچھ تمیز نہیں رہتی۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ (وہ تو بس ایک نصیحت ہے اور قرآن مبین ہے) لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا (تاکہ وہ اسے ڈرائے جو زندہ ہے) یعنی عقل رکھتا ہے اور اسے حق اور ناحق کی سوجھ بوجھ ہے، بے عقلی کی وجہ سے اموات کے درجہ کو نہیں پہنچا۔ وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے) یعنی جب قیامت کے دن کافروں کو عذاب ہونے لگے تو ان کے عذر پیش کرنے پر صاف صاف کہہ دیا جائے کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا رسول پہنچا اس نے اللہ تعالیٰ کی

کتاب سنائی ایمان کی دعوت دی لیکن تم نے نہیں مانا اور خود ہی مستحقِ عذاب ہوئے آج کوئی معذرت کام دینے والی نہیں۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُم مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے لئے اُن چیزوں میں سے جو ہمارے ہاتھوں نے پیدا کیں مویشی پیدا کئے ہیں سو وہ اُن کے مالک ہیں۔ اور ہم نے اُن مویشیوں کو اُن کا فرمانبردار بنا دیا ہے

فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوا

سو اُن میں سے بعض ایسے ہیں جو اُن کی سواریاں ہیں اور بعض ایسے ہیں جنہیں وہ کھاتے ہیں۔ اور ان مویشوں میں ان کے لئے منافع ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں سو کیا یہ شکر ادا نہیں کرتے۔ اور انہوں نے

مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُندٌ مُّحْضَرُونَ ﴿۷۵﴾

اللہ کے سوا معبود بنا لئے ہیں اس اُمید پر کہ اُن کی مدد کردی جائے گی۔ وہ اُن کی مدد نہیں کر سکتے اور وہ اُن کے لئے ایک فریق ہو جائیں گے جو حاضر کردیئے جائیں گے۔

فَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۷۶﴾

سو آپ کو اُن کی باتیں رنجیدہ نہ کریں بلاشبہ ہم جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔

جانوروں میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں‘ ان میں منافع اور مشارب ہیں

تفسیر: ایمانیات کا تذکرہ فرمانے کے بعد بعض دنیاوی منافع کا تذکرہ فرمایا‘ ارشاد فرمایا کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ ہم نے ان کے لئے محض اپنی قدرت سے چوپائے پیدا کئے‘ یہ لوگ چوپایوں کے مالک ہیں‘ ہر چیز کا حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے انسانوں کو بھی اس نے اپنی مخلوق میں سے بعض چیزوں کا مالک بنا دیا ہے‘ بندے مجازی مالک ہیں اور مالک ہوتے ہوئے ان احکام کے پابند ہیں جو شریعتِ اسلامیہ کی طرف سے مقرر کئے گئے ہیں‘ جو شخص ان کی خلاف ورزی کرے گا گنہگار ہوگا‘ یوں نہ سمجھے کہ میں اس جانور کا مالک ہوں جو چاہوں کروں۔

جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے قابو میں دے دیا ہے‘ کچھ جانور ایسے ہیں جو سواری کا کام دیتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو خوراک کے کام میں آتے ہیں ان کا گوشت کھایا جاتا ہے‘ جب کوئی جانور بدک جائے‘ یا چمک جائے‘ قابو سے باہر ہو جائے اس وقت انسان کو احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسخیر سے یہ جانور ہمارے قابو میں ہے اگر بے قابو ہو جائے تو ہم اس سے کام نہیں لے سکتے۔ اسی لئے تو سواری کی دعا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿﴾ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنقَلِبُونَ تعلیم فرمائی۔ (سورۃ الزخرف رکوع نمبر ۱)

وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ (اور چوپایوں میں ان کے لئے منافع ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں سو کیا یہ شکر نہیں کرتے) اوپر دو منافع کا ذکر تھا‘ ایک یہ کہ جانور سواری کا کام دیتے ہیں اور دوسرے یہ کہ ان میں سے بعض کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اس آیت میں دوسرے منافع کا بھی اجمالاً ذکر فرما دیا۔ مثلاً ان کی کھالیں دباغت کے بعد کام میں لاتے ہیں اور ان کے بال اور اون کاٹ کر بچھانے اور پہننے کی چیزیں تیار کرتے ہیں اور ان سے کھیتی جوتنے کا کام بھی لیتے ہیں‘ اور ان کے ذریعے پانی کھینچ کر کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ ساتھ ہی مشارب کا بھی ذکر فرمایا‘ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس سے دودھ مراد ہے اور

مشارب مشرب کی جمع ہے جو مشروب کے معنی میں ہے اور دودھ کی چونکہ بہت سی اقسام ہیں اس لئے جمع لایا گیا۔ پھر دودھ سے گھی بنتا ہے۔ لسی بھی بنتی ہے دہی بھی بنائی جاتی ہیں جن کو پیتے ہیں اور استعمال میں لاتے ہیں یہ بھی جمع لانے کی ایک وجہ ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ مشارب ظرف کا صیغہ ہے اور اس سے برتن مراد ہیں زمانہ قدیم میں جانوروں کے چمڑوں سے مشکیزے تو بناتے ہی تھے پیالے بھی بنا لیتے تھے جس میں دودھ وغیرہ پیتے تھے۔ اگر یہ معنی مراد لئے جائیں تو یہ بھی بعید نہیں ہے اور اس سے مشارب کا جمع لانا اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

مشرکین کی بیوقوفی: اس کے بعد فرمایا وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ یُنْصَرُوْنَ اور ان لوگوں نے اللہ کے علاوہ معبود بنا لئے ہیں جن سے یہ امید رکھتے ہے کہ یہ ہماری مدد کریں گے۔ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَهُمْ (جن لوگوں سے مدد کی امید کر رکھی ہے وہ ان کی مدد نہیں کر سکتے) وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ (اور وہ ان کے لئے فریق مخالف ہو جائیں گے جو حاضر کر دئے جائیں گے) یعنی اللہ کے سوا جنہیں معبود بنا کر ان سے مددکی امید باندھے ہوئے ہیں وہ تو ان معبود بنانے والوں کے مخالف ہو جائیں گے اور میدان قیامت میں بالاضطرار حاضر کر دئے جائیں گے اور وہاں حاضر ہو کر جنہوں نے انہیں معبود بنایا تھا ان کی مخالفت کریں گے۔ سورۂ مریم میں فرمایا: وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّیَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ۭ سَیَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَیَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِمْ ضِدًّا (اور ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر دوسرے معبود تجویز کر رکھے ہیں تا کہ ان کے لئے وہ باعث عزت ہوں، ہرگز نہیں وہ ان کی عبادت ہی کا انکار کریں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے) وہاں جھوٹی آرزوؤں کی قلعی کھل جائے گی۔

فَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ (سو ان کی باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں بلاشبہ ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں) اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ آپ منکرین کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں ان میں عناد ہے بات ماننے کو تیار نہیں لہٰذا ان سے ایمان قبول کرنے کی امید رکھنا ہی غلط ہے آپ اپنے کام میں لگے رہیں اور ان کی باتوں سے آزردہ خاطر نہ ہوں ان کے دل کے حالات اور زبانی باتیں ہمیں سب معلوم ہیں ہم انہیں ان سب چیزوں کی سزا دے دیں گے۔

اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ۝۷۷ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ

کیا انسان کو اس کا علم نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا سو اچانک وہ علانیہ طور پر جھگڑالو ہو گیا۔ اور ہمارے بارے میں مثل بیان کرنے لگا اور اپنی

خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ۝۷۸ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ

پیدائش کو بھول گیا اُس نے کہا کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی آپ فرما دیجئے کہ انہیں وہی زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ

خَلْقٍ عَلِیْمُۨ ۝۷۹ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝۸۰

پیدا فرمایا اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ جس نے تمہارے لئے ہرے درخت سے آگ پیدا کی سو اچانک تم اس میں سے جلاتے ہو۔

اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰی ۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ

جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان کے جیسے پیدا فرما دے، ہاں وہ قادر ہے اور وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے

الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ

خوب جاننے والا ہے۔ اس کا معمول یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ فرمائے تو یوں فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتی ہے۔ سو پاک ہے وہ ذات

مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

انسان قیامت کا منکر ہے، وہ اپنی خلقت کو بھول گیا

تفسیر: وقوعِ قیامت اور بعث اور حشر نشر کا جو لوگ انکار کیا کرتے تھے ان میں سے ایک شخص عاص بن وائل بھی تھا، یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک گلی سڑی ہڈی لے کر آیا، اس ہڈی کو اپنے ہاتھ سے چورا چورا کیا اور کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) جب میں اس ہڈی کو اپنے ہاتھ سے پھینک دوں تو کیا اللہ تعالیٰ اسے زندہ فرما دے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ اسے زندہ فرما دے گا پھر تجھے موت دے گا پھر تجھے زندہ فرمائے گا پھر تجھے دوزخ کی آگ میں داخل کرے گا۔ اس پر اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ سے لے کر ختمِ سورۃ تک آیات نازل ہوئیں جس شخص سے یہ باتیں ہوئی تھیں اس کے بارے میں دیگر اقوال بھی ہیں جو روح المعانی جلد ۲۳ ص ۵۳ میں مذکور ہیں۔

ارشاد فرمایا کیا انسان کو معلوم نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفۂ منی سے پیدا کیا؟ اس کو تو وہ جانتا ہے مانتا ہے، جب نطفۂ منی سے اسے پیدا کر سکتے ہیں تو بوسیدہ ہڈیوں کو مرکب کر کے ان میں جان کیوں نہیں ڈال سکتے؟ قیامت اور حشر نشر کی سچی خبر جو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے دی اس کی تصدیق کرنے کی بجائے انسان بڑا جھگڑالو بن گیا اور ایسا جھگڑالو بنا کہ واضح طور پر وقوعِ قیامت اور موت کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرنے لگا، جو اسے اپنے مبدء فطرت کا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل پانی سے پیدا فرمایا ہے تو اسے جھگڑنے اور یہ بات کہنے کا کیا مقام ہے کہ میں بوسیدہ ہڈیوں سے کیسے پیدا کیا جاؤں گا۔

اسی کو فرمایا وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا اور اس نے ہمارے بارے میں ایک مثل بیان کر دی اور ایسی بات کہہ دی جو فی نفسہٖ عجیب ہے۔ وَنَسِیَ خَلْقَهٗ اور وہ یہ بھول گیا کہ وہ کیسے پیدا کیا گیا ہے، قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ کہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔ یہ ہے وہ عجیب مضمون جسے اس نے اللہ کی شان میں بیان کیا، بجائے یہ سمجھنے کے کہ میں جس طرح پہلے پیدا ہوا ہوں اسی طرح میرا خالق دوبارہ پیدا فرما دے گا ایسی بات کہنے لگا جس سے انکارِ بعث مقصود ہے۔

قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ (آپ جواب میں فرما دیجئے کہ ان ہڈیوں کو وہی زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا فرمایا) وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ (اور وہ ہر مخلوق کو جاننے والا ہے) اس میں منکرین کا یہ اشکال دور کر دیا کہ ہڈیاں گل جائیں گی ان کے ریزے کہاں کہاں پہنچے ہوں گے پھر کیسے جمع کئے جائیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ جس نے پیدا کیا تھا

اسے سب پتہ ہے کہ کون سی چیز کہاں ہے؟ اسے اس کا علم ہے کہ کون سا ذرہ کہاں پہنچا اور کس جگہ میں ہے۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ (جس نے تمہارے لئے ہرے درخت سے آگ پیدا کی سو اچانک تم اس میں سے جلاتے ہو) یعنی جس ذاتِ پاک نے ہرے درخت میں سے آگ نکالی حالانکہ درخت پانی کے اثر سے ہرا بھرا ہوتا ہے اور درخت کو نچوڑیں تو اس میں سے پانی نکلتا ہے اور آگ اور پانی آپس میں ضد ہیں' اس کے لئے جماد یعنی ایسی بے جان چیز میں جان ڈالنا کیا مشکل ہے جس میں ظاہری اعتبار سے اس کے مخالف اور منافی کوئی چیز موجود نہیں ہے اور وہ ایک بار زندگی پا چکی ہے۔

صاحبِ روح المعانی نے لکھا ہے کہ مرخ اور عفار دو درخت ہوتے تھے اور سرسبز ہوتے تھے جن میں سے پانی ٹپکتا تھا' ان میں سے ایک کی ٹہنی لے کر دوسری کی ٹہنی پر مارتے تھے تو اس سے آگ نکلتی تھی پھر اس آگ سے اپنی ضرورت کے لئے آگ جلا لیتے تھے۔ ان دو درختوں میں سے ایک کا دوسرے پر مارا جانا چقماق کا کام دیتا تھے۔ اسی کو فرمایا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ (سو اچانک تم اس میں سے آگ جلاتے ہو)

اس کے بعد انسانوں کو دوبارہ پیدا فرمانے کی ایک اور دلیل ذکر فرمائی اور سوال کے پیرایہ میں فرمایا اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان کے جیسے پیدا فرمادے) بَلٰی وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ (ہاں وہ قادر ہے اور وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے) جس ذاتِ پاک نے اتنے بڑے بڑے آسمان بنا دیئے اتنی بڑی زمین بنادی اس کے بارے میں یہ کہنا کہ جب ہم مرجائیں گے تو وہ ہمیں کیسے پیدا کرے گا' یہ سوال سراسر حماقت ہے۔

اللہ پاک قادر ہے مطلق ہے سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (اس کی شان یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ فرمائے تو یوں فرمادیتا ہے کہ ہوجا سو وہ ہوجاتی ہے) سو جب صرف کُن فرمادینے سے سب کچھ وجود میں آجاتا ہے تو زندوں کو موت دے کر دوبارہ زندہ فرمانا کیونکر مشکل ہوسکتا ہے؟

فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) اس کی ذات ہر عیب اور نقص سے پاک ہے کسی بھی چیز کے پیدا کرنے سے عاجز نہیں' مردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ پیدا فرمانا بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں تمہیں لوٹ کر اسی کی طرف جانا ہے' اس کی قدرت کا انکار کرو گے تو سزا پاؤ گے۔

ولقد تمّ تفسیر سُورۃ یٰسٓ والصلوٰۃ والسّلام علیٰ سیّد الانبیاءِ والمرسلین وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ الیٰ یوم الدّین

سُوْرَةُ الصّٰفّٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاثْنَانِ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ صافات مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو بیاسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ؕ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ

قسم ہے صف بنا کر کھڑے ہونے والے فرشتوں کی پھر اُن فرشتوں کی جو بندش کرنے والے ہیں پھر اُن فرشتوں کی جو ذکر کی تلاوت کرنے والے ہیں۔ بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہے جو رب ہے آسمانوں کا

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ؕ﴿۵﴾ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ۙ﴿۶﴾ وَحِفْظًا

اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے اور رب ہے مشارق کا۔ بلاشبہ ہم نے قریب والے آسمان کو زینت دی ہے خاص زینت یعنی ستاروں کے ذریعہ اور حفاظت

مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿۷﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ﴿۸﴾ دُحُوْرًا

کی ہے ہر سرکش شیطان سے۔ یہ لوگ عالم بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور وہ ہر جانب سے مار کر دھکے دیئے جاتے ہیں اور اُن کے لئے

وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿۹﴾ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

دائمی عذاب ہے۔ سوائے اُس شیطان کے جو اُچک کرلے بھاگے تو اُس کے پیچھے ایک شعلہ دہکتا ہوا لگ جاتا ہے۔

صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے
آسمان وزمین اور مشارق و مغارب کا رب ہے

تفسیر: ابتدائی تین آیات میں تو فرشتوں کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ اولاً صف بنا کر کھڑے ہونے والے فرشتوں کی قسم کھائی، فرمایا وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا (قسم ہے صف بنا کر کھڑے ہونے والے فرشتوں کی قسم) جو عبادتِ خداوندی کے لئے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الا تصفون کما تصف الملٰئکة عند ربها (کیا تم اس طرح صف نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے پاس صف بناتے ہیں) صحابہؓ نے عرض کیا فرشتے اپنے رب کے پاس کیسے صف بناتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ پہلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صفوں میں خوب مل مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ (رواہ مسلم کما فی المشکوٰۃ ص ۹۸)

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا یہ لفظ زجر سے لیا گیا ہے، زجر جھڑکنے اور منع کرنے کو کہتے ہیں اسی لئے ترجمہ یوں لکھا گیا ہے' پھر ان فرشتوں کی قسم جو بندش کرنے والے ہیں۔ فرشتوں کا زجر کرنا اور روکنا کیا ہے؟ روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ فرشتے اللہ کے بندوں کو گناہوں سے روکتے ہیں اور ان کے دل میں خیر کی باتیں ڈالتے ہیں اور شیاطین کو وسوسے ڈالنے سے روکتے ہیں۔

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا (پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو ذکر کی تلاوت کرنے والے ہیں) اس کا ایک مطلب مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ ان فرشتوں کی قسم جو اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم اور دوسری کتابیں لاتے رہے اور جس نبی کے پاس لائے اس پر پڑھتے رہے۔ اور ایک مطلب یہ بتایا ہے کہ ان فرشتوں کی قسم کھائی ہے جو ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں۔

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ یہ جواب قسم ہے قسم کھا کر فرمایا کہ بلاشبہ تمہارا معبود ایک ہی ہے پھر اس معبود کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ وہ آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا بھی رب ہے اور مشارق کا بھی رب ہے۔

مشارق مشرق کی جمع ہے' یہاں رَبُّ الْمَشَارِقِ فرمایا ہے۔ اور سورۃ المعارج میں فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ فرمایا ہے اور سورۃ الرحمٰن میں رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ فرمایا ہے۔

مشارق اور مغارب جمع ہے اور مَشْرِقَيْنِ اور مَغْرِبَيْنِ تثنیہ ہیں' اور سورۃ المزمل میں رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فرمایا ہے۔ ان میں واحد کا صیغہ تو جنس کے اعتبار سے ہے اور تثنیہ سردی اور گرمی کے موسموں کے اعتبار سے کیونکہ سردی کے دنوں میں آفتاب کے طلوع اور غروب ہونے کی جگہ اس جگہ کے علاوہ ہے جو گرمی میں غروب ہونے اور طلوع ہونے کی جگہ ہے اور جمع اس اعتبار سے ہیں کہ مشرق اور مغرب بدلتے رہتے ہیں۔

اس کے بعد ستاروں کا تذکرہ فرمایا: اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ (بلاشبہ ہم نے قریب والے آسمان کو ایک خاص زینت کے ساتھ مزین کیا یعنی ستاروں کے ذریعے اسے زینت دی) وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ای وَحَفِظْنٰهَا حِفْظًا اور ہم نے آسمان کو محفوظ کیا ہر سرکش شیطان سے شیاطین اوپر جا کر فرشتوں کی باتیں سننے کی جو کوشش کرتے ہیں ستارے انہیں مار بھگاتے ہیں۔

ستارے آسمان دنیا کے لئے زینت ہیں اور شیاطین سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہیں: رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے شیاطین نے ایک دھندہ بنا رکھا تھا اوپر جاتے تھے باتیں سنتے تھے اور باتیں لا کر کاہنوں میں ڈالتے تھے وہ اس میں سو جھوٹ ملا کر آگے بڑھاتے تھے' اوپر سے سنی ہوئی سچی بات نکل جاتی تھی تو لوگ کاہنوں کے معتقد ہو جاتے تھے کہ دیکھو یہ غیب کی باتیں بتاتے ہیں' جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو وہاں پہرہ لگ گیا' اب شیاطین اوپر جاتے ہیں تو مار کھاتے ہیں۔

اسی کو فرمایا لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى (وہ ملاء اعلیٰ کی بات نہیں سن سکتے) وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا (اور وہ مارے جاتے ہیں ہر جانب سے دھتکارے ہوئے) یعنی اوپر پہنچ کر کان تو لگاتے ہیں لیکن مار پڑنے اور دھتکارے جانے کی وجہ سے سن نہیں پاتے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ (اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے) یعنی دنیاوی مار پیٹ اور دھتکار کے علاوہ آخرت میں مستقل عذاب ہوگا جو دائمی ہوگا۔

اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (مگر ان میں سے جس نے کوئی بات اچک لی) یعنی فرشتے جو آپس میں باتیں

کرتے ہیں مار پڑنے سے پہلے ان میں سے کوئی بات کسی نے اچک لی اور وہاں سے لیکر چل دیا تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ لگ جاتا ہے یہ روشن شعلہ اس پر پڑتا ہے تو اسے جلا دیتا ہیں یا اس کے بعض اعضاء کٹ جاتے ہیں یا وہ دیوانہ وہ جاتا ہے۔

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ستاروں کے ذریعے سرکش شیاطین سے آسمان کی حفاظت کا انتظام کیا گیا ہے۔ سورۂ ملک میں واضح طور پر فرمایا: وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ (اور ہم نے ستاروں کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بنایا) اور سورۃ الحجر اور سورۃ الصّافات میں مزید فرمایا ہے کہ شیطان اوپر بات سننے لگتے ہیں تو انہیں شعلہ مار دیا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے یہ اشکال کیا ہے کہ ستارے تو اپنی جگہ چھوڑ کر شیاطین کے پیچھے دوڑتے ہوئے نظر نہیں آتے پھر ستاروں کے مارنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ضروری نہیں ہے کہ جو ستارے اس کام پر لگے ہوئے ہیں وہ ہمیں نظر آتے ہوں اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ شعلہ جسے سورۃ الحجر میں شِهَابٌ مُّبِیْنٌ اور سورۃ الصّٰفّٰت میں شِهَابٌ ثَاقِبٌ فرمایا ہے یہ شہاب بعض ستاروں کی سخونت (یعنی گرمی) سے پیدا ہوتے ہوں اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ شہاب ثاقب دن کو بھی شیاطین کا پیچھا کرتا ہے لیکن سورج کی روشنی کی وجہ سے نظر نہیں آتا لہٰذا یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ شیاطین رات ہی کو بات سننے کے لئے کیوں اوپر جاتے ہیں؟ اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ یہ ضروری نہیں کہ آسمان پر جو انگارہ نظر آئے وہ شیاطین ہی کے مارنے کے لئے ہو اس کے وجود کے دوسرے اسباب بھی ہو سکتے ہیں۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلْ
سو آپ ان سے دریافت کر لیجئے کیا وہ پیدائش کے اعتبار سے زیادہ سخت ہیں یا ہماری پیدا کی ہوئی دوسری چیزیں، بیشک انہیں ہم نے چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے بلکہ
عَجِبْتَ وَیَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا یَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا اٰیَةً یَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ
آپ تعجب کرتے ہیں اور وہ لوگ تمسخر کرتے ہیں۔ اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت کو نہیں سمجھتے۔ اور جب وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ہنسی اڑاتے ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ یہ کھلے ہوئے
اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ
جادو کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے۔ کیا ہمارے پرانے باپ دادے بھی۔ آپ فرما دیجئے ہاں
وَاَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ
اور تم ذلیل ہو گے۔ بس وہ ایک للکار ہو گی سو یکایک وہ سب کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔ اور یوں کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی یہ تو روزِ
الدِّیْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾
جزا ہے۔ یہ فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

لہ اور ظاہر اسیاق آیت لا یسمعون سے معلوم ہوتا ہے کہ اول استماع کی نفی کی باعتبار اکثر کے پھر بعد استماع شاذ و نادر کے یقذفون میں سمع کی نفی کی پھر بعد سمع اتفاقی کے اتبعہ سے سماع کی نفی کی اور من کل جانب کا مطلب یہ نہیں کہ ہر شیطان کو ہر طرف سے رجم کرتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرف کوئی شیطان جائے ادھر ہی مرجوم ہوتا ہے۔

معجزات کا استہزاء کرنے والوں اور وقوع قیامت کے منکرین کی تردید اور ان کے لئے وعید شدید

تفسیر: ان آیات میں اثبات توحید بھی ہے اور اثبات معاد بھی ہے اور منکرین کے استعجاب کی تردید بھی۔ اول تو یہ فرمایا کہ آپ ان سے پوچھ لیجئے کہ یہ لوگ یعنی منکرینِ بعث بناوٹ میں زیادہ سخت ہیں یا دوسری چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں ان کا ذکر اوپر ہو چکا ہے' ظاہر ہے کہ وہی چیزیں زیادہ سخت ہیں۔ جب انسان یہ جانتا ہے کہ مجھ سے زیادہ مضبوط اور سخت چیزیں موجود ہیں تو پھر دوبارہ اپنے پیدا کئے جانے کا کیسے انکار کرتا ہے؟ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ (بے شک ہم نے انہیں چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے) جو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا ہوا ہے جس میں نہ کچھ قوت ہیں نہ صلابت ہے اس کو خود غور کرنا چاہئے کہ جب اتنی بڑی بڑی سخت مخلوق کو رب العالمین جل مجدہ نے پیدا فرما دیا تو مجھ جیسے ضعیف کو پیدا کرنا اس کے لئے کیا مشکل ہے' مجھے پہلے بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور موت کے بعد دوبارہ بھی وہی پید فرمائے گا۔ قال صاحب الروح: احتجاج علیهم فی امر البعث بان الطّین اللّازب الذی خلقوا منه فی ضمن خلق ابیهم اٰدم علیه السّلام تراب فمن این استنکروا ان یخلقوا منه مرة ثانیة. (صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں اس آیت میں بعث بعد الموت کے مسئلہ پر مشرکین کے خلاف دلیل ہے اس طرح کہ چپکتی مٹی جس سے وہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے واسطہ سے پیدا کئے گئے وہ مٹی ہی ہے لہٰذا اب اگر وہ دوبارہ مٹی سے اٹھائے جائیں تو اس پر نکیر کی ان کے پاس کوئی وجہ نہیں ہے)

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ (بلکہ بات یہ ہے کہ آپ تو ان کے انکار پر تعجب کرتے ہیں کیوں کہ یہ قدرتِ الٰہیہ کے منکر ہیں اور یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں مذاق بناتے ہیں) وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ (اور جب ان کو سمجھایا جاتا ہے تو نہیں سمجھتے) دلائل عقلیہ ان کے سامنے لائے جاتے ہیں تو ان سے بھی منتفع نہیں ہوتے وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ (اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں)۔

جو آپ کے نبوت ثابت کرنے کے لئے ان کی نظروں کے سامنے آتا ہے تو اس کا مذاق اڑا دیتے ہیں۔

وَقَالُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (اور کہتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم نے دیکھا یہ تو کھلا ہوا جادو ہے) بس جب دلائلِ عقلیہ میں بھی غور و فکر نہیں کرتے اور معجزات کو بھی جادو بتا دیتے تو ان سے قبولِ حق کی کیا امید رکھی جاسکتی ہے۔

ءَاِذَا مِتْنَا (الاٰیتین) وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے کیا ہم پھر زندہ کئے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی زندہ ہوں گے۔ (ان کی یہ بات استفہام انکاری کے طور پر ہے) (بعث بعد الموت کا انکار کرتے ہیں' انہوں نے کہا کہ مٹی ہو کر اور ہڈیوں کا ریزہ ریزہ بن جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہماری سمجھ میں نہیں آتا ہم اسے نہیں مانتے)

قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ (آپ فرما دیجئے کہ ہاں اور تم ذلیل بھی ہو گے) یعنی تمہارے انکار کے باوجود تمہیں قیامت میں زندہ ہونا ہے اور قبروں سے اٹھنا ہے' تمہارے پرانے باپ دادے بھی زندہ کئے جائیں گے اور قبروں سے اٹھیں گے اور تم ذلیل بھی ہو گے' حق بات تمہارے سامنے آتی ہے تو اسکے منکر ہو جاتے ہو' اس دن منکر اور کافر کی ذلت یقینی ہے۔ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ قادرِ مطلق جلّ مجدہٗ کے لئے قیامت قائم کرنا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا ذرا بھی دشوار نہیں ہے' اسکے حکم سے ایک چیخ

وجود میں آئے گی یعنی پہلی بار صور پھونکے جانے کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب قبروں سے نکل کر دیکھنے لگیں گے جیسا کہ موت سے پہلے سابقہ زندگی میں دیکھا کرتے تھے کما فی سورۃ الزمر: ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ۔

وَقَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ (اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی یہ تو روزِ جزا ہے) جس کا ہم انکار کیا کرتے تھے باری تعالیٰ کا ارشاد ہوگا: هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ (یہ فیصلہ کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے) تمہارے جھٹلانے سے اس کی آمد نہیں رکی۔ اب تو تمہیں سزا بھگتنی ہی ہوگی۔

اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطِ
ظالموں کو اور اُن کے ہم مشربوں کو جمع کر لو اور اُن معبودوں کو جن کی وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے پھر انہیں دوزخ کا راستہ
الْجَحِیْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْیَوْمَ
دکھا دو۔ اور انہیں ٹھہراؤ بیشک اُن سے سوال کیا جائے گا۔ کیا بات ہے کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ بلکہ وہ آج سب کے
مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوْۤا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ
سب ہار مانے ہوئے ہوں گے۔ اور اُن میں سے بعض بعض کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔ کہیں گے کہ بے شک تم ہمارے پاس بڑے زور دار
الْیَمِیْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا
طریقے سے آیا کرتے تھے متبوعین کہیں گے بلکہ بات یہ ہے کہ تم خود ہی ایمان لانے والے نہ تھے۔ اور تم پر ہمارا کوئی زور نہیں تھا بلکہ بات یہ ہے کہ تم
طٰغِیْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَیْنَا قَوْلُ رَبِّنَاۤ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَغْوَیْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِیْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ
سرکشی کرنے والے تھے۔ سو ہم پر ہمارے رب کی بات ثابت ہوگئی بلاشبہ ہم سب چکھنے والے ہیں۔ سو بلاشبہ ہم نے تمہیں بہکایا بے شک ہم خود ہی گمراہ تھے۔ سو بلاشبہ وہ لوگ آج کے دن
یَوْمَئِذٍ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذَا
عذاب میں شریک ہوں گے۔ بلاشبہ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ یقینی بات ہے کہ ان کا ڈھنگ یہ تھا کہ جب اُن سے کہا جاتا کہ اللہ
قِیْلَ لَهُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَیَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾
کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو تکبر کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کیا ہم ایک ایسے شخص کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں جو شاعر ہے دیوانہ ہے۔

قیامت کے دن مجرمین کا ایک دوسرے پر بات ڈالنا اور چھوٹوں کا بڑوں کو الزام دینا

تفسیر: یہاں سے سورۃ الصّٰفّٰت کا دوسرا رکوع شروع ہو رہا ہے اس میں روزِ قیامت کے بعض مناظر اور اہلِ دوزخ کی آپس کی بعض باتیں اور اہلِ جنت کے اکرام وانعام کا اور باہم گفتگو کا تذکرہ فرمایا ہے اور رکوع ختم ہونے سے چند

آیات پہلے زقوم کے درخت کا اور اس کے کھانے والوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔
اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا (الآیات التسع) اول تو یہ فرمایا کہ دوسرا صور پھونکے جانے کے بعد جب میدان حشر میں پہنچیں گے تو اللہ جل شانہ کا ارشاد ہوگا کہ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا یعنی کفر اختیار کیا اور اس کے داعی بنے انہیں اور ان کے ہم مشربوں یعنی ان کا اتباع کرنے والوں کو اور ان معبودوں کو جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے ان سب کو جمع کرو' انکو ایک جگہ جمع کر کے دوزخ کا راستہ بتادو کہ جاؤ اس میں داخل ہو جاؤ' اور وہاں ان کو ذرا ٹھہرالو ان سے سوال کیا جائے گا' جب ان کو ٹھہرالیا جائے گا تو یہ سوال ہوگا کہ آج آپس میں ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ دنیا میں تو بڑے یار یار بنے ہوئے تھے اور مدد کے وعدے بھی کرتے تھے۔ جو لوگ کفر کی دعوت دیتے تھے وہ تو یہاں تک کہہ دیتے تھے: اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰیٰکُمْ (کہ تم ہماری راہ کا اتباع کرلو تمہاری خطاؤں کو ہم اٹھالیں گے) کیا بات ہے آج تم میں سے کوئی بھی کسی کی مددگار نہیں؟ وہاں تو ہر ایک خود ہی مبتلائے عذاب ہوگا دوسرے کی کچھ بھی مدد نہیں کر سکے گا اور سب شرم کے مارے سر جھکائے ہار مانے ہوئے کھڑے ہوں گے اور یہ مان لیں گے اور جان لیں گے کہ واقعی ہم مستحق عذاب ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بھی شخص نے (دنیا میں) کسی بھی چیز کی طرف دعوت دی ہوگی تو یہ شخص قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا جس کو دعوت دی ہوگی وہ اُسے پکڑے رہے گا اُس سے جدا نہیں ہوگا' اگرچہ ایک ہی شخص نے ایک ہی شخص کو دعوت دی ہوگی' اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ (رواه الترمذی فی تفسیر سورة الصّٰفّٰت)

آپس میں ایک دوسرے کی مدد تو کیا کرتے وہاں تو چھوٹے بڑوں کو الزام دیں گے اور بڑوں سے کہیں گے کہ تم نے تو ہمارا ناس کر دیا' دنیا میں تمہارا یہ حال تھا کہ ہمارے پاس بڑے زوردار طریقے سے آتے تھے اور ہم پر خوب زور ڈال کر کفر و شرک کی راہ دکھاتے تھے اور اپنی چودھراہٹ اور سرداری کو استعمال کرتے تھے' آج جب ہم مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں تو تمہاری طرف سے کچھ بھی مدد نہیں؟ ان کے بڑے سردار اور چودھری کہیں گے بات یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ کیا وہ اپنی جگہ ہے تمہاری گمراہی صرف ہمارے ہی گمراہ کرنے پر منحصر نہ تھی بلکہ تم خود ہی مومن نہیں تھے' ہم نے تم سے جو کچھ کہا اور تمہیں جو کچھ بتایا وہ بہت سے بہت ایسی بات تھی کہ تم کو کفر پر جمے رہنے کی تاکید کرتے رہے' کافر تو تم خود ہی تھے اگر ہم تمہیں نہ بہکاتے اپنے کفر کی وجہ سے پھر بھی تم آج سزا پاتے' اور اس بات کا بھی تو خیال کرو کہ ہم نے تمہیں جو کچھ بتایا اور کفر پر ابھارا اس میں ہماری باتیں ہی باتیں تو تھیں تم پر ہمارا ایسا کوئی تسلط نہیں تھا کہ لٹھ مارتے اور تلوار دکھا کر کفر پر جمے رہنے کی تاکید کرتے' بات یہ ہے کہ تم خود ہی سرکش تھے' تمہارے جذبات اور ہمارے جذبات میں یگانگت تھی لہٰذا تم نے ہماری بات مان لی: قال صاحب الروح: بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ جواب اخر تسليمی علیٰ فرض اِضلالهم بانهم لم يجبروهم عليه وانما دعوهم لهٔ فاجابوا باختيارهم لموافقة ما دعوا لهٔ هواهم. (صاحب تفسیر روح المعانی فرماتے ہیں بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ یہ ایک دوسرا جواب ہے جو اس طرح ہے کہ بالفرض ہم مان لیتے ہیں کہ ہم نے تمہیں گمراہ کیا لیکن ہم نے تمہیں اس گمراہی کے ماننے پر مجبور نہیں کیا ہم نے تو فقط دعوت ہی دی اور انہوں نے اپنی مرضی و پسند سے اس دعوت کو قبول کر لیا)

مجرمین کا اقرار کہ ہم عذاب کے مستحق ہیں: فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا إِنَّا لَذَائِقُونَ (سو ہم پر ہمارے رب کی بات ثابت ہوگئی بلاشبہ ہم سب چکھنے والے ہیں) یعنی ہمارے خالق اور مالک نے جو کافروں کے لئے جہنم کا داخلہ طے فرما دیا تھا اسی کے مطابق ہمیں اور تمہیں عذاب چکھنا ہوگا۔ فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ (سو ہم نے تم کو بہکا دیا بیشک ہم بھی گمراہ تھے) تم بھی کافر تھے اور ہم بھی اب عذاب سے چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں ہمیں الزام دے کر تمہارا بچاؤ نہیں ہوسکتا۔

اتباع اور تابعین سب عذاب میں مشترک ہوں گے: فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ (ارشادِ خداوندی ہے کہ وہ سب لوگ تابع اور متبوع، بڑے اور چھوٹے اس دن عذاب میں شریک ہوں گے) إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ (بلاشبہ ہم مجرمین کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں) مشرکوں اور کافروں کے لئے عذاب طے شدہ ہے جس میں وہ ضرور مبتلا ہوں گے۔ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ (بے شک جب انکے سامنے معبود برحق کی اُلوہیت کی دعوت دی جاتی تھی اور ان کے سامنے مضمون لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ بیان کیا جاتا تھا تو تکبر کرتے تھے یعنی اس کلمہ کے ماننے سے نفرت کرتے تھے اور اس کے قبول کرنے میں اپنی ہتک سمجھتے تھے، اس طرح توحید کا انکار کرتے تھے) وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُو آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَجْنُونٍ (اور یوں کہتے تھے کیا ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں ایک شاعر دیوانہ کی وجہ سے) اس میں رسالت کا انکار ہے، انکارِ توحید اور انکارِ رسالت دنیا میں دونوں باتوں پر جمے رہتے تھے، اسی طرح مجرم بن کر آخرت میں اللہ کے دربار میں پہنچیں گے اور عذاب بھگتیں گے۔

بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۳۷﴾ إِنَّكُمْ لَذَائِقُو الْعَذَابِ الْأَلِيمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ

بلکہ بات یہ ہے کہ وہ سچ لے کر آیا اور دوسرے پیغمبروں کی تصدیق کی۔ بلاشبہ تم دردناک عذاب کو چکھنے والے ہو۔ اور تمہیں انہی کاموں کا

إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۹﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۴۰﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَعْلُومٌ ﴿۴۱﴾

بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ ہاں جو اللہ کے مخلص بندے ہیں اُن کا حال دُوسرا ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے رزق معلوم

فَوَاكِهُ ۖ وَهُمْ مُكْرَمُونَ ﴿۴۲﴾ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿۴۳﴾ عَلَىٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ

یعنی میوے ہیں۔ اور وہ نعمت کے باغوں میں باعزت رہیں گے۔ آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اُن کے پاس شراب کا ایسا جام لایا جائے گا

بِكَأْسٍ مِنْ مَعِينٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ﴿۴۷﴾

جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا ہوا ہوگا۔ وہ شراب سفید ہوگی پینے والوں کے لئے لذیذ ہوگی۔ نہ اُس سے دردِ سر ہوگا اور نہ اُس سے عقل میں فتور آئے گا۔

وَعِنْدَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ ﴿۴۸﴾ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَكْنُونٌ ﴿۴۹﴾

اور اُن کے پاس بڑی بڑی آنکھوں والی بیویاں ہوں گی جن کی نظریں نیچی ہوں گی۔ گویا کہ وہ بیضے ہیں جو چھپے ہوئے رکھے ہیں۔

کافر دردناک عذاب میں ہونگے اور اللہ کے مخلص بندے عزّت کے ساتھ تختوں پر جنّت کی نعمتوں میں مشغول ہوں گے

تفسیر: اس میں منکرین اور معاندین کی تردید ہے ارشاد فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے کہ ہمارا رسول شاعر یا دیوانہ ہے بلکہ بات یہ کہ وہ حق لے کر آیا ہے اور آپ سے پہلے رسولوں نے بھی اس کی تصدیق کی ہے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام توحید کی دعوت دینے کے لئے آئے ان کی دعوت حق تھی اور اس نبی (یعنی امام الانبیاء ﷺ) کی دعوت بھی حق ہے تم شرک پر اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب پر جمے ہوئے ہو اور دعوتِ توحید قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہو لامحالہ تمہیں دردناک عذاب چکھنا ہی ہوگا اور تمہیں جو عذاب ہوگا وہ صرف تمہارے کئے ہوئے اعمال ہی کا بدلہ ہوگا۔

رہے مومن مخلص بندے سو وہ اپنے ایمان کی وجہ سے عذاب سے محفوظ ہوں گے بلکہ ان کا انعام و اکرام کیا جائے گا ان کے لئے رزقِ معلوم ہوگا جو ہر اعتبار سے عمدہ ہوگا۔ فواکہ یعنی میوے ہوں گے جنہیں پوری رغبت اور اشتہاء کے ساتھ کھائیں گے کما فی سورۃ الواقعۃ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ یہ حضرات اللہ کے نزدیک معزز اور مکرم ہوں گے نعمت کے باغیچوں میں ہوں گے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے ان پر جام و شراب کا دور چلے گا۔ وِلْدَانٌ اور غِلْمَانٌ ایسی شراب کے جام بھر بھر کر لائیں گے جو جاری یعنی بہتی ہوئی ہوگی۔ جنت میں جیسے پانی اور دودھ اور شہد کی نہریں ہوں گی ایسے ہی شراب کی بھی نہریں ہوں گی اور رنگ کے اعتبار سے یہ شراب سفید ہوگی اور مزہ کے اعتبار سے پینے والوں کے لئے لذیذ ہوگی۔ اور کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ شراب میں تو نشہ ہوتا ہے جس سے آدمی کے ہوش و حواس ٹھیک نہیں رہتے شراب پی کر اگر نشہ طاری ہوا اور ہوش و حواس صحیح نہ رہے تو کیا مزہ رہے گا؟ اس وسوسہ کو دور کرتے ہوئے فرمایا لَا فِيهَا غَوْلٌ (نہ تو اس میں دردِ سر ہوگا) یہ ترجمہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اور انہی سے اس کا یہ مطلب بھی منقول ہے کہ لَيْسَ فِيهَا نَتْنٌ وَلَا كَرَاهِيَةٌ كَخَمْرِ الدُّنْيَا اس میں دنیا والی شراب کی طرح نہ بدبو ہوگی نہ اس سے کراہت ہوگی۔ (ذکرہ صاحب الروح) وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ (اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا) خلاصہ یہ ہے کہ شراب لذیذ بھی ہوگی اور کسی قسم کی ظاہری یا باطنی تکلیف بھی نہیں پہنچے گی شراب پی کر بھی حسبِ سابق ہوش گوش برقرار رہے گا۔

مخلص بندوں کو جو نعمتیں ملیں گی ان میں بڑی بڑی آنکھوں والی حسین و جمیل بیویاں بھی ہوں گی وہ صفائی ستھرائی میں ایسی ہوں گی جیسے دنیا میں پرندوں کے انڈے ہوتے ہیں جنہیں جانور اپنے پروں میں چھپا کر رکھتے ہیں جنت کی ان بیویوں کو جو بیض مکنون سے تشبیہ دی ہے یہ تشبیہ صفائی اور گرد و غبار اور داغ دھبے سے محفوظ رہنے میں ہے اہلِ عرب عورتوں کو انڈوں سے تشبیہ دیتے تھے اور انہیں بیضاتِ خدور کہتے تھے لہٰذا سورۂ رحمٰن میں جو كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ فرمایا یہ اس کے منافی نہیں ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ حور عین کے رنگ مختلف ہوں سفید بھی ہوں سرخ بھی ہوں۔ لیکن چونکہ خالص سفید رنگ (جو انڈے کی طرح سے ہو) عورتوں میں محبوب و مرغوب نہیں سمجھا جاتا اس لئے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس رنگ میں زردی کی آمیزش ہوگی سفیدی اور زردی مل کر ایک خوشنما منظر دیکھنے میں آئے گا۔ ھٰذا ملخص ما ذکرہ صاحب الرّوح والّذی سنح فی قلبی انہ لیس من الضروری ان تکون البیضۃ بیضاء فقد رأینا بیضاً

ذات الوان اُخریٰ غیر بیاض وَلَیس فِیْ لفظ الأیة مایدل علیٰ وجه الشبه ولمّا کان فی الجنّة کل نعمة حسب رغبات اھلھا یکون لَو نھن احسن واجمل ایًا ما کان. وَاللّٰہُ تَعَالیٰ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب. (یہ تو اس کا خلاصہ ہے جو صاحب روح المعانی نے ذکر کیا ہے۔ اور جو بات میرے دل میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ انڈہ سفید ہی ہو ہم نے سفیدی کے علاوہ کئی رنگوں والے انڈے دیکھے ہیں۔ اور آیت کے الفاظ میں بھی اس پر شبہ کی کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا جب جنت میں جنتیوں کے حسب منشاء ہر نعمت ہوگی تو سوروں کا رنگ بھی نہایت حسین وخوبصورت ہوگا خواہ کوئی بھی ہو)

جنت کی بیویوں کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ وہ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ہوں گی جس کا ترجمہ ''نیچی نظروں والی'' کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ وہ صرف اپنے شوہروں کی طرف نظر رکھیں گی کسی غیر کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں گی' دنیا کی مومن عورتوں کو جنتی حوروں کی طرح قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ہونا چاہئے۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآىِٕلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ ﴿۵۱﴾

سو ان میں سے بعض بعض پر متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔ اُن میں سے ایک کہے گا کہ بلاشبہ میرا ایک ساتھی تھا۔

یَّقُوْلُ اَىِٕنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ

وہ کہتا تھا کہ یا تو تصدیق کرنے والوں میں ہے۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں اپنے کاموں کا بدلہ دیا جائے گا۔ وہ کہے گا

هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ﴿۵۶﴾

کیا تم جھانک کر اُسے دیکھنا چاہتے ہو۔ سو وہ شخص جھانکے گا تو اس کو جہنم کے بیچ میں دیکھ لے گا۔ کہے گا کہ اللہ کی قسم قریب تھا کہ تو مجھے ہلاک ہی کر دیتا۔

وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى

اور اگر میرے رب کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی اُن لوگوں میں ہوتا جو حاضر کئے گئے ہیں۔ یہی بات ہے نا کہ ہم پہلی بار مر چکنے کے بعد نہیں مریں گے

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

اور ہم کو عذاب نہ ہوگا۔ بلاشبہ یہ بڑی کامیابی ہے۔ اسی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے۔

ایک جنتی اور ایک دوزخی کا مکالمہ

تفسیر: اہل جنت' جنت کی نعمتوں میں مشغول ہوں گے' آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے آپس میں باتیں بھی ہوں گی' دل لگی کے طور چھینا جھپٹی بھی ہوگی' جیسا کہ سورۃ الطور میں یَتَنَازَعُوْنَ فِیْهَا كَاْسًا فرمایا۔ انہی باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہوگی کہ جنتیوں میں سے ایک جنتی یوں کہے گا کہ دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا جس سے ملاقات ہوتی رہتی تھی وہ خود مومن نہ تھا مجھے بھی سرزنش کرتا تھا اور قیامت پر ایمان لانے کو بیوقوفی سمجھتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا کیا تو بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ قیامت قائم ہوگی اور مردے زندہ ہو کر قبروں سے اٹھیں گے' تو ہی بتا کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں

گے تو کیا زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اور اپنے اپنے اعمال کی جزا و سزا پائیں گے میری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آتی۔

بات کرتے کرتے وہ شخص کہے گا میں تو جنت میں آ گیا اور میرا وہ ساتھی جو جزا سزا کی تصدیق نہیں کرتا تھا اور مجھے بھی اس سے روکتا تھا وہ دوزخ میں چلا گیا' آؤ ذرا دوزخ میں جھانک کر دیکھیں تو سہی اس کا کیا حال ہے؟ یہ بات کہہ کر جب وہ شخص دوزخ میں جھانکے گا تو اسی ساتھی کو جو ایمان سے روکتا تھا اور خود کافر تھا دوزخ کے درمیان دیکھ لے گا' جب وہ نظر آئے گا تو اس سے کہے گا کہ تو نے اپنا انجام دیکھ لیا' تو تو مجھے بھی ایمان لانے سے روکتا تھا' قریب تھا کہ تو میرا بھی ناس کھو دیتا' اگر میں تیری بات مان لیتا تو آج میں بھی دوزخ میں ہوتا' اللہ تعالیٰ ہی نے مجھ پر فضل فرمایا کہ اس نے مجھے ایمان کی توفیق دی اور کفر سے بچایا' اللہ کی توفیق اور فضل و کرم نہ ہوتا تو آج میں بھی انہیں لوگوں میں ہوتا جو عذاب کے لئے دوزخ میں حاضر کر دیئے گئے۔

جنت میں ہوتے ہوئے دوزخ میں کیسے نظر جائے گی اور جنتی آدمی کو اپنا دنیا والا ساتھی جو منکرِ بعث تھا کیسے نظر آ جائے گا؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اہلِ جنت کی نظر کو تیز پیدا فرما دے اور انہیں ایسی قوت دے دے جس کے ذریعے جس کو چاہیں دیکھ سکیں۔ اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ جب جنتی حضرات دوزخ میں نظر ڈالنا چاہیں گے تو اعراف پر کھڑے کر دیئے جائیں گے۔ اور بعض حضرات سے نقل کرتے ہوئے تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ جنت میں کچھ طاقچے ہوں گے ان سے دوزخ والوں کو دیکھ لیں گے' یہ جواب پرانے زمانے کے اعتبار سے ہیں' اب تو دیکھنے' سننے اور بات کرنے کے لئے ایسے نئے آلات نظروں کے سامنے آ گئے ہیں کہ احتمالات بعیدہ نکالنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ پہلا جواب احوالِ حاضرہ کے مناسب ہے۔ وَيَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ۔

اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ وہ جنتی شخص جو اپنے ساتھی کو دوزخ میں دیکھے گا اس سے خطاب کرنے کے بعد پھر اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر یوں کہے گا۔ یہی بات ہے نا کہ اب ہم مرنے والے نہیں ہیں' وہ پہلی موت جو دنیا میں آئی تھی اس کے بعد اب اور کوئی موت نہیں' ہمیشہ ہمیں جنت ہی میں رہنا ہے اور ہمیں عذاب بھی نہیں ہوگا۔ قال صاحب الروح: والمراد استمرار النفی وتاكيده وكذا فيما تقدم واستمرار هٰذا النفی نعمة جليلة. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں مراد نفی کا استمرار اور تاکید ہے اور گذشتہ میں بھی یہی مراد ہے اور اس نفی کا استمرار بہت بڑی نعمت ہے)

اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (بلاشبہ یہ بڑی کامیابی ہے) کہ جنت میں داخلہ ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے ہو گیا اور وہاں کی بے مثال نعمتیں ہمیشہ کے لئے مل گئیں۔

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ (اسی جیسی کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے) یعنی ایمان لائیں اور اعمال صالحہ کرتے رہیں۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ

کیا ضیافت کے اعتبار سے یہ بہتر ہے یا زقوم کا درخت' بیشک ہم نے اُس درخت کو ظالموں کے لئے فتنہ بنایا ہے۔ بلاشبہ وہ ایک درخت ہے

فِیْٓ اَصْلِ الْجَحِیْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِــُٔوْنَ

جو دوزخ کی گہرائی میں سے نکلتا ہے۔ اُس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپوں کے پھن ہوں۔ سو اس میں شک نہیں کہ وہ لوگ بالضرور اس میں سے کھائیں گے سو اُس سے

مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَیْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى

اپنے پیٹوں کو بھرلیں گے۔ پھر بلاشبہ اُن کے لئے اُس درخت کے اوپر سے کھولتا ہوا گرم پانی ملا کر دیا جائے گا پھر بلاشبہ اُن کا لوٹنا

الْجَحِیْمِ ﴿۶۸﴾ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّیْنَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ یُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ

دوزخ کی طرف ہوگا۔ بے شک انہوں نے باپ دادوں کو گمراہی کی حالت میں پایا۔ پھر اُن کے نقش قدم پر تیزی کے ساتھ چلتے رہے۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ ان سے پہلے اگلے لوگوں میں سے

اَكْثَرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۷۳﴾

اکثر گمراہ ہو چکے ہیں۔ اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے اُن میں ڈرانے والے بھیجے ہیں۔ سو دیکھ لیجئے جن کو ڈرایا گیا اُن کا کیا انجام ہوا۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۷۴﴾

سوا اللہ کے مخلص بندوں کے۔

شجرۃ الزقوم کا تذکرہ جسے اہل جہنم کھائیں گے

تفسیر: اوپر اہل جنت کی نعمتوں کا اور وہاں کی کامیابیوں کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان آیتوں میں اہل دوزخ کے کھانے کی چیزوں میں سے ایک چیز یعنی زقوم کا تذکرہ فرمایا' اہل جنت کے بارے میں فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ اور یہاں یوں فرمایا' اَذٰلِكَ خَیْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ (کیا اہل جنت کا رزق بہتر ہے جو بطور مہمانی ان کو دیا جائے گا یا زقوم کا درخت بہتر ہے) زقوم کا درخت بہت ہی زیادہ بدمزہ اور کڑوا ہوگا جو دوزخ کی گہرائی میں سے نکلے گا' اس کے پھل ایسے ہوں گے جیسے سانپوں کے پھن ہوں۔ اس میں درخت کی بدصورتی بیان فرمائی' مزہ بھی بہت زیادہ مکروہ ہوگا اور صورت بھی بہت زیادہ مکروہ ہوگی جس کے دیکھنے ہی سے ڈر لگے گا' یہ درخت گو بہت زیادہ کڑوا اور بدصورت ہوگا لیکن دوزخی بھوک کی وجہ سے اتنا کھائیں گے اتنا کھائیں گے کہ پیٹ بھر لیں گے۔

سورۂ محمد ﷺ میں فرمایا کہ انکو سخت گرم پانی پلایا جائے گا۔ وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (اور انہیں گرم پانی پلایا جائے گا جو انکی آنتوں کو کاٹ کر رکھ دے گا)

سورۂ واقعہ میں فرمایا: ثُمَّ اِنَّكُمْ اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ فَمَالِــُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ فَشٰرِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِیْمِ هٰذَا نُزُلُهُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ (پھر اے جھٹلانے والے گمراہ لوگو! تم زقوم کے درخت سے کھاؤ گے اور اس سے پیٹ بھر لو گے پھر اوپر سے کھولتا ہوا پانی پیو گے جیسے پیاسے اونٹ پیتے ہیں' قیامت کے روز اس طرح ان کی مہمانی ہوگی)

وہ کیا ہی برا منظر ہوگا جب دوزخی اس درخت سے کھائیں گے اور پھر اوپر سے کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور وہ بھی تھوڑا بہت نہیں بلکہ پیاسے اونٹوں کی طرح خوب زیادہ پئیں گے۔ **اعاذنا اللہ تعالیٰ من الزّقوم والحمیم وسائر انواع عذاب الجحیم۔**

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی دنیا میں ٹپکا دیا جائے تو وہ یقیناً تمام دنیا والوں کی غذائیں بگاڑ ڈالے اب بتاؤ اس کا کیا حال ہوگا جس کی خوراک ہی زقوم ہوگی۔ (الترغیب والترہیب جلد۴ ص ۴۸۰ از ترمذی وابن ماجہ وابن حبان)

ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ (پھر انکا لوٹنا دوزخ ہی کی طرف ہوگا) زقوم کھانے اور گرم پانی پینے کے لئے جس جگہ جائیں گے وہ بھی دوزخ ہی میں ہوگی اور یہ چیزیں کھا پی کر بھی دوزخ میں ہی رہیں گے، اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیں گے۔ **قال صاحب الروح ای الیٰ مقرھم من النّار فانّ فی جھنّم مواضع اعد فی کل موضع منھا نوع من البلاء۔** (تفسیر روح المعانی کے مصنف فرماتے ہیں یعنی جہنم میں ان کے ٹھکانے کی طرف لوٹنا ہے کیونکہ جہنم میں کئی درجے ہیں ہر جگہ ایک الگ قسم کا عذاب ہے)

زقوم کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ ہم نے اسے ظالموں کے لئے امتحان کی چیز بنایا ہے (یعنی موت کے بعد دوزخ میں داخل ہو کر اہلِ کفر بطور سزا کے زقوم کا درخت کھائیں گے وہاں اسے کھانا پڑے گا، اور دنیا میں اس کا ذکر آیا تو مذاق بنانے لگے جو ان کے لئے فتنہ یعنی امتحان کا سبب بن گیا کہ وہ اسکی خبر پر ایمان لاتے ہیں یا انکاری ہوتے ہیں)

صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں کہ کافروں نے جب یہ بات سنی تو کہنے لگے کہ تمہارے بیان کے مطابق تو دوزخ میں آگ ہی آگ ہے وہاں درخت کا کیا کام؟ اور جب ابوجہل نے زقوم کے درخت کی بات سنی تو مذاق بناتے ہوئے کہنے لگا کہ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ زقوم کھجور اور مسکہ کا نام ہے، وہاں جا کر بھی تو ہمارے مزے ہوں گے۔ یہ بات اس نے اپنے پاس سے بنائی۔ عربی لغت میں زقوم کا ترجمہ کھجور اور مسکہ نہیں ہے، اور یہ بات کہ آگ میں درخت کیسے زندہ رہے گا؟ یہ بھی بیوقوفی کا سوال ہے، آگ تو اللہ کے حکم سے جلاتی ہیں، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے آگ میں زندہ اور ہرا بھرا رکھ سکتا ہے۔

اہلِ جہنّم آباؤ اجداد کی تقلید کر کے گمراہ ہوئے: اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ یعنی یہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے اور آخرت کے عذاب کے مستحق ہو رہے ہیں انہوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہ پایا پھر غور و فکر کئے بغیر اور حق اور باطل میں امتیاز کئے بغیر انہی کے قدم بہ قدم تیزی کے ساتھ چل رہے ہیں، گمراہوں کی تقلید نے انہیں برباد کیا۔

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ (اور یہ بات واقعی ہے کہ ان موجودہ ظالموں یعنی کافروں سے پہلے گذشتہ امتوں میں سے اکثر لوگ گمراہ ہو چکے ہیں) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ (اور یہ بات بھی واقعی ہی ہے کہ ہم نے ان میں ڈرانے والے بھیجے تھے) یعنی حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حق کی دعوت لیکر پہنچے اور انہیں بتایا کہ اگر باطل میں لگے رہو گے، حق قبول نہ کرو گے تو تمہارا برا انجام ہوگا، لیکن وہ لوگ نہ مانے دنیا میں بھی ان پر عذاب آیا اور آخرت میں بھی ان کے لئے عذاب ہے۔ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ (سو دیکھ لیجئے جن لوگوں کو ڈرایا گیا ان کا کیا انجام ہوا؟)

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ (مگر اللہ کے وہ بندے جنہیں اللہ نے منتخب فرمالیا) وہ برائی سے بھی محفوظ رہے اور ان کا انجام بھی اچھا ہوا۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾ وَجَعَلْنَا

اور یہ بات واقعی ہے کہ نوح نے ہمیں پکارا سو ہم کیا ہی خوب ہیں فریاد سننے والے اور ہم نے نوح کو اور اس کے گھر والوں کو بڑے غم سے نجات دی۔ اور ہم نے

ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿٧٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٧٨﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٩﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ

اس کی ذریت کو باقی رہنے دیا۔ اور ہم نے اُن کے لئے بعد کے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی کہ نوح پر سلام ہے جہانوں میں۔ بلاشبہ ہم

نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨١﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٨٢﴾

مخلصین کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ وہ ہماری مؤمن بندوں میں ہیں۔ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو غرق کر دیا۔

حضرت نوح علیہ السّلام کا دُعا کرنا اور ان کی قوم کا ہلاک ہونا اور ان کی ذرّیت کا نجات پانا

تفسیر: حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم میں ساڑھے نوسو برس رہے انہیں سمجھایا' توحید کی دعوت دی کہ غیر اللہ کی پرستش چھوڑنے کی تلقین کی' لیکن ان لوگوں نے نہ مانا بس تھوڑے سے ہی آدمی مسلمان ہوئے۔ اہلِ ایمان کی مختصر تعداد کے علاوہ جو دوسرے لوگ تھے وہ ضد پر اڑے رہے اور حضرت نوح علیہ السلام کی مخالفت کرتے رہے' حضرت نوح علیہ السلام نے تنگ آکر ان کے لئے بددعا کر دی: لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (کہ اے رب زمین میں ایک بھی کافر باشندہ مت چھوڑ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ کشتی بناؤ انہوں ایک کشتی بنائی' اللہ پاک کی طرف سے پہلے خبر دے دی گئی تھی کہ پانی کا طوفان آئے گا' طوفان آیا' حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنے گھر والوں اور دوسرے اہل ایمان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوگئے' یہ حضرات غرق ہونے سے بچ گئے' اللہ تعالیٰ نے ان سب کو نجات دے دی اور اہلِ کفر سب غرق ہوگئے' ان غرق ہونے والوں میں حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا بھی تھا اور ایک بیوی بھی تھی۔

ارشاد فرمایا: وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ اور واقعی بات یہ ہے کہ نوح نے ہمیں پکارا' سو ہم کیا ہی خوب دعا قبول کرنے والے ہیں (یعنی ان کی دعا قبول فرمائی)۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ (ہم نے نوح کو ان کے گھر والوں کو بڑے غم سے یعنی ڈوبنے کی مصیبت سے نجات دے دی) وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ (اور ہم نے ان کی ذریت کو باقی رکھا) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ (اور بعد کے آنے والوں میں انکے لئے ہم نے یہ بات رہنے دی کہ نوح پر سلام ہو جہانوں میں) اللہ تعالیٰ نے ان پر کئی طرح سے انعام فرمایا' اول تو انہیں اور ان کے اہل وعیال کو غرق ہونے سے بچالیا۔ دوسرے ان کی نسل کو دنیا میں باقی رکھا جو آج تک چل رہی ہے۔ اور تیسرے یہ انعام فرمایا کہ بعد کے آنے والوں میں ان کا ذکر جاری رکھا' ان کے

بعد جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور ان کی امتیں وجود میں آئیں سب نے ان پر سلام بھیجا' اور سلام میں بھی عموم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نوح علیہ السلام جہاں بھی ہوں جس عالم میں بھی ہوں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو۔

پھر فرمایا: اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (ہم احسان والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں) کسی کام کو اچھی طرح انجام دینے کو احسان کہا جاتا ہے۔ نیت کو درست کرنا' صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عمل کرنا اس کی بڑی اہمیت ہے' اسی لئے ترجمہ میں اَلْمُحْسِنِيْنَ کا ترجمہ مُخْلِصِيْنَ کیا گیا ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ (بلاشبہ وہ مومن بندوں میں سے تھے) ایمان ہی تو اصل چیز ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی مقبولیت نہیں' حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے پھر بھی ان کے ایمان کا تذکرہ فرمایا اور اس سے پہلے احسان کا تذکرہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ احسان بھی ضروری ہے انہی سے اللہ کے نزدیک ترقیات ہوتی ہیں' لیکن نبوت وہبی چیز ہے کسبی چیز نہیں' اور رسول اللہ ﷺ پر وہ بالکل ہی ختم ہو گئی۔ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ (پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو غرق کر دیا) یعنی حضرت نوح علیہ السلام' آپ کے اہل و عیال اور اہلِ ایمان کو نجات دے دی اور ان کے علاوہ کو غرق کر دیا۔

کیا طوفان نوح سارے عالم کو محیط تھا؟ حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے اور یہ بات مشہور ہے کہ ان کے بعد دنیا میں جو آبادی ہوئی وہ سب ان ہی کی اولاد سے ہے قرآن مجید کی آیت وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ سے بھی یہی متبادر ہوتا ہے کیونکہ یہ الفاظ حصر پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ کی تفسیر میں (حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے) یوں فرمایا کہ یہ حام اور سام اور یافث تھے۔ امام ترمذیؒ نے اس کے بارے میں فرمایا: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ پھر حضرت سمرہؓ ہی سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ سام عرب کا جدِ اعلیٰ اور حام حبشیوں کا جدِ اعلیٰ اور یافث رومیوں کا جدِ اعلیٰ تھا۔ (سنن ترمذی تفسیر سورۃ الصّٰفّٰت)

اور معالم التنزیل میں حضرت سعید بن المسیبؒ تابعی سے یوں نقل کیا ہے کہ سام عرب اور فارس اور روم کا جدِ اعلیٰ تھا۔ اور حام سوڈان یعنی کالے لوگوں کا جدِ اعلیٰ تھا۔ اور یافث ترکوں کا اور یاجوج ماجوج کا اور جو ان کے قریب اقوام رہتی ہیں ان کا جدِ اعلیٰ تھا۔

اگر طوفان پورے عالم میں آیا ہو اور زمین پر جتنی بھی آبادیاں تھیں ان سب کو غرق کر دیا گیا ہو تو پھر یہی متعین ہو جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہی سے آگے دنیا آباد ہوئی' لیکن اس میں یہ اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ جن اہلِ ایمان نے نجات پائی تھی کیا ان کی نسلیں نہیں چلیں؟ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے لکھا ہے:

وقد روی انہ مات کل من فی السفینۃ ولم یعقبوا عقباً باقیاً غیر الثلث سام وحام ویافث وازواجھم فانھم بقوا متناسلین الیٰ یوم القیمۃ (روایت ہے کہ کشتی میں جو تھے سب مر گئے سوائے حام' سام' یافث اور ان کی بیویوں کے اور کوئی نہیں بچا۔ قیامت تک انہیں میں نسل چلتی رہے گی) یعنی "حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ جو لوگ کشتی

میں تھے وہ لوگ غرق ہونے سے نجات پا کر کشتی سے اتر کر اپنی اپنی اجل کے مطابق مر گئے اور آپ میں سے کسی کی نسل نہیں چلی صرف حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹے سام حام اور یافث اور ان کی بیویاں باقی رہیں جن کی قیامت تک نسل جاری رہے گی۔" صاحب روح المعانی نے لکھ تو دیا لیکن سند پیش نہیں کی اور یہ بھی نہیں بتایا کہ یہ کس کا قول ہے۔

عام طور پر جو یہ مشہور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ہی کی اولاد سے آگے نسل چلی' اس کے مقابل دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد کے علاوہ دوسری نسلیں بھی دنیا میں چلتی رہی ہیں۔ جن لوگوں نے یہ بات کہی ہے ان کا قول اس پر مبنی ہے کہ طوفانِ نوح (علیہ السلام) عام نہیں تھا' ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت تمام اقوام کے لئے عام نہیں تھی کیونکہ یہ صرف خاتم الانبیاء ﷺ کی خصوصیت ہے' جب ان کی بعثت عام نہیں تھی تو جو لوگ ان کے مخاطب تھے انہوں نے ان کی نبوت کا انکار کیا اور انہی کے لئے بددعا فرمائی اور وہی لوگ ہلاک ہوئے۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ آیت کریمہ کے الفاظ سے تو حصر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ہی کی ذریت کو باقی رکھا' اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ یہ حصر کشتی والوں سے متعلق ہے' مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کشتی میں سوار تھے ان میں سے صرف حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے نسل چلی' باقی دنیا جو اپنی جگہ آباد تھی اس میں بسنے والوں اور ان کی نسلوں کا تذکرہ نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب. (راجع روح المعانی ج ۲۳ ص ۹۸)

وقد وقع فی قلبی بفضل اللہ تعالیٰ و کرمہ انہ یمکن ان یقال انّ الارض لم تکن معمُورة بنی ادم وما کانت اقطارھا کلھا یعیش فیھا الانسان و کان عمر انھا فی مناطق محدودة ولم تکن الّا امة واحدة لعدم الامتداد الطویل من عھد ادم علیہ السلام مکان جمیع النّاس مخاطبین لہٗ فلمّا انکروا اُغرِقُوا وھذا الاینا فی کون بعثة النّبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عامة لانّھا عمت لجمیع افراد البشر ولسائر الاقوام ولجمیع الامکنة والازمنة. واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرے دل میں یہ بات آ گئی ہے کہ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت پوری زمین میں انسان آباد نہیں تھے فقط محدود علاقوں میں آبادی تھی۔ وہ محدود آبادی گویا بس ایک ہی امت تھی کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو کوئی لمبا عرصہ نہیں گذرا تھا، لہٰذا اس وقت کے سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت کے مخاطب تھے۔ جب انہوں نے انکار کیا تو سب غرق کئے گئے۔ اور یہ توجیہ حضور ﷺ کی عمومی بعثت کے منافی نہیں ہے کیونکہ حضور ﷺ کی رسالت تمام انسانی افراد' اقوام اور تمام ممالک و زمانوں کو عام ہے)

وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ﴿٨٣﴾ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٤﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ

اور بلاشبہ نوح کا اتباع کرنے والوں میں ابراہیم بھی تھے۔ جب وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم لے کر آئے۔ جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا

مَاذَا تَعْبُدُونَ ﴿٨٥﴾ أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ﴿٨٦﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾

تم لوگ کس چیز کی عبادت کرتے ہو۔ کیا اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں کو چاہتے ہو۔ سو رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ

پھر ایک نظر اٹھا کر ستاروں کو دیکھا۔ اور کہہ دیا کہ بیشک میں بیمار ہوں۔ سو وہ لوگ ان سے پشت پھیر کر چلے گئے۔ سو وہ اُن کے بتوں کی طرف متوجہ ہوئے

فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾

سو کہا کیا تم کھاتے نہیں ہو۔ تم کو کیا ہوا تم بولتے نہیں۔ پھر اُن پر قوت کے ساتھ متوجہ ہو کر مارنے لگے۔ سو وہ لوگ اُن کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا

انہوں نے کہا کیا تم اس چیز کی پوجا کرتے ہو جسے خود تراشتے ہو۔ اور اللہ نے تمہیں پیدا فرمایا ہے اور اُن چیزوں کو بھی جنہیں تم بناتے ہو۔ کہنے لگے کہ اس کے لئے ایک مکان بناؤ

فَاَلْقُوْهُ فِى الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾

پھر اُسے دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔ سو انہوں نے ان کے ساتھ برا برتاؤ کرنے کا ارادہ کیا سو ہم نے اُن لوگوں کو نیچا دیکھنے والا بنا دیا

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا اور بتوں کو توڑ دینا پھر آگ میں ڈالا جانا اور صحیح سالم محفوظ رہ جانا

تفسیر: یہاں سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے ارشاد فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا اتباع کرنے والوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تھے۔

اتباع کا مطلب کیا ہے؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان دونوں کی شریعتوں میں اصولِ دین میں تو اتفاق تھا ہی احکام میں بھی اکثر اتفاق تھا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ تابع ہونے کا مطلب یہ کہ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت کے کام میں بہت محنت کی اور تکلیفیں برداشت کیں اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی جم کر دعوت کا کام کیا اور بڑی بڑی مشقتیں برداشت کیں، حتیٰ کہ آگ میں ڈالے گئے۔

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (جبکہ وہ اپنے رب کے پاس قلبِ سلیم لیکر آئے) سلیم سالم کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا دل لے کر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوئے کہ عقائد بالکل صحیح تھے، نیت خالص تھی، صفاتِ قبیحہ مثلاً حسد، کھوٹ کپٹ سے خالی تھے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک گفتگو کا تذکرہ فرمایا جو ان کے اور ان کی قوم کے درمیان ہوئی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کس چیز کی پرستش کرتے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں، کما ذکر فی سورۃ الشعراء۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں کو چاہتے ہو؟ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سو رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تم اس کی عبادت بالکل ہی نہیں کرتے یا اسکی عبادت تو کرتے ہو لیکن ساتھ ہی بتوں کو بھی شریک بنا رکھا ہے یعنی ساتھ ہی انکی بھی عبادت کرتے ہو۔

صاحبِ روح المعانی نے اس کا ایک یہ مطلب لکھا ہے کہ تمہارا اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا خیال ہے، کیا وہ تمہاری اس جرأت پر عذاب نہ دے گا کہ تم نے جھوٹے معبود بنا لئے اور تمہیں کچھ بھی ڈر نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی اور بت پرست اقوام کی طرح میلے لگاتے تھے، ایک مرتبہ قوم اپنے

بتوں کے سامنے کھانا رکھ کر میلے میں شریک ہونے کے لئے چلی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ تم بھی چلو' چونکہ یہ لوگ ستاروں کی تاثیرات کے قائل تھے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پیچھا چھڑانے اور ان کے پیچھے ان کے بتوں کی توڑ پھوڑ کے لئے ستاروں کے طرف ایک نظر دیکھا اور فرمایا کہ میں تو بیمار ہونے والا ہوں تمہارے ساتھ کیسے جاؤں' وہ لوگ آپکو چھوڑ کر چلے گئے آپ نے ان کے پیچھے بت خانہ کا رخ کیا اور وہاں جا کر اول تو ان بتوں کی مذاق بنائی اور فرمایا کیا بات ہے کہ تم کھاتے نہیں ہو؟ (کھانے کی چیزیں وہاں پہلے سے رکھی ہوئی تھیں' مشرکین وہاں متبرک بنانے کے طور پر رکھ کر گئے تھے تاکہ واپس ہو کر کھائیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں سے یہ بھی کہا کیا بات ہے تم بولتے نہیں؟ بت تو بت ہیں کیا جواب دیتے' حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پر کلہاڑا لے کر پل پڑے اور مار مار کر ان کا تیہ پانچہ کر دیا اور توڑ کر رکھ دیا۔ اس میں جو لفظ بالیمین وارد ہوا ہے اس کے دو ترجمے کئے گئے ہیں' اول یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے حملہ کیا اور دوسرے یہ کہ پوری قوت کے ساتھ مار بجائی۔

جب وہ لوگ میلہ سے واپس ہوئے اور بتوں کو اس حال میں پایا کہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے ہیں' تو اول تو آپس میں پوچھنے لگے کہ یہ کس نے کیا ہے؟ پھر کہنے لگے کہ ہاں وہ ایک نوجوان جسے ابراہیم کہا جاتا ہے وہ ایک دن کہہ رہا تھا کہ میں ایک دن ان کے بارے میں ایک تدبیر نکالوں گا' ہو نہ ہو ایسا کام کرنے والا ابراہیم ہی ہو گا' کہنے لگے اسے بلاؤ سب لوگوں کے سامنے بات ہو گئی' اس مشورے کے بعد جلدی جلدی حضرت ابراہیم کے پاس دوڑے ہوئے آئے اور آپ سے دریافت کیا کیا تم نے ہمارے بتوں کے ساتھ ایسا کیا ہے؟ فرمایا یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے انہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں؟ کہنے لگے تم جانتے ہو یہ تو بولتے نہیں ہیں! فرمایا تو کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی پوجا کرتے ہو جو تمہیں کچھ بھی نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتے' تف ہے تم پر اور تمہارے معبودوں پر' یہ سوال اور جواب سورۃ الانبیاء میں مذکور ہے۔

یہاں سورۃ الصّٰفّٰت میں فرمایا ہے: قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ کیا تم ان چیزوں کی عبادت کرتے ہو جنہیں خود ہی تراش کر اور کاٹ چھانٹ کر کے بنا لیتے ہو وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ اور حال یہ ہے کہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جن چیزوں کو تم بناتے ہو انہیں بھی اسی نے پیدا فرمایا ہے۔

مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کا دلیل سے تو جواب نہ دے سکے البتہ آپس میں یہ طے کیا کہ ان کے لئے ایک مکان بناؤ یعنی ایک چار دیواری تیار کرو' پھر اس میں بہت زیادہ آگ جلاؤ اور اس شخص کو اس آگ میں ڈال دو۔

چنانچہ انہوں نے ایک بڑی جگہ بنائی اور اس میں خوب آگ جلائی پھر منجنیق کے ذریعے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس آگ میں ڈال دیا' آگ کو اللہ کا حکم ہوا کہ تو ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی والی بن جا' ابراہیم کو کوئی تکلیف نہ پہنچے چنانچہ آگ اللہ کے حکم سے ٹھنڈی ہو گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بال بھی بیکا نہ ہوا' اب تو دشمنوں نے منہ کی کھائی' سب حیران رہ گئے۔ اسی کو فرمایا: فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ (سو ان لوگوں نے ابراہیم کو تکلیف پہنچانے کی تدبیر کی سو ہم نے ان لوگوں کو نیچا کر دیا) وہ ذلیل ہوئے اور سب نے نیچا دیکھا۔

اس قصہ کی تفصیل سورۃ الانبیاء (رکوع ۴) میں بھی گذر چکی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اِنِّیْ سَقِيْمٌ فرمایا تھا اس کے بارے میں بھی وہاں ضروری بحث لکھ دی گئی' مطالعہ کر لیا جائے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو ستاروں کی طرف دیکھ کر اپنی قوم کو جواب دیا کہ میں

بیمار ہونے والا ہوں، تو ستاروں کی طرف کیوں دیکھا اور کیا ستاروں سے انسانوں کے احوال اور امراض اور اسقام کا کوئی تعلق ہے؟ پہلی بات کا جواب اوپر گذر چکا ہے کہ چونکہ وہ لوگ ستاروں کو مانتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہمارے حالات کا ستاروں سے تعلق ہے اس لئے ستاروں کو بہانہ بنا کر ان لوگوں کو چلتا کر دیا اور خود وہیں رہ گئے۔ اب رہا دوسرا سوال تو اس کے بارے میں حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ ''بیان القرآن'' میں لکھتے ہیں کہ علمِ نجوم شرعاً مذموم ہے خواہ اس وجہ سے کہ وہ باصلہ باطل ہے اور کواکب میں سعادت و نحوست منفی ہے اور یا اس وجہ سے مذموم ہے کہ کواکب کی سعادت اور نحوست میں گو ثبوت عدم نہ ہو مگر عدم ثبوت ہے اور اس کے قواعد کسی دلیل صحیح کی طرف مستند نہیں اور پھر مفاسد کثیرہ اس پر مرتب ہوتے ہیں اعتقاد قبیح اور شرک صریح اور ضعف توکل علی اللہ اور ترکِ علومِ نافعہ وغیرہ ذٰلک۔ حاصل یہ ہے کہ نجوم مذموم ہے خواہ قبح لعینہٖ کی وجہ سے مذموم ہو خواہ قبح لغیرہٖ کی وجہ سے۔ (انتہٰی ملخصاً)

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ

اور ابراہیم نے کہا کہ بلاشبہ میں اپنے رب کی طرف جانیوالا ہوں وہ عنقریب مجھے راہ بتادے گا۔ اے میرے رب مجھے نیک فرزند عطا فرما۔ سو ہم نے

بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ

انہیں حلم والے لڑکے کی بشارت دی۔ سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے کہا کہ اے میرے چھوٹے سے بیٹے بیشک میں خواب میں دیکھ رہا ہوں

مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ

کہ تجھے ذبح کرتا ہوں سو تو غور کر لے تیری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا کہ اے ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے اس پر عمل کر لیجئے انشاء اللہ آپ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ سو جب

اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ

دونوں نے حکم کو مان لیا اور ابراہیم نے بیٹے کو کروٹ کے بل لٹا دیا۔ اور ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ بلاشبہ ہم

نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكْنَا

مخلصین کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ کھلا ہوا امتحان ہے۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دے دیا۔ اور بعد کے آنے والوں میں

عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا

ان کے لئے یہ بات رہنے دی کہ سلام ہو ابراہیم پر۔ ہم اس طرح مخلصین کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے

الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَیْهِ وَعَلٰۤی اِسْحٰقَ ؕ

مومن بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے انہیں اسحٰق کی بشارت دی کہ وہ نبی ہوں گے صالحین میں سے ہوں گے۔ اور ہم نے ابراہیم پر اور اسحٰق پر برکت دی؛

وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ ﴿۱۱۳﴾

اور ان کی نسل میں سے اچھے لوگ ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں جو صریحاً اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے علاقہ سے ہجرت کرنا پھر بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم ملنا اور فرمانبرداری میں کامیاب ہونا

تفسیر: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن بابل کے قریب تھا انہوں نے وہاں کے مشرکین کو شرک سے باز آنے اور خالق کائنات وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی' یہ لوگ شرک سے باز نہ آئے' آپ نے ہجرت کا اعلان کر دیا اور فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں یعنی کسی ایسی جگہ جا کر آباد ہوتا ہوں جہاں اپنے رب کے احکام ادا کرسکوں اور دوسروں کو بھی راہِ حق دکھا سکوں' میرا رب میری رہبری فرمائے گا اور مجھے ایسی جگہ پہنچا دے گا جہاں رہنے سے اس کی رضامندی حاصل ہوگی' چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام شام کو ہجرت کر گئے اور وہاں جا کر آباد ہو گئے' حضرت لوط علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ تھے' دونوں نے سرزمین شام کے لئے ہجرت کی اور فلسطین کے علاقے میں جا کر آباد ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک بیوی تو سفر ہی میں ان کے ساتھ تھیں جن کا نام سارہؓ تھا اور دوسری بیوی ایک بادشاہ نے پیش کر دی تھیں جن کا نام ہاجرہؓ تھا' جس بادشاہ نے حضرت سارہؓ کو پکڑوا کر بلایا تھا اسی نے حضرت ہاجرہ کو بطورِ خادمہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا (جس کا قصہ سورۃ الانبیاء میں گذر چکا ہے) حضرت سارہؓ اسحٰق علیہ السلام کی والدہ تھیں اور حضرت ہاجرہؓ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے ایک ایسا فرزند عطا فرمائیے جو صالحین میں سے ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا۔ مفسر ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ سب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں جس بیٹے کی بشارت کا ذکر ہے اس سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی مراد ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے' کچھ بڑے ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اور ان کی والدہ کو اللہ کے حکم سے مکہ معظمہ کی سرزمین میں چھوڑ دیا' اس وقت مکہ معظمہ چٹیل میدان تھا کعبہ شریف کی عمارت بھی موجود نہ تھی' اللہ کریم نے ان کے لئے زمزم کا چشمہ پیدا فرما دیا پھر بنی جرہم کا قبیلہ بھی وہاں آ کر آباد ہو گیا' حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین سے اپنی بیوی اور بیٹے کی خبر لینے مکہ معظمہ جایا کرتے تھے' ایک مرتبہ تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں خواب میں دکھایا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں' انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب سچا ہوتا تھا اور اللہ کی جانب سے ہوتا تھا' ایسی بات اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم دیئے جانے کے مترادف سمجھی جاتی تھی اس لئے انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ میں نے ایسا خواب دیکھا ہے تمہاری کیا رائے ہیں؟ بیٹے نے جواب دیا: یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ (یعنی اے ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے اس پر عمل کر لیجئے آپ مجھے انشاء اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے)۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ سے لیکر چلے اور منیٰ میں جا کر ذبح کرنے کی نیت سے ایک چھری ساتھ لی (منیٰ مکہ معظمہ سے تین میل دور دو پہاڑوں کے درمیان بہت لمبا میدان ہے) جب منیٰ میں داخل ہوئے تو ان کے بیٹے کو شیطان بہکانے لگا' حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پتہ چلا تو اللہ اکبر کہہ کر سات کنکریاں ماریں جس

کی وجہ سے وہ زمین میں دھنس گیا' دونوں باپ بیٹے آگے بڑھے تو زمین نے شیطان کو چھوڑ دیا' پھر قریب آ کر ورغلانے لگا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر اللہ اکبر کہ کر سات کنکریاں ماردیں' وہ پھر زمین میں دھنس گیا' یہ دونوں آگے بڑھے تو پھر زمین نے اس کو چھوڑ دیا' پھر قریب آ کر ورغلانے لگا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر اللہ اکبر کہہ کر اُسے سات کنکریاں ماریں' پھر وہ زمین میں دھنس گیا اور اس کے بعد آگے بڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل زمین پر لٹادیا۔

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا (اور ہم نے ابراہیم کو آواز دی کہ تم نے خواب کو سچا کر دکھایا) خواب میں جو حکم دیا گیا تھا اپنی طرف سے اس کا انجام دینے میں ذرا بھی کسر نہ چھوڑی۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (اور ہم مخلصین کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ (بلاشبہ یہ کھلا امتحان ہے) وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (اور ہم نے اس کے بدلہ ایک بڑا ذبیحہ دے دیا) یعنی ابراہیم علیہ السلام کے فرزند کو ذبح ہونے سے بچالیا۔ (انہوں نے اپنے بیٹے کے گلے پر چھری پھیر دی لیکن گلا نہ کٹا' مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گلے کو تانبے کا بنادیا جس پر چھری نے کچھ کام نہ دیا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک بڑا ذبیحہ بھیج دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ ذبیحہ ایک مینڈھا تھا جو جنت سے لایا گیا تھا' اور بعض روایات میں ہے کہ اس مینڈھے کو حضرت جبرئیل علیہ السلام لیکر آئے تھے۔ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ (اور ہم نے بعد کے آنیوالوں میں ابراہیم کے بارے میں یہ بات چھوڑ دی کہ سلام ہو ابراہیم پر) كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (ہم مخلصین کو اسطرح صلہ دیا کرتے ہیں) چنانچہ بعد کے آنیوالی تمام امتوں میں ان کا اور انکی قربانی کا تذکرہ ہے اور اہل ایمان ان پر سلام بھیجتے رہتے ہیں' جب ان کا نام لیتے ہیں علیہ السلام کہتے ہیں اور امت محمدیہ کو ان سے خاص تعلق ہے' انکی شریعت کے احکام اس شریعت میں ماخوذ ہیں اور نماز میں جو درودِ ابراہیمی پڑھا جاتا ہے وہ تو نمازیوں کو یاد ہی ہے انہوں نے دعا بھی کی تھی: وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ (اور اے اللہ بعد کے آنیوالوں میں میرا اچھا تذکرہ جاری رکھیے) اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول فرمائی برابر انکا ذکر خیر جاری ہے اور برابر ان کے لئے سلام کی دعا اہلِ ایمان کی زبانوں سے نکلتی ہے۔ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ (بلاشبہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں)

نیک نیتی پر ثواب: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہت بڑی قربانی دی' اپنے وطن میں آگ میں ڈالے گئے اسے خوشی سے منظور کرلیا' اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حفاظت فرمائی اور صحیح سالم آگ سے باہر آ گئے' پھر جب ہجرت فرما کر شام آ گئے اور مکہ معظمہ میں اپنی بیوی اور ایک بچے کو آباد کر دیا' پھر جب اس کے ذبح کرنے کا حکم ہوا تو اسے بھی ذبح کر دیا۔ (یعنی اپنی کوشش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی) اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی مدد فرمائی اور ان کے بیٹے کو بچا لیا اور اس کی جگہ ایک مینڈھا بھیجدیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو بھی کوئی شخص سچی نیت سے اور سچے دل سے کسی عمل کا ارادہ کرے اور پھر وہ کام نہ ہو سکے تب بھی اسکا ثواب مل جاتا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ یا جہاد کے لئے (اپنے گھر سے) نکل گیا پھر راستہ میں مرگیا تو اُس کے لئے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ مجاہد اور حاجی اور عمرہ کرنے والوں کا ثواب لکھ دے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۲۳)

قرآن شریف میں وارد ہے: وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ (سورۃ النّساء) اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کیلئے نکل جائے پھر اسکو موت آ جائے تو اللہ کے ذمہ اسکا ثواب ثابت ہو گیا۔

حدیث شریف میں یہ بھی وارد ہے کہ جو شخص تہجد کی نماز پڑھنے کی نیت سے سو گیا اور پھر آنکھ نہ کھل سکی تو اس کو تہجد پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ (الترغیب و الترھیب ص۴۰۹)

اُمتِ محمدّیہ کے لئے قربانی کا حکم: حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے واقعہ سے قربانی کی ابتدا معلوم ہوئی' اور حج کے موقع پر منیٰ میں جو کنکریاں ماری جاتی ہیں ان کی ابتداء بھی اسی واقعہ سے ہے۔ انہی تین جگہوں میں کنکریاں مارتے ہیں جہاں شیطان زمین میں دھنس گیا تھا' جگہ کی نشاندہی کے لئے پتھر کے مینار بنا دیئے گئے ہیں۔ اس کے بعد سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے لئے ان جگہوں میں حج کے موقع پر کنکریاں مارنا اور جانوروں کی قربانی کرنا عبادت میں شمار ہو گیا ہے' چنانچہ امتِ محمدیہ کے لئے بھی قربانی شروع ہوگئی' صاحبِ حیثیت پر قربانی واجب ہے اور اگر کسی کی اتنی حیثیت نہ ہو اور قربانی کر دے تب بھی ثواب عظیم کا مستحق ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا مَنْ وَّجَدَ سِعَةً لِاَنْ یُّضَحِّیَ فَلَمْ یُضَحِّ فَلَا یَحْضُرْ مُصَلَّانَا (الترغیب والترھیب ج۲ص۱۰۳) یعنی جو شخص وسعت ہوتے ہوئے بھی قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور ہر سال قربانی فرمائی۔ (مشکوٰۃ)

ان حدیثوں سے قربانی کی بہت زیادہ تاکید معلوم ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ کے پابندی سے قربانی کرنے اور اس کی تاکید کرنے کی وجہ سے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اہلِ وسعت پر قربانی کو واجب کہا ہے اور فرمایا ہے کہ صاحبِ نصاب پر قربانی واجب ہے (واجب کا درجہ فرض کے قریب ہے بلکہ عمل میں فرض کے برابر ہے) صاحب نصاب کون ہے؟ اسکو سمجھنے کے لئے کتبِ فقہ کی مراجعت کی جائے۔

چونکہ اصل خون بہانا یعنی جان' جانِ آفریں کے سپرد کرنا ہے اس لئے قربانی کے ایام میں اگر کوئی شخص قربانی کی قیمت صدقہ کر دے یا اس کی جگہ غلہ یا کپڑا محتاجوں کو دے دے تو اس سے حکم کی تعمیل نہ ہوگی اور ترکِ قربانی کا گناہ ہوگا اور ہر بال کے بدلہ نیکی ملنے کی جو سعادت تھی اس سے محرومی ہوگی۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جاری کیا ہوا طریقہ ہے' پھر سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ ہمارے لئے قربانی میں کیا ثواب ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ہے' صحابہؓ نے پھر پوچھا کہ یا رسول اللہ اُون کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا (اگر قربانی کے طور پر ایسا جانور ذبح کیا جو اُون والا ہو مثلاً دُنبہ ہو تو) اس کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ملے گی۔ (رواہ احمد ابن ماجہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ ﷺ نے فرمایا کہ یوم النحر (ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کے دن) کسی شخص نے کوئی عمل ایسا نہیں کیا جو اللہ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے زیادہ محبوب ہو اور ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ قیامت کے دن قربانی کرنے والا قربانی کے جانور کے سینگوں اور بالوں اور کھروں کو لے کر آئے گا' مزید فرمایا کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت کا درجہ پالیتا ہے لہٰذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (رواہ ابن ماجہ والترمذی وقال حسن غریب والحاکم وقال صحیح الاسناد فی الترغیب ص ۱۰۴ ج ۲)

حضرت ابوسعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ ﷺ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ اپنی قربانی کے قریب کھڑی ہو جاؤ کیونکہ قربانی کے خون کا قطرہ جو گرے گا اسکی وجہ سے تمہارے گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ عرض کیا یا رسول اللہ علیہ ﷺ یہ ثواب ہمارے لئے یعنی اہلِ بیت کے لئے مخصوص ہے یا ہمارے اور تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔ آپ علیہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ثواب ہمارے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔ (رواہ البزار وابو الشیخ بن حبان فی کتاب الضحایا وغیرہ کما فی الترغیب ص ۱۰۴ ج ۲)

حضرت اسحٰق علیہ السّلام کی بشارت: وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ

(اور ہم نے ابراہیم کو بشارت دی اسحٰق کی کہ وہ نبی ہوں گے صالحین میں سے) وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ (اور ہم نے ابراہیم اور اسحٰق پر برکتیں نازل کیں) وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ (اور ان دونوں کی نسل میں بعض اچھے ہیں اور بعض ایسے ہے جو کھلے طور پر اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو بیٹے عطا فرمائے تھے ان میں سے ایک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے جن کے ذریعے مکہ معظمہ آباد ہوا ہے اور ان کے ساتھ مل کر انہوں نے کعبہ شریف تعمیر کیا اور جن کی نسل سے خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ علیہ ﷺ پیدا ہوئے دوسرے مشہور صاحبزادہ حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے' ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جن کا لقب اسرائیل تھا' ان کے بارہ بیٹے تھے' بنی اسرائیل انہیں کی اولاد ہیں' اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں بہت برکت دی' ان کی نسل بھی بہت ہوئی اور ان میں انبیائے کرام علیہم السلام بھی کثیر تعداد میں ہوئے' اللہ تعالیٰ کی کتابیں بھی ان پر نازل ہوئیں اور صحیفے بھی۔

آخر میں جو یہ فرمایا کہ ان کی ذریت میں محسنین بھی ہیں اور ظالمین بھی۔ اس میں یہ بتا دیا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی نسلوں میں ہونا عند اللہ مقبولیت کی دلیل نہیں ہے' جو ایمان سے محروم ہوگا اور عملِ صالح سے دور ہوگا وہ کسی مقبول بندہ کا بیٹا ہونیکی وجہ سے نجات کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا کون سا فرزند ذبیح تھا: اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم اللہ نے دیا تھا وہ کون سا بیٹا تھا' اہلِ کتاب تو یہی کہتے ہیں کہ وہ حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے اور امتِ محمدیہ میں سے بھی بعض علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے لیکن بہت سے اہلِ تحقیق فرماتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے' ان حضرات کی دو دلیلیں زیادہ وزنی ہیں' ایک تو یہ کہ سورۃ الصّٰفّٰت میں اولاً یہ فرمایا کہ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ پھر متصلاً یوں فرمایا فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ اس کے بعد ذبح کا

قصہ ذکر فرمایا' پھر فرمایا وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ لہٰذا سیاق کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس بیٹے کی اولاً خوشخبری دی گئی وہی ذبیح تھے اور وہ اسحٰق علیہ السلام کے علاوہ تھے' دوسری دلیل جو پہلی دلیل سے زیادہ وزن دار ہے یہ ہے کہ سورۂ ہود میں فرمایا ہے: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ کہ ہم نے ابراہیم کو اسحاق کی خوشخبری دی اور ہم نے یہ خوشخبری بھی دی کہ اسحٰق کے بعد یعقوب کا بھی تولد ہوگا' اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس بیٹے کو ذبح فرمایا وہ نابالغ تھا اسی لئے اسے یٰبُنَیَّ کہہ کر خطاب کیا' اور جب کسی کے بارے میں پہلے سے کہہ دیا جائے کہ اس سے اولاد بھی ہوگی اور پھر یوں کہہ دیا جائے کہ اس کو ذبح کر دو تو اس میں امتحان کا خاص پہلو نہیں نکلتا جسے ذبح کرنے کا حکم دیا جائے وہ پہلے سے جانتا ہے کہ یہ ذبح ہونے والا نہیں ہے کیونکہ اسے بالغ بھی ہونا ہے اور اس کی اولاد بھی ہونی ہے۔ صاحب الدُّر المختار لکھتے ہیں کہ: المختار ان الذبیح اسماعیل' وفی القاموس انہ اصح قال و معناہ مطیع اللہ' صاحب ردالمحتار اس پر تعلیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ قلت و بہٖ قال احمد و رجحہٗ غالب المحدثین۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا۔ اور اُن دونوں کو اور اُن کی قوم کو بڑی بے چینی سے نجات دی۔

وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ

اور ہم نے اُن کی مدد کی سو وہ ہی غالب ہونے والے تھے۔ اور ہم نے اُنہیں واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب دی۔ اور ہم نے انہیں صراط

الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى

مستقیم کی ہدایت کی۔ اور ہم نے بعد میں آنے والوں میں اُن دونوں کے بارے میں یہ بات چھوڑ دی کہ سلام ہو موسیٰ پر اور ہارون پر۔ بلاشبہ ہم اسی طرح

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

مخلصین کو صلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں حضرت موسیٰ اور اُن کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے ان دونوں پر احسان کیا یعنی نبوت عطا کی اور اس بڑے انعام سے نوازا اور اس کے علاوہ بھی دوسری نعمتیں عطا فرمائیں' اُنہی نعمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہیں اور ان کی قوم کو بڑی بے چینی سے نجات دی کیونکہ یہ لوگ مصر میں رہتے تھے جہاں کا صاحب اقتدار فرعون تھا وہ بڑا ظالم تھا اس کی حکومت میں بنی اسرائیل عاجز محض بنے ہوئے تھے (جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی قوم کے لوگ تھے) فرعون ان کے لڑکوں تک کو ذبح کر دیتا تھا اور یہ چوں بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس سے بڑی بے چینی اور مظلومیت کیا ہوگی' اللہ تعالیٰ نے اس بے چینی سے اُن کو نجات دی' ان لوگوں کی مدد فرمائی۔ دریا سے پار کر دیا' یہ لوگ غالب ہوئے اور فرعون اور اس کے لشکر مغلوب ہوئے جو دریا میں غرق ہو کر ہلاک ہو گئے۔

وَاٰتَیْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ (اور ہم نے انہیں واضح کتاب دی) یعنی توریت شریف عطاء فرمائی جس میں واضح طور پر احکام شرعیہ بیان فرمائے وَهَدَیْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (اور ہم نے ان دونوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دی) جس پر وہ قائم رہے اور بنی اسرائیل کو بھی اسی کی دعوت دیتے رہے۔ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِمَا فِی الْاٰخِرِیْنَ سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ اور ہم نے بعد کے آنیوالوں میں اُن کے بارے میں یہ بات رہنے دی کہ سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر (چنانچہ اُن کے بعد آنے والی ساری اُمتیں خاص کر اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ برابر دعائے سلام کیساتھ اُن کا نام لیتی ہے یعنی انہیں لفظ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ یاد کرتی ہے) اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ (بیشک ہم مخلصین کو اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں بلاشبہ وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں)

وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ
اور بلاشبہ الیاس پیغمبروں میں سے ہیں۔ جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے کیا بعل کی عبادت کرتے ہو
اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾
اور احسن الخالقین کو چھوڑے ہوئے ہو۔ جو اللہ ہے جو تمہارا رب ہے اور تمہارے باپ دادوں کا رب ہے۔ سو اُن لوگوں نے انہیں جھٹلایا لہٰذا وہ ضرور حاضر کئے جائیں گے
اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ ﴿۱۳۰﴾
سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔ اور بعد میں آنے والوں میں اُن کے بارے میں یہ بات چھوڑ دی کہ سلام ہو الیاس پر۔
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۲﴾
بلاشبہ ہم مخلصین کو ایسے ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

حضرت الیاس علیہ السّلام کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا اور بُت پرستی چھوڑنے کی تلقین فرمانا

تفسیر: حضرت الیاس علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں میں سے تھے، بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے اور حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے آپ جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے وہ لوگ مشرک تھے اُن کا ایک بت تھا جس کا نام بَعْل تھا یہ لوگ اس کی عبادت کرتے تھے اور اُس سے حاجتیں مانگا کرتے تھے۔ روح المعانی میں ایک قول لکھا ہے کہ یہ بت سونے کا تھا جس کا قد بیس ہاتھ تھا اور چار چہرے تھے شیطان اُس کے اندر داخل ہو جاتا تھا اور اُس کے پجاریوں اور خدمت گاروں سے باتیں کرتا تھا وہ لوگ اُس کی باتیں وہاں آنے والوں کو بتا دیتے تھے جس سے وہ لوگ اور زیادہ معتقد ہو جاتے تھے۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے اُن کو تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی اور استفہام انکاری کے طور پر فرمایا کیا تم اُس ذات پاک کو چھوڑتے ہو جو اَحسن الخالقین ہے جو اللہ ہے جو تمہارا بھی رب ہے اور

تمہارے باپ دادوں کا بھی، تم معبودِ حقیقی کی عبادت نہیں کرتے اور اُسے اپنی حاجتوں کے لئے نہیں پکارتے، یہ تمہاری بیوقوفی ہے، صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسی سے اپنی حاجتیں طلب کرو۔

اس میں جو احسن الخالقین فرمایا ہے اس سے احسن المصورین مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ شانہٗ سب کی صورتیں بناتا ہے، وہی حقیقی مصور ہے، اس کے علاوہ جو لوگ مورتیاں بناتے ہیں وہ مجازی مصور ہیں۔

اُن لوگوں نے حضرت الیاس علیہ السلام کی بات نہ مانی، شرک کو نہ چھوڑا، توحید پر نہ آئے، اُن کے بارے میں ارشاد فرمایا: فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ (کہ وہ ضرور عذاب میں حاضر کئے جائیں گے) اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ (سوائے اللہ کے اُن بندوں کے جو اللہ ہی کے خالص بندے تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے چن لیا تھا) اس میں یہ بتادیا کہ حضرت الیاس علیہ السلام کی اُمت میں سبھی کافر و مشرک نہ تھے بعض مخلص مومن بھی تھے: وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ اور ہم نے بعد کے آنے والوں میں اُن کے بارے میں یہ بات رہنے دی کہ سلام ہو الیاس پر اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ بیشک ہم مخلصین کو اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں بیشک وہ ہماری مومن بندوں میں سے ہیں۔

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ میں جو لفظ اِلْ یَاسِین ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ بھی حضرت الیاس علیہ السلام کا نام تھا۔ کبھی کبھی کلمہ کے آخیر میں یا اور نون بڑھادیا کرتے ہیں جیسے سِیْنَآء اور سینین ہے، رعایت فواصل کی وجہ سے اِلْ یاسین لایا گیا ہے۔ وقیل هو جمع الیاسِ علٰی طریق التغلیب علٰی قومهٖ واتباعهٖ کالمهلبین للمهلب وقومهٖ وقیل جمع الیاسیِّ بیاء النسبة فخفف والمراد بِالیاسین قوم اِلیاسین المخلصون فَاِنهم الا حقآء بِاَن ینسبوا الیه وَضُعِّفَ هٰذا القول. وقرأ نافع وابن عامر ویعقوب وزید بن علی (آل یاسین) بالاضافة، وکتب فی المصحف العثمانی منفصلًا ففیه نوع تأیید لهٰذہ القرأة وجوّزان یّکون الآل مقحما علٰی ان یاسین هو الیاس نفسهٗ۔ (اور کہا گیا ہے کہ وہ الیاس کی جمع ہے حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم اور متبعین پر ان کی تغلیب کی وجہ سے جیسے مہلّب اور اس کی قوم کے لئے مہلّبین کہا جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا یہ الیاسی کی جمع ہے جس کے آخر میں یاء نسبت کی ہے پھر اس میں تخفیف کر کے الیاسین ہوا۔ اور الیاسین سے مراد حضرت الیاس علیہ السلام کے مخلص متبع ہیں کیونکہ وہی حضرت الیاس علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے کے مستحق ہیں۔ لیکن اس قول کو ضعیف کہا گیا ہے نافع، ابن عامر، یعقوب اور زید بن علی نے اضافت کے ساتھ آل یاسین پڑھا ہے مصحف عثمانی میں آل اور یاسین الگ الگ لکھا ہوا ہے لہٰذا یہ بات اس قول کی تائید کرتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آل کا لفظ زائد ہو اور یاسین سے مراد خود حضرت الیاس ہی ہوں)

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور بلاشبہ لوط پیغمبروں میں سے ہیں۔ جبکہ ہم نے انہیں اور اُن کے گھر والوں کو نجات دے دی۔ سوائے بوڑھی عورت کے وہ باقی رہ جانے والوں میں سے تھی۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ اور بلاشبہ تم اُن پر ضرور گذرتے ہو صبح کے وقت اور رات کو سو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔

حضرت لوط علیہ السّلام کا تذکرہ اور قوم کا ہلاک ہونا اور بیوی کے علاوہ ان کے تمام اہل وعیال کا نجات پانا

تفسیر: ان آیات میں حضرت لوط علیہ السلام کی بعثت اور اُن کی اور اُن کے اہل وعیال کی نجات اور ان کی قوم کی ہلاکت کا ذکر ہے' اُن کی قوم کے لوگ کافر تو تھے ہی برے اعمال میں بھی بہت آگے بڑھے ہوئے تھے' مرد مردوں سے شہوت پوری کرتے تھے' حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا وہ لوگ نہ مانے اور حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ اے لوط اگر تم اپنی بات سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں اپنی آبادی سے نکال باہر کردیں گے۔ اُن لوگوں پر جس دن صبح صبح عذاب آنا تھا اللہ تعالیٰ نے اُس صبح سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ اپنے اہل وعیال کو لے کر رات کے آخری حصہ میں آبادی سے نکل جائیں البتہ اپنی بیوی کو ساتھ لینا (یہ اس لئے کہ وہ کافرہ تھی جیسا کہ سورۃ التحریم کے آخر میں اس کا کافر ہونا مذکور ہے) چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام رات کو اپنے اہل وعیال کو لے کر آبادی سے نکل گئے' صبح ہوئی قوم پر عذاب آ گیا' زمین کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور آسمان سے پتھر برسا دیئے گئے' یہ قصہ سورۃ الانعام' سورۃ الحجر' سورۃ الشعراء اور سورۃ النمل میں گذر چکا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی اپنے کفر کی وجہ سے ہلاک شدہ لوگوں میں رہ گئی' اسی کو اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ سے تعبیر فرمایا ہے۔

اہل مکہ کو عبرت دلانا: اہل مکہ کا یہ طریقہ تھا کہ سال میں دومرتبہ ملک شام کا سفر کرتے تھے' ایک سفر سردی میں اور ایک سفر گرمی میں ہوتا تھا' جس کے بارے میں رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ فرمایا ہے' یہ سفر تجارت کا ہوتا تھا' شام جانے کے لئے ضروری تھا کہ اُن بستیوں کے پاس سے گذرے جو اُلٹ دی گئی تھیں اُن کے کھنڈر نظر آتے تھے' اُن جگہوں میں کبھی رات کو گذرتے تھے اور کبھی صبح کو' ہلاک شدہ اقوام کے آثار اور نشان دیکھتے تھے لیکن اثر نہیں لیتے تھے' اسی کو فرمایا وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (اور بے شک تم اُن پر گذرتے ہو صبح کے وقت اور رات کو' تو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ جب حجاز کی جانب سے شام کو جاتے تھے تو ان کا گذران بستیوں کے قریب صبح کے وقت ہوتا تھا اور جب اُدھر سے حجاز کی جانب واپس آتے تھے تو رات کو ان بستیوں کے پاس سے گذرتے تھے انہیں یاد دلایا کہ دیکھو کفر کی وجہ سے یہ بستیاں ہلاک ہوگئیں' تم آنکھوں سے اُن کی نشانیاں دیکھ رہے ہو پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے' تم اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت سے باز آؤ اور ہلاک شدہ قوموں سے عبرت حاصل کرو ورنہ تمہیں بھی عذاب پہنچ سکتا ہے۔

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ

اور بلاشبہ یونس پیغمبروں میں سے ہیں۔ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ کر چلے گئے سو قرعہ ڈالا سو وہ ہار جانے والوں میں سے ہو گئے۔ سو مچھلی نے

الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ

ان کا لقمہ بنالیا اس حال میں کہ وہ صاحب ملامت ہو گئے۔ سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو ضرور مچھلی کے پیٹ میں اُس دن تک ٹھہرے رہتے

فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً

جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے۔ سو ہم نے اُنہیں ایک میدان میں ڈال دیا اس حال میں کہ وہ سقیم تھے۔ اور ہم نے اُن پر ایک بیل دار درخت اگا دیا۔

مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۱۴۸﴾

اور ہم نے اُنہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا تھا۔ سو وہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے ان کو ایک زمانہ تک عیش دیا۔

حضرت یونس علیہ السّلام کا کشتی سے سمندر میں کود پڑنا' پھر مچھلی کے پیٹ میں تسبیح میں مشغول رہنا

تفسیر: ان آیات میں حضرت یونس علیہ السلام کی بعثت اور مصیبت اور اُن کی قوم کی ضلالت اور پھر ہدایت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جب وہ ایک عرصہ تک اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے اور قوم نے نہ مانا انکار پر تلے رہے تو حضرت یونس علیہ السلام نے اُن سے فرمایا کہ دیکھو تین دن کے اندر اندر تم پر عذاب آ جائے گا' اس کے بعد دو دن تک انتظار کیا' تیسرے دن بھی انتظار میں تھے لیکن عذاب کے آثار نہیں دیکھے' جب یہ صورت حال سامنے آئی تو یہ سمجھ کر کہ اگر عذاب نہ آیا تو میں جھوٹا بنوں گا وہاں سے روانہ ہو گئے اور ادھر اُن کی قوم نے عذاب آتا دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں روئے اور گڑگڑائے' زاری کرتے رہے' خوب توبہ کی' معافی مانگی اور ایمان قبول کر لیا' اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب ہٹا دیا اور ان کا ایمان قبول فرما لیا۔ یہ اُن کی خصوصیت تھی کیونکہ عذاب آنے کے بعد ایمان اور توبہ کی قبولیت نہیں ہوتی۔ سورۃ یونس میں فرمایا: فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۚ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ سو کوئی ایسی بستی کیوں ایمان نہ لائی جسکا ایمان لانا اس کو نافع ہوتا مگر یونس کی قوم' جب وہ ایمان لائے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کا دُنیوی زندگی میں اُن پر ٹال دیا اور اُن کو ایک وقت خاص تک عیش دیا۔

حضرت یونس علیہ السلام یہ دیکھ کر عذاب نہیں آیا اپنی قوم کو چھوڑ کر روانہ ہوئے تو چلتے چلتے دریا کے کنارے پہنچے وہاں جو کشتی والے تھے سواریوں کو کشتی میں بٹھا کر اس کنارہ سے اُس کنارہ تک پہنچاتے تھے اور مسافروں سے کرایہ بھی لیتے تھے' انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر اُجرت کے کشتی میں بٹھا لیا' کشتی میں سوار تو ہو گئے لیکن اب یہ ماجرا ہوا کہ کشتی روانہ ہو کر بیچ منجھدار میں جا کر رُک گئی۔ کشتی والوں نے کہا کہ جو لوگ کشتی میں سوار ہیں ان میں کوئی ایسا شخص ہے جس کی وجہ سے کشتی بیچ دریا میں آ کر ٹھہر گئی ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تو دیکھ رہے ہیں کہ دائیں بائیں کشتیاں چل رہی ہیں لیکن آپ جس کشتی میں تھے وہ نہ چلانے سے چلتی ہے نہ ہلانے سے ٹلتی ہے' آپ نے خود ہی دریافت فرمایا کہ اس کشتی کو کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا کہ ہمیں تو پتہ نہیں! فرمایا لیکن مجھے اس کا سبب معلوم ہے اس میں کوئی ایسا غلام ہے جو اپنے آقا کی فرمانبرداری چھوڑ کر بھاگ آیا ہے اور جب تک اُس شخص کو سمندر میں نہ ڈال دو یہ کشتی

ٹھہری ہی رہے گی اور وہ بھاگا ہوا غلام میں ہوں (یہ اس لئے کہا کہ اللہ جل شانہٗ کی اجازت کے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے آئے تھے) مجھے دریا میں ڈال دو' لوگوں نے کہا یا نبی اللہ! ہم آپ کو دریا میں نہیں ڈال سکتے۔ فرمایا اچھا تو پھر قرعہ ڈال لو' جس کے نام کا قرعہ نکلے اُسے دریا میں ڈال دینا' چنانچہ انہوں نے تین بار قرعہ ڈالا ہر بار آپ ہی کا نام نکلا' لہٰذا آپ نے خود ہی دریا میں چھلانگ لگا دی۔ عربی زبان میں لفظ سھم تیر کو کہتے ہیں چونکہ تیروں کے ذریعہ قرعہ ڈالا گیا تھا اس لئے اسے فَسَاهَمَ سے تعبیر فرمایا۔ اور طریقہ قرعہ کا یہ تھا کہ ہر شخص اپنا اپنا تیر لے کر پانی میں ڈال دے' جس کا تیر اوپر ہی کو رہے اس کو دریا میں ڈال دیا جائے اور جس کا تیر ڈوب جائے اُس کے بارے میں سمجھ لیا جائے کہ یہ وہ شخص نہیں ہے جس کی وجہ سے کشتی رُکی کھڑی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے نام کا جو تیر تھا وہ پانی پر ہی تیرتا ہوا رہ گیا' اس پر آپ نے سمجھ لیا کہ مجھ ہی کو سمندر کے حوالے ہونا چاہئے' اور کشتی کے دوسرے سواروں نے بھی اس بات کا یقین کرلیا۔ اس کو یہاں فرمایا فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ (کہ حضرت یونس علیہ السلام مغلوب ہو گئے اور دوسری سواریوں کے مقابلہ میں ہار گئے) (ذکرہ صاحب الروح)

حضرت یونس علیہ السلام نے جیسے ہی دریا میں چھلانگ لگائی ایک مچھلی اللہ کے حکم سے پہلے ہی سے تیار تھی اُس نے آپ کا لقمہ بنا لیا لیکن چبایا نہیں صحیح سالم نگل لیا' مچھلی کے پیٹ میں پہنچے تو تین تاریکیوں میں مبتلا ہوئے۔ ایک تاریکی رات کی' دوسری سمندر کے پانی کی' تیسری مچھلی کے پیٹ کی' ان تاریکیوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے رہے جیسے سورۃ الانبیاء میں فرمایا ہے: فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (سو تاریکیوں میں پکارتے رہے کہ اے اللہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ پاک ہیں بیشک میں ظلم کرنے والوں میں سے ہوں) مچھلی کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل میں مشغول رہے' اللہ تعالیٰ نے وہاں اُن کی حفاظت فرمائی اور اُن کو اس مصیبت سے نجات دے دی' سورۃ الانبیاء میں فرمایا ہے فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ (سو ہم نے اُن کی دعا قبول کی اور انہیں گھٹن سے نجات دی اور ہم اسی طرح اہل ایمان کو نجات دیا کرتے ہیں) اور یہاں سورۃ الصّٰفّٰت میں فرمایا ہے: فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (سو اگر وہ تسبیح بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ ہی میں رہتے)

ایک بیلدار درخت کا سایہ دینا: جب مچھلی کے پیٹ میں آپ نے ذکر کیا' اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی تو اللہ جل شانہٗ نے مچھلی کو حکم دیا کہ ان کو کنارے پر اُگل دے' مچھلی نے آپ کو کنارے پر ڈال دیا۔ اس کے پیٹ سے اور پانی سے باہر تو آ گئے لیکن سقیم تھے' سقیم عربی زبان میں بیمار کو کہتے ہیں' جب مچھلی کے پیٹ میں کھانا دانہ نہ ملا تو تندرستی والی حالت برقرار نہ رہی' ضعف ہو جانا لازمی تھا۔ اسی لئے بعض حضرات نے سقیم کا ترجمہ مضمحل کیا ہے' ضرورت تھی کہ سایہ بھی ملے اور غذا بھی پہنچے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے وہاں ایک بیلدار درخت اُگا دیا مشہور یہ ہے کہ وہ کدو کا درخت تھا اور مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جنگل کی بکری کو انہیں دودھ پلانے پر لگا دیا' وہ بکری آتی تھی اور آپ کو دودھ پلا کر چلی جاتی تھی۔

اُمتیوں کی تعداد: حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ نینویٰ بستی کی طرف مبعوث ہوئے تھے جو شہر موصل کے قریب تھی' یہاں سورۃ الصّٰفّٰت میں اُن کی تعداد کے بارے میں فرمایا ہے' وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ (اور ہم نے اُنہیں ایک لاکھ بلکہ اُس سے کچھ زیادہ افراد کی طرف بھیجا) چونکہ اُن لوگوں نے عذاب کے

آثار دیکھ کر توبہ کرلی اور ایمان لے آئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اُن سے عذاب ہٹادیا اور اس کے بعد اُنہیں ایک زمانہ تک مزید زندگی بخش دی اور دنیا کی زندگی سے اور دنیا کی دوسری نعمتوں سے بھی منتفع ہونے کا موقع دیا۔ اسی کو یہاں فرمایا: فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حِیْنٍ (سو وہ لوگ ایمان لے آئے لہٰذا ہم نے اُنہیں ایک زمانہ تک جینے اور فائدہ اٹھانے کا موقع دے دیا) تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام تندرست ہوگئے تو اپنی قوم کے پاس تشریف لے گئے۔

یہاں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بیل دار درخت تو زمین پر پھیل جاتا ہے اس سے سایہ کیسے مل سکتا ہے؟ بعض حضرات نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ بطور خرق عادت اس درخت کی بیل کسی سہارے کے بغیر اوپر پھیل گئی' کیونکہ معجزہ تھا اس کے لئے چڑھنے اور ٹھہرنے کے لئے کسی درخت یا دیوار کی ضرورت نہ ہوئی' اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ وہاں کوئی سوکھا ہوا درخت کھڑا ہو' اس پر بیل چڑھ گئی ہو۔

اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ جو فرمایا ہے کہ اس میں اَوْ شک کے لئے نہیں ہے۔ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی مُتَعَالٍ عَنْ ذٰلِکَ اسی لئے فرانحوی نے فرمایا ہے کہ یہاں اَوْ بَلْ کے معنی میں ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ واؤ کے معنی میں ہے اور اخفش اور زجاج نے فرمایا ہے کہ الفاظ قرآنی کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کو دیکھ لیتے تو تمہارے اندازہ میں ایک لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ سمجھ میں آتے۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۳۲ ج ۱۵) اور "بیان القرآن" میں لکھا ہے کہ کسر کا اعتبار نہ کرو تو ایک لاکھ کہو اور اگر کسر کا اعتبار کرو تو زیادہ کہو۔

سنن ترمذی میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان نقل کیا ہے' انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک لاکھ سے بیس ہزار زیادہ تھے۔ (قال الترمذی ھٰذا حدیث غریبٌ وفی سندہٖ رجلٌ مجھولٌ)

فائدہ: اللہ تعالیٰ کا تکوینی قانون یہ ہے کہ جب کسی قوم پر عذاب آجائے تو اُس وقت توبہ کرنے سے واپس نہیں ہوتا لیکن حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے لئے یہ خصوصیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے عذاب آنے کے بعد بھی اُن کی توبہ قبول فرمائی' وہ ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی' اور ایمان بھی قبول فرمایا اور عذاب کو ہٹا دیا جس کی تفصیل سورۂ یونس میں گذر چکی ہے۔ (انوار البیان ج ۴)

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

سو آپ اُن سے دریافت فرمائیے کیا آپ کے رب کے لئے بیٹیاں اور اُن کے لئے بیٹے ہیں؟ کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا ہے اس حال میں کہ وہ حاضر تھے؟

اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

خبردار وہ اپنی سخن تراشی سے یوں کہتے ہیں کہ اللہ صاحب اولاد ہے اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں' کیا اُس نے بیٹیوں کو بیٹوں کے مقابلہ میں چن لیا۔

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ

تمہیں کیا ہوا' کیسا حکم لگاتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے؟ سو لے آؤ اپنی کتاب اگر تم سچے ہو۔ اور انہوں

إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

نے اللہ کے اور جنات کے درمیان رشتہ داری قرار دے دی' حالانکہ جنات کو معلوم ہے کہ وہ ضرور حاضر کئے جائیں گے۔ اللہ اُن باتوں سے

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ مگر وہ جو اللہ کے خاص بندے ہیں

مشرکین کی تردید جو اللہ کے لئے اولاد تجویز کرتے تھے

تفسیر: شیطان نے اپنی کوششوں سے انسانوں کو توحید سے ہٹایا اور شرک کا رواج ڈالا اُس سلسلہ میں اُس کی جو کوششیں آگے بڑھیں اُن کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے بتوں کی عبادت پر تو ڈالا ہی تھا جنات اور فرشتوں کے بارے میں بھی لوگوں کو یہ سمجھایا کہ ان میں اور خالق کائنات جل مجدہ کے درمیان رشتہ داری ہے چنانچہ انہوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتا دیا' لوگ شیاطین کی بات مانتے چلے گئے اور اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ وہ باتیں لگا دیں جن سے وہ بری ہے اور پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ہونا اس کی شان یکتا کے خلاف ہے' اُس کی شان لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ہے نہ اُس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا' سورۂ مریم میں فرمایا: وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا (اور یہ رحمٰن کی شان کے لائق نہیں ہے کہ وہ کسی کو اولاد بنائے) مشرکین نے اوّل تو یہ سخت غلطی کی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کر دی' پھر جب اولاد تجویز کی تو وہ بھی لڑکیاں' اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں بتا دیا' اللہ تعالیٰ کی اولاد تجویز کرنے میں بھی جھوٹ تراشا اور اولاد بھی وہ تجویز کی جو اپنے لئے ناپسند ہے۔

اسی کو یہاں فرمایا کہ آپ اُن سے پوچھ لیجئے کہ خالق جل مجدہٗ نے اپنے لئے لڑکیوں کو بطور اولاد کے چن لیا اور تمہیں اپنے لئے لڑکے پسند ہیں' اور تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں تمہارا یہ جھوٹ اپنی جگہ رہا اب یہ تو بتاؤ کہ فرشتوں کے لڑکیاں ہونے کا علم تمہیں کہاں سے ہوا؟ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا تو کیا تم حاضر تھے اور یہ دیکھ رہے تھے کہ وہ مخلوق جو پیدا ہو رہی ہے مؤنث یعنی مادہ ہے نر ایک تو تم نے فرشتوں کو مؤنث بتایا دوسرے اُنہیں اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتایا' تیسرے یہ کیا کہ جب خالق جل مجدہٗ کے لئے اولاد تجویز کرنے لگے تو بیٹیاں تجویز کر دیں جبکہ اپنے لئے بیٹی کو ناپسند کرتے ہو۔ یہ ساری باتیں بے دلیل اور سراپا جھوٹ ہیں' اللہ تعالیٰ کے کوئی اولاد نہیں' نہ بیٹی نہ بیٹا' اور اولاد ہونا اُس کی شان اقدس کے خلاف ہے۔ ان مشرکین سے فرمایا مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ تمہیں کیا ہوا تم کیسے حکم لگاتے ہو' کیا تم سمجھ سے کام نہیں لیتے؟ کوئی دلیل عقلی یا کوئی دلیل نقلی یعنی اللہ کی بھیجی ہوئی کوئی کتاب تمہارے پاس ہو جس سے تم نے یہ بات نکالی ہے تو وہ پیش کرو جب تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں تو یہ شرکیہ باتیں کیوں کرتے ہو اور اپنی طرف سے کیوں جھوٹ بناتے ہو؟

جب مشرکین مکہ نے یوں کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن سے

دریافت کیا کہ ان کی مائیں کون ہیں؟ اس پر انہوں نے کہہ دیا کہ جنات میں جو سردار ہیں اُن کی بیٹیاں فرشتوں کی مائیں ہیں۔ (روح المعانی ص ۱۵۱ ج ۲۳) اس طرح سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اور جنات کے درمیان قرابت داری تجویز کر دی اور گویا جنات کے سرداروں کو فرشتوں کا نانا بنا دیا۔ اس کو فرمایا وَجَعَلُوْا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا (کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اور جنات کے درمیان رشتہ داری تجویز کر دی) پھر ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ (اور جنات کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ حاضر کئے جائیں گے) یعنی قیامت کے دن گرفتار ہوں گے' ان میں جو کافر ہوں گے دوزخ میں ڈالے جائیں گے جن میں اُن کے سردار بھی ہوں گے' لہٰذا جو گرفتار ہو کر آئے گا اور دوزخ میں ڈالا جائے گا اُس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کیسے رشتہ ہو سکتا ہے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ اللہ اُن باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں (یہ جملہ معترضہ ہے) اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ مگر جو اللہ کے خاص بندے ہیں وہ دوزخ سے بچالئے جائیں گے' انسانوں میں سے ہوں یا جنات میں سے۔

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ بِفٰتِنِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِیْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا

سو بلاشبہ تم اور تمہارے معبود اللہ تعالیٰ سے کسی کو نہیں پھیر سکتے مگر اُسی کو جو دوزخ میں داخل ہونے والا ہے۔ اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے

مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِنْ كَانُوْا

جس کا مقام معلوم نہ ہو۔ اور بلاشبہ ہم صف بستہ کھڑے ہونے والے ہیں۔ اور بلاشبہ ہم تسبیح میں مشغول ہونے والے ہیں۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ یہ لوگ

لَیَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۱۶۹﴾

یوں کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت ہوتی اُن نصیحتوں میں سے جو پہلے لوگوں کے پاس تھیں تو ہم ضرور اللہ کے خاص بندے ہوتے۔

فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

سو اُن لوگوں نے اس کا انکار کیا لہٰذا عنقریب جان لیں گے۔

فرشتوں کی بعض صفات کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں اول تو مشرکین کو خطاب فرمایا کہ تم اور تمہارے سارے معبود جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ شانہٗ کی توحید سے کسی کو نہیں پھیر سکتے حالانکہ تمہاری کوششیں برابر جاری ہیں ہاں اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی میں جس کسی کا دوزخ میں جانا مقرر مقدر ہے اسی کو توحید کے راستے سے ہٹا سکتے ہو۔

چونکہ مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے اور اس لئے ان کی شانِ عبدیت انہی کی زبانی بیان فرمائی (پہلے جنات کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ وہ اپنے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو شخص مجرم ہو گا گرفتار ہو کر حاضر کیا جائے گا) جس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے جنات عاجز ہیں اُسی طرح فرشتے بھی اپنا عجز

تسلیم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں' فرشتوں کا کہنا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کا مقام معلوم ہے' جو حکم ہے ہر ایک اسی کی بجا آوری میں لگا ہوا ہے' ہم اللہ کے حضور میں صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کی پاکی بیان کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ (فرشتوں کا تو یہ حال ہے لیکن جو لوگ اُن کی عبادت کرتے ہیں اور انہیں اللہ کی بیٹیاں بتاتے ہیں انہوں نے اپنی حماقت اور سفاہت سے فرشتوں کو کیا کیا سمجھ رکھا ہے)

اس کے بعد کفار عرب کا یہ قول نقل فرمایا کہ یہ لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور نزول قرآن سے پہلے یوں کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی ایسا ذکر یعنی کتاب آ جاتی جیسی پہلی لوگوں یعنی یہود و نصاریٰ کے پاس کتابیں آئیں تو ہم اللہ کے خاص بندے ہوتے یعنی تصدیق کرتے اور عمل کرتے اور اُن لوگوں کی طرح تکذیب نہ کرتے' جیسا کہ سورہ فاطر میں اُن کا قول نقل کیا گیا ہے: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ (اور ان لوگوں نے خوب زوردار اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آ گیا تو گذشتہ اُمتیں جو گذری ہیں اُن کے مقابلہ میں ہر ایک سے بڑھ کر ہم ہدایت والے ہوں گے)

فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا (پس جب اُن کے پاس ڈرانے والا آ گیا تو اُن کی نفرت اور زیادہ ہو گئی) اوّل تو کفر اور شرک یوں ہی سب سے بڑا گناہ ہے' پھر خود سے کتاب کا مطالبہ کرنا اور وعدے کرنا کہ اگر ہمیں کتاب مل جائے تو ایسے نیک بنیں گے اور ہدایت میں سابقہ اُمتوں کو پیچھے چھوڑ دیں گے' پھر جب کتاب مل گئی' ہدایت آ گئی تو اُس کے منکر ہو گئے' ظاہر ہے کہ اس طرح بڑی سزا کے مستحق ہو گئے' اسی کو فرمایا فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (سو عنقریب جان لیں گے)

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾

اور ہمارا قول اپنے بندوں یعنی پیغمبروں کے لئے پہلے ہی سے طے شدہ ہے' کہ بیشک انہیں کی مدد کی جائے گی اور بیشک ہمارا لشکر ضرور غالب ہوگا۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ

سو آپ مختصر زمانہ تک اُن سے اعراض فرمائیے اور اُن کو دیکھتے رہیے سو عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے۔ کیا وہ ہمارے عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں۔ سو جب وہ اُن کے میدان میں

بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

نازل ہو جائے گا تو اُن لوگوں کی صبح بری ہوگی جن کو ڈرایا جا چکا تھا۔ اور تھوڑے زمانہ تک آپ اُن سے اعراض کیجئے اور اُن کو دیکھتے رہیے سو عنقریب وہ بھی دیکھ لیں گے۔

پیغمبروں کی مدد کی جائے گی' اللہ کے لشکر غالب رہیں گے

تفسیر: ان آیات میں اوّل تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہمارے خاص بندوں یعنی پیغمبر حضرات کے بارے میں ہماری طرف سے یہ پہلے ہی سے طے شدہ ہے کہ اُن کی ضرور مدد کی جائے گی اور اللہ کا لشکر غالب رہے گا۔ سورۃ المومن میں فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (بلا شبہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیاوی زندگی میں مدد کرتے ہیں اور اُس روز بھی جس دن گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے) اور سورۃ المجادلہ میں فرمایا ہے: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (اللہ تعالیٰ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول

ضرور غالب ہوں گے بلاشبہ اللہ قوی ہے عزیز ہے) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے بڑی کثیر تعداد میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے' ان میں بہت سے تو ایسے تھے جن کے ماننے والے تھے ہی نہیں یا بہت قلیل مقدار میں تھے۔ (صحیح مسلم قبیل کتاب الطہارۃ ص ۱۱۷ ج ۱) ان حضرات کا اہل کفر کے ساتھ قتل وقتال والا مقابلہ ہوا ہی نہیں البتہ دلیل وحجت سے یہ حضرات تکذیب کرنے والوں پر ہمیشہ غالب رہے اور پھر تکذیب کی سزا میں اُن کی اُمتیں ہلاک ہوئی' یہ بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہی کا غلبہ ہے۔

پھر جن انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والے زیادہ تھے جو لشکر اور فوج بنانے کے لائق تھے اُن کی تعداد بھی زیادہ نہ تھی' اُن کے زمانہ کے کافروں نے حق کو نہ مانا تو وہ کافر مغلوب ہوئے' حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی فوجوں کے مقابلہ میں شکست کھائی یا عذاب کے ذریعے ہلاک کردیئے گئے جو آیات اوپر ذکر کی گئی ہیں اُن میں سے کسی میں بھی اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ کافروں کے مقابلہ میں کوئی مسلمان شہید نہ ہوگا اور یہ بھی نہیں کہ پہلی ہی ملاقات میں مسلمان غالب ہوجائیں گے' ہاں انجام یہ ہوگا کہ حضرات انبیاء کرام اور ان کے لشکر ہی غالب ہوں گے۔ چنانچہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی موجودگی میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا اور دلیل سے غالب ہونا اور آخرت میں فتح یاب ہونا اور کافروں کا شکست کھانا یہ بات تو بہر حال ہے اگر شاذ و نادر کسی نبی کو اس کی قوم نے بلا مقابلہ شہید کردیا جیسا کہ بنی اسرائیل کے بارے میں یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ فرمایا ہے تو یہ واقعات اوّل تو شاذ و نادر ہوئے ہیں عسکری قوت کے مقابلہ میں ایسا نہیں ہوا دشمنوں نے بلا مقابلہ قتل کردیا۔ دوسرے اس میں اللہ کی بعض تکوینی حکمتیں بھی تھیں لہٰذا ان حضرات کا یہ قتل سورۃ الصّٰفّٰت اور سورۃ المومن اور سورۃ المجادلہ کی تصریحات کے خلاف نہیں ہے اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ یہ نہیں فرمایا ہے کہ ہر موقع پر ہر مقابلہ میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کا لشکر غالب ہوگا بلکہ لڑائیوں کا خلاصہ اور حاصل بتادیا ہے۔ غزوۂ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو لشکر تھا اُس کو شکست تو ہوئی پھر آخر میں انہی حضرات کو بعد میں فتح ہوئی' غزوۂ احزاب میں بھی کافر بھاگے اور فتح مکہ کے موقع پر بھی مغلوب ہوئے' غزوۂ حنین میں بھی شکست کھائی' طائف والے بھی خود سے آئے مدینہ منورہ میں حاضر ہوکر مسلمان ہوئے' سارا عرب اسلام کا دشمن تھا بالآخر سبھی مغلوب ہوئے' کسریٰ بھی ختم ہوا اور قیصر بھی' انجام کار رسول اللہ ﷺ اور آپ کے لشکروں ہی کو فتح یابی حاصل ہوئی۔

پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ غزوۂ اُحد میں جو مسلمانوں نے شکست کا منہ دیکھا وہ اُن کی اپنی غلطی کی وجہ سے تھا' جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا: حَتّٰۤی اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ (دیکھو انوار البیان جلد ۲)

رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں اُمت کو عملی تربیت دینے کے لئے تکوینی طور پر ہر طرح کے واقعات پیش آجاتے تھے۔ غزوۂ بدر میں یہ بتادیا کہ فتح یابی ہو تو کیا کریں' اب عملی طور پر یہ بتانا بھی ضروری تھا کہ شکست ہو تو کیا کریں' یہ بات غزوۂ اُحد کے واقعہ نے بتادی اور ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ شکست کا سبب رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی تھی جس کا صحابہ سے صدور ہوگیا تھا۔

اخلاص اور تقویٰ کی ضرورت: جب تک مسلمان اخلاص اور تقویٰ کے ساتھ لڑتے رہے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے برابر اُن کی مدد ہوتی رہی' جب مسلمان اخلاص کھو بیٹھے' دنیا دار ہوگئے' دشمنوں سے دوستی کرلی' خیانتیں کرنے لگے' گناہوں میں کامیابی سمجھنے لگے اُس وقت سے تنزل میں آگئے' دشمن اُنہیں پیٹنے لگے' غزوۂ اُحد میں جو کچھ انہیں بتایا اور سمجھایا تھا اُس کی خلاف ورزی کرنے لگے یعنی گناہوں ہی کو زندگی کا مشغلہ بنادیا لہٰذا اللہ تعالیٰ کی مدد جاتی رہی اور مغلوب

ہونے لگے' جو ممالک اللہ تعالیٰ نے قبضہ میں دیئے تھے وہ بھی ہاتھ سے نکل گئے۔ مدد کا وعدہ تو ہے لیکن ایمان کی شرط کے ساتھ ہے۔ سورۂ آل عمران میں جہاں غزوۂ اُحد کا ذکر ہے وہیں یہ بھی فرمایا ہے وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (اور ہمت نہ ہارو اور غمگین مت ہو اور تم ہی بلند ہو گے اگر مومن ہو) آج کا مسلمان اللہ تعالیٰ کی مدد کا انتظار تو کرتا ہے لیکن مدد کی جو شرط ہے اُسے پورا کرنے کو تیار نہیں' گناہوں کو چھوڑ و پھر مدد دیکھو۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ان سے اعراض فرمایئے وقت گذرنے دیجئے' آپ ان کو دیکھتے رہیے یہ بھی دیکھ لیں گے' چنانچہ آپ نے دیکھ لیا اور اہل مکہ بدر میں مغلوب ہوئے۔ آپ نے بھی اُن کا انجام دیکھ لیا اور انہوں نے بھی۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ (کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کے لئے جلدی مچارہے ہیں) یعنی عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو) اُن کا یہ تقاضا کرنا اُن کے حق میں اچھا نہیں ہے۔ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ (سو جب وہ اُن کے میدان میں نازل ہو جائے گا تو ان لوگوں کی صبح بری ہوگی جن کو ڈرایا گیا) یعنی عذاب کا تقاضہ کیوں کرتے ہیں وہ کوئی فائدہ کی چیز تو نہیں ہے' جب عذاب آئے گا وہ دن انکے حق میں برا ہوگا۔ عام طور سے اہل عرب کا طریقہ تھا کہ صبح کے وقت ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر حملہ کیا کرتا تھا اور جس قبیلہ پر حملہ ہوتا تھا وہ يَا صَبَاحَاهُ کی آواز دے کر سب کو مطلع کیا کرتا تھا' اسی محاورہ کے مطابق فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ فرمایا' اُن کی طرف اعراض فرمانے کا حکم دو بار فرمایا اور یہ بھی دو بار فرمایا کہ آپ اُن کو دیکھتے رہیے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾
آپ کا رب جو رب العزت ہے اُن باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ اور سلام ہو پیغمبروں پر۔ اور سب تعریف ہے اللہ کے لئے جو رب العالمین ہے

اللہ ربُّ العزت ہے اُن باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں

تفسیر: یہاں سورۃ الصّٰفّٰت ختم ہو رہی ہے' جو تین آیات اوپر ذکر کی گئی ہیں اُن میں پوری سورۃ کا خلاصہ آ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت اور اس کا رب العزت ہونا بیان فرمایا اور جو بھی لوگ اس کی ذات متعالیہ کے بارے میں غلط باتیں کہتے ہیں یا دل میں اعتقاد رکھتے ہیں اُن کی تردید فرمائی اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو سلام کی نعمت سے نواز دیا جو اللہ کے بندوں کے درمیان خیر پہنچانے کا ذریعہ تھے۔ آخری رکوع سے پہلے دو رکوع میں متعدد انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے سلام کا تذکرہ فرمایا تھا یہاں ختم سورۃ پر وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ فرما کر تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو سلام کی دولت سے نواز دیا۔

سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے: اور آخر میں وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فرما دیا کہ ہر طرح کی سب تعریفیں رب العٰلمین جل مجدہٗ ہی کے لئے ہیں' اس کے سارے افعال محمود ہیں اور وہ ہمیشہ ہر حال میں حمد و ثنا کا مستحق ہے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد (مذکورہ بالا) تینوں آیتوں کو پڑھ لے تو اُس نے پیمانہ بھر کر ثواب لے لیا۔ اور بعض روایات میں ان آیات کو مجلس کے ختم پر پڑھنے کی فضیلت بھی وارد ہوئی ہے۔ (روح المعانی ج ۲۳ ص ۱۵۹)

ولقد تم تفسیر سورۃ الصّٰفّٰت' والحمد للہ رب الصافات والتالیات'

والسلام علٰی رسلہ اصحاب الباقیات الصالحات وَعَلٰى مَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

اضافہ شدہ ایڈیشن

عام فہم اردو تفسیر

انوار البیان

فی کشف اسرار القرآن

جلد ـــ ۸

سلیس اور عام فہم زبان میں اردو کی سب سے پہلی مفصل اور جامع تفسیر، تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن بالحدیث کا خصوصی اہتمام، دلنشین انداز میں احکام و مسائل اور مواعظ و نصائح کی تشریح، اسباب نزول کا مفصل بیان، تفسیر و حدیث اور کتب فقہ کے حوالوں کیساتھ

محقق العصر
حضرۃ مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی قدس سرہٗ

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 540513

اجمالی فہرست

سُوْرَۃُ صٓ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ ثَمَانٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰیَۃً وَّخَمْسُ رُکُوْعَاتٍ

سورۂ صٓ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھاسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۝۱ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّۃٍ وَّشِقَاقٍ ۝۲ کَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنْ قَرْنٍ

صٓ قسم ہے قرآن کی جو نصیحت والا ہے‘ بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا تعصب میں اور مخالفت میں ہیں‘ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی اُمتوں کو ہلاک کر دیا

فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ۝۳ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَھُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْھُمْ وَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ ھٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۝۴

سو انہوں نے پکارا اور وہ وقت خلاصی کا نہ تھا اور اُن لوگوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ انہیں میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا اور کافروں نے کہا کہ یہ شخص جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے‘

اَجَعَلَ الْاٰلِھَۃَ اِلٰھًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝۵ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْھُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا

کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا۔ بیشک یہ تو بڑی عجیب بات ہے‘ اور اُن کے بڑے لوگ یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر

عَلٰٓی اٰلِھَتِکُمْ ۚ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝۶ مَا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِی الْمِلَّۃِ الْاٰخِرَۃِ ۚ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۷

جمے رہو۔ بلاشبہ یہ ایسی بات ہے جس میں کوئی مقصد ہے‘ ہم نے یہ بات گزشتہ مذہب میں نہیں سنی بس یہ تو گھڑی ہوئی بات ہے‘ کیا ہمارے درمیان سے

ءَاُنْزِلَ عَلَیْہِ الذِّکْرُ مِنْ بَیْنِنَا ۭ بَلْ ھُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْ ذِکْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝۸

اسی شخص پر کلام نازل ہوا‘ بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ میری وحی کی وجہ سے شک میں ہیں‘ بلکہ بات یہ ہے کہ اُنہوں نے میرا عذاب نہیں چکھا

اَمْ عِنْدَھُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَۃِ رَبِّکَ الْعَزِیْزِ الْوَھَّابِ ۝۹ اَمْ لَھُمْ مُّلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا فَلْیَرْتَقُوْا

کیا اُن کے پاس آپ کے رب کے خزانے ہیں جو غالب ہے بخشش فرمانے والا ہے‘ کیا اُن کے لئے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا اختیار حاصل ہے۔ سو چاہئے

فِی الْاَسْبَابِ ۝۱۰ جُنْدٌ مَّا ھُنَالِکَ مَھْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝۱۱ کَذَّبَتْ قَبْلَھُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ

کہ سیڑھیاں لگا کر چڑھ جائیں۔ اس مقام پر لوگوں کی ایک بھیڑ ہے جو شکست خوردہ جماعتوں میں سے ہے‘ ان سے پہلے قوم نوح نے اور عاد نے اور فرعون نے

ذُو الْاَوْتَادِ ۝۱۲ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْئَیْکَۃِ ۭ اُولٰٓئِکَ الْاَحْزَابُ ۝۱۳ اِنْ کُلٌّ اِلَّا کَذَّبَ الرُّسُلَ

جو میخوں والا تھا اور ثمود نے اور لوط کی قوم نے اور ایکہ والوں نے جھٹلایا وہ گروہ یہی لوگ تھے یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسولوں کو جھٹلا دیا‘

فَحَقَّ عِقَابِ ۝۱۴

سو میرا عذاب واقع ہو گیا۔

منکرین توحید ومکذبین رسالت کیلئے وعید

تفسیر: صٓ یہ حروف مقطعات میں سے ہے جس کے معنی اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے ابتدائی آیات کا سبب نزول معلوم کر لینا چاہئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابو طالب بیمار ہوئے تو ان کے پاس قریش مکہ آئے اور رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لائے۔ قریش نے ابو طالب سے شکایت کی (کہ تمہارا بھتیجا ایسی ایسی باتیں کرتا ہے) ابو طالب نے آپ سے پوچھا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے تم اپنی قوم سے کیا چاہتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ میں ان کے سامنے ایک کلمہ پیش کرتا ہوں وہ اسے قبول کر لیں تو سارا عرب ان کا فرمانبردار ہو جائے گا اور عجمی لوگ ان کو جزیہ دیا کریں گے ابو طالب نے کہا کہ صرف ایک کلمہ کہلوانا چاہتے ہو؟ فرمایا ہاں بس ایک کلمہ! پھر آپ نے فرمایا اے چچا لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لو! قریش مکہ جو وہاں حاضر تھے انہوں نے کہا کیا ایک ہی معبود کو مان لیں؟ ہم نے تو یہ بات اس سے پہلے کسی مذہب میں نہیں سنی یہ تو اپنے پاس سے بنائی ہوئی ہے' لہٰذا ان کے بارے میں قرآن مجید نازل ہو گیا یعنی صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ سے لے کر اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ تک آیات نازل ہو گئیں۔ (رواہ الترمذی فی اوائل سورۃ ص وقال ہذا حدیث حسن صحیح)

وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ قسم ہے قرآن کی جو نصیحت والا ہے) کافر لوگ جو قرآن کو اور آپ کو جھٹلا رہے ہیں ان کی بات غلط ہے) بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ (بلکہ بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ خود ہی تعصب میں اور حق کی مخالف میں پڑے ہوئے ہیں) كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ (ان سے پہلے کتنی ہی امتوں کو ہم نے ہلاک کر دیا) فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ سو ان لوگوں نے پکارا یعنی جب عذاب آیا تو بلند آواز سے توبہ کرنے لگے تا کہ عذاب سے نجات مل جائے اور وہ وقت چھٹکارہ کا نہ تھا (کیونکہ جب عذاب آجاتا ہے تو اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی)۔

فائدہ: مصاحف قرآنیہ میں وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ لکھا ہوا ہے اور محققین کے نزدیک اسی طرح صحیح ہے قدیم اور جدید مصاحف میں لَاتَ بقطع التاء ہی لکھا ہے جو تواتر سے ثابت ہے[1]

اور المناص کا معنی ہے نجات کی جگہ اور، بچنا، چوکنا کہا جاتا ہے ناصہ، ینوصہ جب کوئی چیز فوت ہو جائے اور فراء کہتے ہیں النصوص کا معنی ہے پیچھے رہ جانا اور حضرت مجاہدؒ نے اس کی تفسیر فرار کے ساتھ کی ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے)

---

[1] (ولات "هی لا" المشبهة بلیس عند سیبویه زیدت علیها تاء التأنیث لتا کیدمعنا ها وهو النفی لان زیادة البناء تدل علی زیادة المعنی أولان التاء تکون للمبالغة کما فی علامة أو لتاکیدشبهها بلیس بجعلها علی ثلاثة أحرف ساکنة الوسط. (روح المعانی ص ۱۶۳ ج ۲۳)

والمناص المنجا والفوت یقال ناصهٗ ینوصُهٗ اذا فاتهٗ وقال الفراء النوص التاخر وعن مجاهد تفسیرهٗ بالفرار و کذاروی عن ابن عباس. (روح المعانی ص ۱۶۵ ج ۲۳)

(سیبویہ کے نزدیک "لات" کالا مشبہ بلیس ہے اور اس کے ساتھ تائے تانیث معنی نفی کی تاکید کے لئے بڑھائی گئی ہے کیونکہ بناء کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے یا تاء اس لئے بڑھائی گئی کہ وہ مبالغہ کیلئے ہے جیسے علامۃ کی تاء یا تاء لیس کے ساتھ مشابہت کی تاکید کے لئے بڑھائی گئی ہے تاء نے "لا" کے تین حرف بنا دیئے جن کا درمیان والا ساکن ہے اور لیس بھی اسی طرح ہے)

لیکن حضرت ابوعبید قاسم بن سلام کا ارشاد ہے کہ لات حین وصل التاء کے ساتھ رسم قرآنی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مصحف عثمانی میں، میں نے خود موصولاً لکھا ہوا دیکھا ہے لیکن امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ رائیہ میں فرمایا ہے ابو عبید عزا ولا تحین ال امام والکل فیہ اعظم النکرا (یعنی ابوعبید نے ''ولاتحین'' کو مصحف عثمانی کی طرف منسوب کیا ہے اور تمام علماء نے اس بارے میں بڑی نکیر کی ہے) حضرت عبید بھی رسم قرآنی کے امام ہیں لیکن چونکہ یہ نقل خبر واحد کے درجہ میں ہے جس کا تواتر ثابت نہیں ہوا اس لئے ائمہ کرام نے اس کو تسلیم نہیں کیا، حضرت امام جزری نے بھی نام لئے بغیر اپنے مقدمہ میں حضرت ابوعبید کا قول نقل کیا ہے اور آخر میں و وھلا فرمایا یعنی یہ قول ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

لات حین کے مذکورہ وصل وقطع کے اختلاف کی وجہ سے وقف اور ابتداء میں بھی اختلاف ہو گیا، چنانچہ جملہ علماء وقراء فرماتے ہیں کہ ''لا'' پر وقف کر کے تحین سے ابتداء کرنا درست نہیں ہے کیونکہ لا پر تا زائدہ آتی ہے اور دونوں کلمہ واحدہ کے حکم میں ہیں لہٰذا وقف کریں تو لات پر کریں لیکن ابوعبید رحمہ اللہ اپنے اختیار کردہ رسم الخط کی بناء پر کہتے ہیں کہ لا پر وقف کر کے تحین سے ابتدا کر سکتے ہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ قرآت شاذ ہے کیونکہ مبنی اور معنی کے اعتبار سے قواعد عربیہ کے خلاف ہے۔ اگر ضرورت کی بناء پر لات پر حسب مذہب جمہور قراء عمل کیا جائے تو تا کو ہا سے بدل کر وقف کریں یا تا کو ت ہی رہنے دیں؟ اس کے بارے میں ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسائی'' وقف بالھاء کرتے ہیں اور باقی قراء کرام رسم کے تابع کرتے ہوئے وقف بالتا کرتے ہیں۔ (کیونکہ تا لمبی لکھی ہوئی ہے)

وَعَجِبُوٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ (اور انہیں اس بات سے تعجب ہوا کہ انہیں میں ایک ڈرانے والا آ گیا) اس میں ان کے لئے دو باتیں تعجب کی تھیں ایک تو یہ کہ انسان اللہ کا پیغمبر بن کر آیا ہے دوسرے یہ کہ ہمارے ہی اندر سے نبی بھیجا گیا ہے اگر ہمارے اندر سے اللہ تعالیٰ کا پیغمبر بھیجنا تھا تو کوئی سردار آدمی ہوتا کما فی سورۃ الزخرف لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ)

وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ (اور کافروں نے کہا کہ یہ شخص جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے) رسول اللہ ﷺ کے معجزات دیکھ کر انہوں نے یہ بات کہی تھی، کافروں نے یہ بھی کہا اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (کیا اس نے بہت سے معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا) اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ (بلاشبہ یہ بڑے تعجب کی بات ہے) چونکہ قریش مکہ اپنے باپ دادوں کو دیکھتے آئے تھے جو بہت سے معبود مانتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے اس لئے انہیں یہ بات عجیب معلوم ہوئی کہ صرف ایک ہی معبود کی عبادت کی جائے اور ایک معبود کے علاوہ سارے معبودوں کو باطل معبود قرار دیدیا جائے خیر کی بات رواج سے اٹھ جاتی ہے اور بُری بات عام ہو جاتی ہے رواج میں جگہ پکڑ لیتی ہے تو اچھی بات سن کر جو خلاف رواج ہو تعجب ہونے لگتا ہے اسی لئے قریش مکہ کو توحید کی بات سن کر تعجب ہوا)

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ (اور ان میں جو سردار تھے یوں کہتے ہوئے روانہ ہو گئے کہ یہاں سے چل دو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو) اگر یہاں اور بیٹھے رہے تو ممکن ہے کہ اس شخص کی بات ہمارے دلوں میں اثر کر جائے اور ہمیں ایک ہی معبود کو ماننا پڑے، اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ يُّرَادُ (بیشک یہ ایسی چیز ہے جس کا ارادہ کیا جا رہا ہے) یہ بھی مشرکین کا قول ہے اس کا ایک مطلب تو وہ ہے جس کی طرف ترجمہ میں اشارہ کر دیا گیا ہے یعنی یہ شخص جو ہماری جماعت سے نکل کر نئی نئی باتیں کر رہا ہے

اس کا کوئی مقصد ہے اور وہ یہ کہ اسے عرب وعجم کی سرداری مل جائے اور سب سے اوپر ہو کر رہے، اور بعض مفسرین نے یہ مطلب بتایا ہے کہ اس شخص کا جو کچھ دعویٰ ہے اور اس پر اس کا جو جماؤ ہے اس سے اس کو ہٹایا نہیں جا سکتا، اس کی طرف سے کسی طرح جھکاؤ کی امید نہیں اور تیسرا مطلب یہ بتایا ہے کہ اس شخص کا وجود اور اس شخص کی دعوت اور اس کا دعوی یہ بھی زمانہ کی لائی ہوئی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت ہے ہمارے پاس کوئی ایسی تدبیر نہیں کہ اس شخص کو روک دیں صبر کے گھونٹ پینے کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ (ذکرہ صاحب الروح)

مشرکین مکہ نے مزید کہا، مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ (ہم نے یہ بات کسی دوسرے دین میں نہیں سنی) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس سے دین نصاری مراد ہے اس وقت تک ادیان سماوی میں وہی آخری دین تھا جس میں نصاری نے تحریف وتغیير کر لی تھی اور مشرکین مکہ نصاری کی باتیں سنتے رہتے تھے اس لئے انہوں نے یہ بات کہی، نصاریٰ نے اپنے دین کو بدل دیا تھا توحید سے منحرف ہو کر تین خدا ماننے لگے تھے۔

ان لوگوں نے یہ بھی کہا اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ (یہ جو توحید والی بات کہتے ہیں بالکل ہی گھڑی ہوئی ہے) جس کو انہوں نے اپنے پاس سے بنا لی ہے، اپنی بات میں اضافہ کرتے ہوئے انہوں نے یہ بھی کہا ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا (کیا نصیحت کی بات یعنی قرآن جس کے نازل ہونے کا ان کو دعویٰ ہے ہمارے درمیان سے انہیں پر نازل کیا گیا) ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم لوگ سردار ہیں مال والے ہیں بڑے لوگ ہیں اگر اللہ کی طرف سے کوئی کتاب نازل ہوئی تھی تو ہم میں سے کسی پر نازل ہونی چاہئے تھی اس کی کیا خصوصیت ہے جو اس کو نبی بنایا گیا اور اس پر کتاب نازل کی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ (بلکہ بات یہ ہے کہ میرے ذکر کی طرف سے یہ لوگ شک میں ہیں) بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ (بلکہ بات یہ کہ انہوں نے میرا عذاب نہیں چکھا) یہ ساری باتیں اور منہ شگافیاں عذاب آنے سے پہلے پہلے ہیں، جب عذاب آجائے گا تو تصدیق کرنے پر مجبور ہو جائیں گے لیکن اس وقت کی تصدیق فائدہ نہ دے گی۔ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ (کیا ان کے پاس آپ کے رب کی رحمت کے خزانے ہیں جو بہت عزت والا ہے بہت عطا فرمانے والا ہے) یعنی یہ لوگ جو یوں کہہ رہے ہیں کہ ہمیں چھوڑ کر اس شخص کو کیوں پیغمبری ملی اور اس پر قرآن کیوں نازل ہوا انہیں یہ بات کہنے اور اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ عزیز ہے وہاب ہے وہ اپنی رحمت سے جس کسی کو جو چاہے عطا فرما دے نبوت اور رسالت بھی اس کا ایک عطیہ ہے اس نے اپنی حکمت کے مطابق جسے چاہا نبوت اور رسالت سے سرفراز فرمایا، ان لوگوں کو نہ کوئی اختیار ہے نہ پروردگار عالم جل مجدہٗ کے خزانوں کے مالک ہیں انہیں یہ بات کہنے کا کیا اختیار ہے کہ آپ کو نبوت کیوں نہ ملی؟

اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا، (کیا ان کے قبضہ میں آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کی ملکیت ہے؟ یعنی یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اجرام علویہ اور اجسام سفلیہ میں انہیں کچھ بھی دخل اور اختیار نہیں ہے پھر انہیں کیا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ملک اور ملکوت میں دخل دیں اور قادر مطلق جل مجدہ پر اعتراض کریں کہ فلاں کو کیوں نبوت دی فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ، آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو چیزیں ہیں اگر انہیں ان کے

بارے میں کسی اختیار کا دعویٰ ہے تو سیڑھیوں کے ذریعہ اوپر چڑھ جائیں لیکن انہیں تو ذرا سا بھی اختیار نہیں پھر کیوں اعتراض کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں کیوں دخل دے رہے ہیں۔

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ، (اس مقام پر ان لوگوں کی ایک بھیڑ ہے جو شکست کھائی ہوئی جماعتوں میں سے ہیں) یعنی یہاں مکہ معظمہ میں ایسے لوگوں کی بھیڑ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں ان کا لشکر شکست خوردہ جماعتوں میں سے ایک جماعت ہے، یہ بھی شکست کھائیں گے جیسے ان سے پہلے مخالف جماعتوں نے شکست کھائی، چنانچہ اہل مکہ نے بدر میں شکست کھائی اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ احزاب سے وہ جماعتیں مراد ہیں جو غزوۂ خندق کے موقع پر چڑھ کر آ گئی تھیں انہوں نے بھی شکست کھائی اور بری طرح پسپا ہو کر بھاگے اس مضمون میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ غم نہ کریں فکر مند نہ ہوں دوسری اقوام کی طرح ان کو بھی شکست ہوگی۔ (راجع القرطبی ص ۱۵۲ ج ۱۵)

گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کا تذکرہ

اس کے بعد گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کا ذکر فرمایا جس میں مشرکین مکہ کے لئے عبرت ہے ارشاد فرمایا کہ ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے اور قوم عاد نے اور فرعون نے جو ذی الاوتاد تھا اور ثمود نے اور لوط علیہ السلام کی قوم نے اور اصحاب الایکہ نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو جھٹلایا یہ وہ جماعتیں ہیں جنہوں نے اللہ کے رسولوں کی مخالفت کو اپنا شیوہ بنایا اور اس کی سزا پائی، مزید فرمایا اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ، یہ سب وہی ہیں جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر میرا عذاب ثابت ہو گیا، ان لوگوں کے عذاب کی تفصیلات قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکور ہیں جنہیں عام طور سے عوام اور خواص جانتے ہیں، اصحاب الایکہ سے حضرت شعیب علیہ السلام کی ایک امت مراد ہے جو ایکہ یعنی جھاڑیوں اور جنگلوں میں رہتے تھے ان پر ظلہ کا عذاب آیا یہ لوگ سخت گرمی کی وجہ سے ایک بادل کے سایہ میں کھڑے ہو گئے تھے اور وہیں ہلاک کر دیئے گئے۔ (دیکھو انوار البیان تفسیر سورۃ شعراء ص ۲۷۹ ج ۶)

ذوا الاوتاد کا معنیٰ

ذوا الاوتــــاد (میخوں والا) یہ لفظ فرعون کی صفت ہے اس سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وہ میخوں یعنی کیلوں کے ذریعہ لوگوں کو سزا دیتا تھا، چاروں ہاتھ پاؤں چار ستونوں سے باندھ دیتا تھا اور چاروں میں ایک ایک کیل ٹھوک دیتا تھا پھر اسی طرح چھوڑ دیتا تھا جس کی وجہ سے وہیں پڑے پڑے آدمی مرجاتا تھا، اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اس کی حکومت مضبوط تھی، اور ایک قول یہ ہے کہ اوتاد سے لشکر مراد ہے مطلب یہ ہے کہ فرعون کے بہت سارے لشکر تھے چونکہ لشکر جہاں پڑاؤ ڈالتے ہیں اپنے خیمے نصب کرنے کے لئے کیلیں گاڑتے ہیں اس لئے لشکروں کو اوتاد سے تعبیر کیا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (ذکر ہذہ الاقوال صاحب الروح)

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ

اور یہ لوگ بس ایک زوردار چیخ کے انتظار میں ہیں جس میں دم لینے کی گنجائش نہ ہوگی اور ان لوگوں نے کہا کہ اے رب ہمارا حصہ حساب کے

يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾

دن سے پہلے ہمیں دے دیجئے

تفسیر : اہلِ مکہ کو جب یہ بات سنائی جاتی تھی کہ انکار اور تکذیب پر عذاب آجایا کرتا ہے اور پہلی قومیں کفر پر جمے رہنے اور انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو چکی ہیں تو اس کا مذاق بناتے تھے اور اطمینان کے ساتھ دنیاوی اعمال میں مشغول رہتے تھے اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ یہ لوگ بس اسی انتظار میں ہیں کہ ایک چیخ آجائے یعنی صور پھونک دیا جائے گا اس وقت جو چیخ ہوگی وہ رُکنے والی نہ ہوگی سمجھداری اسی میں ہے کہ قیامت آنے سے پہلے ہی ایمان قبول کرلیں اور اپنا حال درست کرلیں علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے سورۂ یٰسین میں فرمایا ہے، مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ (یہ لوگ ایک ایسی سخت آواز کے منتظر ہیں جو انہیں آکر پکڑے گی اور وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے) فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ (سو نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف جا سکیں گے) علامہ قرطبی سورۂ ص کی آیت کا مطلب بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اب غزوہ بدر کے واقعہ کے بعد انہیں یہی انتظار ہے کہ قیامت قائم ہو جائے (ان کو چاہئے تھا کہ بدر کے واقعہ سے عبرت حاصل کر لیتے اور اہل ایمان کے غلبہ سے سبق لے کر خود بھی مؤمن ہو جاتے قیامت قائم ہوگی تو دم مارنے کی گنجائش نہ ہوگی اور ذرا سی بھی مہلت نہ دی جائے گی، قیامت کو مانتے بھی نہیں اور ڈھنگ ایسا ہے جیسے وہاں کیلئے بہت کچھ کیا ہو اور عذاب کی بھی بددعاء کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب حساب کے دن سے پہلے ہمارا حصہ ہمیں دیدے[1]

یعنی قیامت کے دن کا انتظار کیوں ہے ہمیں جو عذاب دینا ہے ابھی آجائے، بات یہ ہے کہ انہیں قیامت آنے کا یقین نہیں تھا ورنہ اپنے منہ سے کون عذاب مانگتا ہے۔

---

[1] (قوله تعالىٰ ما لها من فواقٍ بفتح الفاء ضمها فى السبعية وهو ما بين الحلبتين لانها ثم تترك سويعة يرضعها الفصيل لتدرثم تحلبُ قال الفراء و ابوعبيدة وغيرهما من فواق بفتح الفاء أى راحة لا يفيقون فيها كما يفيق المريض والمغشى عليهٔ ومن فواق بضم الفامن انتظار، والقط فى كلام العرب الحظ والنصيب او القط اسم للقطعة من الشئى كالقسم والقسم فاطلق على النصيب والكتاب والرزق لقطعه عن غيره الا أنه فى الكتاب اكثر استعمالاً واقوى حقيقة (المتقطا من القرطبى ص۱۵۶ ج۱۵ ص۱۵۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد مَا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ یہ فَوَاق فا کے فتحہ کے ساتھ اس وقفہ کو کہتے ہیں جو دو دفعہ دودھ دوہنے کے درمیان ہوتا ہے کہ پہلے دودھ دوہ کر تھوڑا سا چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ بچہ تھنوں کو چوسے تو دوبارہ دودھ اُتر آئے اور پھر دوسری دفعہ دودھ لیں فراء اور ابوعبیدہ وغیرہ کہتے ہیں فَـوَاء فاء کے فتحہ کے ساتھ یعنی ایسی راحت وسکون جس میں افاقہ نہ ہوگا جیسے مریض کو افاقہ ہوتا ہے یا بے ہوش کو، اور فُوَاق فاء کے ضمہ کے ساتھ انتظار کے معنی میں ہے۔ اور ''قط'' کلام عرب میں حصہ اور نصیب کو کہتے ہیں یا ''القط'' کسی شئی کے ٹکڑے کو کہتے ہیں جیسے القِسم اور القَسم پھر اس کا اطلاق حصہ پر کیا گیا وہ کتاب اور رزق جو الگ کر لیا گیا ہو ان پر بھی بولا جاتا ہے مگر کتاب کے معنی میں اس کا استعمال زیادہ ہے اور حقیقت کے لحاظ سے قط بمعنی کتاب زیادہ قوی ہے)

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝١٧ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ

یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور ہمارے بندہ داؤد کو یاد کیجئے جو قوت والے تھے بیشک وہ رجوع کرنے والے تھے، بیشک ہم نے اُن کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا وہ تسبیح میں مشغول

بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝١٨ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۭ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝١٩ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ

ہوتے تھے شام کو اور اشراق کے وقت، اور پرندوں کو مسخر کر دیا جو جمع کئے ہوئے تھے سب اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے اور ہم نے اُن کے ملک کو مضبوط کر دیا اور انہیں حکمت دیدی

وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝٢٠

اور فصل خطاب دیدیا۔

حضرت رسول اکرم ﷺ کو تسلی اور حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ

تفسیر: رسول اللہ ﷺ کو مشرکین کی باتوں سے رنج ہوتا تھا، آیت بالا میں آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کی باتوں پر صبر کریں اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ ہمارے بندۂ داؤد کو یاد کیجئے جو قوت والے تھے اور فرمایا کہ وہ اواب تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے، پھر ان کی تسبیح کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے ان کے ساتھ پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام کو اور صبح کو تسبیح کیا کرو اور پرندوں کو بھی حکم دیا تھا جو جمع ہو جاتے تھے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے تھے یعنی اُس کے ذکر میں مشغول رہتے تھے سورۂ سبا کے دوسرے رکوع میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے اسکی مراجعت کر لی جائے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کا ملک مضبوط کر دیا تھا اور انہیں حکمت یعنی نبوت دی تھی اور فصل الخطاب سے نوازا تھا یعنی وہ ایسی تقریر کرتے تھے جو خوب واضح ہوتی تھی، سننے والے اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔

اس کے بعد آئندہ آیات میں اُن کا ایک واقعہ ذکر فرمایا جس میں اُن کے صبر کا تذکرہ ہے اور اسی نسبت سے اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام کو یاد کرنے کا حکم دیا۔

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝٢١ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ

اور کیا آپ کے پاس جھگڑا کرنیوالوں کی خبر پہنچی ہے جبکہ وہ دیوار پھاند کر محراب میں آگئے جب وہ داؤد پر داخل ہوئے تو وہ ان کے آنے سے گھبرا گئے

خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَاۤ اِلٰى سَوَاۤءِ الصِّرَاطِ ۝٢٢

انہوں نے کہا کہ آپ ڈریں نہیں ہم دو اہل معاملہ ہیں ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے سو آپ حق کے ساتھ ہمارے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجئے

اِنَّ هٰذَاۤ اَخِيْ ۟ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۟ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي

بیشک یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانویں دُنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دُنبی ہے سو یہ کہتا ہے کہ وہ مجھے دیدے اور بات چیت میں مجھے دباتا ہے

الْخِطَابِ ۝٢٣ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَاۤءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ

داؤد نے کہا کہ بلاشبہ اس نے تجھ پر ظلم کیا کہ تیری دُنبی کو اپنی دُنبیوں میں ملانے کا سوال کیا اور اکثر شرکاء ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں مگر وہ

عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ

لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں اور داؤد نے خیال کیا کہ ہم نے ان کا امتحان لیا ہے سو انہوں نے اپنے رب سے

رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۗ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

استغفار کیا اور سجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے، سو ہم نے وہ ان کو معاف کر دیا اور بلاشبہ ان کے لئے ہمارے پاس نزدیکی ہے اور اچھا انجام ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں دو شخصوں کا حاضر ہو کر فیصلہ چاہنا اور آپ کا فیصلہ دینا

تفسیر: ان آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا اور اس کے بعد والی آیات میں یہ بتایا کہ ہم نے داؤد کو زمین کا خلیفہ بنانے کا اعلان کیا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ آپ انصاف کے ساتھ لوگوں میں فیصلہ کریں، یہاں جو قصہ ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ دو شخص اپنا مقدمہ لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آئے بھی کس طرح؟ دروازہ سے آنے کی بجائے دیوار پھاند کر آئے اور تنہائی میں اُن کے پاس پہنچ گئے انہوں نے عبادت کیلئے ایک جگہ بنا رکھی تھی جسے محراب سے تعبیر فرمایا وہ مشغولِ عبادت بھی تھے جب ان دونوں پر نظر پڑی تو بتقاضائے بشریت گھبرا گئے ان دو شخصوں نے ان کی گھبراہٹ کو محسوس کر لیا اور کہنے لگے کہ آپ ہماری وجہ سے خوف زدہ نہ ہوں ہم کوئی چور ڈاکو نہیں ہیں ہم اپنا مقدمہ لے کر حاضر ہوئے ہیں ہم میں ایک مدعی ہے اور دوسرا مدعیٰ علیہ ہے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، آپ ہمارا مقدمہ سن لیجئے اور انصاف سے فیصلہ کر دیجئے اور فیصلہ میں بے انصافی نہ کیجئے اور ہم کو سیدھی راہ بتا دیجئے۔

پھر ان میں سے ایک بولا کہ یہ میرا (دینی) بھائی ہے اس کے پاس ننانوے یعنی ایک کم سو دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھے دیدے، اور کہنے میں بھی وہ طریقہ نہیں اختیار کیا جو سوال کرنے والوں کا ہوتا ہے بلکہ مجھے اس سختی کے ساتھ خطاب کیا حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نے جو یہ بات اٹھائی کہ تیری جو ایک دنبی ہے وہ تو اسے دیدے اور یہ اُسے اپنی دنبیوں میں ملا لے اس کا یہ سوال کرنا ظلم ہے، یہ تو ان دونوں کے مقدمہ کا فیصلہ فرمایا اور ساتھ ہی عام لوگوں کا مزاج اور رواج اور طریقہ کار بھی بیان فرما دیا اور وہ یہ کہ بہت سے لوگ جو شریک ہوتے ہیں، یا مل جل کر رہتے ہیں ان کا یہ طریقہ کار ہوتا ہے کہ ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں ہاں اہلِ ایمان اور اعمالِ صالحہ والے لوگ ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کرتے ایسے لوگ ہیں تو سہی مگر کم ہیں۔

اول تو یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ جل شانہٗ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ کو اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ کے ساتھ شروع فرمایا ہے جس سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو کسی ایسی بات میں مبتلا فرمایا تھا جس میں صبر کی ضرورت تھی رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ اپنے مخاطبین کی باتوں پر صبر کریں اور داؤد کے قصے کو یاد کریں اس کے بعد یہ بات بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتے تھے پھر یہ قصہ بیان فرمایا کہ دو شخص ان کے پاس دیوار پھلانگ کر آ گئے اور دونوں نے اپنا مقدمہ پیش کیا، انہوں نے ان کا فیصلہ سنا دیا، اس میں یہ بات تلاش کرنے کی ہے اس میں صبر کرنے کی کون

سی بات تھی، اس بارے میں روایات حدیث سے کوئی بات واضح نہیں ہوتی، البتہ اتنی بات قرآن مجید کے سیاق اور بیان سے معلوم ہورہی ہے کہ جو دو شخص ان کے پاس تنہائی میں پہنچ گئے تھے وہ وقت ان کی عبادت کرنے کا تھا فیصلہ خصومات کا وقت نہ تھا پھر وہ دونوں دیواریں کود کر آئے جب داؤد علیہ السلام کو ان سے گھبراہٹ ہوئی تو انہوں نے تسلی تو دیدی کہ آپ گھبرایئے نہیں لیکن بے وقت پہنچے پھر دیوار کود کر آئے اور ساتھ ہی یوں کہہ دیا کہ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ کہ آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور مزید یوں کہا کہ بے انصافی نہ کیجئے اور ساتھ ہی یوں بھی کہہ دیا کہ سیدھی راہ بتا دیجئے ان باتوں سے ایک طرح کی بے ادبی ظاہر ہوتی تھی جس سے ایہام ہوتا تھا کہ داؤد علیہ السلام ناحق فیصلہ بھی کر سکتے ہیں اور زیادتی بھی کر سکتے ہیں، داؤد علیہ السلام نبی ہونے کے ساتھ ساتھ جلیل القدر بادشاہ بھی تھے مدعی اور مدعی علیہ کی باتیں سن کر صبر کیا اور تحمل سے کام لیا ان متواتر گستاخیوں پر کوئی دار و گیر نہیں فرمائی بلکہ بڑی نرمی کے ساتھ اُن کا مقدمہ سنا اور فیصلہ فرما دیا۔

حضرت داؤد کا مبتلائے امتحان ہونا پھر استغفار کرنا

اب رہی یہ بات کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جب صبر کے ساتھ مدعی اور مدعی علیہ کی بات سنی اور فیصلہ فرما دیا جو صحیح فیصلہ تھا تو اس میں وہ کون سی بات تھی جو ان کے امتحان کا سبب بن گئی؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی کی بات سن کر مدعی علیہ سے دریافت کئے بغیر جو یہ فرما دیا کہ اس شخص نے تجھ پر ظلم کیا کہ اپنی دنبیوں میں ملانے کے لئے تیری دنبی ملانے کا سوال کیا اس میں فریقین میں سے ایک کی جانب جھکاؤ معلوم ہوتا ہے جو آدابِ قضاء کے خلاف ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ مدعی علیہ نے اس بات کا اقرار کر لیا تھا کہ واقعی میں نے اس شخص سے یہ سوال کیا ہے کہ اپنی دنبی مجھے دیدے اگر یہ صورت ہو تو پھر بھی یہ بات رہ جاتی ہے کہ قاعدہ کے مطابق مدعی علیہ سے فرمانا چاہئے تھا کہ تو نے اس پر ظلم کیا ہے، بجائے اس سے خطاب کرنے کے مدعی سے فرمایا کہ اس شخص نے تجھ پر ظلم کیا یہ بھی ایک قسم کی مدعی کی تھوڑی سی طرف داری ہوئی جب یہ خیال آیا تو انہوں نے اسے امتحان کی بات سمجھا، بڑوں کی بڑی باتیں ہیں معمولی بات میں بھی ان کی گرفت ہو جاتی ہے اس لئے وہ استغفار کی طرف متوجہ ہوئے اور سجدہ میں گر پڑے اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا اور یہ بھی فرما دیا کہ ان کے لئے ہمارے یہاں نزدیکی ہے اور اچھا انجام ہے۔

یہ دونوں شخص جو مقدمہ لے کر آئے تھے اس کی واضح تصریح نہیں ملتی کہ یہ کون تھے؟ صاحبِ روح المعانی نے لکھا ہے (جو بے سند ہے) کہ یہ دونوں حضرت جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام تھے، اندر جانا چاہا تو چوکیداروں نے روکا، لہٰذا وہ دیوار کود کر ان کے پاس محراب میں تشریف لے گئے، یہ بات بعید نہیں ہے کہ یہ دونوں فرشتے ہوں کیونکہ اونچی دیوار تھی، پھلانگ کر تنہائی میں پہنچ جانا انسانوں کا کام نہیں ہے لیکن اگر یہ حضرات فرشتے تھے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرشتوں کا دنبیوں سے کیا واسطہ اور جھگڑے سے کیا تعلق! ملاءِ اعلیٰ والے دنبیوں کے بارے میں کیوں جھگڑا کرنے لگے اور ننانویں دنبی والے نے ایک دنبی والے سے مطالبہ کیوں کیا کہ یہ ایک دُنبی بھی مجھے دیدے اور نہ صرف یہ کہ سادگی کے ساتھ مطالبہ کیا بلکہ سختی کو استعمال کیا اگر یہ دونوں فرشتے تھے تو انہوں نے جھگڑا کیا تو وہ بھی حقیر دنیا کیلئے اور اگر جھگڑا ہوا ہی نہیں تھا تو حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں یہ بات کیوں کہی کہ ہمارا آپس میں جھگڑا ہوا ہے یہ تو کذب بیانی ہوئی اور جھوٹا بیان

ہوا جو گناہ کبیرہ ہے اور فرشتے تو ہر گناہ سے پاک ہیں۔

مفسرین نے اس کا یہ جواب لکھا ہے کہ یہ جھگڑا اور دعوی کسی حقیقت واقعیہ پر مبنی نہیں تھا بلکہ بطور فرض انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا تھا جس سے حضرت داؤد علیہ السلام کو متنبہ کرنا مقصود تھا اس کے ذریعہ انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کو امتحان میں ڈالنے کا ایک راستہ نکالا تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام جس فتنہ میں مبتلا کئے گئے اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ سے یوں نقل کیا گیا ہے جسے محدث حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ داؤد علیہ السلام کو ان کی خود پسندی نے امتحان میں مبتلا کیا جس کی صورت حال یوں بن گئی کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا اللہ رات اور دن میں کوئی بھی ایسی خالی گھڑی نہیں گزرتی جس میں آل داؤد میں سے کوئی شخص نماز یا تسبیح یا تکبیر اور دیگر عبادات میں مشغول نہ ہوتا ہو، اللہ جل شانہٗ کو ان کی یہ بات ناگوار ہوئی اور ارشاد فرمایا کہ اے داؤد یہ سب کچھ میری ہی مدد سے ہے اگر میری مدد شامل حال نہ ہو تو تمہیں مذکورہ عبادات پر قدرت نہ ہو قسم ہے میرے جلال کی میں ایک دن تجھے تیرے ہی سپرد کرتا ہوں داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب مجھے وہ دن بتا دیجئے گا اس کے بعد اس خاص دن میں وہ فتنہ میں مبتلا کر دیئے گئے۔ (مستدرک حاکم ص ۴۳۳ ج ۲ وقال صحیح الاسناد واقرہ الذہبی) اس میں سبب فتنہ کا تو ذکر ہے لیکن فتنہ کا ذکر نہیں بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ جتنی دیر فرشتوں سے بات چیت ہوئی اتنی دیر میں چونکہ اللہ کے ذکر سے غافل رہے اس لئے انہوں نے اسے فتنہ سمجھ لیا گو قضاء کا کام اور فیصلے دینا بھی عبادت ہے لیکن چونکہ عبادت بلا واسطہ یعنی تسبیح و تہلیل سے غفلت ہوئی اس لئے انہوں نے اسے اپنے حق میں فتنہ سمجھ لیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

شرکاء مالیات کا عام طریقہ

حضرت داؤد علیہ السلام نے دو شخصوں کے درمیان جو فیصلہ فرمایا صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ہی عام شرکاء کی ایک حالت بھی بتا دی جنہیں خلطاء سے تعبیر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس دنیا میں بسنے والے لوگ جو آپس میں مل جل کر رہتے ہیں جن میں وہ لوگ بھی ہیں جن کا تجارت میں یا کسب اموال کے دوسرے طریقوں میں ساجھا رہتا ہے عام طور سے یہ لوگ ایک دوسرے پر زیادتی کرتے رہتے ہیں جو خیانت وغیرہ کی صورت میں ہوتی ہے عام طور سے لوگوں کا یہی حال ہے ہاں اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو اہل ایمان اور اعمال صالحہ والے ہیں یہ لوگ اپنے شرکاء پر زیادتی نہیں کرتے لیکن ایسے لوگ زیادہ نہیں ہیں، یہ لوگ کمی کے ساتھ پائے جاتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام نے بہت کام کی بات بتائی اور شرکاء کا ایک مزاج بتا دیا اور درحقیقت شرکت میں کوئی دھندا کرنا بہت بڑے امتحان میں پڑنے کا ذریعہ ہے بات بات میں جھگڑے بھی اٹھتے رہتے ہیں اور خیانت کے مواقع بھی سامنے آتے رہتے ہیں، جو شخص خیانت سے بچ گیا بہت ہی مبارک ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ میں دو شریکوں میں تیسرا ہوتا ہوں (یعنی میری طرف سے ان کی مدد ہوتی رہتی ہے) جب تک کہ ان میں سے کوئی ایک خیانت نہ کرے پھر جب دونوں میں سے کوئی شریک خیانت کر لیتا ہے تو میں درمیان سے نکل جاتا ہوں۔ (رواہ ابو داؤد) یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک دُعاء

حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسلام بہت بڑے ذاکر و عابد تھے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب داؤد علیہ السلام کی نماز تھی اور روزوں میں سب سے زیادہ محبوب داؤد علیہ السلام کے روزے تھے وہ آدھی رات سوتے تھے اور تہائی رات نماز میں کھڑے رہتے تھے اور آخری چھٹے حصہ میں سو جاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن بغیر روزہ کے رہتے تھے (رواہ البخاری ص ۴۸۶ ج ۱) اور ایک روایت میں ہے کہ داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن بے روزہ رہتے تھے اور جب دشمن سے بھڑ جاتے تھے تو پشت نہیں پھیرتے تھے۔ (ایضاً)

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کی دُعاؤں میں سے ایک یہ دُعاء بھی تھی **اللھم انی اسالک حبک وحب من یحبک والعمل الذی یبلغنی حبک اللھم اجعل حبک احب الی من نفسی ومالی واھلی ومن المآء البارد** (اے اللہ میں آپ سے آپ کی محبت کا اور ان لوگوں کی محبت کا جو آپ سے محبت کرتے ہیں اور اس عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو مجھے آپ کی محبت تک پہنچادے اے اللہ آپ اپنی محبت کو مجھے اتنی زیادہ محبوب بنا دیجئے جو میری جان سے اور میرے مال سے اور میرے اہل و عیال سے اور ٹھنڈے پانی سے بڑھ کر مجھے محبوب ہو۔ (رواہ الترمذی وحسنہٗ کمافی المشکوٰۃ ص ۲۲۰)

رسول اللہ ﷺ جب داؤد علیہ السلام کا ذکر کرتے تھے تو یہ بات بیان فرمایا کرتے تھے کہ وہ انسانوں میں سب سے بڑھ کر عبادت گزار تھے۔ (ایضاً)

حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کے ہنر سے کسب کرتے تھے، اسی میں سے کھاتے تھے (رواہ البخاری مرفوعاً) اور انکا ذریعہ کسب یہ تھا کہ لوہے کی زرہیں بناتے تھے انہیں فروخت کر کے اپنا خرچہ بھی چلاتے تھے اور فقراء مساکین پر بھی خرچ کرتے تھے۔

سورۂ صٓ کا سجدہ

سورۂ ص میں شوافع کے نزدیک سجدۂ تلاوت نہیں ہے حنفیہ کے نزدیک یہاں سجدۂ تلاوت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ ص میں سجدۂ تلاوت ادا کیا اور فرمایا کہ داؤد نے توبہ کے طور پر سجدہ کیا تھا، اور ہم اس سجدہ کو بطور شکر ادا کرتے ہیں۔ (رواہ النسائی کمافی المشکوٰۃ ص ۹۴)

ایک مشہور قصہ کی تردید

حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس جو دو شخص فیصلہ لے کر آئے تھے جن کا یہ فیصلہ ان کے امتحان کا سبب بنا اس کے بارے میں بعض کتابوں میں ایک ایسا قصہ لکھ دیا گیا ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان کے

خلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک عورت پر ان کی نظر پڑ گئی تھی جس سے نکاح کرنے کا خیال پیدا ہو گیا اور اس خیال کے پیچھے ایسے پڑے کہ اس کے شوہر کو جہاد میں بھیج کر شہید کروانے کا راستہ نکالا اور جب وہ شخص شہید ہو گیا تو آپ نے اس عورت سے نکاح کر لیا، یہ قصہ جھوٹا ہے جسے اسرائیلی روایات سے لیا گیا ہے حد یہ ہے کہ محدث حاکم نے بھی مستدرک (مستدرک ص ۵۸۶، ص ۵۸۷ ج ۲) میں لکھ دیا اور تعجب ہے کہ حافظ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں اسے ذکر کر کے سکوت اختیار کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص داؤد علیہ السلام کے بارے میں ایسی بات کہے گا اور اس کا عقیدہ رکھے گا تو میں اس پر حدِ قذف کی دوہری سزا جاری کروں گا یعنی ایک سو ساٹھ (۱۶۰) کوڑے لگاؤں گا۔ (روح المعانی ص ۱۸۵ ج ۲۳)

اور صاحب جلالین نے یوں لکھ دیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانویں بیویاں تھیں اور اس شخص کی ایک بیوی تھی جس نے شکایت کی تھی۔

یہ قصہ بھی اسرائیلی روایات سے لیا گیا ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی شان کے خلاف بھی ہے اور کسی صحیح سند سے ثابت بھی نہیں ہے۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ

اے داؤد بے شک ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دیا سو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور خواہش کی پیروی مت کرنا وہ آپ کو اللہ کے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾

راستہ سے بہکا دے گی، بلاشبہ جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس سبب سے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافت کا اعلان

تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کا خطاب ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا تھا، ارشاد فرمایا کہ اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور خواہش نفس کا اتباع نہ کیجئے ورنہ یہ خواہش آپ کو اللہ کے راستہ سے ہٹا دے گی یوں تو ہر حاکم پر لازم ہے کہ فیصلہ کرنے میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھے لیکن خاص طور پر جسے اللہ نے اپنا خلیفہ بنایا اور نبوت سے بھی سرفراز فرمایا اس کی ذمہ داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ وہ حق اور حقیقت اور عدل و انصاف پر قائم رہے۔

اتباع ہویٰ کی مذمت

نیز یہ بھی خطاب فرمایا کہ آپ اتباع ہویٰ سے پرہیز کریں یعنی خواہش نفس کا اتباع نہ کریں ورنہ وہ آپ کو اللہ کے راستہ سے ہٹا دے گی، درحقیقت دو ہی چیزیں ہیں اتباع ہدیٰ اور اتباع ہویٰ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جو عمل کرنے کے لئے حکم ہو وہ ھدیٰ یعنی ہدایت ہے اور اس کا اتباع کرنا لازمی ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے نہ ہو اپنے نفس کے تقاضوں کے مطابق ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایت کے

خلاف ہواس کا اتباع کرنا جائز نہیں ہے یہ نفس کا اتباع ہی تو ہے جو بندوں کو احکام شرعیہ سے روکتا ہے جو لوگ قاضی اور حاکم ہیں اور جج ہیں یہ لوگ خلافِ شرع فیصلے کر جاتے ہیں، رشوت لے لیتے ہیں یا اپنے رشتے دار کی رشتہ داری کو دیکھ کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیتے ہیں یہ اتباع ہوئی ہی تو ہے سورۃ النساء میں فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا

(اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کیلئے گواہی دینے والے رہو اگرچہ اپنی ہی ذات پر ہو یا والدین یا دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو وہ شخص اگر امیر ہے تو اور غریب ہے تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے تو تم خواہش نفس کا اتباع مت کرنا کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ) اور بہت سے حکام کسی کی دشمنی میں ظالمانہ فیصلہ دے دیتے ہیں سورۃ المائدہ میں اسی کو فرمایا وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا (اور کسی قوم کا بغض تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سوال فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اللہ عز وجل نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ عز وجل کے سایہ کی طرف پہلے پہنچنے والے کون ہیں؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں حق دیا جائے تو قبول کر لیں اور جب ان سے حق کا سوال کیا جائے تو پوری طرح دے دیں اور لوگوں کیلئے اسی طرح فیصلے کریں جیسے اپنے لئے فیصلہ کرتے ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۳۲۲)

یہ اتباع ہوئی ہی قرآن وحدیث کے احکام میں تاویل کرنے پر آمادہ کرتا ہے علماء سے بدظن کرتا ہے، زکوٰۃ نہ دینے کیلئے حیلے اور بہانے تراشتا ہے بے پردگی اور سود کو حلال کرنے کیلئے ایسے لوگوں کی تحریروں کی آڑ لیتا ہے جو اخلاص سے خالی ہیں تقویٰ سے دور ہیں بھرپور علم سے بعید ہیں، ننگے پہناوے، ناچ رنگ، نفس ونظر کی حرام لذت، جاہ وشہرت کی طلب اور مالِ کثیر کی رغبت شریعت کے خلاف عمل کرنے پر آمادہ کرنا اتباع ہوئی ہی کا کام ہے، کسی بھی مرنے والے کی میراث شرعی وارثوں کو نہ دینا، بہنوں کو باپ کے ترکہ سے نہ دینا مزدور سے کام لے کر مزدوری نہ دینا یہ اور اسی طرح کی سینکڑوں چیزیں ہیں جنہیں انسان اتباع ہوئی کی وجہ سے اختیار کرتا ہے اور احکام شرعیہ سے منہ موڑتا ہے جو لوگ ہدایت کا اتباع کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر چلنے ہی کو زندگی کا مقصد قرار دیتے ہیں اور جو حکم سنتے ہیں مان لیتے ہیں۔

خواہشوں کا اتباع گمراہ کر دیتا ہے

یہ جو فرمایا فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اس میں یہ بتا دیا کہ خواہشوں کا اتباع کرنا اللہ تعالیٰ کے راستہ سے ہٹا دیتا ہے جس طرح دنیاوی احکام میں نفس کی خواہشوں کے پیچھے چلنے کی وجہ سے قوانینِ شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہے اسی طرح امور آخرت میں بھی اتباع ہوئی اللہ کے راستہ سے ہٹا دیتا ہے نام دین کا اور بزرگی کا ہوتا ہے لیکن کام شریعت کے خلاف ہوتے ہیں، یہ جو قبر پرستی ہے جھوٹی پیری مریدی ہے عرسوں کے خرافات ہیں اپنی طرف سے تجویز کردہ نفل نمازوں کی بدعات ہیں یہ سب اتباع ہوئی کی وجہ سے ہے اور لوگوں کو عموماً اتباع سنت سے زیادہ بدعات پر چلنا زیادہ مرغوب ہے

کیونکہ وہ ان کی اپنی نکالی ہوئی ہیں اور شیطان بھی ان کو بدعات پر اُبھارتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ابلیس نے کہا کہ میں نے لوگوں کو گناہوں پر ڈال کر ہلاک کر دیا اور انہوں نے مجھے استغفار کے ساتھ ہلاک کر دیا، (یعنی میں گناہ کرواتا تھا وہ گناہ کر کے استغفار کر لیتے تھے جس سے میری محنت پر پانی پھر جاتا تھا) لہٰذا میں نے یہ کیا کہ ان کے لئے وہ چیزیں نکال لیں جو دین الٰہی میں نہیں ان کی خواہشوں کے مطابق انہیں وہ نیکی سمجھ کر کرتے ہیں لہٰذا وہ ان چیزوں سے توبہ نہیں کرتے (الترغیب والترہیب للحافظ المنذری) جب خواہشاتِ نفس کا اتباع کریں گیا ور ان اعمال کو انہیں نیکی سمجھ کر کریں گے تو توبہ نہ کریں گے لہٰذا عذاب میں مبتلا ہوں گے اور شیطان کا مقصد پورا ہوگا۔

گمراہ لوگ عذابِ شدید کے مستحق ہیں

اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ (بلاشبہ جو لوگ اللہ کی راہ سے ہٹتے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہے حساب کے دن کو بھول جانے کے سبب سے) اس میں اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹنے والوں کیلئے وعید بیان فرما دی اور یہ بھی بتا دیا کہ یہ لوگ اس لئے مبتلا عذاب ہوں گے کہ دنیا میں رہتے ہوئے حساب کے دن کو بھول گئے تھے اس میں تعمیم ہے کہ اتباع ہویٰ کی وجہ سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹا ہو یا اور کسی وجہ سے، وہ عذابِ شدید کا مستحق ہوا ہوان گمراہوں میں عام طور سے وہی لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو قیامت کو نہیں مانتے، یا مانتے تو ہیں لیکن وہاں کی حاضری کا خیال نہیں رکھتے اور اُسے بھول بھلیاں کیے رہتے ہیں اس لئے وہاں کے لئے تیاری نہیں کرتے اور اپنی جان کو مستحق عذاب بناتے رہتے ہیں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنَ

اور ہم آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بلا حکمت پیدا نہیں کیا' یہ گمان ان لوگوں کا جنہوں نے کفر کیا' سوان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے یعنی دوزخ کا

النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ

داخلہ ہے، جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے کیا ہم انہیں ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو زمین میں فساد کرنیوالے ہیں' کیا ہم متقیوں کو فاجروں کی طرح

كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

کر دیں گے' یہ کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے مبارک ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات میں غور کریں اور تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں۔

مفسدین اور اعمال صالحہ والے مؤمنین اور متقین اور فجار برابر نہیں ہو سکتے!

تفسیر: یہ تین آیات کا ترجمہ ہے ان سے پہلے داؤد علیہ السلام کا ذکر ہو رہا تھا اور عنقریب حضرت سلیمان اور ان کے بعد حضرت ایوب علیہما السلام کا ذکر آ رہا ہے ان تین آیات میں بطور جملہ معترضہ توحید و رسالت اور معاد کو بیان فرما دیا یہی تینوں چیزیں ہیں جن کی طرف قرآن کریم برابر دعوت دیتا ہے اور ان کے ماننے پر آخرت کی بھلائی کا وعدہ دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے اُسے وجود بخشا یہ سب یوں ہی

خواہ مخواہ اور بلا حکمت نہیں ہیں ان کے وجود کو دیکھ کر اول تو خالقِ کائنات جل مجدہ کی معرفت حاصل ہونا چاہئے اور پھر یہ بھی فکر کرنا چاہئے کہ ان چیزوں کے پیدا فرمانے میں حکمت کیا ہے؟ دنیا میں انسان بھی اور دوسری مخلوق بھی ہے آپس میں رحم بھی ہے، مظالم بھی ہیں، لڑائی جھگڑے بھی ہیں قتل وخون بھی ہیں اللہ تعالیٰ کے مؤمن بندے بھی ہیں اور کافر ومشرک بھی ہیں، موت بھی ہے اور حیات بھی ہے، یہ کارخانہ جو جاری اور ساری ہے خالق کائنات جل مجدہٗ نے اسے کیوں پیدا فرمایا اگر اس بات میں غور کیا جائے تو سمجھ میں آجائے گا کہ اس کارخانہ میں جو کچھ بھی ہے سب اللہ تعالیٰ شانہٗ کی حکمت پر مبنی ہے ایمان وکفر، خیر وشر کا سلسلہ جاری ہے لیکن ایک دن یہ دنیا ختم ہو جائے گی قیامت واقع ہوگی سب حاضر ہوں گے اس وقت اہلِ ایمان کو ایمان کی جزا اور اہلِ کفر کو کفر کی سزا دی جائیگی جو لوگ وقوعِ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے نزدیک موت کے بعد اچھے یا بُرے اعمال کا بدلہ ملنے والا نہیں ہے ان کی بات کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ مؤمن ہیں متقی ہیں گناہوں سے بچتے ہیں وہ اور بڑے بڑے فاجر برابر ہو جائیں گے، یعنی نہ انہیں کوئی ثواب ملے گا نہ انہیں کوئی عذاب ملے گا ان لوگوں کا یہ گمان باطل ہے جو ان کے لئے ہلاکت اور بربادی کا سبب ہے اور وہ بربادی یہ ہوگی کہ یہ لوگ دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے اللہ تعالیٰ کے یہاں اہل ایمان اور اعمالِ صالحہ والے بندوں کا بڑا مرتبہ ہے یہ حضرات جنتی ہوں گے اور زمین میں فساد کرنیوالے دوزخ میں جائیں گے اگر ان کافروں اور مفسدوں نے یہ سمجھا ہے کہ اہل ایمان کو نعمتیں نہ ملیں گی اور وہ ہماری طرح ہی ہوں گے مرکھر کر ختم ہو جائیں گے یا یہ سمجھا ہے کہ جو نعمتیں انہیں ملیں گی ہمیں بھی مل جائیں گی یہ ان کی حماقت ہے۔ (یہاں تک توحید اور معاد کا بیان ہوا)

اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے آپ کی طرف ایک کتاب نازل کی ہے جو مبارک ہے اس کے ماننے اور پڑھنے پڑھانے اور اس پر عمل کرنے میں دنیا اور آخرت کی خیر ہی خیر ہے، آپ کے توسط سے جن لوگوں تک پہنچے ان کو چاہئے کہ اس کی آیات میں فکر کریں اور عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں تا کہ احکام شرعیہ کو جانیں اور ان پر عمل پیرا بھی ہوں۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾

اور ہم نے داؤد کو سلیمان بخشش کر دیا وہ اچھا بندہ تھا بلاشبہ وہ بہت رجوع کرنے والا تھا جب پیش کئے گئے اس پر شام کے وقت ایسے گھوڑے، جو سامنے کے ایک پاؤں پر کھڑے ہونے والے تھے عمدہ گھوڑے تھے

فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًا

سوانہوں نے کہا کہ میں نے مال کی محبت کو ترجیح دی اپنے رب کے ذکر کو چھوڑ کر یہاں تک کہ پردے میں چھپ گئے انہیں مجھ پر واپس کرو سو شروع کر دیا

بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کا چھونا

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ وہ اچھے بندہ تھے

تفسیر: حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے تھے ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ مال اور دولت اور ملک اور حکومت سے نوازا تھا اول ان کے بارے میں فرمایا نعم العبد کہ وہ اچھے بندے تھے اور ساتھ ہی انه اواب بھی فرمایا یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والے تھے۔

گھوڑوں کا پیش کیا جانا آخر میں متنبہ ہونا

اس کے بعد سلیمان علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان فرمایا اور وہ یہ کہ ان کے پاس گھوڑے بندھے ہوئے تھے اندازہ یہی ہے کہ یہ گھوڑے جہاد کی ضرورت کیلئے پال رکھے تھے گھوڑے بھی اصیل تھے، اور عمدہ تھے صافنات یہ صافنؔ کی جمع ہے صافن اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو سامنے کے ایک پاؤں کو موڑ کر باقی تین پاؤں پر کھڑا ہو، اصیل گھوڑوں کی یہ صفت بتائی جاتی ہے۔

ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے معائنہ فرمانے کے لئے گھوڑوں کو طلب کیا آپ ان کے دیکھنے میں اتنے مشغول ہوئے کہ سورج چھپ گیا اس سے پہلے جو فرض یا نفل نماز پڑھا کرتے تھے وہ رہ گئی (اگر فرض نماز تھی تو بھولنے کی وجہ سے گناہ میں شمار نہیں ہوتی خصوصاً جبکہ حاضرین میں سے کسی نے یاد بھی نہ دلایا ہو، اور اگر نفل نماز تھی تب تو اس کے چھوٹ جانے میں گناہ ہی نہیں لیکن انہوں نے ہر حال میں اس نماز کے چھوٹنے کو اچھا نہ سمجھا ہو اور گو کہ گھوڑوں کی مشغولیت بھی اللہ تعالیٰ کے لئے تھی لیکن پھر بھی چونکہ ذکر بالواسطہ ذکرِ حقیقی یعنی ذکر بلا واسطہ سے غافل ہونے کا سبب بن گیا اس لئے جب مذکورہ نماز کے فوت ہو جانے کا احساس ہوا تو فرمایا کہ ان گھوڑوں کو واپس کرو جب گھوڑے واپس لوٹائے گئے تو انہیں ذبح کرنا شروع کر دیا ان کی گردنیں تو کاٹی ہی تھیں پنڈلیاں بھی کاٹ دیں اور فرمایا کہ مال کی محبت نے مجھے اپنی طرف اتنا لگایا کہ اپنے رب کی طرف سے غافل ہو گیا یہ ذبح کرنا مال ضائع کرنے کے طور پر نہیں تھا بلکہ بطورِ قربانی کے تھا البتہ یہ اشکال رہ جاتا ہے کہ پنڈلیوں کو کیوں کاٹا؟ یہ تو جانور کو بلاوجہ تکلیف دینا ہوا احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ گردنیں کاٹنے کے بعد پنڈلیاں کاٹی ہوں گی جب کہ ان کی جان نکل چکی ہوگی اور گھوڑے میں چونکہ پنڈلی ہی اصل چیز ہے اس سے گھوڑا دوڑتا ہے اس لئے غیرت کے جوش میں پنڈلیاں بھی کاٹ دیں یعنی اس کام میں جلدی کر دی ورنہ کھانے پینے کیلئے تو کاٹنا ہی تھا چونکہ تقدمِ ذکری تقدمِ عملی کو مستلزم نہیں ہے اس لئے یہ اشکال پیدا نہیں ہوتا کہ آیت شریفہ میں پہلے پنڈلیوں کا ذکر ہے یہاں رعایت فاصلہ کیلئے لفظ الاعناق کو مؤخر کر دیا گیا ہے یہ بلاغت میں ہوتا رہتا ہے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں رب ہرون و موسیٰ فرمایا ہے اور دوسری جگہ رب موسیٰ و ہارون فرمایا ہے۔[1]

---

[1] (وفی روح المعانی: وقیل ضمیر (تورات) للخیل کضمیر (ردوها) واختارهجمع، فقیل الحجاب اصطبلاتها ای حتی دخلت اصطبلاتها، وقیل حتی تورات فی المسابقة بما یحجبها عن النظر، وبعض من قال بارجاع الضمیر للخیل جعلعن للتعلیل ولم یجعل المسح بالسوق و الاعناق بالمعنی السابق فقالت طائفة: عرض علی سلیمان الخیل وهو فی الصلاة فاشار الیهم انی فی صلاة فازا الوهاعنه حتی دخلت فی الاصطبلات فقال لما فرغ من صلاته: (انی أجبت حب الخیر) ای الذی لی عند اللّٰه تعالیٰ فی الآخرة بسبب ذکر ربی کانه یقول فشغلنی ذلک عن رؤیة الخیل حتی دخلت اصطبلاتها ردوها علی فطفق یمسح اعرافها وسوقها محبة لها وتکریما، وروی أن المسح کان لذلک عن ابن عباس، والزهری، وابن کیسان ورجحه الطبری، وقبل کان غسلا بالماء ولا یخفی أن تطبیق هذه الطائفة الآیة علی مایقولون رکیک جدا. (ص ۱۹۴ ج ۳)

(اور بعض حضرات کہ "توارت" کی ضمیر گھوڑوں کی طرف لوٹتی ہے جیسا کہ رُدُّوْهَا کی ضمیر گھوڑوں کی طرف لوٹتی ہے۔ ایک جماعت نے اسی کو پسند کیا ہے بعض نے کہا "حجاب" سے مراد گھوڑوں کے اصطبل ہیں معنی یہ ہوا "حتی کہ گھوڑے اپنے اصطبلوں میں داخل ہو گئے۔" بعض نے کہا حتی کہ دوڑ میں آگے بڑھ کر چھپ گئے کہ نظر آنے سے رہ گئے۔ جن لوگوں نے توارت کی ضمیر گھوڑوں کی طرف لوٹائی ہے ان میں سے بعض نے یہاں لَمِنْ کو تعلیل کیلئے بنایا ہے اور گھوڑوں کی پیٹھوں اور گردنوں کے مسح کو سابقہ معنی میں نہیں لیا ہے۔

ایک جماعت نے کہا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے گھوڑے پیش کئے گئے جبکہ آپ نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے اشارہ کیا کہ میں نماز میں ہوں، تو گھوڑے ہٹا لئے گئے حتی کہ اپنے اصطبل میں پہنچ گئے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا میں نے خیر کی محبت کو ترجیح دی یعنی وہ خیر جو میرے ذکر اللہ کے سبب سے اللہ تعالیٰ کے پاس آخرت میں ہے گویا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ کے ذکر نے گھوڑوں کو دیکھنے سے روکا حتی کہ گھوڑے اصطبلوں میں واپس چلے گئے اب انہیں میرے پاس لے آؤ گھوڑے دوبارہ لائے گئے تو آپ ان کی پیٹھوں اور گردنوں پر ان کی محبت و وقعت کی وجہ سے ہاتھ پھیرنے لگے اور مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ہاں مسح اسی طرح ہے اور زہری، ابن کیسان کے نزدیک بھی اسی طرح ہے اور طبری نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ بعض نے کہا مسح پانی سے دھونا تھا، اور یہ بات واضح ہے اس گروہ نے آیت سے اپنے قول کو جو تطبیق دی ہے یہ بہت کمزور ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے سلیمان کو امتحان میں ڈالا اور ہم نے ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا پھر انہوں نے رجوع کیا عرض کیا اے میرے رب میری مغفرت فرما اور مجھے ایسا ملک عطا کیجئے

يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ

جو میرے بعد کسی دوسرے کو میسر نہ ہو بلاشبہ آپ بڑے دینے والے ہیں۔ سو ہم نے ان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا جو ان کے حکم سے نرمی سے چلتی تھی جہاں ان کو

اَصَابَ ۝ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ هٰذَا عَطَآؤُنَا

جانا ہوتا تھا اور ان کے لئے شیاطین مسخر کر دیئے ہر بنانے والا اور غوطہ لگانے والا اور ان کے علاوہ بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے یہ ہماری بخشش ہے۔

فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝

سو آپ احسان کریں یا روک لیں کوئی حساب نہیں، اور بلاشبہ ان کے لئے ہمارے پاس نزدیکی ہے اور اچھا انجام ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ابتلاء اور دُعا، شیاطین کا مسخر ہونا، کاموں میں لگنا، اور زنجیروں میں باندھا جانا

تفسیر: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سلیمان ابن داؤد علیہما السلام نے کہا کہ آج کی رات میں ستر عورتوں کے پاس جاؤں گا (یعنی ان سے صحبت کروں گا) اُن میں ہر عورت حاملہ ہوگی اور ہر عورت سے ایک شہسوار پیدا ہوگا جو فی سبیل اللہ جہاد کرے گا وہاں جو اُن کے پاس فرشتہ موجود تھا اُس نے کہا کہ ان شاء اللہ کہہ لیجئے لیکن انہوں نے (پھر بھی انشاء اللہ نہ کہا اور دل میں جو اعتقاد خالص تھا کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے ہوتا ہے اسی پر اکتفاء کیا) اس کے بعد یہ ہوا کہ ان عورتوں میں سے صرف ایک عورت کو حمل قرار پایا اُس سے ادھورا بچہ پیدا ہوا جس کا ایک طرف کا دھڑ نہ تھا یہ بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ ان شاء اللہ کہہ لیتے تو سب صحیح و سالم لڑکے پیدا ہوتے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔ (رواہ البخاری ص ۴۸۷ ج ۱)

آیتِ بالا کی تفسیر میں مفسرین کرام نے یہ واقعہ نقل کیا ہے اور بتایا ہے کہ آیت شریفہ میں جو سلیمان علیہ السلام کے امتحان میں ڈالنے کا ذکر ہے اُس سے یہی امتحان مراد ہے کہ انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا تھا اور جو ادھورا بچہ پیدا ہوا تھا اسی کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا، پھر جب اُنہیں اپنی اس لغزش کا احساس ہوا (کہ ان شاء اللہ نہ کہا تھا) تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے اور استغفار کیا۔

استغفار بھی کیا اور آئندہ کیلئے اللہ تعالیٰ سے ایسی حکومت اور سلطنت کی دُعاء کی جو ان کے سوا اور کسی کو نہ ملے، دُعاء کے اخیر میں اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ کہا کہ اے اللہ آپ بہت بڑے دینے والے ہیں یہ دُعاء کے آداب میں سے ہے کہ دُعاء کے اول و آخر اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ بیان کی جائیں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی دُعاء قبول فرمائی پہلے تو گھوڑے ہی قابو میں تھے اب ہوا کو مسخر فرما دیا اور ان کے تابع بنا دیا وہ جہاں جانا چاہتے تھے وہ ہوا انہیں وہاں لے کر چلی جاتی تھی سورۂ سبا میں

فرمایا ہے غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ کہ اس ہوا کا چلنا ایک مہینے کی مسافت تھی اور اس کا شام کا چلنا بھی ایک مہینے کی مسافت تھی، ہوا تیز تو چلتی ہی تھی لیکن نرمی کے ساتھ جاتی تھی اس میں ہلانا جلانا نہیں تھا، اب تو طیاروں کی رفتار نے عام اور خاص سب کو یہ بات بتا دی ہے کہ تیز چلنا اور بیٹھنے والوں کا آرام سے بیٹھے رہنا دونوں چیزیں جمع ہو سکتی ہیں، سلیمان علیہ السلام کے لئے جس طرح ہوا مسخر کر دی گئی تھی جو ان کو لشکروں اور خادموں سمیت حکم کے مطابق لاتی اور لے جاتی تھی اسی طرح اللہ نے شیاطین بھی ان کیلئے مسخر فرما دیئے تھے ان سے وہ عمارتیں بنوانے کا کام لیتے تھے اور انہیں یہ بھی حکم دیتے تھے کہ دریا میں غوطہ لگاؤ اور سمندری چیزیں نکال کر لاؤ نیز ان سے ان کے علاوہ بھی کام لیتے تھے جن کا ذکر سورۂ انبیاء کے چھٹے رکوع میں اور سورۂ سبا کے دوسرے رکوع میں گزر چکا ہے، بہت سے شیاطین ایسے بھی تھے جنہیں حضرت سلیمان علیہ السلام زنجیروں میں جکڑ کر ڈال دیتے تھے یہ قدرت اور قوت اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علی السلام کو دی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو خدمات سپرد کی جاتی تھیں ان میں سے کسی کام کے کرنے میں اگر جنات میں سے کوئی شیطان پہلوتہی یا کوتاہی کرتا تو اسے قید کر کے ڈال دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو سلطنت دی، بڑی بڑی چیزیں عطاء فرمائیں، املاک سے اور ملک سے نوازا شیاطین پر قابو دیدیا اور فرمایا کہ هٰذَا عَطَآءُنَا کہ یہ ہمارا عطیہ ہے فَامْنُنْ سو اس میں سے کسی کو دے کر احسان کر دو اَوْ اَمْسِكْ یا روکے رکھو یعنی کسی کو کچھ بھی نہ دو تمہیں اختیار ہے تمہیں جو کچھ دیا گیا سب بغیر حساب اور بغیر دار و گیر کے ہے تم اس کے مالک ہو اور آخر میں اسی انعام کا تذکرہ فرمایا جو ان کے والد کیلئے فرمایا تھا وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ۔

فائدہ: مجموعی حیثیت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو اللہ تعالیٰ نے حکومت اور سلطنت نصیب فرمائی وہ ان کے بعد کسی کو نہیں ملی انہوں نے جو دعاء میں لَا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ کہا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعاء کو قبول فرمایا جنات پر تو قابو پا لیا جاتا ہے اور مشاہدہ ہے لیکن ہوا پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاوہ کسی کا تسلط اور قبضہ ہوا ہو اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنات میں سے ایک عفریت (بڑا خبیث شیطان) رات کو چھوٹ گیا تھا، (وہ میرے پاس آگیا) تاکہ میری نماز کاٹ دے اللہ نے مجھے اس پر قابو دے دیا سو میں نے اسے پکڑ لیا میں نے چاہا کہ اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب اسے دیکھ لو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی یاد آ گئی رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ لہٰذا میں نے اُسے ذلیل کر کے دھکا دے دیا۔ (صحیح البخاری ص ۴۸۷ ج ۱)

معلوم ہوا کہ کسی انسان کو اللہ تعالیٰ کسی شیطان پر قابو دیدے تو یہ کوئی بعید بات نہیں ہے، اور یہ آپس کے اکرام اور احترام کی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قابو کر لینے کے باوجود شیطان کو چھوڑ دیا اور باندھ کر نہ ڈالا تاکہ اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی انفرادی شان میں فرق نہ آ جائے جو انہیں مرغوب تھی اور جس کیلئے انہوں نے اللہ تعالےٰ سے دعاء کی تھی۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ

اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کیجئے جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ بیشک مجھے شیطان نے دکھ اور آزار پہنچایا ہے' اپنا پاؤں مارو یہ غسل کرنے کا ٹھنڈا

هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي

پانی ہے اور پینے کا' اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ اور ان کے ساتھ ان کے برابر عطاء کئے ہماری رحمت خاصہ کے سبب سے اور عقل والوں کی یادگار کے لئے اور تم اپنے ہاتھ

الْأَلْبَابِ ﴿٤٣﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ ۗ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٤٤﴾

میں ایک مٹھا سینکوں کا لے لو اور پھر اسے ماردو اور قسم نہ توڑو' بلاشبہ ہم نے ان کو صابر پایا' اچھے بندے تھے وہ' بیشک وہ بہت رجوع ہونے والے تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری اور دُعاء اور شفایابی کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کے ابتلاء اور امتحان میں ان کے کامیاب ہونے کا ذکر ہے سورۃ الانبیاء رکوع نمبر ۶ میں بھی ان کا یہ تذکرہ گزر چکا ہے قرآن مجید میں ان کے واقعہ کا اجمالی ذکر ہے تفصیلی حالات جاننے کا کوئی راستہ نہیں ہے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے صرف اتنا ثابت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام غسل فرما رہے تھے سونے کی ٹڈیاں گریں تو انہیں جمع کرنے لگے (جیسا کہ ہم عنقریب ہی پوری حدیث ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ) حضرت ایوب علیہ السلام کے دکھ تکلیف کے تفصیلی حالات اور مدت ابتلاء اور دیگر اُمور سے متعلق بعض چیزیں حضرت ابن عباس سے اور بعض حضرت قتادہ (تابعیؒ) اور بعض حضرت حسن (تابعیؒ) سے منقول ہیں جنہیں حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے دُرِّ منثور میں لکھا ہے لیکن یہ چیزیں اسرائیلی روایات ہیں جن پر اعتماد کرنے کا کوئی راستہ نہیں [1]۔

قرآن مجید کی تصریحات سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ حضرت ایوب علیہ السلام سخت تکلیف میں مبتلا کیے گئے۔

۲۔ شیطان نے انہیں تکلیف پہنچائی۔

۳۔ تکلیف جانی بھی تھی اور مالی بھی۔

۴۔ ان کے اہل و عیال بھی ختم کر دیئے گئے تھے۔

۵۔ اس پر انہوں نے بہت صبر کیا جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی کہ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ بے شک ہم نے ان کو صابر پایا نعم العبدُ اچھے بندے تھے ایوب انهٗ اوابٌ (بیشک بہت رجوع کرنیوالے تھے)

اسرائیلی روایات میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام سات سال اور چند ماہ سخت تکلیف میں مبتلا رہے (فتح الباری میں ۳ سال اور ۱۳ سال اور ۷ سال ذکر کیا ہے اور قول ثانی کو صحیح بتایا ہے (ج ۶ ص ۴۲۲)) مال اور اہل و عیال کچھ بھی پاس نہ رہا تھا جبکہ پہلے طرح طرح کی نعمتوں سے مالا مال تھے صرف ان کی بیوی ان کے پاس رہ گئی تھی جوان

---

[1] (واما النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فلم یصح عنه انهٗ ذکره بحرف واحد الاقوله بینا ایوب یغتسل اذخر علیه رجل من جراد من ذهب الحدیث واذ الم یصح عنه فیه قران وسنة الا ما ذکرناه فمن الذی یوصل السامع الی أیوب خبرهٗ ام علی ای لسان سمعه؟ والاسرائیلیات مرفوضة عند العلماء علی البینات، فاعرض عن سطورها بصرک واصمم علی سماعها أذنیک فانها لا تعطی فکرک الاخیالا، ولا تذید فؤادک الاخبالا. (القرطبی ص ۲۱۰ ج ۱۵))

(لیکن حضور اکرم ﷺ سے کوئی صحیح روایت نہیں کہ آپ ﷺ نے ایک حرف بھی اس بارے میں فرمایا ہو مگر صرف اتنا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نہا رہے تھے تو ان پر ٹڈی کی ایک سونے کی ٹانگ آپڑی پس جب اس بارے میں نہ قرآن سے کوئی ثبوت ہے اور نہ صحیح حدیث سے تو پھر اس بات کی سند حضرت ایوب علیہ السلام تک کیسے پہنچ سکتی ہے یا کون ہے جس نے یہ بات حضرت ایوب علیہ السلام تک کیسے پہنچ سکتی ہے یا کون ہے جس نے یہ بات حضرت ایوب علیہ السلام سے سنی ہو۔ اسرائیلی روایات علماء کے نزدیک دلائل کی محتاج ہیں لہٰذا تم اس قسم کے واقعات کو پڑھنے سے آنکھیں بند کرلو اور ان کے سننے سے کان بھی بند کرلو ان روایات سے تو بس ذہن میں خیال ہی آئیں گے اور دل میں واہیات باتیں پیدا ہوں گی)

کی خدمت کرتی رہتی تھی اس وفادار بیوی کا نام رحمت تھا، انہوں نے جو دُعاء کی تھی اس کے الفاظ سورۃ الانبیاء میں یوں ہیں، اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ، (بیشک مجھے تکلیف پہنچ گئی اور آپ ارحم الراحمین ہیں) اور سورۂ ص میں یوں ہے اِذْ نَادٰی رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ (کہ شیطان نے مجھے دکھ پہنچا دیا اور تکلیف پہنچادی) صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں کہ نصب مشقت کے معنی میں آتا ہے اور زیادہ تر کام کاج کی وجہ سے جو تھکن ہو جائے اس کیلئے استعمال ہوتا ہے اور عذاب سے اَلم مراد ہے جسے سورۃ الانبیاء میں الضر سے تعبیر فرمایا ہے۔

اور بعض حضرات کا یہ قول نقل کیا ہے کہ النصب اور الضر سے جسمانی تکلیف اور عذاب سے اہل اور مال ضائع ہونے کی تکلیف مراد ہے۔

جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے حضرت ایوب علیہ السلام کی دُعاء قبول فرمائی تو فرمایا ارکض بو جلک کہ زمین میں اپنا پاؤں مارو، انہوں نے پاؤں مارا تو وہاں سے چشمہ جاری ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ (یہ غسل کرنے کی چیز ہے جو ٹھنڈی ہے اور پینے کی چیز ہے) چنانچہ انہوں نے غسل کیا اور پانی پیا جسم درست ہو گیا شفاء کامل حاصل ہو گئی ظاہری اور باطنی طور پر بالکل صحت اور عافیت اور سلامتی والی زندگی مل گئی۔

ان کے اہل و اولاد جو اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے واپس ان کے پاس پہنچا دیئے اور سب کو عیش و عشرت والی زندگی عطا فرمادی۔

پھر ان لوگوں سے آگے نسل چلی اور اتنی زیادہ نسل پھیلی پھولی کہ جس قدر ان کی پہلی نسل کے افراد تھے اسی قدر اللہ تعالیٰ نے مزید افراد پیدا فرما دیئے وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ کا ایک مطلب یہی بیان کیا گیا ہے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ میرا میلان بھی اسی طرف ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی اولاد لقمہ اجل بن گئی تھی سب مر گئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ اتنی ہی اولاد دے دی اور اس کے علاوہ مزید اتنی ہی اولاد اور دیدی سنن ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جس دن تکلیف پہنچی وہ بدھ کا دن تھا اور جس دن انہیں عافیت ملی وہ منگل کا دن تھا (باب فی أی الایام تحتجم) رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ۔

یہ ہماری طرف سے رحمت خاصہ کے طور پر تھا اور عقل والوں کے لئے ایک یادگار تھی (تاکہ اہلِ عقل یہ سمجھیں اور یاد رکھیں کہ صابرین کو اللہ تعالیٰ کیسی اچھی اچھی جزا عطاء فرماتا ہے) وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا (الآیہ) حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیماری کے زمانہ میں اپنی بیوی سے ناراض ہو گئے تھے۔ ناراضگی کا کیا سبب تھا اس کے بارے میں تفسیر کی کتابوں میں کئی باتیں لکھی ہوئی ہیں اور ہیں سب اسرائیلی روایات۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیطان معالج کی صورت بنائے ہوئے جا رہا تھا ان کی بیوی نے اس سے کہا کہ میرے شوہر کا علاج کر دے شیطان نے کہا کہ میں علاج تو کر دوں گا مجھے کوئی فیس اور دواء کی قیمت کی ضرورت نہیں ہاں جب تیرا شوہر اچھا ہو جائے تو صرف اتنا کہہ دینا کہ تو نے شفادی حضرت ایوب علیہ لسلام کی بیوی نے اس کو مان لیا پھر ان سے تذکرہ کیا انہیں یہ بات ناگوار ہوئی اور فرمایا کہ تو نے شیطان سے یہ وعدہ کر لیا کہ اس کے بارے میں یوں کہہ دیا جائے کہ تو نے شفادی؟ میں اچھا ہو گیا تو تجھے سو قمچیاں ماروں گا جب اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا دیدی تو قسم پورا کرنے کا خیال آیا

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا لے لو اور اس کو ایک مرتبہ اپنی بیوی کے جسم میں ماردو جب ایسا کرلو گے تو تمہاری قسم پوری ہو جائے گی اور حانث ہونے سے بچ جاؤ گے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا چونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے خود ہی انہیں یہ عمل بتایا اور یہ فرمادیا کہ تم قسم توڑنے والے نہ بنو اور اس عمل کو قسم پورا ہونے کی جگہ قبول فرمالیا اس لئے' ایسا نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی شخص سو کوڑے یا سو قمچیاں مارنے کی قسم کھالے اور اکٹھی سو سینکیں مار کر قسم پوری کرنیوالوں میں شمار ہو جائے اور قسم توڑنے کے گناہ سے بچ جائے جو چیزیں خاص ہوتی ہیں ان پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ اس سے قسم پورا کرنے کی ضرورت اور اہمیت معلوم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کی قسم کے ٹوٹ جانے کو بالکل ہی معاف فرمادیتا لیکن بالکل معاف نہیں فرمایا کچھ نہ کچھ ایسا عمل کرواہی دیا جس سے قسم میں پورا اترنے کی شرعی حیثیت باقی رہے اسی طرح کا ایک واقعہ سنن ابی داؤد شریف میں مذکور ہے جو حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص جو بہت ہی زیادہ ضعیف ہو چکا تھا وہ ایک باندی کے ساتھ زنا کر بیٹھا پھر اسے احساس ہوا تو انصار کے جو لوگ اس کی عیادت کرنے گئے انہیں صورت حال بتادی اور کہا کہ میرے لئے رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ طلب کرو ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے واقعہ پیش کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کردیا کہ وہ شخص اتنا زیادہ نحیف اور ضعیف ہے کہ صرف ہڈیوں پر کھال رہ گئی ہے اگر ہم اُسے آپ کی خدمت میں لے کر آئیں تو اس کی ہڈیاں ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائیں گی۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ کھجور کی ایک ٹہنی کے سو اجزاء لے لو اور ایک ساتھ سب کو ایک مرتبہ ماردو۔ (سنن ابی داؤد ج۲ ص ۲۵۸)

اس سے بھی وہ ہی بات سمجھ میں آرہی ہے کہ وہ شخص زنا کرنے کی وجہ سے سو کوڑوں کی سزا کا مستحق تھا لیکن موت کی سزا کا مستحق نہ تھا اب اسے سو کوڑے مارے جاتے تو مرجاتا اور جان سے ماردینا مقصود نہ تھا اور حد کو بالکل ہی ختم کردینا بھی شریعت کے مزاج کے خلاف تھا کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ (اور اللہ کے دین میں تمہیں رحم نہ پکڑے کہ تم زانی اور زانیہ پر رحم کھا جاؤ) لہٰذا حد کو معطل نہیں فرمایا بلکہ کچھ نہ کچھ سزا دلواہی دی تا کہ امت ہوشیار اور بیدار رہے اور حد جاری کرنے میں کسی طرح کی ڈھیل کو برداشت نہ کرے۔

فائدہ: دعا کی قبولیت اور برکات

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے' کیا حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی سخت بیماری کے دنوں میں صحت وعافیت کے لئے دعا نہیں کی! اور اگر کی تھی تو کیوں قبول نہ ہوئی' بات یہ ہے کہ بظاہر حضرت ایوب علیہ السلام دعا سے غافل تو نہ رہے ہوں گے لیکن اللہ جل شانہ کی قضا وقدر میں جب تک انہیں مبتلا رکھنا تھا اس وقت تک ابتلاء باقی رہا اور دعا کا ثواب انہیں ملتا رہا اور آخرت میں درجات کی بلندی کے لئے یہ دعائیں ذخیرہ بنتی رہیں' مومن بندہ کی کوئی دعا ضائع نہیں جاتی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی مسلمان کوئی دعا کرتا ہے جو گناہ کی یا قطع رحمی کی دعا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور تین چیزوں میں سے ایک عطاء فرمادیتا ہے۔

۱۔ جو دعاء کی اس کے مطابق اس دنیا میں جلدی مقصد پورا کردیا جاتا ہے۔

۲۔ یا اس دعا کو اس کے لئے آخرت کا ذخیرہ بنادیا جاتا ہے۔

۳۔ یا اس جیسی آنے والی مصیبت اس سے پھیر دی جاتی ہے (یعنی آنے سے رک جاتی ہے) صحابہ نے عرض کیا بس تو ہم پھر خوب زیادہ دعائیں کریں گے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا (اللہ (بھی) بہت زیادہ دینے والا ہے۔ (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص ۱۹۶)

سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قضاء وقدر کے موافق ہوتا ہے

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام کو تکلیف پہنچی تھی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دعا کرنا بھلا دیا تھا، گو اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرتے تھے لیکن دعا نہ کرتے تھے اور چونکہ دکھ تکلیف میں اللہ کی رضا سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کی رغبت اسی میں تھی کہ تکلیف میں رہوں (بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ جب حضرت ایوب علیہ السلام کی اہلیہ نے عافیت کی دُعاء کرنے کی بات کہی تو فرمایا ہم ستر سال عیش و آرام میں رہے اب صبر کرو جب ستر سال تکلیف میں گزر جائیں گے اس کے بعد دُعاء کریں گے۔ (روح المعانی ص ۲۰۷ ج ۲۳)) پھر جب اللہ تعالیٰ کو ان کی تکلیف دور کرنا منظور ہوا، تو انہیں دعا کرنے کی توفیق دیدی اور انہیں دعا کرنا یاد آ گیا جب دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے دُعاء قبول فرمالی اور مال و دولت آل و اولاد جو کچھ جاتا رہا تھا اس کا دوگنا عطا فرما دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی کہ
إِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا، نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهٗ أَوَّابٌ۔ (ذکرہ فی الدر المنثور ص ۳۲۸ ج ۴)

بات یہ ہے کہ پورے عالم میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے موافق ہوتا ہے دعا بھی اسی وقت مقبول ہوتی ہے جب کامیابی کا وقت آ جاتا ہے اور دوا بھی جب ہی اثر کرتی ہے جب اللہ تعالیٰ کی قضا اور قدر میں شفا دینا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو پورا پورا اختیار ہے کہ جسے چاہے جتنا آرام دے اور جسے چاہے تکلیف کے ذریعہ آزمائے اور مومن بندوں کے لئے چونکہ تکلیف میں بھی خیر ہی خیر ہے (اس پر ثواب ملتا ہے اور آخرت میں درجات بلند ہوتے ہیں) اس لئے ان کے لئے تکلیف میں مبتلا ہونا بھی خیر ہی خیر ہے کوئی شخص یوں نہ سمجھے کہ فلاں شخص دیکھنے میں تو اتنا نیک ہے پھر یہ اتنی بڑی تکلیف میں مبتلا ہوا ہے تو ضرور کسی بڑے گناہ میں مبتلا ہوا ہوگا۔ [1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن جب مصیبت والوں کو ثواب دیا جائے گا تو آرام و عافیت والے تمنا کریں گے کہ کاش ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی جاتیں۔ (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ص ۱۳۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ حضرت ایوب علیہ السلام اپنے تکلیف کے دنوں میں دعا کو بھولے رہے اس کی تائید میں حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک بات سنیئے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی بندہ روزانہ صبح و شام تین مرتبہ بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیئ فی الارض ولا فی السماءِ وھو السمیع العلیم پڑھ لیا

---

[1] (قال العینی فی عمدۃ القاری ج۵ ص ۲۸۲ فان قلت فلم لم یدع اول ما نزل به البلاء قلت لانهٗ علم امر اللہ فیه ولا تصرف للعبد مع مولاہ او اراد مضاعفة الثواب فلم یسال کشف البلاء)
(علامہ عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں اگر تم کہو کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے بیماری کے شروع ہی میں دُعاء کیوں نہیں مانگی تو میں کہتا ہوں اس لئے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے خیال کیا کہ اس آزمائش میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم میں بندہ کا کوئی تصرف نہیں ہے یا یہ کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے زیادہ ثواب حاصل کرنے کیلئے شروع ہی میں تکلیف دُور ہونے کی دُعاء نہیں مانگی)

کرے تو اسے کوئی چیز بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی حضرت ابان نے حدیث تو بیان کردی لیکن ان کے جسم پر ایک جگہ فالج کا اثر تھا جس شخص سے انہوں نے حدیث بیان کی وہ ان کی طرف (تعجب کی نظروں سے) دیکھنے لگا حضرت ابان نے اس کی نظروں کو بھانپ لیا اور فرمایا تم مجھے کیا دیکھ رہے ہو؟ خوب سمجھ لو بلا شک وشبہ حدیث اسی طرح سے ہے جیسا کہ میں نے بیان کی لیکن بات یہ ہے کہ جس دن مجھے یہ تکلیف پہنچی ہے میں نے اس دعا کو نہیں پڑھا تھا (یعنی بھول گیا تھا) تا کہ اللہ اپنی تقدیر کے فیصلے کو نافذ فرمادے۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ وابوداؤد کما فی المشکوٰۃ ص ۲۰۹)

تکمیل تذکرہ حضرت ایوب علیہ السلام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس درمیان میں کہ ایوب علیہ السلام (تنہائی میں) ننگے غسل کر رہے تھے ان کے اوپر سونے کی ٹڈیاں گر گئیں وہ انہیں اپنے کپڑے میں سمیٹنے لگے اللہ تعالیٰ نے انہیں پکارا کہ اے ایوب کیا میں نے تمہیں غنی نہیں بنا دیا تمہارے سامنے جو کچھ ہے اس کی ضرورت نہیں عرض کیا آپ کی عزت کی قسم آپ نے مجھے غنی بنا دیا ہے لیکن میں آپ کی برکت سے بے نیاز نہیں ہوں۔

فتح الباری ۴۲۰ جلد ۶ میں بحوالہ احمد وابن حیان حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو عافیت دیدی یعنی ان کا مرض دور فرمادیا تو ان پر سونے کی ٹڈیاں برسا دیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ٹڈیوں کا برسنا مرض سے شفایاب ہونے کے بعد کی بات ہے۔

فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام دکھ وتکلیف میں مبتلا ہوئے تو ہر شخص نے انہیں چھوڑ دیا البتہ ان کے دوستوں میں دو شخص ان کے پاس صبح وشام آنا جانا رکھتے تھے ایک دن ان دونوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ ضرور ایوب نے کوئی بڑا گناہ کیا ہے ایسی بات نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کی اس مصیبت کو ضرور دور فرما دیتا جس شخص سے یہ بات کہی تھی اس نے ایوب علیہ السلام سے اس کا تذکرہ کر دیا اس پر وہ رنجیدہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے اسی وقت دعا کی پھر قضاء حاجت کے لئے چلے گئے اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اپنا پاؤں زمین پر مارو انہوں نے زمین پر پاؤں مارا تو ایک چشمہ جاری ہو گیا جس میں انہوں نے غسل کیا اور بالکل صحیح اور تندرست ہو گئے اب جو ان کی بیوی آئی تو انہیں پہچان نہ سکی اور خود انہی سے دریافت کیا کہ یہاں جو مریض تھا وہ کہاں گیا ایسا تو نہیں کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہو حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ وہ میں ہی ہوں اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی تندرستی دے دی اور ان کی بیوی پر بھی جوانی لوٹا دی یہاں تک کہ اس کے بعد ان سے 26 لڑکے پیدا ہوئے فتح الباری میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو کھلیان تھے (جن میں کھیتی کاٹنے کے بعد غلہ جمع کیا جاتا ہے) ایک کھلیان گیہوں کا اور دوسرا کھلیان جو کا تھا اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا جس نے گیہوں والے کھلیان میں اتنا سونا برسایا کہ بہنے لگا اور جو کے کھلیان میں اتنی چاندی برسائی کہ وہ بھی بہہ پڑی۔ **فللّٰہ الحمد علی انعامہ۔**

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ

اور یاد کیجئے ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے بیشک ہم نے انہیں ایک خاص بات کیساتھ مخصوص کیا تھا

ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ۝ وَاذْكُرْ إِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ

جو آخرت کی یاد ہے اور بلاشبہ یہ بندے ہمارے نزدیک انتخاب کردہ اچھے لوگوں میں سے ہیں اور یاد کیجئے اسماعیل کو اور الیسع کو اور ذوالکفل کو، اور یہ سب اچھے لوگوں میں، سے تھے،

مِّنَ الْأَخْيَارِ ۝ هٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ ۝

یہ ایک نصیحت ہے اور بلاشبہ پرہیز گاروں کے لئے اچھا ٹھکانہ ہے' ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں ان کے لئے دروازے کھلے ہوں گے

مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ۝ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ أَتْرَابٌ ۝ هٰذَا مَا

وہ ان میں تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے، وہ وہاں بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں طلب کریں گے اور ان کے پاس نیچی نگاہ والی ہم عمر بیویاں ہونگی یہ وہ ہے

تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝ إِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ۝

جس کا تم سے روز حساب آنے پر وعدہ کیا جاتا تھا' بلاشبہ یہ ہمارا رزق ہے جس کو ختم ہونا ہی نہیں۔

حضرت ابراہیم' حضرت اسحٰق' حضرت یعقوب علیہم السلام کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں اول چند حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا اجمالی تذکرہ فرمایا اس کے بعد متقیوں کا انعام بیان فرمایا جو باغوں اور ہم عمر بیویوں اور مطعومات اور مشروبات کی صورت میں دیا جائے گا۔

ارشاد فرمایا کہ ہمارے ان بندوں کو یاد کیجئے یعنی ابراہیم اور ان کے بیٹے اسحٰق اور ان کے بیٹے یعقوب کو یاد کیجئے ان حضرات کی نبوت کا تذکرہ قرآن مجید میں دوسری جگہ آچکا ہے حضرت ابراہیم علیہم السلام کا تذکرہ تو بہت جگہ آیا ہے توحید کی دعوت کے سلسلے میں ان کا تکلیفیں اٹھانا آگ میں ڈالا جانا کافروں اور مشرکوں سے مباحثہ کرنا' اللہ تعالیٰ کا حکم ملنے پر بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے لٹا دینا یہ سب گزر چکا ہے۔ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ مل کر کعبہ شریف بنایا پھر حج کے لئے لوگوں کو پکارا اور یہ دعا کی کہ اے ہمارے رب مکہ والوں میں انہیں میں سے ایسا شخص نبی بنا کر بھیجنا جو آپ کی کتاب پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔ یہ بیان بھی پہلے گزر چکا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو جوان کی ملت کا اتباع کرنے کا حکم فرمایا ہے سورۂ بقرہ اور سورۂ نحل اور سورۂ حج میں اس کا بیان بھی گزر چکا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی نبی آئے سب انہی کی نسل میں سے تھے۔ خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نبی اسماعیل میں سے اور باقی تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بنی اسحٰق میں سے تھے جنہیں بنی اسرائیل کہا جاتا ہے اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا حضرت اسماعیل اور اسحٰق بڑھاپے میں عطاء کئے گئے تھے اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور شکریوں کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ إِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ ۚ إِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاءِ (سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے بوڑھی عمر میں اسماعیل اور اسحٰق عطاء فرمائے بلاشبہ میرا رب دعا کا سننے والا ہے)

ان حضرات کا ایک خاص وصف أُولِي الْأَيْدِيْ وَالْأَبْصَارِ بیان فرمایا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ وہ ہاتھوں والے تھے اور آنکھوں والے تھے اور اس کا مطلب علماء نے یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی اطاعت اور عبادت کی قوت عطاء

فرمائی اور دینی بصیرت اور تفقہ فی الدین کی نعمت سے نوازا تھا۔ (ذکرہ ابن کثیر)

اس کے بعد انکی ایک اور صفت بیان فرمائی اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ (یعنی ہم نے انہیں ایک خاص بات کے ساتھ مخصوص کیا تھا جو آخرت کی یاد ہے

یہ حضرات خالص آخرت کے کاموں میں اور وہاں کی فکرمندی میں لگے رہتے تھے۔

تفسیر ابن کثیر میں حضرت مالک بن دینار سے اس آیت کی تفسیر نقل کرتے ہوئے لکھا ہے نزع اللّٰہ تعالیٰ من قلوبھم حب الدنیا و ذکرھا واخلصھم بحب الاخرۃ و ذکراھا (یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے دنیا کی محبت اور اسکی یاد کو نکال دیا اور ان کے دلوں میں خالص آخرت کی محبت ڈال دی اور خالص اسی کے فکر سے آراستہ فرمادیا اور حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کانوا یذکرون الناس الدار الاخرۃ والعمل لھا (یعنی یہ حضرات دوسرے لوگوں کو آخرت یاد دلاتے تھے اور اس کے لئے عمل کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔

ان حضرات کی تیسری صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ (اور بلاشبہ یہ بندے ہمارے نزدیک منتخب کئے ہوئے تھے اچھے لوگوں میں سے تھے (کیا کہنے اُن بندوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنا برگزیدہ بنائے اور اچھے لوگوں میں شمار فرمائے۔

حضرت اسمٰعیل حضرت الیسع اور ذوالکفل علیہم السلام کا تذکرہ

ان کے بعد حضرت اسماعیل اور حضرت الیسع اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا تذکرہ کرنے کا حکم فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ سب اچھے بندے تھے ان حضرات کا تذکرہ سورۃ الانبیاء میں گزر چکا ہے نیز سورۃ الانعام کے رکوع حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ کی تفسیر بھی دیکھ لی جائے۔

هٰذَا ذِكْرٌ یعنی یہ جو کچھ بیان ہوا ایک نصیحت کی چیز ہے جسکو یاد رکھنا چاہئے اور اسکے متضاء پر عمل کرنا چاہئے۔

متقی حضرات کی نعمتوں کا ذکر

وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ (اور بلاشبہ پرہیزگاروں کے لئے اچھا ٹھکانا ہے) پھر اس ٹھکانے کی تفسیر بتائی جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ (یعنی ہمیشہ رہنے کے باغیچے ہوں گے جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوں گے) جب جنت میں داخل ہونے لگیں گے تو اس کے دروازے کھلے ہوئے پائیں گے جیسا کہ ان لوگوں کا اکرام اور استقبال کیا جاتا ہے جنہیں مہمانی کے طور پر بلایا جاتا ہے سورۂ زمر میں اسی کو فرمایا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا اس کے بعد ان حضرات کے بیٹھنے کا اور میوؤں کا اور پینے کی چیزیں طلب کرنے کا تذکرہ فرمایا مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ پھر ان کی بیویوں کا تذکرہ فرمایا وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ (ان کے پاس ایسی بیویاں ہوں گی جو نظریں پست کئے ہوں گی یعنی اپنے شوہروں کے علاوہ کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں گی اور وہ ہم عمر بھی ہونگی۔

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ (ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ انعام واکرام جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ حساب کے دن یعنی قیامت کے روز تمہیں یہ چیزیں دی جائیں گی اہل جنت کو خوش کرنے کے لئے یہ بھی کہا جائے گا کہ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ (بلاشبہ یہ ہمارا رزق ہے جس کے لئے ختم ہونا نہیں ہے یعنی یہ رزق ہمیشہ رہے گا کبھی چھینا نہ جائے گا اور کم نہ ہوگا۔ سورۂ ہُود میں فرمایا عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (بخشش ہے جو ختم ہونے والی نہیں ہے) اور اہل ایمان کے لئے فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ بھی فرمایا ہے ان کے لئے ایسا اجر ہے جو کٹنے والا یعنی ختم ہونے والا نہیں۔

هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾

اس بات کو سمجھ لو اور بلاشبہ سرکشوں کے لئے برا ٹھکانا ہے جہنم ہے جس میں وہ داخل ہوں گے سو وہ برا بچھونا ہے یہ عذاب ہے سو تم اس کو چکھ لو حمیم ہے اور غساق ہے

وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ

اور اس کے سوا اس طرح کی انواع عذاب ہیں یہ جماعت ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہو رہی ہے جن کے لئے کوئی مرحبا نہیں ہے بیشک یہ لوگ دوزخ میں داخل ہونے والے ہیں وہ کہیں گے بلکہ تم ایسے ہو کہ

لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا

تمہارے لئے مرحبا نہیں ہے تم نے اس کو ہمارے لئے آگے بڑھایا سو یہ بری جگہ ہے ٹھہرنے کی وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب جس نے اسکو ہمارے آگے کیا اسے دوزخ میں دوگنا

ضِعْفًا فِى النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا

عذاب بڑھا دیجئے اور وہ کہیں گے کیا بات ہے ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جنہیں ہم اشرار یعنی برے لوگوں میں شمار کیا کرتے ہیں کیا ہم نے ان کا مذاق بنا رکھا تھا

اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾

یا انکے دیکھنے سے آنکھیں چکرا رہی ہیں؟ بلاشبہ یہ حق ہے دوزخ والوں کا جھگڑنا۔

سرکشوں کا برا انجام، دوزخ میں ایک دوسرے سے بیزار ہونا

تفسیر: اہل سعادت کا اکرام اور انعام بیان کرنے کے بعد فرمایا هٰذَا یعنی یہ بات جو اوپر بیان ہو چکی اس کو محفوظ رکھو اور یاد رکھو اس کے بعد اہل شقاوت کا حال معلوم کرو اور وہ یہ ہے کہ سرکشوں کا برا ٹھکانہ ہوگا یعنی یہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے جو بدترین ٹھکانہ ہے اور برا بچھونا ہے (چونکہ دوزخیوں کے نیچے بھی آگ ہوگی اس لئے اسے برا بچھونا فرمایا) یہ عذاب ہے سو اسے چکھ لو، حمیم ہے اور غساق ہے اور اسی طرح کا مختلف قسم کا عذاب ہے۔ مثلاً ضریع ہے اور زمھریر ہے زقوم ہے اور غسلین ہے، صعود ہے اور مقامع ہیں وغیرہ ذالک حمیم گرم پانی کو کہتے ہیں سورۂ محمد میں فرمایا وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (اور انہیں کھولتا ہوا گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیگا اور غساق کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس ایک ڈول دنیا میں ڈال دیا جائے تو تمام دنیا والے سڑ جائیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح از ترمذی ص ۵۰۳) غساق کیا چیز ہے اس کے بارے میں صاحب مرقاۃ (شرح مشکوٰۃ) نے چار قول نقل کئے ہیں۔

۱۔ دوزخیوں کی پیپ اوران کا دھواں مراد ہے
۲۔ دوزخیوں کے آنسو مراد ہیں
۳۔ زمہریر یعنی دوزخ کا ٹھنڈک والا عذاب مراد ہے

۴۔ غساق سڑی ہوئی اور ٹھنڈی پیپ ہے جو ٹھنڈک کی وجہ سے پی نہ جاسکے گی' (مگر بھوک کیوجہ سے مجبوراً پینی پڑے گی) بہر حال غساق بہت بری چیز ہے جو بہت ہی زیادہ بدبودار ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَعِذْنَا مِنْهُ۔

اس کے بعد اہل دوزخ کا ایک باہمی مکالمہ نقل فرمایا اور وہ یہ کہ جو لوگ پہلے سے دوزخ میں جا چکے ہوں گے علی التعاقب اس طرح کی بہت سی جماعتیں جانیوالی ہوں گی) تو بعد میں آنے والی جماعت کو دیکھ کر پہلے داخل ہونے والی جماعت کہے گی' یہ ایک جماعت اور آئی جو تمہارے ساتھ عذاب بھگتنے کے واسطے یہیں گھسنے کے لئے آرہی ہے ان کیلئے کوئی مرحبا نہیں یعنی ان کے آنے کی کوئی خوشی نہیں یہ بھی جہنمی ہم بھی ہمیں ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ بعد میں آنے والی جماعت جواب میں کہے گی جو دنیا میں پہلی جماعت کی پیروکار تھی اور اس کے بہلانے اور ورغلانے سے کفر اختیار کئے ہوئے تھی) بلکہ تمہارے لئے کوئی مرحبا نہیں ہے تم یہ عذاب ہمارے آگے لائے یعنی تم نے ہمیں کفر پر ڈالا اور جمایا جس کے نتیجے میں ہم یہاں عذاب بھگتنے کے لئے داخل کئے گئے اس کے بعد وہ بعد میں آنے والی جماعت (جو اتباع تھے) اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے متبوعین یعنی بڑوں اور سرداروں کی سزا کے لئے یہ درخواست پیش کریں گے کہ اے ہمارے رب جو شخص ہمارے لئے عذاب کو آگے لایا اسے دوزخ میں دوگنا عذاب دیجئے (یہاں دنیا میں ایک دوسرے سے تعلق بھی رکھتے ہیں چھوٹے لوگ اپنے بڑوں کی بات بھی مانتے ہیں اور ان کے کہنے سے کفر پر جمے رہتے ہیں لیکن جب وہاں دوزخ میں داخل ہوں گے تو ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور چھوٹے لوگ اپنے سرداروں کے لئے دوہرے عذاب کی درخواست کریں گے۔

اہل دوزخ کو حیرت ہوگی جب اہل ایمان کو اپنے ساتھ نہ دیکھیں گے

اہل دوزخ کہیں گے کہ ہم دنیا میں تھے تو اہل ایمان کو اور خاص کر فقرائے مومنین کو ذلیل سمجھتے تھے اور یوں بھی کہتے تھے کہ یہ اشرار ہیں یعنی برے لوگ ہیں ان میں کوئی خیر نہیں' اور بعض مرتبہ ان سے یوں بھی کہہ دیتے تھے کہ تم دوزخ میں جاؤ گے ہم جنتی ہوں گے (جیسا کہ یہود اور نصاریٰ اور اہل ہنود سمجھتے ہیں) لیکن جب یہ کفار دوزخ میں پہنچیں گے اور ادھر اُدھر ڈالیں گے تو انہیں اہل ایمان میں سے کوئی بھی نظر نہ آئے گا نظروں کے سامنے سب کافر ہی ہوں گے اس وقت یوں کہیں گے کیا بات ہے ہم ان آدمیوں کو نہیں دیکھ رہے جنہیں ہم برے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے کیا ہم نے ناحق ان کی ہنسی کر رکھی تھی کہ انہیں دوزخی سمجھتے تھے (اور حقیقت میں وہ ایسے نہ تھے جیسا ہم نے سمجھا تھا) یا یہ بات ہے کہ وہ لوگ یہاں موجود تو ہیں لیکن ہماری آنکھیں چکرا رہی ہیں کہ ان پر نظر نہیں پڑتی اس بات کو یاد کر کے انہیں حیرت بھی ہوگی اور حسرت بھی کہ جن کی ہم نے مذاق بنائی تھی وہ تو یہاں نہ پہنچے اور ہمیں یہاں آنا پڑا۔

اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ (یعنی دوزخیوں کا آپس میں جھگڑنا بالکل سچی بات ہے ایسا ضرور ہوگا)

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

آپ فرما دیجئے کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو واحد ہے قہار ہے وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے اندر ہے ان سب کا رب ہے

الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۝ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى

عزیز ہے غفار ہے آپ فرما دیجئے کہ یہ بڑی خبر ہے تم اس سے اعراض کئے ہوئے ہو مجھے ملأ اعلیٰ کا کچھ علم نہیں ہے جبکہ وہ آپس میں گفتگو کرتے ہیں

اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

میری طرف تو صرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں

صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے وہ واحد و قہار ہے مالک ارض و سماء ہے عزیز و غفار ہے

تفسیر: ان آیات میں توحید اور رسالت کا اثبات فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات بیان فرمائیں۔ آپ کو خطاب فرمایا کہ اپنے مخاطبین سے فرما دیں کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں زبردستی کسی سے ایمان قبول کرانے والا نہیں، پھر توحید کی دعوت دی کہ معبود صرف ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ جو اپنی ذات و صفات میں تنہا بھی ہے اور قہار بھی ہے یعنی وہ سب پر غالب ہے تکوینی طور پر اس کی قضاء اور قدر کے مطابق سب کچھ وجود اور ظہور میں آتا ہے وہ آسمانوں کا بھی رب ہے اور زمین کا بھی، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے پروردگار عالم جل مجدہٗ کو چھوڑ کر تم جو کسی دوسرے کی عبادت کر رہے ہو یہ حماقت اور ضلالت، پھر یہ بھی سمجھ لو کہ وہ عزیز بھی ہے یعنی غلبہ والا ہے اسے تمہاری گرفت فرمانے اور عذاب دینے پر پوری پوری قدرت ہے، وہ غالب ہے اور سب مغلوب ہیں لیکن اگر تم کفر و شرک سے توبہ کر لو گے تو وہ بخش دے گا کیونکہ وہ غفار یعنی بہت بڑا بخشنے والا بھی ہے۔

اس کے بعد آپ کی نبوت کی ایک دلیل بیان فرمائی کہ آپ ان لوگوں سے فرما دیں یہ جو کچھ میں نے اپنی رسالت کی خبر دی ہے اور تمہیں یہ بتایا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں یہ بہت بڑی خبر ہے تمہیں اس کی طرف متوجہ ہونا لازم تھا لیکن تم اس سے اعراض کر رہے ہو تم یہ تو دیکھو کہ میں جو ملأ اعلیٰ (عالم بالا) کی خبریں دیتا ہوں یہ خبریں میرے پاس کہاں سے آ گئیں نہ میں نے پرانی کتابیں پڑھی ہیں نہ اہل کتاب سے میرا میل جول رہا ہے یہ باتیں جو میں بتاتا ہوں جن کی اہل کتاب تصدیق کرتے ہیں اور تمہارے سامنے بھی میری بتائی ہوئی خبروں کا صحیح طور پر ظہور ہوتا رہتا ہے یہ علم مجھے کہاں سے ملا؟ ظاہر ہے کہ یہ سب مجھے وحی کے ذریعہ سے ملا ہے، اللہ تعالیٰ نے جب آدمؑ کو پیدا فرمایا پھر فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا اور ابلیس سجدہ کرنے سے منکر ہوا ان باتوں کی جو میں نے خبر دی ہے مجھے ان کا کچھ علم نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے فرشتوں سے یوں فرمانا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں پھر ان کا اس پر سوال اٹھانا پھر آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں چیزوں کے نام بتانے سے عاجز ہو کر سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا کہنا (کما

مرّ فی سورۃ البقرۃ وھذا داخل فی الاختصام لأن قولہ تعالیٰ اذ قال ربک للملئکۃ بدل من قولہ تعالیٰ اذ یختصمون کما ذکرہ صاحب الروح) (یہ سب تفصیل مجھے صرف وحی سے معلوم ہوئی ہے اس سے پہلے ان چیزوں کو بالکل نہیں جانتا تھا تم اپنے ہوش کی دوا کرو اور بات کو سمجھو اور میری نبوت کے انکار سے باز آؤ میں دوبارہ واضح طور پر تمہیں بتاتا ہوں کہ میری طرف دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں یہی وحی آئی ہے کہ میں واضح طور پر ڈرانے والا ہی ہوں میری بات نہ مانو گے تو اپنا برا کرو گے میں تم سے زبردستی قبول نہیں کرا سکتا۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا
جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ بے شک میں کیچڑ سے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں، سو جب میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو
لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ
اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا، سو سارے فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا اسنے تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ
یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ
اے ابلیس تجھے کس بات سے کس چیز نے روکا کہ تو اُسے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے، کیا تو نے تکبر کیا یا یہ کہ تو بڑے درجے والوں میں سے ہے ابلیس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں
خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۷۷﴾ وَّاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ
مجھے آپ نے آگ سے اور اسے کیچڑ سے پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو تو یہاں سے نکل جا کیونکہ بلاشبہ تو مردود ہے اور قیامت کے دن تک تجھ پر میری لعنت ہے
اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰی یَوْمِ
ابلیس نے کہا اے میرے رب مجھے اس دن تک مہلت دیجئے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے شک وقت معلوم کے دن تک
الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالْحَقُّ ؗ
تجھے مہلت دی گئی، ابلیس نے کہا سو آپ کی عزت کی قسم میں ان سب کو ضرور گمراہ کروں گا سوائے آپ کے ان بندوں کے جو منتخب ہوں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ
وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۵﴾
میں سچ کہتا ہوں اور سچ ہی کہا کرتا ہوں۔ میں جہنم کو تجھ سے اور ان سب لوگوں سے ضرور بھر دوں گا جو تیرے پیچھے چلیں گے۔

ابلیس کی حکم عدولی اور سرتابی، حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر کے مستحق لعنت ہونا اور بنی آدم کو ورغلانے کی قسم کھانا

تفسیر: ان آیات میں تخلیق آدم اور پھر فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم اور ان کے سجدہ کرنے کا واقعہ اور ابلیس کے انکار کا تذکرہ فرمایا ہے یہ مضمون سورۂ بقرہ رکوع ۴ اور سورۂ اعراف رکوع ۲ اور سورۂ حجر رکوع ۳ اور سورۂ الاسراء رکوع ۶

میں بھی گزر چکا ہے وہاں جو ہم نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اس کی بھی مراجعت کر لی جائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے فرمایا کہ میں طین یعنی کیچڑ سے ایک بشر کو پیدا کروں گا جب میں اسے پیدا کر دوں اور پوری طرح بنا دوں اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ میں گر جانا۔

اس میں لفظ بشر فرمایا ہے جس کا معنی ہے ایسی کھال والی چیز بالوں سے چھپی ہوئی نہ ہو، دوسرے حیوانات ہیں ان کے جسم پر بال ہوتے ہیں جن سے ان کا بدن ڈھکا ہوتا ہے لیکن انسان کے سر اور اس کی ڈاڑھی کے علاوہ اور کسی جگہ پر عام طور سے بڑے بڑے بال نہیں ہوتے کپڑا نہ پہنے تو کھال نظر آتی اور بعض جگہ جو بال نکل آتے ہیں اور بڑھتے چلے جاتے ہیں ان کے صاف کرنے کا حکم دیا گیا البتہ داڑھی رکھنا واجب ہے پھر جب جنت میں جائیں گے تو وہاں مردوں کے بھی ڈاڑھی نہ ہوگی وہاں بشر ہونے کا پورا پورا مظاہرہ ہو جائے گا یہاں کیچڑ سے پیدا فرمانے کا ذکر ہے اور سورۂ الانعام میں لفظ تراب وارد ہوا ہے اور سورۂ حجر میں صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو بجتی ہوئی کالی سڑی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا اور سورۃ الرحمٰن میں فرمایا من صلصالٍ کالفخار کہ ہم نے انسان کو ایسی مٹی سے پیدا فرمایا جو ٹھیکرے کی طرح بجنے والی تھی ان آیات میں آدم علیہ السلام کا پتلا تیار کئے جانے کے تدریجی حالات بتائے ہیں مختلف جگہوں سے مٹی جمع کی گئی پھر اس میں پانی ڈال دیا تو کیچڑ بن گئی اور عرصہ تک اسی طرح پڑے رہنے کی وجہ سے سیاہ اور بدبودار ہوگئی پھر جب پتلا بنا دیا گیا تو وہ پڑے پڑے سوکھ گیا اور ایسا ہو گیا کہ اگر اس پر انگلی ماری جائے بجنے لگے جیسے مٹی سے بنائے ہوئے برتن انگلیاں مارنے سے بجتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ جب میں اس بشر کو پیدا کر دوں اور پوری طرح اس کا مجسمہ بنا دوں پھر اس میں روح پھونک دوں تو تم اس کو سجدہ کرنا (اس کی تعظیم کے لئے سجدہ میں گر جانا) فرشتوں نے حکم کے مطابق اس بشر کو جن کا نام پہلے سے آدم تجویز کر دیا گیا تھا تعظیمی سجدہ کر لیا ابلیس بھی وہیں رہتا تھا اسے بھی حکم تھا کہ اس نئی مخلوق یعنی آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے، وہ سجدہ کرنے سے منکر ہو گیا' سورۃ الکھف میں فرمایا ہے كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (وہ جنات میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور سورۃ البقرہ میں فرمایا ہے اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (کہ اس نے تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی سے یہ بات تھی کہ وہ کفر اختیار کرلے گا کافروں میں سے ہو جائیگا اور سورۃ الاعراف میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ کہ تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا (معلوم ہوا کہ وہ بھی عمومی حکم میں شامل تھا یا اسے خطاب فرما کر مستقل طور پر بھی حکم دیا تھا یہاں سورص میں فرمایا قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (کہ اے ابلیس تجھے کس چیز نے اس بات سے روکا کہ تو اس چیز کو سجدہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا) علماء نے فرمایا کہ ہاتھوں سے پیدا کرنا جو فرمایا اس سے معنی مجازی مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جسمیت اور اعضاء سے پاک ہے اور یہ فرمانا کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا اس کی اہمیت بتانے کے لئے ہے جس چیز کی اہمیت ہوتی ہے اس کے بارے میں یوں کہا جاتا ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے بنایا یہ اہل تاویل کا قول ہے اور سلف کا فرمانا یہ ہے کہ ہم تاویل نہیں کرتے اور یدین (دونوں ہاتھ) کا جو مطلب ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مفوض کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو یدین کا مطلب ہے جو

اس کی شان کے لائق ہے ہم اسی پر ایمان لاتے ہیں اس طرح یہ جو فرمایا کہ جب میں اس میں اپنی روح پھونک دوں اس کے بارے میں بعض حضرات نے تاویل کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب میں اس میں جان ڈال دوں گا تو تم اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ ہم تاویل نہیں کرتے اس پر ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو اس کا مطلب ہے جو اس کی شان کے لائق ہے ہم اسے مانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ابلیس سے فرمایا اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ (کیا تو نے تکبر کیا یا یہ کہ تو بڑے درجے والوں میں سے ہے) یعنی کیا تو غرور میں آگیا اور واقع میں بڑا نہیں ہے یا کہ تو واقع میں ایسے بڑے درجہ والوں میں سے ہے جس کو سجدہ کا حکم کرنا زیبا نہیں۔

ابلیس نے کہا کہ یہ شق ثانی ہی واقع ہے یعنی اس کو سجدہ کرنا میری شان کے لائق نہیں ہے (جس کی وجہ یہ ہے کہ) مجھے آپ نے آگ سے پیدا فرمایا ہے اور اسے کیچڑ سے پیدا فرمایا ہے۔ (لہٰذا میں اس سے بہتر ہوا اور مجھے یہ حکم دینا کہ اسے سجدہ کروں میری شان کے خلاف ہے) اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ تو یہاں سے نکل جا کیونکہ بلاشک تو مردود ہو گیا اور قیامت کے دن تک تجھ پر میری لعنت ہے (اور جس پر قیامت کے دن تک لعنت رہے گی وہ اس کے بعد بھی ملعون ہی رہے گا کما قال اللّٰہ تعالیٰ شانہٗ فاذن مؤذن بینهم ان لعنة اللّٰه علی الظٰلمین (ابلیس کو تکبر کھا گیا۔ ملعون ہونا منظور کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے اور معافی مانگنے کے لئے تیار نہ ہوا بلکہ اس نے لمبی عمر ہونے کی درخواست کر دی اور یوں کہا کہ اے رب مجھے اس دن تک مہلت دیجئے جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے (یعنی قبروں سے نکلیں گے) روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس سے نفخہ ثانیہ کا وقت مراد ہے مطلب ابلیس ملعون کا یہ تھا کہ مجھے لمبی زندگی دیدی جائے اور اتنی لمبی ہو کہ قیامت پر ہی ختم ہو۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جا تجھے ایک وقت تک مہلت دے دی گئی اب تو اس نے اپنے نفس میں جو بات چھپا رکھی تھی وہ ظاہر کر دی اور کہنے لگا کہ اے رب آپ کی عزت کی قسم میں ان لوگوں کو (جو اس نئی مخلوق کی نسل میں ہونگے (سب کو بہکاؤں گا کفر پر اور آپ کی نافرمانیوں پر ڈالوں گا اور برے کاموں کو اچھا بتاؤں گا مگر جن لوگوں کو آپ نے اپنی اطاعت کے لئے چن لیا اور میرے بہکانے سے بچا دیا ان پر میرا بس نہ چلے گا۔

ابلیس چونکہ آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ملعون و مردود ہوا تھا اس لئے اس نے ان سے اور ان کی اولاد سے انتقام اور بدلہ لینے کا فیصلہ کیا حالانکہ حماقت اس کی تھی رب العلمین جل مجدہٗ کے حکم سے سرتابی کی ملعون ہونے کا کام خود کیا اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کیا اس کے حکم کو غلط بتایا اور ٹھان لی آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سے بدلہ لینے کی چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ابتلاء اور امتحان کے لئے پیدا فرمایا ہے اس لئے ابلیس کو لمبی زندگی بھی دیدی اور بہکانے اور ورغلانے کی کوشش کرنے کا موقع بھی دیدیا اور انسانوں کو بتا دیا کہ یہ اور اس کی ذریت تمہارے دشمن ہیں تم ان سے چوکنے رہنا' ان

---

[1] (وفی تفسیر القرطبی ارادالملعون ان لایموت فلم یُجَب اِلٰی ذٰلک و اُخِر الی الوقت المعلوم وهو یوم یموت الخلق فیه فاخر الیه تهاوناً به (ص ۲۲۹ ج ۱۵)

(تفسیر قرطبی میں ہے کہ شیطان کی خواہش تو یہ تھی کہ اسے موت ہی نہ آئے لیکن اس کی یہ خواہش قبول نہیں ہوئی اور اسے وقت معلوم یعنی تمام مخلوق کی موت کے دن (نفخۂ ثانیہ) تک اسے مہلت دینے کیلئے اس کی موت مؤخر کی گئی)

کے بہکاوے میں نہ آنا اور خیر اور شر کے دونوں راستے بتا دیئے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے پھر ان کے خلفاء کے ذریعے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا جو شخص شیاطین کی باتوں میں آئے گا راہ حق چھوڑے گا وہ اپنی بربادی کا خود ذمہ دار بنے گا۔

ابلیس اور اس کے متبعین سے دوزخ کو بھر دیا جائے گا

جب ابلیس نے کہا کہ میں بنی آدم کو ورغلاؤں گا اور بہکاؤں گا اور راہ حق سے ہٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ میں سچ ہی کہتا ہوں اور سچ ہی کہا کرتا ہوں (تو اپنی اور اپنے پیچھے چلنے والوں کی سزا ابھی سے سن لے) میں تجھ سے اور جو لوگ ان میں تیرا اتباع کریں گے ان سب سے دوزخ کو بھر دوں گا' یہ بات اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے بھی فرمادی اور جب آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو زمین پر بھیجا جانے لگا اس وقت ان کو خطاب کر کے صاف صاف بتا دیا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (سو اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے سو جو شخص میری ہدایت کا اتباع کرے گا ان لوگوں کو کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو لوگ کفر اختیار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

فائدہ: ابلیس نے جو مہلت مانگی تھی اس میں یوں کہا تھا کہ مجھے اس دن تک مہلت دی جائے جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ تجھے وقت معلوم تک مہلت ہے' یہ وقت معلوم اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے جب تک ابلیس کی موت کا وقتِ مقرر نہ آجائے وہ زندہ رہے گا اور کفر پر مرے گا اور دوزخ میں جائے گا۔

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ۝ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ۝

آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں' یہ تو صرف جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے اور کچھ عرصہ کے بعد تم اس کا حال ضرور جان لو گے۔

دعوت حق پر کسی معاوضہ کا مطالبہ نہیں

تفسیر: رسول اللہ ﷺ لوگوں کو قرآن مجید سناتے تھے توحید کی دعوت دیتے تھے تو لوگوں کو ناگوار ہوتا تھا آپ کی تکذیب کرتے تھے معجزات دیکھ کر بھی حق قبول نہیں کرتے تھے' انہیں ایک اور طریقہ سے سمجھایا اور فکر کی دعوت دی ارشاد فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیجئے کہ میں تم سے قرآن کی باتیں سنانے پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا یہ بات تم پر واضح ہے اب تمہیں خود غور کرنا چاہئے کہ جس شخص کو ہم سے کوئی دنیاوی غرض نہیں کسی طرح کے مال و متاع کا طالب نہیں یہ بار بار ہمیں

تبلیغ کیوں کرتا ہے ظاہر ہے کہ جب اسے کوئی مطلب نہیں ہے تو ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف اسے دعوت تبلیغ کرنے کا حکم ہوا ہے اور آپ ان سے یہ بھی فرمادیں کہ میں تکلف والوں میں سے نہیں ہوں یعنی ایسا نہیں ہے کہ میں نے بناوٹ کی راہ سے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہو اور غیر قرآن کو قرآن کہہ دیا ہو یہ جو کچھ تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یہ قرآن تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے تم اسے نہ مانو گے تو اپنا برا کرو گے اور عنقریب موت کے بعد تمہیں پتہ چل جائے گا کہ یہ حق تھا اور اس کا انکار کرنا باطل کام تھا لیکن اُس وقت معلوم ہونا فائدہ نہ دے گا، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ بَعْدَ حِیْنٍ سے یوم بدر مراد ہے یعنی اس دنیا میں تمہیں عنقریب پتہ چل جائے گا کہ قرآن حق ہے اور اس کا انکار کرنے والے باطل پر ہیں۔

فائدہ:۔ آیت کریمہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ آپ ان سے فرمادیں کہ میں تم سے اپنی محنت اور دعوت پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا اس میں تمام مبلغین اور داعی حضرات کو یہ بتادیا کہ دعوت الی الخیر کا کام محض اللہ کی رضا کے لئے کریں مخلوق سے کسی چیز کے طالب نہ ہوں اور امیدوار بھی نہ ہوں اور وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ میں یہ بتادیا کہ اہل ایمان اور خاص کر اہل علم تکلف کو اختیار نہ کریں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو جسے کوئی چیز معلوم ہو وہ بتادے اور جسے علم نہ ہو وہ کہدے کہ اللہ کو معلوم (بغیر علم کے کوئی چیز نہ بتائے اور یہ ظاہر نہ کرے کہ مجھے علم ہے کیونکہ اس میں تصنع اور تکلف ہے جو جھوٹ کی ایک قسم ہے) جو چیز نہ جانے اس کے نہ جاننے کا اقرار کر لینا اور یہ کہہ دینا کہ اللہ کو معلوم ہے یہ بھی علم کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ آپ فرمادیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (صحیح بخاری ۱۰۷ جلد دوم)

بہت سے لوگوں کو علم نہیں ہوتا اپنے نام کے ساتھ مفتی یا مولانا کا لفظ لگا لیتے ہیں یا ممتاز عالم دین کا لقب اختیار کر کے اخبارات میں اپنا نام اُچھالتے رہتے ہیں پھر جب اُن سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا ہے یا کوئی حدیث دریافت کی جاتی ہے تو یوں کہنا کہ مجھے معلوم نہیں اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور اپنے پاس سے کچھ نہ کچھ بتادیتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے آیت بالا میں تنبیہ ہے۔ بہت سی باتیں جو حق اور حقیقت سے دور ہوتی ہیں جو تصنع جھوٹ پر مبنی ہوتی ہیں مومن آدمی کو ان سب سے بچنا لازم ہے۔ ایک عورت نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میری ایک سوتن یعنی شوہر کی دوسری بیوی ہے کیا مجھے اس بات پر گناہ ہوگا کہ میں جھوٹ موٹ اس پر یہ ظاہر کروں کہ مجھے شوہر نے یہ دیا اور وہ دیا اور حقیقت میں نہیں دیا (تاکہ اسے جلن ہو) آپ نے فرمایا جسے کوئی چیز نہیں دی گئی اگر وہ جھوٹ موٹ یہ ظاہر کرے کہ مجھے دی گئی ہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص جھوٹ کے کپڑے پہن لے۔

وقد تم تفسیر سورة ص فی شهر ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ والحمد لله الهاد الی سبیل الرشاد والصلوٰة علی نبیه سید العباد وعلی اله وصحبه و من تبعهم باحسان الی یوم المعاد.

سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانِيْ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ زمر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں پچھتر آیات اور آٹھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت ہی رحم والا ہے﴾

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ

یہ نازل کی ہوئی کتاب ہے اللہ کی طرف سے جو غلبہ والا ہے حکمت والا ہے۔ بلاشبہ ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی

الدِّيْنَ ﴿۲﴾ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ

سو آپ اللہ کی عبادت کیجئے اس طرح سے کہ اسی کیلئے دین خالص ہو خبردار اللہ ہی کے لئے دینِ خالص ہے اور جن لوگوں نے اس کے علاوہ شرکاء بنالئے وہ کہتے ہیں

اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۬ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ

کہ ہم ان کی عبادت صرف اسی لئے کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ کا زیادہ مقرب بنادیں۔ جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں بلاشبہ اللہ ان کے درمیان فیصلہ فرمادیگا بلاشبہ اللہ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا

كٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴿۳﴾ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ

جو جھوٹا ہو کافر ہو اگر اللہ چاہتا کہ کسی کو اولاد بنائے تو جسے چاہتا اپنی مخلوق میں سے منتخب فرما لیتا وہ پاک ہے وہ اللہ ہے،

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۴﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ

تنہا ہے، زبردست ہے اُس نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۵﴾ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ

اور اس نے چاند اور سورج کو مسخر فرمایا ہے، ہر ایک وقت مقرر تک جاری ہے، خبردار وہ زبردست ہے بڑا بخشنے والا ہے اس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا

وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ

پھر اسی سے اس کا جوڑ بنایا اور تمہارے لئے چوپایوں میں سے آٹھ قسم کے جوڑے بنائے، وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا فرماتا ہے

اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

ایک پیدائش دوسری پیدائش کے بعد ہوتی ہے تین اندھیروں میں۔ یہ اللہ ہے تمہارا رب ہے اسی کے لئے ملک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں

فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۶﴾

سو تم کہاں پھرے جارہے ہو۔

اللہ واحد ہے قہار ہے عزیز ہے غفار ہے اس نے چاند سورج کو مسخر فرمایا انسان کو تین اندھیریوں میں پیدا فرمایا

تفسیر: یہاں سے سورۂ زمر شروع ہو رہی ہے اوپر سات آیات کا ترجمہ کیا گیا ہے ان آیات میں انزال قرآن اور اثباتِ توحید اور شرک کی تردید فرمائی ہے اور اللہ جل شانہٗ کی شانِ خالقیت کو بیان فرمایا ہے۔

اول تو یہ فرمایا کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو عزیز یعنی عزت اور غلبہ والا ہے اور حکیم یعنی حکمت والا ہے پھر غیبوبت سے تکلم کی طرف التفات فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے تمہاری طرف کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے لہٰذا آپ اپنے دین کو یعنی اعتقاد کو اللہ ہی کے لئے خالص رکھتے ہوئے اللہ ہی کی عبادت کیجئے اس میں بظاہر آپ کو خطاب ہے اور اسی کے ذیل میں دوسرے بندوں سے بھی خطاب ہو گیا جب آپ پر لازم ہے کہ توحید پر جمے رہیں تو دوسروں پر توحید اختیار کرنا کیونکر فرض نہ ہوگا' پھر خطاب عام فرمایا اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ خبردار دین خالص اللہ ہی کے لئے (یعنی سب بندوں پر فرض ہے کہ موحد بنے رہیں)

اس کے بعد مشرکین کی ایک بڑی گمراہی اور ان کے جھوٹے دعوے کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جن لوگوں نے اللہ کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں یعنی شرکاء تجویز کر رکھے ہیں وہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں گے یعنی ہماری عبادات کو اللہ کے حضور میں پیش کر دیں گے یا ہماری حاجت روائی کے لئے سفارش کر دیں گے بات یہ ہے کہ شیطان بڑا چالاک ہے گمراہ کرنے میں ماہر ہے اس سلسلہ کے داؤ پیچ خوب جانتا ہے جب لوگوں کو شرک پر ڈالا اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے داعیوں نے توحید کیطرف بلایا اور شرک کی برائی بیان کی تو مشرکین کی سمجھ میں کچھ بات آنے لگی لہٰذا شیطان نے انہیں یہ پٹی پڑھا دی کہ تمہارا یہ غیر اللہ کی عبادت کرنا توحید کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ توحید ہی کی ایک صورت ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی عبادت کرتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں جب تک کوئی واسطہ نہ ہو اللہ تعالیٰ کی ذات عالی تک تم کہاں پہنچ سکتے ہو اللہ کے سوا جن معبودوں کی عبادت کرتے ہو یہ تو وسائط ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری سفارش کر دیں گے لہٰذا یہ بھی ایک طرح سے اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت ہوئی اور اس کی ذات عالی تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہوا' دیکھو دنیا میں چھوٹے موٹے وزیروں سے کام لینا ہو تو سفارش کی ضرورت پڑتی ہے جب بلا واسطہ مخلوق تک بات نہیں پہنچ سکتی تو خالق تعالیٰ کی ذات عالی تک بلا واسطہ تمہاری پہنچ کیسے ہو سکتی ہے شیطان کی یہ بات مشرکین کے دلوں میں اتر گئی اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ شرک کو چھوڑ و اللہ کی عبادت کرو تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیں گے جو قومیں فرشتوں کو جنات کو بتوں کو پوجتی ہیں اور ان کے علاوہ جو قبر پرست ہیں' یہی بات کہتے ہیں کہ ہم جو ان کی قبروں کو سجدہ کرتے ہیں اور ان کی نیازیں مانتے ہیں یہ کوئی توحید کیخلاف نہیں یہ قبر والے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کر کے ہمیں بخشوا دیں گے انہیں شرک بھاتا ہے جو دوزخ میں لے جانے والا ہے اور توحید کی بات بُری لگتی ہے الاسآء ما یحکمون اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا ان اللّٰہ یحکم بینھم فیما ھم فیه یختلفون ۔ (کہ لوگ جس چیز میں اختلاف کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمادے گا) دلائل کے ذریعہ دنیا میں بھی حق اور باطل کا فیصلہ فرمادیا ہے قیامت کے روز عملی طور پر فیصلہ فرمادے گا کہ اہل حق کو جنت میں اور کفر و شرک والوں کو دوزخ میں بھیج دے گا۔

پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ (کہ بلاشبہ اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا ہو اور کافر ہو) ہدایت کی دو صورتیں ہیں ایک ہدایت کا راستہ بتا دینا وہ تو سبھی کے لئے ہے اور ایک حق قبول کرنے کی حد تک پہنچا دینا یہ ہدایت ان لوگوں کو نہیں ہوتی جن میں عناد ہو اقوال کفریہ اور عقائد کفریہ پر اصرار ہو اور حق کی طلب نہ ہو یہاں وہی ہدایت مراد ہے جسے علمی زبان میں ایصال الی المطلوب سے تعبیر کیا جاتا ہے' اس کے بعد ان لوگوں کی تردید فرمائی جو اللہ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ (اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی اولاد بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے کسی کو منتخب فرمالیتا لیکن اولاد ہونا اس کے لئے عیب ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لئے کوئی اولاد ہو وہ بالکل ہی یکتا ہے اور قہار ہے یعنی غلبہ والا ہے اسے کسی کی ضرورت اور حاجت نہیں ہیں عموماً مخلوق اس لئے اولاد کی آرزو کرتی ہے کہ آڑے وقت میں اور بڑھاپے میں کام آئے' اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس کی ذات وصفات میں کوئی تغیر وتبدل نہیں' نہ اس میں کبھی ضعف آئے گا اسے نہ کسی کی مدد کی ضرورت ہے نہ کبھی ضرورت ہوگی' کوئی اس کے مماثل اور مجانس نہیں ہے غیر جنس اولاد ہونا یوں بھی نامعقول بات ہے وہ واحد ہے واحد لاشریک ہے اس کے لئے اولاد نہیں ہو سکتی۔

پھر لیل ونہار اور شمس وقمر کا تذکرہ فرمایا اس میں بھی شان خالقیت کا مظاہرہ ہے ارشاد فرمایا کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا وہ دن کو رات پر اور رات کو دن پر لپیٹ دیتا ہے یعنی دن کی روشنی کو رات چھپا دیتی ہے اور رات کی اندھیری کو دن چھپا دیتا ہے اور اس نے چاند اور سورج کو مسخر فرمادیا یعنی کام میں لگا دیا ان دونوں کو جس کام میں لگایا ہے اس میں لگے ہوئے ہیں ان کا کام بھی مقرر ہے اور ان کی اجل بھی مقرر ہے مقررہ اجل تک چل رہے ہیں اور چلتے رہیں گے پھر جب خالق جل مجدہ کا حکم ہوگا تو بے نور کر دیئے جائیں گے اللہ تعالیٰ عزیز ہے غلبہ والا ہے اس کی مشیت اور ارادہ اور تکوین کے خلاف کوئی نہیں چل سکتا وہ غفار بھی ہے جو لوگ منکر ہیں اگر وہ انکار سے توبہ کرلیں اور مومن ہو جائیں تو انہیں بخش دیگا کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ اتنے لوگوں کو اور اتنے گناہوں کو کیسے بخش دیگا جو شخص ایسا سوال اٹھائے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی صفت الغفّار بیان فرمادی کہ وہ بڑا غفار ہے بڑا بخشنے والا ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (اللہ نے تمہیں ایک جان یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا) ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا پھر اسی جان سے ان کا جوڑا بنا دیا یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی اُنسیت کے لئے حضرت حواء کو پیدا فرمایا ان کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے فرمادی اور دونوں کی نسل دنیا میں پھیلا دی جو کروڑوں کی تعداد میں موجود ہے۔

وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ (اور تمہارے لئے چوپایوں میں سے آٹھ قسمیں پیدا فرمادی ہیں آٹھ قسموں سے اونٹ' گائے' بھیڑ' اور بکری کے جوڑے' نر اور مادہ مراد ہیں جیسا کہ سورۃ الانعام میں آٹھوں قسموں کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ (وہ ماؤں کے پیٹ میں تمہاری ایک پیدائش کے بعد دوسری پیدائش فرماتا ہے) یعنی نطفہ کو عَلَقَه یعنی جما ہوا خون لوتھڑے کی شکل میں بنا دیتا ہے پھر اسے مُضْغَة یعنی بوٹی بنا دیتا ہے پھر اس کو ہڈیاں بنا دیتا ہے پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیتا ہے۔

فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ (یہ ساری تخلیق تین اندھیروں میں ہوتی ہے) ایک اندھیری ماں کے پیٹ کی دوسری رحم کی تیسری اس جھلی کی جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور علم کامل پر دلالت کرتا ہے ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ (یہ ہے اللہ تمہارا رب) لَهُ الْمُلْكُ (اسی کی سلطنت ہے) لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (اس کے سوا کوئی معبود نہیں) فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ (سو تم کہاں پھرے جارہے ہو) حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف رخ کئے ہوئے ہو خالق کائنات جل مجدہ کی توحید سے منہ موڑ کر شرک میں مبتلا ہو رہے ہو جس نے تمہیں تین تاریک کوٹھریوں میں پیدا فرمایا اس کی توحید سے منہ موڑ کر غیروں کو لائق عبادت سمجھنا کیا یہ تمہاری حماقت نہیں ہے؟

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ وَلَا یَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا
اگر تم کفر کرو سو بلاشبہ اللہ تم سے بے نیاز ہے۔ اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں فرماتا اور اگر تم شکر کرو تو وہ اس کو تمہارے لئے پسند فرماتا ہے اور کوئی
تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اِنَّهُ عَلِیْمٌ
بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹ جانا ہے۔ سو وہ تمہیں تمہارے سب اعمال جتا دے گا بلاشبہ وہ سینوں
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦
کی باتوں کا جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے کفر سے راضی نہیں، شکر اسے محبوب ہے

تفسیر: گذشتہ آیات میں توحید کی دعوت تھی اور شرک اور کفر اختیار کرنیوالوں کی حماقت اور ضلالت بیان فرمائی تھی اگر کسی کو یہ وہم اور وسوسہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے موحد ہونے کی یا اس کی عبادت کرنے کی ضرورت ہے تو اس وہم اور وسوسہ کو دور فرمادیا کہ اگر تم کفر اختیار کرو اور اسی پر جمے رہو تو اللہ تعالیٰ کے کمالات میں کوئی کمی نہیں آئے گی وہ تم سے بے نیاز ہے تمہارا حاجت مند نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ اپنے بندوں کے کفر سے راضی ہے اگر کوئی شخص کافر ہوگا تو وہ اس کے کفر کی سزا دے گا اور اگر تم شکر کرو گے اس پر ایمان لاؤ گے اس کی توحید کے قائل ہو گے اور دل سے مانو گے تو وہ اس کی قدردانی فرمائے گا جس پر انعامات دے گا کفر میں تمہارا ہی نقصان ہے اور ایمان لانے میں تمہارا ہی نفع ہے۔

اور یہ جو تم کفر اختیار کرتے ہوئے اپنے سرداروں کی بہکاوے میں آتے ہو اس بارے میں یہ نہ سمجھ لینا کہ ہمارے کفر کا وبال ان ہی لوگوں پر پڑے گا اور ہمارا مواخذہ نہ ہوگا اس بات کو واضح کرنے کے لئے فرمایا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (کوئی جان کسی جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی) ہر شخص کو اپنے کفر کی سزا دائمی عذاب کی صورت میں بھگتنی ہوگی۔

اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہ تمہارے اعمال سے آگاہ فرمادے گا کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میرے اعمال کی پیشی نہ ہوگی یا یہ کہ میرے اعمال وجود میں آکر معدوم ہو جائیں گے تو کیونکر پیش ہوں گے بات یہ ہے کہ جس نے پیدا فرمایا ہے جان دی ہے اسے تمہارے سب کاموں کا علم ہے اور نہ صرف ظاہری اعمال کا علم ہے بلکہ دلوں کی باتوں تک کا اسے علم ہے وہ تمہیں بتادے گا اور جتادے گا کہ تم نے یہ یہ اعمال کئے ہیں لہٰذا وہاں کی پیشی کے لئے تیار رہو ایمان لاؤ اور اعمال صالحہ اختیار کرو۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ

اورانسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارنے لگتا ہے اس کی طرف متوجہ ہو کر پھر جب وہ اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس بات کو بھول جاتا ہے

مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ڰ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ

جس کیلئے پہلے پکار رہا تھا اور اللہ کے لئے شریک تجویز کرنے لگتا ہے تا کہ اس کی راہ سے گمراہ کرے' آپ فرما دیجئے کہ تو اپنے کفر کے ذریعہ تھوڑا سا نفع حاصل کر لے بلاشبہ تو دوزخ والوں

النَّارِ ۝۸ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَاۗىِٕمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ

میں سے ہے' کیا وہ شخص جو رات کے اوقات میں عبادت میں لگا ہوا ہے حالت سجدہ میں اور حالت قیام میں آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہے' آپ فرما دیجئے کیا

يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۹

وہ لوگ برابر ہیں جو جاننے والے ہیں اور جو جاننے والے نہیں ہیں' عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

تکلیف پہنچتی ہے تو انسان اپنے رب کو توجہ کے ساتھ پکارتا ہے اور نعمت کے زمانہ میں دعاؤں کو بھول جاتا ہے

تفسیر: یہ دو آیتوں کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں انسان کا مزاج بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچ جائے تو اپنے رب کی طرف رجوع کر کے پکارنا شروع کر دیتا ہے دعا پر دعا کرتا چلا جاتا ہے جو دوسرے معبود بنائے ہوئے رہتا ہے ان سب کو یکسر بھول جاتا ہے اور خالص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ان جھوٹے معبودوں سے کوئی فائدہ پہنچنے والا نہیں پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو اس حاجت و ضرورت کو بھول جاتا ہے جس کے لئے پہلے اللہ سے دعا مانگی تھی اور صرف یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے شریک تجویز کرنے لگتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے اور اللہ کی راہ سے ہٹاتا ہے سورۃ العنکبوت میں فرمایا فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ښ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (سو جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو اچانک وہ شرک کرنے لگتے ہیں تا کہ ان نعمتوں کی ناقدری کریں جو ہم نے انہیں دی اور تا کہ نفع حاصل کر لیں' سو عنقریب جان لیں گے۔

ارشاد فرمایا قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا (آپ فرما دیجئے کہ تو اپنے کفر کے ذریعہ تھوڑا سا نفع حاصل کر لے اِنَّكَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ (بے شک تو دوزخ والوں میں سے ہے) اس میں ان لوگوں کو تنبیہ فرما دی جو کفر کو اس لئے نہیں چھوڑتے کہ اس سے دنیا کے قلیل اور کثیر فوائد اور منافع وابستہ ہوتے ہیں کوئی اقتدار کی کرسی کی وجہ سے اور کوئی جائداد باقی رکھنے کے لئے اور کوئی اعزہ واقرباء کے تعلقات کے پیش نظر کفر پر جما ہوا ہے' یہ نہیں سمجھتے کہ یہ دنیا کا تھوڑا سا نفع ہے دوزخ کے دائمی عذاب کے سامنے ان چیزوں کی کچھ بھی حیثیت نہیں' دوزخ کی آگ بہت بڑا عذاب ہے اگر کسی سے یوں کہا جائے

کہ دنیا والی آگ کو پانچ منٹ ہاتھ میں لے لو اور اس کے عوض بادشاہ یا وزیر یا بہت بڑے جاگیردار بن جاؤ تو اسے کبھی گوارا نہیں کرسکتا عجیب بات ہے کہ دوزخ کے دائمی عذاب کے لئے تیار ہیں اور حقیر دنیا کا نقصان گوارا نہیں جو تھوڑی ہے اور تھوڑی مدت کے لئے ہے اگرچہ دیکھنے میں بہت زیادہ معلوم ہوتی ہو۔

صالحین کی صفات

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس طرح رات گزارتا ہو کہ اللہ کی عبادت میں لگا ہوا ہے کبھی سجدہ میں کبھی کھڑا ہوا ہے جو آخرت کے مواخذہ سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہے کیا یہ شخص اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو کافر ہو گناہوں میں لگا ہوا ہو۔ (یہ بطورِ استفہام انکاری ہے) مطلب یہ ہے کہ عبادت گزار شخص جو راتوں رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتا ہے جو آخرت سے ڈرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہے یہ شخص اور اللہ تعالیٰ کا نافرمان کافر بندہ برابر نہیں ہو سکتے' بلکہ مومن صالح اور مسلم فاسق بھی برابر نہیں ہو سکتے جیسا کہ سورۂ ص میں فرمایا: اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ پھر فرمایا: قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون ۔ (آپ فرما دیجئے کیا جاننے والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟) یعنی برابر نہیں ہو سکتے' مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اہلِ علم ہیں جن کے علم نے انہیں ایمان کی روشنی دکھائی ہے' جس کی وجہ سے انہوں نے ایمان قبول کیا اور عبادت میں لگے اور جو لوگ جاہل ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کو نہیں جانتے یہ دونوں فریق برابر نہیں ہو سکتے نہ جہل علم کے برابر ہے نہ جاہل عالم کے برابر ہے اور نہ دونوں کا رتبہ برابر ہے جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو اہل علم اصحاب ایمان جنت میں اور اہل کفر دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے۔

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (جو لوگ عقل والے ہیں وہی نصیحت حاصل کرتے ہیں) جن لوگوں کو عقل نہیں یا عقل بے جا استعمال کرتے ہیں وہ لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے قرآن سنتے ہیں قرآن کی دعوت اور اس کی تعلیمات پر ایمان نہیں لاتے' بے شمار آدمی ایسے ہیں جو دنیاوی کاموں میں بہت آگے آگے ہیں نئی نئی مصنوعات ایجاد کرتے ہیں انسان کی ترقی کے لئے بہت کچھ سوچتے ہیں طرح طرح کی مشینری مارکیٹ میں لاتے ہیں سائنس اور جغرافیہ کی بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں لیکن کافر و مشرک ہیں اپنے خالق کو نہیں پہچانتے بہت سے لوگ تو خالق تعالیٰ شانہ کے وجود ہی کو نہیں مانتے اور جو مانتے ہیں وہ مشرک ہیں اس کے لئے اولاد بھی تجویز کرتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت بھی کرتے ہیں یہ عقلمندی بے کار ہے ایسے لوگوں کے عقل پر پتھر پڑے ہوئے ہیں ایسی عقل کا کیا فائدہ جو دوزخ میں لے جائے۔

نمازِ تہجد کی فضیلت

آیت کریمہ سے نمازِ تہجد کی فضیلت معلوم ہوئی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرض نمازوں کے بعد افضل ترین نماز وہ ہے جو رات کے درمیانی حصے میں پڑھی جائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے اشراف (یعنی شرافت والے) وہ لوگ ہیں جو

حاملین قرآن ہیں راتوں کو نمازیں پڑھنے والے ہیں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازوں میں اتنا قیام فرمایا کہ آپ کے قدم مبارک سوج گئے کسی نے عرض کیا آپ ایسا کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے ہیں (گناہوں سے وہ لغزشیں مراد ہیں جن کی خطاء اجتہادی طور پر صادر ہو) آپ نے فرمایا تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں (رواہ البخاری) یعنی اللہ تعالیٰ کے انعام کا تقاضا تو یہ ہے کہ اور زیادہ عبادت گزار ہونا چاہئے نہ کہ تھوڑی عبادت پر اکتفا کیا جائے یحذر الآخرۃ ویرجوا رحمۃ ربہ سے معلوم ہوا کہ خوف اور امید ساتھ ساتھ ہونا چاہئے یہ مومن کی صفات میں سورۃ الانبیاء میں چند حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا اِنَّھُمْ کَانُوْا یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَھَبًا (یہ سب نیک کاموں میں ڈرتے تھے اور امید وبیم کے ساتھ ہماری عبادت کیا کرتے تھے) اور سورۂ الٓمٓ سجدہ میں فرمایا تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (ان کے پہلو خوابگاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں) ان دونوں آیتوں سے بھی معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ میں بھی لگے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرے امید بھی رکھے ڈرتا بھی رہے۔ یہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور عباد صالحین کا طریقہ ہے عمل نہ کرنا اور خالی امید رکھنا یہ ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ایک جوان شخص کے پاس تشریف لے گئے یہ ان کی موت کا وقت تھا آپ نے فرمایا کہ تم اپنے کو کس حال میں پاتے ہو عرض کیا کہ میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں پر مواخذہ ہونے سے ڈرتا ہوں آں حضرت ﷺ نے ان کی بات سن کر فرمایا اس جیسے موقعہ میں (یعنی موت کے وقت) جس کسی بندہ کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہوں گی اللہ اس کی امید کے مطابق ضرور اسے (انعام) عطا فرمائے گا اور وہ جس چیز سے ڈر رہا ہے اس سے امن وامان میں رکھے گا۔

قُلْ یٰعِبَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰہِ

آپ فرما دیجئے کہ اے میرے بندو جو ایمان لائے اپنے رب سے ڈرو یہی بات ہے کہ جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھے کام کئے ان کے لئے اچھا بدلہ ہے اور اللہ کی زمین

وَاسِعَۃٌ ؕ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ

فراخ ہے صبر کرنیوالوں کو ان کا پورا اجر بغیر حساب دیا جائے گا' آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ مجھے حکم دیا گیا کہ اس طرح اللہ کی عبادت کروں کہ عبادت اسی کے لئے

الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ

خالص ہو' اور مجھے حکم ہوا کہ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں' آپ فرما دیجئے کہ بیشک میں اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں' اس طرح سے کہ میری

عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰہَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّہٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ

عبادت اسی کے لئے خالص ہے سو اسے چھوڑ کر تم جس کی چاہو عبادت کرو' آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ نقصان میں پڑنے والے وہی لوگ ہیں

خَسِرُوْۤا اَنْفُسَھُمْ وَاَھْلِیْھِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ اَلَا ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۵﴾ لَھُمْ مِّنْ فَوْقِھِمْ ظُلَلٌ مِّنَ

جو قیامت کے دن اپنی جانوں سے اور اپنے اہل و عیال سے خسارہ میں پڑ گئے خبردار یہ صریح خسارہ ہے' ان کے لئے ان کے اوپر سے آگ کے شعلے ہوں گے اور ان

النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ

کے نیچے سے بھی شعلے ہوں گے یہ وہ بات ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اے میرے بندو سو تم مجھ سے ڈرو اور جن لوگوں نے اس بات سے پرہیز کیا کہ شیطان کی

اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ

عبادت کریں اور وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے ان کے لئے خوشخبری ہے۔ سو آپ میرے ان بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو اس کلام کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی سے

اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ

اچھی باتوں کا اتباع کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور یہی وہ لوگ ہیں جو عقل والے ہیں سو جس شخص کے بارے میں عذاب کی بات

اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ ﴿۱۹﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِيْ

طے ہو چکی ہے کیا آپ اسے چھڑا لیں گے جو دوزخ میں ہے لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرے ان کے لئے بالا خانے بنے ہوئے ہیں ان کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ

نہریں جاری ہوں گی۔ یہ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے اللہ وعدہ خلاف نہیں فرماتا' کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا پھر

يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا

اس کو زمین کی سوتوں میں داخل کر دیا پھر اس کے ذریعہ کھیتیاں نکالتا ہے جن کی قسمیں مختلف ہیں پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے سو تو اسے دیکھتا ہے پیلے رنگ کی حالت میں پھر وہ اسے چورا چورا بنا دیتا ہے'

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾

بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہے۔

اللہ سے ڈرنے اور خالص اس کی عبادت کرنے کا حکم

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہ نے رسول اللہ ﷺ کو متعدد باتوں کا اعلان کرنے کا حکم دیا ہے اول تو یہ فرمایا کہ آپ میرے مومن بندوں سے فرما دیجئے کہ تم اپنے رب سے ڈرو' یہ ڈرنا اعمال صالحہ پر ابھارنے اور گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہوتا ہے جب کوئی شخص اعمالِ صالحہ ادا کرتا ہے تو اس کی نیکیاں جمع ہوتی رہتی ہیں' ان نیکیوں پر صبر کرنا اور جمے رہنا مبارک ہے صبر کرنے والوں کا پورا پورا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ بغیر حساب کے عطا فرما دے گا' ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ (کہ اللہ کی زمین فراخ ہے)۔

اس میں یہ بیان فرمایا کہ جو کوئی ایسی جگہ رہتا ہو جہاں کافر رہتے اور بستے ہیں اور ان کے نرغہ میں رہنے کی وجہ سے دین پر نہیں جم سکتا اور اعمال صالحہ انجام نہیں دے سکتا اور ممنوعاتِ شرعیہ سے نہیں بچ سکتا تو وہاں سے چلا جائے اور کسی ایسی جگہ جا کر آباد ہو جائے جہاں احکام اسلام پر عمل کر سکتا ہو اور کوئی شخص یہ نہ سوچے کہ میں یہاں سے کہاں جاؤں ہمت و ارادہ کرے گا اور وطن کی محبت سے بالاتر ہو کر اللہ تعالیٰ کی محبت کے پیش نظر نکل کھڑا ہو گا تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت سی جگہ مل جائے

گی' سورۃ النساء میں اسی کو فرمایا وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِى الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً (اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی اور بہت گنجائش)۔

دوم: یہ حکم دیا کہ آپ اعلان فرمادیں کہ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں خالص اسی کی عبادت میں مشغول رہوں اور مجھے یہ بھی حکم ہوا ہے کہ مسلمانوں میں سب سے پہلا مسلمان ہوں چونکہ یہ امت آخری امت ہے اور آخری نبی ہیں لہٰذا آپ اس کی آخری امت میں سب سے پہلے مسلمان ہیں جیسے دیگر تمام مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونا لازم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا دین پیش کرنے والے پر بھی ان احکام کی فرماں برداری لازم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی ذات سے متعلق ہیں اس اعلان میں یہ بتادیا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور فرماں بردار ہوں اور صرف دوسروں ہی کو ایمان کی دعوت نہیں دیتا خود بھی مومن ہوں اور احکام پر عمل پیرا ہوں معلوم ہوا کہ ہر داعی کو اپنی دعوت پر خود بھی ہونا لازم ہے۔

تیسرا: حکم یہ دیا کہ آپ فرمادیجئے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب کا خوف رکھتا ہوں (انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) گناہگار اور نافرمان نہیں ہوتے تھے بطور فرض یہ اعلان کروادیا گیا کہ میں خود نافرمانی کے مواخذہ سے ڈرتا ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں لہٰذا دیگر افراد کو تو زیادہ خوف زدہ ہونے اور مواخذہ سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔

چوتھا: حکم یہ دیا کہ آپ لوگوں سے فرمادیں کہ دیکھو میں تو خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں اور (اور تمہیں بھی اسی کی دعوت دیتا ہوں) تم میری دعوت قبول نہیں کرتے تو تم جانو اللہ کو چھوڑ کر جس کی چاہو عبادت کرلو لیکن اس کا انجام برا ہوگا۔

پانچویں: حکم میں فرمایا کہ آپ فرمادیجئے اصل خسارہ والے وہ ہیں جو قیامت کے دن اپنی جانوں اور اپنی اہل و عیال کی طرف سے خسارہ میں پڑیں گے یعنی اس کفر و شرک کے وبال میں قیامت کے دن جو ابتلا ہوگا وہ سخت خسارہ کی صورت میں سامنے آئے گا اس دن کا خسارہ معمولی نہ ہوگا اس دن اپنی اس جان کو کوئی نفع نہ پہنچا سکیں گے اور نہ عذاب سے بچا سکیں گے اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ ہوگا دوزخ میں داخل ہوں گے فرشتے عذاب دیں گے اور جن لوگوں کو انہوں نے کفر و شرک پر ڈالا یعنی ان کے اہل و اولاد اور دوسرے لوگ جو اتباع کرنیوالے تھے وہ بھی ان کے نہ رہیں گے وہ ان پر لعنت بھیجیں گے ہر ایک دوسرے سے بھاگے گا اور کوئی کسی کی مدد نہ کرسکے گا دنیا میں جو اپنے تھے وہ وہاں اپنے نہ رہیں گے۔ جب دنیا میں کفر و شرک پر ڈال کر اپنی جانوں کا ناس کھو دیا تو اپنی جانوں سے بھی گئے اور انکی جانوں سے بھی اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ (خبردار خوب سمجھ لو کہ یہ واضح کھلا ہوا خسارہ ہے)۔

اس کے بعد ان کے عذاب کی کچھ تفصیل بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ان کے اوپر آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے بھی آگ کے ان شعلوں کو ظُلَل سے تعبیر فرمایا ظلۃ کی جمع ہے ظلۃ سائبان کو کہا جاتا ہے

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے جیسے سورۂ اعراف میں فرمایا لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ نیچے بھی آگ ہوگی اور اوپر بھی اوپر سے بھی جلیں گے اور نیچے بھی مشاکلۃ نیچے کے بستر کو ظُلَل سے تعبیر فرمایا قال صاحب الروح وتسمیتھا ظللا من باب المشاکلة۔

ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ (یہ وہ چیز ہے جس کے ذریعہ اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ (اے میرے بندو تم مجھ سے ڈرو) میری ناراضگی کے کام نہ کرو قال صاحب الروح ولا تتعرضوا لما یوجب سخطی۔

اس کے بعد ان حضرات کی تعریف فرمائی جو کفر و شرک سے بچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ارشاد فرمایا وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى (اور جن لوگوں نے اس بات سے پرہیز کیا کہ شیطان کی عبادت کریں اور اللہ کی طرف متوجہ ہوئے ان کے لئے خوش خبری ہے) لفظ الطاغوت فعلوت کے وزن پر ہے بقول صاحب روح المعانی اس کی اصل طغیوب یا طغورت ہے اور جمع طغاویت ہے۔ بہت زیادہ شریر اور حد سے زیادہ نافرمان کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے اسی لئے اس کا ترجمہ شیطان کیا گیا ہے شیطان لوگوں کو بہکاتا ہے اور توحید سے دور رکھتا ہے اپنی فرماں برداری کراتا ہے اور ڈراؤنی صورتیں بنابنا کر مشرکین کے سامنے آتا ہے وہ ان صورتوں کے مطابق مورتیاں بناتے ہیں جن کی پوجا کرتے ہیں یہ سب باتیں شیطان کی عبادت میں شامل ہیں جو شیطان سے دور رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور دخولِ جنت کی خوشخبری ہے۔

اس کے بعد مومن بندوں کی ایک خاص صفت بیان فرمائی ارشاد فرمایا فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ (سو آپ میرے بندوں کو خوشخبری دے دیجئے جو کلام کو یعنی قرآن کو سنتے ہیں پھر اس کی اچھی سے اچھی باتوں کا اتباع کرتے ہیں) یعنی وہ اعمال اختیار کرتے ہیں جن میں زیادہ سے زیادہ ثواب ہے فرائض اور واجبات پر تو عمل کرتے ہی ہیں دوسرے نیک کاموں میں بھی احسن اور افضل کو اختیار کرتے ہیں۔

قال صاحب الروح ص ۲۵۲ ج ۲۳ مدح لهم بنهم نقادفي الدين يميزون بين الحسن والاحسن والفاضل والأفضل فاذا اعترضهم امران واجب وندب اختاروا الواجب وكذالك المباح والندب۔

(تفسیر روح المعانی والے فرماتے ہیں اس آیت میں مؤمن بندوں کی تعریف ہے کہ وہ دین میں بالغ نظر ہیں اچھے اور سب سے اچھے کی تمیز کرسکتے ہیں افضل اور افضل ترین میں فرق کرتے ہیں جب انہیں تو امر پیش آئیں ایک واجب ہو اور دوسرا مستحب تو وہ واجب کو اختیار کرلیتے ہیں اسی طرح مباح اور مستحب میں بھی فرق کرلیتے ہیں)

مذکورہ بالا حضرات کی تعریف میں دو باتیں اور بیان فرمائیں اولاً فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ثانیاً یوں فرمایا وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ اور یہ لوگ عقل والے ہیں ان کی عقلیں سلیم ہیں صحیح ہیں آباء واجداد کی تقلید میں کفر و شرک پر نہ جمے رہے بلکہ اپنے عقلوں کو کام میں لائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی ہدایت آئی اسے قبول کیا۔

فائدہ: روح المعانی میں آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ کا سبب نزول یہ لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا تو عبدالرحمٰن ابن عوف اور سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زید اور زبیر بن عوام ان کے پاس آئے اور سوال کیا کہ آپ نے اسلام قبول کرلیا؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! اور ساتھ ہی ان لوگوں کو نصیحت کی اس پر انہوں نے بھی ایمان قبول کرلیا اور مسلمان ہوگئے اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ (سو کیا جس شخص کے بارے میں عذاب کی بات طے ہوچکی ہے کیا آپ اسے چھڑالیں گے جو دوزخ میں ہو) اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ گمراہی پر جمنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طے ہے کہ انہیں دوزخ میں جانا ہے اور وہ بھی اپنے بارے میں یہ

طے کر چکے ہیں کہ ہمیں ایمان قبول کرنا نہیں وہ دوزخ کی وعیدیں سنتے ہیں لیکن پھر بھی کفر پر جمے ہوئے ہیں کیا آپ انہیں دوزخ سے بچا دیں گے یعنی یہ آپ کا کام نہیں ہے لہٰذا جو شخص ہدایت قبول نہ کرے اس کی وجہ سے آپ غمگین نہ ہوں اس کے بعد اس بشارت کا تذکرہ فرمایا جس کا لَهُمُ الْبُشْرٰى میں وعدہ فرمایا ہے ارشاد ہے لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے بالا خانے ہیں جن کے اوپر اور بالا خانے بنائے ہوئے ہیں ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وَعْدَ اللّٰهِ (یہ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے) لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ (اللہ وعدہ خلاف نہیں کرتا) پس متقی بندے یقین کریں کہ انہیں جو بشارت دی گئی ہے وہ حق ہے صحیح ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے گا جو لوگ حق واضح ہونے کے بعد بھی ایمان قبول نہیں کرتے ان میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنی دنیا اور دنیاوی منافع سے محبت کرنے کی وجہ سے ایمان سے محروم رہتے ہیں اور جانتے ہوئے کہ ایمان سے محروم رہنے کے باعث جنت سے محروم ہونگے اور دوزخ کے دائمی عذاب میں مبتلا ہونگے حق کو قبول نہیں کرتے عارضی دنیا کی چہل پہل ہی کو سامنے رکھتے ہیں ایسے لوگوں کو تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً اے مخاطب کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا پھر اس پانی کو زمین کے سوتوں میں داخل فرما دیا یہ پانی زمین میں جاری رہتا ہے پھر ایک جگہ جمع ہو جاتا ہے پھر چشموں کنوؤں سے نکالا جاتا ہے جس سے کھیتوں کی آبپاشی ہوتی ہے اس کے ذریعہ اللہ زمین سے کھیتوں کو اگا دیتا ہے ان کھیتوں کی مختلف قسمیں ہیں، کھیتی بڑھ جاتی ہے سرسبز ہوتی ہے پکتی ہے پھر خشک ہو جاتی ہے رنگ زرد ہو جاتا ہے پھر چورا چورا ہو جاتی ہے کھیتی کا جو حال ہے دنیا کا اٹھان اور فنا اسی طرح سے ہے، ساری دنیا ہی فنا ہو گی قیامت کا صور پھونکا جائے گا تو جو کچھ اس میں ہے تہس نہس ہو جائے گا۔

لوگ بڑے محلات بناتے ہیں قلعے تعمیر کرتے ہیں بڑی آرائش و زیبائش اختیار کرتے ہیں کھیتیاں بوتے ہیں باغ بھی لگاتے ہیں تجارتیں بھی کرتے ہیں نوٹوں کی گڈیوں سے تجوریاں بھرتے ہیں صدارتوں کے امیدوار رہتے ہیں وزیر بن جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بہت زیادہ کامیاب ہیں لیکن ایک دن موت آ ہی جاتی ہے سب کچھ دھرا رہ جاتا ہے اور جو کچھ حاصل کیا تھا سب دھوکہ کا سامان ہوتا ہے جس کے بارے میں سورۂ آل عمران میں وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ فرمایا ہے (یعنی دنیا والی زندگی دھوکہ کے علاوہ کچھ نہیں) یہ سب کچھ دیکھتے ہیں پھر بھی اس کے پیچھے پڑے ہیں اور حب دنیا کی وجہ سے اپنی آخرت تباہ کر رہے ہیں یہ بے حسی قابل تعجب ہے اس سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے نصیحت ہے اسی میں دل دیئے پڑے ہیں حالانکہ دنیا کے حالات میں سب کے لئے بہت بڑی عبرت اور نصیحت ہے اسی کو فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ (بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لئے ضرور نصیحت ہے) لوگ اپنی عقلوں کو دنیا کی ترقی کے لئے استعمال کرتے ہیں اور اپنی آخرت کو قصداً و ارادۃً خراب کرتے ہیں، یہ بے عقلی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ سورۃ الکہف میں فرمایا وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت بیان فرمائیے کہ وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہو گئیں، پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے جس کو ہوا اڑائے لئے پھرتی ہو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ

سو اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا سو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے سو ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دل ذکر اللہ کی جانب سے سخت ہیں،

أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٢﴾ اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ

یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں اللہ نے بڑا اچھا کلام نازل فرمایا جو ایسی کتاب ہے جس کی باتیں آپس میں ملتی جلتی ہیں جو بار بار دہرائی جاتی ہیں'

الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ

اس سے ان لوگوں کے بدن کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں' پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں'

يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾ أَفَمَن يَتَّقِي بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ

یہ اللہ کی ہدایت ہے اسکے ذریعہ وہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور اللہ جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں' جو شخص قیامت کے دن اپنے چہرہ کو برے عذاب سے بچائے گا'

يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٢٤﴾ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ

اور ظالموں سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تم کمائی کرتے تھے اسے چکھ لو ان لوگوں سے پہلے جو لوگ تھے انہوں نے جھٹلایا سو ان کے پاس اس طور سے عذاب آیا

مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٥﴾ فَأَذَاقَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ

کہ انہیں اس کا خیال بھی نہ تھا سو اللہ نے انہیں دنیا والی زندگی میں رسوائی چکھا دی اور البتہ آخرت کا عذاب اس سے بڑا ہے

لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٧﴾

اگر وہ جانتے ہوتے' اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کے عمدہ مضامین بیان کر دیے ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں'

قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٢٨﴾ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ

وہ قرآن ہے عربی ہے جس میں کوئی کجی نہیں تاکہ یہ لوگ ڈریں' اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک شخص ہے جس میں کئی ساجھی ہیں جن میں آپس میں ضد اضدی ہے

وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٩﴾ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم

اور ایک وہ شخص ہے جو ایک ہی آدمی کے لئے سالم ہے کیا یہ دونوں حالت کے اعتبار سے برابر ہیں؟ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے بلکہ ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے' بلاشبہ آپ مرنے والے ہیں

مَّيِّتُونَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِندَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ﴿٣١﴾

اور بلاشبہ یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں' پھر یقینی بات ہے کہ قیامت کے دن تم اپنے رب کے پاس پیش ہو کر مدعی اور مدعیٰ علیہ بنو گے۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے جس کا سینہ کھول دیا وہ صاحب نور ہے جن کے قلوب اللہ کے ذکر کی جانب سے سخت ہیں انکے لئے ہلاکت ہے

تفسیر: گزشتہ آیات میں مومنین کے ثواب کا اور کافروں کے عقاب کا ذکر ہے۔ یہ تو دونوں فریق کا انجام کے اعتبار سے فرق ہے جو آخرت میں سب کے سامنے آجائے گا اب یہاں مومن اور کافر کی قلبی کیفیات کو بیان فرمایا' ارشاد

فرمایا کہ ایک وہ شخص ہے جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا اور اس کے دل میں نور ایمان بھر دیا اور دوسرا وہ شخص ہے جس کا دل تنگ ہے نور ایمان سے خالی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تنگی محسوس کرتا ہے اور ذکر اللہ سے مانوس نہ ہونے کی وجہ سے اس کے دل میں سختی ہے، بتاؤ وہ شخص جس کا دل ایمان سے معمور ہے اور اسے اسلام کے بارے میں شرح صدر ہے کیا اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کے دل میں کفر ہو جو اللہ کے ذکر کو قبول نہ کرتا ہو اس کے دل کی قساوت اور سختی اسے اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے دے۔ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب آسان ہے سب جانتے ہیں۔

سورۂ انعام میں فرمایا فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ کَذٰلِکَ یَجْعَلُ اللّٰہُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ (سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت پر ڈالنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو بے راہ کرنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں سے پھٹکار ڈالتا ہے)۔

شرح صدر کی دو نشانیاں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب نور سینہ میں داخل ہو جاتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا اس کی کوئی نشانی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اس کی نشانی ہے اور وہ یہ کہ دار الغرور (دھوکہ کے گھر یعنی دنیا) سے دور رہے اور دار الخلود (ہمیشگی کے گھر یعنی جنت) کی طرف رجوع ہو، یعنی ایسے اعمال کرتا رہے جو دخول جنت کا ذریعہ بن جائیں اور ایک نشانی یہ ہے کہ موت آنے سے پہلے اس کے لئے تیاری کر لے

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اسلام کے لئے شرح صدر ہو جانے کی یہ نشانی ہے کہ دار الغرور سے بچے اور دار الخلود یعنی آخرت کی طرف متوجہ رہے اور موت کے لئے تیاری کرتا رہے۔

سورۂ زمر کی آیت میں شرح صدر والی بات بیان کرنے کے بعد فرمایا فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَۃِ قُلُوْبُھُمْ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (سو جن لوگوں کے دل اللہ کے ذکر کی جانب سے سخت ہیں یعنی اللہ کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے اور اس کیلئے نرم ہوتے ان کے لئے بڑی خرابی ہے یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں کے دل میں اسلام کے لئے شرح صدر نہیں ہوتا ان کے دل ایسے سخت ہوتے ہیں کہ اللہ کی یاد میں لگنا اور اللہ کا ذکر کرنا انہیں شاق گزرتا ہے ان کے دلوں کی سختی انہیں اللہ کی یاد میں نہیں لگنے دیتی۔ درحقیقت اللہ کا ذکر بڑی نعمت ہے مبارک بندے ہی اس میں لگتے ہیں اور اس میں لذت محسوس کرتے ہیں اور کثرتِ ذکر ان کی خصوصی غذا بن جاتی ہے۔

ذکر اللہ کی فضیلت اور اہمیت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ مت بولا کرو کیونکہ ذکر اللہ کے علاوہ زیادہ بولنا دل کی سختی کا سبب بن جاتا ہے اور بلاشبہ لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ

دور وہی شخص ہے جس کا دل سخت ہے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ دین کی باتیں تو بہت ہیں ان سب پر مجموعی حیثیت سے عمل کرنا مجھے دشوار معلوم ہو رہا ہے (کیونکہ فضیلت والے اعمال اس قدر ہیں کہ مجھ سے ان سب پر عمل نہیں ہو سکتا) لہٰذا آپ مجھے ایسی چیز بتا دیجئے کہ میں اسے پکڑے رہوں آپ نے فرمایا کہ تیری زبان ہر وقت اللہ کی یاد میں تر رہے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک اعرابی (دیہات کے رہنے والے) نے سوال کیا یارسول اللہ تمام اعمال میں افضل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو دنیا سے اس حال میں جدا ہو کر تیری زبان اللہ کی یاد سے تر ہو۔ (رواہ الترمذی)

مُتَشَابِهًا مَّثَانِیَ کی تشریح

اس کے بعد قرآن مجید کی فضیلت بیان فرمائی' ارشاد فرمایا کہ اللہ نے سب سے اچھا کلام نازل کیا پھر اس کی ایک صفت کِتَابًا مُّتَشَابِهًا اور دوسری صفت مَثَانِیَ بیان فرمائی مُتَشَابِهًا کا مطلب یہ ہے کہ لفظی اعتبار سے فصیح بلیغ بھی ہے اور معجزہ بھی ہے اور معنوی اعتبار سے اسکے مضامین آپس میں مشابہ ہیں اور آیات آپس میں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ سب میں عقائد صحیحہ بیان کئے ہیں توحید رسالت کے اقرار اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں مَثَانِیَ کا معنی یہ ہے کہ اس میں احکامِ مواعظ اور نصائح بار بار دہرائے گئے ہیں نیز بار بار اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں' لیکن طبعیت ملول نہیں ہوتی اور ہر مرتبہ نئی چیز معلوم ہوتی ہے۔

ذاکرین کی صفات

پھر فرمایا تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (اس سے لوگوں کے بدن کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں) اس میں ان حضرات کی صفتِ خاص بیان فرمائی جو قرآن کو پڑھتے اور سنتے ہیں اور اس کا یہ اثر لیتے ہیں کہ انکے بدن اور دل کانپ اٹھتے ہیں ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کیطرف متوجہ ہوتے ہیں) یہ دونوں صفات ان مومن بندوں کی ہیں جن کے دلوں میں خوف وخشیت ہو اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہونے سے ڈرتے رہتے ہو' سورۂ انفال میں فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں) ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (یہ اللہ کی ہدایت ہے اس کے ذریعہ وہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے) وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (اور اللہ جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں) اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ کیا جو شخص قیامت کے دن اپنے چہرے کے ذریعے برے عذاب سے بچ

جائے اور جنت میں داخل ہو جائے کیا اس شخص کے برابر ہے جو دوزخ میں داخل کر دیا جائے؟ چہرہ کے ذریعہ بچنے کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے اہل عذاب کے چہروں کو آگ پہنچے گی وہ چاہیں گے کہ چہروں کو ڈھال بنالیں اور اپنی جانوں کو عذاب سے بچالیں لیکن ایسا نہ ہو سکے گا دوزخ میں داخل ہوں گے اور ہر ہر حصہ عذاب میں ڈالا جائے گا اور طرح طرح کے عذاب میں گرفتار ہوں گے سورۃ الفرقان میں فرمایا ہے اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِيْلًا (جو لوگ اپنے چہروں کے بل دوزخ کی طرف لے جائے جائیں گے وہ لوگ جگہ کے اعتبار سے بدترین ہیں اور بہت زیادہ گمراہ ہیں) چہروں کے گھسیٹا جانا بھی ایک عذاب ہے اسی طرح گھسیٹتے ہوئے اسے دوزخ میں پہنچا دیا جائے گا وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (اور ظالموں سے کہا جائے گا کہ تم جو عمل کیا کرتے تھے ان کا عذاب چکھ لو)

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان دونوں آیتوں میں منکرین کی بدحالی بیان فرمائی کہ وہ یوں نہ سمجھیں کہ عذاب کی وعیدیں ہی ایک تہدید ہے ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ وعیدیں سچی ہیں، جھٹلانے والوں کو عذاب پہنچ کر رہے گا ان سے پہلے بھی لوگوں نے جھٹلایا پھر ان کے پاس عذاب پہنچ گیا اور پہنچا بھی اس طرح کہ انہیں اس کے آجانے کا خیال بھی نہ تھا اللہ نے انہیں دنیا میں بھی رسوائی کا مزہ چکھا دیا اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے ہی جو دنیا والے عذاب سے بہت بڑھ کر ہے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ (الآیتین) ان دو آیتوں میں قرآن مجید کی صفات بیان فرمائیں اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کے عمدہ مضامین بیان کر دیئے ہیں تا کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں اور یہ بھی فرمایا کہ قرآن عربی میں ہے (جسے اولین مخاطبین اہل عرب سمجھتے اور جانتے ہیں اور اس کی فصاحت اور بلاغت سے بھی واقف ہیں) تیسری بات یہ بیان فرمائی کہ قرآن میں ذرا بھی کجی نہیں ہے نہ اس میں لفظی رکاکت ہے نہ فصاحت میں اختلال ہے نہ معنوی طور پر اس میں کوئی تناقض ہے آخر میں فرمایا لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ تا کہ یہ لوگ قرآن کی تکذیب سے باز آئیں اور اللہ جل شانہ کے عذاب اور پکڑ سے ڈریں اور اپنی جانوں کو اس سے بچائیں۔

مشرک و موحد کی مثال

اس کے بعد مشرک اور موحد کی ایک مثال بیان فرمائی اور وہ یہ ہے کہ ایک غلام ہے اس میں کئی افراد شریک ہیں اور وہ بدخلق بھی ہیں کھینچا تان میں ان کی بدخلقی کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے ایک اس غلام کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور کہتا یہ میرے ماتحت رہے اور میرا ہی کام کرے اور دوسرا اور تیسرا اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس سلسلہ میں ہر ایک بدخلقی کو اختیار کرتا ہے ساتھیوں کی بدخلقی کی لپیٹ میں یہ غلام حیران رہتا ہے اور ساتھیوں کے ساجھے کی سزا بھگتتا رہتا ہے اور ایک غلام وہ ہے جو ایک ہی شخص کا غلام ہے اسے صرف ایک ہی شخص کی خدمت کرنی ہے ان دونوں غلاموں کی زندگی پر نظر ڈالو ایک کی حیرانی اور پریشانی کو دیکھو اور دوسرے کی سلامتی کو دیکھو اور بتاؤ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اسی سے سمجھ لو کہ جس طرح یہ برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح سے موحد اور مشرک بھی برابر نہیں ہو سکتے موحد پورا پورا معبود واحد اور معبود حقیقی کا بندہ بنا رہتا ہے اسی کی عبادت کرتا ہے اسی کی یاد میں مگن رہتا ہے ہر حاجت اسی سے طلب کرتا ہے اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے بہت سے معبود بنا رکھے ہیں اس کی بھی عبادت کرتا ہے اور اس کی بھی عبادت کرتا ہے اس کے سامنے بھی سر جھکاتا ہے اور اس کے

سامنے بھی جبین نیاز رگڑتا ہے۔ موحد ومشرک میں اتنا عظیم فرق ہے، شرک اختیار کرنے والے سراپا گمراہ ہیں اور سراپا بیوقوف بھی ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہدایت نازل فرمائی اور توحید کی دعوت دی اور مشرکوں کو گمراہی اور حماقت سے آگاہ فرمایا۔

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (بلکہ ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جو نہیں سمجھتے) حق اور ناحق میں تمیز کرنا ہی نہیں چاہتے۔

قوله تعالیٰ متشاكسون قال الراغب فی مفرداته الشكس: السيئ الخلق و قوله شركاء متشاكسون ای متشاجرون لشكاسة خلقهم اه قال صاحب الروح والمعنى ضرب الله تعالیٰ مثلا للمشرک حسبما يقود اليه مذهبه من ادعاء كل من معبوديه عبوديته عبد ايتشارک فيه جماعة متشاجرون لشكاسة اخلاقهم وسوء طبائعهم يتجاذبونه ويتعاورونه فی معماتهم المتباينة فی تحيره و توزع قلبه.

(اللہ تعالیٰ کا ارشاد "متشاکسون" اس کے بارے میں امام راغب اپنی کتاب مفردات القرآن میں لکھتے ہیں "الشکس" کا معنی ہے بدخلق اور اللہ تعالیٰ کے قول "شرکاء متشاکسون" یعنی ایسے شرکاء جو اپنی بدخلقی کیوجہ سے آپس میں لڑنے والے ہیں اھ)

تفسیر روح المعانی کے مصنفؒ فرماتے ہیں اس کا معنی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرک کی مثال بیان فرمائی ہے کہ مشرک کو جب اس کا مذہب اپنے معبودوں میں سے ہر ایک کی عبادت کی دعوت دیتا ہے تو اس کی حیرانی اور بے یقینی کی حالت کی مثال اس غلام کی ہے جس کی ملکیت میں ایک گروہ ایک دوسرے کے ساتھ اپنی بدخلقی کی وجہ سے لڑتا رہتا ہو ہر ایک غلام کو اپنی طرف کھینچتا ہو اور ہر کوئی دوسرے سے کام سے مختلف اپنے کام میں استعمال کرنا چاہتا ہو)

آخر میں فرمایا اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (بلاشبہ آپ مرنیوالے ہیں اور بلاشبہ یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں)

مطلب یہ ہے کہ آپ منکرین کے بارے میں غمگین نہ ہوں یہ لوگ دنیا میں آپکی بات نہیں مانتے قیامت کے دن فیصلہ ہو جائے گا اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر دوزخ میں ہونگے جیسا کہ آئندہ آیات میں بیان فرمایا۔

تفسیر جلالین میں لکھا ہے کہ اہلِ مکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کا انتظار کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ اس شخص کو موت آجائے تو ہماری جان چھٹ جائے گی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ بھی وفات پانے والے ہیں اور ان لوگوں کو بھی مرنا ہے۔ دنیا سے تو سب کو ہی جانا ہے اگر یہ لوگ نہ مرتے تو آپ کی وفات ہو جانے سے ان کی جان چھوٹ جاتی۔

سورۃ الانبیاء میں فرمایا اَفَاِئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ (اگر آپ کی وفات ہو جائے گی تو کیا یہ ہمیشہ رہیں گے) ان کو بھی مرنا ہے اور پیشی بھی ہونی ہے۔

قیامت کے دن ادعاء اور اختصام

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ (پھر یقینی بات ہے کہ قیامت کے دن تم اپنے رب کے پاس پیش ہو کر مدعی اور مدعی علیہ بنو گے) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ عرصہ دراز تک ہم اس آیت کو پڑھتے رہے لیکن یہ سمجھ میں

نہیں آتا تھا کہ ہم میں جھگڑے کیوں ہونگے جبکہ ہماری کتاب ایک ہے قبلہ ایک ہے حرم ایک ہے نبی ایک ہے (ﷺ) پھر جب ہم میں آپس میں قتل وقتال ہوا تو سمجھ میں آ گیا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (درمنثور از مستدرک حاکم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب جنگِ صفین کے موقعہ پر ہم آپس میں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے اس وقت ہم نے سمجھا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں ہے۔ (درمنثور)

حضرت ابن عمر وحضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما نے اپنے زمانہ میں ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے کو آیت شریفہ کا مصداق قرار دیا، لیکن الفاظ کا عموم ان سب جھگڑوں کو شامل ہے جو قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اور بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوں گے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جو لوگ جھگڑے لے کر اٹھیں گے ان میں سب سے پہلے دو پڑوسی ہوں گے جس کا جو حق مارا گیا ہوگا اپنے حق کے لئے جھگڑا کرے گا۔ رعیّت امیر وزیر اور بادشاہ پر دعویٰ کرے گی، مالی حق رکھنے والوں پر اصحابِ حقوق دعویٰ کریں گے، مظلوم ظالم سے اپنا حق طلب کرے گا جن کے قرضے تھے وہ قرضے طلب کریں گے جن کی غیبت تھی یا جن پر تہمت دھری تھی وہ بھی مدعی بن کر کھڑے ہو جائیں گے اس مضمون میں تفصیل بہت ہے جاننے والے جانتے بھی ہیں بہر حال اگر وہاں مدعیٰ علیہ ہونے سے بچنا ہے تو کسی بندے کا کوئی حق مار کر نہ جائیں۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ

سو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور سچ کو جھٹلایا جبکہ وہ اس کے پاس آیا۔ کیا

فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ

دوزخ میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں ہے، اور جو شخص سچ کو لیکر آیا اور سچ کی تصدیق کی یہ وہ لوگ ہیں

الْمُتَّقُوْنَ ۝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۝ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ

جو متقی ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس وہی ہے جو وہ چاہیں یہ بدلہ ہے اچھے کام کرنے والوں کا تاکہ اللہ اُن کے

عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِیْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

برے کاموں کا کفارہ کردے اور انہیں اعمال کا اچھے سے اچھا اجر دے جو وہ کیا کرتے تھے۔

جھوٹوں سے بڑھ کر ظالم کون ہے

تفسیر: گزشتہ آیات میں مؤمنین موحدین اور مشرکین معاندین اور کافرین مکذبین کا ذکر تھا ان آیات میں ہر دو فریق کا انجام بتایا ہے مؤمنین کے اجر وثواب سے اور کافروں کے عذاب سے باخبر کیا ہے فرمایا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ (سو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا، جو اللہ پر جھوٹ باندھے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات منسوب کرے جو اللہ تعالیٰ نے نہیں بتائی انہیں باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مشرکین یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شریک بنا لئے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے

اولاد تجویز کرلی ہے نیز مشرکین کا یہ مزاج بھی ہے کہ جب کسی برے کام سے روکا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے کما فی سورۃ الاعراف قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ظالم لوگ اللہ تعالیٰ پر تہمت دھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں۔ یہ سب سے بڑا ظلم ہے۔ جس کی سزا بھی بہت بڑی ہے۔

وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ (اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو سچی بات کو یعنی قرآن کو جھٹلائے جبکہ وہ اس کے پاس آ گیا۔

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ (کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں ہے؟ (یہ استفہام تقریری ہے یعنی کافروں کا ٹھکانہ دوزخ میں ہے۔

اس کے بعد اہل ایمان کا حال بتایا وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ (اور جو شخص سچی بات کو لے کر آیا اس کا عموم تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور جو حضرات ان کے کام میں لگے حق کے داعی بنے ان سب کو شامل وَصَدَّقَ بِهٖٓ اور جس نے سچی بات کی تصدیق کی اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (یہ لوگ پرہیز کرنے والے ہیں) شرک سے کفر سے گناہوں سے بچتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے الصدق سچی بات سے کلمہ لا الہ الا اللّٰہ اور الذی جآء سے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے آگے ان کی جزا بتائی لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ (ان کے لئے ان کے رب کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے) ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ (اور یہ بدلہ ہے اچھے کام کرنے والوں کا)

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ (تا کہ اللہ ان کے برے کاموں کا کفارہ کردے اور انہیں ان اعمال کا اچھے سے اچھا اجر دے جو وہ کیا کرتے تھے) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان کا انعام جو پہلے ہی سے اس دنیا میں بتا دیا ہے یہ اس لئے ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین رکھتے ہوئے اچھے اچھے کام کریں تا کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے بموجب ان کے برے اعمال کا کفارہ فرمادے اور ان کے اچھے اعمال کا بدلہ دیدے۔ قال صاحب الروح ای وعدھم اللّٰہ جمیع ما یشآء ونہ من زوال المضار و حصول المسار لیکفر عنھم بموجب ذلک الوعد اسوا الذی عملوا الخ.

(صاحب روح المعانی نے کہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سے ہر تکلیف کو دُور کرنے اور ہر راحت کا حصول جسے وہ چاہتے ہیں سب کچھ کا وعدہ کیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس وعدہ کے ذریعہ ان کے بُرے اعمال کا بدلہ کردے)

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۖ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں ہے' اور وہ آپ کو ان سے ڈراتے ہیں' جو اللہ کے علاوہ ہیں اور اللہ

فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۞ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ۗ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ۞

جسے گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جسے اللہ ہدایت دیدے سو اس کو کوئی گمراہ کرنیوالا نہیں' کیا اللہ عزت والا بدلہ لینے والا نہیں ہے

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو تو ضرور یوں کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا آپ فرما دیجئے کہ تم ہی بتاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ

اگر اللہ مجھے کوئی ضرر پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو کیا یہ اس کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا اگر وہ مجھے رحمت سے نوازنے کا ارادہ فرمائے تو کیا

هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ؕ عَلَیْهِ یَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ یٰقَوْمِ

یہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ کافی ہے مجھے اللہ! اسی پر بھروسہ کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اے میری قوم

اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ یَحِلُّ

تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو بیشک میں عمل کر رہا ہوں سو تم عنقریب جان لو گے کس کے پاس عذاب آتا ہے جو اس کو ذلیل کر دے گا اور اس پر ایسا

عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰی فَلِنَفْسِهٖ ۚ

عذاب نازل ہوتا ہے جو ٹھہر کر رہ جائے' بے شک ہم نے لوگوں کے لئے حق کے ساتھ آپ پر کتاب نازل کی ہے سو جو ہدایت پر آ جائے یہ اس کی اپنی جان کے لئے ہے

وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ﴿۴۱﴾

اور جو شخص گمراہی اختیار کرے سو وہ اپنی جان کو ضرر پہنچانے کے لئے گمراہی کو اختیار کرتا ہے' اور آپ ان پر مسلط بنا کر نہیں بھیجے گئے۔

بندہ کو اللہ کافی ہے' اللہ کے سوا تکلیف کو کوئی دُور نہیں کر سکتا اور اس کی رحمت کو کوئی روک نہیں سکتا

تفسیر: جب رسول اللہ ﷺ مشرکین کو توحید کی دعوت دیتے تھے تو وہ لوگ برا مانتے تھے ایک دن ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ دیکھو ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دو ورنہ ہم اپنے معبودوں سے کہیں گے کہ تمہیں ایسا کر دیں کہ تمہارے ہوش و حواس قائم نہ رہیں' اس پر آیت کریمہ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ نازل ہوئی۔

اور بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا کہ عُزّٰی بت کو توڑ دیں جب یہ وہاں پہنچے تو وہاں کے بت خانہ کا جو ذمہ دار بنا ہوا تھا اس نے کہا کہ دیکھو میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں اس بت کی طرف سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے گی۔ حضرت خالد بن ولید نے اس کی کوئی بات نہ مانی آگے بڑھے اور جو کلہاڑا لیکر گئے تھے وہ اس بت کی ناک پر مار کر تیا پانچا کر دیا اس پر وَ یُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ کا نزول ہوا (ذکرهما فی الدر المنثور عن قتادة)

مشرکین خود تو اپنے معبودوں سے ڈرتے ہی ہیں مؤمن بندوں کو بھی ڈراتے ہیں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ (کیا اللہ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے لئے کافی ہے جو ہر شر اور ضرر اور آفت و مصیبت سے بچائے گا بت تو بے جان ہیں ان سے کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی جو انسان اور جن کچھ اختیار رکھتے ہیں وہ بھی کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں۔

وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (اور اللہ جسے گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں) وَ مَنْ یَّهْدِ

اللہ فَمَا لَہٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِعَزِیْزٍ ذِی انْتِقَامٍ (اور جسے اللہ ہدایت دے دے اس کا کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا اللہ عزت والا بدلہ لینے والا نہیں ہے؟) جو لوگ بت پرست ہیں وہ اپنے معبودوں کے ضرر پہنچانے سے ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے قادر اور کافی اور عزیز (غالب) ہونے اور انتقام لینے کی قدرت ہونے پر ان کی نظر نہیں' جو باطل معبود انہوں نے خود تجویز کر رکھے ہیں اپنی گمراہی سے ان میں نفع و ضرر سمجھتے ہیں اور ان سے خود بھی ڈرتے ہیں اور دوسروں کو بھی ڈراتے ہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ آپ ان مشرکین سے دریافت فرمائیے کہ یہ بتاؤ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ اس سوال کا جواب ان کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے جب وہ جواب دیدیں (زبان حال سے یا قال سے) تو آپ ان سے فرمائیں کہ اب یہ بتاؤ کہ تم نے جو اللہ تعالیٰ کے سواء معبود بنا رکھے ہیں کیا انہیں ایسی قدرت ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ضرر پہنچانا چاہے تو یہ اسے دور کر دیں یا اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر رحمت فرمانا چاہے تو یہ اس کی رحمت کو روک دیں' اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دکھ تکلیف کو اس کے سواء کوئی دور نہیں کر سکتا اور اس کی رحمت کو کوئی نہیں روک سکتا' جب یہ بات ہے تو تمہارے معبودوں سے میں کیوں ڈروں؟ مجھے صرف اللہ کافی ہے صحیح معنی میں توکل کرنیوالے صرف اسی پر توکل کرتے ہیں اور میرا بھی اسی پر توکل ہے۔

قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ (آپ فرما دیجئے کہ تم اپنی جگہ پر عمل کئے جاؤ میں اپنے طور پر عمل کر رہا ہوں۔ تم اپنا مشرکانہ طرز عمل نہیں چھوڑتے اور مجھے تو اپنا دین بہر حال چھوڑنا ہی نہیں ہے۔ تم جو مجھے غلطی پر سمجھ رہے ہو تو تمہیں جلدی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون ہے جس پر عذاب آنے والا ہے جو اُسے رُسوا کر دے گا اور جس پر ایسا عذاب نازل ہو گا جو دائمی ہو گا مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مشرکین کا بدر میں مقتول ہونا مراد ہے' بدر کے مقتولین نے دنیا میں بھی سزا پائی ذلیل ہوئے اور آخرت میں بھی ان کے لئے دائمی عذاب ہے اور ہر کافر کے لئے عذاب دائمی ہی ہے۔

قال صاحب الروح فان الاول اشارة الی العذاب الدنیوی وقدنا لهم یوم بدر والثانی اشارة الی العذاب الاخروی فان العذاب المقیم عذاب النار.

(صاحب روح المعانی" فرماتے ہیں پہلے عذاب سے دنیوی عذاب کی طرف اشارہ ہے جو ہم نے ان کیلئے بدر کے دن میں مقرر کیا تھا اور دوسرے عذاب سے مراد آخرت کا عذاب ہے کیونکہ عذابِ مقیم جہنم ہی کا عذاب ہے)

آخر میں فرمایا اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ (بے شک ہم نے آپ پر لوگوں کے لئے حق کے ساتھ کتاب نازل کی) فَمَنِ اهْتَدٰی فَلِنَفْسِهٖ (سو جو ہدایت پر آ جائے یہ اس کی اپنی جان کے لئے ہے) وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا (اور جو شخص گمراہی اختیار کرے سو وہ اسے اپنی جان کو ضرر پہنچانے کے لئے اختیار کرتا ہے) وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَکِیْلٍ (اور آپ ان پر مسلط بنا کر نہیں بھیجے گئے اس میں آپ کو تسلی دی ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کے ذمہ یہ نہیں کیا گیا کہ لوگوں کو زبردستی دین پر لائیں اور اپنی بات منوائیں آپ کے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے۔ عمل کرنا نہ کرنا ان کی اپنی ذمہ داری ہے۔ آپ انکی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔

اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی

اللہ قبض کر لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت' اور ان جانوں کو بھی جن کی موت نہیں آئی ان کے سوتے وقت' پھر اسے روک لیتا ہے

عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

جس کے بارے میں موت کا فیصلہ فرما دیا اور دوسری کو اجلِ مقرر تک چھوڑ دیتا ہے بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے

یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا یَمْلِكُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا

جو فکر کرتے ہیں۔ کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا سفارش کرنے والے تجویز کر رکھے ہیں آپ فرما دیجئے اگر چہ وہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہوں اور کچھ بھی نہ

یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾

سمجھتے ہوں؟ آپ فرما دیجئے کہ سفارش تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِیْنَ

پھر جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہو جاتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر

مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

کیا جاتا ہے تو اچانک وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جانوں کو قبض فرماتا ہے، سفارش کے بارے میں صرف اسی کو اختیار ہے، مشرکین کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل منقبض ہوتے ہیں

تفسیر: یہ تین آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں اللہ جل شانہ نے اپنے ان تصرفات کا تذکرہ فرمایا جو انسانوں کی جانوں سے متعلق ہیں، ارشاد فرمایا کہ انسانوں کی جانوں کو اللہ تعالیٰ ان کی موت کے وقت قبض فرما لیتا ہے اور یہ قبض کامل ہوتا ہے اس کے بعد جسم انسانی میں کوئی حس و حرکت باقی نہیں رہتی، اور جب نبی آدم سو جاتے ہیں تو اس وقت بھی اللہ ان کی جانوں کو قبض فرما لیتا ہے لیکن چونکہ قبض کامل نہیں ہوتا روح باقی رہتی ہے (اگر چہ افعال و حرکات پر ارواح کا قبضہ نہیں رہتا) اس لئے ان کی موت کا مقررہ وقت آنے تک سونے والوں کی جانوں کو اللہ تعالیٰ چھوڑ دیتا ہے یعنی جو ہوش گوش اور حس و حرکت اور اختیار والی زندگی عارضی طور پر جا چکی تھی اسے واپس لوٹا دیتا ہے، ان تصرفات میں اللہ تعالیٰ بالکل مختار مطلق ہے کسی کو اس میں کوئی دخل نہیں دیکھنے والے دیکھتے ہیں اور روزانہ اس کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے، اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں انسان کو ہر سونے اور جاگنے کے وقت سوچنا چاہتے کہ میں ایسا ضعیف ہوں کہ سونے جاگنے تک پر مجھے قدرت نہیں اگر انسان اپنی عاجزی پر غور کرے تو سمجھ میں آ جائے گا کہ واقعی مجھے جس نے پیدا فرمایا ہے میں صرف اسی کا بندہ ہوں۔

دوسری آیت میں مشرکین کی اس بے وقوفی کو بیان فرمایا کہ انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود تجویز کر رکھے ہیں ان شرکاء کو شُفَعَاءَ سے تعبیر فرمایا کیونکہ مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ جن کو ہم نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا ہے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور میں شفاعت کر کے ہماری بخشش کرا دیں گے پہلے تو غیر اللہ کو معبود بنانے کی نکیر فرمائی پھر فرمایا کہ جن کو تم نے سفارشی سمجھا ہے انہیں تو کچھ بھی قدرت نہیں اور کچھ بھی سمجھ نہیں یہ تو پتھر کی مورتیاں ہیں نہ انہیں کچھ قدرت ہے نہ کسی بات کا علم ہے یہ کیا جانیں کہ سفارش کیا ہوتی ہے اور یہ کہ سفارش کس کی کی جائے اور کس سے سفارش کی جائے جب ان کے عجز اور جہل کا یہ حال ہے تو کیا سفارش کر سکتے ہیں؟

یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ سفارش کے بارے میں ہر طرح کا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کو ہے وہ جسے چاہے گا اور جس کے لئے چاہے گا سفارش کرنے کی اجازت دے گا' اس کے یہاں مشرک اور کافر کی بخشش نہیں۔ اس لئے جو بندے اس کے نزدیک شفاعت کرنے کے اہل ہیں انبیاء کرام اور ملائک عظام علیہم السلام انہیں کافروں اور مشرکوں کی سفارش کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی لہٰذا شرک و کفر میں مبتلا رہنا اور اپنے معبودوں کی سفارش کا بخشش کے لئے سہارا لینا یہ سراپا جہالت اور حماقت اور گمراہی ہے' اس بیان سے مشرکین کے اس سوال کا جواب بھی واضح ہو گیا ہے کہ ہم نے تو فرشتوں کو اور بعض پیغمبروں کو بھی الوہیت میں شریک کر رکھا ہے وہ تو شفاعت کے اہل ہیں اوپر کے بیان میں واضح ہو گیا کہ جس کی بخشش نہیں اس کے لئے نہ کوئی سفارش کرے گا نہ اس کے لئے سفارش کی اجازت دی جائے گی اور بلا اجازت کسی کو سفارش کا اختیار نہیں سورۂ بقرہ میں فرمایا مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (کون ہے جو اس کی بارگاہ میں سفارش کرے مگر اس کی اجازت سے) اور سورہ طٰہٰ میں فرمایا یَوْمَىٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا (اس روز سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اجازت دیدی ہو اور اس شخص کے واسطے بولنا پسند کر لیا ہو)

اور سورۃ الانبیاء میں فرشتوں کے بارے میں فرمایا وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی (اور وہ بجز اس کے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے) مزید فرمایا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اسی کے لئے ملک ہے آسمانوں کا اور زمین کا) ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) اس میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی مالک الملک ہے دنیا و آخرت سب اسی کی مملوک ہیں اور ہر طرح کا پورا اختیار اور اقتدار اسی کا ہے تیسری آیت میں مشرکین کا مزاج بتایا اور وہ یہ کہ شرک ان کے دلوں میں اس درجہ گھر کر گیا ہے اور انہیں توحید اس قدر نا گوار ہے کہ جب ان کے سامنے صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے جس میں لا الٰہ الا اللّٰہ کی دعوت بھی ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہوتے ہیں جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے انہیں یہ بات نا گوار معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے تجویز کردہ شرکاء کے بغیر اللہ کا نام کیوں لیا گیا' اور ان لوگوں نے اللہ کے سواء جو دوسرے معبود تجویز کر رکھے ہیں جب ان کا تنہا ذکر ہوتا ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں اللہ کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں یوں نہیں کہتے کہ اللہ کا ذکر کئے بغیر ان کو کیوں یاد کیا گیا ان کے دلوں میں اس درجہ شرک رچ پچ گیا ہے کہ تنہا اللہ کا ذکر ہو تو انہیں بہت نا گواری ہوتی ہے اور جو باطل معبود انہوں نے تجویز کر رکھے ہیں ان کا ذکر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو تو اس وقت ان کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی قال صاحب الروح فان الاستبشار أن یمتلی القلب سرورا حتی ینبسط له بشرة الوجه، والا شمئزاز أن یمتلی غیظا و غما ینقبض عنه ادیم الوجه کما یشاهد فی وجه العابس المحزون.

(تفسیر روح المعانی کے مصنف فرماتے ہیں استبشار یہ ہے کہ دِل خوشی سے بھر جائے یہاں تک کہ دل کی اس خوشی سے چہرہ پر خوشگوار اثرات ظاہر ہو جائیں اور اشمئز از یہ ہے کہ دِل غصہ اور غم سے بھر جائے جس سے چہرہ منقبض ہو جائے جیسا کہ غمگین وغصہ کرنے والے کے چہرے پر دیکھا جاتا ہے)

یہی حال ان مبتدعین ومشرکین کا ہے جو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ذکر کی اور اتباع سنت کی تلقین کی جاتی ہے تو انہیں اچھی نہیں لگتی بدعتوں کا بیان کیا جائے اور پیروں فقیروں کی جھوٹی کرامات اور خود تراشیدہ قصے بیان کئے جائیں تو اس سے خوش ہوتے ہیں راتوں رات قوالی سنتے ہیں ہارمونیم اور طبلہ کی آواز پر انہیں وَجد آتا ہے اور اسی رات کے ختم پر جب فجر کی آذان ہوتی ہے تو مسجد کا رُخ کرنے کی بجائے بستروں کی طرف رُخ کرتے ہیں اور گھروں میں جا کر سو جاتے ہیں۔

قال صاحب الروح وقد رأينا كثيراً من الناس على نحو هذه الصفة التى وصف الله تعالىٰ بها المشركين يهشون لذكر اموات يستغيثون بهم ويطلبون منهم ويطربون من سماع حكايات كاذبة عنهم توافق هوا هم واعتقادهم فيهم ويعظمون من يحكى لهم ذلك وينقبضون من ذكر الله تعالىٰ وحده، (الى (أن قال) وقد قلت يوما لرجال يستغيث فى شدة ببعض الاموات وينادى يا فلان اغثنىٰ فقلت لهٗ قل يا الله فقد قال سبحانه واذا سالك عبادى عنى فانى قريب اجيب دعوة الداع اذا دعان فغضب وبلغنى انه قال فلان منكر على الاولياء وسمعت عن بعضهم انه قال الولى اسرع اجابة من الله عزوجل وهذا من الكفر بمكان نسأل الله تعالىٰ أن يعصمنا من الزيغ والطغيان. (ص ۱۱ ج ۲۴)

(تفسیر روح المعانی کے مصنف فرماتے ہیں ہم نے بہت سارے لوگوں کو ایسی ہی حالت پر دیکھا جو حالت اللہ تعالیٰ نے یہاں مشرکین کی بیان فرمائی ہے کہ وہ فوت شدہ لوگوں کے ذکر پر خوش ہوتے ہیں ان سے مدد مانگتے ہیں ان سے سوال کرتے ہیں اور ان کے بارے میں اپنی خواہشات نفس اور اپنے اعتقاد کے موافق جھوٹے قصے سن کر خوش ہوتے ہیں جو لوگ اس طرح کی قصہ خوانی کرتے ہیں یہ ان کو عزت واحترام دیتے ہیں اور اکیلے اللہ کے ذکر سے منہ بناتے ہیں مصنف نے یہ بھی فرمایا کہ ایک آدمی جو مصیبت میں بعض مردوں سے مدد مانگتا تھا اور اغثنی یا فلان کہہ کر پکارتا تھا ایک دن میں نے اس سے کہا یا اللہ کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب میرا کوئی بندہ مجھ سے سوال کرے تو میں قریب ہوں جب مجھے کوئی پکارے تو میں اس کی پکار سنتا ہوں تو وہ آدمی غضبناک ہو گیا اور مجھے یہ بات پہنچی کہ اس نے کہا فلاں آدمی اولیاء پر نکیر کرتا ہے بعض لوگوں سے میں نے سنا کہ وہ کہتے ہیں اللہ کی نسبت ولی جلدی دُعاء قبول کرتا ہے یہ کفر ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں گمراہی وسرکشی سے محفوظ رکھے)

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ
آپ یوں کہیے۔ اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا فرمانے والے غیب اور شہادت کے جاننے والے آپ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے ان باتوں کے
فِىْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ
بارے میں جن میں اختلاف کرتے ہیں اور جن لوگوں نے ظلم کیا اگر ان کے لئے وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اس

لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا

جیسا اور ہوتو قیامت کے دن عذاب کی بدحالی کی وجہ سے وہ اس سب کو جان کے بدلہ میں دیدیں گے اور ان کے لئے اللہ کی طرف سے وہ ظاہر ہو جائے گا جو ان کے

يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

گمان میں نہ تھا اور انہوں نے جو عمل کئے تھے ان کے برے نتیجے ان کے لئے ظاہر ہو جائیں گے اور انہیں وہ چیز گھیر لے گی جس کا وہ مذاق بناتے تھے

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ؗ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ

سو جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے نعمت دے دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تو مجھے ہنر کی وجہ سے ملا ہے

بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ

بلکہ بات یہ ہے کہ وہ امتحان ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے، یہ کلمہ ان سے پہلے لوگوں نے کہا سو جو کچھ کمائی کرتے تھے

اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ

اس نے انہیں کچھ بھی فائدہ نہ دیا سو انہوں نے جو برے اعمال کئے تھے ان کا بدلہ انہیں پہنچ گیا اور ان میں سے جن لوگوں نے ظلم کیا عنقریب انہیں ان کے

هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ

اعمال کا بدلہ پہنچ جائے گا اور وہ عاجز کرنے والے نہیں ہیں کیا انہوں نے نہیں جانا کہ اللہ رزق پھیلا دیتا ہے جس کے لئے چاہے اور تنگ

الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

کر دیتا ہے جس کے لئے چاہے بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص دعا کی تلقین
انسان کی بدخلقی اور بدحالی کا تذکرہ

تفسیر: یہ سات آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمائی کہ آپ یوں دعا کریں:

اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ.

(اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے والے غیب اور شہادۃ کے جاننے والے آپ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے ان باتوں کے بارے میں جن میں اختلاف کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین جو رویہ اختیار کرتے، تکلیف پہنچاتے، اور تکذیب کرتے تھے اس سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی، تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ دعا سکھائی آپ کے توسط سے امت کو بھی یہ دعا معلوم ہوگئی جس کسی کو دین کے دشمنوں سے تکلیف پہنچے یہ دعا پڑھے اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے اسے سب کا حال معلوم ہے وہ اپنے علم کے

مطابق جزا سزا دے گا اور لوگوں میں جو اختلاف ہے حق بات نہیں مانتے اور باطل ہی کو حق سمجھتے ہیں اس بات کا آخرت کے دن فیصلہ ہو جائے گا اہل کفر دوزخ میں اور اہل ایمان جنت میں چلے جائیں گے۔

دوسری آیت میں اہل کفر کی قیامت کے دن کی بدحالی بیان فرمائی اور فرمایا کہ زمین میں جو کچھ ہے اگر کسی کافر کے پاس یہ سب کچھ ہو اور اس کے علاوہ اور بھی اسی قدر ہو تو قیامت کے دن کے عذاب سے بچنے کے لئے اس سب کو جان کے بدلہ دینے کو تیار ہو جائے گا اس سے ان کی بدحالی معلوم ہو گئی نہ وہاں کسی کے پاس کچھ ہو گا نہ جان کا بدلہ قبول ہو گا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ (نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ کسی کو کوئی سفارش مفید ہو گی اور نہ ان لوگوں کی مدد کی جائے گی)۔

یہ لوگ جب دنیا میں تھے تو قیامت قائم ہونے ہی کے منکر تھے دوزخ پر اجمالی ایمان لانے کو تیار نہ تھے وہاں کی عقوبات اور سزاؤں کی تفصیل کو کیا جانتے اب جب وہاں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہونگے تو عذاب کی وہ چیزیں ان کے سامنے آجائیں گی جن کا انہیں خیال بھی نہ تھا لہٰذا جان کا فدیہ دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے لیکن وہاں کچھ پاس نہ ہو گا اور اگر بالفرض کچھ پاس ہو تو قبول نہ ہو گا۔

تیسری آیت میں یہ فرمایا کہ دنیا میں جو انہوں نے برے عمل کئے وہ وہاں ظاہر ہو جائیں گے اور جس چیز کا مذاق بنایا کرتے تھے یعنی عذاب جہنم وہ ان کو وہاں گھیر لے گا۔

چوتھی آیت میں انسان کا مزاج بیان فرمایا اور وہ یہ کہ اسے کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہربانی ہو جاتی ہے اور نعمت نصیب ہو جاتی ہے تو یوں نہیں کہتا کہ یہ نعمت مجھے اللہ نے دی ہے بلکہ اس میں بھی اپنا کمال ظاہر کرتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ میں نے اپنے علم کو استعمال کیا اپنے ہنر کو کام میں لایا تدبیریں سوچیں مال کمانے کے گُر سیکھے یہ نعمت مجھے اسی کے ذریعہ ملی ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ یہ بات نہیں ہے کہ یہ مال اسے اس کے علم اور ہنر سے ملا یہ مال اسے ہم نے دیا ہے جب اس کے پاس مال نہیں تھا اس وقت بھی تو علم اور ہنر والا تھا اس وقت کیوں مال حاصل نہیں کر سکا یہ مال جو ہم نے اسے دیا یہ فِتْنَہ ہے یعنی امتحان ہے کہ مال ملنے پر شکر گزار ہوتا ہے یا ناشکری اختیار کرتا ہے لیکن ان میں سے بہت سے لوگ نہیں جانتے) اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو نہیں پہچانتے، شکر کی ضرورت نہیں سمجھتے، ناشکری پر ہی جمے رہتے ہیں اور امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں،

قوله تعالیٰ انما اوتيته على علم بل هي فتنة ذكرا لضمير الاول لان النعمة بمعنى الانعام وقيل لان المراد بها المال وأنث الضمير الثاني لرجوعها الى النعمة واختير لفظها كما اختير فى الاول المعنى .

(اللہ تعالیٰ کا ارشاد "انما أوتيته على علم بل هي فتنة" اس میں پہلی ضمیر کو مذکر اس لئے لایا گیا ہے کیونکہ یہاں نعمۃ انعام کے معنی میں ہے اور بعض نے کہا اس لئے کہ یہاں نعمۃ سے مراد مال ہے اور دوسری ضمیر کو اس لئے مذکر لایا گیا ہے کیونکہ وہ نعمۃ کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہاں نعمۃ کا لفظ مراد ہے جیسا کہ پہلی ضمیر لوٹانے کے وقت نعمۃ کا معنی مراد لیا گیا ہے)

پانچویں آیت میں یہ بیان فرمایا کہ یہ جملہ ایسے شخص نے کہا ہے جسے مال دے کر نوازا گیا اس سے پہلے بھی لوگ اس طرح کہتے رہے ہیں اور اسے زبان پر لاتے رہے ہیں وہ سمجھتے تھے کہ ہمارا یہ مال ہمیں فائدہ پہنچا دے گا لیکن یہ مال نہ دنیا کے عذاب سے بچا سکا اور نہ انہیں آخرت کے عذاب میں اس سے کوئی فائدہ پہنچے گا۔

چھٹی آیت میں فرمایا ان لوگوں نے جو برے اعمال کئے انہیں کا بدلہ مل گیا اور جو وہ موجودہ لوگ ہیں ان میں جو ظالم ہیں وہ بھی عنقریب اپنے اعمال کا بدلہ پالیں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی چنانچہ بدر میں سرداران قریش میں سے ستر آدمی مقتول ہوئے اور ستر قیدی ہوئے اور جو زندہ بچ گئے تھے بڑی ذلت اور رسوائی کے ساتھ واپس ہوئے' ساتھ ہی وَمَاهُمْ بِمُعْجِزِيْنَ بھی فرمایا یعنی ہم جن لوگوں کو عذاب دینا چاہیں عذاب دے دیں گے ایسا نہیں ہے کہ مشرکین کافرین میں سے کوئی شخص کہیں بھاگ کر چلا جائے اور ہمارے قبضہ قدرت سے نکل جائے۔

ساتویں آیت میں فرمایا کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے یہ سب اس کی مشیت اور حکمت پر مبنی ہے ہنر مند کو بھی دیتا ہے اور بے ہنر کو بھی' علم والے تنگی اٹھاتے ہیں اور جاہل جٹ سیٹھ جی بنے رہتے ہیں جس کے پاس جو کچھ ہے اللہ کے فضل سے ہے اس میں اپنے کسب اور ہنر کا دخل نہ جانیں۔

بنادانان چناں روزی رساند کہ دانا اندراں حیراں بماند

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ

آپ فرما دیجئے کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو جاؤ' بلاشبہ اللہ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا

جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے نہایت رحم والا ہے اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس کے فرمانبردار بن جاؤ اس سے پہلے کہ تمہارے پاس

الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

عذاب آئے پھر تمہاری مدد نہ کی جائے اور تم اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو قبل اس کے کہ تم پر

يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا

اچانک عذاب آ پڑے اور تم کو خیال بھی نہ ہو کبھی کوئی جان یوں کہنے لگے کہ ہائے میری حسرت اس چیز پر جو میں نے

فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ

اللہ کے بارے میں تقصیر کی' اور بے شک بات یہ ہے کہ میں مذاق بنانے والوں میں سے تھا' یا کوئی جان یوں کہنے لگے

لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ

کہ اگر میری واپسی ہو جاتی تو میں نیک کام کر نیوالوں میں سے ہو جاتا' ہاں بات یہ ہے کہ تیرے پاس

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾

میری آیتیں آئیں تو نے انہیں جھٹلا دیا اور تو نے تکبر اختیار کیا اور تو کافروں میں سے تھا اور اے مخاطب تو

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى

قیامت کے دن دیکھے گا جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ان کے چہرے سیاہ ہوں گے کیا دوزخ میں

لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۰﴾ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۡ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾

تکبر والوں کا ٹھکانہ نہیں ہے اور اللہ تقوے والوں کو ان کی کامیابی کے ساتھ نجات دے گا انہیں تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

اللہ ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے اور وہ ہر چیز میں تصرف کرنیوالا ہے، اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں،

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾

اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا یہ لوگ تباہ ہونے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ کا اعلان
انابت الی اللہ کا حکم، مکذبین اور متکبرین کی بدحالی

تفسیر: اللہ تعالیٰ حکیم ہے سمیع ہے بصیر ہے علیم ہے، خبیر ہے، قہار ہے، غفار ہے، وہ گناہوں پر مواخذہ بھی فرماتا ہے اور معاف بھی فرما دیتا ہے اس کی مغفرت بہت بڑی ہے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی شان غفاریت کا عام اعلان کیا اور فرمایا۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (آپ میرے بندوں سے فرما دیجئے کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں) کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں تو بہت بڑا گناہگار ہوں میری بخشش کیسے ہوگی جتنا بڑا بھی جو شخص گناہگار ہو اللہ تعالیٰ مغفرت فرما دے گا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم میں آیت شریفہ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ سے بڑھ کر کوئی دوسری آیت نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کا اعلان ہو (روح المعانی)

البتہ کافر اور مشرک کی مغفرت ہونے کے لئے اسلام قبول کرنا شرط ہے کفر پر برقرار رہتے ہوئے معافی اور مغفرت نہیں ہوسکتی جیسا کہ سورۃ النساء میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا (بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا اس کے گناہ بخش دیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا) اور سورۃ آل عمران میں فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور وہ مر گئے حالت کفر ہی میں سو ان میں سے کسی کا زمین بھر سونا قبول نہ کیا جاوے گا اگر چہ وہ معاوضہ میں اس کو دینا بھی چاہے ان لوگوں کو دردناک سزا ہوگی اور ان کے حامی بھی نہ ہوں گے) کوئی کتنا ہی بڑا کافر و مشرک ہو اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا دروازہ کھلا ہوا

ہے بشرطیکہ توبہ کرلے یعنی اسلام قبول کرلے مشرکین میں سے بہت سے لوگوں نے اور بہت سارے قتل کئے تھے اور اس میں بہت زیادہ آگے بڑھ گئے تھے اور ان میں سے بہت سے لوگوں سے زنا بھی کثرت سے صادر ہوا تھا یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ آپ جس چیز کی دعوت دیتے ہیں وہ تو اچھی چیز ہے لیکن ہمیں یہ تو بتائیے کہ ہم نے جو بڑے بڑے گناہ کئے ہیں کیا ان کا کفارہ ہوسکتا ہے اس پر سورۂ فرقان کی آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ اور سورۂ زمر کی آیت يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری ص۷۱۰ ج۲)

جب کسی شخص نے اسلام قبول کرلیا کفر وشرک سے توبہ کرلی تو اس کے پچھلے گذشتہ سب گناہ معاف ہوگئے البتہ حقوق العباد کی ادائیگی کی فکر کرے اور جو شخص پہلے سے مسلمان ہے وہ کتنے ہی گناہ کرلے جب توبہ کرلے گا اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف کردے گا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں البتہ حقوق العباد کی تلافی کریں یہ بھی توبہ کا جزو ہے اگر توبہ سچی ہو اور صحیح ہو تو ضرور قبول ہوتی ہے حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت شریفہ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا کی تلاوت کی پھر فرمایا ولا یبالی کہ اللہ تعالیٰ کچھ پرواہ نہیں کرتا (وہ جس کو چاہے بخش دے اور جس بڑے گناہ کو بخش دے اور جتنے بڑے گنہگار کو بخش دے اس کے لئے کچھ بھاری نہیں ہے اور اس کے کرم اور فضل اور رحمت اور مغفرت سے اسے کوئی روکنے والا نہیں صحیح طریقہ یہی ہے کہ برابر توبہ کرتے رہیں اگر توبہ ٹوٹ جائے پھر کرلیں توبہ ٹوٹتی رہے بار بار کرتے رہیں) سورۂ زمر کی مذکورہ بالا آیت بندوں کے لئے بہت بڑی ڈھارس ہے اور اس میں بندوں کو حکم دیا ہے کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں کروڑوں گناہ بھی اللہ کی رحمت اور مغفرت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے سورۂ یوسف میں ارشاد ہے۔

وَلَا تَايْــــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـــــَٔـسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ اور اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو بے شک اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔ اور سورۂ حجر میں ارشاد ہے: قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے گفتگو فرماتے ہوئے کہا) کہ گمراہ لوگوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہوتا ہے۔

صغیرہ گناہوں کی مغفرت اور ان کا کفارہ تو اعمال صالحہ سے بھی ہوتا رہتا ہے لیکن کبیرہ گناہوں کی یقینی طور پر مغفرت ہوجانا توبہ کے ساتھ مشروط ہے اگر توبہ نہ کی اور اسی طرح موت آگئی تو بشرطِ ایمان مغفرت تو پھر بھی ہوجائے گی لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ بلا عذاب کے مغفرت ہوجائے، اللہ تعالیٰ بلا توبہ بھی مغفرت فرما سکتا ہے اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ گناہوں کی سزا دینے کے لئے دوزخ میں ڈال دے پھر عذاب کے ذریعہ پاک وصاف کرکے جنت میں بھیجے چونکہ عذاب کا خطرہ بھی لگا ہوا ہے اس لئے پکی توبہ اور استغفار کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ مغفرت کی امید رکھیں اس کی رحمت سے ناامید کبھی نہ ہوں تاکہ اس حال میں موت آئے کہ توبہ کے ذریعہ سب کچھ معاف ہوچکا ہو۔

وفادار بندوں کا یہ شعار نہیں کہ مغفرت کا وعدہ سن کر بے خوف ہوجائیں بلکہ مغفرتوں کی بشارتوں کے بعد اور زیادہ گناہوں سے بچنے اور نیکیوں میں ترقی کرنے کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے حضور اقدس ﷺ سے بڑھ کر کسی کے

لئے بشارتیں نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی سب لغزشوں کی مغفرت فرمادی جس کا اعلان سورۃ الفتح کے شروع میں فرمادیا اس کے باوجود آپ راتوں رات نمازیں پڑھتے تھے جس کی وجہ سے آپ کے قدم مبارک سوج گئے تھے جب کسی نے عرض کیا کہ آپ عبادت میں اتنی محنت فرماتے ہیں حالانکہ اللہ پاک نے آپ کا سب کچھ اگلا پچھلا (لغزش والا عمل) معاف فرما دیا اس پر آپ نے ارشاد فرمایا افلا اکون عبداً شکورا (کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں) (رواہ البخاری ص ۱۵۲) مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک نے اتنی بڑی مہربانی فرمائی کہ میرا سب کچھ معاف فرمادیا تو اس کی شکر گزاری کا تقاضا یہ ہے کہ میں مزید طاعت اور عبادت کے ذریعہ اللہ کے قرب میں ترقی کرتا چلا جاؤں۔

کتنے ہی صحابہؓ ایسے تھے جن کو حضور اقدس ﷺ نے اسی دنیا میں خوشخبری دیدی تھی کہ وہ جنتی ہیں عشرہ مبشرہ (دس جنتی) تو مشہور ہی ہیں عموماً ان کو سب جانتے ہیں اور غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے حضرات کو اللہ جل شانہ کی طرف سے حضور اقدس ﷺ نے یہ خوشخبری دی کہ اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم یعنی تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا۔

ان حضرات کے علاوہ اور بھی صحابہ ہیں جن کو حضور اقدس ﷺ نے جنت کی بشارت دی لیکن ان حضرات نے اس کا یہ اثر بالکل نہیں لیا کہ گناہ کرتے چلے جائیں اور فرائض کو ضائع کرتے رہیں بلکہ یہ حضرات برابر گناہوں سے پرہیز کرتے رہتے تھے اور نیکیوں میں ترقی کے لئے کوشاں رہتے تھے اور معمولی سا گناہ ہو جانے پر فکر مند ہو جاتے تھے اور ڈرتے رہتے تھے ہم کو انہی حضرات کا اتباع کرنا لازم ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں فرمایا وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی (اور میں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بخشنے والا ہوں جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل کرتے رہیں پھر راہ پر قائم رہیں یعنی مزید عملِ صالح پر مداومت کریں)

معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل صالح اور توبہ پر استقامت ضروری ہے یہ تفصیل اس لئے لکھی گئی ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت اور عمومِ مغفرت کی بات سن کر گناہوں میں ترقی نہ کرتا چلا جائے اور توبہ میں دیر نہ لگائے کیونکہ احادیث صحیحہ اور صریحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ بہت سے اہل ایمان بھی اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوں گے پھر عذاب بھگت کر حضرات ملائکہ کرام اور حضرات انبیاء عظام علیہم السلام اور دیگر اہل ایمان کی شفاعت سے اور محض ارحم الراحمین جل مجدہ کی رحمت سے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کردیئے جائیں گے۔ (کمافی مشکوٰۃ المصابیح ۴۹۰، ۴۹۱)

پھر فرمایا وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ (اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس کے فرماں بردار بن جاؤ اس سے پہلے کہ تمہارے پاس عذاب آئے پھر تمہاری مدد نہ کی جائے) اس آیت میں اللہ کی طرف رجوع ہونے اور اس کا فرماں بردار بننے کا حکم دیا اور فرمایا کہ عذاب کے آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس کے فرماں بردار بن جاؤ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے گا تو اس وقت مدد نہ کی جائیگی لفظ "اَنِیْبُوْا" اِنَابَۃ سے مشتق ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اِنَابَۃ اور تَوبَۃ میں یہ فرق ہے کہ توبہ کرنے والا عذاب کے ڈر سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے اور انابت کرنے والا اللہ تعالیٰ کے کرم اور فضل سے متاثر ہو کر شرما جاتا ہے اور یہ حیاء اسے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے پر آمادہ کرتی ہے پھر وَاَسْلِمُوْا لَهٗ کا مطلب بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کی طاعت میں اخلاص کے ساتھ لگا رہے۔

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (اور اپنے

رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آ پڑے اور تم کو خیال بھی نہ ہو)
اس آیت میں قرآن کریم کا اتباع کرنے کا حکم دیا ہے لفظ اَحْسَن اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ حَسَن کے معنی ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے عزائم مراد ہیں جو رخصتوں اور اجازتوں کے مقابلے میں اختیار کئے جاتے ہیں اور ان کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر عبادت میں جو افضل ترین اعمال ہیں ان پر عمل کر کے ثواب حاصل کرنے کا حکم دیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جو حکم منسوخ ہیں ان کی جگہ اس حکم پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے جو منسوخ نہیں ہے حضرت عطا بن یسار رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ سے لیکر وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ تک تینوں آیات مدینہ منورہ میں وحشی بن حرب اور ان کے جیسے افراد کے بارے میں نازل ہوئیں (وحشی بن حرب وہی ہیں جنہوں نے بحالتِ کفر غزوۂ احد کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا)

آیات بالا کا مضمون سامنے رکھنے سے معلوم ہوا کہ کتنا بھی کوئی بڑا گناہ کرے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اس کی رحمت اور مغفرت کا یقین رکھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو۔ احکام قرآنیہ پر عمل کرتے رہیں اور اس بات سے ڈرتے رہیں کہ گناہوں کی وجہ سے عذاب نہ آ جائے انیبوا و اسلموا میں بتا دیا کہ باوجود وعدہ مغفرت کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور اعمالِ خیر میں لگے رہیں۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ (الآیات الثلاث) (ان آیات میں یہ بتا دیا کہ اسی دنیا میں اپنے اعمال درست کر لئے جائیں گناہوں سے پرہیز کیا جائے تاکہ قیامت کے دن کوئی شخص پچھتاتے ہوئے یوں نہ کہے کہ ہائے ہائے میں نے کیا کیا اللہ تعالیٰ شانہٗ کے احکام کے بارے میں تقصیر کی اب مجھے یہاں اس کی سزا مل رہی ہے اور نہ صرف یہ کہ میں نافرمان تھا بلکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے دین کا مذاق بنانے والوں میں سے تھا اور اس کے نیک بندوں کی ہنسی اُڑاتا تھا اور کوئی شخص میدان قیامت میں یوں نہ کہنے لگے کہ اے اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں متقیوں میں سے ہوتا یعنی گناہ نہ کرتا (اللہ تعالیٰ نے رسول بھیج دیا قرآن نازل فرما دیا ایمان کی دعوت دیدی اور اس کی جزا بھی بتا دی اور کفر کا جرم عظیم ہونا بیان کر دیا اور اس کی سزا بھی بتا دی اب یوں کہنا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دیتا تو میں متقیوں میں سے ہوتا اس بات کے کہنے کا موقعہ نہیں رہا۔

قیامت کے دن کسی کے لئے یہ بات کہنے کا موقعہ نہیں رہا کہ مجھے واپس لوٹا دیا جائے اگر مجھے واپسی مل جائے تو دنیا میں جا کر خوب نیک بن جاؤں، جس نے پہلی زندگی ضائع کر دی اب دوسری زندگی میں کیا ہدایت قبول کرے گا جبکہ اس مرتبہ بھی اموال اور اولاد کا فتنہ موجود ہوگا اسی لئے سورۃ الانعام میں فرمایا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (اور اگر انہیں واپس کر دیا جائے تو ضرور پھر وہی عمل کریں گے جس سے منع کیا گیا اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا بَلٰی قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِیْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (ہاں تیرے پاس میری آیات آئیں سو تو نے انہیں جھٹلا دیا اور تو کافروں میں سے تھا)

اس کے بعد قیامت کے دن کی بدحالی بیان فرمائی جو کافروں کو درپیش ہوگی، فرمایا تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا کفر اختیار کیا (اور وہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیں جن سے وہ بری اور

بیزار ہے کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے ہدایت سامنے آ جانے کے بعد ہدایت کو قبول نہ کرنا چونکہ تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی کافر آدمی حق کو اس لئے قبول نہیں کرتا کہ میری قوم اور سوسائٹی کے لوگ کیا کہیں گے اس لئے فرمایا اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ (کیا جہنم میں تکبر والوں کا ٹھکانا نہیں ہے) یعنی اہل تکبر کا تکبر انہیں لے ڈوبے گا جس نے دنیا میں ایمان قبول نہ کرنے دیا، تکبر کیوجہ سے یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے۔

اس کے بعد اہل ایمان کا ثواب بیان فرمایا وَیُنَجِّی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا (الآیہ) ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا کفر اور شرک سے بھی بچے اور گناہوں سے بھی، اللہ تعالیٰ انہیں ان کی کامیابی کے ساتھ نجات دے گا اور اہل تکبر کے ٹھکانہ یعنی دوزخ سے بچالے گا انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ (اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے) چونکہ ہر چیز کو اسی نے پیدا فرمایا ہے ہر چیز میں اس کا تصرف بھی پورا پورا ہے

لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں) وہ تصرف کرنے والا بھی ہے اور محافظت فرمانے والا بھی ہے)

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا یہ لوگ تباہ ہونے والے ہیں)۔

قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَیُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَى الَّذِیْنَ
آپ فرما دیجئے کہ اے جاہلو! کیا میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کروں؟ اور یہ واقعی بات ہے کہ آپ کی طرف اور آپ سے پہلے جو رسول تھے ان کی
مِنْ قَبْلِكَ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ
طرف یہ وحی بھیجی گئی کہ اے مخاطب اگر تو نے شرک کیا تو تیرا عمل حبط ہو جائے گا اور تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا بلکہ اللہ ہی کی عبادت کر اور
مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ۝
شکر گزاروں میں سے ہو جا۔

آپ فرما دیجئے کہ اے جاہلو میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہیں کر سکتا

تفسیر: مفسر ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مشرکین نے اپنی جہالت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی کہ ہمارے معبودوں کی عبادت کرنے لگو اگر ایسا کرو گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ تمہارے معبود کی عبادت کرنے لگیں گے، اس پر آیت کریمہ قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ آخر تک) نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کو حکم دیا ان مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ اے جاہلو! کیا مجھے حکم دے رہے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنے لگوں؟ مزید

فرمایا وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ کہ آپ کی طرف اور آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام سب کی طرف ہم نے یہ وحی بھیجی ہے کہ اگر بالفرض اے مخاطب تو نے شرک اختیار کرلیا تو اللہ جل شانہ تیرا عمل حبط فرمادے گا یعنی بالکل اکارت کردیا جائے گا جس پر ذرا بھی ثواب نہ ملے گا وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ اور تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجائے گا) یعنی اعمال کا بھی کچھ نہ ملے گا اور جان بھی ضائع ہوگی اس کی کچھ قیمت نہ ملے گی' جان کی مکمل بربادی ہوگی' کیونکہ دوزخ میں داخلہ ہوگا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تو گناہوں سے بھی معصوم تھے شرک اور کفر کا ارتکاب ان سے ہو ہی نہیں سکتا لیکن بر سبیل فرض اگر کسی نبی نے بھی شرک کرلیا تو اس کی بھی جان بخشی نہ ہوگی غیروں کا تو سوال ہی کیا ہے' حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو خطاب کر کے ان کی امتوں کو بتادیا کہ دیکھو شرک ایسی بری چیز ہے کہ اگر کسی نبی سے بھی صادر ہوجائے تو اس کے اعمال صالحہ برباد ہوجائیں گے اور وہ تباہ برباد ہوگا لہٰذا امتیوں کو تو اور زیادہ شرک سے دور رہنا اور بیزار رہنا لازم ہے۔

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ (بلکہ آپ صرف اللہ ہی کی عبادت کریں) وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ (اور شکر گزروں میں سے ہو جائیں) اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرک کے ماحول میں پیدا فرمایا لیکن شرک سے بچایا موحد بنایا توحید کی دعوت کا کام آپ کے سپرد کیا لہٰذا آپ پر شکر ادا کرنا فرض ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کیجئے اور اس کا شکر بھی ادا کرتے رہیے یہ لوگ جو آپ کو معبودوں کی عبادت کی دعوت دے رہے ہیں اس کی طرف متوجہ نہ ہوجائیے اور ان کی باتوں میں نہ آئیے اللہ کی عبادت کرانے کے لئے خود غیر اللہ کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے جو لوگ حق قبول نہیں کرتے ان کا وبال ان پر پڑے گا۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ

اور ان لوگوں نے اللہ کی عظمت نہیں کی جیسی عظمت کرنا لازم تھا حالانکہ قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے

بِیَمِیْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ

ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے وہ پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو لوگ شرک کرتے ہیں اور صور میں پھونکا جائے گا تو جو بھی آسمانوں میں

وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور زمین میں ہوں گے سب بے کار ہوجائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے پھر اس میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو وہ اچانک سب کھڑے ہوئے دیکھتے ہوں گے

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ

اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہوجائے گی اور اعمال نامے رکھ دیئے جائیں گے اور پیغمبروں کو اور گواہوں کو لایا جائے گا اور لوگوں کے سامنے

بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾

حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا ہر جان کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ ان کاموں کو خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ

تفسیر: اللہ تعالیٰ شانہ کی ذات بہت بڑی ہے اس کو اس دنیا میں دیکھا نہیں ہے لیکن اس کی صفات کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے اس کی صفت خالقیت کو سب عقل مند جانتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ سب کچھ اسی نے پیدا کیا ہے اس کا حق ہے کہ

صرف اسی کی عبادت کی جائے جن لوگوں نے کسی کو اس کا ساجھی ٹھہرایا اور عبادت میں شریک بنایا اور نہ صرف یہ کہ خود مشرک بنے بلکہ اس کے رسول کو بھی شرک کی دعوت دے دی ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی وہ تعظیم نہیں کی جس تعظیم کا وہ مستحق ہے اس کی ذاتِ پاک کے لئے شریک تجویز کرنا بہت بڑی حماقت اور ضلالت ہے دنیا میں اس کی قدرت کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے اور قیامت کے دن ایک مظاہرہ اس طرح سے ہوگا کہ ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور سارے آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہونگے وہ ہر عیب سے پاک ہے اور ان لوگوں کے شرکیہ اقوال وافعال سے بھی پاک ہے۔

چونکہ سورۂ شوریٰ میں ارشاد فرمایا ہے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں ہے) اس لئے اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم سے اور اعضاء سے پاک ہے اگر آیت کریمہ کا معنی ہاتھ کی مٹھی لیا جائے اور بیمینہ سے داہنا ہاتھ مراد لیا جائے تو اس سے جسمیت اور مثلیت لازم آتی ہے اس لئے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ آیت شریفہ کے مضمون کے بارے میں یوں عقیدہ رکھو کہ اس کا جو بھی مطلب اللہ کے نزدیک ہے وہ حق ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کا معنی اور مفہوم اسی کی طرف تفویض کرتے ہیں بعض علماء نے تاویل بھی کی ہے لیکن محققین تاویل کے بجائے تفویض کو اختیار کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم سے اور اعضاء سے پاک ہے اور جو کچھ بھی قرآن حدیث میں آیا ہے وہ سب حق ہے اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ہم اپنی طرف سے مطلب تجویز نہیں کرتے اس طرح کا مضمون جہاں کہیں بھی آئے اس کے بارے میں تفویض والی صورت اختیار کی جائے۔ آئندہ جو احادیث نقل کی جائیں گی جو آیتِ بالا سے متعلق ہیں ان کے معنی کی تفویض بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ اے محمد ﷺ بلاشبہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر اور زمینوں کو ایک انگلی پر، اور پہاڑوں کو ایک انگلی پر اور درختوں کو ایک انگلی پر، اور (باقی) ساری مخلوق کو ایک انگلی پر روک لے گا پھر فرمائے گا کہ اَنَا الْمَلِكُ (میں بادشاہ ہوں) یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو ہنسی آ گئی یہاں تک کہ آپ کی مبارک ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں اس کے بعد آپ نے آیت (بالا) وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ تلاوت فرمائی آپ کا ہنسنا اس یہودی کی تصدیق کے طور پر تھا۔ (صحیح بخاری ۱۱۰۲، ۱۱۰۳)

قیامت کے دن صور پھونکے جانے کا تذکرہ

پھر فرمایا وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ (الآیہ) اور صور میں پھونک ماری جائے گی تو جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر جنہیں اللہ چاہے پھر صور میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے) جب قیامت قائم ہوگی تو اس کی ابتداء صور پھونکے جانے سے ہوگی اور دو مرتبہ صور پھونکا جائے گا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اسرافیل علیہ السلام کان لگائے ہوئے ہیں اور پیشانی کو جھکائے ہوئے انتظار میں ہیں کہ کب صور پھونکنے کا حکم ہو آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صور ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ البتہ قیامت ضرور اس حالت میں قائم ہوگی کہ دو شخصوں نے اپنے درمیان (خرید وفروخت کے لئے) کپڑا کھول رکھا ہوگا ابھی معاملہ طے کرنے اور کپڑا

لپیٹنے بھی نہ پائیں گے کہ قیامت قائم ہو جائے گی (پھر فرمایا کہ) البتہ قیامت ضرور اس حال میں قائم ہو گی کہ ایک انسان اپنی اونٹنی کا دودھ نکال کر لے جارہا ہو گا اور پی بھی نہ سکے گا اور قیامت یقیناً اس حال میں قائم ہو گی کہ انسان اپنا حوض لیپ رہا ہو گا اور ابھی اس میں مویشیوں کو پانی پلانے بھی نہ پائے گا اور واقعی قیامت اس حال میں قائم ہو گی کہ انسان اپنے منہ کی طرف لقمہ اٹھائے گا اور اسے کھا بھی نہ سکے گا۔ (رواہ البخاری)

پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو جو لوگ زندہ ہونگے وہ مرجائیں گے اور ان پر بے ہوشی طاری ہو جائیگی اور جو اس سے پہلے مرچکے تھے وہ بے ہوش ہو جائیں گے آسمانوں میں اور زمینوں میں جو لوگ ہونگے سب پر بے ہوشی طاری ہو جائیگی پھر دوبارہ صور پھونکا جائیگا تو سب اُٹھ کھڑے ہوں گے، قبروں سے نکل کر موقف (یعنی حساب کی جگہ) کی طرف چل دیں گے، دونوں بار جو صور پھونکا جائے گا ان کے درمیان کتنا فاصلہ ہو گا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہوئے چالیس کا عدد ذکر کیا حاضرین نے عرض کیا اے ابو ہریرہ کیا چالیس دن کا فاصلہ ہو گا؟ فرمایا مجھے پتہ نہیں عرض کیا گیا کہ چالیس مہینے کا فاصلہ ہو گا؟ فرمایا مجھے پتہ نہیں، عرض کیا گیا چالیس سال کا فاصلہ ہو گا؟ فرمایا مجھے پتہ نہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۱)

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کا استثناء

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ میں کن حضرات کا استثناء ہے اس کے بارے میں احادیث مرفوعہ صحیحہ میں کوئی واضح بات نہیں ملتی البتہ ایک حدیث میں یوں ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کے درمیان کچھ گالی گلوچ ہوگئی، باتوں باتوں میں مسلمان نے یوں کہہ دیا کہ قسم اس ذات کی جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو سارے جہانوں پر فضیلت دی ہے یہ سن کر یہودی نے یوں کہا قسم اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو سارے جہانوں پر فضیلت دی ہے یہ سن کر اس مسلمان نے یہودی کے منہ پر طمانچہ ماردیا وہ یہودی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں چلا گیا اور واقعہ بیان کیا نبی اکرم ﷺ نے اس مسلمان کو بلایا جس نے طمانچہ ماردیا تھا اور اس سے صورت حال معلوم کی، اس نے صورت حال بیان کردی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو (یعنی اس طرح کی کوئی بات نہ کہو جس سے ان کے مرتبہ کی تنقیص ہوتی ہو) کیونکہ قیامت کے دن سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہو جاؤں گا پھر سب سے پہلے مجھے ہی ہوش آئے گا میں دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کیجانب کو پکڑے کھڑے ہیں، میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ ان لوگوں میں ہونگے جو بے ہوش ہو گئے تھے اور انہیں مجھ سے پہلے ہوش آگیا یا وہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کا استثناء کیا گیا ہے یعنی اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کے عموم میں وہ بھی شامل ہوں گے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں نہیں جانتا کہ طور پر انہیں جو بے ہوشی طاری ہوئی تھی اس کو اس وقت کی بے ہوشی کے حساب لگا دیا گیا (اور اُن پر بے ہوشی ہی نہ ہو) یا بے ہوش تو ہوں گے لیکن مجھ سے پہلے ہوش میں آچکے ہوں گے۔ (رواہ البخاری ص ۴۸۵ ج ۱، ص ۹۶۵ ج ۲، ص ۶۸۸ ج ۲)

چونکہ اس کی تصریح نہیں ہے کہ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کا مصداق کون ہے اس لئے مفسرین میں سے کسی نے یوں کہا کہ جو حضرات بے ہوش نہ ہونگے ان سے جبرئیل، اسرافیل اور میکائیل اور ملک الموت علیہم السلام مراد ہیں اور بعض مفسرین

نے فرمایا ہے کہ اس سے عاملین عرش مراد ہیں اور یوں بھی لکھا ہے کہ پہلی بار صور پھونکے جانے پر حضرات بے ہوشی سے محفوظ رہیں گے بعد میں ان کو بھی موت آجائے گی۔

وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (اور زمین روشن ہو جائے گی اپنے رب کے نور سے) یعنی شمس وقمر کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین پر روشنی پھیل جائے گی۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ (اور کتاب رکھ دی جائے گی) یعنی اعمال نامے سامنے آجائیں گے اور عمل کرنے والوں کے ہاتھوں میں ان کے اعمالنامے رکھ دیئے جائیں گے وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ اور نبیوں کو لایا جائے گا تاکہ وہ اپنی امتوں کے بارے میں گواہی دیں اور خود ان سے تبلیغ کے بارے میں سوال کیا جائے جیسا کہ سورۃ الاعراف میں فرمایا فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ

وَالشُّهَدَآءِ (اور شہداء کو لایا جائے گا) لفظ الشہداء کا عموم تمام گواہی دینے والوں کو شامل ہے جن میں تمام امتوں کے انبیاء کرام علیہم السلام اور اعمالنامے لکھنے والے فرشتے اور انسانوں کے اپنے اعضاء ہاتھ پاؤں اور زبانیں سب داخل ہیں۔

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ (اور بندوں کے درمیان حق کے ساتھ یعنی انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا)

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا)

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ (اور ہر جان کو اسکے عمل کا پورا بدلہ دیا جائیگا) وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ (اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ لوگ کرتے ہیں) یعنی اسے سب کے اعمال معلوم ہیں وہ اپنی حکمت کے مطابق جزا و سزا دے گا' یہ جو فرمایا کہ ہر شخص کو پورا بدلہ دیا جائیگا اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکیوں کے بدلے میں کمی نہ ہوگی البتہ نیکیوں میں اضافہ کر کے ثواب میں اضافہ کر دیا جائیگا جیسا کہ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (میں بیان فرمایا ہے اور برے اعمال کا پورا بدلہ دینے کا یہ مطلب ہے کہ جس قدر برے عمل ہوں گے ان کے بقدر عذاب دیا جائے گا اور انکی جزائے موعود میں اضافہ نہ کیا جائیگا جسکو وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا اور وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا میں بیان فرمایا ہے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ

اور کافر لوگ گروہ گروہ بنا کر دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ان سے

خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ

دوزخ کے محافظ کہیں گے کیا تمہارے پاس پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم ہی میں سے تھے جو تمہیں تمہارے رب کی آیات سناتے تھے جو تمہیں آج کے دن کی ملاقات سے

هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ

ڈراتے تھے وہ کہیں گے کہ ہاں آئے تو تھے لیکن عذاب کا کلمہ کافروں پر ثابت ہو کر رہا' کہا جائے گا کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس میں تم

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى

ہمیشہ رہو گے سو برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنیوالوں کا اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرے انہیں جنت کی طرف گروہ گروہ بنا کر روانہ کر دیا جائے گا' یہاں تک کہ

إِذَا جَآءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خٰلِدِينَ ۝

جب جنت کے قریب پہنچ جائیں گے اس حال میں کہ اس کے دروازے پہلے سے کھلے ہوئے ہوں گے اور ان سے جنت کے محافظ کہیں گے کہ تم پر سلام ہو تم خوشی کے ساتھ رہو سو تم اس میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ

اور وہ کہیں گے کہ سب تعریف ہے اللہ کے لئے جس نے ہم سے سچا وعدہ کیا اور ہمیں زمین کا وارث بنا دیا ہم جنت میں جہاں چاہیں قیام کریں'

فَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِينَ ۝ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ

سو اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے گرداگرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہوں گے

رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝

اور بندوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور کہہ دیا جائے گا کہ سب تعریف ہے اللہ کے لئے جو رب العالمین ہے۔

اہل کفر اور اہل ایمان کی جماعتوں کا گروہ گروہ اپنے اپنے ٹھکانوں تک پہنچنا

تفسیر: اس رکوع میں اہل کفر اور اہل ایمان کا انجام بیان فرمایا ہے۔ اول کافروں کا حال بیان فرمایا کہ کافروں کو گروہ گروہ بنا کر دوزخ کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا سورۃ الطور میں فرمایا یَوْمَ يُدَعُّونَ إِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا (جس روز انہیں دوزخ کی آگ کی طرف دھکے دے کر لایا جائے گا) جب دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا تو ان کے مختلف گروہ ہوں گے کیونکہ کفر کے بہت سے اقسام ہیں اور کفر کے مراتب بھی جدا جدا ہیں اس لئے ایک ایک طرح کے کافروں کا ایک گروہ ہوگا۔ قال صاحب الروح ای سیقوا الیھا بالعنف والاھانة افوا جا متفرقة بعضھا فی اثر بعض مترتبة حسب ترتب طبقاتھم فی الضلالة والشرارة۔ (تفسیر روح المعانی والے فرماتے ہیں: یعنی جہنم کی طرف سختی اور ذلت کے ساتھ ہانکے جائیں گے مختلف گروہوں کی شکل میں گمراہی و شرارت میں اپنے اپنے درجہ کے مطابق ترتیب سے) اسی طرح چلائے جاتے رہیں گے یہاں تک کہ جب دوزخ کے قریب پہنچ جائیں گے تو اس میں داخل کرنے کے لئے اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اس سے پہلے دوزخ کے دروازے بند ہوں گے جیسے کہ دنیا میں بھی جیل خانوں کے دروازے بند رہتے ہیں جب کوئی قیدی لایا جاتا ہے تو کھول دیئے جاتے ہیں دوزخ کے جو ذمہ دار فرشتے ہوں گے وہ ان سے کہیں گے کیا تمہارے پاس پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم ہی میں سے تھے (جن سے علم حاصل کرنا اور عمل سیکھنا اور ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا تمہارے لئے آسان تھا وہ تم پر اللہ کی آیات تلاوت کرتے تھے اور آج کے دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے اس کے جواب میں وہ لوگ کہیں گے کہ ہاں اللہ کے رسول آئے تھے تو انہوں نے ہمیں پروردگار جل مجدہ' کی آیات بھی سنائیں اور آج کے دن کی ملاقات سے بھی ڈرایا لیکن عذاب کا کلمہ کافروں کے حق میں ثابت ہو گیا اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ فرمایا تھا کہ کافر دوزخ میں جائیں گے اس کے مطابق ہمیں یہاں آنا پڑا نہ کافر ہوتے نہ یہاں آتے' ان سے کہا جائیگا کہ تم دوزخ

کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ تم اس میں ہمیشہ رہو گے اس میں داخل ہونے کے بعد اب تمہیں یہاں سے نکلنا نہ ہوگا۔

فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ (سو برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا) تکبر نے ان لوگوں کا ناس کھویا اور حق قبول کرنے نہ دیا' کافرین جب دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے تو اس کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور وہاں سے کبھی نکلنا نہ ہوگا۔ (وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ) اس کے بعد اہل ایمان کے انعام کا تذکرہ فرمایا کہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے وہ گروہ گروہ ہو کر جنت کی طرف لے جائے جائیں گے تقویٰ کا ابتدائی درجہ تو یہ ہے کہ کفر کو چھوڑ کر ایمان قبول کرے پھر اعمال صالحہ اختیار کرنے اور گناہوں سے بچنے کے اعتبار سے اہل تقویٰ کے مختلف درجات ہیں اور ان میں فرق مراتب ہے ان درجات کے مراتب کے اعتبار سے گروہ گروہ بنا دیئے جائیں گے جنت کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے پہلے سے کھلے ہوئے پائیں گے جیسا کہ مہمان کے اکرام کے لئے ایسا ہی کیا جاتا ہے اور وہاں کے محافظ فرشتے ان سے کہیں گے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ تم پر سلامتی ہو تم اچھی طرح رہو مزے میں رہو اور اس جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ' یہاں سے کہیں جانا اور نکلنا نہیں ہے' نہ یہاں سے نکلو گے نہ نکالے جاؤ گے لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ

اہل جنت' جنت میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء میں مشغول ہو جائیں گے اور عرض کریں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اپنا وعدہ ہم سے سچا کیا یعنی جو وعدہ فرمایا تھا پورا فرما دیا وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنا ٹھکانہ بنائیں ہمیں بہت بڑی اور عمدہ جگہ ملی ہے جہاں چاہیں چلے پھریں قیام کریں۔

فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ (سو اچھا بدلہ ہے عمل کرنیوالوں کا) جنہوں نے نیک عمل کئے انہیں یہاں آنا نصیب ہوا۔

سورت کے ختم پر روز قیامت کے فیصلوں کو مختصر الفاظ میں بیان فرما دیا کہ آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے گرداگر حلقہ باندھے ہوئے ہوں گے اپنے رب کی تسبیح و تحمید بیان کرتے ہونگے وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ اور بندوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور کہا جائے گا کہ ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے (ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے خاص ہیں جس نے حق کے ساتھ سارے فیصلے فرما دیئے)

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تک سورۂ زمر اور سورۂ بنی اسرائیل (رات کو) نہیں پڑھ لیتے تھے اس وقت تک نہیں سوتے تھے۔ (رواہ الترمذی فی الواب الدعوات)

وقد تم تفسیر سورۃ الزمر والحمد للہ اولا

وآخرًا والسلام علی من ارسل طیبا وطاهراً

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ مومن مکی ہے اس میں پچاسی آیات ہیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ

حٰمٓ ۝ یہ کتاب اُتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے سب کچھ جاننے والا ہے گناہ کا بخشنے والا ہے اور توبہ قبول کرنے والا ہے

شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

سخت سزا دینے والا قدرت والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اللہ تعالیٰ گناہ بخشنے والا ہے توبہ قبول کرنیوالا ہے، سخت عذاب والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں

تفسیر: یہاں سے سورۃ المومن شروع ہو رہی ہے جس کا دوسرا نام سورۃ الغافر بھی ہے یہ پہلی سورت ہے جو حٰم سے شروع ہوئی ہے اس کے بعد سورۂ حٰم سجدہ اور سورۃ الشوریٰ اور سورۃ الزخرف اور سوۃ الدخان اور سورۃ الجاثیہ اور سورۃ الاحقاف بھی حٰم سے شروع ہیں انہیں حوامیم سبعہ کہا جاتا ہے روح المعانی نے بحوالہ فضائل القرآن لابی عبید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ہر چیز کا ایک خلاصہ ہوتا ہے اور بلاشبہ قرآن کا خلاصہ وہ سورتیں ہیں جو حٰمٓ ۝ سے شروع ہوتی ہیں سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے صبح کو سورۃ المومن اول سے لے کر الیہ المصیر تک تلاوت کی اور ساتھ ہی آیۃ الکرسی بھی پڑھی تو یہ شخص شام تک اس کی وجہ سے (مصائب اور تکالیف سے) محفوظ رہے گا اور جس نے ان دونوں کو شام کے وقت پڑھا وہ صبح ہونے تک محفوظ رہے گا حٰمٓ ۝ حروف مقطعات میں سے جو متشابہات ہیں ان کا معنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اوپر سورۃ المومن کی دو آیتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے اول تو یہ فرمایا کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُتاری گئی ہے پھر اللہ تعالیٰ کی چھ صفات بیان فرمائیں اول یہ کہ وہ عزیز ہے یعنی زبردست دوم یہ کہ وہ علیم ہے یعنی ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے سوم یہ کہ وہ گناہوں کا بخشنے والا ہے اور چہارم یہ کہ وہ توبہ قبول فرمانے والا ہے پنجم یہ کہ وہ سخت سزا دینے والا ہے ششم یہ کہ وہ قدرت والا ہے اللہ تعالیٰ کی صفت عزت اور علم بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ وہ گناہ بھی بخشتا ہے توبہ بھی قبول فرماتا ہے مومن بندہ سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے حضور میں توبہ کرے اور اپنے گناہ معاف کرائے اگر کوئی شخص گناہ کرتا رہے توبہ کی طرف متوجہ نہ ہو تو یہ نہ سمجھے کہ دنیا میں اور آخرت میں میری کوئی گرفت نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ گناہ بخشنے والا بھی اور سخت سزا دینے والا بھی ہے نیز وہ قدرت والا بھی ہے وہ جسے جو سزا دینا چاہے اسے اس پر پوری طرح قدرت ہے کوئی

اسے روک نہیں سکتا لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ط اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو لوگ اس کے سوا کسی کو معبود بناتے ہیں وہ سخت عذاب کے مستحق ہیں ان پر لازم ہے کہ شرک سے توبہ کریں تاکہ عذابِ شدید سے بچ جائیں الیه المصیر (سب کو اسی کی طرف واپس ہو کر جانا ہے) دنیا میں آ تو گئے ہیں لیکن ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آئے مرنا ہے یہاں سے جانا ہے اسی وحدہ لاشریک لہ کے سامنے پیش ہونا ہے لہٰذا دنیا سے ایسی حالت میں جائیں کہ عقائد اعمال و احوال دُرست ہوں جن پر اجر و ثواب ملے اور وہاں کے عذاب سے محفوظ رہ سکیں۔

مَا يُجَادِلُ فِيٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿۴﴾ كَذَّبَتْ

اللہ کی آیات میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہی لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا سو آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالے ان کا شہروں میں چلنا پھرنا' ان سے

قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۪ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا

پہلے نوح کی قوم نے اور ان کے بعد دوسری جماعتوں نے جھٹلایا اور ہر اُمت نے ارادہ کیا کہ اپنے رسول کو پکڑ لیں

بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۵﴾ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ

اور باطل کے ذریعہ جھگڑا کریں تاکہ اُس کے ذریعہ حق کو باطل کر دیں' سو میں نے اُن کو پکڑ لیا سو کیسا تھا میرا عذاب' اور اسی طرح آپ کے رب

عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۶﴾

کا قول کافروں پر ثابت ہو چکا کہ وہ دوزخ والے ہیں۔

کافر لوگ اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں شہروں میں ان کا چلنا پھرنا دھوکہ میں نہ ڈالے' سابقہ امتوں اور جماعتوں نے جھٹلایا جسکی وجہ سے انکی گرفت کر لی گئی

تفسیر: قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی تھیں تو جو لوگ ایمان نہیں لاتے تھے اور اپنے کفر پر جمے رہتے تھے ان آیات کے بارے میں یہ لوگ طرح طرح کی باتیں نکالتے تھے اور جھگڑے کی باتیں کرتے تھے ان لوگوں کی باتوں سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچتی تھی یہ لوگ دنیاوی اعتبار سے کھاتے پیتے اور مالدار تھے ان کے پاس سواریاں بھی تھیں اس شہر سے دوسرے شہر میں جاتے تھے اور زمین میں گھومتے پھرتے تھے' جو لوگ آپ کے ساتھی تھے ان کو خیال ہو سکتا تھا کہ ہم اہل ایمان ہیں غریب ہیں اور یہ لوگ کافر اور منکر ہیں ان کے پاس دنیا ہے عیش کے اسباب ہیں مال کی فراوانی ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا شہروں میں گھومنا پھرنا آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالے یہ ان کی چند روزہ زندگی ہے آخرت میں تو ہر کافر کو عذاب ہی ہے اور دنیا میں بھی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معاندوں اور منکروں اور جدال کرنے والوں پر عذاب آتا رہا ہے اور ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم گزری ہے اور ان کے بعد بہت سی جماعتیں گزری ہیں مثلاً عاد و ثمود وغیرہ

انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور مبتلائے عذاب ہوئے۔

جو امتیں پہلے گزری ہیں ان میں سے ہر امت نے اپنے نبی کو پکڑنے کا ارادہ کیا تاکہ قتل کر دیں اور بعض انبیاء کرام علیہم السلام کو تو قتل بھی کر دیا اور ان لوگوں نے باطل کے ذریعہ جھگڑا کیا تاکہ حق کو مٹا دیں کچھ دن ان کا یہ طریقہ کار رہا بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی انہیں پکڑ لیا اور عذاب چکھا دیا اور عذاب بھی معمولی نہیں ان پر سخت عذاب آیا، ہلاک اور برباد ہوئے اسی کو فرمایا فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ سو میں نے ان کی گرفت کر لی سو کیسا ہوا میرا عذاب) اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے کہ ان لوگوں کے جدال اور عناد اور کفر و انکار کی وجہ سے غمزدہ نہ ہوں سابقہ امتوں نے بھی اپنے اپنے نبیوں کے ساتھ جدال و عناد کا معاملہ کیا ہے۔

دنیا میں کافروں کو جو عذاب ہوگا اسی پر بس نہیں ہے کافروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ثابت ہو چکا ہے کہ ان کو دوزخ میں ضرور جانا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ

جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے ان کے گرداگرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ان

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ

لوگوں کے لئے استغفار کرتے ہیں جو ایمان لائے اے ہمارے رب آپ کی رحمت اور آپ کا علم ہر چیز کو شامل ہے سو ان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے توبہ کی اور آپ کے راستے کا اتباع کیا

وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ

اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے اے ہمارے رب اور انہیں ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں داخل فرمائیے جن کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان کے

اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ

آباء ازواج ذریتوں میں جو صالح ہوئے ان کو بھی داخل فرمائیے بلاشبہ آپ زبردست ہیں، حکمت والے ہیں اور ان کو تکلیفوں سے بچائیے

السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

اور اس دن جسے آپ نے تکلیفوں سے بچا لیا سو آپ نے اس پر رحم فرما دیا اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

حاملین عرش کا مؤمنین کے لئے دعاء کرنا، اہل ایمان اور ان کی ازواج اور ذریات کے لئے جنت میں داخل ہونے کا سوال

تفسیر: اوپر اہل کفر کی سزا کا بیان ہوا، ان آیات میں اہل ایمان کی فضیلت بیان فرمائی اور یہ فرمایا کہ اہل ایمان کے لئے حاملینِ عرش اور وہ فرشتے جو ان کے آس پاس ہیں دعاء کرتے ہیں یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی تحمید و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں اللہ پر ایمان لائے ہیں اور دنیا میں جو اہل ایمان ہیں ان کے لئے استغفار کرتے ہیں اور یوں دعا کرتے

ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ کی رحمت اور آپ کا علم ہر چیز کو شامل ہے لہٰذا آپ ان لوگوں کو بخش دیجئے جنہوں نے شرک و کفر سے توبہ کی اور آپ کے راستہ پر چلتے رہے ان کو آپ عذاب جہنم سے بھی بچا لیجئے اور ان کو ان بہشتوں میں داخل فرمائیے ، ہمیشہ رہنے کے لئے داخل فرمائیے جن کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے یہ لوگ اہل ایمان ہیں اور رحمت کے مستحق بھی ہیں لہٰذا ان کو بخش ہی دیا جائے۔

حاملین عرش اور ان کے آس پاس جو فرشتے ہیں ان کی دعا اہل ایمان کے آباء واجداد اور ازواج و اولاد کے لئے بھی ہے کہ ان کو بھی ہمیشہ رہنے کی بہشتوں میں داخل فرمائیے اس مضمون کو وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ میں بیان فرمایا صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ وَمَنْ صَلَحَ کا عطف ادخلهم کی ضمیر منصوب پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کے ساتھ ان کے آباء وازواج اور ذریات کو بھی جنات عدن میں داخل فرمائیے ان میں سے جو جنت میں داخل ہونے کے قانون میں آسکیں انکی صلاحیت اگرچہ متبوع کی صلاحیت سے کم ہو پھر بھی انہیں ان کے ساتھ داخل جنت فرما دیجئے تا کہ ان کی خوشی مکمل ہو بلکہ خوشی میں خوب زیادہ اضافہ ہو جائے۔

اٰبَـآء اَبٌ کی جمع ہے جس سے باپ دادے مراد ہیں اور اَزْوَاجٌ زَوْجٌ کی جمع ہے یہ لفظ جوڑے کے لئے بولا جاتا ہے اس کا عموم مرد اور عورت دونوں کے لئے شامل ہے اور ذریّات ذُرِّیت کی جمع ہے ذریت آل و اولاد کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔

سورۂ والطور میں فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی ذریت نے ایمان کے ساتھ ان کا اتباع کیا ہم ذریت کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اس میں جو وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ فرمایا ہے یہاں سورۃ المومن میں اسی کو مَـنْ صَـلَـحَ سے تعبیر فرمایا ہے جو شخص با ایمان نہ ہو وہ دخول جنت کا مستحق نہیں ہے لہٰذا کسی کے تعلق کی وجہ سے وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا اہل ایمان کی اہلِ ایمان اولاد ہی جنت میں داخل ہوگی اسی طرح آباء وازواج بھی وہی جنت میں داخل ہو سکیں گے جو اہل ایمان ہوں۔

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ اور ان کو بدحالیوں سے بچائیے وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ (اور اس دن آپ نے جسے بدحالیوں سے بچالیا تو آپ نے اس پر رحم فرما دیا وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (اور یہ بڑی کامیابی ہے) يَوْمَئِذٍ سے قیامت کے دن کی اور اس کے بعد عذاب جہنم کی تکلیف مراد ہیں بعض حضرات نے يَوْمَئِذٍ سے دنیا والی زندگی مراد لی ہے اور اس صورت سیات کے معنی معروف مراد ہوں گے اور مطلب یہ ہوگا کہ ان لوگوں کو دنیا میں گناہوں سے بچائیے اور جسے آپ نے دنیا میں گناہوں سے بچالیا آپ اس پر آخرت میں رحم ہی فرما دیں گے۔

جن حضرات سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے ان کے لئے داخلِ جنت ہونے کی دعا ان لوگوں کے اظہارِ فضیلت اور تقرب الی اللہ کے لئے ہے' مومنین کو ہمیشہ اپنے لئے اور اپنے متعلقین کے لئے خیر ہی کی دعا کرتے رہنا چاہیے جن حضرات صحابہ کو رسول اللہ ﷺ نے دخول جنت کی بشارت دیدی تھی وہ بھی اعمال صالحہ اور دعاؤں سے غافل نہیں ہوئے اور ارتکاب سیات سے بچتے رہے بندگی کا تقاضا یہی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ

بلاشبہ جنہوں نے کفر کیا ان کو پکارا جائے گا کہ یہ بات واقعی ہے کہ اللہ کا جو تم سے بغض ہے وہ اس بغض سے بہت بڑا ہے جو تمہیں خود اپنی جانوں سے ہے جو تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے

فَتَكْفُرُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ

تو کفر اختیار کرتے تھے وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمیں دو بار موت دی اور دو بار زندگی دی سو ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا تو کیا نکلنے کی کوئی راہ ہے

سَبِيْلٍ ۝ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝

یہ اس وجہ سے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جاتا تھا تو اسے مان لیتے تھے سو فیصلہ اللہ ہی کے لئے ہے جو بلند ہے بڑا ہے۔

کافروں کا اقرارِ جُرم کرنا اور دوزخ سے نکلنے کا سوال کرنے پر جواب ملنا کہ تم نے توحید کو ناپسند کیا اور شرک کی دعوت پر ایمان لائے

تفسیر: دنیا میں اہل کفر اپنے کو اچھا جانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھے ہیں ایمان والوں سے بہتر ہیں اور برتر ہیں' لیکن جب قیامت کے دن اپنی بدحالی دیکھیں گے تو خود اپنے نفسوں سے اور اپنی جانوں سے بغض کرنے لگیں گے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ تمہیں جتنا اپنے نفسوں سے بغض ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے نفسوں سے اس بغض سے بھی زیادہ بغض ہے اور یہ بغض اب سے نہیں جب سے تم دنیا میں تھے اسی وقت سے اللہ تعالیٰ کو تم سے بغض ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جب دنیا میں تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم اس کے قبول کرنے سے انکار کرتے تھے اور کفر پر جمے رہتے تھے تمہیں بار بار ایمان کی دعوت دی گئی لیکن تم نے ہر بار حق کے قبول کرنے سے انکار کیا۔

مَقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے وجوز ان یراد به مقت بعضهم بعضا (یعنی آپس میں تم میں جو آج ایک دوسرے سے بغض اور نفرت ہے کہ بڑے چھوٹوں کو اور چھوٹے بڑوں کو الزام دے رہے ہیں اور ایک دوسرے سے برأت ظاہر کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کو تم سے اس سے زیادہ بغض ہے یہ تفسیر يَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا کے ہم معنی ہے جو سورۂ عنکبوت میں مذکور ہے۔

کافر عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمیں دو مرتبہ موت دی پہلی بار جب ہمیں پیدا کیا اس وقت ہم بے جان تھے کیونکہ منی کا نطفہ تھے آپ نے ہمیں زندہ فرما دیا ماؤں کے پیٹوں میں روح پھونک دی پھر ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اور آپ کی مشیت کے مطابق زندگی بڑھتی رہی پھر آپ نے ہمیں موت دیدی جس کی وجہ سے ہم قبروں میں چلے گئے پھر آج آپ نے ہمیں قیامت کے دن زندہ فرمایا ہم پر دو موتیں طاری ہوئیں اور دو زندگیاں آئیں ایک پہلے تھی اور ایک اب ہے یہ آپ کے تصرفات ہیں ہمیں چاہئے تھا کہ ہم دنیا والی زندگی میں ایمان قبول کرتے اور شرک اور کفر سے بچتے ہم یہی سمجھتے رہے کہ دنیا والی زندگی کے بعد جو موت آئے گی اس کے بعد پھر زندہ ہونا نہیں ہے یہ ہماری غلطی تھی اب ہم اس زندگی میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں اب تو ہمیں عذاب سے چھٹکارہ کی ضرورت ہے تو کیا ایسی کوئی صورت ہے کہ ہمارا چھٹکارہ ہو جائے اور عذاب کی مصیبت سے نکاسی ہو جائے گی اگر ہمیں چھٹکارہ مل جائے اور دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو وہاں ایمان قبول کریں گے اور نیک اعمال اختیار کریں گے اور اس کے بعد پھر جب موت آئے تو اچھی حالت میں میدان

حشر میں حاضر ہوں۔ وھٰذا کما حکی اللّٰہ تعالیٰ فی قولہ فی سورۃ الٓمٓ السجدۃ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا۔

اللہ کا ارشاد ہو گا ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا (تمہارا یہ عذاب میں مبتلا ہونا اس وجہ سے ہے کہ جب دنیا میں اللہ وحدہٗ لاشریک کو پکارا جاتا تھا تو تمہیں اچھا نہیں لگتا تھا تم اللہ کی وحدانیت کا انکار کرتے تھے اور اسی انکار پر جمے رہتے تھے اور اگر تمہارے سامنے کوئی ایسا موقع آ جاتا کہ اللہ کے ساتھ شرک کیا جاتا تو تم اسے مان لیتے تھے اور اسے صحیح کہتے تھے اور اس کے اقراری ہو جاتے تھے' وہ دنیا گزر گئی تم اس میں برابر کافر ہی رہے آج چھٹکارہ کا راستہ نہیں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا کہ تمہیں عذاب میں ہی رہنا ہے اللہ تعالیٰ برتر بھی ہے اور بڑا بھی ہے اس کے سارے فیصلے حق ہیں حکمت کے مطابق ہیں اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا اس کی صفت علو اور کبریا کی طرف تم نے نہیں دیکھا اور اپنے من مانے خیالات اور اعتقادات میں منہمک رہے اب عذاب اور عقاب کے سوا تمہارے لئے کچھ نہیں۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾ فَادْعُوا
وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے رزق اتارتا ہے' اور نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو رجوع کرتے ہیں سو تم
اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿١٤﴾ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ
اللہ کو پکارو۔ دین کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو' وہ رفیع الدرجات ہے عرش والا ہے وہ اپنے حکم سے وحی نازل فرماتا ہے
مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰي مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿١٥﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ڬ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ
اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے جس دن وہ لوگ ظاہر ہوں گے اللہ تعالیٰ پر ان میں سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہ ہوگی
مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ
آج کس کے لئے ملک ہے اللہ واحد قہار کے لئے ہے۔ آج کے دن ہر جان کو اس کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا
لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٧﴾
آج کے دن ظلم نہیں ہے بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ رفیع الدرجات ہے ذوالعرش ہے جس کی طرف چاہتا ہے وحی بھیجتا ہے' قیامت کے دن سب حاضر ہوں گے اللہ سے کوئی بھی پوشیدہ نہ ہوگا صرف اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہی ہوگی

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے بعض انعامات اور صفات جلیلہ اور قیامت کے دن کے بعض مناظر بیان فرمائے ہیں' اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اس کی مخلوق میں بے شمار نشانیاں ہیں جو اس کے قادرِ

مطلق اور وحدہ لاشریک ہونے پر دلالت کرتی ہیں پھر فرمایا کہ وہ تمہارے لئے آسمانوں سے رزق نازل فرماتا ہے اس میں بیان قدرت بھی ہے اور اظہار انعام بھی پھر فرمایا وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَن يُنِيبُ اور نشانیوں کو دیکھ کر وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو رجوع کرتے ہیں یعنی اپنی عقل کو استعمال کرتے ہیں اور فکر کو کام میں لاتے ہیں اور نشانیوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں ان کا یہ غور و فکر انہیں قبول حق تک پہنچا دیتا ہے۔

فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (سو تم اللہ کو پکارو اسی کی عبادت کرو اور دین کو اس کے لئے خالص رکھو یعنی اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بناؤ) وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو) تم اللہ کے بندے ہو خالص اسی کی عبادت کرو توحید اور ایمان پر مستقیم رہنا اور خالص اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنا یہ تمہارا فریضہ ہے جو لوگ تمہارے دین کو قبول نہیں کرتے وہ تم سے اور تمہارے عقیدۂ توحید اور اخلاص فی العبادۃ سے راضی نہیں انہیں ناراض رہنے دو ان کی ناراضگی اور ناگواری کی کوئی پرواہ نہ کرو۔

رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ (یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، مفسرین نے اس کے دو معنی بیان کئے ہیں اول یہ کہ وہ درجات کو بلند فرمانے والا ہے جو بندے مومن ہیں اور نیک کاموں میں لگے ہوئے ہیں قیامت کے دن ان کے درجات بلند فرمائے گا اور اس دنیا میں بھی اس نے اپنے بندوں میں فرق مراتب رکھا ہے کما قال تعالیٰ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وقال تعالیٰ يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (یہ معنی زیادہ واضح ہے اس میں رفیع بمعنی رافع ہوگا (گو صاحب روح المعانی نے فرمایا ہے کہ اس میں بُعد ہے) اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مرتفع الدرجات ہے یعنی عظیم الصفات ہے۔(قال صاحب الروح عن ابی زید انہ قال ای عظیم الصفات و کانہ بیان لحاصل المعنی الکنائی)

ذُو الْعَرْشِ (وہ عرش والا ہے) يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (وہ نازل فرماتا ہے روح کو یعنی وحی کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے وحی کو روح اس لئے فرمایا کہ اس کے ذریعہ قلوب کو حیات حاصل ہوتی ہے اور لفظ مِنْ أَمْرِهِ کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ روح کا بیان ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ من ابتدائیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ روح یعنی وحی کا نازل ہونا اس کے حکم سے ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ روح سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کو اپنا حکم پہنچانے کے لئے نازل فرماتا ہے۔

عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ جو فرمایا ہے اس میں یہ بتادیا کہ وہ خود ہی اپنی رسالت کے لئے اپنے بندوں میں سے اشخاص اور افراد کو چن لیتا ہے کما قال تعالیٰ فی سورۃ الحج اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ نبوت اور رسالت کوئی ایسا عہدہ نہیں ہے جسے ہنر اور کسب کے ساتھ حاصل کرلیا جائے اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین ﷺ تک جس کو چاہا منتخب فرمایا اور نبوت و رسالت سے نواز دیا۔

لِيُنذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ (تاکہ اللہ کا یہ بندہ جس کی طرف وحی بھیجی ملاقات کے دن سے ڈرائے) لفظ التلاق لَقِيَ يَلْقَىٰ سے باب تفاعل کا مصدر ہے جو جانبین سے ملاقات کرنے پر دلالت کرتا ہے اس کے آخر سے یا حذف کردی گئی ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جس بندہ پر چاہا وحی بھیج دی تاکہ وہ قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرائے اس دن نیک بندے اپنے اچھے اعمال کی جزاء سے اور برے بندے اپنی بداعمالیوں کی سزا سے ملاقات کریں گے۔

اَلْیَوْمَ تُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ (آج کے دن ہر جان کو اس کا بدلہ دیا جائے گا جو کچھ اس نے کسب کیا یعنی جو کچھ کمایا خیر ہو یا شر ہو اس کا بدلہ دیا جائے گا لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ ؕ (آج کے دن کوئی ظلم نہیں) نہ کسی کی کوئی نیکی ضائع جائے گی اور نہ کسی کے اعمالنامے میں کسی برائی کا اضافہ کیا جائے گا جو اس نے نہ کی ہو اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ (بلاشبہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے) وہ سب کا حساب بیک وقت لینے پر قادر ہے ایسا نہیں ہے کہ ترتیب وار حساب لینے کی ضرورت ہو اور ایک کا حساب لینا دوسرے کے حساب سے مانع ہو۔

وَ اَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِیْنَ ؕ۬ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّ لَا

اور آپ ان کو قریب آنے والی مصیبت کے دن سے ڈرایئے جس وقت قلوب گلوں کے پاس ہوں گے گھٹن میں پڑے ہوئے ہوں گے ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ

شَفِیْعٍ یُّطَاعُ ؕ﴿۱۸﴾ یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَ مَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وَ اللّٰهُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ ؕ وَ الَّذِیْنَ

کوئی سفارش کرنیوالا ہو گا جس کی بات مانی جائے وہ جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو اور ان چیزوں کو جنہیں سینے پوشیدہ رکھتے ہیں اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا اور

یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَقْضُوْنَ بِشَیْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۲۰﴾

اللہ کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ بھی فیصلہ نہیں کر سکتے بلاشبہ اللہ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے۔

انہیں قیامت کے دن سے ڈرایئے جس دن دل گھٹن میں ہونگے ظالموں کے لئے کوئی دوست یا سفارش کرنے والا نہ ہوگا

تفسیر: ان آیات میں بھی قیامت کا منظر بتایا ہے ارشاد فرمایا کہ آپ انہیں یوم الآزفۃ سے ڈرایئے یہ ازِف یازف سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جو قرب کے معنی پر دلالت کرتا ہے سورۃ النجم میں فرمایا اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ (قریب آنے والی قریب آگئی) اس سے قیامت مراد ہے جو جلد ہی آجانے والی ہے آیت بالا میں فرمایا کہ آپ ان کو قیامت کے دن سے ڈرایئے یہ ایسا دن ہوگا کہ قلوب حلقوم کو پہنچے ہوئے ہوں گے اور ایسا معلوم ہوگا کہ دل اندر سے اٹھ کر گلوں میں آکر پھنس گئے ہیں اور باہر آنا چاہتے ہیں یہ قلوب بڑی گھٹن میں ہوں گے اس وقت سخت تکلیف' گھٹن اور غم اور بے چینی بہت زیادہ ہوگی جو لوگ دنیا میں ظلم والے تھے وہ وہاں مصیبت سے چھٹکارہ کے لئے دوست اور سفارشی تلاش کریں گے تو کوئی بھی دوست نہ ملے گا اور نہ کوئی سفارشی ملے گا جس کی بات مانی جائے' صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ظالمین سے کافر مراد ہیں کیونکہ ظلم میں کامل ہونا انہیں کی صفت ہے۔

اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو اور دلوں کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے

یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ قیامت کے دن محاسبہ ہوگا نیکیوں کی جزا ملے گی اور برائیوں پر سزا یاب ہوں گے اعضاءِ ظاہرہ کے اعمال کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور سینوں میں جو چیزیں پوشیدہ ہیں برے عقیدے' بری نیتیں' برے جذبات' اللہ تعالیٰ

ان سب سے بھی باخبر ہے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میرے باطن کا حال پوشیدہ ہے اس پر مواخذہ نہ ہوگا اعضاء ظاہرہ میں آنکھیں بھی ہیں بری جگہ نظر ڈالنا جہاں دیکھنے کی اجازت نہیں اور بداعمالیوں میں آنکھوں کا استعمال کرنا یہ سب گناہ ہے آنکھوں کے اعمال میں سے ایک عمل خیانت بھی ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ آنکھوں کی خیانت کو اور دلوں میں پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے آنکھ کے گوشے سے نامحرم کو دیکھ لیا چپکے سے گناہ کی نظر کہیں ڈال لی آنکھ کے اشارہ سے کسی کی غیبت کردی یہ سب گناہ میں شمار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو سب کا علم ہے۔

حضرت اُم معبد رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ یوں دعا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَ عَمَلِیْ مِنَ الرِّیَآءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْکَذِبِ وَعَیْنِیْ مِنَ الْخِیَانَۃِ فَاِنَّکَ تَعْلَمُ خَآئِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر کمافی المشکوٰۃ ص۲۲۰) ترجمہ دُعاء یہ ہے

(اے اللہ میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو ریا اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک فرمادے کیونکہ آپ آنکھوں کی خیانت اور ان چیزوں کو جانتے ہیں جنہیں سینے چھپائے ہوئے ہیں)

وَاللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ (اور اللہ حق کے ساتھ فیصلے فرماتا ہے) وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَىْءٍ اور جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں یعنی معبودان باطلہ کچھ بھی فیصلہ نہیں کر سکتے) اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (بلاشبہ اللہ سننے والا دیکھنے والا) اسی کا فیصلہ حق ہے جو واقعی علم کے مطابق ہے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ

کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تا کہ دیکھ لیتے ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے تھے وہ قوت کے اعتبار سے ان سے زیادہ

اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝

سخت تھے اور زمین میں نشانوں کے اعتبار سے بھی بڑھ کر تھے سو اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کی گرفت فرمالی اور انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی بھی نہ تھا

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِىٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

یہ اس وجہ سے کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے سو انہوں نے کفر کیا پھر اللہ نے ان کو پکڑ لیا بے شک وہ قوی ہے سخت عذاب والا ہے۔

کیا زمین میں چل پھر کر سابقہ اُمتوں کو نہیں دیکھا وہ قوت میں بہت بڑھے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے گناہوں کی وجہ سے ان کی گرفت فرمالی

تفسیر: کفار مکہ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے جب یہ کہا جاتا تھا کہ ایمان لاؤ ورنہ کفر پر عذاب آجائے گا تو اس کا بھی مذاق بناتے تھے، حالانکہ ایک سال میں دو مرتبہ تجارت کے لئے ملک شام جاتے تھے راستے میں ان قوموں کی تباہ شدہ عمارتوں اور کھنڈروں پر گزرتے تھے جو حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانیوں کیوجہ سے ہلاک ہوئیں آیت بالا میں ان کو اسی طرف متوجہ کیا اور فرمایا کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے

لوگوں کا کیا انجام ہوا؟ عاد اور ثمود کی بستیوں پر گزرتے ہیں وہ لوگ ان سے بہت زیادہ طاقتور تھے اور بڑی قوت رکھتے تھے زمین میں ان کے بڑے بڑے نشان تھے جواب بھی ٹوٹی پھوٹی حالت میں نظروں کے سامنے ہیں انہوں نے بڑے بڑے قلعے بنائے' شہروں کو آباد کیا لیکن انبیائے کرام علیہم السلام کی بات نہ مانی' ایمان نہ لائے اور کفر کی وجہ سے ہلاک اور برباد ہوئے ان کے گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پکڑ لیا ان کا گھمنڈ رکھا رہ گیا جو یوں کہتے تھے کہ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟) ان کی ساری قوت دھری رہ گئی' عذاب آیا اور ہلاک ہوئے' جب اللہ تعالیٰ نے عذاب بھیجا تو کوئی بھی انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہیں تھا' اللہ تعالیٰ شانہ' کی طرف سے جو ان کی گرفت ہوئی اور مبتلائے عذاب ہوئے اس کا یہی سبب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسول ان کے پاس بھیجے وہ کھلی ہوئی نشانیاں معجزات لے کر آئے انہوں نے ان کی دعوت پر کان نہ دھرا برابر انکار کرتے رہے اللہ تعالیٰ نے پکڑا تو کہاں بچ سکتے تھے اللہ تعالیٰ قوی ہے اور شدید العقاب ہے' گذشتہ امتوں کے حالات اور واقعات سے ہر زمانے کے کافروں کو عبرت لینا ضروری ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیات اور واضح دلیل کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا سو ان لوگوں نے کہا کہ یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ

سو جب ان کے پاس ہمارے پاس سے حق لے کر آیا تو کہنے لگے کہ جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دو

وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ

اور کافروں کی تدبیر محض بے اثر رہی' اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور وہ اپنے رب کو پکارے بلاشبہ میں ڈرتا ہوں

اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ

کہ وہ تمہارے دین کو بدل دے یا زمین میں فساد پھیلا دے اور موسیٰ نے کہا بلاشبہ میں اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں جو میرا بھی رب ہے

مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾

اور تمہارا بھی ہر متکبر سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتا۔

ہم نے موسیٰ کو فرعون' ہامان' قارون کی طرف بھیجا انہوں نے ان کو ساحر اور کذاب بتایا' فرعون کے برے عزائم کا تذکرہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے رب کی پناہ مانگنا

تفسیر: گزشتہ آیات میں اجمالی طور پر بعض اقوام کی تکذیب اور ہلاکت وتعذیب کا تذکرہ فرمایا آیات بالا میں اور ان

کے بعد ڈیڑھ رکوع تک فرعون اور اس کی قوم کے عناد اور تکذیب کا اور بالآخران کے غرق اور تعذیب کا تذکرہ فرمایا درمیان میں ایک ایسے شخص کی نصیحتوں کا تذکرہ بھی فرمایا' جو آل فرعون میں سے تھا' یہ شخص ایمان لے آیا تھا اور اپنے ایمان کو چھپاتا تھا۔

ارشاد فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات یعنی معجزات کے ساتھ اور واضح حُجت کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو معجزات دکھائے توحید کی دعوت دی لیکن ان لوگوں نے جمود اور عناد اور انکار سے کام لیا کہنے لگے یہ تو جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی تکذیب کی کوئی پرواہ نہ کی اور برابر تبلیغ فرماتے رہے۔

فرعونیوں نے جب دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بات اثر کر رہی ہے اور کچھ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں اور کچھ لوگ متاثر ہوتے جا رہے ہیں تو باہم مشورہ کر کے کہنے لگے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کے لڑکوں کو قتل کر دو اور ان کی عورتوں کو باقی رکھو' (یعنی وہی عمل لڑکوں کے قتل کرنے کا پھر شروع کر دو جو کاہنوں کے خبر دینے پر بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا تا کہ ان کا کوئی بچہ ایسی پرورش نہ پا جائے جو فرعونی حکومت کو تہہ و بالا کرنے کا ذریعہ بن جائے ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت توحید کو دبانے کے لئے مشورہ تو کر لیا اور ممکن ہے اس پر عمل بھی کر لیا ہو لیکن ان کی سب تدبیریں ضائع ہوئیں جسے وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ میں بیان فرمایا ہے۔

فرعون نے اپنی قوم کے سرداروں سے کہا کہ تم مجھے چھوڑو میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور جب میں اسے قتل کرنے لگوں تو وہ اپنے رب کو پکارے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کی قوم کے سرداروں نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے روکا اور یہ سمجھایا کہ تو انہیں قتل کر دے گا تو عامۃ الناس یہ سمجھ لیں گے تو دلیل سے عاجز آ گیا اس لئے قتل کے درپے ہو گیا لیکن وہ سمجھتا تھا کہ ان کے قتل کر دینے ہی سے میرا ملک بچ سکتا ہے)

فرعون نے یہ جو کہا کہ میں جب اُسے قتل کرنے لگوں تو یہ اپنے رب کو پکارے یہ ظاہری طور پر ڈینگ مارنے والی بات ہے اندر سے گھبرایا ہوا تھا اور ان کی بددُعاء سے ڈر رہا تھا اور ظاہر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اُڑانے کیلئے یہ الفاظ بول رہا تھا۔

فرعون نے اپنے ماننے والوں سے یہ بھی کہا کہ اگر موسیٰ کو چند دن اور بھی چھوڑ دیا تو ڈر ہے کہ تمہارے دین کو بدل دے میری عبادات چھڑا دے اور بتوں کی عبادت سے ہٹا دے اور یہ بھی ڈر ہے کہ یہ زمین میں کوئی فساد کھڑا کر دے کیونکہ جب اس کی بات بڑھے گی اس کے ماننے والے تعداد میں بہت ہو جائیں گے تو اس کے ماننے والوں میں اور میرے ماننے والوں میں لڑائی جھگڑے ہوں گے اور اس سے نظام معطل ہو گا جو لوگ دنیادار ہوتے ہیں اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں ان کے سوچنے کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ اپنے مقابل کو قتل کرا دیں اور خود دنیاوی مال و جائیداد اور اختیار و اقتدار پر قابض رہیں اور یہ اس بارے میں عوام کو یہ سمجھاتے ہیں کہ میں تمہارے بھلے کے لئے ایسا کر رہا ہوں اس شخص کے وجود سے تمہارے دین و دنیا کو خطرہ ہے لہٰذا اس کو قتل کر دینا ضروری ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی بات کا جب علم ہوا تو فرمایا کہ میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں جو تمہارا بھی رب ہے اور میرا بھی رب ہے کہ وہ مجھے ہر متکبر سے محفوظ رکھے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی

حفاظت کی دعا کی اور لوگوں کو بتا دیا کہ جو میرا رب ہے وہی تمہارا رب ہے جو بھی کوئی شخص تکبر کرے آخرت کے دن کو نہ مانے ایسا منکر اور معاند کافر ہے اللہ تعالیٰ مجھے محفوظ رکھے گا، مجھے اس کی دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہیں۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ

اور آل فرعون میں سے ایک مومن نے کہا جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے

وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۖ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۖ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا

حالانکہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہوگا

يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۖ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ

تو تمہیں بعض وہ مصائب پہنچ جائیں گے جن کی وہ بطور پیشین گوئی خبر دے رہا ہے بلاشبہ اللہ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزر جانے والا ہو بہت جھوٹا ہو اے میری قوم

الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۖ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۚ قَالَ فِرْعَوْنُ

آج زمین میں تمہاری حکومت ہے تم غلبہ پائے ہوئے ہو سو اگر اللہ کا عذاب ہم تک آپہنچا تو ہمیں اس سے بچانے کے لئے کون مدد کریگا؟ فرعون نے کہا

مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

میں تو تمہیں وہی رائے دوں گا جسے میں خود ٹھیک سمجھ رہا ہوں اور میں تمہیں وہی راہ بتاؤں گا جو ہدایت کا راستہ ہے۔

آل فرعون میں سے ایک مومن بندہ کی حق گوئی نیز تنبیہ اور تہدید

تفسیر: آل فرعون میں سے ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا (جیسا کہ فرعون کی بیوی مسلمان ہوگئی تھی) کہا جاتا ہے کہ یہ شخص فرعون کے چچا کا لڑکا تھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ فرعون کا ولی عہد سمجھا جاتا تھا اور محکمہ پولیس کا ذمہ دار تھا یہ مومن تو تھا لیکن اپنے ایمان کو چھپاتا تھا اس نے بطور ہمدردی فرعون سے اور اس کے ساتھیوں سے جو اس کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے یوں کہا کہ تم جو اس شخص کو قتل کرنے کے منصوبے بنا رہے ہو یہ کوئی سمجھداری کی بات نہیں اول تو اس کا کوئی قصور نہیں کوئی چوری نہیں کی کوئی ڈاکہ نہیں ڈالا اس نے ایک حق بات کہی ہے اور یوں کہا کہ میرا رب اللہ ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں جسے قتل کرنے کا سبب بنا لیا جائے پھر وہ جو کچھ کہتا ہے وہ اس کے لئے دلائل بھی پیش کرتا ہے دلائل واضح اور معجزات دیکھتے ہوئے جو تمہارے رب کی طرف سے اسے دیئے گئے ہیں قتل کر دو گے تو تمہارا کیا بنے گا؟ سمجھداری کی بات یہ ہے کہ اسے قتل نہ کرو اگر یہ اپنی باتوں میں جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر پڑ جائے گا یعنی اسی دنیا میں اس کی سزا پالے گا تمہیں اس کے قتل میں ہاتھ ملوث کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ یہ تو ایک رخ کی بات ہوئی اب دوسرے رخ پر بھی غور کر لو اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ اپنے دعوے میں سچا ہو واقعی پروردگار جل مجدہ کا پیغمبر ہو اور تم برابر اسے جھٹلاتے رہے اور جھٹلانے کی وجہ سے پروردگار جل مجدہ کی طرف سے تم پر عذاب آ گیا جس کا اس شخص نے اپنی باتوں میں تذکرہ کیا ہے اور تمہیں یہ بتایا ہے کہ میری بات نہ مانو گے تو ایسے ایسے عذابوں میں مبتلا ہو گے) تو تم کہیں کے نہ رہو گے یہ

دنیا بھی برباد ہوگی اور موت کے بعد بھی عذاب کا سامنا ہوگا۔

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بندہ مومن نے یہ بھی کہا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ (بلاشبہ اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جو حد سے بڑھنے والا ہو بہت جھوٹا ہو) اس میں یہ بتادیا کہ موسیٰ علیہ السلام سچے ہیں اگر یہ سچے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزات کے ذریعے ان کی تائید نہ کی جاتی اور یہ جو دلائل پیش کرتے ہیں یہ دلائل ان کو نہ دیئے جاتے اور اس میں اس طرح بھی اشارہ کردیا کہ فرعون مسرف ہے حد سے بڑھنے والا ہے بات بات میں لوگوں کو قتل کرتا ہے فساد پر تلا ہوا ہے اپنے معبود ہونے کا دعویٰ کرکے بہت بڑا کذاب یعنی جھوٹا بھی ہے اس کی سب تدبیریں فیل ہوں گی اور یہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل نہ کرسکے گا بندہ مومن نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے یوں بھی کہا کہ آج تم لوگ اس سرزمین یعنی مصر میں حکومت والے ہو تمہارا غلبہ ہے لیکن اللہ کی گرفت کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں اگر ہم پر اللہ کا عذاب آجائے تو یہ ساری حکومت اور سلطنت دھری رہ جائے گی اور ہمیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا وعید اور تھدید کو استفہام کے پیرائے میں بیان کیا جو اصحاب حکمت و موعظت کا طریقہ ہے فرعون پر یہ باتیں سن کر مزید خوف طاری ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بات بڑھتی رہی تو لوگوں میں اسلام پھیل جائے گا اور میری حکومت اور دعوائے خدائی سب کچھ خاک میں مل جائے گا اس لئے بندہ مومن کی بات سن کر حاضرین سے کہنے لگا کہ میں تو تمہیں وہی بات بتاتا ہوں جسے اپنی رائے میں درست سمجھتا ہوں میرے نزدیک تو موسیٰ کو قتل ہی کردینا چاہئے میں جو تمہیں رائے دے رہا ہوں یہی رائے ٹھیک ہے جو مصلحت کے موافق ہے۔ (لعنہ اللہ تعالیٰ)

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ

اور اس شخص نے کہا کہ جو ایمان لایا تھا کہ اے میری قوم میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم پر سابقہ جماعتوں جیسا دن نہ آپڑے جیسا کہ قوم نوح

وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ

اور عاد اور ثمود اور ان کے بعد والوں کا حال ہوا اور اللہ بندوں پر کسی طرح بھی ظلم کا ارادہ نہیں فرماتا اور اے میری قوم بلاشبہ میں تمہارے بارے میں

يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

یوم التناد کا اندیشہ رکھتا ہوں جس دن تم پشت پھیر کر واپس لوٹو گے تمہارے لئے اللہ سے بچانے والا کوئی بھی نہ ہوگا اور اللہ جسے گمراہ کرے اسے کوئی بھی

فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

ہدایت دینے والا نہیں۔

بندہ مومن کا سابقہ امتوں کی بربادی کو یاد دلانا اور قیامت کے دن کی بدحالی سے آگاہ کرنا

تفسیر: بندہ مومن نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے تہدید اور تخویف سے بھی کام لیا اور یوں کہا کہ اے میری قوم تم جو حق کے انکار پر اور اس شخص کی تکذیب پر تلے ہوئے ہو تمہارا یہ رویہ خود تمہارے حق میں صحیح نہیں ہے تم سے پہلے بھی

قومیں گزری ہیں ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول بھیجے قوموں نے ان کی تکذیب کی اور برباد ہوئے اس طرح کی ہلاک شدہ جو جماعتیں گزری ہیں ان میں سے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بھی گزری ہے عاد اور ثمود بھی اس دنیا میں آئے اور بسے یہ سب قومیں حق کو ٹھکرانے کی وجہ سے ہلاک اور برباد ہوئیں ان کے بعد بہت سی قومیں آئیں جنہوں نے اپنے اپنے نبیوں کو جھٹلایا اور جھٹلانے کا مزہ پایا یعنی ہلاکت اور بربادی کے گھاٹ اتر گئے اللہ تعالیٰ نے جن قوموں کو ہلاک کیا ہے ان لوگوں کی بری حرکتوں کی وجہ سے ہلاک فرمایا ہے وہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

بندۂ مؤمن نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید یوں کہا کہ دیکھو تمہیں ہمیشہ دنیا ہی میں نہیں رہنا ہے مرنا بھی ہے قیامت کے دن پیشی بھی ہونی ہے وہاں حساب کتاب ہوگا، فیصلے ہوں گے اور پکارا جائے گا (اسی پکارے جانے کی وجہ سے یوم القیامۃ کو یوم التناد کے نام سے موسوم کیا، اُس دن بہت سی ندائیں ہوں گی)

پہلی پکار نفخ صور کے وقت ہوگی جسے یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ میں بیان فرمایا اور میدان حشر میں مختلف قسم کے لوگ ہوں گے انہیں ان کے اپنے اپنے پیشوا کے ساتھ بلایا جائے گا جسے یوم نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ میں بیان فرمایا ہے اور جب اہل ایمان کو داہنے ہاتھ میں کتاب دی جائے گی تو پکار اُٹھیں گے هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ نیز اہل جنت دوزخ والوں کو اور اہل دوزخ جنت والوں کو اور اہل اعراف بہت سے لوگوں کو پکاریں گے جیسا کہ سورۂ اعراف رکوع ۵ اور ۶ میں ذکر فرمایا ہے۔)

جب پکار پڑے گی تو تم پشت پھیر کر چل دو گے یعنی محشر سے دوزخ کی طرف روانہ ہو جاؤ گے دوزخ سے بھاگنا چاہو گے تو بھاگ نہ سکو گے اس میں داخل ہونا ہی پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ جب فیصلہ فرما دے گا کہ تمہیں دوزخ میں جانا ہی ہے تو کوئی بھی چیز تمہیں عذاب سے نہیں بچا سکتی اور اس کے حکم کو نہیں ٹال سکتی۔

دیکھو تم راہ حق قبول کر لو ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری گمراہی کا فیصلہ ہو ہی چکا ہے تو پھر تمہیں کوئی ہدایت دینے والا نہیں وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ بندہ مومن نے اپنے مخاطبین کی ہدایت سے ناامید ہو کر ایسا کہا۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ

اور یہ بات واقعی ہے کہ یوسف تمہارے پاس اس سے پہلے واضح معجزات لے کر آئے سو وہ جو کچھ تمہارے پاس لائے تم اس میں برابر شک کرتے رہے یہاں تک کہ جب ان کی

لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ﴿۳۴﴾ ۚ الَّذِیْنَ

وفات ہوگئی تو تم نے کہا کہ اللہ ان کے بعد کسی کو مبعوث نہ فرمائے گا اللہ ایسے ہی گمراہ کر دیتا ہے اس شخص کو جو حد سے بڑھ جانے والا ہو شک میں

یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ

پڑنے والا ہو جو اللہ کی آیات میں بغیر دلیل کے جوان کے پاس آئی ہو جھگڑے بازی کرتے ہیں اللہ کے نزدیک اور اہل ایمان کے نزدیک

كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

یہ بڑے بغض کی چیز ہے اسی طرح اللہ مہر لگا دیتا ہے ہر متکبر جبار کے دل پر۔

مسرف ومرتاب کا گمراہ ہونا اور ہر متکبر جبار کے دل پر اللہ کی طرف سے مہر لگ جانا

تفسیر: مرد مومن کا سلسلہ کلام جاری ہے اس نے پہلے تو فرعون اور اس کی قوم کو ڈرایا اور یاد دلایا کہ دیکھو تم سے پہلے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلا کر گزشتہ امتیں ہلاک ہو چکی ہیں اس کے بعد ان سے خصوصی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی بعثت کا تذکرہ کیا جو اہل مصر کی طرف مبعوث ہوئے تھے انہیں یاد دلایا کہ دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام دلائل کے ساتھ تمہارے پاس آئے لیکن تم نے ان کو بھی جھٹلایا اور انہوں نے جو دعوت پیش کی اور اللہ تعالیٰ کے احکام بتلائے تم اس میں برابر شک کرتے رہے تم نے یہ تسلیم نہ کیا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور ان کی دعوت حق ہے اور تم نے نہ صرف یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا بلکہ ان کی وفات ہو جانے پر یوں کہہ دیا کہ اگر یہ بالفرض رسول تھے تو اب ان کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی رسول نہ بھیجے گا اللہ کے رسول کی رسالت کا انکاری ہونا اور اپنی طرف سے یہ تجویز کر دینا کہ اللہ تعالیٰ اب کوئی بھی رسول نہ بھیجے گا عناد در عناد اور بغاوت در بغاوت ہے۔

جو لوگ بغاوت اور سرکشی میں حد سے بڑھ جائیں اور انکا مزاج شک کرنے کا بن جائے ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ گمراہ فرما دیتا ہے ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ بلا دلیل اللہ کی آیات میں جھگڑے کرتے رہیں ان کی یہ جھگڑے بازی اللہ کے نزدیک اور اہل ایمان کے نزدیک بہت زیادہ بغض اور نفرت کی چیز ہے۔

مرد مومن نے مزید کہا کہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تمہارے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اب تمہیں حق قبول کرنا نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں پر مہر لگا دی ہے وہ اسی طرح ہر متکبر مغرور اور جابر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے ایسے شخص کے دل میں ذرا بھی حق قبول کرنے کی طرف جھکاؤ نہیں رہتا' اس میں حق سمجھنے اور حق قبول کرنے کی بالکل ہی گنجائش نہیں رہتی۔

فائدہ: صاحب روح المعانی نے اول تو حضرت یوسف علیہ السلام کے نام کے ساتھ بن یعقوب لکھ دیا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام جو کنعان سے آ کر مصر میں صاحب اقتدار ہو گئے تھے اور ان کے سامنے ہی ان کے والدین اور بھائی تمام اہل وعیال کے ساتھ مصر میں آ کر بس گئے تھے انہیں یوسف علیہ السلام کو مراد لیا ہے اور جَآءَكُمْ میں جو ضمیر خطاب ہے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اس سے اہل مصر کے آباؤ اجداد مراد ہیں پھر ایک یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت بالا میں جس یوسف کا ذکر ہے وہ حضرت یوسف الصدیق علیہ السلام کے پوتے تھے ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا تھا انہوں نے بھی مصر میں بیس سال قیام کیا اور یہ لوگ انکی دعوت میں شک ہی کرتے رہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى

اور فرعون نے کہا کہ اے ہامان میرے لئے ایک محل بنا دے ہو سکتا ہے کہ میں راستوں میں پہنچ جاؤں یعنی آسمان کے راستوں تک میری رسائی ہو جائے پھر میں

اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا

موسیٰ کے معبود کا پتہ چلاؤں اور بے شک میں تو اسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور اسی طرح فرعون کے لئے اس کا برا عمل مزین کر دیا گیا اور وہ راستہ سے روک دیا گیا

كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾

اور فرعون کی تدبیر ہلاکت ہی میں لے جانے والی تھی۔

فرعون کا اُوپر چڑھنے کیلئے اُونچا محل بنانے کا حکم دینا اور اسکی تدبیر کا بربادی کا سبب بننا

تفسیر: جب فرعون کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعوت پیش کی تو اس نے سوال وجواب کئے قتل کی دھمکی دی بڑی بڑی ڈینگیں ماریں اور اپنے عوام کو دھوکہ دینے کے لئے طرح طرح کی باتیں نکالیں انہیں باتوں میں سے ایک یہ بات تھی کہ اُس نے اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ ذرا ایک محل یعنی اُونچی عمارت تو بناؤ میں اُوپر چڑھوں گا۔ آسمانوں کے راستوں پر پہنچوں گا اور موسیٰ علیہ اسلام کے معبود کا پتہ چلاوں گا جھوٹے معبود ایسے ہی ہوتے ہیں دعویٰ تو اس کا یہ تھا کہ میں سب سے بڑا رب ہوں اور حال اس کا یہ تھا کہ آسمانوں کی خبر جاننے کے لیے اُونچی عمارت کا اور سیڑھیوں کا محتاج تھا چونکہ صرف عوام کو دھوکا دینا مقصود تھا اس لیے بلند عمارت کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ اس نے پہلے ہی سے یوں کہہ دیا کہ میں موسیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ (فرعون نے جو اُونچا محل بنانے کو کہا تھا اس کا ذکر سورۃ القصص میں بھی گزر چکا ہے فَاَوْقِدْ لِیْ یَا هَامَانُ عَلَی الطِّیْنِ (ع۴) کی تفسیر کا مطالعہ بھی کرلیا جائے۔ (دیکھوانوار البیان ص ۲۸ ج ۷))

وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ اور اسی طرح فرعون کے لئے اُس کی بدکرداری مزین کردی گئی جسے وہ اچھی سمجھتا تھا۔

وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ اور وہ راہ حق سے روک دیا گیا موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لئے تدبیریں سوچتا رہا مگر کوئی تدبیر کام نہ آئی وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ اور فرعون کی تدبیر ہلاکت ہی میں لے جانے والی تھی جو سوچا سب اُلٹا پڑا بالآخر ہلاک ہوا خود بھی ڈوبا اپنے لشکروں کو بھی لے ڈوبا۔

قال تعالیٰ فی سورۃ طٰهٰ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى (سو فرعون کو اور اس کے لشکروں کو سمندر کے ایک بڑے حصہ نے ڈھانپ لیا اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور صحیح راہ نہ بتائی)۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

اور جو شخص ایمان لایا اس نے کہا کہ اے میری قوم میرا اتباع کرو میں تمہیں ہدایت والا راستہ بتاؤں گا اے میری قوم یہ دنیا والی زندگی

مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ

تھوڑے سے نفع کی زندگی ہے اور بلاشبہ آخرت ہی رہنے کی جگہ ہے، جس نے کوئی بھی برائی کی تو اس کا بدلہ صرف اسی قدر دیا جائے گا اور جس نے

صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾

نیک عمل کیا مرد ہو یا عورت اور حال یہ ہو کہ وہ مومن ہو تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اس میں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ

اور اے میری قوم کیا بات ہے میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو، تم مجھے اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس چیز کو اس کا شریک بناؤں

بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۚ وَّ اَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ

جس کی میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور میں تمہیں عزیز غفار کی طرف بلاتا ہوں' یہ یقینی بات ہے کہ تم مجھے جس چیز کی دعوت دیتے ہو

لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ

اس کی دعوت نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں اور بلاشبہ ہمارا لوٹنا اللہ کی طرف ہے اور بلاشبہ جو لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہیں وہ

النَّارِ ۝ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

دوزخ والے ہیں سو تم یاد کرو گے جو میں تم سے کہتا ہوں' اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں' بے شک اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے'

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْۗءُ الْعَذَابِ ۝ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ

سو اللہ نے اس شخص کو ان لوگوں کی تدبیروں کی مضرتوں سے بچالیا اور آلِ فرعون پر بُرا عذاب نازل ہوا صبح شام یہ لوگ آپ کے سامنے

عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝

لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہو گی حکم ہوگا کہ آلِ فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو۔

مردِ مومن کا فناءِ دنیا اور بقاءِ آخرت کی طرف متوجہ کرنا' اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا

تفسیر: مردِ مومن کا سلسلہ کلام جاری ہے درمیان میں فرعون کی اس بات کا تذکرہ فرمایا کہ اس نے اپنے وزیر ہامان سے ایک اونچی عمارت بنانے کا حکم دیا اور یوں کہا کہ میں اس عمارت پر چڑھ کر موسیٰ کے معبود کا پتہ چلاؤں گا، مردِ مؤمن نے فرعون کی بات سنی اور قوم فرعون کو مزید نصیحت کی اوّل تو اس نے یہ کہا کہ تم لوگ میرا اتباع کرو میں تمہیں ہدایت کا راستہ بتاؤں گا جیسے میں موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا ایسے ہی تم بھی ایمان لاؤ اور یہ دنیا جس پر تم دل دیئے پڑے ہو اور اسی کو سب کچھ سمجھ رہے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے ہماری دنیا جاتی رہے گی اس کے بارے میں تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ یہ دنیا والی زندگی تھوڑی سی ہے چند روزہ ہے اس میں جو کچھ سامان ہے وہ بھی تھوڑا سا ہے اور تھوڑے دن کام آنے والا ہے اس ذراسی دنیا کے لئے تم اپنی آخرت برباد نہ کرو' جو شخص کفر پر مرے گا اس کے لئے وہاں دائمی عذاب ہے وہاں کے عذاب کے لئے اپنی جان کو تیار کرنا ناسمجھی کی بات ہے۔ سب کو مرنا ہے میدان آخرت میں جانا ہے جو لوگ ایمان کے ساتھ پہنچیں گے وہ وہاں جنت میں جائیں گے اور جنت ایسی جگہ ہے جو دار القرار ہے حقیقت میں وہی رہنے کی جگہ ہے۔ مردِ مومن نے مزید کہا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نیکیوں اور برائیوں کا بدلہ دیگا برائی کا بدلہ تو اتنا ہی ملے گا جس درجہ برائی کی تھی اور نیک عمل کا بدلہ بہت زیادہ ملے گا کسی بھی مرد یا عورت نے بحالت ایمان کوئی بھی نیک عمل کر لیا تو اس کے لئے اللہ نے یہ صلہ رکھا ہے کہ ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے وہاں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا تم لوگ اسی جنت کے لئے فکرمند بنو اور ایمان قبول کرو۔

مردمومن نے یوں بھی کہا کہ میں تمہیں ایسے کام کی طرف بلاتا ہوں جس میں آخرت کی نجات ہے اور تم مجھے اس چیز کی طرف بلاتے ہو جو دوزخ کے داخلے کا سبب ہے میں ایمان کی دعوت دیتا ہوں اور تم مجھے یہ دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس کیساتھ کسی کو شریک بناؤں جبکہ شرک کے جائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس میں مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ کہا اور انہیں یہ بتادیا کہ تمہارے پاس بھی شرک کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بات رکھی اپنے اوپر اور سمجھا دیا ان کو قوم کو خطاب کرتے ہوئے مزید کہا وَاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ (یعنی میں تمہیں اپنے معبود کی طرف بلاتا ہوں وہ عزیز ہے زبردست ہے بہت مغفرت کرنیوالا ہے) اگر کسی کو عذاب دینا چاہے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور وہ غفار بھی ہے کوئی شخص کیسے ہی گناہ کرلے وہ معاف کرنا چاہے تو اسے کوئی بھی روکنے والا نہیں لہٰذا تم کفر سے توبہ کرلو اور بخشش کے دائرہ میں آجاؤ یہ نہ سوچو کہ ہم نے جواب تک کفر و شرک کیا ہے اور اعمال بد کا ارتکاب کیا ہے اس کی معافی کیسے ہوگی۔

مردمومن نے یہ بھی کہا کہ تم لوگ جو مجھے کفر و شرک کی طرف بلاتے ہو یہ باطل چیز ہے اور اس میں بربادی ہے یہ جو تم شرک اور کفر کی دعوت دے رہے ہو یہ محض ایک جاہلانہ بات ہے تم نے جو بت تراش رکھے ہیں یہ تو ذرا بھی نہیں سنتے ہیں نہ ہاں کرتے ہیں نہ کسی نفع اور ضرر کے مالک ہیں یہ تو دنیا میں تمہاری دعوت کی حقیقت ہے اور آخرت میں اس کا کوئی نفع پہنچنے والا نہیں ہے۔ **قال صاحب الروح فالمعنی ان ماتدعوننی الیه من الاصنام لیس لهٗ استجابة دعوة لمن یدعوه اصلا اولیس له دعوة مستجابة ای لا یدعی دعا یستجیبه لدا عیه فالکلام اما علی حذف المضاف او علی حذف الموصوف.** (تفسیر روح المعانی کے مصنف لکھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جن بتوں کی طرف تم مجھے بلاتے ہو انہیں جو پکارے وہ اس کی پکار کا جواب ہرگز نہیں دے سکتے یا ان کو پکارنے والے کی کوئی دُعاء مقبول نہیں ہے یعنی کوئی ایسی دُعا نہیں ہے جو مانگنے والے کیلئے قبول ہو، یہاں لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ میں یا تو مضاف محذوف ہے یا موصوف محذوف ہے)

وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰهِ (مردمومن نے مزید کہا کہ ہم سب کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ (اور بلاشبہ حد سے آگے بڑھ جانے والے ہی دوزخی ہوں گے) اس میں ترکیب سے یہ بتادیا کہ تم لوگ مسرف ہو حد سے آگے بڑھنے والے ہو ایمان قبول کرو تاکہ آگ کے عذاب سے بچ سکو۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ (سو تم عنقریب جان لوگے کہ جو میں تم سے کہتا ہوں) وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ (اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں) اگر تم نے مجھے تکلیف دینے کا ارادہ کیا تو میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ میری حفاظت فرمائے گا۔

مردمومن کا قوم کی شرارتوں سے محفوظ ہوجانا اور قوم فرعون کا برباد ہونا

یہاں تک مردمومن کا کلام تھا آگے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اس کی حفاظت کا اور آلِ فرعون کے مبتلائے عذاب ہونے کا تذکرہ فرمایا ارشاد فرمایا فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا (سو اللہ نے اس کو ان لوگوں کے مکر اور تدبیر کی مصیبتوں سے محفوظ فرمادیا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اور فرعون اور آلِ فرعون پر برا عذاب نازل ہوگیا یہ لوگ دریا میں غرق ہوئے اور ڈوب مرے اگر وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سے اسی غرق کو مراد لیا جائے تو سیاق کلام سے بعید نہیں ہے گو صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب مردمومن کو قتل کرنے کا فرعون نے منصوبہ بنایا (جن کا مومن ہونا بعد میں ظاہر ہوگیا تھا) تو وہ ایک

پہاڑ کی طرف چلے گئے ان کے پیچھے فرعون نے ہزار آدمی بھیج دیئے ان آدمیوں نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے پایا اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی اور ان لوگوں کو درندے کھا گئے اور ان میں سے بعض پہاڑ میں پیاسے مر گئے اور بعض لوگ فرعون کے پاس واپس آگئے اس نے ان کو یہ کہہ کر قتل کر دیا کہ تم قصداً اس شخص کو لے کر نہیں آئے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

آخر میں فرمایا اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا (یہ لوگ صبح و شام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں آل فرعون غرق ہو گئے، مر گئے، برزخ میں پہنچ گئے وہاں وہ صبح شام دوزخ کی آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اس پیش کرنے میں ان کی سزا بھی ہے آگ پر پیش کئے جاتے ہیں تو اس کی لپٹ پہنچتی ہے اور انہیں بھی بتایا جاتا ہے کہ تمہیں اسی میں داخل ہونا ہے یہ تو برزخ کا معاملہ ہوا اور قیامت کے دن انہیں اصلی دوزخ میں داخل کیا جائے گا ارشاد فرمایا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (اور جس دن قیامت قائم ہوگی فرشتوں سے کہا جائے گا کہ آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔

عذاب قبر کا تذکرہ

کافروں اور فاسقوں کیلئے عذاب قبر میں مبتلا ہونا احادیث شریفہ سے ثابت ہے حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا اور دوسری آیت مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا سے برزخ کا عذاب ثابت ہوتا ہے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو صبح و شام اس پر اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے اگر اہل جنت میں سے ہوتا ہے تو جنت کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے اگر اہل دوزخ میں سے ہے تو دوزخ کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے ہر ایک کا ٹھکانہ پیش کر کے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا اصلی ٹھکانہ ہے جب تک کہ اللہ تجھے قیامت کے دن اس میں داخل کرنے کے لئے نہ اٹھائے (اس وقت تک یہاں رہنا ہے) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵ عن الصحیحین)

وَاِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ
اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ کافر لوگ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے سو جو لوگ کمزور تھے وہ ان لوگوں سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے بیشک ہم تمہارے تابع تھے تو کیا
مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُلٌّ فِیْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَکَمَ بَیْنَ
تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ ہٹا سکتے ہو جو لوگ بڑے تھے وہ کہیں گے بیشک ہم سب دوزخ میں ہیں بیشک اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمادیا
الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّکُمْ یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾
اور جو لوگ دوزخ میں ہوں گے وہ دوزخ کے داروغاؤں سے کہیں گے کہ تم اپنے رب سے دعا کرو وہ ہم سے ایک دن عذاب کا کچھ حصہ ہلکا کر دے
قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِیْکُمْ رُسُلُکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا بَلٰی قَالُوْا فَادْعُوْا وَمَا دُعٰٓؤُا الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا
وہ جواب دیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول کھلے ہوئے دلائل لیکر نہیں آئے تھے وہ لوگ کہیں گے کہ ہاں آئے تو تھے اس پر داروغہ ہائے دوزخ جواب دیں گے کہ پھر تو تم ہی دعا کرلو اور کافروں کی دعا
فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾
محض بے اثر ہے۔

دوزخیوں کا آپس میں جھگڑنا چھوٹوں کا بڑوں پر الزام دھرنا

تفسیر: دوزخی لوگ آپس میں جھگڑے بازی کریں گے جو لوگ چھوٹے تھے دنیا میں خوب بڑھ چڑھ کر اپنے بڑوں کی بات مانتے تھے اور ان کے کہنے سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اور ان کے متبعین سے لڑتے تھے اور ان کی تکذیب کرتے تھے اور دوسروں کو بھی ایمان قبول کرنے سے روکتے تھے' جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو بڑے چھوٹے سب آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے اور دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو یہی اتباع یعنی چھوٹے لوگ جو دنیا میں سرداروں اور لیڈروں کے کہنے اور تھپکی دینے سے حق اور اہل حق سے دشمنی کرتے تھے اپنے بڑوں سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم نے تمہاری بات مانی اب تم یہاں ہمیں کچھ فائدہ پہنچا دو بالکل تو دوزخ سے کیا نکلوا سکتے آگ کا تھوڑا سا عذاب ہی ہٹوا دو' ان کے بڑے جواب میں کہیں گے کہ بلاشبہ ہمیں اور تم کو اسی میں رہنا ہے اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دیا ہے یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تم بھی یہیں رہو گے اور ہم بھی یہیں رہیں گے جب یہاں رہنا ہے تو یہاں کے قانون کے مطابق رہنا ہوگا (اور قانون یہ ہے کہ کوئی دوزخی کسی کی کچھ مدد نہیں کر سکتا) سورۂ ابراہیم میں بھی یہ مضمون مذکور ہے کہ چھوٹے وہاں اپنے بڑوں سے یہ بات کہیں گے اور وہ اس کا یہ جواب دیں گے لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ (اگر اللہ ہم کو کوئی راہ بتاتا تو ہم بھی تم کو وہ راہ بتا دیتے) سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ (ہمارے حق میں ہے ہم پریشانی کا اظہار کریں یا صبر کریں ہمارے چھٹکارہ کا کوئی راستہ نہیں)

دوزخیوں کا فرشتوں سے تخفیف عذاب کے لئے عرض و معروض کرنا

دوزخی عذاب ہلکا کروانے کے لئے دوزخ پر مقررہ فرشتوں سے بھی عرض معروض کرینگے اور ان سے کہیں گے تم اپنے رب سے دعا کر دو کہ وہ ایک ہی دن ہمارا عذاب ہلکا کر دے وہ سوال کریں گے کہ یہاں تمہارے آنے کا جو سبب بنا ہے وہ کیا ہے؟ تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے تمہارے پاس اپنے رسول بھیجے تھے انہوں نے ایمان کی دعوت دی تھی وہ جب تمہارے پاس آئے تم نے ان کو جھٹلایا اور ان کی بات نہ مانی بولو کیا یہ بات ٹھیک ہے؟ اس پر وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہاں واقعی یہ بات صحیح ہے داروغہائے دوزخ کہیں گے کہ ہم ایسے لوگوں کے لئے کچھ بھی سفارش نہیں کر سکتے تم ہی دعا کر لو وہاں انکا دعا کرنا بیکار ہو گا ان کی دعا ضائع ہوگی' کافروں کی کوئی دعا وہاں قبول نہیں ہو سکتی۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ

بلاشبہ ہم اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا والی زندگی میں مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے' جس دن

الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

ظالموں کو ان کی معذرت کام نہ دیگی اور ان کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے برے گھر میں رہنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے رسولوں اور اہل ایمان سے نصرت کا وعدہ فرمانا اور ظالمین کے ملعون ہونے کا اعلان فرمانا

تفسیر: دو آیتوں کا ترجمہ ہے ان میں دو باتیں بتائی ہیں اول یہ کہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا والی زندگی میں مدد کرتے ہیں) مدد تو ہوتی ہے بعض مرتبہ دیر لگ جاتی ہے اور اس دیر لگنے میں بڑی حکمتیں ہوتی ہیں انہی حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کافروں کو مہلت دی جاتی ہے جو ان کے حق میں استدراج ہوتا ہے اور اسی استدراج کی وجہ سے اور زیادہ بڑھ چڑھ کر شرارت اور بغاوت کرتے ہیں پھر دنیا میں ان سے انتقام لے لیا جاتا ہے۔

وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ (اور ہم اس دن بھی رسولوں اور ایمان والوں کی مدد کریں گے جس دن گواہ کھڑے ہوں گے یعنی فرشتے گواہی دیں گے کہ رسولوں نے تبلیغ کی اور کافروں نے جھٹلایا۔

دوسری بات یہ واضح فرمائی کہ قیامت کے دن ظالموں کو ان کی عذرخواہی نفع نہ دے گی وہ دنیا میں بھی مستحق لعنت ہیں اور آخرت میں بھی ملعون ہوں گے۔

اور جو انہیں رہنے کا گھر ملے گا وہ برا گھر ہو گا یعنی دوزخ میں جائیں جو آگ والا گھر ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِى
اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ کو ہدایت دی اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا' یہ کتاب ہدایت اور نصیحت تھی عقل
الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ
والوں کے لئے' سو آپ صبر کیجئے بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور اپنے گناہ کے لئے استغفار کیجئے اور صبح شام اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے
وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ
جو حمد کے ساتھ ہو بلاشبہ جو لوگ اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو ان کے سینوں میں تکبر
اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾
ہی ہے وہ کبھی بھی اس تک پہنچنے والے نہیں' سو آپ اللہ سے پناہ طلب کیجئے بلاشبہ وہ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے۔

صبر کرنے اور استغفار کرنے اور تسبیح و تحمید میں مشغول رہنے کا حکم

تفسیر: ان آیات میں اول تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور انکی قوم بنی اسرائیل کا تذکرہ فرمایا ارشاد فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو ہدایت دی اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔ (یہ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے واسطہ سے انہیں ملی تھی جو سراپا ہدایت تھی) یہ کتاب ہدایت تھی اور عقل والوں کے لئے نصیحت بھی تھی انہوں نے (قدردانی نہ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ایذائیں پہنچائیں اور توریت شریف پر بھی عمل نہ کیا) جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجئے

اور اپنے گناہ کے لئے بھی استغفار کیجئے (اگر صبر میں کمی آجائے تو اس کی استغفار کے ذریعہ تلافی کر دیجئے کیونکہ صبر کی کمی آپ کے شان عالی کے لائق نہیں ہے اس لئے مجازاً اس کو گناہ سے تعبیر فرمایا اور استغفار سے اس کے تدارک کا حکم دیا اور صبح شام یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل میں لگے رہیے۔

اللہ کی آیات میں جھگڑا کرنے والوں کے سینے میں کبر ہے

پھر فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی آیات میں بغیر کسی دلیل کے جھگڑا کرتے ہیں قرآن کو نہیں مانتے اور آپ کی تکذیب کرتے ہیں ان کے سینوں میں بس تکبر گھسا ہوا ہے وہ اپنے تکبر کی وجہ سے خیال کرتے ہیں کہ ہم غالب ہو جائیں گے حالانکہ وہ غالب ہونے والے نہیں ہیں آپ اللہ کی پناہ لیجئے بلاشبہ وہ سمیع اور بصیر ہے۔

معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمارا مسیح یعنی دجال آخر زمانے میں نکلے گا اس کے ذریعہ ہمارا ملک واپس مل جائے گا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی کہ انکے سینوں میں تکبر نے جگہ پکڑ رکھی ہے اور یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم غالب ہو جائیں گے حالانکہ وہ غالب نہیں ہو سکتے ان کے لئے تو یہ فرمایا کہ وہ جس چیز کا لالچ کر رہے ہیں اُس تک نہیں پہنچ سکتے اور آپ کو حکم دیا کہ آپ اللہ کی پناہ لیں اس میں دجال سے پناہ لینا بھی داخل ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

البتہ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانا لوگوں کے پیدا کرنے سے زیادہ بڑی بات ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے'

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا

اور برابر نہیں نابینا اور دیکھنے والا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے برے لوگوں کے برابر نہیں ہیں؛ لوگ کم

تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾

نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ بلا شبہ قیامت ضرور آنے والی ہے اور لیکن بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے۔

بینا اور نابینا اور مومنین صالحین اور برے لوگ برابر نہیں ہو سکتے

تفسیر: ان آیات میں قیامت کا آنا ثابت فرمایا ہے اور جو لوگ وقوع قیامت کو مستبعد سمجھتے تھے ان کا استبعاد دور فرمایا قیامت کا انکار کرنے والے یوں کہتے تھے کہ قبروں سے نکل کر دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے یہ ان لوگوں کی نا سمجھی اور بیوقوفی کی بات تھی اللہ جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو یہ آسمان اور یہ زمین اتنی بڑی بڑی چیزیں ہم نے پیدا کیں ایک سمجھ دار منصف آدمی غور کرے گا اسکی سمجھ میں یہی آئے گا کہ مردہ جسم میں جان ڈالنا خالق ارض وسماء کے لئے ذرا بھی بڑی بات نہیں ہے بات تو سیدھی سادی ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ مردوں میں روح دوبارہ آسکتی ہے مزید فرمایا کہ نابینا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہو سکتے اس کو تو سبھی سمجھتے ہیں اہل ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے مقابلہ میں بدکردار برابر نہیں ہو سکتے جب

یہ بات سمجھتے ہو تو یہ بھی سمجھو کہ اچھوں کو اچھا بدلہ ملنا ہے اور بُروں کو بُرا بدلہ ملنا ہے لہٰذا قیامت قائم ہونا ضروری ہے تا کہ ہر ایک اپنے اپنے کیے کا بدلہ پالے حقائق سامنے رکھ دیئے جاتے ہیں لیکن تم لوگ کم نصیحت حاصل کرتے ہو بلاشبہ قیامت ضرور قائم ہوگی اس کے آنے میں ذرا شک نہیں ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ
اور تمہارے رب نے فرمایا کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب بحالت ذلت
جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾
جہنم میں داخل ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعا کرنے کا حکم اور قبول فرمانے کا وعدہ

تفسیر: اس آیت کریمہ میں حکم فرمایا ہے کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا یہ اللہ تعالیٰ شانہ کا بہت بڑا انعام اور احسان ہے کہ بندوں کو اپنی ذات عالی سے مانگنے کی اجازت دیدی اور پھر قبول کرنے کا وعدہ بھی فرمالیا دعا مانگنے میں جو کیف ہے اسے وہی بندے جانتے ہیں جو دعا کے طریقہ پر دعا کرتے ہیں دعا سراپا عبادت ہے جیسا کہ آیت ختم پر فرمایا إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ بیشک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں یعنی دعا سے منہ موڑتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہونے کی حالت میں جہنم میں داخل ہوں گے۔

دُعاء کی ضرورت اور فضیلت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **الدعاء مخ العبادة** (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۴) کہ دُعاء عبادت کا مغز ہے چھلکے کے اندر جو اصل چیز ہوتی ہے اسے مغز کہتے ہیں اور اسی مغز کے دام ہوتے ہیں اگر بادام کو پھوڑو تو اس میں سے گری نکلتی ہے اور اسی گری کی اصل قیمت ہوتی ہے اگر چھلکوں کے اندر گری نہ ہو تو بادام بے دام ہو جاتے ہیں عبادتیں بہت سی ہیں اور دعا بھی ایک عبادت ہے لیکن یہ ایک بہت بڑی عبادت ہے عبادت ہی نہیں عبادت کا مغز ہے اور اصل عبادت ہے عبادت کی حقیت یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے حضور میں بندہ اپنی عاجزی اور ذلت پیش کرے اور خشوع وخضوع یعنی ظاہر اور باطن کے جھکاؤ کے ساتھ بارگاہ بے نیاز میں پوری نیازمندی کے ساتھ حاضر اور چونکہ یہ عاجزی والی حضوری دعا میں سب عبادتوں سے زیادہ پائی جاتی ہے اس لئے دعا کو عین عبادت اور عبادت کا مغز فرمایا دعا کرتے وقت بندہ اپنی عاجزی حاجت مندی کا اقرار کرتا ہے اور سراپا نیاز ہو کر بارگاہ خداوندی میں اپنی حاجت پیش کر کے للچاتا اور للکتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ صرف اللہ ہی دینے والا ہے وہ داتا ہے اس کے سوا کوئی دینے والا نہیں ہے وہ قادر ہے کریم ہے جتنا چاہے دے سکتا ہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے وہ بے نیاز ہے اس کو کسی چیز کی حاجت نہیں ہے اور مخلوق سراسر عاجز اور محتاج ہے جب اپنے اس یقین کے ساتھ قادر وقیوم کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلا کر سوال کرتا ہے تو اس کا یہ شغل

سراپا عبادت بن جاتا ہے اور یہ دعا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا مندی کا سبب بن جاتی ہے اس کے برعکس جو شخص دعا سے گریز کرتا ہے وہ اپنی حاجب مندی کے اقرار کو خلاف شان سمجھتا ہے چونکہ اس کے اس طرز عمل میں تکبر ہے اور اپنی بے نیازی کا دعویٰ ہے اس لئے اللہ جل شانہٗ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

چونکہ دعا عبادت ہی عبادت ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا **لیس شیٔ اکرم علی اللہ من الدعاء** (مشکوٰۃ المصابیح ص۱۹۴ عن الترمذی) کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی چیز بزرگ و برتر نہیں ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے **من لم یسئل اللہ یغضب علیہ** (مشکوٰۃ المصابیح ص۱۹۵) (جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ اس سے ناراض ہو جاتا ہے)

انسان اپنی بھلائی اور بہتری کے لئے جتنی تدبیریں کرتا ہے اور دکھ تکلیف نقصان اور ضرر سے بچنے کے لئے جتنے طریقے سوچتا ہے ان میں سب سے زیادہ کامیاب اور آسان اور موثر طریقہ دعا کرنا ہے نہ ہاتھ پاؤں کی محنت نہ مال کا خرچہ بس دل کو حاضر کر کے دعا کر لی جائے غریب امیر بیمار اور صحت مند مسافر اور مقیم بوڑھا اور جوان مرد ہو یا عورت مجمع ہو یا تنہائی ہر شخص دعا کر سکتا ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **لا تعجزوا فی الدعاء فانہ لن یھلک مع الدعاء احد** (الترغیب والترہیب للحافظ المنذری) (دعا کے بارے میں عاجز نہ بنو کیونکہ دعا کے ساتھ ہوتے ہوئے ہرگز کوئی شخص ہلاک نہ ہوگا)

جو لوگ دعا سے غافل ہوتے ہیں گویا اپنے کو اللہ تعالیٰ کا محتاج نہیں سمجھتے اور ان سے بڑھ کر وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خناس گھسا ہوا ہے وہ دعا کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں آیت بالا میں فرمایا کہ جو لوگ میری عبادت سے یعنی مجھ سے دعا کرنے میں اپنی ذلت محسوس کرتے ہیں اور دعا نہ کرنے میں اپنی شان سمجھتے ہیں ایسے لوگ ذلت کی حالت میں جہنم میں داخل ہوں گے لوگوں کا یہ طریقہ رہ گیا ہے کہ دنیاوی اسباب ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اگر دعا کرتے بھی ہیں تو بس ذرا نام کو ہاتھ اٹھا لیتے ہیں نہ دل حاضر نہ آداب دعا کا خیال ہاتھ اٹھائے اور منہ پر پھیر لئے یہ بھی پتہ نہیں کہ زبان سے کیا کلمات نکلے اور کیا دعا مانگی فضائل دعا کے بارے میں ہم نے مستقبل کتاب لکھ دی ہے اس کا مطالعہ کر لیا جائے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى

اللہ وہی ہے جس نے رات کو پیدا فرمایا تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو ایسی چیز بنائی جس میں دیکھتے بھالتے ہیں بلاشبہ اللہ لوگوں پر فضل فرمانے

النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ

والا ہے اور لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے یہ اللہ ہے تمہارا رب ہے ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں سو تم

اِلَّا هُوَ ۖ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِیْ

کہاں الٹ کر جا رہے ہو اسی طرح الٹے چلائے جاتے ہیں وہ لوگ جو ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں اللہ وہ ہے

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ

جس نے زمین کو تمہارے لئے ٹھہری ہوئی چیز بنا دیا اور آسمان کو چھت بنا دیا اور تمہاری صورتیں بنائیں سو تمہاری اچھی صورتیں بنا دیں اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا

الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ

یہ اللہ ہے تمہارا رب ہے۔ سو بابرکت ہے اللہ جو رب العلمین ہے وہ زندہ ہے کوئی معبود نہیں اسکے سوا تم اسے پکارو اس طرح سے کہ

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

خالص اس کی فرمانبرداری کرنے والے ہو سب تعریف ہے اللہ کیلئے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے لیل ونہار ارض وسماء اُسی نے پیدا فرمائے

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کبیرہ اور اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ بیان فرمائیں ارشاد فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے رات دن بنائے رات میں آرام کرتے ہو سکون اور چین سے رہتے ہو اور دن کو ایسی چیز بنا دی جس میں دیکھتے بھالتے ہو آتے جاتے ہو رزق تلاش کرتے ہو رات اور دن دونوں اسکی بڑی نعمتیں ہیں لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رب ہے وہ ہر چیز کو پیدا فرمانے والا ہے اسی کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ان باتوں کا تقاضا ہے کہ تم اسی کی طرف متوجہ ہو اسی کی عبادت کرو اس کو چھوڑ کر کدھر جا رہے ہو تمہارا کدھر کو رخ ہے معبود برحق کی طرف سے ہٹ کر تمہارا کدھر کو ہے؟ اس کے بعد یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے وہ لوگ ہٹا دیئے جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں یہ اس کی آیات کا انکار کرنا اس بات کا ذریعہ بن جاتا ہے کہ شیاطین الانس والجن ان کو حق سے ہٹا کر دوسری طرف لے جاتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کی مزید چند نعمتوں کا ذکر فرمایا اول یہ کہ اللہ نے تمہارے لئے زمین بنائی جس پر آرام سے رہتے سہتے ہو وہ ہلتی جلتی نہیں ہے اور اس نے آسمان کو تمہارے لئے ایک چھت بنا دیا اوپر دیکھتے ہو تو دل خوش ہوتا ہے اور فرمایا کہ اللہ نے تمہاری صورتیں بنائیں اور اچھی صورتیں بنائیں پھر مزید یہ کرم فرمایا کہ پاکیزہ عمدہ چیزیں عطاء فرمائیں جو کھانے کی چیزیں بھی ہیں اور پہننے کی بھی ہیں اور دوسرے مواقع پر بھی استعمال ہوتی ہیں جس نے تمہیں ان چیزوں سے نوازا یہ اللہ ہے تمہارا رب ہے بابرکت ہے رب العلمین ہے وہ زندہ ہے اس کی حیات ذاتی ہے حقیقی ہے ازلی ابدلی ہے ان باتوں کو سمجھو اور یقین کرو کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے لہٰذا اسی کو پکارو اسی سے مانگو اسی کی عبادت کرو اور ایسی عبادت کرو کہ عبادت اور طاعت خالص اسی کے لئے ہو آخر میں فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے)

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ

آپ فرما دیجئے بلاشبہ میں اس سے منع کیا گیا ہوں کہ ان کی عبادت کروں جن کی اللہ کو چھوڑ کر تم عبادت کرتے ہو جبکہ میرے رب کی

وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

طرف سے میرے پاس واضح نشانیاں آچکی ہیں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العلمین ہی کا فرمانبردار بنوں اللہ وہ ہے جس نے تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے

ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا ۚ وَمِنْكُمْ

پھر جمے ہوئے خون سے پیدا فرمایا پھر تمہیں اس حالت میں نکالتا ہے کہ تم بچے ہوتے ہو پھر تا کہ اپنی طاقت کو پہنچ جاؤ تا کہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور تم میں سے

مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِىْ يُحْىٖ

بعض کو اس سے پہلے اٹھا لیتا ہے اور تا کہ تم اجل مسمّٰی کو پہنچ جاؤ اور تا کہ تم سمجھ حاصل کرو اللہ وہی ہے جو زندہ فرماتا ہے

وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۶۸﴾

اور موت دیتا ہے پھر جب وہ کسی حکم کا فیصلہ فرماتا ہے تو یہی فرمادیتا ہے کہ ہو جا لہٰذا وہ ہو جاتا ہے۔

میں تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کر سکتا مجھے حکم ہوا ہے کہ رب العالمین کی فرمانبرداری کروں

تفسیر: یہ تین آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ مشرکین سے فرمادیں کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے واضح دلائل آ چکے ہیں میں تو صرف اللہ جل مجدہ ہی کی عبادت کروں گا تم اللہ تعالیٰ شانہ کو چھوڑ کر جو غیروں کی عبادت کرتے ہو میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں شرک اختیار کروں مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ رب العالمین جل مجدہ کی خالص فرمانبرداری کروں یہ اعلان کر کے مشرکین کو یہ بتا دیا کہ تم جو یہ امید لئے بیٹھے ہو کہ میں اپنی توحید کی دعوت کو چھوڑ دوں گا یا تمہاری طرف کچھ جھک جاؤں گا یہ تمہارا جھوٹا خیال ہے)

دوسری آیت میں انسان کی تخلیق کے مختلف ادوار بتائے اول تو یہ فرمایا کہ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا یعنی انسان کی ابتدائی تخلیق مٹی سے ہے سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمادیا اس طرح سے ان کی پوری نسل کی اصل مٹی سے ہوگئی اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد انکی نسل کی پیدائش کا اللہ تعالیٰ نے یوں سلسلہ چلایا کہ ہر فرد مرد کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے مرد کا نطفہ عورت کے رحم میں جاتا ہے کچھ عرصے کے بعد یہ نطفہ علقہ یعنی جما ہوا خون بن جاتا ہے پھر یہ جما ہوا خون چبانے کے قابل ایک گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ وہیں رحم مادر میں اسکی صورت بنا دیتا ہے اور وہیں پر ہڈیاں بنا دیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیتا ہے پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق وہ باہر آ جاتا ہے جب باہر آ جاتا ہے تو اس وقت طفل ہوتا ہے اس شان طفولیت سے ہر بچہ گزرتا ہے اس تفصیل کو ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا میں بیان فرمایا ہے۔

انسان کی تخلیق اور اس کی زندگی کے مختلف اطوار وادوار

اس تفصیل اور تفسیر کو بیان کرتے ہوئے سورۃ الحج کے پہلے رکوع اور سورہ المومنون کے پہلے رکوع کو سامنے رکھا گیا ان دونوں جگہ اجمال کی تفصیل ہے اس کے بعد زندگی کے مزید ادوار بیان فرمائے، اولاً ثُمَّ لِتَبْلُغُوٓا اَشُدَّكُمْ فرمایا ای ثم

یبلغوا اشدکم یعنی اللہ نے تمہیں حالت طفلی میں پیدا فرمایا پھر تم کو اتنی زندگی دی کہ طاقت کے زمانہ یعنی جوانی کے زمانہ کو پہنچ گئے جسمانی قوت بھی دی سمجھ بھی دی عقل بھی عنایت فرمائی اور قوت گویائی بھی عطا فرمائی ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا پھر تمہاری جوانی آگے بڑھتی رہی بڑھاپا قریب آتا چلا گیا حتیٰ کہ تم بوڑھے ہو گئے۔

پھر یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص جوان ہو یا ہر شخص بوڑھا ہو اللہ تعالیٰ بعض کو پہلے ہی اٹھا لیتا ہے بہت سے لوگ بڑھاپے پانے سے پہلے ہی جوانی آنے سے پہلے ہی اس دنیا سے اٹھا لئے جاتے ہیں اور موت ان کا صفایا کر دیتی ہے اس کو وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ میں بیان فرمایا پھر فرمایا وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى یعنی مختلف ادوار سے گزرتے ہوئے آخر میں سب کو مقررہ اجل یعنی قیامت کے دن تک پہنچنا ہے یعنی اُس دن حاضر ہونا ہے وہاں سب کی حاضری ہوگی اور جو زندگی دی گئی تھی اس میں جو اعمال کئے اُن کا محاسبہ ہوگا۔

وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ اور تا کہ تم سمجھ لو کہ مختلف ادوار سے جو گزرتے ہو یہ کیوں گزارے جا رہے ہیں اور اس میں حکمتوں اور عبرتوں کی کیا کیا باتیں ہیں۔

تیسری آیت میں یہ بتایا کہ اللہ ہی موت دیتا ہے اور وہی زندہ فرماتا ہے اور اس کے حکم کو کوئی روکنے والا نہیں ہے جب کسی چیز کو وجود میں لانا ہو تو اس کا کن (ہو جا) فرما دینا ہی کافی ہے اُس کا حکم ہوا اور چیز وجود میں آئی فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ جو فرمایا اس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے پیدا فرمانے میں اسباب اور آلات کا محتاج نہیں ہے کسی چیز کو وجود میں لانے کے لئے اس کا ارادہ ہی کافی ہے مزید توضیح کے لئے انوار البیان ص ۱۹۵ ج ا کا مطالعہ کیا جائے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ

اے مخاطب کیا تو نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں کہاں الٹے پھرے جا رہے ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس کتاب کو جھٹلایا اور اس چیز کو جھٹلایا

اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ڐ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾

جس کو ہم نے رسولوں کے واسطہ سے بھیجا سو عنقریب وہ لوگ جان لیں گے جبکہ انکی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں وہ گھسیٹے جائیں گے

فِي الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ

گرم پانی میں پھر ان کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا پھر اُن سے کہا جائے گا کہ وہ معبود غیر اللہ کہاں گئے جنہیں تم شریک بناتے تھے

دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـــًٔا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾

وہ جواب دیں گے کہ وہ تو ہم سے غائب ہو گئے بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی چیز کی عبادت کرتے ہی نہ تھے اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کو

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ

گمراہ فرماتا ہے یہ اس وجہ سے کہ تم زمین میں ناحق اتراتے تھے اور اس وجہ سے تم اکڑ مکڑ کرتے تھے داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ ﴿۷۶﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِیَنَّكَ

اس میں ہمیشہ رہو گے سو بُرا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا سو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے سو اگر ہم آپ کو اس میں سے

بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾

بعض چیزیں دکھا دیں جس کے بارے میں ہم نے انہیں پہلے سے بتا دیا ہے یا ہم آپ کو وفات دے دیں تو ہماری طرف سب لائے جائیں گے

دوزخیوں کا طوقوں اور زنجیروں میں گھسیٹا جانا دوزخ میں داخل ہونا اور ان سے یہ سوال ہونا کہ تمہارے باطل معبود کہاں ہیں

تفسیر: اوپر چند آیات کا ترجمہ ذکر کیا گیا ہے اوّلاً اُن لوگوں کی وعید ذکر فرمائی جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں جھگڑے بازی کرتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اور اللہ کے پیغام کو جھٹلاتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ عنقریب اپنی سزا کو جان لیں گے جبکہ انکی گردنوں میں طوق ہوں گے اور زنجیریں ہوں گی اسی حالت میں فرشتے انہیں گھسیٹتے ہوئے کھولتے ہوئے پانی میں لے جائیں گے پھر یہ لوگ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے وہاں اُن سے دریافت کیا جائے گا کہ اللہ کے سوا تم نے جو معبود بنا رکھے تھے وہ سب کہاں گئے یہ لوگ اول تو یوں کہیں گے کہ وہ سب غائب ہو گئے ہمیں اُن سے کچھ نفع نہیں پہنچا پھر کہیں گے کہ ہم تو کسی کو پوجتے ہی نہ تھے صاحب روح المعانی نے اس کے دو مطلب لکھے ہیں اول یہ کہ آج ہمیں پتہ چلا کہ ہم اللہ کے سوا جن لوگوں کی پوجا کرتے تھے وہ لوگ کچھ بھی نہ تھے معلوم ہوا کہ ہم سب غلطی پر تھے ایسی چیز کی پرستش کی جو لاشی محض تھی دوسرا مطلب یہ لکھا ہے کہ وہ لوگ وہاں غیر اللہ کی پرستش سے انکاری ہو جائیں گے اور قصداً و ارادۃً جھوٹ بولیں گے جیسا کہ سورۃ الانعام میں ہے کہ وہ یوں کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ۔

ان لوگوں کا جواب ذکر کرنے کے بعد فرمایا كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِیْنَ اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کو گمراہ کرتا ہے یہاں اس دنیا میں جس چیز کے نافع ہونے کا خیال باندھے ہوئے ہیں اور اسی خیال سے غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں قیامت کے دن ان معبودان باطلہ کو لاشئ محض قرار دے دیں گے بلکہ ان کی پوجا ہی سے منکر ہو جائیں گے حیرت اور پریشانی کی وجہ سے جھوٹ پر اتر آئیں گے ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ (یہ عذاب اس لئے ہے کہ تم ناحق زمین پر اتراتے پھرتے تھے) وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ اور اس وجہ سے یہ عذاب ہے کہ تم اکڑ مکڑ کرتے تھے) دنیا میں جو نعمتیں تمہیں دی گئیں ان میں لگ کر تم منعم حقیقی سے غافل ہو گئے اور آخرت کو بھول گئے' فرح اور مرح دونوں نے تمہارا ناس کھو دیا اُدْخُلُوْا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا (تم دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس میں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے) فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ (سو برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا جب تمہارے سامنے حق آتا تھا تو حید پیش کی جاتی تھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تمہارے پاس دعوت حق لے کر آتے تھے تو تم ان کی بات قبول کرنے میں اپنی ہیٹی سمجھتے تھے اور انسلٹ جانتے تھے آج اس تکبر کا بدلہ چکھ لو جہنم میں عذاب بھی ہے اور ذلت بھی۔

اوپر جو یسحبون فی الحمیم ثم فی النار یسجرون فرمایا ہے اس پر بعض اہل علم نے یہ اشکال کیا

ہے کہ سورۂ دخان کی آیت ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ سے معلوم ہوتا ہے کہ جحیم کا عذاب حمیم سے پہلے ہے حقیقت میں اس میں کوئی تعارض اور تنافی نہیں ہے کیونکہ سورۂ زمر کی آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ بالکل ابتداء میں داخلہ جحیم سے پہلے حمیم کا عذاب ہوگا دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کبھی حمیم ہو کبھی جحیم ہو اس طرح تقدم اور تاخر ہوتا رہے اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو صبر کی تلقین فرمائی فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ آپ صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے کفر پر جو کافروں کو عذاب ہوگا وہ یقینی ہے فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ہم ان سے جس عذاب کا وعدہ کر رہے ہیں اگر ہم آپ کے سامنے اس میں سے کچھ حصہ آپ کو دکھلا دیں یعنی آپ کی حیات میں اس کا نزول اور ظہور ہو جائے یا اس کے نزول سے پہلے ہی ہم آپ کو وفات دیدیں تو یہ دونوں باتیں ہو سکتی ہیں جو بھی صورت ہو بہر حال ان سب کو ہمارے ہی پاس آنا ہے لہٰذا ہم ان کو آخرت میں کفر کی سزا دے دیں گے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ
اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم نے آپ سے بیان کر دیا اور ان میں بعض ایسے ہیں جن کا تذکرہ ہم نے
عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ
آپ سے بیان نہیں کیا، اور کسی رسول کو یہ قدرت نہیں کہ کوئی نشانی لے آئے مگر اللہ کے اذن سے پھر جب اللہ کا حکم آجائے گا تو حق کے ساتھ
بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ؏
فیصلہ کر دیا جائے گا اور اس وقت باطل والے خسارہ میں رہ جائیں گے۔

ہم نے آپ سے بعض رسولوں کا تذکرہ کر دیا ہے اور بعض کا نہیں کیا، کسی نبی کو اختیار نہ تھا کہ اذنِ الٰہی کے بغیر کوئی نشانی لے آئے

تفسیر: آیت بالا میں دو باتیں ذکر فرمائیں اولاً رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے بڑی تعداد میں رسول بھیجے جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم نے آپ سے کر دیا اور بعض کا تذکرہ نہیں کیا (جن حضرات کا تذکرہ فرمایا ہے سورۂ بقرہ سورۂ مائدہ، سورۂ انعام اور سورۂ اعراف و سورہ ہود اور سورۃ الانبیاء میں اور بعض دیگر سورتوں میں مذکور ہیں یہ اس کے معارض نہیں ہے کہ اجمالی طور پر ان حضرات کی تعداد سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو باخبر فرما دیا ہو تفصیلی اخبار و آثار کا بیان نہ فرمانا اجمالی عدد جاننے کے منافی نہیں، مسند احمد میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ انبیاء کرام کی کتنی تعداد ہے آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار (مزید فرمایا کہ) ان میں تین سو پندرہ رسول تھے۔ (مشکوۃ المصابیح ۵۱۱)

چونکہ یہ حدیث متواتر نہیں ہے اس لئے علماء نے فرمایا کہ ایمان لانے میں حضرات انبیاء کرام علیہم کا خاص عدد ذکر نہ کرے بلکہ یوں عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں ﷺ اور نبیوں پر ایمان رکھتا ہوں۔

دوسری بات یہ بتائی کہ کسی نبی کو یہ قدرت نہ تھی اور نہ یہ اختیار تھا کہ خود سے کوئی معجزہ لے آئے جتنے بھی معجزات امتوں کے سامنے لائے گئے وہ سب اللہ کے اذن اور مشیت سے تھے سابقین انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بھی ان کی امتوں نے اپنی خواہشوں کے مطابق معجزات طلب کئے وہ حضرات خود مختار نہ تھے جو خود سے معجزات پیش کر دیتے اللہ تعالیٰ نے جو معجزہ چاہا ظاہر فرما دیا (آپ سے بھی امت کے لوگ خود تراشیدہ معجزات طلب کرتے ہیں اور اس کے ظاہر نہ ہونے پر آپکی تکذیب کرتے ہیں یہ کوئی بات نہیں ہے انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے آپ تسلی رکھیے اور ان کے حضرت کی طرح صبر کیجئے فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِیَ بِالْحَقِّ پھر جب اللہ کا حکم آئے گا یعنی دنیا میں یا آخرت میں عذاب کا نزول ہو جائے گا تو اس وقت فیصلہ کر دیا جائے گا جو حضرات حق پر ہوں گے انکی نجات ہوگی اور اجر و ثواب ملے گا اور اہل باطل عذاب میں مبتلا ہوں گے وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ اور اس وقت باطل والے خسارہ یعنی ہلاکت اور بربادی میں پڑ جائیں گے لہٰذا آپ انتظار فرمائیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور فیصلہ ہوگا اور حق فیصلہ ہوگا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے مویشی بنائے تاکہ تم اُن میں سے بعض پر سوار ہو اور ان میں بعض کو کھاتے ہو اور تمہارے لئے ان میں منافع ہیں

وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ

اور تاکہ تم اُن پر سوار ہو کر اپنی حاجت پر پہنچو جو تمہارے سینوں میں ہے اور اُن پر اور کشتیوں پر لدے ہوئے پھرتے ہو اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے

فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

سو اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا انکار کرو گے کیا وہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے سو وہ دیکھ لیتے کیا انجام ہوا اُن لوگوں کا جو اُن سے پہلے تھے

الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا

وہ ان سے زیادہ تھے اور ان سے قوت میں بھی سخت تھے اور زمین میں بھی انکی نشانیاں بہت ہیں سو انکی کمائی اُن کے

كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ

کچھ کام نہ آئی سو جب اُنکے پاس ہمارے رسول دلیلیں لے کر آئے تو جو علم انکے پاس تھا اسکی وجہ سے بڑے اترائے اور ان پر وہ

بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا

عذاب نازل ہو گیا جس کا مذاق بنایا کرتے تھے سو جب اُنہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھا تو کہنے لگے ہم ایمان لائے اللہ پر جو تنہا ہے

كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ

اور ہم جن چیزوں کو اللہ کا شریک بناتے تھے اُن کے منکر ہیں سو اُن کے ایمان نے انکو کچھ نفع نہ دیا جب اُنہوں نے ہمارا عذاب دیکھا اللہ کی سنت ہے جو اس کے

خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

بندوں میں گزر چکی ہے اور اس موقع پر کفر کرنے والے خسارہ میں رہ گئے۔

چوپائیوں اور کشتیوں کی نعمت کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں یاد دلائیں اور مخاطبین کو توجہ دلائی کہ زمین میں چل پھر کر پرانی اُمتوں کے نشانات دیکھیں اور ان کی ہلاکت سے عبرت حاصل کریں فرمایا اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے پیدا فرمائے ان چوپاؤں پر سوار بھی ہوتے ہو اور انکا گوشت بھی کھاتے ہو اور انمیں دیگر منافع بھی ہیں مثلاً دودھ پیتے ہو ان کے بالوں سے اور اُون سے اور چمڑوں سے نفع حاصل کرتے ہو ان پر جو سفر کرتے ہو یا اسفار ایسے نہیں کہ صرف تم ہی کو یہ جانور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیں بلکہ تم انہیں بوجھ منتقل کرنے کے لئے بھی استعمال کرتے ہو ان پر مال لاد کر ایک شہر سے دوسرے شہر لے جاتے ہو پھر اُسے وہاں فروخت کرتے ہو پھر وہاں سے مال خرید کر انکی کمروں پر باندھ کر لے آتے ہو اس طرح سے تمہاری حاجتیں پوری ہوتی ہیں صاحب روح المعانی نے بعض مفسرین سے نقل کیا کہ چونکہ اس پہلی آیت میں جانوروں پر سوار ہونے کا ذکر آچکا ہے اس لئے یہاں بچوں اور عورتوں کے سوار کئے جانے کا ذکر ہے کیونکہ یہ دونوں ضعیف مخلوق ہیں بڑے تو ہمت کر کے ایک شہر سے دوسرے شہر بھی جا سکتے ہیں لیکن ان دونوں جنسوں کے افراد سفر نہیں کر سکتے اسلئے اس میں مجہول کا صیغہ تُحۡمَلُوۡنَ لایا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ جب تم چھوٹے چھوٹے تھے تم کو ان جانوروں پر سوار کیا جاتا تھا۔

وَيُرِيۡكُمۡ اٰيٰتِهٖ اور اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے فَاَىَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنۡكِرُوۡنَ سو تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں بہت ہیں اور وہ خوب ظاہر بھی ہیں سب کے سامنے ہیں انکار کرنے کا کوئی موقعہ نہیں صحیح عقل والا انسان ان کا انکار نہیں کر سکتا جب ان سے انکار نہیں تو توحید کے کیوں قائل نہیں ہوتے اور شرک پر کیوں جمے ہوئے ہو۔

گزشتہ قوموں کی بربادی کا تذکرہ

اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ (الٰی اخر السورۃ) کیا ان لوگوں نے سفر نہیں کیا اور نافرمان پرانی اُمتوں کے مکان اور کھنڈر اور کنوئیں اور اینٹ پتھر نہیں دیکھے؟ دیکھے ہیں اور بار بار دیکھے ہیں اُن امتوں کا انجام بھی دیکھ چکے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ لوگ ان سے عدد میں بڑھ کر تھے اور طاقت میں بھی زیادہ تھے اور زمین میں انکے نشانات بھی بہت ہیں انہوں نے مضبوط قلعے بنائے پتھروں کو تراش کر گھر بنائے لیکن رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے عذاب آیا تو سب چیزیں دھری رہ گئیں جو کچھ کماتے تھے وہ کچھ بھی کام نہ آیا۔

جب اللہ کے رسول کھلے ہوئے معجزات اور آیات واضحات لے کر آئے تو ان لوگوں نے رسولوں کی باتوں کی طرف دھیان نہیں دیا اور اپنے پاس جو دنیاوی چیزوں کا علم تھا یا جہل کو علم سمجھ رکھا تھا اسی پر اتراتے رہے اور حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے جو تکذیب پر عذاب آنے کی خبر دی گئی تھی اس کا مذاق اُڑاتے تھے اُس نے ان کو تباہ کر دیا قرآن کے مخاطبین پر لازم ہے کہ اُن لوگوں کے حالات اور ان لوگوں کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔

جب اُن لوگوں پر عذاب آیا تو کہنے لگے کہ ہم اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کے سوا ہم نے جنکی عبادت کی اور انہیں عبادت الٰہیہ میں شریک کیا آج ہم اُسکے منکر ہوتے ہیں لیکن جب انہوں نے عذاب دیکھ لیا تو ایمان کی باتیں کرنے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا ایمان اس وقت نافع ہوتا ہے جب عذاب آنے سے پہلے ایمان قبول کر لیا جائے اللہ تعالیٰ کی یہی عادت رہی کہ تکذیب کی وجہ سے جب بندوں پر عذاب آیا تو اس وقت ان کا ایمان لانا مقبول نہ ہوا بہر حال ہلاک کر دیئے گئے وَخَسِرَ هُنَالِكَ الۡكٰفِرُوۡنَ اور اس موقعہ پر کافر لوگ خسارہ ہی میں پڑ گئے) ولا یستثنی من ذٰلک الا قوم یونس علیه السلام کما جاء مصر حاً فی سورۃ یونس علیه السلام. پس مخاطبین قرآن پر لازم ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک پر اور اس کے آخری نبی پر اور اس کے دین پر ایمان لائیں تاکہ سابقہ امتوں کی طرح ہلاک نہ ہو جائیں۔

وھذا آخر تفسیر سورۃ الغافر، والحمد للہ العزیز الغافر والصلوۃ علی النبی الطیب الطاھر، وعلی من اتبع سنۃ من کل ذاکر و شاکر

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ حٰمٓ السجدۃ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں چون آیات اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۳

حٰمٓ ۝ یہ کلام ہے نازل کیا گیا ہے رحمٰن رحیم کی طرف سے یہ کتاب ہے جس کی آیتیں مفصل طریقہ پر بیان کی گئی ہیں یعنی یہ قرآن ہے جو عربی ہے ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں،

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝۴ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ

بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے سو ان میں سے اکثر لوگوں نے اعراض کیا سو وہ لوگ نہیں سنتے اور انہوں نے کہا جس چیز کی طرف ہمیں بلاتے ہیں اس کے بارے میں ہمارے دل پردوں میں ہیں

وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝۵

اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے سو تم کام کئے جاؤ بیشک ہم کام کرنے والے ہیں۔

قرآن کی آیات مفصل ہیں، وہ بشیر ہے اور نذیر ہے، منکرین اس سے اعراض کرتے ہیں

تفسیر: حٰمٓ ۝ یہ حروف مقطعات میں سے ہے اس کا معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے اسکے بعد دو آیتوں میں قرآن مجید کی صفات بیان فرمائی، اول یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے جو رحمٰن ہے اور رحیم ہے یعنی بہت بڑا مہربان ہے بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے اسکی رحمت کا تقاضا ہوا کہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے کتاب نازل فرمائے دوم یہ کہ قرآن ایسی کتاب ہے جس کی آیات مفصل ہیں یعنی خوب صاف صاف بیان کی گئی ہیں سوم یہ فرمایا کہ یہ قرآن کی آیات ہیں جو عربی ہے اس کے اولین مخاطب اہل عرب ہیں اسکا سمجھنا ان کے لئے آسان ہے اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے چونکہ بہت اعلیٰ ہے اس لئے بطور معجزہ اہل عرب پر اس کے ذریعہ حجت قائم ہو چکی ہے اب جو شخص ایمان نہ لائے گا اپنا برا کرے گا یوں تو قرآن سب ہی کو حق کی دعوت دیتا ہے اور سب ہی پر اس کا ماننا اور اس پر ایمان لانا فرض ہے لیکن اہل علم ہی اس سے مستفید اور منتفع ہوتے ہیں اس لئے لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ فرمایا چہارم بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فرمایا کہ قرآن اپنے ماننے والوں کو بشارت دینے والا ہے اور منکرین کو ڈرانے والا ہے اس کے بعد لوگوں کی روگردانی کا تذکرہ فرمایا باوجود یہ کہ قرآن خوب اچھی طرح واضح طور بیان فرماتا ہے بشیر بھی ہے اور نذیر بھی پھر بھی اکثر لوگ اس کی طرف سے اعراض یعنی روگردانی کرتے ہیں اور ساری سنی ان سنی کر دیتے ہیں گویا کہ انہوں نے سنا ہی نہیں اسی کو فرمایا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ اور نہ صرف یہ کہ ایمان نہ لائے اور جو کچھ سنا تھا اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے بلکہ رسول اللہ ﷺ سے خطاب کر کے یوں کہنے لگے کہ

ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے تمہاری دعوت نہ ہمارے کان سننے کو تیار ہیں اور نہ ہمارے دلوں کو اس کا قبول کرنا گوارہ ہے اور مزید یوں کہا کہ تم اگرچہ حسی اور جسمانی طور پر قریب ہو لیکن حقیقت میں ہمارے اور تمہارے درمیان بُعد ہے اور پردہ ہے جو کچھ کہو ہم سننے اور ماننے والے نہیں ان لوگوں نے یہ بھی کہا فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ کہ آپ اپنا عمل کرتے رہیں ہم اپنے دین کے مطابق عمل کرتے رہیں گے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ تمہارا کاٹ کریں گے یہ کہہ کر دعوت حق سننے اور قبول کرنے سے بالکل ہی انکاری ہو گئے۔ ان لوگوں نے جو یہ کہا کہ ہمارے دلوں پر پردے ہیں اور کانوں میں ڈاٹ ہے چونکہ اس سے اصرار علی الکفر مقصود تھا اس لئے وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً وَّفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا اس کے منافی نہیں ہے جس میں جَعْلُ الْاَكِنَّةِ عَلَى الْقُلُوْبِ کی نسبت اللہ جل شانہ کی طرف کی گئی ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ

آپ فرما دیجئے میں تو تمہارا ہی جیسا بشر ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے لہٰذا تم ٹھیک طریقہ پر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے استغفار کرو؛

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جو شرک کرنے والے ہیں جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں؛ بلاشبہ جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝

ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے اجر ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔

آپ فرما دیجئے میں تمہارا ہی جیسا بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے، مشرکین کیلئے ہلاکت ہے اور اہلِ ایمان کیلئے ثواب ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا

تفسیر: قرآن کے مخاطبین جو یہ کہتے تھے کہ ہم تمہیں کیسے اللہ کا نبی مانیں تم تو ہماری ہی طرح کے آدمی ہو اس کا جواب دے دیا کہ میں ہوں تو تمہارا ہی جیسا آدمی لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی فضیلت اور خصوصیت عطاء فرمائی ہے جو تم میں نہیں ہے اور وہ یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت سے نوازا ہے چونکہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں اس لئے میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی بات پہنچاتا ہوں تمہارا معبود ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ شانہ جس نے سب کو پیدا فرمایا عقلِ صحیح کا بھی تقاضا ہے کہ خالق تعالیٰ شانہٗ کی طرف متوجہ ہوں اور اس کے حکموں کو مانیں اور ہر طرح کی کجی اور بے راہی اور ٹیڑھے پن سے دور رہا جائے تم سیدھی راہ چلو اللہ تعالیٰ کو واحد مانو اور صحیح طریقہ پر اس کا دین اختیار کرو اور یہ نہ سمجھو کہ ہماری بخشش کیسے ہوگی، شرک اور کفر ہے تو بہت بڑی بغاوت لیکن جب کوئی کافر اور مشرک توبہ کر لے یعنی کفر اور شرک کو چھوڑ کر ایمان قبول کر لے تو پچھلا سب کچھ معاف ہو جاتا ہے لہٰذا تم ایمان قبول کرو اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو۔

اس کے بعد مشرکین کی ہلاکت اور بربادی بیان فرمائی فَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ اور بربادی ہے مشرکوں کے لئے

اَلَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ادا نہیں کرتے (نماز کی تو کیا پابندی کریں گے جو بڑا کام ہے وہ تو مال خرچ نہیں کر سکتے جو معمولی چیز ہے ہاتھ کا میل ہے بخل ان پر مسلط ہے وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔

بعض حضرات نے لَا یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ کا معروف معنی نہیں لیا لغوی معنی لے کر اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ اپنے نفسوں کو شرک سے پاک نہیں کرتے اور ایمان سے متصف نہیں ہوتے اس کے بعد اہل ایمان کا ثواب بتایا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کیلئے اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ

آپ فرما دیجئے کیا تم ایسی ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا فرمایا اور تم اس کے لئے شریک تجویز کرتے ہو وہ سارے

الْعٰلَمِیْنَ ۚ﴿۹﴾ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ

جہانوں کا رب ہے اور اس نے زمین میں پہاڑ بنا دیئے جو اس کے اوپر موجود ہیں اور اس نے زمین میں برکت دی اور اس نے زمین میں اس کی غذائیں مقرر کر دیں چار

اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا

دن میں یہ پورے ہیں پوچھنے والوں کے لئے پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی اس حال میں کہ وہ دھواں تھا سو اس نے آسمان اور زمین سے فرمایا تم دونوں خوشی سے آؤ

اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ

یا زبردستی سے دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی کے ساتھ حاضر ہیں، سو اس نے دو دن میں سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب

اَمْرَهَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۱۲﴾

حکم بھیج دیا، اور ہم نے قریب والے آسمان کو ستاروں سے زینت دے دی اور حفاظت کی چیز بنا دی یہ تقدیر ہے عزیز کی علیم کی۔

زمین و آسمان کی تخلیق کا تذکرہ ان دونوں سے اللہ تعالیٰ کا خطاب اور ان کا فرمانبرداری والا جواب

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کی دعوت دی ہے اور شرک کی شناعت اور قباحت بیان فرمائی نیز آسمان اور زمین کے پیدا فرمانے اور آسمان و زمین سے متعلقہ امور بیان فرمائے۔

ارشاد فرمایا کیا تم اس ذات پاک کی توحید کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا فرما دیا اتنی بڑی زمین کا وجود سمجھدار عقلمند انسان کے لئے یہ یقین دلانے کے لئے کافی ہے کہ اس کا پیدا فرمانے والا وحدہ لاشریک ہے اس کی توحید کے قائل ہونے کے بجائے تم نے یہ کر رکھا ہے کہ اس کے لئے شریک ٹھہرا دیئے جنہیں تم اس کے برابر سمجھتے ہو انہوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا اور وہ خود پیدا فرمانے والے کے پیدا کرنے سے وجود میں آئے ہیں وہ اپنے خالق کا برابر اور ہمسر اور شریک اور مقابل کیسے ہو سکتا ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے جس ذات پاک نے زمین کو پیدا فرمایا ہے وہ سارے جہانوں

کا مالک ہے اور پروردگار ہے تم اور تمہارے باطل معبود اسی خالق جل مجدہ کی مخلوق اور مملوک ہیں۔

خالق کائنات جل مجدہ نے صرف زمین ہی کو پیدا نہیں فرمایا زمین میں طرح طرح کی چیزیں پیدا فرمائیں دیکھو اس نے زمین کے اوپر بوجھل اور بھاری پہاڑ پیدا فرمادیئے اور زمین میں برکت رکھ دی صاحب روح المعانی ارشاد فرماتے ہیں: قدر سبحانہٗ ان یکثر خیرھا بان یکثر فیھا النباتات وانواع الحیوانات التی من جملتھا الانسان (یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین میں خیر و برکت رکھ دی اور وہ اس طرح سے کہ اس میں طرح طرح کے نباتات اور حیوانات پیدا فرمادیئے جاندار چیزوں میں انسان بھی ہے۔

زمین میں غذائیں بھی رکھ دیں جو انسانوں اور حیوانوں کے کام آتی ہیں یہ غذائیں زمین سے نکلتی ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے پھل میوے سبزیاں اور دیگر کھانے کی چیزیں پیدا فرمائیں اور پہلے سے تجویز فرمادیا کہ کتنی کتنی چیزیں پیدا ہوں گی اور کہاں کہاں کس کس علاقہ میں پائی جائیں گی اور کس کے حصہ میں کتنی خوراک آئے گی فی روح المعانی بین کمیتھا واقدارھا وقال فی الارشاد ای حکم بالفعل بأن یوجد فیما سیاتی لاھلھا من الانواع المختلفۃ اقواتھا المناسبۃ لھا علی مقدار معین تقتضیہ الحکمۃ. (روح المعانی میں ہے کہ روزی کی مقدار و انداز واضح فرمادیا اور الارشاد میں ہے یعنی بالفعل حکم دیدیا کہ اہل زمین کیلئے مختلف انواع کی روزی جو ان کے مناسب ہوگی حکم کے مطابق معین مقدار میں موجود رہے گی)

فِیْٓ اَرْبَعَۃِ اَیَّامٍ یہ مذکورہ کام چار دن میں ہوئے یعنی دو دن میں زمین پیدا فرمائی اور دو دن میں پہاڑوں کی پیدائش فرمائی اور برکت کا رکھ دینا اور روزیوں کا مقرر فرمانا ہوا چونکہ دیگر آیات میں آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان چیزوں کی تخلیق چھ دن میں بتائی ہے اس لئے مفسرین کرام نے مذکورہ بالا تفسیر اختیار کی ہے دو دن زمین کے پیدا فرمانے کے اور دو دن دوسری چیزوں کے (جو مذکور ہوئیں) اور دو دن آسمانوں کی تخلیق کے جن کا ذکر ابھی آتا ہے۔ ان شاء اللہ۔

سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ یہ پورے چار دن ہیں پوچھنے والوں کے لئے تفسیر در منثور میں بحوالہ حاکم اور بیہقی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بارے میں سوال کیا آپ نے انہیں جواب دے دیا پھر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی اور اس کے آخر میں فرمایا سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ کہ یہ چار دن ہیں پورے ان لوگوں کے جواب میں جو سوال کرنے والے ہیں۔

اس کے بعد آسمانوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ (الایتین) پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ اس وقت دھواں تھا یعنی اس کا مادہ دخان کی صورت میں تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا فرمایا اور زمین اور آسمان دونوں سے فرمایا کہ تم دونوں کو ہمارے حکم کے مطابق آنا لازم ہوگا خوشی سے آؤ یا زبردستی سے یعنی ہمارے احکام تکوینیہ جو تم دونوں میں جاری ہوں گے ان کے مطابق ہی تمہیں رہنا لازم ہوگا صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ طَوْعًا اَوْ کَرْھًا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جو تمہارے اندر تاثیر ہوگی اسی کے مطابق ہوگا تم اس کے خلاف نہیں کر سکتے اور یہ مقصد نہیں ہے کہ انہیں ماننے نہ ماننے کا اختیار دے دیا قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ آسمانوں اور زمین دونوں زمین نے عرض کیا کہ ہم خوشی کے ساتھ فرمانبرداری کے لئے حاضر ہیں۔

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ (سو اللہ تعالیٰ نے دو دن میں سات آسمان بنا دیئے وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا (اور ہر آسمان میں اس کے مناسب اپنا حکم بھیج دیا) یعنی جن فرشتوں سے جو کام لینا تھا وہ ان کو بتا دیا۔

وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَحِفْظًا (اور ہم نے قریب والے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور ان ستاروں کو حفاظت کا ذریعہ بنا دیا شیاطین اوپر کی باتیں سننے کے لئے اوپر جاتے ہیں تو یہ ستارے انہیں مارتے ہیں جیسا کہ سورۃ الملک کی آیت وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ میں بیان فرمایا ہے۔

ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (یہ تقدیر ہے یعنی طے کردہ امر ہے اس ذاتِ پاک کی طرف سے جو عزیز یعنی زبردست ہے اور علیم ہے)

سورۂ بقرہ کی آیت هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا اور سورۂ حٰمٓ سجدہ کی آیت بالا اور سورۃ النازعات کی آیت وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ان سب کو ملانے سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے زمین کا مادہ بنایا اور اس کے اوپر بھاری پہاڑ پیدا فرما دیئے پھر سات آسمان بنا دیئے جو بنانے سے پہلے دھوئیں کی صورت میں تھے اس کے بعد زمین کے مادہ کو موجودہ صورت میں پھیلا دیا۔

قریش کے انکار و عناد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آیاتِ بالا پڑھ کر سنانا

تفسیر: قرطبی ۳۴۸ ج ۱۵ میں لکھا ہے کہ ایک دن قریش نے آپس میں یوں کہا جن میں ابو جہل بھی تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہمارے لئے اشکال کا باعث بن گیا ہے (واضح طور پر ہم اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر ہیں) تم ایسا کرو کہ ایسے شخص کو تلاش کرو جو شاعر بھی ہو اور کاہن بھی اور ساحر بھی ایسا شخص ان کے پاس جائے اور گفتگو کر کے واپس آئے اور ہمیں واضح طور پر بتا دے کہ ان کے دعوی کی کیا حقیقت ہے یہ سن کر عتبہ بن ربیعہ نے کہا کہ اللہ کی قسم میں کہانت اور شعر اور سحر تینوں سے واقف ہوں اگر ان تینوں میں سے کوئی چیز ہوگی تو مجھے پتہ چل جائے گا ان لوگوں نے کہا کہ اچھا تم محمد (علیہ السلام) کے پاس جاؤ اور بات چیت کرو۔

عتبہ بن ربیعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اے محمد آپ بہتر ہیں یا قصی بن کلاب؟ آپ بہتر ہیں یا ہاشم؟ آپ بہتر ہیں یا عبدالمطلب؟ آپ بہتر ہیں یا عبداللہ؟ (مطلب یہ تھا کہ یہ آپ کے آباؤ اجداد ہیں آپ ان کے دین کو باطل بتاتے ہیں) آپ ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں اور ہمارے باپ دادوں کو گمراہ بتاتے ہیں اور ناسمجھ بتاتے ہیں اور ہمارے دین کو برا کہتے ہیں (ان سب باتوں سے آپ کا مقصد کیا ہے اگر آپ سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو سردار بنا لیتے ہیں جب تک آپ زندہ رہیں اور اس کے اظہار اور اعلان کے لئے جھنڈے کھڑے کر دیتے ہیں اور اگر آپ کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی شادی ہو جائے تو ہم قریش کی دس لڑکیوں سے آپ کا نکاح کر دیتے ہیں جنہیں آپ چاہیں اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو ہم آپ کے لئے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ اس کی وجہ سے آپ اور آپ کے بعد آنے والے آل و اولاد سب کو بے نیاز کر دیں گے اور اگر یہ بات ہے کہ جو کچھ آپ کی زبان سے نکلتا ہے یہ جنات کا کوئی اثر ہے تو بتا دیجئے ہم مال جمع کریں گے اور آپ کا علاج کرا دیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب باتیں خاموشی کے ساتھ سنتے رہے

جب عتبہ اپنی باتیں کہہ چکا تو آپ نے فرمایا کہ اے ابوولید تو اپنی باتوں سے فارغ ہوگیا؟ (ابوولید عتبہ کی کنیت تھی) عتبہ نے کہا کہ ہاں میں کہہ چکا! آپ نے فرمایا سن! کہنے لگا سنایئے آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سورۃ حٰمٓ السجدۃ پڑھنا شروع کیا اور فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ تک پڑھتے چلے گئے آپ یہاں تک پہنچے تھے کہ عتبہ کود پڑا اور آپ کے منہ مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور اللہ کی قسم دی کہ آپ خاموش ہو جائیں اس کے بعد وہ اپنے گھر چلا گیا اور قریش کی مجلس میں نہ آیا ابوجہل نے اس سے کہا کیا تو بے دین ہو کر محمد ﷺ کی طرف ڈھل گیا یا تجھے محمد ﷺ کا کھانا پسند آگیا، یہ سن کر عتبہ غصہ ہوگیا اور اس نے قسم کھائی کہ محمد ﷺ سے کبھی بھی بات نہ کروں گا۔

اس کے بعد عتبہ نے کہا اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ میں قریش میں سب سے زیادہ مال والے لوگوں میں سے ہوں (مال یا طعام کی وجہ سے میں خاموش نہیں ہوا) لیکن بات یہ ہے کہ جب میں نے محمد علیہ السلام سے گفتگو کی انہوں نے جو مجھے جواب دیا اس سے میں نے یہ سمجھ لیا کہ نہ وہ شعر ہے نہ کہانت ہے نہ جادو ہے۔ اس کے بعد عتبہ نے (مِثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ) تک آیات سنا دیں جو رسول اللہ ﷺ سے سنی تھیں اور اس نے بتایا کہ میں نے ان کا منہ پکڑ لیا اور قسم دی کہ آگے نہ پڑھیں، سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے عتبہ نے مزید کہا کہ تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ نے جب کبھی بھی کوئی بات کہی ہے جھوٹ نہیں بولا میں ڈر گیا کہ تم لوگوں پر عذاب نازل نہ ہو جائے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عتبہ بن ربیعہ کے سامنے سورۂ حٰمٓ سجدہ کے شروع سے آیت سجدہ تک تلاوت کی، عتبہ کان لگا کر سنتا رہا آنحضرت ﷺ نے جب قرأت ختم کر دی تو فرمایا اے ابوالولید تو نے سن لیا جو میں نے کہا آگے تو جانے (یا تو ایمان لائے یا نہ لائے، عذاب میں گرفتار ہو تو جانے۔

عتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس سے اٹھا اور قریش کی مجلس میں پہنچا وہ اس کی صورت دیکھتے ہی کہنے لگے کہ اللہ کی قسم ابوولید کا رخ بدلا ہوا ہے یہ دوسرا چہرہ لے کر آیا ہے اس کے بعد عتبہ سے قریش نے کہا اے ابوالولید تو کیا خبر لایا؟ کہنے لگا اللہ کی قسم محمد ﷺ سے میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ اس جیسا کبھی نہیں سنا میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ نہ شعر ہے نہ کہانت ہے لہٰذا اس مسئلہ میں تم میری بات مان لو محمد ﷺ کو ان کے حال پر چھوڑ دو (ﷺ) اور انہیں کچھ نہ کہو اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ ان کی باتوں کا ضرور چرچا ہوگا کہ اگر اہل عرب نے ان کو ختم کر دیا تو دوسروں کے ذریعہ تمہارا کام چل جائے گا اور اگر محمد ﷺ بادشاہ بن گئے یا ان کی نبوت کا مظاہرہ ہوگیا تو تمہیں اس کی سعادت پوری طرح نصیب ہو جائیگی کیونکہ ان کا ملک تمہارا ہی ملک ہوگا اور ان کا شرف تمہارا ہی شرف ہے یہ سن کر قریش کہنے لگے۔ اے ابوالولید محمد ﷺ نے تجھ پر جادو کر دیا ہے عتبہ نے کہا کہ یہ میری رائے ہے آگے تم جو چاہو کرو۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ

پھر اگر وہ اعراض کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں تمہیں ایسی آفت سے ڈراتا ہوں جیسی آفت عاد و ثمود پر آئی جبکہ ان کے پاس ان کے آگے سے اور پیچھے سے رسول

مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا

آئے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو انہوں نے کہا کہ اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے نازل فرما دیتا سو بلاشبہ

بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا

ہم اس چیز کے منکر ہیں جو تم دے کر بھیجے گئے ہو' پھر وہ لوگ جو عاد والے تھے انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور کہنے لگے کہ

قُوَّةً ۗ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

قوت میں ہم سے زیادہ کون ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس ذات نے انہیں پیدا فرمایا وہ قوت میں ان سے زیادہ ہے اور وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے'

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْىِ فِى الْحَيٰوةِ

سو ہم نے ان کے اوپر منحوس دنوں میں تیز ہوا بھیج دی تا کہ ہم انہیں دنیا والی زندگی

الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا

میں ذلت کا عذاب چکھادیں' اور یہ بات واقعی ہے کہ آخرت کا عذاب اس سے بڑھ کر رسوائی والا ہے اور ان کی مدد نہ کی جائے گی' اور وہ لوگ جو قوم ثمود والے تھے سو ہم نے

الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيْنَا

انہیں ہدایت دی تو انہوں نے ہدایت کے مقابلہ میں اندھے پن کو پسند کیا سو انہیں عذاب کی آفت نے پکڑ لیا جو سراپا ذلت تھا ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے' اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾

جو ایمان لائے اور ڈرا کرتے تھے۔

حق سے اعراض کرنیوالوں کو تنبیہ اور تہدید عاد و ثمود کی بربادی کا تذکرہ

تفسیر: ان آیات میں قرآن کریم کے مخاطبین کو تنبیہ فرمائی ہے کہ تمہارے سامنے واضح طور پر دلائل آ چکے ہیں نشانیاں دیکھ چکے ہو ان سب کے باوجود پھر بھی اعراض کرتے ہو ایمان نہیں لاتے لہٰذا سمجھ لو کہ عذاب آ جائے گا تم سے پہلے ایسی امتیں گزری ہیں جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا پھر ان کو عذاب نے آ دبایا' عاد و ثمود (دو قومیں گزر چکی ہیں انہوں نے اپنے اپنے رسول کی تکذیب کی پھر مبتلائے عذاب ہوئے اور ہلاک ہوئے ان پر جو عذاب کی مصیبت آئی میں تمہیں اس جیسی آفت سے ڈراتا ہوں' اللہ تعالیٰ کے پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس آئے انہوں نے ان کو توحید کی دعوت دی کہ اللہ کے سواء کسی کی عبادت نہ کرو یہ لوگ دلیل سے دین توحید کی تردید نہ کر سکے اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شخصیات پر اعتراض کرنے لگے' کہنے لگے کہ تم تو آدمی ہو جیسے ہم ویسے تم اگر اللہ تعالیٰ کو رسول بھیجنے ہی تھے تو کیا اس کے لئے تم ہی رہ گئے ہو اگر وہ چاہتا تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیج دیتا تم جو یہ کہتے ہو کہ ہم اللہ کے پیغمبر ہیں اور ایسے ایسے احکام لے کر آئے ہیں اور توحید کی دعوت ہمارا کام ہے ہم ان سب باتوں کے منکر ہیں۔

یہ تو دونوں قوموں کی مشترکہ باتیں تھیں اب الگ الگ بھی ان کا حال سنیں قوم عاد بڑے ڈیل ڈول والے تھے انہیں اپنی قوت اور طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا اس کی وجہ سے انہوں نے تکبر کی راہ اختیار کی اور بڑے غرور کے ساتھ کہنے لگے کہ

مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (کہ وہ کون ہے جو طاقت میں ہم سے بڑھ کر ہے) انسان کی بے وقوفی دیکھو کہ وہ دنیا میں اموال واولاد اور قوت اور طاقت پر گھمنڈ کر لیتا ہے اور تکبر میں آ کر بڑی بڑی باتیں کہہ جاتا ہے فرض کرو موجودہ مخلوق میں کوئی بھی مقابل نہ ہو تو جس نے پیدا فرمایا اس کی قوت تو بہر حال سب سے زیادہ ہے اور بہت زیادہ ہے ان لوگوں نے اپنے خالق تعالیٰ شانہ پر نظر نہ کی اور تکبر کی بات کہہ دی ان کی اس بیوقوفی کو ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ طاقت کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے جس نے انہیں پیدا فرمایا۔

وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ (اور یہ لوگ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے واضح دلائل دیکھتے ہوئے اور جانتے بوجھتے انہوں نے حق سے منہ موڑا اور اس کے قبول کرنے سے انکار کیا۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا (سو ہم نے ان پر تیز ہوا بھیج دی فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ (منحوس دنوں میں) لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا تا ہم انہیں دنیا والی زندگی میں ذلت کا عذاب چکھائیں اور اسی عذاب پر بس نہیں ان کے لئے آخرت میں بھی عذاب ہے اور وہ اس دنیا والے عذاب سے بڑھ کر زیادہ ذلت اور رسوائی والا ہوگا وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ اور وہاں ان کی مدد نہ کی جائے گی یہ جو مال ودولت اور افراد اولاد پر گھمنڈ ہے سب دھرا رہ جائے گا سورۃ الحاقہ میں فرمایا ہے سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ قوم عاد پر جو تیز ہوا بھیجی تھی وہ سات رات اور آٹھ دن ان پر مسلط فرما دی تھی سوائے مخاطب تو اس قوم کو اس طرح گرا ہوا دیکھتا کہ گویا وہ گری ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں) یہ لوگ بڑے ڈیل ڈول والے تھے اپنی قوت پر گھمنڈ کئے ہوئے تھے تند وتیز ہوا نے بالکل ہی ان کا ناس کھو دیا کھجوروں کے تنوں کی طرح زمین پر گر گئے سورۂ القمر میں اسی کو كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ فرمایا ہے۔

احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نحوست کوئی چیز نہیں ہے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو گھر میں اور گھوڑے میں اور عورت میں ہوتی (رواہ ابوداؤد کمافی المشکوٰۃ ۳۹۲) قوم عاد کے بارے میں جو یہ فرمایا کہ منحوس دنوں میں ان پر تیز ہوا بھیج دی یہ ان کیساتھ خاص ہے یہ بات نہیں ہے کہ وہ دن سب کیلئے منحوس ہیں اگر ایسا ہوتا تو سارے ہی دن منحوس ہوتے کیونکہ یہ ان پر ایک ہفتہ سے زیادہ تیز ہوا چلی۔

اس کے بعد قوم ثمود کا حال بیان فرمایا وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ اور رہے ثمود سو ہم نے انہیں ہدایت دی یعنی ان کی طرف نبی بھیجا جس نے انہیں حق کا راستہ بتایا اور توحید کی دعوت دی انہوں نے سمجھ سے کام نہ لیا ہدایت کو اختیار نہ کیا اور اندھا رہنے یعنی گمراہی کو ترجیح دی جب ہدایت کو نہ مانا تو انہیں عذاب کی مصیبت نے پکڑ لیا اور وہ اپنے برے کرتوتوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے' صاعقہ کا اصل معنی بجلی کا ہے' جو بارش کے دنوں میں چمکتی ہے اور کبھی کبھی اس سے مطلق آفت بھی مراد لے لیتے ہیں۔

وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور ڈرتے تھے) یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف کھاتے تھے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَآءُ اللّٰهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٩﴾ حَتّٰىٓ إِذَا مَا جَآءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ

اور جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف جمع کئے جائیں گے پھر وہ روکے جائیں گے یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس آ جائیں گے تو ان کے کان

وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٠﴾ وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا ۖ قَالُوٓا

اور آنکھیں اور کھالیں ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ جواب میں کہیں گے

أَنطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِىٓ أَنطَقَ كُلَّ شَىْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢١﴾ وَمَا كُنتُمْ

کہ ہمیں اللہ نے بولنے والا بنا دیا جس نے ہر چیز کو بولنے والا بنایا ہے اور اس نے تمہیں پہلی بار پیدا فرمایا اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور تم اس وجہ سے

تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلٰكِن ظَنَنتُمْ

پوشیدہ نہیں ہوتے تھے کہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں گے اور لیکن تم نے یہ خیال کیا تھا

أَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٢﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِى ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ أَرْدٰكُمْ

کہ اللہ بہت سے اُن اعمال کو نہیں جانتا جنہیں تم کرتے ہو اور تمہارا یہ گمان جو تم نے اپنے رب کے بارے میں کیا اس نے تمہیں ہلاک کر دیا'

فَأَصْبَحْتُم مِّنَ الْخٰسِرِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِن يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۖ وَإِن يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُم مِّنَ

سو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے' سو اگر صبر کریں تو آگ ٹھکانہ ہے ان کے لئے' اور اگر راضی کرنا چاہیں تو ان کی درخواست قبول نہیں کی جائے گی'

الْمُعْتَبِينَ ﴿٢٤﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوا لَهُم مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ

اور ہم نے ان کے لئے ساتھیوں کو مسلط کر دیا سو انہوں نے ان کے لئے ان چیزوں کو مزین کر دیا جو ان کے آگے اور پیچھے ہیں اور ان پر بات ثابت ہو گئی

الْقَوْلُ فِىٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خٰسِرِينَ ﴿٢٥﴾

ان جماعتوں میں شامل ہو کر جو اُن سے پہلے جنات میں سے اور انسانوں میں سے گزر چکی ہے بے شک وہ خسارہ والے ہیں

اللہ کے دشمنوں کا دوزخ کی طرف جمع کیا جانا ان کے اعضاء کا ان کے خلاف گواہی دینا اور عذاب سے کبھی چھٹکارہ نہ ہونا

تفسیر: ان آیات میں اللہ کے دشمنوں یعنی کافروں کی مصیبت بیان فرمائی کہ قیامت کے دن انہیں دوزخ کی طرف جمع کیا جائے گا جماعتیں جماعتیں بن کر اس کے قریب پہنچیں گے ایک جماعت آئے گی وہ روک لی جائے گی پھر دوسری جماعت آئے گی وہ بھی روک لی جائے گی جب یہ جماعتیں جمع ہو جائیں گی اور دوزخ کے قریب پہنچ جائیں گے تو ان کے خلاف ان کے کان اور آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گی دنیا میں جو جو حرکتیں کی تھیں یہ اعضاء سب بتا دیں گے کہ اس شخص نے ہمیں ایسے ایسے کاموں میں استعمال کیا آنکھیں اور کان تو اعضاء ہیں اس دن کھالیں یعنی چمڑے بھی گواہی

دیں گے کہ یہ لوگ ایسے ایسے اعمال کرتے تھے۔ چمڑا تو پورے بدن کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ ہر گناہ میں استعمال ہوتا ہے سورۂ النور اور سورۂ یٰسین میں ہاتھوں اور پاؤں کی گواہی کا بھی ذکر ہے جب کافروں کے اعضا ہی ان کے خلاف گواہی دے دیں گے جن کے بارے میں انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا تو وہ کہیں گے کہ لِمَ شَهِدْتُّمْ علینا کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی اس گواہی کا نتیجہ یہ ہے کہ تمہیں بھی عذاب ہوگا اور ہمیں بھی' کیونکہ ہمارے جسم کے اجزاء میں تم بھی شامل ہو ہمارے برے اعمال سے منکر ہونا تمہارے بچانے کے لئے ہی تو تھا اگر گواہی دے کر تم عذاب سے بچ جاتے تو تمہیں گواہی دینے کا کچھ فائدہ پہنچ جاتا۔ اعضا کہیں گے کہ ہماری کیا مجال تھی کہ نہ بولتے اور خاموش رہ کر گواہی کو چھپا لیتے؟ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں زبان دے دی اور حکم دے کر کہلوایا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ ہم گواہی نہ دیتے تمہارا جو خیال تھا کہ ہم بول نہیں سکتے یہ خیال غلط تھا اللہ جسے چاہے بولنے کی قوت دے سکتا ہے جس نے ہر ہر بولنے والی چیز کو بولنے والا بنایا اسی نے ہمیں بھی قوت گویائی عطا فرما دی۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ کو ہنسی آ گئی آپ نے فرمایا تم جانتے ہو میں کس بات سے ہنس رہا ہوں ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں آپ نے فرمایا (قیامت کے دن) بندہ جو اپنے رب سے مخاطب ہوگا اس کی وجہ سے مجھے ہنسی آ گئی بندہ کہے گا اے رب کیا آپ نے مجھے اس بات کا وعدہ نہیں دے دیا کہ مجھ پر ظلم نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا ہاں تجھ سے یہ وعدہ ہے اس پر وہ کہے گا کہ بس تو میں اپنے خلاف کسی کی گواہی کو تسلیم نہیں کرتا سوائے ایسے گواہ کے جو مجھ ہی میں سے ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ آج تیرا نفس ہی تیرے خلاف گواہی دینے کو کافی ہے' اور کرام' کاتبین بھی تیرے خلاف گواہی دینے کو کافی ہیں' اس کے بعد اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضا سے کہا جائے گا کہ بولو لہٰذا اس کے اعضاء اس کے اعمال کی گواہی دیں گے پھر اُسے بولنے کی قوت دے دی جائے گی۔ لہٰذا وہ اپنے اعضاء سے کہے گا کہ دور ہو تمہارے لئے ہلاکت ہے تمہاری ہی طرف سے تو میں جھگڑا کر رہا تھا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸۵) (یعنی میں نے جو یہ کہا تھا کہ اپنے نفس کے خلاف کسی کی گواہی قبول نہیں کروں گا) الا یہ کہ میرے اندر کی کوئی چیز ہو اس کا مقصد ہی تو تھا کہ تم عذاب سے بچ جاؤ)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ منافق قیامت کے دن یوں کہے گا کہ اے رب میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کی کتاب پر اور آپ کے رسولوں پر ایمان لایا اور میں نے نمازیں پڑھیں' روزے رکھے اور صدقات دیئے اور جہاں تک ممکن ہوگا اپنی تعریف کرے گا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا یہاں ابھی پتہ چل جاتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ ہم ابھی گواہ پیش کرتے ہیں اس پر وہ اپنے نفس میں سوچے گا کہ کون ہے جو میرے خلاف گواہی دے گا پھر اسکے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ران سے اور گوشت سے ہڈیوں سے کہا جائے گا کہ بولو! لہٰذا اس کی ران اور اسکا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال پر گواہی دیں گی یہ گفتگو اس لئے کرائی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہ رہے یہ جو کچھ مذکور ہوا منافق سے متعلق ہے اس سے اللہ تعالیٰ کو ناراضگی ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۴۰۹)

یہاں جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ النور میں فرمایا کہ مجرمین کی زبانیں بھی گواہی دیں گی اور سورۃ یٰسین میں اور مسلم

شریف کی حدیث میں فرمایا کہ منہ پر مہریں لگادی جائیں گی اس میں بظاہر تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مختلف احوال کے اعتبار سے ہے بعض احوال میں زبانیں گواہی دیں گی اور بعض مواقع میں ان پر مہر لگادی جائے گی۔

وَهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہلی بار دنیا میں پیدا فرمایا پھر مرجاؤ گے اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے) اسی نے دنیا میں زبان کو بولنا سکھایا آخرت میں دوسرے اعضاء کو بھی بولنے کی طاقت دے دیگا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ (الایة) یہ بھی کافروں سے خطاب ہے وہاں ان سے کہا جائے گا کہ تم دنیا میں جو کام کرتے تھے اس کا تمہیں ذرا بھی احتمال نہ تھا کہ قیامت کے دن تمہارے کان اور آنکھیں اور چمڑے تمہارے خلاف گواہی دے دیں گے لہٰذا تم ان سے نہ چھپتے تھے نہ چھپ سکتے تھے جس کی وجہ سے تم دلیری کے ساتھ گناہ کرتے تھے تم سمجھتے تھے کہ ہمارے خلاف گواہی دینے والا کوئی نہ ہوگا مخلوق کے بارے میں تو تمہارا خیال تھا ہی تم نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہی خیال کر رکھا تھا کہ وہ تمہارے بہت سے اعمال کو نہیں جانتا۔

قال القرطبی و معنی "تَسْتَتِرُوْنَ" تستخفون فی قول اکثر العلماء أی ما کنتم تستخفون من أنفسکم حذرًا من شهادة الجوارح علیکم، لأن الانسان لا یمکنه أن یخفی من نفسه عمله، فیکون الا ستخفاء بمعنی ترک المعصیة وقیل: الاستتار بمعنیٰ الاتقاء أی ما کنتم تتقون فی الدنیا أن تشهد علیکم جوارحکم فی الأخرة فتترکوا المعاصی خوفا من هذه الشهادة. (علامہ قرطبی نے کہا اکثر علماء کے قول کے مطابق "تَسْتَتِرُوْنَ" کا معنی ہے "تم چھپتے تھے" یعنی تم جو اپنے آپ سے چھپتے تھے اعضاء کی اپنے خلاف گواہی کے خوف سے، چونکہ انسان کیلئے اپنے عمل کو اپنے آپ سے چھپانا ممکن نہیں ہے اس لئے یہاں استخفاء معصیت کے ترک کے معنی میں ہوگا، اور بعض نے کہا الاستتار بمعنی اتقاء ہے یعنی تم جو دنیا میں بچتے تھے اس سے کہ آخرت میں تمہارے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں لہٰذا اس گواہی کے خوف سے تم نے گناہ چھوڑ دیئے)

صحیح بخاری میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں کعبہ شریف کے پردوں میں چھپا ہوا تھا تین آدمی آئے ان میں سے ایک ثقفی تھا اور دو قریشی تھے ان کے پیٹ بھاری تھے اور کم سمجھ تھے انہوں نے کچھ ایسی باتیں کیں جنہیں میں (ٹھیک سے) نہ سن سکا ان میں سے ایک نے کہا کہ بتاؤ کیا اللہ ہماری باتوں کو سنتا ہے دوسرے نے کہا بلند آواز ہو تو سنتا ہے اور بلند نہ ہو تو نہیں سنتا تیسرے نے کہا کہ اگر وہ سنتا ہے تو سب کچھ سنتا ہے میں نے یہ قصہ رسول اللہ ﷺ کو سنا دیا تو اللہ تعالیٰ نے وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ سے مِنَ الْخٰسِرِيْنَ تک آیت کریمہ نازل فرمائی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے اور اس کے سننے اور جاننے کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ تمہارے اعضاء بھی تمہارے خلاف گواہی دے دیں گے لہٰذا ایمان اور اعمال صالحہ سے متصف ہونا ضروری ہے۔

کافروں کو ان کے گمان بد نے ہلاک کیا

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِىْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ اور یہ تمہارا گمان کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بہت سے اعمال کو نہیں جانتا اس نے تمہیں ہلاک کردیا فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (سو تم خسارے والے ہوگئے) تم نے جو یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کو

ہمارے بہت سے اعمال کا علم نہیں ہے اسی گمان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہے اگر اللہ تعالیٰ کو علم والا جانتے اور یہ یقین کرتے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے تو خلوتوں میں اور جلوتوں میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے اور اس نے جو اعضاء کی نعمتیں دی تھیں ان کو نیکیوں میں استعمال کرتے، تم نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط گمان کیا اور اعضاء کو بھی غلط استعمال کیا آج یہاں خسارہ میں یعنی پوری ہلاکت میں پڑ گئے۔

فَإِنْ يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (سو یہ لوگ جو دوزخ میں داخل کرنے کے لئے جمع کر دیئے گئے ہیں ان کو دوزخ میں داخل ہونا ہی ہے اور انہیں اس میں رہنا ہی ہے اور ہمیشہ رہنا ہے صبر کریں یا نہ کریں دوزخ ہی ان کا ٹھکانہ ہے یہ نہ سمجھیں کہ دنیا میں تکلیف پر صبر کر لیتے تھے تو بعد میں اچھی حالت آ جاتی تھی وہاں صبر کرنا کوئی کام نہیں دے گا وَإِن يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُم مِّنَ الْمُعْتَبِينَ (اور اگر وہ یہ چاہیں کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیں اور اس کے لئے درخواست کریں تو ان کی یہ درخواست منظور نہیں کی جائے گی راضی کرنے کا موقع موت سے پہلے تھا، ایمان لاتے اعمالِ صالحہ کرتے نافرمانیوں سے بچتے تو آج عذاب کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔

مشرکین اور کافرین پر برے ساتھی مسلط کر دیئے گئے

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ اور ہم نے ان کے اوپر ساتھی مسلط کر دیئے جو انسانوں میں سے بھی ہیں اور جنات میں سے بھی اور ان کے ساتھ لگے رہتے ہیں فَزَيَّنُوا لَهُم مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (ان ساتھیوں نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا اور ان کو اچھا بتا کر پیش کیا گناہوں کو اچھا کر کے دکھایا لذتوں پر ابھارا شہوتوں میں پڑنے کی ترغیب دی اور انہیں یہ بھی سمجھایا جو مزے اڑا سکتے ہو اڑا لو موت کے بعد نہ جی اٹھنا ہے نہ جنت ہے نہ دوزخ، ان ساتھیوں کی باتوں میں آ کر کفر و شرک اختیار کیا گناہوں میں منہمک رہے۔ لہٰذا عذاب کے مستحق ہوئے مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پہلے لفظ سے آخرت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ انہیں یہ سمجھایا کہ حساب کتاب اور جنت و دوزخ کچھ نہیں اور وَمَا خَلْفَهُمْ کے بارے میں فرمایا کہ اس سے دنیا والی زندگی مراد ہے انہوں نے اس دنیا میں کفر کو اچھا بتایا اور خواہشوں اور لذتوں پر ڈالا اور ابھارا۔

سورۃ الزخرف میں فرمایا وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ۝ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ۝ (اور جو شخص اندھا بنتا ہے رحمٰن کی یاد سے ہم اس پر تعینات کر دیا کرتے ہیں ایک شیطان سو وہ اس کے ساتھ رہتا ہے شیاطین ان کو روکتے ہیں راہ سے اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم راہ پر ہیں وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ اور ان پر عذاب والی بات ثابت ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طے کر دیا گیا کہ ان کو عذاب میں داخل ہونا ہے، ان سے پہلے جو امتیں جنات میں سے اور انسانوں میں سے گزر چکی ہیں یہ بھی انہیں میں شامل کر دیئے گئے یعنی وہ بھی عذاب میں داخل ہوئے، اور یہ بھی إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ (بلاشبہ یہ سب لوگ خسارے والے تھے) دنیا میں آئے زندگی ملی جان ملی اعضا دیئے گئے، اموال کے مالک ہوئے لیکن سب کچھ کھو دیا اور ضائع کر دیا اب تو عذاب ہی عذاب ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ

اور جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے کہا کہ اس قرآن کو مت سنو اور اس کے درمیان شور مچایا کرو، شاید تم غالب رہو، سو جن لوگوں نے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ

کفر کیا ہم انہیں ضرور ضرور سخت عذاب چکھادیں گے اور ضرور ضرور انہیں برے کاموں کی سزا دیں گے جنہیں وہ کیا کرتے تھے۔ یہ سزا ہے

جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾

اللہ کے دشمنوں کی جو آگ ہے ان کے لئے اس میں ہمیشہ کا رہنا ہے اس بات کے بدلہ میں کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار جنات میں سے اور انسانوں میں سے جن لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا ہم کو انہیں دکھا دیجئے ہم انہیں

تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ

اپنے قدموں کے نیچے کرلیں تا کہ یہ دونوں گروہ خوب زیادہ ذلیلوں میں سے ہو جائیں، بلاشبہ جن لوگوں نے یوں کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے ان پر

عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

فرشتے نازل ہوں گے کہ تم خوف نہ کرو اور رنج نہ کرو اور خوش ہو جاؤ جنت کی خبر سے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ

ہم دنیا والی زندگی میں تمہارے رفیق ہیں اور آخرت میں بھی، اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جس کی تمہارے نفسوں کو خواہش ہوگی

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ ؕ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾

اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم طلب کرو گے، یہ مہمانی کے طور پر ہے غفور رحیم کی طرف سے۔

کافروں کا قرآن سننے سے روکنا اور شور وشغب کرنے کا مشورہ دینا

تفسیر: یہ سات آیات کا ترجمہ ہے اول کی چار آیتوں میں کافروں کی شرارت اور حماقت کا اور ان کے عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے اور آپس میں جو وہاں بڑوں اور چھوٹوں میں دشمنی کا مظاہرہ ہوگا اس کو بیان کیا ہے، رسول اللہ ﷺ جب قرآن مجید تلاوت کرتے اور لوگوں کو سناتے تو مکہ کے مشرکین میں سے جو بڑے بڑے لوگ تھے وہ اپنے نیچے والوں کو حکم دیتے تھے کہ اس قرآن کو نہ تو خود سنو اور نہ دوسروں کو سننے دو جب محمد رسول اللہ ﷺ قرآن پڑھیں تو تم لوگ اس میں شور وغل مچاؤ، لایعنی باتیں کرو، بے تکی آوازیں نکالو لہٰذا وہ لوگ آنحضرت ﷺ کی تلاوت کے وقت سیٹیاں بجاتے تھے اور تالیاں پیٹتے تھے اور شور کرتے تھے اور اونچی آواز سے اشعار بھی پڑھتے تھے رؤسا مشرکین جو اپنے نیچے کے لوگوں کو ان

باتوں کا حکم دیتے تھے ان کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کی آواز دب جائے اور چیخ و پکار کرنے والے غالب ہو جائیں تا کہ قرآن آگے نہ بڑھے اور اس کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ نہ ہو۔

مشرکین کی حرکتوں کو بیان فرمانے کے بعد جن کا وہ دنیا میں ارتکاب کرتے تھے ان کی سزا بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ہم انہیں سخت عذاب چکھائیں گے یہ لوگ جو برے اعمال کیا کرتے تھے انہیں ضرور ان کی سزا دیں گے آیت کریمہ میں عذاب دنیا یا عذاب آخرت کا ذکر نہیں ہے مطلق عذاب کی وعید ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے دونوں جہان کا عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے اور دونوں میں سے کسی ایک کا بھی پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ عَذَابًا شَدِیْدًا سے غزوۂ بدر کا عذاب مراد ہے اور اَسْوَاَ الَّذِیْ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ سے آخرت کا عذاب مراد ہے مطلب یہ ہے کہ اپنی حرکتوں کی وجہ سے دنیا میں بھی سخت عذاب میں مبتلا ہونگے اور آخرت میں بھی برے اعمال کی سزا پائیں گے۔

پھر فرمایا کہ اللہ کے دشمنوں کو (آخرت میں جو) سزا ملے گی آگ کی صورت میں ان کے سامنے آئے گی یعنی نارِ جہنم میں داخل ہوں گے اور ایسا نہیں کہ تھوڑے سے دن سزا بھگت لیں تو جان بخشی ہو جائے بلکہ انہیں اس آگ میں ہمیشہ رہنا ہوگا ان کا یہ عذاب اس کا بدلہ ہوگا کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کیا کرتے تھے۔

گمراہ لوگ درخواست کریں گے کہ ہمارے بڑوں کو سامنے لایا جائے‘ تا کہ قدموں سے روند ڈالیں

دنیا میں تو یہ حال تھا کہ چھوٹے موٹے لوگ اپنے بڑے اور سرداروں کے بہکانے سے کفر پر جمے رہے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے رہے ان کے بہکانے والوں میں جنات بھی تھے اور انسان بھی تھے جو انہیں حق قبول نہیں کرنے دیتے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ قرآن پڑھا جائے تو تم شور و غل کرو یہ لوگ ان کی بات مان لیتے تھے یہ تو ان کا دنیا میں حال تھا پھر جب آخرت میں حاضر ہوں گے تو اپنے بڑوں پر غصہ ہوں گے اور دانت پیسیں گے کہ انہوں نے ہمارا ناس کھویا لہٰذا بارگاہِ خداوندی میں عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار جنات میں سے اور انسانوں میں سے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا انہیں ہمارے سامنے لائیے آج ہم انہیں بہکانے اور ورغلانے کا مزہ چکھا دیں‘ بتائیے وہ لوگ کہاں ہیں ہم انہیں اپنے پاؤں میں روند ڈالیں۔ انہوں نے ہمارا ناس کھویا آج ہم ان سے بدلہ لے لیں انہیں اپنے پاؤں کے نیچے مسل دیں اور کچل دیں تا کہ وہ خوب زیادہ ذلت والوں میں سے ہو جائیں۔

اہل استقامت کو بشارت

اس کے بعد اہل ایمان کی فضیلت بیان فرمائی اور ان کی اجمالی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا‘ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور پھر ایمان پر جمے رہے یعنی اس کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان کو بشارت دیتے ہیں کہ تم خوف نہ کرو اور رنج نہ کرو اور جنت کی خوشخبری سن لو جس کا تم سے اللہ کے نبی نے اور اللہ کی کتاب نے وعدہ کیا ہے۔

فرشتوں کے جس نزول اور بشارت کا ذکر ہے اس کا وقوع کب ہوتا ہے؟ صاحب روح المعانی نے حضرت زید بن اسلم تابعی سے نقل کیا ہے کہ موت کے وقت اور قبر میں نازل ہوتے وقت فرشتے آتے ہیں اور مذکورہ بالا بشارت دیتے ہیں اور قیامت کے دن جب قبروں سے اٹھائے جائیں گے اس وقت بھی فرشتے یہ بشارت دیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ بشارت مذکورہ بالا تینوں احوال کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ عام حالات میں بھی اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا رہتا ہے کہ فرشتے بطریقہ الہام ان کے دلوں میں سکون اور اطمینان کا القاء کرتے رہتے ہیں جس سے وہ اور زیادہ خیر کے کاموں میں آگے بڑھتے رہتے ہیں حضرت عطاء ابن ابی رباح نے فرمایا کہ اَلَّا تَخَافُوْا کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری نیکیاں مقبول ہیں یہ خوف نہ کرو کہ وہ رد کردی جائیں گی اور وَلَا تَحْزَنُوْا کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں کے بارے میں رنجیدہ مت ہو وہ بخش دیئے جائیں گے۔

فرشتوں کا اہل ایمان سے خطاب

نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ فرشتے اہل استقامت مومنین سے یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم دنیا اور آخرت میں تمہارے ولی ہیں یعنی ہم تمہارے مددگار ہیں تمہارے دلوں میں حق کی بات ڈالتے ہیں اور تمہیں خیر وصلاح کا مشورہ دیتے رہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ موت سے پہلے بھی ملائکہ کا نزول ہوتا رہتا ہے جو اہل ایمان کو تسلی دیتے ہیں اور خیر وصلاح کی باتیں بتاتے ہیں اور شرور سے بچاتے ہیں دنیا میں انکی یہ دوستی ہے اور آخرت میں بھی دوستی کا ظہور ہوگا' شفاعت بھی کریں گے اور اکرام کیساتھ پیش آئینگے اور انکے پاس پہنچیں گے اور سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ کہہ کر سلامتی کی دعا بھی دیں گے اور مبارکباد بھی۔

فرشتے جو جنت کے داخلے کی پیشگی بشارت دیں گے اس بشارت کے ساتھ اجمالی طور پر نعمتوں کا تذکرہ بھی فرمایا وہ کہیں گے کہ آخرت میں تمہیں جو جنت کا داخلہ ملے گا وہ داخلہ بہت بڑی نعمت ہے وہ ہر قسم کی خواہش پوری ہونے کی جگہ ہے جنت میں تمہاری جو بھی خواہش ہوگی وہ سب پوری کردی جائیگی اور وہاں جو بھی کچھ مانگو گے اور طلب کرو گے سب کچھ موجود ہوگا ایسا نہ ہوگا کہ کوئی خواہش رُکی رہ جائے اور کوئی مطلوبہ شئے عطا نہ کی جائے۔

غفور رحیم کی طرف سے مہمانی

آخر میں فرمایا نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ وہاں جو کچھ عطا کیا جائے گا غفور رحیم کی طرف سے بطور مہمانی کے ہوگا دیکھو سب سے بڑی ذات کے مہمان بن رہے ہو جس نے تمہارے سب گناہ اور خطائیں معاف فرمادی ہیں اور مہربانی فرما کر تمہیں یہاں داخلہ دے دیا ہے جس ذات عالی کے مہمان ہو اس کی مہمانی اسی کے شان کے لائق ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ مہمان کی جو خواہش ہو پوری کی جائے اور جو کچھ طلب کرے وہ اسے دیا جائے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا

اور اس سے اچھی کس کی بات ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کئے اور یوں کہا کہ بلاشبہ میں مسلمین میں سے ہوں' اور

تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ

اچھائی اور برائی برابر نہیں ہوتی آپ ایسے برتاؤ کے ساتھ دفع کیجئے جو اچھا طریقہ ہو پھر یکایک ایسا ہوگا جس شخص کو آپ سے دشمنی تھی

كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ

گویا کہ وہ خالص دوست ہے اور اس بات کا صرف انہیں لوگوں کو القا کیا جاتا ہے جو صبر والے ہیں اور اس بات کا القا اسی شخص کو ہوتا ہے

عَظِيْمٍ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

جو بڑے نصیب والا ہو، اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ لیجئے' بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

داعی الی اللہ کی فضیلت' اخلاق عالیہ کی تلقین

شیطان سے محفوظ ہونے کے لئے اللہ کی پناہ لینا

تفسیر: ان آیات میں داعی الی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے اشخاص وافراد کی فضیلت بیان فرمائی اور بعض امور پر تنبیہ کی ہے ارشاد فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کس کی بات اچھی ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور یوں کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں' اس میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جو شخص بلائے یعنی توحید کی دعوت دے اور اس کے دین اور احکام دین قبول کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دے اسے خود بھی اعمال صالحہ میں لگنا چاہئے جب خود عمل کرے گا تو دوسروں کو اعمال صالحہ کی دعوت دینا بھی مفید اور نافع ہوگا اور جو شخص داعی ہو اس میں تواضع بھی ہونی چاہئے حق کی دعوت بھی دے اور اپنے کو بڑا بھی نہ سمجھے اپنے بارے میں یوں کہے کہ میں بھی مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں اپنے علم وعمل کو تکبر اور غرور کا ذریعہ نہ بنا لے جب کوئی شخص حق کی دعوت لئے کھڑا ہوتا ہے تو تکے بے تکے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے معاندین اور متکبرین سامنے آتے ہیں زبان سے اور ہاتھ سے تکلیف دیتے ہیں ایسے مواقع پر صبر کرنا درگزر کرنا مناسب ہوتا ہے اور ترکی بہ ترکی جواب دینا برائی کا بدلہ برائی سے دینا مناسب نہیں ہوتا' اگر برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے اور اسی قدر دیا جائے جتنی زیادتی دوسرے نے کی ہے تو یہ جائز تو ہے لیکن خوبی اور بہتری حلم اور برداشت ہی میں ہے۔ اسی کو فرمایا وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ کہ اچھا برتاؤ اور برا برتاؤ برابر نہیں ہے پھر فرمایا اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ جو اچھی خصلت ہے اور عمدہ طریقہ ہے اس کو اختیار کیجئے اس کے ذریعہ مخالف کی بد معاملگی اور برے برتاؤ کو دفع کیجئے فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ جب ایسا کرو گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ جس شخص سے آپ کی دشمنی تھی وہ آپ کا خالص دوست بن جائے گا۔

اس کے بعد اچھی خصلت یعنی حِلم اور بُردباری' حسن خلق عفو اور درگزر کے بارے میں فرمایا کہ یہ بہت عمدہ اور بہت بلند صفت ہے جو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ وَمَا يُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ (اور یہ بلند اخلاقوں کی صفت انہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں۔

حَظٍّ عَظِیْمٍ (بڑا نصیب) کیا ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے ثواب کا بڑا حصہ مراد ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے جنت مراد ہے (ذکرہما فی الروح)

جب کوئی شخص نیک کاموں میں لگتا ہے تو شیطان اس کے نفس میں برے برے وسوسے ڈالتا ہے اس کے بارے میں فرمایا وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آنے لگے تو آپ اللہ کی پناہ مانگیں اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے)

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ لفظ نزغ عربی زبان میں کسی لکڑی یا انگلی سے چبھانے کے لئے بولا جاتا ہے جسے اردو کے محاورے میں کچوکہ دینا کہہ سکتے ہیں ذرا ذرا سے وسوسے تو آتے ہی رہتے ہیں شیطان کبھی زوردار وسوسہ بھی ڈال دیتا ہے اسی لئے اسے نَزْغٌ سے تعبیر فرمایا جب کوئی شخص دعوت حق دے گا خیر کی بات کرے گا اور مخالف اور منکر کی تکلیف دہ باتوں پر صبر کرے گا تو شیطان اس موقع پر کچوکا دے گا اور مثلاً یوں سمجھائے گا کہ تم تو حق بات کہہ رہے ہو تمہیں چھوٹا بننے اور دبنے کی کیا ضرورت ہے ایسے موقع پر اللہ کی پناہ لے اور اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھ کر آگے بڑھ جائے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ

اور اللہ کی نشانیوں میں سے رات ہے اور دن ہے اور چاند ہے اور سورج ہے مت سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو

وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ

اور سجدہ کرو اللہ کو جس نے ان کو پیدا فرمایا اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو سو اگر وہ تکبر کریں تو جو

عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَی

تیرے رب کے مقرب ہیں وہ رات دن اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اکتاتے نہیں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ

الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ

تو زمین کو دبی ہوئی حالت میں دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی نازل کر دیتے ہیں تو وہ ابھر آتی ہے اور بڑھتی ہے

الْمَوْتٰی ؕ اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾

بلاشبہ جس نے اس کو زندہ فرمایا وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے۔

رات اور دن چاند اور سورج اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں ان کے پیدا کرنے والے کو سجدہ کرو

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر بعض دلائل قائم فرمائے ہیں اور غیر اللہ کو سجدہ کرنے اور غیر اللہ کی عبادت کرنے سے منع فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی ہے اللہ تعالیٰ کی

قدرت اور مشیت سے ایک دوسرے کے آگے پیچھے آتے رہتے ہیں اور سورج اور چاند بھی اس کی نشانیوں میں سے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا اور روشنی بخشی اور ان کے گردش کرنے کا مدار مقرر فرمایا اور طلوع وغروب کے اوقات مقرر فرمائے جس ذات پاک نے ان کو پیدا فرمایا صرف وہی مستحق عبادت ہے۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (یہ مشرکین کو خطاب ہے مطلب یہ ہے کہ تم سورج کو سجدہ نہ کرو ان کو بڑی چیزیں سمجھ کر سجدہ کرتے ہو حالانکہ جس نے انہیں پیدا کیا وہ سب سے بڑا ہے اور صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اسی کو فرمایا وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ (اور اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا) اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (اگر تم ان کے پیدا کرنے والے کی عبادت کرتے ہو) مطلب یہ ہے اگر خالق کی عبادت کرتے ہو تو مخلوق کی عبادت نہ کرو خالق کی وہ عبادت معتبر نہیں جس کے ساتھ مخلوق کی بھی عبادت کی جاتی ہو لہٰذا شرک اختیار کرتے ہوئے تمہارا یہ دعویٰ کرنا کہ ہم اللہ کے عبادت گزار ہیں یہ غلط ہے۔

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا (الآیة) سو اگر وہ لوگ تکبر اختیار کریں اور آپ کی بات ماننے میں عار سمجھیں اور غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے باز نہ آئیں تو انہیں بتا دیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کی عبادت اور سجود کا محتاج نہیں ہے تم اسے سجدہ کرو یا نہ کرو اس کی ذات عالی صفات بہرحال بلند اور برتر ہے اس کی بارگاہ اقدس میں جو فرشتے حاضر ہیں وہ ہمہ تن اور ہر وقت تسبیح میں مشغول رہتے ہیں ذرا بھی نہیں اکتاتے اور اسے ان کی تسبیح اور عبادت کی بھی حاجت نہیں ہے)

زمین کا خشک ہو کر زندہ ہو جانا بھی اللہ کی نشانی ہے

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی نشانیوں میں سے زمین بھی ہے جس پر یہ لوگ رہتے ہیں اور اس پر جن تغیرات کا ظہور ہوتا رہتا ہے انہیں یہ لوگ دیکھتے رہتے ہیں انہی تغیرات میں سے ایک یہ ہے کہ زمین خشک ہو جاتی ہے سبزی بالکل نہیں رہتی سوکھی ہوئی حالت میں پڑی رہتی ہے پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیجتا ہے بارش برستی ہے زمین پر پانی پڑتا ہے اندر پہنچتا ہے جیسے ہی یہ زمین پانی سے متاثر ہوتی ہے اس میں تازگی آجاتی ہے زمین پھولتی ہے اندر سے پودے زور لگاتے ہیں باہر نکلتے ہیں تھوڑا ہی سا وقت گزرتا ہے کہ زمین ہری بھری ہو جاتی ہے اس میں کھیتیاں بھی ہوتی ہیں جن سے انسانوں کو غذائیں ملتی ہیں بڑے بڑے درخت بھی ہوتے ہیں جن پر کچھ عرصے کے بعد پھل آتے ہیں ان میں سے انسان کھاتے ہیں اور گھاس بھی نکلتی ہے جو مویشیوں کی غذا بنتی ہے اس میں کئی طرح سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی ظاہر ہوتی ہے اور توحید بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ ان تصرفات کا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس سے وقوع قیامت کا استبعاد بھی دور ہو جاتا ہے قیامت قائم ہونے اور زندہ ہو کر قبروں سے نکلنے اور دوبارہ زندگی حاصل ہونے کو جو لوگ بعید اور عجیب سمجھتے ہیں ان کے لئے زمین کی حالت بدلنا خشک زمین کا تروتازہ ہو جانا اس میں پودے نکل آنا یہ اس بات کی نظیر ہے کہ انسان بھی مرکھپ کر اسی طرح زندہ ہو کر قبروں سے باہر آجائیں گے اسی کو فرمایا اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى (بلاشبہ جس نے اس زمین کو زندگی بخشی وہی مردوں کو زندہ فرمانے والا ہے اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے)

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۗ أَفَمَن يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَم مَّن

بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں میں کجروی اختیار کرتے ہیں وہ ہم پر پوشیدہ نہیں ہیں' کیا جو شخص آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ

يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ ۖ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٤٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

شخص جو قیامت کے دن امن کی حالت میں آئے گا' تم کرلو جو چاہو بے شک وہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے' بیشک جن لوگوں نے ذکر کے ساتھ کفر کیا

بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ﴿٤١﴾ لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ

جب وہ انکے پاس آگیا اور بے شک حال یہ ہے کہ وہ کتاب عزیز ہے اس کے پاس باطل نہیں آتا آگے سے اور نہ

خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾ مَّا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِن قَبْلِكَ ۚ إِنَّ

پیچھے سے' وہ اتاری ہوئی ہے حکمت والے کی طرف سے جو ستودہ اوصاف ہے' آپ سے نہیں کہا جاتا مگر وہی جو آپ سے پہلے رسولوں کے لئے کہا گیا' بلاشبہ

رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ

آپ کا رب مغفرت والا ہے اور دردناک عذاب دینے والا ہے' اور اگر ہم اس کو قرآن عجمی بنا دیتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیات کو کیوں واضح طریقہ پر بیان نہیں کیا گیا'

آيَاتُهُ ۖ أَأَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ ۗ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ۖ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

یہ کیا بات ہے کہ رسول عربی ہے اور کتاب عجمی ہے' آپ فرما دیجئے کہ وہ ایمان والوں کے لئے ہدایت ہے اور شفا ہے' اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے

فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۚ أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٤٤﴾

ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور وہ ان پر گمراہی کا سبب بنا ہوا ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں دور سے پکارا جاتا ہے۔

ملحدین ہم پر پوشیدہ نہیں ہیں' جو چاہو کرلو اللہ دیکھتا ہے!

تفسیر: قرآن مجید سے نفع حاصل کرنے والے اہل ایمان ہیں اور دو جماعتیں ایسی ہیں جو قرآن کی دشمن ہیں ایک جماعت تو وہ ہے جو قرآن کو اللہ کی کتاب مانتے ہی نہیں یہ لوگ منکرین ہیں اور دوسری جماعت وہ ہے جو یوں نہیں کہتے کہ قرآن اللہ کی کتاب نہیں ہے لیکن ان کی دشمنی اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ وہ قرآن کا مطلب اپنی طرف سے تجویز کرتے ہیں اور اپنی خواہشوں کے مطابق آیات اور کلمات کا مطلب بتاتے ہیں یہ لوگ ملحدین ہیں جو قرآن میں کجروی نکالتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے الحاد کا یہی مطلب بتایا اور فرمایا یَضَعُوْنَ الکلام فی غیر موضعہ یعنی آیات کا مطلب اپنی طرف سے تجویز کرتے ہیں متشابہات کے پیچھے پڑنا اپنی نکالی ہوئی بدعتوں اور خواہشوں کے مطابق قرآن کی تفسیر کرنا یہ سب الحاد کی صورتیں ہیں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مسائل سلوک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں و دخل فیہ غلاۃ الصوفیۃ فی نفیھم التفسیر المنقول واختراھم ما یخالف الاصول یعنی اس میں غلو والے صوفی بھی داخل ہیں جو منقول تفسیر کی نفی کرتے ہیں اور اپنے پاس سے وہ چیزیں

نکالتے ہیں جو اصول کے خلاف ہیں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ جو لوگ ہماری آیات میں کجروی اختیار کرتے ہیں ان کا حال ہم پر پوشیدہ نہیں ہے انہیں الحاد اور بے دینی کی سزا ملے گی اس کے بعد فرمایا اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ قیامت کے دن دو قسم کے لوگ ہوں گے بعض وہ لوگ ہوں گے جو امن و اطمینان کے ساتھ بے خوف ہوں گے اور جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اور بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو حیرانی پریشانی اور گھبراہٹ کے ساتھ قبروں سے نکل کر میدان حشر میں حاضر ہوں گے پھر دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے اب بتانے والے بتائیں اور سمجھدار لوگ جواب دیں کہ جو شخص دوزخ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ شخص بہتر ہے جو امن و چین اور اطمینان اور سکون سے قیامت کے دن حاضر ہوگا اور پھر جنت میں بھی اسی شان سے داخل ہوگا قیامت کے دن بھی سکون اور اطمینان اور اس کے بعد بھی امن و چین کے ساتھ خوش و خرم رہے گا (جَعَلَنَا اللہ منھم)

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (کر لو جو چاہو بے شک اللہ تمہارے کاموں کا دیکھنے والا ہے اس میں تہدید ہے کہ قرآن کے مخالفین اور منکرین جو چاہیں کر لیں، اپنے کئے کی سزا پائیں گے وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم جو کچھ کر لیں گے اسکی خبر نہ ہوگی اللہ جل شانہ انکے اعمال کو دیکھتا ہے وہ انکے اعمال کی سزا دے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ (الآیۃ) (بلاشبہ جن لوگوں نے ذکر یعنی قرآن کا انکار کیا، جب کہ وہ ان کے پاس آ گیا تو انہوں نے غور و فکر نہ کیا) اگر غور و فکر کرتے تو منکر نہ ہوتے وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ (اور بلاشبہ وہ عزت والی کتاب ہے) لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ (باطل بات نہ اس کے آگے سے آ سکتی ہے نہ اس کے پیچھے سے) یعنی کسی پہلو اور کسی جہت سے اس کا احتمال نہیں تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ وہ اتاری گئی ہے حکمت والے کی طرف سے جس کی ذات و صفات محمود ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کے بارے میں جو کافر لوگ معاندانہ طریقے پر کچھ کہتے ہیں جس سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے آپ سے پہلے جو رسول گزرے ہیں ان کے بارے میں ایسی باتیں کہی گئی ہیں ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ (بلاشبہ آپ کا رب بڑی مغفرت والا ہے) وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ (اور دردناک عذاب والا ہے) آپ کے مخالفین اگر اپنی حرکتوں سے باز آ گئے اور ایمان قبول کر لیا تو دیگر اہل ایمان کے ساتھ ان کی بھی مغفرت ہو جائے گی اور اگر ان لوگوں نے توبہ نہ کی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے ایمان قبول نہ کیا تو دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

مکذّبین کا عناد

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ (اور اگر ہم اس کو قرآن عجمی بنا دیتے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی آیات کو کیوں واضح طریقہ پر بیان نہیں کیا گیا)

جس کو حق سے بَیر ہو اور عناد پر کمر باندھ لے اس کا نفس اور شیطان طرح طرح کے شوشے چھوڑتے رہتے ہیں قریش مکہ نے ایک یہ شوشہ چھوڑا کہ یہ قرآن عربی ہی میں کیوں ہے عجمی یعنی غیر عربی عجمی زبان میں بھی ہوتا تو اس کا معجزہ ہونا اور زیادہ ظاہر ہو جاتا اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں ارشاد فرمایا کہ اگر ہم قرآن کو عجمی زبان میں نازل کرتے تو یہ لوگ پھر بھی ایمان لانے والے نہ تھے۔ یہ لوگ اس وقت یہ حجت نکالتے کہ ہم تو عرب ہیں ہمارے سامنے تو عربی ہی میں آیات ہوتیں جن میں صاف صاف بیان ہوتا اور یہ اعتراض اٹھاتے ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ یعنی یوں کہتے کیا بات ہے کتاب عجمی اور رسول عربی ہے؟ اب جو قرآن عربی میں ہے تو کہتے ہیں کہ عربی کیوں ہے اور عجمی ہوتا تو کہتے کہ عربی کیوں نہیں مقصود محض اعتراض ہے قبول حق نہیں اسی لئے بے تکی باتیں کرتے ہیں۔ قال صاحب الروح و حاصله انه لو نزل كما يريدون لا نكروا ايضاً وقالوا مالک وللعجمة او ما لنا وللعجمة. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اور حاصل یہ ہے کہ اگر قرآن انہیں کی خواہش کے مطابق نازل کیا جاتا تو بھی یہ انکار کرتے اور کہتے آپ کیا لگیں اور عربی کیا لگے یا کہتے ہمیں غیر عربی زبان سے کیا واسطہ؟) (ص ۱۲۹ ج ۲۴)

قرآن مومنین کے لئے ہدایت ہے اور شفا ہے

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ (آپ فرما دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفاء ہے) وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور وہ ان کے حق میں اندھے پن کا سبب بنا ہوا ہے اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ (یہ لوگ دور جگہ سے بلائے جاتے ہیں) یعنی یہ لوگ ایسے ہیں کہ جیسے کسی کو پکارا جائے وہ آواز تو سنے لیکن بات نہ سمجھے حق کی آواز کانوں میں پڑتی ہے لیکن اسے سمجھنا اور قبول کرنا نہیں چاہتے۔

يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ کی تفسیر

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ کا یہ مطلب (جو اوپر لکھا گیا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت مجاہد سے مروی ہے اور بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ قیامت کے دن یہ لوگ کفر اور اعمال بد کی وجہ سے برے ناموں کے ساتھ پکارے جائیں گے اور یہ پکار دور سے ہوگی تا کہ اہل موقف بھی اس آواز کو سن لیں جس سے ان لوگوں کی شہرت ہو جائے کہ یہ لوگ ایسے ایسے تھے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے طے ہو چکی ہے تو ان کے درمیان فیصلہ

بَيْنَهُمْ ۗ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ

کر دیا جاتا اور بلاشبہ یہ لوگ اس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں، جس نے نیک عمل کیا سو وہ اس کی جان کے لئے ہے اور جس نے برا عمل کیا تو اس کا

فَعَلَيۡهَا‌ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿۴۶﴾

وبال اسی پر ہے اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

ہر شخص کا نیک عمل اس کے لئے مفید ہے اور برے عمل کا وبال براعمل کرنیوالے پر ہی ہے

تفسیر: اوپر آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ معاندین کی طرف سے آپ کے بارے میں وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہی گئیں اس کے بعد گذشتہ رسولوں میں سے ایک رسول یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ارشاد فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب یعنی توریت شریف دی اس کتاب میں اختلاف کیا گیا کسی نے اس کی تصدیق کی اور کسی نے اسے جھٹلایا آپ کے ساتھ اور قرآن کے ساتھ جو آپ کے مخاطبین کا معاملہ ہے یہ پہلے بھی ہو چکا ہے پھر فرمایا کہ آپ کے رب کی طرف سے ایک بات طے ہو چکی ہے اور وہ یہ کہ جھٹلانے والوں پر مقررہ وقت پر عذاب آئے گا اگر یہ طے شدہ بات نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا یعنی گزشتہ امتوں کی طرح عذاب بھیج کر ان کو ختم کر دیا جاتا وَاِنَّهُمۡ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِيۡبٍ اور یہ لوگ قرآن کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ شک باعث تردد اور باعث اضطراب بنا ہوا ہے)۔

بعض حضرات نے مِنۡهُ کی ضمیر عذاب کے فیصلے کی طرف راجع کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ عذاب موجود کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں اس شک نے ان کو تردّد میں ڈال رکھا ہے عذاب کی وعید سنتے ہیں لیکن یقین نہیں کرتے۔

مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ‌ (جو شخص نیک کام کرے گا اس کا یہ عمل اس کے لئے نفع مند ہوگا اور اس پر ثواب ملے گا) وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَيۡهَا‌ (اور جو شخص براعمل کرے گا تو اس کا وبال اور ضرر اسی پر پڑے گا) وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ (اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنیوالا نہیں ہے) وہ ہر چھوٹی بڑی نیکی کا بدلہ دے گا اور ایسا نہ ہوگا کہ جو کوئی برائی نہ کی ہو وہ اس کے اعمال نامہ میں لکھ دی جائے اور پھر اس کی وجہ سے عذاب دیا جائے۔

اِلَيۡهِ يُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ‌ؕ وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَكۡمَامِهَا وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ

اسی کی طرف قیامت کا علم حوالہ کیا جاتا ہے اور جو پھل اپنے خولوں سے نکلتے ہیں اور جو کوئی عورت حاملہ ہوتی ہے اور جو بچہ جنتی ہے یہ سب

اِلَّا بِعِلۡمِهٖ‌ؕ وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ اَيۡنَ شُرَكَآءِىۡۙ قَالُوۡۤا اٰذَنّٰكَۙ مَا مِنَّا مِنۡ شَهِيۡدٍ‌ۚ ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا

اس کے علم میں ہے اور جس دن وہ پکارے گا کہاں ہیں میرے شرکاء وہ کہیں گے کہ ہم اعلان کے ساتھ آپ سے عرض کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی دعویدار نہیں ہے اور اس سے پہلے وہ جن کو پکارا کرتے تھے

يَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ‏ ﴿۴۸﴾

وہ سب غائب ہو جائیں گے اور یہ لوگ یقین کر لیں گے کہ ان کے چھوٹنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' اس دن مشرکین کی حیرانی وبربادی

تفسیر: قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف حوالہ کیا جاتا ہے یعنی قیامت کب واقع ہوگی اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں سورۃ الاعراف میں فرمایا یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ (وہ آپ سے قیامت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ کب ہے اس کا واقع ہونا' آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے اس کو ظاہر نہیں فرمائے گا مگر وہی) ایک مرتبہ جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس انسانی صورت میں آئے اور متعدد سوالات کئے ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ قیامت کے بارے میں ارشاد فرمایئے وہ کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ (کہ جس سے دریافت کیا وہ دریافت کرنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں) یعنی اس معاملہ میں میں اور تم برابر ہیں نہ مجھے اس کے وقوع کا وقت معلوم ہے اور نہ تمہیں پس اگر کسی سے پوچھا جائے کہ قیامت کب آئے گی تو یہی جواب دے دو کہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ای اذا سئل عنها قيل الله تعالىٰ يعلم او لا يعلمها الا الله عز و جل) (یعنی جب قیامت کے بارے میں پوچھا جائے تو کہا جائے اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا کہا جائے اسے نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ ہی)

اس کے بعد بعض دیگر اشیاء کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے جب درخت پر پھل آتے ہیں اولاً ایک غلاف کی سی صورت بنتی ہے ابتداء میں پھل ذرا سا ہوتا ہے پھر بڑھتا رہتا ہے اور بڑھتے بڑھتے اپنے غلاف سے باہر آجاتا ہے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی پھل اپنے غلاف سے باہر نکلتا ہے اور جس کسی عورت کو حمل قرار پاتا ہے اور جو بھی کوئی عورت بچہ جنتی ہے اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے اس میں چند چیزوں کا ذکر ہے دوسری آیات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔

جو لوگ دنیا میں شرک کرتے ہیں دلائل قدرت کو دیکھ کر بھی توحید کے قائل نہیں ہوتے یہ لوگ قیامت کے دن حاضر ہوں گے اور ان سے اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کہ تم نے جو اپنے خیال میں میرے شرکاء بنا رکھے تھے' وہ کہاں ہیں وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم آپ کو خبر دے رہے ہیں کہ یہاں اس وقت ہم میں کوئی بھی اس بات کی گواہی دینے والا نہیں کہ آپ کا کوئی شریک تھا دنیا میں تو پوری ضد کے ساتھ شرک کرتے تھے اور جب سمجھایا جاتا تھا تو حق نہیں مانتے تھے لیکن میدان قیامت میں شرک سے منکر ہو جائیں گے اور یوں کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اور جب سمجھ لیں گے کہ انکار کچھ فائدہ نہیں دے سکتا تو اقراری ہو کر یوں کہیں گے هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ کہ یہ وہ ہیں جن کی ہم آپ کے علاوہ عبادت کیا کرتے تھے اور ان سے جو مدد کی امید رکھتے تھے وہ کوئی بھی مدد نہ پہنچا سکیں گے وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ (اور یقین کرلیں گے کہ ان کے لئے بھاگنے کا کوئی موقع نہیں)۔

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ

انسان خیر کی دعا کرنے سے نہیں اکتاتا اور اگر اسے تکلیف پہنچ جائے اور پوری طرح ناامید ہو جاتا ہے اور تکلیف پہنچ جانے کے بعد اگر ہم اسے اپنی رحمت چکھا دیں

بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ

تو وہ کہتا ہے کہ مجھے یہ چاہئے اور میں یہ گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا دیا گیا تو میرے لئے اس کے پاس

عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۞ وَاِذَآ

بہتری ہوگی، سو جن لوگوں نے کفر کیا ہم ضرور ضرور ان کے اعمال سے انہیں باخبر کردیں گے اور ہم انہیں ضرور سخت عذاب چکھادیں گے اور جب ہم انسان کو

اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ۞

نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے اور ایک جانب کو دور چلا جاتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچ جاتی ہے تو لمبی چوڑی دعا والا ہو جاتا ہے۔

انسان کا حُبِّ دنیا اور ناشکری کا مزاج اور وقوع قیامت کا انکار

تفسیر: ان آیات میں انسان کا ایک مزاج بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ انسان برابر اللہ تعالیٰ سے خیر کی دعا کرتا ہے مال بھی مانگتا ہے اور صحت بھی اور دوسری چیزیں بھی، جب تک یہ چیزیں پاس رہتی ہیں تو خوب خوش رہتا ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچ جائے، مریض ہو جائے تنگ دستی آجائے تو اس پر ناامیدی چھا جاتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ بس اب تو میں مصیبت ہی میں رہوں گا کبھی میری حالت ٹھیک ہونے والی نہیں ہے (یہ ان لوگوں کا حال ہوتا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نہیں پڑھا اس کے رسول ﷺ کی ہدایات پر عمل نہیں کیا، نیک بندوں کی صحبت نہیں اٹھائی)۔

پھر فرمایا کہ اگر ہم انسان کو اپنی رحمت چکھا دیں خیر اور عافیت اور مالداری سے نواز دیں اس کے بعد کہ اسے تکلیف پہنچ چکی تھی تو کہتا ہے کہ ہاں مجھے یہ چاہئے اور میں اس کا حق دار ہوں اللہ تعالیٰ کی جو نعمت ملی اسے اللہ کا فضل نہیں بلکہ اپنے ہنر کا نتیجہ سمجھتا ہے جیسا کہ قارون نے کہا تھا اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ (یہ تو مجھے میرے علم کی وجہ سے دیا گیا) حالت ٹھیک ہوتی ہے اور مال مل جاتا ہے تو انسان قیامت ہی کا منکر ہو جاتا ہے کہتا ہے کہ میرے خیال میں تو قیامت آنے والی نہیں ہے اور اگر بالفرض قیامت آہی گئی اور میں اپنے رب کی طرف لوٹا دیا گیا تو میں وہاں بھی عزت اور کرامت سے نوازا جاؤں گا جیسا کہ دنیا میں مجھے نوازا گیا ہے وہاں بھی میرا حال اچھا ہوگا دنیا میں بھی اچھی حالت کا مستحق ہوں اور آخرت میں بھی، یعنی یہ ناشکرا انسان یہ نہیں مانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر فضل فرمایا ہے دنیا اور آخرت میں اچھی حالت میں رہنے کو اپنا ذاتی استحقاق مانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافروں کو ہم ان کے اعمال سے باخبر کر دیں گے اور بتا دیں گے کہ تم نے غلط سمجھا تھا تم اپنے اعمال کے اعتبار سے عزت اور کرامت کے مستحق نہیں ہو ذلت اور اہانت کے مستحق ہو وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ (اور ہم انہیں ضرور ضرور سخت عذاب چکھائیں گے) اس وقت جھوٹی باتوں اور جھوٹے دعووں کا پتہ چل جائے گا۔

اس کے بعد انسان کے مزاج کی ایک حالت بتائی اور وہ یہ کہ جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں یعنی جب اسے نعمتیں دیتے ہیں تو تکبر کے انداز میں ایک طرف کو دور چلا جاتا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہیں ہوتا یہ مال اور نعمتیں جو موجب شکر تھیں ان کو تکبر کا ذریعہ بنا لیتا ہے نعمتوں کے زمانے میں اس کا یہ حال ہوتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچ جاتی ہے تو لمبی چوڑی [1] دعائیں کرنے لگتا ہے انسانوں کا جو حال ان آیات میں بیان فرمایا ہے عموماً مشاہدہ میں آتا رہتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ۞

آپ فرما دیجئے کہ تم بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو پھر تم نے اس کا انکار کیا تو اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو دور کی مخالفت میں پڑ گیا

---

[1] صاحب روح المعانی فرماتے ہیں دعاء کی جو صفت بیان کی گئی ہے اس سے لازم آتا ہے کہ دعاء لمبی بھی ہو کیونکہ دعاء طویل جب ہی ہوتی ہے جبکہ وہ چوڑائی سے زیادہ لمبی بھی ہو ورنہ تو طویل نہ ہوگی۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ

ہم عنقریب انہیں آفاق میں اور ان کے نفسوں میں نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ بلاشبہ وہ حق ہے کیا آپ کے رب کی یہ بات کافی نہیں ہے

أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۵۳﴾ أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَاءِ رَبِّهِمْ ۗ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطٌ ﴿۵۴﴾

کہ وہ ہر چیز پر شاہد ہے، خبردار وہ لوگ اپنے رب کی ملاقات کی طرف سے شک میں ہیں خبردار اس میں شک نہیں کہ وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

منکرین کو قرآن حکیم کے بارے میں غور و فکر کی دعوت' اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے

تفسیر: سورۂ حٰمٓ سجدہ ختم ہو رہی ہے شروع سورت میں قرآن مجید کی تنزیل اور تفصیل بیان فرمائی اور درمیان میں بھی قرآن مجید کی توصیف فرمائی اب آخر میں ارشاد فرمایا کہ آپ اپنے مخاطبین سے فرما دیجئے کہ تم عقلمندوں کے طریقے پر سوچ لو اور اپنے نفع نقصان کو سمجھ لو یہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے میرا یہ دعویٰ ہے اور دلیل سے ثابت ہو چکا تم اس کے منکر ہو اب تم غور کر لو اور سوچ کر بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہوا (یعنی آخرت میں ان کا من عند اللہ ہونا ثابت ہو گیا اور تم اس کا انکار کر بیٹھے تو یہ مخالفت تم پر کس قدر بھاری پڑے گی تم عناد کی وجہ سے آج اس کے منکر ہو رہے ہو اور یہ صریح گمراہی ہے بتاؤ اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو حق سے دور ہوتا چلا جائے' جو شخص حق سے دور ہو گا وہ آخرت کے عذاب میں مبتلا ہو گا آخرت میں پہنچنے سے پہلے اسی دنیا میں غور کر لو اور اپنے انکار کا انجام خود سوچ لو۔ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ (ہم عنقریب انہیں آفاق میں اور ان کے نفسوں میں نشانیاں دکھائیں گے) آفاق جمع ہے افق کی' افق کنارے کو کہتے ہیں اس سے آسمانوں اور زمین کے کنارے چاند سورج ستارے اشجار و انہار مراد ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے امم سابقہ کے واقعات مراد ہیں یعنی زمین میں جو سفر کرتے ہیں اور ہلاک شدہ اقوام کے کھنڈروں پر گزرتے ہیں یہ بھی آفاق میں داخل ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں دکھا دیں گے اور ان کے نفسوں میں بھی انسانوں کے نفسوں میں جو امراض آتے رہتے ہیں اور حالات بدلتے رہتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے یہ سب چیزیں سامنے آتی ہیں اور سامنے آتی رہیں گی سمجھ دار انسان کا کام ہے کہ وہ آیات آفاقیہ سے بھی عبرت حاصل کر لے اور آیات انفسیہ سے بھی۔

حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ قرآن حق ہے) قرآن کا حق ہونا سمجھداروں پر ظاہر ہو گیا' ماننا نہ ماننا اور بات ہے دشمن بھی جانتے ہیں گو مانتے نہیں۔

أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (کیا آپ کے رب کی یہ بات کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز پر شاہد ہے) اس نے آپ کی رسالت کی بار بار گواہی دی ہے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کا گواہی دینا کافی ہے آپ ان لوگوں کے انکار اور عناد سے مغموم نہ ہوں۔

أَلَا إِنَّهُمْ (الآیة) (خبردار یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات کی طرف سے شک میں پڑے ہیں انہیں وقوع قیامت کا یقین نہیں اس لئے انکار پر کمر باندھ رکھی ہے لیکن یہ نہ سمجھیں کہ انکی حرکتوں کا اللہ تعالیٰ کو علم نہیں ہے وہ ہر چیز کو اپنے احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے لہٰذا وہ انکی حرکتوں اور کرتوتوں پر سزا دیگا۔

وھٰذا اٰخر ما یسر اللّٰہ تعالیٰ لنا فی تفسیر سورۃ حٰمٓ السجدۃ لیلۃ الثانی والعشرین فی محرم الحرام سنۃ ۱۴۱۸ھ من ھجرۃ سید الانام البدر التمام صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم الی یوم القیام وعلیٰ اٰلہ واصحابہ البررۃ الکرام۔

سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الشوریٰ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں ترپن آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ۝۱ عٓسٓقٓ ۝۲ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳ لَهٗ مَا

حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ اسی طرح وحی بھیجتا ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے اللہ جو عزیز ہے حکیم ہے اسی کیلئے ہے جو کچھ

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝۴ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ برتر ہے بڑا ہے، کچھ بعید نہیں کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ

اور فرشتے اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اہل زمین کیلئے مغفرت طلب کرتے ہیں خبردار! اللہ ہی

الرَّحِيْمُ ۝۵ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝۶

مغفرت کرنے والا ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے کارساز تجویز کر رکھے ہیں وہ اللہ کی نگاہ میں ہیں آپ ان کے ذمہ دار نہیں

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف قرآن عربی کی وحی بھیجی تا کہ آپ ام القریٰ اور اس کے آس پاس کے رہنے والوں کو ڈرائیں اور جمع

رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝۷ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ

ہونے کے دن سے ڈرائیں جس میں کوئی شک نہیں، ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں، اور اگر

يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۸ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ

اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا اور وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے ظالموں کے لئے کوئی دوست ہے نہ کوئی مددگار کیا ان لوگوں نے اللہ کے

دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۹

سوا کارساز بنا رکھے ہیں سو اللہ ہی کارساز ہے اور وہ مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ عزیز ہے حکیم ہے علی ہے عظیم ہے غفور ہے رحیم ہے

تفسیر: یہ سورۃ الشوریٰ کے پہلے رکوع کا ترجمہ ہے جو سات آیات پر مشتمل ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی

صفات جلیلہ بیان فرمائی ہیں پہلی آیت میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا کہ جس طرح یہ سورت اپنے فوائد پر مشتمل ہو کر آپ کی طرف نازل کی جارہی ہے اسی طرح آپ پر دوسری سورتوں کی بھی وحی کی گئی ہے اور آپ سے پہلے جو حضرت انبیائے کرام علیہم السلام تھے ان پر وحی کی گئی یہ وحی اللہ تعالیٰ نے بھیجی جو عزیز یعنی زبردست اور غالب ہے اور حکیم یعنی حکمت والا ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اُسی کا ہے اسکی مخلوق بھی ہے اور مملوک بھی ہے وہ برتر ہے اور عظیم الشان ہے تَكَادُ السَّمٰوٰتُ کچھ بعید نہیں کہ آسمان اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں اس میں مشرکین کی حرکت بد کی شناعت اور قباحت بیان فرمائی ہے کیونکہ آگے مشرکین کے شرک کا ذکر آرہا ہے اس لئے پہلے ہی اُن کی تردید فرمادی اور یہ ایسا ہی ہے جیسے سورۂ مریم میں فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ (اور کہتے ہیں کہ رحمٰن اولاد رکھتا ہے یہ تو تم ایسی بھاری بات لائے کہ عجب نہیں آسمان پھٹ پڑیں اس کے باعث اور زمین شق ہو جائے اور گر پڑیں پہاڑ ٹوٹ کر، کہ ثابت کیا رحمٰن کے لئے فرزند) آیت کی یہ تفسیر صاحب معالم التنزیل نے اختیار کی کہ بعض دیگر مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے بہت بڑی کثیر تعداد میں ہیں وہ آسمانوں میں سجدہ کئے ہوئے پڑے ہیں اور بہت سے فرشتے دوسرے کاموں میں لگے ہوئے ہیں ان فرشتوں کا بوجھ اتنا زیادہ ہے کہ اس کی وجہ سے آسمانوں کا پھٹ پڑنا کوئی بعید بات نہیں آیت کا یہ معنی لینا بھی بعید نہیں ہے چونکہ اس کے بعد فرشتوں کی تسبیح و تحمید کا ذکر ہے اس لئے اس کا یہ معنی بھی مرتبط ہوتا ہے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اَطَّتِ السماء وحُق لها ان تاط والذی نفسی بیدہٖ ما فیھا موضع اربع أصابع اِلاَّ وملکٌ واضع جبھتهٗ ساجد للّٰه. (آسمان چُر چُر بولتا ہے اور لازم ہے کہ وہ ایسی آوازیں نکالے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے آسمان میں چار انگل جگہ بھی ایسی نہیں ہے جہاں فرشتے نے سجدہ میں اپنی پیشانی نہ رکھ رکھی ہو) (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کمافی المشکوٰۃ ص ۴۵۷)

اور مِنْ فَوْقِهِنَّ جو فرمایا اس کا یہ مطلب ہے کہ آسمان پھٹنا شروع ہوں تو اوپر سے پھٹیں گے پہلے سب سے اوپر والا آسمان پھر اس سے نیچے والا پھر اس سے نیچے والا۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ (اور فرشتے اپنے رب کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں یعنی جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی شانِ عالی کے لائق نہیں ان سے اس کی تنزیہ اور پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کی صفات عالیہ بیان کرتے ہیں جن سے وہ متصف ہے تفسیر قرطبی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ تسبیح کا مطلب یہ ہے کہ وہ تعجب سے سبحان اللہ کہتے ہیں کہ مشرکین کو کیا ہو گیا وحدہ لاشریک کے ساتھ غیروں کو شریک کرتے ہیں اور خالق جل مجدہ کی ناراضگی اپنے سر لیتے ہیں۔

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ (اور زمین والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں) یعنی اہل ایمان جو دنیا میں بستے ہیں ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (خبردار اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ غفور ہے رحیم ہے) اس کے بعد مشرکین کا تذکرہ فرمایا کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے لئے کارساز بنالئے یعنی یہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا نگران ہے یعنی ان

کے اعمال سے باخبر ہے وہ ان کو سزا دے گا اور آپ کو ان پر کوئی اختیار نہیں دیا گیا اللہ تعالیٰ ہی جب چاہے گا سزا دے دیگا۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے آپ کو یہ قرآن وحی کے ذریعہ دیا جو عربی میں ہے تا کہ آپ اُم القریٰ یعنی مکہ والوں کو ڈرائیں (جو آپ کے اولین مخاطب ہیں) اور ان لوگوں کو بھی ڈرائیں جو مکہ کے چاروں طرف رہتے ہیں یعنی دیگر اہل عرب ان سب کو کفر کی سزا سے ڈرائیں اور بتادیں کہ اگر ایمان نہ لائیں تو اس کی سخت سزا ہے، اور آپ ان سب کو جمع ہونے کے دن سے بھی ڈرائیں اس سے قیامت کا دن مراد ہے جس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں، اس دن بندوں کے درمیان فیصلے کئے جائیں گے اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا اس کے فیصلے کو کوئی رد کرنیوالا نہیں، پہلے سے اسکا فیصلہ ہے فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ (ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں ہوگا) یہ اجمالی فیصلہ دنیا میں سنا دیا ہے اور قیامت کے دن ہر فریق کو الگ الگ کر دیا جائے گا اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر دوزخ میں چلے جائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ (الآیہ) یعنی ہر فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے اگر وہ چاہتا تو سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا یعنی سب اہل ایمان ہی ہوتے ہیں، وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرما دیتا ہے اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اس دنیا میں اہل ایمان بھی رہیں اور اہل کفر بھی سورۂ الٓمٓ سجدۃ میں فرمایا وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰهَا اور اگر ہم چاہتے ہر نفس کو اس کی ہدایت دے دیتے۔

وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (اور ظالموں کے لئے کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا) اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت اپنی جگہ ہے لیکن انسانوں کو ہوش اور گوش اختیار دیا ہے اور ایمان و کفر کا فرق بتا دیا ہے اور دونوں کی جزا و سزا بھی بتادی ہے اس لئے قیامت کے دن اپنے اختیار کو غلط استعمال کرنے کی وجہ سے پکڑے جائیں گے کفر و شرک ظلم ہے جب ظلم کی سزا ملے گی تو کوئی بھی حمایتی اور مددگار نہ ملے گا۔

مشرکین کی تردید

اسکے بعد شرک کا ابطال کیا اور اسکی قباحت بیان فرمائی اور فرمایا اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کارساز بنا لئے) یہ انہوں نے برا کیا فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ (کارساز اللہ ہی ہے) وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى (اور وہ مردوں کو زندہ فرماتا ہے) اس کے سوا کسی کو اسکی قدرت ہی نہیں وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور نہ صرف یہ کہ وہ مردوں کو زندہ فرماتا ہے بلکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے جو قادر مطلق ہے اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کو کارساز بنانا حماقت کی بات ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ڰ وَاِلَيْهِ

اور جس کسی چیز میں تم اختلاف کرو تو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے، وہ اللہ میرا رب ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع

اُنِيْبُ ۝۱۰ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ

ہوتا ہوں، وہ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے اس میں تمہارے نفسوں میں سے جوڑے بنائے اور مویشیوں میں سے

اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۱۱ لَهٗ مَقَالِيْدُ

جوڑے بنائے وہ تمہیں مادر رحم میں پیدا فرماتا ہے، اس جیسی کوئی چیز بھی نہیں ہے اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے، اسی کے اختیار میں ہیں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

آسمانوں کی اور زمین کی کنجیاں وہ رزق بڑھا دیتا ہے جس کے لئے چاہے اور کم کر دیتا ہے بے شک وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

تم جس چیز میں اختلاف کرو اس کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف ہے اس نے تمہارے جوڑے پیدا فرمائے

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہٗ کی صفات جلیلہ عظیمہ بیان فرمائی ہیں' پہلے تو یہ فرمایا کہ تم جن چیزوں میں اختلاف کرتے ہو انہیں اللہ کی طرف لوٹا دو یعنی اس کی کتاب جو فیصلہ دے اسے مان لو اور اسی کے مطابق عمل کرو' پھر رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ فرما دیں کہ اللہ ہی میرا رب ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں' توحید کی دعوت دینے میں تمہاری طرف سے کسی تکلیف کے پہنچ جانے سے میں نہیں ڈرتا۔

مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے اس کی تخلیق میں کوئی بھی شریک نہیں ہے اور اس نے تم کو بھی پیدا فرمایا ہے تمہاری جانوں سے تمہارے جوڑے بنائے ہیں یعنی حضرت آدمؑ اور حضرت حوا علیہما السلام سے لے کر آج تک جو نسلاً بعد نسلٍ بنی آدم پیدا ہو رہے ہیں اور جو پیدا ہوں گے ان میں یہ سلسلہ رکھا ہے کہ مرد بھی پیدا فرمائے ہیں اور عورتیں بھی' مرد عورتوں کے جوڑے ہیں اور عورتیں مردوں کے' اسی طرح اس نے مویشیوں میں بھی کئی قسمیں پیدا فرمائیں اور ان میں بھی نر و مادہ پیدا کئے جن سے ان کی نسلیں چل رہی ہیں۔

يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ (وہ اس تخلیق کے ذریعے تمہاری تکثیر فرماتا ہے) اور اس کی قدرت سے تمہاری نسلیں چلتی ہیں۔

قال القرطبیؒ أی یخلقکم وینشئکم "فیه" أی فی الرحم، وقیل فی البطن، وقال الفراء وابن کیسان "فیه" بمعنی به وکذلک قال الزجاج معنی "یذرؤکم فیه" یکثرکم به، أی یکثرکم یجعلکم أزواجا، أی حلائل، لانهن سبب النسل، وقیل ان الهآء فی "فیه" للجعل و دل علیه جعل فکانه قال یخلقکم ویکثرکم فی الجعل. (علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں یعنی تمہیں پیدا کرتا ہے اور ماں کے رحم میں پرورش دیتا ہے اور بعض نے کہا "فیہ" سے مراد ہے پیٹ میں فراء اور ابن کیسان نے کہا ہے "فیہ" بہ کے معنی میں ہے اور اسی طرح زجاج کہتے ہیں "یَذْرَءُکُمْ فِیْهِ" کا معنی ہے تمہیں اس کے ذریعہ بڑھاتا ہے یعنی تمہیں خاوند جوڑے بنا کر بڑھاتا ہے کیونکہ بیویاں نسل کا سبب ہیں بعض نے کہا "فیہ" میں "ھاء" جَعل کے لئے ہے اور جَعل اس پر دلالت کرتا ہے گویا کہ فرمایا وہ تمہیں پیدا کرتا ہے اور بنانے میں تمہیں زیادہ کرتا ہے)

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (اللہ کی طرح کوئی بھی چیز نہیں ہے خالق تعالیٰ شانہٗ ہی کا وجود حقیقی ہے وہ ہمیشہ سے ہے جس کی کوئی ابتداء نہیں وہ ہمیشہ رہے گا جس کی کوئی انتہا نہیں وہ اپنی ذات اور صفات میں تنہا ہے بے مثال ہے اسکی ذات کی طرح

کوئی ذات نہیں اسکی صفات کی طرح کسی کی صفات نہیں صفات کے اعتبار سے اگر کوئی لفظ کسی کے لئے بول دیا گیا ہے تو وہ محض اشتراک لفظی کے اعتبار سے ہے حقیقت کے اعتبار سے نہیں ہے اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں بھی متوحد اور یکتا ہے اور اوراپنی صفات میں بھی متفرد ہے اور اپنے اسماء میں بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف تجسیم کی نسبت کرتے ہیں یا اُسکے۔ لئے مکان اور زمان اور جہت تجویز کرتے ہیں اور جو اُسے تشبیہ اور تعطیل سے متصف کرتے ہیں وہ سب گمراہ ہیں خالق شانہٗ کی توحید کے منکر ہیں خالق اور مخلوق کی صفات میں کوئی مشابہت نہیں۔

قال القرطبیؒ والذی یعتقد فی ھذا الباب أن اللّٰہ جل اسمہ فی عظمتہ و کبریائہ و ملکوتہ وحسنی أسمائہ وعلی صفاتہ لا یشبہ شیئا من مخلوقاتہ ولا یشبہ بہ فلا تشابہ بینھما فی المعنی الحقیقی، اذ صفات القدیم جل وعزبخلاف صفات المخلوق اذ صفاتھم لاتنفک عن الاعراض والاعراض، وھو تعالیٰ منزہ عن ذلک، بل لم یزل باسمائہ وبصفاتہ علی ما بیناہ فی (الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللّٰہ الحسنیٰ) وکفی فی ھذا قولہ الحق: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ " وقد قال بعض العلماء المحققین : التوحید اثبات ذات غیر مشبھة للذوات ولا معطلة من الصفات وزاد السیوطی رحمہ اللّٰہ بیانا فقال: لیس کذاتہ ذات، ولا کاسمہ اسم، ولا کفعلہ فعل، ولا کصفتہ صفة الا من جھة موافقة اللفظ ، وجلت الذات القدیمة ان یکون لھا صفة حدیثة، کما استحال ان یکون للذات المحدثة صفة قدیمة، وھذا کلہ مذھب أھل الحق والسنة والجماعة رضی اللّٰہ عنھم. (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں اس باب میں جو اعتقاد رکھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام بزرگی والا ہے اپنی عظمت و کبریائی اور مالکیت میں اور اپنے اسماء حسنیٰ میں اور اپنی صفات میں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوقات کے بالکل مشابہ نہیں ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے مشابہ ہے لہٰذا حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی مشابہت نہیں ہے کہ قدیم ذات کی صفات بلند ہیں اور بزرگی والی ہیں بخلاف مخلوق کی صفات کے کیونکہ مخلوق کی صفات تو اغراض اور اعراض سے جدا نہیں ہو سکتیں اور اللہ تعالیٰ اعراض و اغراض سے منزہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات تو قدیم ہیں جیسا کہ ہم نے الکتاب الأسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ میں بیان کیا ہے اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی حق ذات کا یہ ارشاد کافی ہے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ بعض محققین علماء نے کہا ہے توحید ایسی ذات کے یقین سے مان لینے کا نام ہے کہ جو ذات کسی اور ذات کے مشابہ نہیں ہے اور کسی صفت سے معطل ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے ایک بیان کا اضافہ کیا ہے کہتے ہیں اللہ کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں ہے نہ اس کے نام جیسا کوئی نام ہے اور نہ اس کے فعل جیسا کوئی فعل ہے اور نہ اس کی صفت جیسی کوئی صفت ہے مگر صرف لفظی موافقت۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند ہے کہ اس کوئی صفت نئی پیدا شدہ ہو جیسا کہ یہ محال ہے کہ کسی فانی ذات کی کوئی قدیم صفت ہو یہ اہل حق اہل السنة والجماعة کا مذہب ہے)

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (اور وہ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے وہ ہر بات کو سنتا ہے ہر چیز کو دیکھتا ہے)

اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں

آسمانوں کی اور زمین کی کنجیاں یعنی سارے خزانوں کا وہی مالک ہے يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وہ پھیلا دیتا ہے رزق جس کے لئے چاہے اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لئے چاہے اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ بے شک وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ

اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مشروع فرمایا ہے جس کی اس نے نوح کو وصیت فرمائی اور جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجا اور ہم نے جس کی وصیت کی ابراہیم کو

وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ

اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو کہ تم دین کو قائم کرو اس میں تفرقہ نہ ڈالو! مشرکین کو وہ بات گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ انہیں بلاتے ہیں، اور

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۞ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ

اللہ جسے چاہتا ہے اسے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو شخص رجوع کرتا ہے اسے اپنی طرف سے ہدایت دے دیتا ہے اور یہ لوگ متفرق نہیں ہوئے مگر ضد اضدی میں اس کے بعد ان کے

الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ

پاس علم آگیا، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے وقت معین تک ایک بات پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۞

اور بلاشبہ انکے بعد جنہیں کتاب دی گئی وہ اسکی طرف سے شک میں پڑے ہیں جو تردد میں ڈالنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی دین مشروع فرمایا ہے جس کی وصیت فرمائی نوح اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو

تفسیر: اللہ تعالیٰ کی توحید اور فرمانبرداری اور اس کے رسولوں اور کتابوں اور فرشتوں اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر ایمان لانا یہ اصل دین ہے اور یہی تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین ہے ان امور پر متفق ہوتے ہوئے مسائل فرعیہ متعلقہ عبادات اور معاشرت وغیرہ میں اختلاف رہا ہے اس بات کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے تمہارے لئے اسی دین کو مشروع یعنی مقرر فرمایا جس کی نوح کو وصیت کی اور ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو وصیت کی اور یہی دین آپ ﷺ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجا اسی دین پر قائم رہو اسی دین کی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام دعوت دیتے رہے حتیٰ کہ آخر الانبیا محمد رسول ﷺ کی تشریف آوری ہوئی اللہ تعالیٰ نے آپکو دین کامل عطا فرما دیا ہے جو عقائد کے اعتبار سے ان بنیادی عقائد پر مشتمل ہوتے ہوئے جو انبیائے سابقین علیہم السلام کے تھے انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے احکام واخلاق وآداب پر مشتمل ہے۔

اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ کے ساتھ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ بھی فرمایا جس کا معنی یہ ہے کہ دین کو قائم رکھو اس کو ترک مت کرو اس میں تبدیلی نہ کرو ایسا نہ کرو کہ کسی بات پر ایمان لائے کسی پر نہ لائے اور کسی بات کو مانا کسی کو نہ مانا اور (بنی اسرائیل ایسا کیا کرتے تھے جنہیں تنبیہ فرمائی تھی اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ)

مشرکین کو آپ کی دعوت ناگوار ہے

کَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ إِلَيْهِ مشرکوں کو یہ بات گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ کو دعوت دیتے ہیں ان کا ناگوار گزرنا دو طرح سے تھا اول اس طرح کہ مشرکین نے توحید کو چھوڑ دیا تھا اور اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا لئے تھے رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں توحید کی دعوت دی تو انہیں بڑی ناگوار گزری اور بری لگی اور دوسری بات یہ تھی کہ وہ لوگ یوں کہتے تھے کہ اللہ نے آپ ہی کو نبی کیوں بنایا ہم میں سے کسی مالدار کو نبی بنانا چاہئے تھا ان کے جواب میں فرمادیا

اللہ جسے چاہے اپنا بنالیتا ہے

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْ إِلَيْهِ مَنْ يَّشَاءُ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے یعنی اپنا بنالیتا ہے اور جو کوئی فضیلت کسی کو دینا ہو اس کے لئے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے وَيَهْدِيْ إِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ اور جو شخص اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے اسے اپنا راستہ بتادیتا ہے یعنی اسے ہدایت دے دیتا ہے اراۃ الطریق کے بعد ایصال الی المطلوب بھی فرمادیتا ہے یعنی قبول ہدایت کی توفیق دے دیتا ہے۔

علم آنے کے بعد لوگ متفرق ہوئے

وَمَا تَفَرَّقُوْا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ اور لوگ ضد اضدی کے باعث اس کے بعد متفرق ہوئے جبکہ اُن کے پاس علم آچکا تھا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ قریش مکہ کے بارے میں فرمایا ہے یہ لوگ آرزو کرتے تھے کہ انکی طرف کوئی نبی بھیجا جائے اور قسمیں کھاتے تھے کہ ہمارے پاس کوئی نبی آگیا تو ہم پرانی امتوں سے بڑھ کر ہدایت والے ہوں گے جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوگئی تو منکر ہو گئے آپس کی ضد اضدی نے انکے فرقے بنادیئے کچھ لوگوں نے ایمان قبول کیا اور کچھ لوگ کفر و شرک پر جمے رہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول یہ ہے کہ اس سے اہل کتاب مراد ہیں یہودیوں کو حسد کھا گیا اور جانتے بوجھتے ایمان نہ لائے اور نصاریٰ بھی انہیں کی راہ پر چل پڑے ان لوگوں کو متفرق ہونا اور رسول اللہ ﷺ سے اختلاف کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپ کے بیان میں اور اظہار حجت میں کوئی کمی تھی حُب دنیا اور مال و جاہ کی طلب نے انہیں ایمان سے روکا۔ (هذا ما ذكره القرطبی ص ۱۲ ج ۱۶ وذكر قولا ثالثا وقال قيل اُمم الانبياء المتقدمين فانهم فی بينهم اختلفوا لما طال بهم المدى فامن قوم فكفر قوم ا ه) (یہ وہ ہے جو علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے اور ایک تیسرا قول بھی ذکر کیا ہے کہ بعض نے کہا ہے سابقہ انبیاء کی امتوں میں اختلاف ہوا جب لمبا عرصہ گذرا تو ایک گروہ ایمان والا رہا اور ایک کافر ہو گیا)

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے بات نہ کی جاتی (یعنی یہ فیصلہ نہ ہو گیا ہوتا کہ انہیں قیامت کے دن عذاب دینا ہے دنیا میں عذاب نہیں دیتا تو اب تک فیصلہ ہو چکا ہوتا یعنی عذاب

آچکا ہوتا) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اجل مسمی سے دنیا میں عذاب بھی آگیا کما کان فی بدر وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ (اور بلاشبہ جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں جو تردد میں ڈالنے والا ہے علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں جنہیں ان لوگوں کے بعد کتاب دی گئی جو حق میں ان سے پہلے اختلاف کر چکے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ سے قریش مراد ہیں جن کے پاس قرآن مجید آیا اور مِنْۢ بَعْدِهِمْ سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اور منہ کی ضمیر قرآن کریم کی طرف یا محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ
سو آپ اس کی طرف بلایئے اور جیسا آپ کو حکم ہوا ہے مستقیم رہیے اور انکی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے اور آپ فرمایئے کہ اللہ نے جو کتابیں نازل فرمائیں میں ان پر ایمان لایا
وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ ۖ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۖ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ ۖ
اور مجھے حکم دیا گیا کہ تمہارے درمیان عدل رکھوں اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی حجت بازی نہیں
اَللّٰهُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۵﴾ وَالَّذِیْنَ یُحَآجُّوْنَ فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِیْبَ لَهٗ
اللہ ہمیں اور تمہیں جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف جانا ہے اور جو لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اس کے بعد کہ اس کی دعوت کو مان لیا گیا ہے انکی
حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ﴿۱۶﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ
حجت انکے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب اور انکے لئے سخت عذاب ہے اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب کو اور میزان کو نازل فرمایا
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ ۗ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ ﴿۱۷﴾ یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ
اور آپکو کیا پتہ ہے عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ اس کے جلدی آنے کا تقاضا کرتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے
بِهَا ۚ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۗ اَلَآ اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی
وہ اس سے ڈرتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ وہ حق ہے، خبردار اس میں شک نہیں کہ جو لوگ قیامت کے بارے شک کرتے ہیں وہ دور کی
السَّاعَةِ لَفِیْ ضَلٰلٍۢ بَعِیْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿۱۹﴾
گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، اللہ بندوں پر مہربان ہے وہ رزق دیتا ہے جسے چاہے اور وہ قوی ہے عزیز ہے۔

استقامت اور عدل کا حکم، کافروں سے برأت کا اعلان

تفسیر: اوپر جس دین کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے اسکی نوح اور ابراہیم اور موسیٰ عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وصیت کی اور آپکی طرف اسکی وحی بھیجی اسی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ آپ اسی کی طرف دعوت دیتے رہیں اور آپ کو جس طرح حکم دیا گیا ہے اسی طرح مستقیم رہیں اور مشرکین کی خواہشوں کا اتباع نہ کریں انہیں آپ کا دین ناگوار ہے اور یہ بھی ناگوار ہے کہ آپ انہیں دین توحید کی دعوت دیں اگر آپ کی دعوت میں ذرا سی بھی لچک آگئی اور انکی کسی بات کو مان لیا

تو استقامت ہاتھ سے جاتی رہے گی۔

مزید فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی کتابیں نازل فرمائیں ہیں سب پر ایمان لاتا ہوں جن میں قرآن مجید بھی ہے اور ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ تم سے کوئی بات کہوں اور خود عمل نہ کروں اور تمہیں تکلیف میں ڈالوں اور خود آزاد رہوں لہٰذا تم میری بات مانو اسے وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ میں بیان فرمایا:

اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے جب سب اُسی کے بندے ہیں تو لازم ہے کہ سب ایمان لائیں اور اس کے بھیجے ہوئے دین کا اتباع کریں گے اگر تم نہیں مانتے تو دیکھ لو سامنے آخرت کا دن بھی ہے سب اپنے اپنے اعمال لے کر حاضر ہوں گے ہمیں جو کچھ پیغام پہنچانا تھا پہنچا دیا ہمارا کام پورا ہو گیا اب ہمارے تمہارے درمیان کوئی حجت بازی نہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع فرمائے گا اسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے وہ اصحاب توحید کو جزا دے گا اور اصحاب شرک کو سزا دے گا ہم اظہار حق اور دعوت توحید کے سوا کیا کر سکتے ہیں نہ ماننے کا وبال تمہیں پر پڑے گا۔

معاندین کی دلیل باطل ہے

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ (الآیات) اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں یعنی اس کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کرنے میں حجت بازی کر رہے ہیں حالانکہ بہت سے عقل و فہم والے لوگوں نے اسے مان لیا ہے ان جھگڑا کرنے والوں کی دلیلیں باطل ہیں ان کی کوئی دلیل ایسی نہیں جو توحید کے خلاف عقیدہ رکھنے کو ثابت کر دے اگر چہ وہ اپنی جہالت سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری دلیل کام دینے والی ہے لیکن جب بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں گے تو اس وقت پتہ چل جائے گا کہ انکی دلیل باطل تھی اس باطل پر بھروسہ کئے رہے اور دنیا میں کفر و شرک پر جمے رہے اللہ تعالیٰ کا اُن پر بڑا غصہ ہے اور قیامت کے دن سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ میں یہ بتایا کہ اللہ کے نبی نے جو توحید کی دعوت دی بہت سے لوگوں نے اُسے قبول کیا آپ کے معجزات دیکھ کر دین اسلام میں داخل ہو گئے معاندین کو بھی غور کرنا چاہیے کہ جن لوگوں نے توحید کی دعوت قبول کر لی ہے کوئی دیوانے تو نہیں ہیں یہ بھی تو سمجھدار ہیں ہم ہی کو ضد کرنے کی کیا ضرورت ہے، **قال فی معالم التنزیل ای استجاب له الناس فاسلموا ودخلوا فی دینه لظهور معجزته.**

اللہ تعالیٰ نے کتاب کو میزان کو نازل فرمایا

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتابیں نازل فرمائیں اور میزان کو نازل فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور اکثر مفسرین نے فرمایا کہ میزان سے عدل و انصاف مراد ہے کیوں کہ میزان یعنی ترازو عدل و انصاف کا آلہ ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے جزا و سزا مراد ہے یعنی طاعت پر جو ثواب ملے گا اور معصیت پر جو عذاب ہو گا اسے میزان سے تعبیر فرمایا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ میزان سے ترازو ہی مراد ہے کیونکہ اس کے ذریعے وزن کیا جاتا ہے اور کمی بیشی کا پتہ چلایا جاتا ہے۔

عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ اور آپ کو کیا خبر عجب نہیں کہ قیامت قریب ہو اس میں بظاہر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب ہے لیکن واقعی طور پر ہر مکلف اس کا مخاطب ہے ہر شخص فکر مند ہو کہ قیامت آنے پر میرا کیا بنے گا عقائد اور اعمال کا حساب ہوگا تو میں کن لوگوں میں ہونگا قیامت کی تاریخ نہیں بتائی گئی ہو سکتا ہے کہ عنقریب ہی واقع ہو جائے لہٰذا ہر وقت فکر مند ہونا چاہیے۔

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے وہ قیامت آنے کی جلدی مچاتے ہیں چونکہ اس کے آنے کا یقین نہیں ہے اس لئے بار بار یوں کہتے ہیں کہ وہ کیوں نہیں آ جاتی جلدی آ جانی چاہئے وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ (اور جو لوگ ایمان لائے وہ وقوع قیامت سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ حق ہے) أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ خبردار جو لوگ شک کرتے ہیں قیامت کے بارے میں وہ دور کی گمراہی میں ہیں، دلائل کے قائم ہو جانے کے باوجود بھی انکار پر اصرار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے

اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ (اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے وہ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ قوی ہے عزیز ہے اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے وہ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے نیک بندوں کو بھی کھلاتا ہے اور کفار و فجار کو بھی کھانے کی چیزیں دیتا ہے، کفر اور معصیت کی وجہ سے وہ اپنا رزق نہیں روکتا مہربانی کی یہ ایک صورت ہے اور اس کے علاوہ اس کی بہت سی مہربانیاں ہیں دنیا میں بھی ان کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے اور آخرت میں بھی اس کی مہربانی کا مظاہرہ ہوگا' علامہ قرطبی نے لطیف کی تشریح کرتے ہوئے آٹھ دس معانی لکھے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تھوڑے عمل پر بہت زیادہ ثواب دیتا ہے اور ایک یہ ہے کہ اس نے طاقت سے زیادہ اعمال کا مکلف نہیں بنایا اور ایک یہ ہے کہ وہ سوال رد نہیں فرماتا اور امیدوار کو نا اُمید نہیں کرتا۔

وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ (وہ قوی بھی ہے اور عزیز ہے) اس کی مہربانی اور داد و دہش کو کوئی نہیں روک سکتا۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۖ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا
جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کے لئے اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیں گے اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرتا ہے ہم اس میں سے اسے دے دیں گے
وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ﴿۲۰﴾
اور آخرت میں اس کے لئے کوئی بھی حصہ نہیں۔

طالب آخرت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اضافہ ہوگا' اور طالب دنیا کو آخرت میں کچھ نہ ملے گا

تفسیر: اس آیت کریمہ میں آخرت کے طلب گاروں اور دنیاداروں کی نیتوں کا اور اعمال کا اور ان کا جو بدلہ ملے گا اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے یعنی دنیا میں ایمان سے متصف ہے۔ اور اعمالِ صالحہ میں لگا رہتا ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ میرے ان اعمال کا آخرت میں ثواب دیا جائے اللہ تعالیٰ اُسے بہت زیادہ ثواب دے گا ایک نیکی کی کم از کم دس نیکیاں تو لکھی ہی جاتی ہیں اور ایک نیکی کا عوض سات سو گناہ دینے کا قرآن مجید میں ذکر ہے کَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ سات سو گنا ثواب بتانے کے بعد وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ بھی فرمادیا حضرات علمائے کرام نے اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ نیکیوں میں اضافہ ہونا اور بڑھا چڑھا کر ان کا ثواب ملنا کوئی سات سو پر منحصر نہیں ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ دے گا جس کی تفصیلات احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہیں علم و عمل پھیلانے والوں اور دین کا چرچا کرنے والوں اور اعمالِ صالحہ کو آگے بڑھانے والوں کا ثواب تو بہت ہی زیادہ ہے' جب تک معلمین و مبلغین کے بتائے ہوئے اعمال اور پڑھائے ہوئے امور کے مطابق لوگ عمل کرتے رہیں گے ان حضرات کو ان کے عمل کا بھی ثواب ملتا رہے گا اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں سے کچھ بھی کمی نہ ہوگی جس طرح دانہ ڈالنے کے بعد کھیتی بڑھتی ہے اور ایک دانہ بونے سے بہت سے دانے حاصل ہو جاتے ہیں اسی طرح آخرت کے اعمال میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے اسی لئے آخرت کے لئے عمل کرنے والوں کے عمل کو' آخرت کی کھیتی سے تعبیر فرمایا' پھر فرمایا کہ جو لوگ دنیا کے طالب ہیں دنیا ہی کو چاہتے ہیں اسی کے لئے عمل کرتے ہیں ہم انہیں دنیا میں سے کچھ دے دیں گے جتنا وہ چاہتے ہیں اتنا دیں یا اس سے کم و بیش دیں بہر حال جو کچھ ملے گا تھوڑا ہی ہوگا آخرت کے اجر و ثواب کے مقابلے میں تو کسی دنیا دار کا بڑے سے بڑا حصہ پاسنگ کے درجہ میں بھی نہیں آسکتا جتنی بھی دنیا مل جائے تھوڑی ہی ہوگی اور یہ بھی ضروری نہیں کہ طالب دنیا کو دنیا مل ہی جائے جو کچھ ملے گا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور چونکہ اصلی دنیادار مومن نہیں ہوئے اس لئے آخرت میں انہیں کچھ بھی نہیں ملنا' سورۃ الاسراء آیت کی تصریح اور تشریح دوبارہ پڑھ لیں ارشاد فرمایا: مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْیَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا (جو شخص دنیا کی نیت رکھے گا ہم ایسے شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے جس کے لئے چاہیں گے دے دیں گے پھر ہم اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے وہ اس میں بدحال راندا ہوا داخل ہوگا اور جو شخص آخرت کی نیت رکھے گا اور اس کے لئے کوشش کرے گا جیسی کوشش اس کے لئے ہونی چاہئے اور وہ مومن بھی ہوگا سو یہ لوگ ہیں جن کی کوشش کی قدر دانی کی جائے گی۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِیَ

کیا ان کے لئے شرکاء ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین میں وہ چیزیں مشروع کردی ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی' اگر فیصلہ کی بات طے شدہ نہ ہوتی تو ان کے درمیان

بَيْنَهُمْ ۗ وَإِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ

فیصلہ کردیا جاتا' اور بلاشبہ ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے ڈر رہے ہوں گے حالانکہ وہ ان پر

وَاقِعٌ بِهِمْ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَاۤءُوْنَ عِنْدَ

واقع ہو کر رہے گا' اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ جنتوں کے باغیچوں میں ہوں گے وہ جو کچھ چاہیں گے ان کے لئے ان کے

رَبِّهِمْ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٢٢﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۗ

رب کے پاس وہ سب کچھ ہوگا یہ بڑا فضل ہے۔ یہ وہی ہے جس کی بشارت اللہ اپنے بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے

قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۗ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۗ

آپ فرما دیجئے کہ میں اس پر تم سے کسی عوض کا سوال نہیں کرتا بجز رشتہ داری کی محبت کے اور جو کوئی شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس کے لئے اس میں زیادہ خوبی کردیں گے

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿٢٣﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ

اور بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے قدر دان ہے کیا وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے سو اگر اللہ چاہے آپ کے دل

عَلٰى قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٢٤﴾

پر مہر لگا دے' اور اللہ باطل کو مٹاتا ہے اور حق کو اپنے کلمات کے ذریعہ ثابت کرتا ہے' بلاشبہ وہ سینوں کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔

قیامت کے دن ظالم لوگ اپنے اعمال بد کی وجہ سے ڈر رہے ہونگے اور اہل ایمان اعمالِ صالحہ والے جنتوں کے باغیچوں میں ہونگے

تفسیر: اوپر تین آیات کا ترجمہ لکھا گیا ہے پہلی آیت میں مشرکین کو تنبیہ فرمائی ہے کہ جنہوں نے اللہ کے لئے شریک تجویز کر رکھے ہیں کیا انہوں نے ان آیات کے لئے ایسے دینی احکام مشروع و مقرر کئے ہیں جنکی اللہ نے اجازت نہ دی ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا ایسا کوئی نہیں جو مخلوق کے لئے کوئی دین مشروع و مقرر کر دے نہ کوئی ایسا کر سکتا ہے اور نہ کسی کو اس کا حق ہے اللہ تعالیٰ ہی کو اس کا حق ہے کہ اپنی مخلوق کے لئے دین مشروع فرمائے جب ان بنائے ہوئے شریکوں میں سے کسی نے ان کیلئے دین مشروع نہیں کیا تو ان کی عبادت کرنا حماقت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ مشرکین پر لازم ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اسے وحدہ لاشریک جانیں۔

ان لوگوں نے شرک اختیار کر کے اپنی جانوں کو عذاب کا مستحق بنا دیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے طے فرما دیا ہے کہ عذاب دنیا میں فلاں وقت ہوگا اور آخرت میں ضرور ہوگا اگر یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو ان کو دنیا میں ابھی عذاب دے دیا جاتا' عذاب کی تاخیر سے خوش نہ ہوں خوب سمجھ لیں کہ ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے جس میں ضرور ہی مبتلا ہوں گے۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ ایک وہ وقت بھی آنے والا ہے یعنی قیامت کا دن) جب ظالمین یعنی مشرکین اور کافرین

اپنی کرتوتوں کی وجہ سے عذاب سے ڈر رہے ہوں گے لیکن یہ ڈرنا کچھ مفید نہیں ہوگا ان پر عذاب ضرور واقع ہو کر رہے گا اور اہل ایمان اعمال صالحہ والے بہشتوں کے باغوں میں نعمتوں میں مشغول ہوں گے وہاں جو کچھ چاہیں گے ان کے پاس ان کے لئے موجود ہوگا یہ جنتوں کا داخلہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے (یہ دنیا کی چہل پہل اس کے سامنے کچھ بھی نہیں)

تیسری آیت میں اول تو مومنین اعمال صالحہ والوں کی فضیلت بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بشارت دیتا ہے کہ ان کو ایسی نعمتیں ملیں گی۔

دعوت و تبلیغ کے عوض تم سے کچھ طلب نہیں کرتا

اس کے بعد فرمایا قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى (آپ فرما دیجئے کہ میں اس پر تم سے کسی عوض کا سوال نہیں کرتا بجز رشتہ داری کی محبت کے) اس کا مطلب یہ ہے کہ میں جو کچھ تمہیں توحید کی دعوت دیتا ہوں اور ایمان لانے کی باتیں کرتا ہوں میری یہ محنت اور کوشش صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے میں تم سے کچھ بھی نہیں چاہتا ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ میری تمہاری رشتہ داریاں ہیں رشتہ داری کے اصول پر جو تمہاری ذمہ داری ہے اسے پوری کرو صلہ رحمی کو سامنے رکھ کر مجھے تکلیف نہ پہنچاؤ تو یہ دوسری بات ہے فھو استثناء منقطع و لیس بمتصل حتی تکون المودة فی القربیٰ أجراً فی مقابلة اداء رسالة.

رشتہ داری کے اصول پر تم میرے حق کو پہچانو اور ایذا رسانی سے باز آؤ تم اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان بھی نہیں لاتے اور رشتہ داری کا بھی خیال نہیں کرتے ایذا رسانی پر تلے ہوئے ہو یہ تو عربوں کی روایت کے بھی خلاف ہے۔

اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى کا ایک مطلب معالم التنزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ میرا تم سے بس یہی سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو اور اس کی فرمانبرداری کرو عمل صالح اختیار کر کے اس کی دوستی کی طرف بڑھتے رہو (جب ایسا کرو گے تو میرا اجر بھی چند در چند ہو کر مجھے ملے گا اور تم لوگ بھی اللہ کی رحمت کے مستحق ہو گے)

وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا (اور جو کوئی شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اس کے لئے اس میں خوبی کا اضافہ کر دیں گے) یعنی اسے دو چند کر کے اس کا ثواب بڑھا دیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ (بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے قدردان ہے) لہٰذا گناہوں سے توبہ کرو اور نیکیوں میں لگ جاؤ اور خوب زیادہ ثواب پاؤ۔

قرآن کو افتراء علی اللہ بتانے والوں کی تردید

چوتھی آیت میں ارشاد فرمایا اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یہ استفہام تقریری ہے یعنی یہ لوگ ایسا کہتے ہیں اس کے جواب میں فرمایا فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ (سو اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے) یعنی آپ کو قرآن بھلا دے (لیکن وہ آپ پر برابر قرآن نازل فرما رہا ہے جو رحمتیں ابتدائے نبوت سے جاری تھیں وہ اب بھی جاری ہیں لہٰذا ان لوگوں کے قول سے رنجیدہ نہ ہوں آپ پر برابر وحی

آتی رہنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ لوگ اپنی اس بات میں جھوٹے ہیں کہ آپ نے اللہ پر جھوٹ بولا ہے۔

وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ اور اللہ تعالیٰ باطل کو مٹا دیتا ہے لہٰذا وہ ان کی باتوں کو مٹا دے گا ویحق الحق بکلماته اور وہ حق کو اپنے کلمات کے ذریعے غالب کر دیتا ہے) لہٰذا وہ اپنے دین حق کو کلمات کے ذریعہ ثابت فرما دیگا۔

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (بلاشبہ اللہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے (اگر کسی نے کوئی اچھی یا بُری بات سینہ میں چھپا کر رکھی تو اللہ تعالیٰ اس کی جزا و سزا دیدے گا)

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾
اور وہ ایسا ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور برائیوں کو معاف فرماتا ہے' اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو'
وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ
اور جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے اور ان کی دعا قبول فرماتا ہے اور اپنے فضل سے انکے اعمال میں اضافہ فرماتا ہے اور جو کافر ہیں ان کیلئے
عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ
سخت عذاب ہے' اور اگر اللہ اپنے بندوں کیلئے روزی فراخ کر دے تو وہ زمین میں بغاوت کرنے لگیں اور لیکن وہ نازل فرماتا ہے ایک اندازہ
بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا
کیساتھ جو وہ چاہتا ہے' بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے دیکھنے والا ہے' اور وہ ایسا ہے جو لوگوں کے ناامید ہونے کے بعد بارش برساتا ہے
وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾
اور اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے' اور وہ وَلی ہے مستحق حمد ہے۔

اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے اور تمہارے اعمال کو جانتا ہے' اپنی مشیت کے مطابق رزق نازل فرماتا ہے اور جب ناامید ہو جائیں' بارش برساتا ہے

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ' کی صفات جلیلہ اور نعمہائے عظیمہ بیان فرمائی ہے' اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے دوم یہ فرمایا کہ تم جو بھی کچھ عمل کرتے ہو وہ اسے جانتا ہے (اسے سچی توبہ کا بھی علم ہے اور صرف زبانی توبہ کو بھی جانتا ہے) سوم یہ فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے (نیک اعمال میں یہ بھی داخل ہے کہ دعا کرنے والا حرام روزی سے بچتا ہو) چہارم یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اہل ایمان کے اعمال میں اضافہ فرماتا یعنی مختصر سے عمل کا بہت زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے

اور ایک عمل کو کئی گنا کر کے خوب بڑھا چڑھا کر ثواب عطا فرماتا ہے پنجم یہ فرمایا کہ کافروں کے لئے سخت عذاب ہے (وہ دنیا کی زندگی سے دھوکہ نہ کھائیں اور آخرت کے عذاب سے ڈریں ششم یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے خاص اندازہ کے مطابق رزق عطا فرماتا ہے اگر وہ بندوں کے لئے رزق کو پھیلا دے یعنی بہت زیادہ دے دے اور سبھی کو بہت زیادہ مال مل جائے) تو زمین میں بغاوت کرنے لگیں لیکن وہ ایسا نہیں کرتا کچھ لوگ زیادہ پیسے والے ہیں کچھ کم پیسے والے ہیں کچھ فقیر ہیں اور مسکین ہیں سب کو اس نے اپنی حکمت کے مطابق پیدا فرمایا ہے اور ہر ایک کو اپنی حکمت کے مطابق موجودہ حال میں رکھا ہے وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور سب کچھ دیکھتا ہے ہفتم یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے لئے اس وقت بارش برساتا ہے جب وہ ناامید ہو چکے ہوتے ہیں وہ بارش بھی برساتا ہے رحمت بھی پھیلاتا ہے بارش میں دیر ہوتی ہے تو بندے ناامید ہو جاتے ہیں اور جب بارش ہو جاتی ہے تو خوش ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت پھیل جاتی ہے اس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں ہشتم دو عظیم صفات بتاتے ہوئے فرمایا وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ (اللہ تعالیٰ ولی ہے کارساز ہے) مخلوق کی حاجتیں پوری فرماتا ہے اور اس کے سارے افعال لائق ستائش ہیں وہ بہر حال تعریف کا مستحق ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۚ وَهُوَ عَلٰى
اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانا اور ان جانوروں کا پیدا فرمانا جو اس نے ان دونوں میں پھیلا دیئے ہیں اور وہ ان کے
جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا
جمع کرنے پر جب چاہے قادر ہے اور تمہیں جو بھی کوئی مصیبت پہنچ جائے سو وہ تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے اور وہ بہت کچھ معاف
عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا
فرما دیتا ہے اور تم زمین میں عاجز بنانے والے نہیں ہو اور تمہارے لئے اللہ کے سواء کوئی ولی اور
نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِى الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ
مددگار نہیں ہے اور اس کی نشانیوں میں سے کشتیاں ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح ہیں اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک دے سو یہ کشتیاں سمندر کی
رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۚ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا
پشت پر رکی ہوئی رہ جائیں بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر کرنے والے کیلئے یا وہ انہیں کے اعمال کی وجہ سے ہلاک فرما دے
وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِىْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾
اور بہت سوں کو معاف کر دے اور وہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو ہماری آیات میں جھگڑتے ہیں ان کیلئے کوئی بھی بچنے کی جگہ نہیں ہے۔

آسمان و زمین اور چوپایوں کی تخلیق میں اللہ کی نشانیاں ہیں

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ شانہ کی شانِ تخلیق اور شانِ ربوبیت بیان فرمائی ہے ارشاد فرمایا کہ انسانوں کا

اور زمین کا پیدا فرمانا اور ان کے اندر جو جاندار چیزیں پیدا فرمائی اور پھیلائی ہیں ان کو وجود بخشنا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں سے ہے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ یہ مخلوق جو آسمانوں میں اور زمین میں پھیلی ہوئی ہے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ان کو جمع کرنا کیسے ہوسکتا ہے؟ ان کو جمع کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے بہت آسان ہے اسے اس پر قدرت ہے کہ ان سب کو جمع فرما دے اور قیامت کے دن ایسا ہوگا۔

جو بھی کوئی مصیبت تمہیں پہنچتی ہے تمہارے اعمال کی وجہ سے ہے

پھر فرمایا کہ میں سے جس کسی کو جو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے پہنچ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر گناہ پر تکلیف نہیں بھیجتا اگر ہر گناہ کی وجہ سے مصیبت بھیجی جائے تو ہوسکتا ہے کہ آرام وراحت کا نمبر ہی نہ آئے بہت سے گناہوں سے اللہ تعالیٰ درگزر فرماتا ہے لہٰذا ان کی وجہ سے کوئی مصیبت نہیں آتی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی بندہ کو کوئی ذراسی تکلیف یا بڑی تکلیف پہنچ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر گناہ پر تکلیف نہیں بھیجتا اگر ہر گناہ کی وجہ سے مصیبت بھیجی جائے تو ہوسکتا ہے کہ آرام وراحت کا نمبر ہی نہ آئے بہت سے گناہوں سے اللہ تعالیٰ درگزر فرماتا ہے لہٰذا ان کی وجہ سے کوئی مصیبت نہیں آتی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی بندہ کو کوئی ذراسی تکلیف یا بڑی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو وہ گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ جن گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے وہ ان گناہوں سے زیادہ ہوتے ہیں جن پر مواخذہ ہوتا ہے۔ (رواہ الترمذی)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مومن مرد اور مومن عورت کو جان و مال اور اولاد میں تکلیف پہنچتی رہتی ہے یہاں تک کہ جب وہ (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس کا کوئی گناہ بھی باقی نہ ہوگا۔ (رواہ الترمذی)

معلوم ہوا کہ اہل ایمان پر جو تکلیفیں آتی ہیں ان سے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں اور یہ بہت بڑا فائدہ ہے کیونکہ آخرت میں گناہوں پر جو عذاب ہے وہ بہت سخت ہے دنیا میں جو تکلیفیں پہنچتی رہتی ہے وہ معمولی چیزیں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے لئے کوئی بلند مرتبہ دینے کا فیصلہ فرما دیتا ہے لیکن وہ اپنے عمل سے اس مرتبہ تک پہنچنے سے قاصر رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تکلیف میں مبتلا فرما دیتا ہے یہ تکلیف اس کے مال جان اور اولاد میں پہنچ جاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اس پر صبر عطا فرما دیتا ہے یہاں تک کہ اس مرتبہ پر پہنچا دیتا ہے جو اللہ کی طرف سے اس کے لئے پہلے سے مقرر کر دیا گیا تھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۱۳۷ از احمد وابوداؤد)

یاد رہے کہ وَمَآ اَصَابَکُمْ میں جو خطاب ہے یہ عام مومنین سے ہے لہٰذا یہ اشکال پیدا نہیں ہوتا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام تو معصوم تھے ان پر تکلیفیں کیوں آئیں ان حضرات کو جو تکلیفیں پہنچیں گناہوں کی وجہ سے نہیں بلکہ رفع درجات کی وجہ سے پہنچیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ تم زمین میں عاجز کرنے والے نہیں ہو یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں جس حال میں رکھے اس میں رہو گے اس سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے' اور غیر اللہ سے امیدیں باندھنا بھی فائدہ مند نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی ولی (یعنی کارساز) نصیر (یعنی مددگار) نہیں ہے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے کشتیاں بھی ہیں' پہاڑوں کے برابر بڑی بڑی کشتیاں سمندر میں چلتی ہیں جنہیں آج کل باخرہ اور بحری جہاز کہتے ہیں ان کشتیوں میں خود بھی سوار ہو کر سفر کرتے ہیں اور ان پر مال بھی لے جاتے ہیں بھاری بھاری کشتیاں سامان سے لدی ہوئی سمندر میں جاری ہیں کشتیاں ہوا کے ذریعہ ان کو چلاتے ہیں یہ ہوائیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتی ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہوا کو روک دے اور یہ کشتیاں سمندروں میں کھڑی کی کھڑی رہ جائیں اس میں صبر اور شکر کرنے والے بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

شاید کسی کے دل میں یہ وسوسہ آئے کہ اب تو بڑے بڑے جہاز پٹرول سے چلتے ہیں' ہواؤں کا ان کے چلنے میں دخل نہیں ہے اس وسوسہ کا جواب یہ ہے کہ مقصود اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت اور بندوں کا احتیاج بیان کرنا ہے پٹرول بھی تو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور اس کے استعمال کا طریقہ بھی بتایا اور مشینوں اور انجنوں کی سمجھ اور ان کے چلانے کے طریقے بھی تو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمائے ہیں۔

اَوْ یُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَیَعْفُ عَنْ كَثِیْرٍ میں یہ فرمایا کہ جیسے اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت ہے کہ ہوا کو روک دے جس کی وجہ سے کشتیاں سمندر میں کھڑی رہ جائیں تو اسے یہ بھی قدرت ہے کہ جو لوگ کشتیوں میں سوار ہیں ان کے اعمال کی وجہ سے کشتیوں کو تباہ کر دے (جس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہوائیں خوب تیز چلنے لگیں اور اس کی وجہ سے کشتیوں میں بھونچال آ جائے اور جو لوگ کشتیوں میں سوار ہیں اپنے اعمال کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ بہت سوں کو معاف فرما دے یعنی غرق نہ فرمائے دنیا میں مواخذہ نہ فرمائے پھر اپنے قانون کے مطابق جسے چاہے آخرت میں سزا دے۔

وَیَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ (اور جب کشتی والوں کی ہلاکت ہونے لگے تو وہ لوگ جان لیں جو ہماری آیتوں میں جھگڑے کرتے ہیں کہ ان کے لئے بچاؤ کی کوئی جگہ نہیں ہے جو لوگ قرآن کو اللہ کی کتاب نہیں مانتے مشرک ہیں بتوں کی دہائی دیتے ہیں ان کے سامنے جب کشتیوں اور کشتیوں میں سوار ہونے والوں کی تباہی کا منظر سامنے آ جائے تو وہ سمجھ لیں کہ اللہ کے عذاب سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں اور غیر اللہ کو پکارنے کا کوئی نفع نہیں۔

قال البغوی فی معالم التنزیل (وَیَعْلَمَ) قرأ أهل المدینة والشام وَیَعْلَمُ برفع المیم علی الاستئناف کقوله عزوجل فی سورة براءة "وَیَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ" وقرأ الاٰخرون بالنصب علی الصرف والجزم اذا صرف عنه معطوفه نصب، وهو کقوله تعالیٰ "وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ" صرف من حال الجزم الی النصب استخفافاً وکراهیةً لتوالی الجزم. (علامہ بغویؒ نے معالم التنزیل میں کہا ہے "وَیَعْلَمَ" مدینہ اور شام کے قراء نے وَیَعْلَمُ میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اس لئے یہ نیا جملہ ہے جیسا کہ سورہ براءۃ میں ہے "وَیَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ" اور دوسروں نے نصب کے ساتھ پڑھا ہے صَرف کی بنیاد پر کیونکہ جب جزم سے اس کا معطوف پھیرا جاتا ہے تو نصب دی جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ہے۔ جزم سے نصب کی طرف اس لئے پھیرا گیا ہے تاکہ تخفیف بھی ہو جائے اور مسلسل دو جزم بھی نہ آئیں)

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور تم کو جو بھی چیز دی گئی ہے سو وہ دنیا والی زندگی کا سامان ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے

وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا

اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور جو کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں اور جب انہیں

غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى

غصہ آجائے تو معاف کر دیتے ہیں اور جنہوں نے اپنے رب کے حکم کو مانا اور نماز قائم کی اور ان کے کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں

بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جن کا حال یہ ہے کہ جب ان کو ظلم پہنچ جاتا ہے تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں۔

جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے اہل ایمان اور اہل توکل کے لئے بہتر ہے

تفسیر: ان آیات میں دنیا کی بے ثباتی بتائی ہے اور آخرت کے اجور اور ثمرات کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ بہتر ہیں اور زیادہ باقی رہنے والے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ یہ اجور وثمرات اہل ایمان کو ملیں گے پھر اہل ایمان کے اوصاف بیان فرمائے (۱) یہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں (۲) کبیرہ گناہوں سے اور فحش باتوں اور فحش کاموں سے پرہیز کرتے ہیں (۳) اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں (۴) اور یہ لوگ اپنے رب کا حکم مانتے ہیں یعنی دل وجان سے قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں (۵) اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے امور آپس میں باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں (۶) انہیں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں (۷) اور جب ان پر کوئی ظلم ہوتا ہے تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں (ظلم نہیں کرتے جتنا ظلم ہوا اسی قدر بدلہ لیتے ہیں) یہ ایسے امور ہیں جن کا پابند ہونا زندگی بھر نباہتے چلے جانا اہم کام ہے ان میں توکل کرنا بھی ہے اور گناہوں اور فحش کاموں سے بچنا بھی اور غصہ آجائے تو معاف کرنا بھی اور مشورے سے کاموں کو انجام دینا بھی ہے صحیح طریقے پر نماز ادا کرنا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اور مالی فرائض اور واجبات ادا کرنا وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں بیان فرمایا دیا ایسے جامع الاوصاف اہل ایمان کے لئے آخرت کے اجر وثواب کا خیر ہونا اور باقی ہونا ظاہر ہے۔

دنیا کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ تمہیں جو کوئی چیز دی گئی ہے وہ دنیا کی زندگی میں کام آنے والی ہے اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا اول یہ کہ جو لوگ دنیا میں جیتے اور بستے ہیں ان میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی ہیں دنیا سے فائدہ حاصل کرنے میں مومن یا کافر اور نیک بد کی کوئی تخصیص نہیں سب اس سے متمتع اور مستفید ہوتے ہیں اور دوسری بات یہ بیان فرمائی کہ دنیا میں جسے جو کچھ ملا ہے وہ دنیا ہی کی حد تک ہے جب دنیا سے چلے جائیں گے سب یہیں دھرا رہ جائے

(ہاں جو کچھ اللہ کے لئے خرچ کیا اس کا ثواب وہاں مل جائے گا جسے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ میں بتا دیا)۔

آخر میں فرمایا وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ (جب ان کو ظلم پہنچتا ہے تو وہ بدلہ لیتے ہیں) اس میں مظلوم کو ظالم سے بدلہ لینے کی اجازت دی ہے سیاق کلام سے یہ مفہوم ہو رہا ہے کہ جتنا ظلم ہوا ہے اسی قدر بدلہ لیا جا سکتا ہے مزید تفصیل آئندہ آیات کی تفسیر کے ذیل میں پڑھیے۔

وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ
اور برائی کا بدلہ برائی ہے اُسی جیسی، سو جو شخص معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے، بلاشبہ وہ ظالموں کو
الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا
پسند نہیں فرماتا اور البتہ جو شخص مظلوم ہو جانے کے بعد بدلہ لے لے سو یہ ایسے لوگ ہیں جن پر کوئی الزام نہیں،
السَّبِیْلُ عَلَى الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَیَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ
الزام انہیں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور دنیا میں ناحق سرکشی کرتے ہیں، یہ وہ لوگ
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾
ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے، اور البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا بلاشبہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

برائی کا بدلہ برائی کے برابر لے سکتے ہیں' معاف کرنے اور صلح کرنے کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے

تفسیر: اوپر جو آیات مذکور ہوئیں ان میں سے آخری آیت میں نیک بندوں کی صفات میں یہ بتایا تھا کہ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو بدلہ لے لیتے ہیں اس میں چونکہ کمی بیشی کا ذکر نہیں ہے اور یہ بھی ذکر نہیں ہے کہ معاف کر دینا اور بدلہ نہ لینا افضل ہے اس لئے بطور استدراک ان آیات میں اولاً تو یہ بتایا کہ برائی کا بدلہ بس اسی قدر لینا جائز ہے جتنی زیادتی دوسرے فریق نے کی ہو اگر کسی نے اس سے زیادہ بدلہ لے لیا جو اس پر زیادتی کی گئی تھی تو اب وہ اسی قدر ظلم کرنے والا ہو جائے گا۔ ثانیاً یہ فرمایا کہ بدلہ لینا جائز تو ہے لیکن افضل یہ ہے کہ بدلہ نہ لیا جائے معاف کر دیا جائے' جو شخص معاف کر دے گا اس کا یہ معاف کر دینا ضائع نہ جائے گا اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے اس کا اجر عطا فرمائے گا معاف نہ کرے تو زیادتی بھی نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ثالثاً یہ فرمایا کہ جس شخص پر کوئی ظلم کیا گیا اور اس نے اسی قدر بدلہ لے لیا جتنا اس پر ظلم ہوا تھا تو اب اس کا مواخذہ کرنا جائز نہیں کیونکہ اس نے اپنا حق لیا ہے ظالم یا ظالم کی مدد کرنے والا دوست احباب کنبہ و قبیلہ کے لوگ اب اگر اس سے بدلہ کا بدلہ لیں گے تو یہ لوگ ظالم ہو جائیں گے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں جگہ ان کی گرفت ہوگی یہ لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں ان کے

لئے دردناک عذاب ہے رابعاً ایک عام اعلان فرمادیا کہ صبر کرنا اور معاف کرنا بڑی ہمت اور صبر کے کاموں میں سے ہے' ہر شخص اس پر عمل کرنے کو تیار نہیں ہوتا حالانکہ اس کا اجر وثواب بہت بڑا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ ابن عمران علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص (بدلہ لینے کی) قدرت رکھتے ہوئے معاف کردے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۳۴)

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ

اور اللہ جس کو گمراہ کرے اس کے لئے اس کے بعد کوئی چارہ ساز نہیں اور جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو اے مخاطب تو انہیں اس حال میں دیکھے گا کہ

يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ

یوں کہہ رہے ہوں گے کیا واپس کئے جانے کا کوئی راستہ ہے؟ اور تو انہیں اس حال میں دیکھے گا کہ وہ دوزخ پر پیش کئے جارہے ہوں گے ذلت کی وجہ سے

يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

جھکے ہوئے چھپی ہوئی نظر سے دیکھتے ہوں گے' اور ایمان والے کہیں گے بلاشبہ پورے خسارہ میں پڑجانے والے وہ ہیں جو اپنی جانوں سے

وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَاۗءَ

اور اپنے گھروالوں سے قیامت کے دن خسارہ میں پڑ گئے' خبردار اس میں شک نہیں کہ ظالم لوگ دائمی عذاب میں رہیں گے' اور ان کے لئے اللہ کے سوا

يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾ ۭ

مددگار نہ ہوں گے جو ان کی مدد کریں اللہ کو چھوڑ کر' اور جسے اللہ گمراہ کردے اس کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں۔

قیامت کے دن ظالموں کی بدحالی' ہلاکت اور ذلت کا سامنا

تفسیر: یہ چار آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کردے یعنی ہدایت سے محروم فرما دے تو اس کے لئے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کا ولی اور کارساز بنے' کوئی شخص اسے ہدایت نہیں دے سکتا اور کوئی اس کی مدد نہیں کرسکتا پھر ظالموں یعنی کافروں کی بدحالی کا تذکرہ فرمایا کہ قیامت کے دن جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو یوں کہیں گے کہ کیا ایسا کوئی راستہ ہے کہ ہم واپس کردیئے جائیں یعنی دنیا میں چلے جائیں پھر وہاں ایمان لائیں کفر اختیار نہ کریں' لیکن وہاں سے واپسی کا کوئی قانون نہیں مزید فرمایا کہ یہ لوگ جب دوزخ پر پیش کئے جائیں گے یعنی اس میں داخل کئے جانے لگیں گے تو ذلت سے جھکے ہوئے ہوں گے اور نیچی نظر سے دیکھ رہے ہوں گے اہل ایمان کہیں گے کہ آج تو علی العیان پتہ چل گیا کہ اہل کفر سراسر خسارہ میں ہیں یہ اپنی جانوں کا بھی نقصان کر بیٹھے اور اپنی اہل وعیال کا بھی ان کی جانیں بھی ہلاک ہوئیں اور ان کے متعلقین کی بھی' تمام کافروں کے لئے دوزخ ہے چھوٹے درجہ کے لوگ ہوں یا سردار ہوں یہ

لوگ اپنی جانوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے اور اہل و عیال سے بھی اور وہاں کا عذاب تھوڑا سا نہیں اور تھوڑے سے دن کا نہیں ان کے لئے بڑا عذاب ہے اور دائمی عذاب ہے اسی کو فرمایا وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ أَوْلِيَاءَ يَنصُرُونَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ (اور ان کے لئے مددگار نہ ہوں گے جو ان کی مدد کریں اللہ کو چھوڑ کر) یعنی کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ اللہ کے فیصلے کے خلاف کوئی ان کی مدد کر دے یعنی انہیں دوزخ سے چھڑا دے تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن سَبِيلٍ (اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں)

یعنی اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں کما قال تعالیٰ فی سورۃ الکھف وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا اس آیت میں سابق مضمون کو دہرا دیا ہے جو تاکید کے لئے ہے۔

اِسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۚ مَا لَكُم مِّن مَّلْجَإٍ
تم اپنے رب کا حکم مانو اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں اللہ کی طرف سے واپس کرنا نہ ہوگا، تمہارے لئے اس
يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُم مِّن نَّكِيرٍ ﴿٤٧﴾ فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ إِنْ عَلَيْكَ
دن پناہ لینے کی جگہ نہ ہوگی نہ کوئی نکیر کرنے والا ہوگا، پس اگر وہ اعراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا آپ کے ذمہ
إِلَّا الْبَلَاغُ ۗ وَإِنَّا إِذَا أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ
صرف پہنچانا ہے اور بلاشبہ بات یہ ہے کہ جب ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمت چکھا دیتے ہیں تو اس پر خوش ہوتا ہے اور اگر ان کے کرتوتوں کی وجہ سے انہیں
أَيْدِيهِمْ فَإِنَّ الْإِنسَانَ كَفُورٌ ﴿٤٨﴾ لِّلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ
کوئی مصیبت پہنچ جائے تو بلاشبہ انسان ناشکری کرنے لگتا ہے، اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں کا اور زمین کا ملک وہ پیدا فرماتا ہے جو چاہے
إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ ﴿٤٩﴾ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ
جسے چاہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جسے چاہے بیٹے دیتا ہے یا بیٹے اور بیٹیاں دونوں جنسوں کو جمع کر دیتا ہے اور جسے چاہے
عَقِيمًا ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٥٠﴾
بانجھ بنا دیتا ہے بلاشبہ وہ جاننے والا ہے اور قدرت والا ہے۔

قیامت آنے سے پہلے اپنے رب کا حکم مانو

تفسیر: ان آیات میں اولاً یہ ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کا دن آئے گا تو واپس نہیں کیا جائے گا وہ واقع ہو گیا سو ہو گیا اس دن کے آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بات مان لو ایمان بھی قبول کرو اور عمل صالحہ بھی اختیار کرو جب قیامت کا دن ہوگا تو کسی کے لئے کوئی پناہ نہ ہوگی اللہ جس کو پناہ دے اسی کو پناہ مل سکے گی اور کافروں کے لئے کوئی پناہ کی جگہ نہیں اس دن جس شخص کے ساتھ جو بھی معاملہ ہوگا اس میں کسی کو کچھ بھی کسی کے بارے میں یہ کہنے کا اختیار نہ ہوگا کہ یہ کیوں ہوا اور کیوں ہو رہا ہے۔

قولہٗ تعالیٰ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ قال القرطبیؒ ای لا تجدون منكرا یومئذٍ بما ینزل بکم من العذاب

اس کے بعد رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ کی دعوت اور تبلیغ کے بعد مخاطب لوگ اگر اعراض کریں تو آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں آپ فکر نہ کریں اور غم میں نہ پڑیں آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا گیا اگر ایمان نہ لائیں تو آپ سے اس کی کوئی باز پرس نہیں آپ نے پہنچا دیا آپ کا کام ختم ہوا آپ کی ذمہ داری اتنی سی ہے کہ آپ پہنچا دیں اور بس۔

انسان کا خاص مزاج رحمت کے وقت خوش اور تکلیف میں ناشکرا!

اس کے بعد انسان کا ایک مزاج بتایا اور وہ یہ ہے کہ جب اسے نعمت ملتی ہے اور رحمت الٰہی کا مظاہرہ ہوتا ہے تو خوب خوش اور مگن ہو جاتا ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے جو انسانوں کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے پہنچتی ہے تو وہ ناشکرا بن جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے اور ایسے بول بولتا ہے کہ جو سابقہ نعمتیں تھیں گویا وہ اسے ملی ہی نہ تھیں' اللہ تعالیٰ کی موجودہ نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا اور معاصی سے توبہ بھی نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت کا بیان وہ اپنی مشیت کے مطابق اولاد عطا فرماتا ہے

اس کے بعد فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کا ملک اللہ ہی کیلئے ہے وہی ان کا خالق اور مالک ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے انسانوں کی جو اولاد ہوتی ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی سے ہوتی ہے کسی کو مجال نہیں جو اس کی مشیت کے سامنے دم مار سکے' دیکھو اللہ تعالیٰ نے جو جوڑے بنائے ہیں یعنی مرد اور عورت ان میں کسی کے ہاں صرف لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں اور کسی کے ہاں صرف لڑکے پیدا ہوتے ہیں اور کسی کو اللہ تعالیٰ بیٹا' بیٹی دونوں جنسیں عطا فرما دیتا ہے اور ضروری نہیں کہ مرد عورت کا میل ملاپ ہو جائے تو اولاد ہو ہی جائے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے وہ علیم بھی اور قدیر بھی ہے وہ سب کے حال جانتا ہے حکمت کے مطابق عطا فرماتا ہے اور جو چاہے کر سکتا ہے اسے ہر چیز پر قدرت ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اس کی قدرت سب پر غالب ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ
اور کسی بشر کے لئے یہ موقع نہیں ہے کہ وہ اللہ سے بات کرے ہاں وحی کے ذریعہ یا پردہ کے پیچھے سے یا اس طرح بات ہو سکتی ہے کہ اللہ کسی رسول کو بھیج دے پھر وہ رسول اس کی اجازت
مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ
سے اس کی مشیت کے مطابق وحی پہنچا دے' بے شک وہ برتر ہے حکمت والا ہے اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے قرآن کی وحی کی آپ نہیں جانتے تھے کہ
مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ
کیا ہے کتاب اور کیا ہے ایمان؟ اور لیکن ہم نے اسے نور بنا دیا ہے اس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور بلاشبہ آپ

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ

صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں جو اللہ کا راستہ ہے جس کے لئے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے خبردار

اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝

اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں۔

بندے اللہ تعالیٰ سے کیسے ہمکلام ہو سکتے ہیں؟

تفسیر: معالم التنزیل ج۴ ص۱۳۲ میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اگر آپ نبی ﷺ ہیں تو آپ اللہ سے بات کیوں نہیں کرتے اور اللہ کو دیکھتے کیوں نہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کو دیکھا آپ کی تائید میں یہ آیت نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کسی بشر کے لئے یہ بات حاصل نہیں کہ اللہ سے بات کرے بجز تین طریقوں کے ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو الہام فرما دے یعنی قلب میں کوئی بات ڈال دے یا خواب میں کوئی بات بتا دے (مفسرین نے وحیاً کا مصداق بتاتے ہوئے یہ دو صورتیں لکھی ہیں یا اللہ تعالیٰ پردہ کے پیچھے سے کلام فرمائے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر کلام فرمایا تھا) یا کسی فرشتہ کو بھیج دے جو اللہ کا پیغام لے کر آجائے اور اللہ کے حکم سے اللہ کی مشیت کے مطابق کسی رسول کو بطور وحی پیغام پہنچا دے یہ تین صورتیں اس دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کی ہیں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تھے اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (بے شک اللہ برتر ہے مخلوق کو اس سے بات کرنے کا معائنہ کے طور پر تحمل نہیں ہے اور وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے مطابق مذکورہ تین طریقوں میں سے اس نے جس طرح چاہا کلام فرمایا۔

فائدہ نمبر۱:۔ وَحْيًا کی تفسیر منام اور الہام سے جو کی گئی ہے اس میں یہ تفصیل ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا منام اور الہام تو قطعی ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ دوسروں کو جو خواب میں بتایا گیا یا بطور الہام دل میں ڈالا گیا ہو وہ ظنی ہے اور کسی کو اس پر شریعت کے خلاف عمل کرنا اور دوسروں سے عمل کرانا جائز نہیں ہے۔

فائدہ نمبر۲:۔ آیت کریمہ میں جو او من وراء حجاب فرمایا ہے اس سے نورانی حجاب مراد ہے صحیح مسلم میں ہے۔

حجابہ النور (اس کا پردہ نور ہے) لو کشفه لا حرقت سبحات وجهه ما انتهى اليه بصرهٗ من خلقه (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱) (اگر وہ اسے کھول دے تو اس کے وجہ کریم کے انوار اس کی مخلوق کو وہاں تک جلادیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پردہ کے پیچھے سے کلام کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا تحمل نہیں دیا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں اور دیکھنے کی حالت میں بات چیت کر لیں جنت میں اللہ تعالیٰ شانہ قوت برداشت عطا فرما دے گا وہاں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔

اس کے بعد فرمایا وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اور جس طرح ہم نے آپ سے پہلے انبیاء کرام کی طرف

وحی بھیجی اسی طرح آپ کی طرف بھی روح یعنی نبوت کی وحی بھیجی بعض مفسرین نے روح سے نبوت اور بعض حضرات نے روح سے قرآن مراد لیا ہے مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ (آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے) یعنی نبوت ملنے سے پہلے آپ کو یہ پتہ نہ تھا کہ اللہ کی کتاب کیا ہے اور نہ آپ کو ایمانیات کا تفصیلی علم دیا گیا تھا جب آپ کو نبوت عطا کی گئی اللہ کی کتاب نازل ہوئی اور ایمان کی تفصیلات بتادی گئیں اس وقت آپ کو اللہ کی کتاب کا اور ایمانیات کا علم ہوا گو اجمالی ایمان پہلے سے حاصل تھا۔

قال القرطبی والصواب انهم معصومون قبل النبوة من الجهل بالله وصفاته والتشكك فی شيء من ذلک وقد تعاضدت الاخبار والأثار على الانبياء بتنزيههم عن هذه النقيصة منذ ولدوا، ونشأتهم على التوحيد والايمان بل على اشراق انوار المعارف و نفحات ألطاف السعادة ومن طالع سيرهم منذ صباهم الى مبعثهم حقق ذلک. (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نبوت ملنے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں جہالت اور کسی قسم کے شک وشبہ سے پاک ہوتے ہیں۔ ولادت سے ہی اس قسم کی نقائص سے پاک ہونے کے بارے میں خود انبیائے کرام سے احادیث وآثار کثرت سے مروی ہیں۔ ان کی نشو ونما توحید وایمان ہی پر ہوتی ہے بلکہ انوارات ومعارف اور سعادت کے الطاف کے ساتھ ہوتی ہے جس نے ولادت سے نبوت تک ان کی سیرتوں کا مطالعہ کیا ہے اس پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے)

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا (اور لیکن ہم نے آپ کو قرآن دیا اور اس قرآن کو ایک نور بنادیا جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں ہدایت دیں) وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (اور بلاشبہ آپ سیدھے راستہ کی ہدایت بتاتے ہیں جس میں کوئی کجی نہیں ہے۔

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

(جو اللہ کا راستہ ہے جس کے لئے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یہ راستہ اسی کا تجویز کیا ہوا ہے اور وہ اس پر چلنے والوں سے راضی ہے لہٰذا اسی پر چلیں) اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ (خبردار تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے) وہ اپنے علم اور حکمت کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔

ولقد تم تفسير سورة الشورىٰ بحمد الله تعالى وحسن توفيقه والحمد لله تعالىٰ على التمام وحسن الختام والصلوٰة والسلام على سيد الانام وعلى اله وصحبه البررة الكرام.

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ زخرف مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں نواسی آیات اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ۝١ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝٣ وَاِنَّهٗ فِيْٓ

حٰمٓ۔ قسم ہے واضح کتاب کی بلاشبہ ہم نے اس کو قرآن عربی بنایا ہے تاکہ تم سمجھو اور بلاشبہ وہ

اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝٤ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝٥

ام الکتاب میں ہمارے پاس ہے بلند ہے حکمت والا ہے' کیا ہم نصیحت کو تم سے اس وجہ سے ہٹالیں گے کہ تم حد سے بڑھ جانے والے ہو'

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝٦ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٧

اور ہم نے پہلے لوگوں میں کتنے ہی نبی بھیجے اور ان کے پاس جو بھی کوئی نبی آتا تھا اس کا مذاق بناتے تھے پھر ہم نے ان میں سے ان لوگوں کو ہلاک کردیا

فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٨

جو زور آوری میں خوب بڑھ کر تھے اور پہلے لوگوں کی یہ حالت گزر چکی ہے۔

قرآن کتاب مبین ہے' عربی میں ہے' نصیحت ہے'
انبیائے سابقین کی تکذیب کرنیوالوں کو ہلاک کردیا گیا

تفسیر: اوّلاً...... قرآن ہی کی قسم کھا کر قرآن کی تعریف فرمائی ارشاد فرمایا کہ کتاب مبین کی قسم ہے ہم نے اپنی اسی کتاب کو عربی زبان کا قرآن بنایا یعنی یہ قرآن عربی زبان میں ہے اس کے اولین مخاطبین عرب ہیں یہ لوگ قرآن کو پڑھیں اور سمجھیں' سمجھنا چاہیں گے تو سمجھ لیں گے اور ہدایت پالیں گے اس کے بعد قرآن کی برتری بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ وہ ہمارے پاس ام الکتاب یعنی لوح محفوظ میں محفوظ ہے وہ بلند بھی ہے اور حکمتوں سے پر ہے اور بعض حضرات نے حکیم کا ترجمہ ''محکم'' کیا ہے مطلب یہ ہے کہ لفظی اور معنوی اعتبار سے استحکام ہے یعنی اس میں کوئی اختلاف اور تناقص نہیں ہے سورۃ الواقعہ میں فرمایا اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ اور سورۃ البروج میں فرمایا بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ اس کے بعد فرمایا کہ ہم جو قرآن نازل کررہے ہیں جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے' یہ قرآن نازل ہوتا رہے گا تم یہ نہ سمجھنا کہ چونکہ ہم قرآن کو نہیں مانتے اس لئے قرآن کا نازل ہونا بند ہو جائے گا تمہارا یہ خیال غلط ہے اس میں تمہارے لئے نصیحت بھی ہے اور اس کے نازل ہونے میں تم پر حجت بھی قائم ہوتی ہے اور اہل ایمان کے لئے نافع اور مفید ہے۔

قال القرطبی وانتصب صفحاً علی المصدر لان معنی افنضرب افنصفح وقیل التقدیر افنضرب عنکم الذکر صافحین. (علامہ قرطبیؒ نے فرمایا صفحاً مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ اَفَنَضْرِبُ کا معنی ہے اَفَنَصْفَحُ بعض نے کہا اصل عبارت یوں ہے اَفَنَضْرِبُ عَنْکُمُ الذِّکْرَ صافحین.)

اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے تم سے پہلے لوگوں میں کتنے ہی نبی بھیجے ہیں (لفظ کم تکثیر کے لئے ہے) مطلب یہ ہے کہ ہم نے کثیر تعداد میں نبی بھیجے لیکن امتوں کا طریقہ یہ رہا کہ جو بھی نبی بھیجا جاتا اس کا مذاق بناتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں جو لوگ بہت زیادہ زور آور تھے موجودہ مخاطبین سے قوت میں بڑھ کر تھے ہم نے ان کو ہلاک کر دیا' ان مخاطبین کی ان لوگوں کے سامنے کچھ حیثیت نہیں وَمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِیْنَ اور پہلے لوگوں کی حالت گزر چکی ہے ان میں سے بعض کا انہیں علم بھی ہے پھر بھی قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں اپنے انجام کی طرف نظر نہیں کرتے وھذا مثل قولہٖ تعالٰی وَکَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَیْنٰهُمْ فَکَذَّبُوْا رُسُلِیْ فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ (اور جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے جھٹلایا اور انہیں ہم نے جو کچھ دیا تھا یہ لوگ اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے سو انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا سو کیسا عذاب ہوا میرا)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ ﴿۹﴾ الَّذِیْ

اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے کہ انہیں عزیز علیم نے پیدا فرمایا

جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا لَّعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ

جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنا دیا اور تمہارے لئے اس نے راستے بنا دیئے تا کہ تم ہدایت پاؤ اور جس نے ایک انداز سے

السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا کَذٰلِکَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ

آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح تم نکالے جاؤ گے' اور جس نے تمام اقسام کو پیدا فرمایا

کُلَّهَا وَجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْفُلْکِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْکَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ

اور تمہارے لئے کشتیاں اور جانوروں میں سے وہ چیزیں پیدا فرمائیں جن پر تم سوار ہوتے ہو تا کہ تم ان کی پشتوں پر بیٹھ جاؤ پھر

تَذْکُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّکُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا

اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب تم اس پر بیٹھ جاؤ اور تم یوں کہو پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارے لئے مسخر فرما دیا اور ہم اس کو قابو میں کرنے والے

کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

نہ تھے اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

آسمان وزمین کی تخلیق' زمین کو بچھونا بنانا کشتیوں اور چوپایوں کی نعمت عطا فرمانا

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی شان خالقیت اور مالکیت بیان فرمائی اور بندوں کے لئے جو نفع کی چیزیں پیدا فرمائی ہیں ان میں سے بعض چیزوں کا تذکرہ فرمایا ان سب چیزوں کو وجود بخشنے اور بندوں کے لئے مسخر کرنے میں توحید

کے دلائل ہیں، ارشاد فرمایا کہ اگر آپ ان سے یہ دریافت کریں کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا فرمایا تو یہ لوگ خود ہی اقراری ہونگے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے جو عزیز بھی ہے یعنی غالب اور زبردست ہے اور علیم بھی ہے جو سب کچھ جانتا ہے پھر فرمایا اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا (جس پر آرام سے رہتے ہو اور بستے ہو) وَجَعَلَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا (اور اس نے تمہارے لئے اس میں راستے بنائے لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ تاکہ تم ہدایت پاؤ یعنی تم اپنے اسفار میں جاؤ تو ان راستوں سے گزرو اور اپنے مقاصد پورے کرو اور یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ تم فکر کرو اور ہدایت پاؤ اور توحید پر آؤ کہ جس ذات پاک نے یہ زمین پیدا فرمائی اور اس میں راستے بنائے وہ وحدہ لاشریک ہے۔

مزید فرمایا وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ (اور وہ ذات پاک ہے جس نے آسمان سے ایک خاص مقدار کے ساتھ پانی نازل فرمایا) فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا (پھر ہم نے اس کے ذریعے زمین کے مردہ حصہ کو زندہ کردیا کَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ (جیسے اس نے مردہ زمین کو زندگی بخشی خشک ہونے کے بعد سرسبز اور شاداب ہوگئی اسی طرح سے تم قبروں سے نکالے جاؤ گے یعنی قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے اس کا نمونہ تمہارے سامنے ہے زمین کی موت اور حیات کو دیکھ لو اور اس سے سمجھ لو کہ تمہارا زندہ فرمانا کوئی مشکل نہیں ہے۔

پھر فرمایا وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا (اور وہی ذات ہے جس نے مخلوق میں طرح طرح کے انواع و اقسام پیدا فرمادیئے مذکر بھی ہیں مونث بھی ہیں میٹھی چیزیں بھی ہیں اور کھٹی بھی، سفید بھی ہیں اور سیاہ بھی، اوپر بھی ہیں اور نیچے بھی، دائیں جانب بھی ہیں، اور بائیں جانب بھی وغیرہ وغیرہ۔

وَجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْکَبُوْنَ (اور اس نے کشتیاں اور سواریاں پیدا فرمائیں جن پر تم سوار ہوتے) لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ تاکہ تم اچھی طرح ان کی پشتوں پر بیٹھ جاؤ جب خوب اچھی طرح جم کر جانوروں کی پشت پر بیٹھ جاتے ہیں تو اس کو ایڑھ مار کر چلاتے ہیں اور ان کی پشتوں پر بیٹھنے اور جمنے کے طریقے بھی اللہ تعالیٰ نے بتا دیئے ہیں، گھوڑے پر زین کستے ہیں اور اونٹ پر کجاوہ باندھتے ہیں اس کے اٹھے ہوئے کوہان کے باوجود اس کی کمر پر بیٹھتے ہیں اور اس پر سفر کرتے ہیں۔

وقولهٗ تعالیٰ ما ترکبون ما موصوله والعائد محذوف والضمیر المجرور فی ظهورهٖ عائد الی لفظ ما وجمع الظهور رعایة للمعنی.

(اللہ تعالیٰ کے ارشاد مَا تَرْکَبُوْنَ میں مَا موصولہ ہے اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے اور ظُهُوْرِهٖ کی ضمیر مجرور لفظِ مَا کی طرف لوٹتی ہے اور ظُهُور کو معنی کی رعایت کرتے ہوئے جمع لایا گیا ہے۔)

سوار ہونے کی دعاء

ثُمَّ تَذْکُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّکُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ پھر تم اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو جب ان پر ٹھیک طرح سے بیٹھ جاؤ (یہ یاد کرنا زبان سے اور دل دونوں سے ہونا چاہئے زبان سے یاد کرنے کی دعا بھی بتادی فرمایا وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ (اور تم یوں کہو پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارے لئے مسخر کردیا اور ہم اسے قابو میں کرنے والے نہ تھے وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ

(اور بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف جانے والے ہیں) اس میں یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو استعمال کریں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور ساتھ ہی اس بات کا بھی دھیان رکھیں اور بار بار مراقبہ کریں کہ اسی دنیا میں نہیں رہنا مرنا ہے اور یہاں سے جانا ہے زندگی کا اور نعمتوں کا حساب بھی ہونا ہے۔

جب جانور پر سوار ہو تو اس دعا کا اہتمام کرنا چاہئے سنن ترمذی (کتاب الدعوات) میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں سواری کے لئے جانور لایا گیا' جب رکاب میں پاؤں رکھا تو بِسْمِ اللّٰهِ کہا پھر جب اس کی پشت پر بیٹھ گئے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا پھر یہ آیت پڑھی' سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (اللہ پاک ہے جس نے اس کو ہمارے قبضہ میں دے دیا اور اس کی قدرت کے بغیر ہم اسے قبضہ میں کرنے والے نہ تھے اور بلاشبہ ہم کو اپنے رب کی طرف جانا ہے) اس کے بعد تین بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور تین بار اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا پھر یہ دعا پڑھی: سُبْحَانَكَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ (اے اللہ تو پاک ہے بے شک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے کیونکہ گناہوں کو صرف تو ہی بخشتا ہے) اس کے بعد آپ ہنسے عرض کیا گیا امیر المومنین آپ کیوں ہنسے؟ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا جیسا میں نے کیا آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ آپ کس بات سے ہنسے؟ آپ نے فرمایا رب تعالیٰ شانہٗ کو اس بات سے خوشی ہوتی ہے جب بندہ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ کہتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ کو معلوم ہے کہ میرے علاوہ گناہوں کو کوئی نہیں بخشتا۔ (ھو فی المشکوٰۃ ص ۲۱۴)

سَخَّرَ لَنَا کی تشریح

سواری کی جو دعا قرآن و حدیث میں بتائی اس میں اس بات کی تعلیم دی ہے کہ اے انسانو! اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے جو فائدہ اٹھاتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے' جانور پیدا فرمائے...... پھر جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا' یہ مستقل نعمت ہے ان پر سواری کرو' سامان لادو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاؤ' اگر اللہ تعالیٰ ان کو مسخر نہ فرماتا تو ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے (جب جانور بدک جاتا ہے قابو سے باہر ہو جاتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کی تسخیر کا پتہ چلتا ہے)

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ

اور ان لوگوں نے اللہ کے لئے اس کے بندوں میں سے جزٹھہرا دیا' بلاشبہ انسان واضح طور پر ناشکرا ہے' کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں پسند کیں

وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ

اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کر دیا اور جب ان میں سے کسی ایک کو اس کی بشارت دی جاتی ہے جسے اس نے بطور رحمان کے لئے تجویز کیا ہے تو

مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِیْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَهُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلُوا

اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ دل میں گھٹتا ہے' کیا جو زیور میں نشو و نما پائے اور وہ مباحثہ میں واضح بیان نہ دے سکے' اور ان لوگوں نے

الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾

فرشتوں کو عورتیں قرار دے دیا جو اللہ کے بندے ہیں' کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے اور اُن سے باز پرس ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنے والوں کی تردید
فرشتوں کو بیٹیاں بتانے والوں کی جہالت اور حماقت

تفسیر: مشرکین عرب اور دیگر مشرکین جو دنیا میں پھیلے ہوئے تھے اور اب بھی پائے جاتے ہیں جن میں نصاری بھی ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کر لی سب جانتے ہیں کہ اولاد اپنے باپ کا جزو ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنا اس کے لئے جزو تجویز کرنا ہوا اہل عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے تھے جیسا کہ نصاری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہیں، اللہ تعالیٰ شانہ نے مشرکین کا یہ عقیدہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ (بلاشبہ انسان صریح ناشکرا ہے) اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے لیکن وہ تو توحید کے خلاف بات کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد تجویز کرتا ہے۔ یہ منعم حقیقی کی شکر گزاری کے تقاضوں کے خلاف ہے اور صریح ناشکری ہے۔

اس کے بعد فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتانے والوں کی تردید کی اور بطور استفہام انکاری ارشاد فرمایا کہ تم کیسی باتیں کرتے ہو کیا اس نے اپنے لئے اپنی مخلوقات میں سے اپنے لیے بیٹیاں پسند کر لیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کر دیا اس کے لئے اولاد ہونا عیب کی بات ہے وہ اس عیب سے پاک ہے لیکن تم اپنی بے وقوفی تو دیکھو کہ رحمان جل مجدہ کے لئے اولاد تجویز کر نے بیٹھے تو اس کے لئے بیٹیاں تجویز کر دیں اسی کو سورۃ النجم میں فرمایا اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى (کیا تمہارے لئے بیٹے اور اس کے لئے بیٹیاں یہ تو اس حالت میں بے ڈھنگی تقسیم ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ان کا اپنا یہ حال ہے کہ جب انہیں خبر دی جاتی ہے کہ تمہارے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو اس خبر سے چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور غم میں گھٹنے لگتا ہے جس چیز کو اپنے لئے اتنا زیادہ مکروہ سمجھتے ہیں اس کو اللہ کے لئے تجویز کرتے ہیں اور یہ نہ سوچا کہ جو چیز زینت میں اور زیور میں نشوونما پاتی ہے یعنی لڑکی اور کسی سے جھگڑا ہو جائے تو ٹھیک طرح اپنا دعویٰ بھی بیان نہ کر سکے کیا ایسی چیز کو اللہ کی اولاد قرار دیتے ہیں؟ ایسی کمزور چیز کو اللہ کی اولاد تجویز کر بیٹھے حماقت پر حماقت کرتے چلے گئے۔

اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ (کیا یہ اس وقت حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا) یعنی یہ تو موجود نہیں تھے انہوں نے اللہ کی مخلوق کے بارے میں کیسے تجویز کر لیا کہ وہ عورتیں ہیں یہ ان کی جرأت جاہلانہ اور مشرکانہ ہے سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ (ان کا جو یہ دعویٰ ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں لکھا جاتا ہے قیامت کے دن اسے اپنے اعمال نامہ میں پائیں گے وَيُسْئَلُوْنَ (اور ان سے سوال کیا جائے گا) کہ تم نے جو یہ بات کہی تھی اس کی کیا دلیل تھی۔ (والسین فی قولہ تعالیٰ ستکتب زیدت للتاکید کما ذکرہ صاحب الروح ص ۷۲ ج ۲۵) (اور سَتُكْتَبُ میں جو سین ہے یہ تاکید کیلئے زیادہ کی گئی ہے جیسا کہ صاحب روح المعانی نے ذکر کیا ہے)

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور ان لوگوں نے کہا کہ اگر رحمان چاہتا تو ہم غیر اللہ کی عبادت نہ کرتے، انہیں اس بات کی کچھ بھی تحقیق نہیں وہ محض اٹکل سے بات کرتے ہیں،

أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِّن قَبْلِهِ فَهُم بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ﴿٢١﴾ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ

کیا ہم نے انہیں اس سے پہلے کتاب دی ہے۔ جس سے وہ دلیل پکڑتے ہیں؟ بلکہ انہوں نے یوں کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے

وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّهْتَدُونَ ﴿٢٢﴾ وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا

اور ہم انکے طریقوں کے مطابق راہ یاب ہیں اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے جس کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا تو اس کے خوشحال لوگوں نے

قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ ﴿٢٣﴾ قَالَ أَوَلَوْ

یوں کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم ان کے طریقوں کا اقتداء کرنے والے ہیں اُن کے پیغمبر نے کہا کیا اگرچہ میں تمہارے پاس اس سے بڑھ

جِئْتُكُم بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدتُّمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ﴿٢٤﴾ فَانتَقَمْنَا

کر ہدایت والی چیز لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جس چیز کو دے کر تم بھیجے گئے ہو ہم اس کے منکر ہیں سو ہم نے ان سے انتقام

مِنْهُمْ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٥﴾

لے لیا۔ سو دیکھ لیجئے جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔

مشرکین کی ایک جاہلانہ بات کی تردید
آباء اجداد کو پیشوا بنانے کی حماقت اور ضلالت

تفسیر: جب مشرکین کو متنبہ کیا جاتا اور بتایا جاتا تھا کہ تم جو شرک میں پڑے ہوئے ہو یہ گمراہی ہے اور تمہارا خالق اور مالک جل مجدہ اس سے راضی نہیں ہے تو کٹ حجتی کے طور پر یوں کہتے تھے کہ اگر ہمارے اس عمل سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہے تو ہمیں اپنے علاوہ دوسروں کی عبادت کیوں کرنے دیتا ہے ان لوگوں کے نزدیک بت پرستی کا عمل صحیح ہونے کی یہ ایک بہت بڑی دلیل تھی اللہ جل شانہ نے فرمایا مَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ (ان کو اس بات کی کچھ تحقیق نہیں إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (یہ لوگ صرف اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں) مشرکین کی یہ بات سورۂ انعام کی آیت سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا (الآیۃ) اور سورۂ نحل کی آیت وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ (الآیۃ) میں گزر چکی ہے ان لوگوں کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا جب اس نے ہمیں غیر اللہ کی عبادت کا موقع دیا یعنی ہمیں جبراً اس عمل سے نہیں روکا تو معلوم ہوگیا کہ وہ ہمارے عمل سے راضی ہے یہ ان لوگوں (کی جاہلانہ اور احمقانہ دلیل ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسانوں کو ابتلاء اور آزمائش کے لئے پیدا فرمایا ہے اور آزمائش جب ہی ہوسکتی ہے جب حق اور ناحق بیان کردیا جائے اور اچھے برے اعمال بتا دیئے جائیں اور کرنے نہ کرنے کا اختیار دے دیا جائے اگر جبراً کوئی کام کروالیا جائے تو اس میں امتحان نہیں ہوتا لہٰذا ان

لوگوں کا یہ کہنا کہ کفر و شرک کے اعمال پر ہم کو قدرت اور اختیار دے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے اس عمل سے اللہ تعالیٰ راضی ہے یہ ان لوگوں کی جہالت کی بات ہے کیونکہ امتحان کے لئے قدرت دے دینا راضی ہونے کی دلیل نہیں ہے یہ لوگ اپنے کفر و شرک کو جائز کرنے کے لئے اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ (کیا ہم نے انہیں اس قرآن سے پہلے کوئی کتاب دی ہے جس سے وہ اس سے استدلال کرتے ہیں) یعنی مشرکین عرب کے پاس ہم نے قرآن مجید سے پہلے کوئی کتاب نازل نہیں کی اگر اس سے پہلے ان پر کوئی کتاب نازل کی جاتی اور اس میں شرک کی اجازت ہوتی تو اس کو دلیل میں پیش کرتے، ان کے پاس باپ دادوں کی تقلید کے علاوہ کچھ نہیں ہے، جب انہیں تنبیہ کی جاتی ہے کہ تم باطل پر ہو تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے ہم انہیں کے پیچھے چل رہے ہیں اور اسی کو ہدایت سمجھ رہے ہیں۔

دلائل صحیحہ قاہرہ کو نہ ماننا اور باپ دادوں کا اتباع کرنا دنیا میں پرانی رسم ہے اسی کو فرمایا وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اور جس طرح یہ لوگ جواب دیتے ہیں یہی حال ان لوگوں کا تھا جن کی طرف ہم نے آپ سے پہلے ڈرانے والے بھیجے تھے ان کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقے پر پایا ہے اور انہیں کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں وہ ہمارے امام تھے اور ہم ان کے مقتدی ہیں۔

لوگوں کی یہ جاہلانہ بات سورۂ بقرہ اور سورۂ مائدہ اور سورۂ لقمان میں بھی ذکر فرمائی سورۂ بقرہ میں ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (کیا اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے اگرچہ وہ سمجھ نہ رکھتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں) اور سورۃ لقمان میں فرمایا اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ (کیا اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے اگرچہ شیطان انہیں دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو) خلاصہ یہ کہ باپ دادوں کی تقلید کوئی چیز نہیں، ہاں اگر وہ ہدایت پر ہوں تو ان کا اتباع کیا جائے گمراہی میں کسی کا بھی اتباع کرنا گمراہی ہے، اتباع اس کا کرے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہو کما قال تعالیٰ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ۔

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى (الآیۃ) سابقہ امتوں کی طرف جو نذیر بھیجے گئے ان کے مالدار لوگوں نے جو انہیں جواب دیا کہ ہم اپنے باپ داد کے طریقے پر ہیں اسی کا اقتداء کرتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے حضرات نے سوال کیا کہ تم نے جن طریقوں پر اپنے دادوں کو پایا ہے اگر ہم اس سے بڑھ کر اور بہتر ہدایت لے کر آئے ہوں کیا پھر بھی تم اپنے باپ دادوں کا اتباع کرتے رہو گے اس پر ان لوگوں نے جواب دیا کہ تم جو کچھ لیکر آئے ہو ہم اسے نہیں مانتے جب ان لوگوں نے حق کو نہ مانا اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب میں مبتلا فرما دیا فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ (سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا سو دیکھ لیجئے جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ

اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ بلاشبہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو سوائے اس ذات کے جس نے مجھے پیدا فرمایا سو اس میں کوئی شک نہیں کہ

سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ

وہ مجھے ہدایت دیتا ہے اور اس نے اپنے بعد میں آنے والی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ چھوڑ دیا تاکہ وہ باز آئیں بلکہ میں نے انہیں اور ان کے

وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا

باپ دادوں کو سامان دے دیا یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور رسول مبین آ گیا اور جب ان کے پاس حق آیا تو کہنے لگے کہ یہ جادو ہے اور بے شک

بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝

ہم اس کے منکر ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شرک سے برأت کا اعلان فرمانا اور دعوتِ حق کا ان کی نسل میں باقی رہنا

تفسیر: حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل کے قریب مشرکین کے علاقے میں پیدا ہوئے تھے ان کے علاقہ کے لوگ بت پرست بھی تھے اور ستارہ پرست بھی' ان کا باپ بھی مشرک بت پرست تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان لوگوں کو توحید کی دعوت دی لیکن ان لوگوں نے نہ مانا اور حق کو قبول نہ کیا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واضح طور پر اعلان فرما دیا کہ میں تمہارے معبودوں سے بری اور بیزار ہوں' میں تو صرف اس ذات کی عبادت کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا اسی نے مجھے ہدایت دی اور مجھے ہدایت پر رکھے گا لفظ فَطَرَنِیْ میں تعریض ہے کہ تم لوگ حماقت کے کام میں لگے ہوئے ہو تمہیں بھی اسی نے پیدا کیا جس نے مجھے پیدا کیا لہٰذا پیدا کرنے والے کی عبادت کرو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شرک سے بیزاری کا اعلان کر دیا اور اپنی بیوی کو لے کر فلسطین چلے گئے راستہ میں ایک اور بیوی بھی مل گئی (جس کی تفصیل سورۃ الانبیاء میں بھی گزر چکی ہے) دونوں بیویوں سے اولاد ہوئی بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل ان کی اولاد ہیں وہ جو انہوں نے کلمہ توحید کی دعوت دی اور شرک سے بیزاری کا اعلان کیا ان کی یہ بات ان کی اولاد میں بھی باقی رہی جسے یہاں وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ سے اور سورۂ بقرہ میں وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلمہ توحید کی دعوت دی اور اسے اپنی نسل میں باقی رکھا تا کہ ان کی نسل کے لوگ شرک سے باز آئیں لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ میں یہ بات بتائی ہے۔

قریش مکہ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور شرک اختیار کئے ہوئے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو توحید پر جمنے کی وصیت فرما کر اپنی ذمہ داری پوری فرما دی تھی لیکن اہل عرب اکثر مشرک ہو گئے تھے پھر جب نبی عربی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے توحید کی دعوت دی تو برس ہا برس کی محنت کے بعد قریش مکہ نے شرک چھوڑا اور توحید پر آ گئے فصلی اللّٰہ علی خلیلہ وحبیبہ۔

اس کے بعد فرمایا بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ (الآیۃ) ان لوگوں کے پاس حق تو آ گیا ہے لیکن قبول کرنے سے گریز کر رہے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ ان کو اور ان کے باپ دادوں کو میں نے دنیا کا سامان دے دیا یہ لوگ اس میں مشغول ہیں اس

مشغولی نے ان کو یہاں تک پہنچا دیا کہ جب ان کے پاس حق آ گیا اور رسول مبین یعنی محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے جنہوں نے واضح طور پر توحید کی دعوت دے دی جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بعد میں آنے والوں کے لئے باقی رکھا تھا تب بھی حق کو قبول کرنے سے اعراض کر رہے ہیں۔

وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ (اور جب ان کے پاس حق آ گیا تو کہنے لگے یہ جادو ہے ہم اسے نہیں مانتے) قرآن کو ان لوگوں نے جادو بتا دیا اور اس کی دعوت حق کو ماننے سے منکر ہو گئے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ
اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ قرآن دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ کیا وہ آپ کے رب کی رحمت
رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ
کو تقسیم کرتے ہیں۔ ہم نے ان کے درمیان دنیا والی زندگی میں ان کی معیشت تقسیم کر رکھی ہے اور ہم نے بعض کو بعض پر درجات کے اعتبار سے فوقیت دی ہے
لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ
تا کہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لیتا رہے اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب
اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾
لوگ ایک ہی طریقہ پر ہو جائیں گے تو ہم ان لوگوں کے لئے جو رحمان کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کے گھروں کی چھتوں کو چاندی کی کر دیتے
وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ
اور زینے بھی جن پر وہ چڑھتے ہیں اور گھروں کیلئے دروازے بھی اور تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں اور سونے کے بھی اور یہ سب کچھ صرف دنیا والی
الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾
زندگی کا سامان ہے۔ اور آپ کے رب کے پاس آخرت متقیوں کیلئے بہتر ہے۔

مکہ والوں کا جاہلانہ اعتراض کہ مکہ یا طائف کے بڑے لوگوں میں سے نبی کیوں نہ آیا اہل دنیا کو دنیا ہی محبوب ہے سونے چاندی کے اموال دنیا میں کام آتے ہیں اور آخرت متقیوں کیلئے ہے

تفسیر: دنیا دار دنیا ہی کو بڑی چیز سمجھتے ہیں جس کے پاس دنیاوی مال و اسباب زیادہ ہوں یا چودھری قسم کا آدمی ہو کسی قسم کی سرداری اور بڑائی حاصل ہو اسی کو بڑا آدمی سمجھتے ہیں خواہ کیسا ہی بڑا ظالم خائن سود خور کنجوس مکھی چوس ہو جب کسی بستی یا محلہ میں داخل ہو اور دریافت کرو کہ یہاں کا بڑا آدمی کون ہے تو وہاں کے رہنے والے کسی ایسے ہی شخص کی طرف

اشارہ کرتے ہیں جو مالدار اور صاحب اقتدار ہو اخلاق فاضلہ والے انسان اللہ کے عبادت گزار بندے علوم و معارف کے حاملین کی بڑائی کی طرف لوگوں کا ذہن جاتا ہی نہیں، عموماً انسانوں کا یہی مزاج اور حال رہا ہے رسول اللہ ﷺ کی اخلاق فاضلہ اور خصال حمیدہ کے سب معتقد اور معترف تھے لیکن جب آپ نے اپنی نبوت اور رسالت کا اعلان کیا جہاں تکذیب اور انکار کے لئے لوگوں نے بہت سے بہانے ڈھونڈے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپ پیسے والے آدمی نہیں اور آپ کو دنیاوی اعتبار سے کوئی اقتدار بھی حاصل نہیں لہٰذا آپ کیسے نبی اور رسول ہو گئے؟ اگر اللہ کو رسول بھیجنا ہی تھا اور قرآن نازل کرنا ہی تھا تو شہر مکہ یا شہر طائف کے بڑے آدمیوں میں سے کسی شخص کو رسول بنانا چاہئے تھا وہی رسول ہوتا اسی پر قرآن نازل ہوتا اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے شخص کو رسول بنایا جو پیسہ کوڑی کے اعتبار سے برتر نہیں اور جسے کوئی اختیار اور اقتدار کی برتری بھی حاصل نہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ ان لوگوں کا اشارہ ولید بن المغیرۃ اور عروہ بن مسعود ثقفی کی طرف تھا پہلا شخص اہل مکہ میں سے اور دوسرا شخص اہل طائف میں سے تھا یہ دونوں دنیاوی اعتبار سے بڑے سمجھے تھے ان ناموں کی تعیین میں اور بھی اقوال ہیں اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان لوگوں کی بات کی تردید فرمائی اور جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ (کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت یعنی نبوت کو تقسیم کرتے ہیں) یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ انہیں کیا حق ہے کہ منصب نبوت کو اپنے طور پر کسی کیلئے تجویز کریں رسول بنانے کا اختیار انہیں کس نے دیا ہے کہ یہ جس کیلئے چاہیں عہدہ نبوت تجویز کریں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمائے وہ جسے منصب نبوت عطا فرماتا ہے اسے ان اوصاف سے متصف فرما دیتا ہے۔ جن کا نبوت کیلئے ہونا ضروری ہے سورۂ انعام میں فرمایا اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ (اللہ خوب جاننے والا ہے اپنے پیغام کو جہاں بھیجے) ان لوگوں کو نہ کسی کو نبی بنانے کا اختیار ہے اور نہ نبی کے اوصاف تجویز کرنے کا...... پھر فرمایا نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (ہم نے ان کے درمیان معیشت یعنی زندگی کا سامان دنیا والی زندگی میں بانٹ دیا) وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (اور درجات کے اعتبار سے ہم نے بعض کو بعض پر فوقیت دے دی کسی کو غنی بنایا کسی کو فقیر کسی کو مالک اور کسی کو مملوک لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (تاکہ بعض لوگ بعض لوگوں کو اپنے کام میں لاتے رہیں) اگر سبھی برابر کے مالدار ہوتے تو کوئی کسی کا کام کیوں کرتا' اب صورت حال یہ ہے کہ کم پیسے والے مالداروں کے باغوں اور کھیتوں اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں اور طرح طرح کے کاموں کی خدمت انجام دیتے ہیں اس طرح سے عالم کا نظام قائم ہے مالدار کام لیتے ہیں کم پیسے والے مزدوری لیتے ہیں دنیا اس طرح چل رہی ہے جب اللہ تعالیٰ شانہٗ نے دنیاوی معیشت کو انسانوں کی رائے پر نہیں رکھا جو ادنیٰ درجہ کی چیز ہے اور اپنی حکمت کے موافق بندوں کی مصلحتوں کی رعایت فرماتے ہوئے خود ہی مال تقسیم فرما دیا تو نبوت کا منصب کسی کو لوگوں کی رائے کے موافق کیسے دے دیا جاتا' جو بہت ہی بلند و بالا چیز ہے۔ قال القرطبی فاذا لم یکن امر الدنیا الیھم فکیف یفوض امر النبوة الیه، وَرَحْمَةُ رَبِّکَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ (علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں جب دنیا کا معاملہ ان کے سپرد نہیں تو نبوت اس کے اختیار میں کیسے دی جاسکتی ہے) (اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کرتے ہیں) یعنی جن لوگوں کو دنیاوی چیزیں دی گئی ہیں وہ انہیں جمع کرنے سمیٹنے میں لگے ہوئے ہیں انہیں سمجھنا چاہئے کہ پروردگار جل مجدہ کی رحمت یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں اس سے بہتر ہیں۔

وَلَوْلَآ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ (الآیات الثلث) ان تینوں آیتوں میں دنیا کی حقارت بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ ایک ہی طریقہ اختیار کرلیں گے اور ایک ہی جماعت بن جائیں گے یعنی دنیا کی رغبت رکھنے کی وجہ سے عام طور سے لوگ کفر ہی اختیار کرلیں گے تو ہم کافروں کو اتنا سونا چاندی دیتے کہ ان کے گھروں کی چھتیں اور ان کے زینے اور سیڑھیاں جن کے ذریعے وہ اوپر چڑھتے ہیں اور ان کے گھروں کے دروازے اور ان کے تخت جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں ان سب کو سونے چاندی کا بنادیتے (انسان کا مزاج چونکہ دنیا کی چیزوں کو ترجیح دیتا ہے اس لئے یہ دیکھ کر کہ کافر ہونے میں دولت ملتی ہے ایمان قبول نہ کرتے اور کفر کو اختیار کئے رہتے اس لئے ایسا نہیں کیا گیا کہ مال و دولت صرف کافروں ہی کو دیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام رکھا ہے کہ اہل ایمان بھی مالدار رکھے ہیں اور کافروں میں بھی اور دونوں جماعتوں میں تنگدست بھی ہیں اور فقیر بھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا بہت ہی زیادہ حقیر ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ بھیڑ کے ایک بچہ کے پاس سے گزرے جو مرا ہوا تھا اور اس کے کان بھی کٹے ہوئے تھے اس کو دیکھ کر آپ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا کہ تم میں سے کون شخص یہ پسند کرتا ہے کہ ایک درہم کے عوض اس کو لے لے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ اسے تو ہم مفت میں لینا بھی پسند نہیں کرتے! آپ نے فرمایا اللہ کی قسم اللہ کے نزدیک پوری دنیا اس سے زیادہ ذلیل ہے جتنا یہ (مرا ہوا بچہ) تمہارے نزدیک ذلیل ہے (رواہ مسلم)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ ص ۴۴۱)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اتنی زیادہ ذلیل ہے اگر وہ اسے اپنے دشمنوں کو بھی دیدے تو اس میں کیا تعجب کی بات ہے پھر کافر بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں انہیں آخرت میں کوئی نعمت نہیں ملنی لہٰذا انہیں دنیا میں بہت کچھ دے دیا جاتا ہے مومن بندوں کو کافروں کی دنیا دیکھ کر رال ٹپکانا مومنانہ سمجھداری کے خلاف ہے۔

حضرت شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! یہ بات بلاشک وشبہ ہے کہ دنیا ایک سامان ہے جو سب کے سامنے حاضر ہے اس میں سے نیک و بد سب کھاتے ہیں اور بلاشبہ آخرت کا وعدہ سچا ہے اس میں وہ بادشاہ فیصلہ کرے گا جو عادل ہے قادر ہے وہ حق ثابت فرمائے گا اور باطل کو باطل کردے گا تم آخرت کے بیٹے بنو اور دنیا کے بیٹے مت بنو کیونکہ ہر ماں کا بچہ اس کے پیچھے پیچھے جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۴۵)

قوله تعالیٰ (وَزُخْرُفًا) قال القرطبی الزخرف هنا الذهب والنتصب زُخْرُفاً علی معنی وجعلنا لهم مع ذلک زخرفاً: وقیل بنزع الخافض والمعنی فجعلنا لهم سُقُفًا وابوابا وسرراً من فضة ومن ذهب فلما حذف "مِنْ" قال "وَزُخْرُفًا" فنصب. (اللہ تعالیٰ کا قول زُخْرُفاً کے بارے میں علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں یہاں زُخْرُف سے مراد سونا ہے اور زُخْرُفاً اس لئے منصوب ہے کہ معنی یہ بنے گا اور ہم نے ان کیلئے اس کے علاوہ سونا بنایا ہے۔ بعض نے کہا حرف جر کے محذوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے معنی اس طرح ہے کہ ہم نے ان کیلئے چھتیں، دروازے اور تخت چاندی وسونے کے بنائے (مِنْ ذَهَبٍ) جب مِنْ حذف کیا تو زُخْرُفاً کو نصب دیدی گئی)

وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (اور یہ سب دنیا والی زندگی کے سامان کے سوا کچھ نہیں دنیا حقیر ہے اور

فانی ہے یہ چیزیں بھی حقیر ہیں اور فانی ہیں)۔
وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ (اور آخرت یعنی اس کی باقی رہنے والی نعمتیں آپ کے رب کے نزدیک متقین کے لئے ہیں وہ وہاں ان سے متمتع ہوں گے اور وہ نعمتیں دائمی ہوں گی)

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ
اور جو شخص رحمٰن کی نصیحت سے اندھا بن جائے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں، سو وہ اس کے ساتھ رہتا ہے اور بلاشبہ وہ ان کو راستہ سے
السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ
روکتے ہیں، اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں، یہاں تک کہ جب ہمارے پاس آئے گا تو کہے گا کہ اے کاش میرے اور تیرے درمیان
الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ۝ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝
مشرق اور مغرب والی دوری ہوتی سو تو برا ساتھی تھا، اور جب تم نے ظلم کیا تو آج تمہیں یہ بات ہرگز نفع نہ دے گی کہ تم عذاب میں شریک ہو،
اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ
کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے یا اندھوں کو ہدایت دے دیں گے اور ان لوگوں کو جو صریح گمراہی میں ہیں، سو اگر ہم آپ کو لے جائیں تو
فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝ فَاسْتَمْسِكْ
بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں یا ہم آپ کو وہ چیز دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے سو بلاشبہ ہم ان پر قدرت رکھنے والے ہیں، سو آپ کی
بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝
طرف جو وحی کی گئی ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہئے بلاشبہ آپ صراط مستقیم پر ہیں اور بلاشبہ یہ قرآن شرف ہے آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے اور عنقریب تم سے سوال کیا جائے گا
وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝
اور اپنے رسولوں میں سے جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے ان سے دریافت کر لیجئے کیا ہم نے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود تجویز کئے ہیں جن کی عبادت کی جائے؟

جو رحمٰن کے ذکر سے غافل ہو اس پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے قیامت کے دن اس سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا کہ دوسروں کو بھی تو عذاب ہو رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ان پر عذاب آسکتا ہے

تفسیر: لفظ يَعْشُ عَشِيَ يَعْشُوْ سے يَدْعُوْ کے وزن پر مضارع کا صیغہ ہے مَنْ شرطیہ داخل ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے، جس کی وجہ سے واؤ حذف ہو گیا اس کا لغوی معنی یہ ہے کہ آنکھوں میں کوئی بیماری نہ ہو تب بھی نظر نہ آئے اور

بعض حضرات نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ نظر کمزور ہو جائے جس سے اچھی طرح نظر نہ آئے آیت کا مطلب یہ ہے بہت سے لوگوں کے پاس حق آیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت آئی یعنی انہوں نے قرآن کو سنا اور سمجھا لیکن قصداً وارادۃً اس کی طرف اندھے بن گئے جو لوگ اس طریقے کو اختیار کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ایک شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے اب یہی شیطان ان کا ساتھی بنا رہتا ہے اور ان کو حق قبول نہیں کرنے دیتا اور حق پر نہیں آنے دیتا یہ شیاطین جو اس قسم کے لوگوں کے ساتھی بن جاتے ہیں ان گمراہی اختیار کرنے والے لوگوں کو راہ حق سے روکتے رہتے ہیں اور یہ لوگ جن کے ساتھی شیاطین بن جاتے ہیں راہ حق سے ہٹ جانے اور گمراہی میں پڑ جانے کے باوجود یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں' یہ شیطان اس قرین کے علاوہ ہے جس کا حدیث شریف میں ذکر ہے کہ تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک قرین فرشتہ اور ایک قرین شیطان مقرر ہے۔ (رواہ مسلم)

ان گمراہوں کی دنیا میں تو شیاطین سے دوستی ہے لیکن جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو گمراہ ہونے والا آدمی اپنے ساتھی یعنی شیطان سے کہے گا کہ تو نے میرا ناس کھویا کاش دنیا میں میرے اور تیرے درمیان اتنا بڑا فاصلہ ہوتا جتنا مغرب اور مشرق کے درمیان ہے تو میرا برا ساتھی تھا تو نے مجھے گمراہ کیا اور کفر و شرک اور برے اعمال کو اچھا کر کے بتایا۔ **کما فی السورۃ حم السجدہ** وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (اور ہم نے ان کے لئے کچھ ساتھ رہنے والے مقرر کر رکھے تھے سو انہوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نظر میں اچھے بنا کر دکھار کھے تھے)۔

دنیا میں تو گمراہوں کا دوستانہ تھا شیاطین بھی کافر تھے اور جن انسانوں کو بہکاتے تھے وہ بھی ان کے بہکانے کی وجہ سے کفر پر جمے رہتے تھے پھر جب قیامت کے دن موجود ہوں گے تو سب کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا وہاں ایک دوسرے کو عذاب میں دیکھیں گے لیکن اس بات سے کسی کو کچھ نفع نہ ہوگا کہ سب دوزخ میں ہیں اور سب عذاب میں ہیں یعنی جس طرح دنیا میں ایک دوسرے کو مصیبت میں دیکھ کر تسلی ہو جاتی ہے کہ ہم تنہا مصیبت میں نہیں ہیں، دوسرے لوگ بھی اس مصیبت میں مبتلا ہیں جو ہم پر آتی ہے وہاں اس بات سے کسی کو کچھ نفع نہ ہوگا کہ سب عذاب میں شریک ہیں کیونکہ وہاں کا عذاب بہت سخت ہے۔

دنیا میں جو بہت سے لوگوں کو ایمان کی دعوت دی جاتی ہے تو حق جانتے اور پہچانتے ہوئے اسلام قبول نہیں کرتے اور نفس و شیطان ان کو یہ سمجھا دیتا ہے کہ اور بھی تو کروڑوں ایسے لوگ ہیں جو مسلمان نہیں ہیں جو ان کا حال ہوگا وہی ہمارا ہو جائے گا ایسے لوگوں کو بتا دیا کہ عذاب میں پڑنے والوں کے ساتھ عذاب میں جانا یہ کوئی سمجھداری نہیں ہے جب سب عذاب میں جائیں گے تو یہ دیکھ کر کچھ فائدہ نہ ہوگا کہ دوسرے لوگ بھی عذاب میں ہیں۔

بہت سے وہ لوگ جو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں ان کا بھی یہ طریقہ ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فرائض انجام دو حرام سے بچو اور گناہوں کو چھوڑو تو کہہ دیتے ہیں کہ اور کون شریعت پر چل رہا ہے جو ہم چلیں' یہ جاہلانہ جواب ہے یہاں تو گناہگاروں کی جماعت میں شریک ہونا نفس کو اچھا لگ رہا ہے لیکن روز قیامت جب گناہگاروں کی صف میں کھڑے ہوں گے اور عذاب میں مبتلا ہوں گے اس وقت اس بات سے کسی کو کچھ فائدہ نہ ہوگا کہ ہم بھی عذاب میں ہیں تو کیا ہوا اور ہزاروں آدمی بھی تو عذاب میں ہیں اس بات کا خیال کرنے سے کسی کا عذاب ہلکا نہیں ہو جائے گا۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ (الآیۃ) (کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں یا اندھوں کو راہ پر لا سکتے ہیں جو صریح گمراہی میں ہیں اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی ہے کہ جو لوگ بہرے اور اندھے ہیں اور صریح گمراہی میں ہیں آپ انہیں ہدایت پر نہیں لا سکتے یعنی ان کو ہدایت دینا آپ کے اختیار سے خارج ہے آپ اپنی دعوت کا کام جاری رکھیں آپکی اتنی ہی ذمہ داری ہے۔

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ (الآیۃ) (سو اگر ہم آپ کو لے جائیں یعنی دنیا سے اٹھالیں (یا مکہ معظمہ سے نکال کر لے جائیں) تو ان لوگوں کا پھر بھی عذاب سے چھٹکارہ نہیں، ہم ان سے انتقام لے لیں گے آپ کے سامنے ہو جسے ہم آپ کو دکھادیں یا آپ کے بعد ہو ہمیں سب پر قدرت ہے، یعنی انہیں کفر کی سزا ضرور ملے گی بعض مفسرین نے فرمایا کہ غزوہ بدر میں جو مشرکین مکہ کو شکست ہوئی قتل بھی ہوئے قیدی بھی ہوئے آیت کریمہ میں اس انتقام کا تذکرہ ہے۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ (سو جو وحی آپ کی طرف بھیجی ہے یعنی قرآن نازل کیا گیا، اس پر آپ مضبوطی سے قائم رہئے آپ سیدھے راستے پر ہیں دعوت کے کام میں لگا رہنا اور جما رہنا یہ آپ کی ذمہ داری ہے اس میں اللہ کی رضا ہے کوئی مانے نہ مانے آپ اپنا کام کئے جائیں۔ (کذا فسرہ القرطبی)

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ (اور بلاشبہ یہ قرآن شرف ہے آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے) اس آیت میں اللہ جل شانہ نے امتنان فرمایا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا ہے کہ یہ قرآن آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے باعث شرف ہے اللہ تعالیٰ شانہ مالک الملک ہے اور ملک الملوک ہے سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس کا کسی سے خطاب فرمانا یہ بہت بڑا شرف ہے محمد رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب نازل فرمائی اور بار بار آپ کو مخاطب فرمایا اس میں آپ کے لئے بڑے شرف اور فخر کی بات ہے پھر آپ کے واسطہ سے آپ کی قوم کو خطاب فرمایا اور ان کی زبان میں اور ان کی لغت میں قرآن مجید نازل فرمایا ان کے لئے بھی یہ بات بڑے شرف کی ہے، بہت سوں نے اس کی قدردانی نہ کی اور کفر پر مر گئے اور بہت سوں نے قدردانی کی اس پر ایمان لائے اس کی تلاوت کی اس کو پڑھا اور پڑھایا اور آگے بڑھایا یہ سب اہل عرب کے لئے بڑے شرف اور فخر کی چیز ہے، نزول قرآن سے لے کر آج تک پورے عالم میں قرآن مجید پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے جتنے بھی پڑھانے والے ہیں سب کی سند حضرات صحابہ تک پہنچی ہے جنہوں نے قرآن کو سیکھا اور سکھایا اور اس کی قراءت اور روایات اور طرق ادا کو آگے بڑھایا قرآن مجید کی وجہ سے عربی زبان کی پوری دنیا میں اہمیت ہوگئی اس کے قواعد لکھے گئے بلاغت پر کتابیں تصنیف کی گئیں قرآن کی وجہ سے خود عرب بھی بلند ہو گئے ورنہ نزول قرآن سے پہلے دنیا میں ان کی کوئی حیثیت نہ تھی یمن میں کسریٰ کا اقتدار تھا اور شام میں قیصر نصرانی کا اور مدینہ منورہ میں یہودی صاحب اقتدار بنے ہوئے تھے۔

لِقَوْمِكَ سے بعض حضرات نے قریش مکہ کو مراد لیا کیونکہ قرآن مجید ان کی لغت میں نازل ہوا اور بعض حضرات نے مطلقاً عربی بولنے والوں کو مراد لیا ہے یہ تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ ذکر سے تذکرہ مراد لیا جائے جس کا حاصل ترجمہ شرف اور فخر کیا گیا۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے قَوْمِکَ سے عام مومنین مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ قرآن آپ کے لئے ہے اور آپ کی قوم یعنی اہل ایمان کے لئے نصیحت ہے۔

وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ (اور تم لوگوں سے سوال ہوگا) کہ اس قرآن کا کیا حق ادا کیا اور اس پر کیا عمل کیا اور اس کی کیا قدر کی۔

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ (اور جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان سے دریافت کر لیجئے کیا ہم نے رحمان کے علاوہ معبود ٹھہرائے جن کی عبادت کی جائے) یعنی ایسا نہیں ہے اس میں بظاہر آپ کو خطاب ہے لیکن اصل مخاطب یہود اور نصاریٰ اور مشرکین ہیں اور انبیائے کرام علیہم السلام سے دریافت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی کتابوں کے بعض حصے موجود ہیں انہیں دیکھ کر تحقیق کر لی جائے تحقیق کریں گے تو یہ واضح ہو جائے کہ کسی بھی نبی نے شرک کی تعلیم نہیں دی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ توریت اور انجیل جاننے والوں میں سے جو حضرات ایمان لے آئے تھے ان سے سوال کرنا مراد ہے۔ کما ذکر القرطبی، وقال ایضاً والخطاب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم والمراد اُمته.

(جیسا کہ علامہ قرطبیؒ نے فرمایا اور یہ بھی کہ خطاب حضور ﷺ سے ہے اور مراد اُمتِ محمدیہ ہے)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ کو فرعون اور اس کی قوم کے بڑے لوگوں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا لہٰذا موسیٰ نے کہا کہ بیشک میں رب العٰلمین کا رسول ہوں سو جب وہ ان کے پاس

بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا وَاَخَذْنٰهُمْ

ہماری نشانیاں لے کر آئے تو یکایک وہ ان نشانیوں پر ہنسنے لگے اور ہم انہیں جو بھی کوئی نشانی دیتے تھے وہ دوسری نشانی سے بڑھ کر ہوتی تھی اور ہم نے

بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

انہیں عذاب کے ساتھ پکڑا تا کہ وہ باز آ جائیں اور انہوں نے کہا کہ اے جادوگر ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر جس کا اس نے تجھ سے عہد کیا ہے بلاشبہ ہم ہدایت پانے والے بن جائیں گے

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ

سو جب ہم نے ان سے عذاب ہٹا دیا تو یکایک وہ عہد کو توڑ رہے ہیں اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرادی اس نے کہا کہ اے میری قوم

اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ

کیا میرے لئے مصر کا ملک نہیں ہے؟ اور یہ نہریں جاری ہیں میرے نیچے کیا تم نہیں دیکھتے' بلکہ میں اس شخص سے بہتر ہوں

هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِىَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ

جو ذلت والا ہے' اور وہ واضح طور پر بات بھی نہیں کر سکتا' سو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے' یا اس کے ساتھ

الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ

فرشتے آجاتے لگاتار جماعتیں بنا کر' سو اس نے اپنی قوم کو مغلوب کر لیا سو انہوں نے اسکی اطاعت کی' بلاشبہ وہ لوگ فاسقین تھے سو جب

اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لے لیا۔ سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا پھر ہم نے انہیں آئندہ آنے والوں کے لئے سلف اور نمونہ بنا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم فرعون کے پاس پہنچنا' اور ان لوگوں کا معجزات دیکھ کر تکذیب اور تضحیک کرنا' فرعون کا اپنے ملک پر فخر کرنا اور بالآخر اپنی قوم کے ساتھ غرق ہونا

تفسیر: ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت و رسالت اور فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں اور چوہدریوں کی تکذیب پھر ہلاکت اور تعذیب کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے اشراف قوم کے پاس اللہ تعالیٰ کی نشانیاں یعنی معجزات لے کر پہنچے تو ان لوگوں نے ان کا مذاق بنایا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ اژدھا بن گئی تو فرعون اور اس کے درباریوں نے کہا کہ اجی یہ کیا معجزہ ہے یہ تو جادو کا کرشمہ ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے جادوگر بلائے ان سے مقابلہ کرایا جادوگروں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں جو حاضرین کو دیکھنے میں دوڑتے ہوئے سانپ معلوم ہو رہی تھیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا تو وہ ان کے بنائے ہو دھندے کو چٹ کرنے لگا اس پر جادوگر ہار مان ہو گئے جس کا واقعہ سورۃ الاعراف' سورۃ طٰہٰ اور سورۃ الشعراء میں مذکورہ ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا معجزہ ید بیضا تھا اس کا مقابلہ کرنے کی تو ہمت ہی نہ ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی' کیونکہ وہ امر غیر اختیاری تھا ان کے علاوہ اور بھی معجزات تھے جو فرعونیوں کے لئے بھیجے گئے تھے' جن کا ذکر سورۂ اعراف میں یوں بیان فرمایا ہے وَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ (یعنی ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیج دیا توضیح و تشریح کیلئے آیت بالا کی تفسیر ملاحظہ کر لی جائے' یہ چیزیں ان پر عذاب کے طور پر تھیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعدد معجزات تھے جب کوئی نشانی ظاہر ہوتی تھی تو وہ اپنی ساتھ والی دوسری نشانی سے بڑھ چڑھ کر ہوتی تھی عذاب آتا تھا تو کہتے تھے کہ ہم تو اسے جادو ہی سمجھ رہے ہیں تم کہتے ہو یہ میرے رب کی طرف سے ہے جو مجھے بطور معجزہ عطاء کیا ہے اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ اگر تم ایمان لے آؤ گے تو میرا رب تمہارے اس عذاب کو ہٹا دے گا ہماری سمجھ میں یہ بات آتی تو نہیں ہے ہم تو تمہیں جادوگر ہی سمجھ رہے ہیں لیکن اگر تمہارے رب نے ہمارا عذاب ہٹا دیا تو ہم ضرور راہ پر آ جائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہٹا دیا جاتا تھا تو اپنا عہد توڑ دیتے تھے اور کافر کے کافر ہی رہتے تھے فرعون کو فکر لگی ہوئی تھی کہ یہ شخص بڑے بڑے معجزات دکھاتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ میری قوم کے لوگ اس بات کو قبول کر لیں اور میری حکومت اور سلطنت جاتی رہے اور یہی بڑا بن جائے لہٰذا اس نے اپنی قوم میں ایک منادی کرا دی اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے کہا کہ دیکھو میں مصر کا بادشاہ ہوں میرے نیچے نہریں بہتی ہیں میں اس شخص سے بہتر ہوں جو نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے یہ میرے مقابلے میں ذلت والا ہے اس کی مالی حیثیت بھی نہیں اور یہ اور اس کا بھائی اس قوم میں سے ہے جو ہمارے خدمت گزار ہیں فرمانبردار ہیں فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ یہ اول تو دنیاوی اعتبار سے مجھ سے کم ہیں اس کی کچھ حیثیت نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ اچھی طرح بیان بھی نہیں کر سکتا (حضرت موسیٰ

علیہ السلام کی زبان میں جو لکنت تھی اس کی طرف اشارہ کیا) اور تیسری بات یہ ہے کہ اگر یہ شخص نبی ہے تو بہت بڑا مالدار ہونا چاہئے اگر نبی ہوتا تو اس پر سونے کے کنگن ڈالے جاتے اور چوتھی بات یہ ہے کہ اس کی تائید کے لئے فرشتے آنے چاہئیں تھے جو لگاتار صفیں بنا کر آجاتے اس کی تائید اور مدد کرتے۔

ہر قوم کے چھوٹے لوگ بڑے لوگوں کی طرف دیکھا کرتے ہیں بڑے لوگ فرعون کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے ان کی دیکھا دیکھی قوم کے دوسرے لوگ بھی مغلوب ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے فرعون کی اطاعت کا دم بھرتے رہے اس کی قوم کے چھوٹے بڑے لوگ فاسق اور نافرمان تھے شرارت سے بھرے ہوئے تھے انہوں نے کفر پر رہنے کا فیصلہ کیا سمجھانے سے باز نہ آئے، موسیٰ علیہ السلام کی اور معجزات کی بے ادبی کی اور معجزات کو جادو بتایا یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کا غضب نازل کرنے والی تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے بدلہ لے لیا اور ان سب کو ڈبو دیا غرق کرنے تک کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا کہ ہم نے انہیں بعد میں آنے والوں کے لئے سلف یعنی پہلے گزر جانے والا نمونہ بنا دیا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا میں پہلے آئے سرکشی کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوئے ڈبو دیئے گئے بعد میں آنے والوں کے لئے ان کا واقعہ عبرت اور نصیحت ہے قصص الاولین مواعظ الاخرین، پہلے لوگوں کے واقعات جنہیں سلف کہا جاتا ہے بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت ہوتے ہیں اور اس بات کا نمونہ بن جاتے ہیں کہ جو قوم ان کی طرح اعمال کرے گی ان کے ساتھ پرانے لوگوں جیسا معاملہ کیا جائے گا۔

قولہٗ تعالیٰ ام انا خیرٌ قال ابو عبیدة اَمْ بمعنی بل لیس بحرف عطفٍ ، وقال الفراء اِن شئت جعلتها من الاستفهام و ان شئت جعلتها من النّسق علی قولہٖ الیس لی ملک مصر ، وقیل ھی زائدة وقولہ مُقْتَرِنِیْن معناہ قال ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ یعاونونہ علی من خالفہٗ وقال قتادة متتا بعین قال مجاھدٌ یمشون معہ والمعنی ھل ضم الیہ الملائکة التی یزعم أنھا عند ربہ حتی یتکثربھم ویصرفھم علی امرہ ونھیہ فیکون ذلک اھیب فی القلوب.

وقولہ تعالیٰ فاستخف قَوْمَهٗ قال ابن الاعرابی المعنی فاستجھل قومہ لنخفة احلامھم وقلة عقو لھم، وقیل استخف قومہ قھرھم حتی اتبعوہ یقالُ استخفہٗ خلاف استثقلة و استخف بہ اھانہ.

قولہ تعالیٰ فَلَمَّا اٰسَفُوْنَا عن ابن عباس ای غاظونا و اغضبونا و الغضب من اللّٰہ اما ارادة العقوبة فیکون من صفات الذات و اما عین العقوبة فیکون من صفات الفعل. (من القرطبی ص ۱۰۱ ج ۱۶)

(ارشاد الٰہی اَمْ اَنَا خَیْرٌ، ابوعبیدہؒ نے کہا اَمْ بَلْ کے معنی میں ہے، حرف عطف نہیں ہے، فراء کہتے ہیں اگر چاہو تو استفہام کیلئے سمجھو چاہو تو اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ پر عطف مان لو، بعض نے کہا زائد ہے۔

"مُقْتَرِنِیْنَ" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں: اس کا معنی ہے وہ مخالفوں کے خلاف اس کی مدد کرتے، قتادہؒ کہتے ہیں اس کا معنی ہے مُتَتَابِعِیْنَ یعنی اس کی پیروی کرتے، مجاہدؒ کہتے ہیں اس کے ساتھ چلتے مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ فرشتے ہوئے جو اس بات کی دلیل ہوتے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ یہاں تک کہ وہ ان فرشتوں سے کثرت حاصل کرتا اور امر و نہی کا ان پر تصرف کرتا تو اس سے دلوں میں رعب پڑتا۔

"فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ" ابن الاعرابی کہتے ہیں اس کا معنی ہے اس کی قوم کم عقلی و بے وقوفی کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نا سمجھ سمجھتی رہی، بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے فرعونیوں کے ظلم کو ہلکا سمجھا اور اس کی اطاعت میں لگے رہے کہا جاتا ہے مخالفت نے اسے ہلکا کر دیا، اور اس نے اس کی اہانت کی۔

"فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا" حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ اس کا معنی ہے انہوں نے ہمیں غضبناک کیا اور غصہ دلایا۔ (اور اللہ تعالیٰ کے غصہ کا مطلب اگر سزا دینے کا ارادہ ہو تو یہ ذاتِ الٰہی کی صفت ہے اگر مراد سزا ہے تو یہ فعل کی صفت ہے)

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا

اور جب ابن مریم کے متعلق ایک عجیب مضمون بیان کیا گیا تو اچانک آپ کی قوم کے لوگ اس کی وجہ سے چیخ رہے ہیں اور انہوں نے کہا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ، ان لوگوں نے یہ بات جو آپ سے

ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ

بیان کی ہے صرف جھگڑنے کے طور پر ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں، وہ نہیں ہے مگر ایک ایسا بندہ جس پر ہم نے انعام کیا اور ہم نے اسے

مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ

بنی اسرائیل کے لئے ایک نمونہ بنا دیا، اور اگر ہم چاہتے تو زمین میں تم سے فرشتے پیدا کر دیتے جو یکے بعد دیگرے رہا کرتے اور بے شک

لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ

وہ قیامت کے علم کا ذریعہ ہیں سو تم لوگ اس میں شک نہ کرو اور میرا اتباع کرو یہ سیدھا راستہ ہے، اور شیطان تمہیں ہرگز نہ روک دے

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ

بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اور جب عیسیٰ واضح معجزات لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور تاکہ میں تمہارے لئے بعض

بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ

وہ باتیں بیان کروں جن میں تم اختلاف کرتے ہو سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو بلاشبہ اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے، سو تم اس کی عبادت کرو،

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ

یہ سیدھا راستہ ہے، سو جماعتوں نے آپس میں اپنے درمیان اختلاف کر لیا۔ سو جن لوگوں نے ظلم کیا ان کے لئے ہلاکت ہے

عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾

اس دن کے عذاب سے جو دردناک ہوگا، یہ لوگ بس قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان کے پاس اچانک آ جائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾

جتنے دوست ہیں اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر جو لوگ ہیں ڈرنے والے

قریش مکہ کی ایک جاہلانہ بات کی تردید حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی کا تعارف اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت ہی صراط مستقیم ہے

تفسیر: تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ قریش نے عبداللہ بن زِبَعْرِی سے کہا (اس وقت اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا کہ محمد ﷺ یہ سناتے ہیں۔ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ بلاشبہ تم لوگ اور وہ جن کی اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہو (یہ سورۃ الانبیاء کی آیت ہے) تو عبداللہ بن زبعری یہ سن کر کہنے لگا کہ میں موجود ہوتا تو اس کی تردید کر دیتا قریش نے کہا کہ تو کیا کہتا' اس پر عبداللہ نے کہا کہ میں یوں کہتا کہ یہ مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) ہیں جن کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں اور یہ عزیر ہیں جن کی یہود عبادت کرتے ہیں تو کیا یہ دونوں دوزخ کا ایندھن ہیں قریش کو یہ بات پسند آئی اور انہوں نے خیال کیا کہ یہ لاجواب کرنے والا سوال ہے یہ بات سن کر وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور خوشی کے مارے چیخنے لگے سورۃ الانبیاء میں ان لوگوں کا جواب گزر چکا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (بلاشبہ جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہے وہ جہنم سے دور رکھے جائیں گے)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن یوں فرمایا یَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ لَا خَيْرَ فِيْ اَحَدٍ يُّعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (اے قریش کی جماعت اس میں کوئی خیر نہیں ہے اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہو) یہ سن کر قریش کہنے لگے کیا آپ یہ نہیں فرماتے کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی تھے اور عبد صالح تھے آپ کے کہنے کے مطابق وہ بھی دوزخ میں جانے والوں میں شمار ہوئے کیونکہ ایک جماعت نے ان کی عبادت کی ہے انہوں نے یہ بھی کہا کہ اللہ کے سوا جن لوگوں کی عبادت کی گئی' اگر وہ سب دوزخ میں ہوں گے تو ہم اس پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود بھی عیسیٰ اور عزیر اور ملائکہ (علیہم السلام) کے ساتھ ہو جائیں یعنی ان حضرات کا جو انجام ہوگا وہی ہمارے معبودوں کا ہو جائے گا۔

ان لوگوں کا مقصد صرف جھگڑنا اور الزام دینا تھا حق اور حقیقت سے انہیں کچھ واسطہ نہ تھا یہ تو ایک سیدھی بات ہے کہ جو حضرات اللہ تعالیٰ کے محبوب مقرب ہیں وہ دوزخ میں کیوں جانے لگے؟ لیکن محض جھگڑے بازی کے لئے انہوں نے ایسی بات کہی' اس کو سامنے رکھ کر اب پہلی دو آیتوں کا مطلب سمجھ لیں وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ اور جب ابن مریم یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک اعتراض کرنے والے نے ایک عجیب مضمون بیان کیا یعنی یوں کہا کہ ہمارے معبود دوزخ میں ہوں گے اور عیسیٰ بھی دوزخ میں ہوں گے تو اس بات کو سن کر قریش مکہ خوشی میں چیخنے لگے اور حضرت رسول اکرم ﷺ سے کہنے لگے کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا عیسیٰ؟ ان کا مطلب یہ تھا کہ جب عیسیٰ خیر ہیں حالانکہ ان کی عبادت کی گئی تو ہمارے جو دوسرے معبود ہیں وہ خیر ہوں یہ کیوں نہیں ہو سکتا ان لوگوں کو چونکہ صرف جھگڑنا ہی مقصود تھا اسی لئے فرمایا مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا کہ ان لوگوں نے جو آپ کے سامنے ابن مریم کی بات بیان کی ہے یہ محض جھگڑے کی غرض سے ہے بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ یعنی ان کا جھگڑنا کچھ اسی مضمون کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں' ان کا طریقہ یہ ہے کہ حق باتوں میں جھگڑتے رہتے ہیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہدایت کے بعد جن لوگوں نے بھی گمراہی اختیار کی انہیں جھگڑے بازی دے دی گئی یعنی ان کا مزاج جھگڑے بازی کا بن گیا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ تلاوت فرمائی۔ (رواہ الترمذی)

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ (عیسیٰ بن مریم علیہ السلام محض ایک ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے انعام کیا یعنی عیسیٰ علیہ السلام پر ہم نے انعام کیا انہیں نبوت سے سرفراز کیا نبی تو اس لئے آتے تھے کہ وہ اللہ کی توحید کی دعوت دیں نہ یہ کہ وہ اپنی عبادت یا کسی بھی غیر اللہ کی طرف بلائیں جن لوگوں نے ان کی عبادت کی وہ اُن کی حماقت ہے ان کے اعمال کی سزا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کیوں ملنے لگی؟ جنہوں نے ان کی عبادت کی وہی دوزخ میں جانے والے ہیں اور جن بتوں کی عبادت کی گئی وہ بھی دوزخ میں داخل ہوں گے عیسیٰ علیہ السلام دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح اللہ کے نزدیک منعم ومکرم ہیں۔

وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (اور ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کیلئے ایک نمونہ بنادیا تھا) انہیں بغیر باپ کے پیدا کیا جس سے اللہ تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ کا لوگوں کو علم ہو گیا وہ بغیر باپ کے بھی پیدا فرمانے پر قدرت رکھتا ہے قال القرطبی ای اٰیة وعبرة یستدل بها علی قدرة الله تعالیٰ فان عیسی کان من غیر اب.

اس کے بعد فرمایا وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ (الآیة) (اور اگر ہم چاہتے تو زمین میں تم سے فرشتے پیدا کر دیتے جو یکے بعد دیگرے زمین میں رہا کرتے) یعنی انسانوں سے فرشتے پیدا کر دیتے جو زمین میں رہتے ان کی پیدائش بھی آدمیوں کی طرح ہوتی اور موت بھی یعنی وہ دنیا میں آتے جاتے رہتے یہ الفاظ کا ظاہری ترجمہ ہے وھو قبول فی تفسیرہ اس کا دوسرا مطلب مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو فرشتوں کو زمین میں آباد کر دیتے اپنی مخلوق کو ہم جہاں چاہیں آباد کریں مخلوق مخلوق ہی ہے' کہیں بھی رہے وہ عبادت کے لائق نہیں ہو سکتی فرشتوں کا آسمان میں ٹھہرانا کوئی ایسا شرف نہیں ہے کہ وہ معبود ہو گئے یا یہ کہ انہیں اللہ کی بیٹیاں کہا جا سکے والمعنی لونشآء لا سکنا الارض الملئکة ولیس فی اسکا ننا ایاھم السماء شرف حتیٰ یعبد وا اَویقال لھم بنات الله. (معنی یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہم فرشتوں کو زمین میں ٹھہرا دیتے، ان کے آسمان میں ٹھہرانے میں کوئی ان کا ایسا شرف نہیں ہے کہ ان کی عبادت شروع کر دی جائے یا انہیں اللہ کی بیٹیاں قرار دیا جائے)

آیت بالا کا ایک مطلب معالم التنزیل ج۴ ص۱۴۳ میں یہ لکھا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو تمہیں ہلاک کر دیں اور تمہارے بدلہ زمین میں فرشتے پیدا کر دیں جو زمین کے آباد کرنے میں تمہارے خلیفہ ہو جائیں اور میری عبادت اور فرمانبرداری کریں فیکون لفظة منکم بمعنی بدلا منکم قال القرطبی ناقلا عن الذهری ان من قد تکون للبدل بدلیل ھذہ الاٰیة.

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ (اور بلاشبہ وہ قیامت کے علم کا ذریعہ ہے)

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اِنَّهٗ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اور مراد یہ ہے کہ قرآن مجید قرب قیامت کی نشانی ہے (کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا تشریف لانا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اب قیامت قریب ہے کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت انا والساعة کھاتین (میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں جیسے یہ دونوں انگلیاں

قریب قریب ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اِنَّـہٗ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے ان کا نزول قربِ قیامت کی دلیل ہوگا (یاد رہے کہ قرب اور بعد اُمور اضافیہ میں سے ہیں۔

اور بعض حضرات نے آیت کا مطلب یہ بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں مردوں کا زندہ کرنا بھی تھا جسے ان کے زمانہ کے لوگوں نے دیکھا یہ مُردوں کا زندہ ہونا قیامت کے دن اموات کے زندہ ہونے کا نمونہ بن گیا۔

فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ سوتم قیامت کے بارے میں شک نہ کرو اور میرا اتباع کرو هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ یہ سیدھا راستہ ہے وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ (اور تمہیں ہرگز شیطان صراط مستقیم سے نہ روک دے) اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا قول ہے اِتَّبِعُوْنِ سے پہلے لفظ قُلْ مقدر ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ (الآیۃ) (اور جب عیسیٰ واضح معجزات لے کر آئے تو کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت یعنی نبوت اور اللہ کی کتاب یعنی انجیل لے کر آیا ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ میں تمہارے لئے بعض ان چیزوں کو بیان کردوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو) یعنی امور شرعیہ دینیہ بیان کرتا ہوں جن کی تمہیں ضرورت ہے اور تم نے جو توریت شریف میں تحریف کرلی ہے اسے واضح کرتا ہوں۔ من روح المعانی

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (سوتم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو) اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ (بلاشبہ اللہ ہی تمہارا رب ہے اور میرا رب ہے سوتم اسی کی عبادت کرو) هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (یہ سیدھا راستہ ہے)

معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو معجزات ظاہر فرمائے تھے (جن میں مُردوں کا زندہ کرنا اور مٹی کی چڑیا بنا کر اس میں پھونک کر اڑا دینا بھی تھا ان کی وجہ سے اندازہ فرمالیا تھا کہ میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد لوگ میرے معبود ہونے کا عقیدہ بنا سکتے ہیں لہٰذا انہوں نے پہلے ہی تردید کردی' نصاریٰ پر تعجب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمان کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ ہی میرا اور تمہارا رب ہے اور تم اسی کی عبادت کرو پھر بھی ان کو معبود مانتے ہیں۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ (آپس میں جماعتوں کے درمیان اختلاف ہوگیا) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عقیدت رکھنے والوں نے ان کے بارے میں گروہ بندی کردی اور مختلف جماعتیں بن گئیں ایک جماعت کہتی ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور ایک جماعت کہتی ہے کہ تین معبود ہیں (جیسا کہ سورۂ مائدہ میں ان کے قول نقل فرمائے ہیں) اور ان میں سے ایک جماعت کہتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں (جیسا کہ سورۃ التوبہ میں نصاریٰ کا یہ قول نقل فرمایا ہے) پھر جن لوگوں نے ان تینوں باتوں کو نہیں مانا انہوں نے بھی اس اعتبار سے کفر اختیار کرلیا کہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ تشریف لائے تو آپ کی رسالت کے منکر ہوگئے جن لوگوں کو اللہ نے ہدایت دی وہ مسلمان ہوگئے جیسا کہ شاہ حبشہ نجاشی اور وہاں کے دوسرے افراد کا واقعہ مشہور ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ (سو جن لوگوں نے ظلم کیا یعنی شرک اور کفر کو اختیار کیا ان کے لئے ہلاکت و بربادی ہے جو دردناک عذاب کی صورت میں ظاہر ہوگی یعنی قیامت کے دن عذاب میں جائیں گے

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (بس یہ لوگ اسی بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ انکے پاس اچانک قیامت آجائے اور انہیں اس کی خبر بھی نہ ہو) هَلْ يَنْظُرُوْنَ کی ضمیر مستتر کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ احزاب کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو لوگ اختلاف رکھتے ہیں راہِ حق پر نہیں آتے حق کو قبول نہیں کرتے ان کا طریقہ کار ایسا ہے کہ انہیں قیامت کا انتظار ہے اچانک قیامت آجائے (جس کا انہیں پتہ بھی نہ ہو کیونکہ پہلے سے اس کی آمد کا وقت نہیں بتایا گیا) تو اس وقت توحید پر آئیں گے اور کفر و شرک چھوڑ دیں گے لیکن اس وقت ایمان لانا مفید نہ ہوگا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ فعل مضارع ینظرون کی ضمیر قریش کی طرف راجع ہے ان کے سامنے توحید کے دلائل ہیں قرآن کا معجزہ سامنے ہے پھر بھی توحید پر نہیں آتے انہیں اس کا انتظار ہے کہ اچانک قیامت قائم ہو جائے اور انہیں پتہ بھی نہ ہو کہ وہ بھی اچانک آنے والی ہے چونکہ وہ لوگ وقوع قیامت کو مانتے ہی نہ تھے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ اس میں ان لوگوں کی کم فہمی بیان فرمائی' جیسے کوئی شخص اس چیز کے انتظار میں ہو جو ضرور واقع ہونے والی ہو اور جب وہ واقع ہو جائے تو مصیبت بن جائے) حالانکہ وہ اس کے وقوع کو اپنے لئے خیر سمجھتا رہا ہو۔

قولہ تعالیٰ اذا قَوْمُکَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ.

قال القرطبی ج۱۶ ص۱۰۳. قرأ نافع و ابن عامر والکسائی "يَصُدون" (بضم الصاد) ومعناه يعرضون، قاله النَّخعی، و کسر الباقون، قال الکسائی: هما لغتان، مثل يَعْرُشون، وَيَنمُون و ينُمُون، ومعناه يضجُون، قال الجوهری: وصَدّ يَصُدّ صديدا، ای ضَجّ وقيل انه بالضم من الصدود وهو الاعراض، وبالكسر من الضجيج، قاله قُطرب، قال أبوعبيد: لو كانت من الصدو دعن الحق لكانت: اذا قومک عنه يصدون قال الفراء هما سواء، منه وعنه، ابن المسيب: يصدون يضجون، الضحاک يعجون، ابن عباس: يضحكون، أبوعبيدة: من ضَم فمعناه يعدلون، فيكون المعنى: من أجل المِيل يعدلون ولا يُعَدّى "يصدون" بمن، ومن كسر فمعناه يضجون، "فمن" متصله به "يصدون" والمعنى يضجون منه، انتهىٰ.

وقوله تعالیٰ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ متعلق بمقدر وجنتكم لِاُبين لكم (ذکره فی الروح)

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾

اس دن دوست آپس میں بعض بعض کے دشمن ہوں گے سوائے متقین کے' اے میرے بندو آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم رنجیدہ ہو گے جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ

اور وہ فرمانبردار تھے تم اور تمہاری بیویاں جنت میں خوشی خوشی داخل ہو جاؤ۔ ان پر سونے کی رکابیاں اور آبخورے لائے جائیں گے

وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ

اور اس میں وہ چیزیں ہوں گی جنہیں نفس چاہتے ہوں گے اور جن سے آنکھیں لذت پائیں گے اور تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو اور یہ جنت جس کے تم

أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ۝

وارث بنائے گئے ہو تمہارے اعمال کے بدلہ میں ہے جو تم کرتے تھے، تمہارے لئے اس میں بہت میوے ہیں ان میں سے تم کھا رہے ہو۔

قیامت کے دن دنیا والے دوست آپس میں دشمن ہوں گے نیک بندوں کو کوئی خوف اور رنج لاحق نہ ہوگا انہیں جنت میں جی چاہی نعمتیں ملیں گی جن سے آنکھوں کو بھی لذت حاصل ہوگی

تفسیر: ان آیات میں قیامت کے دن کے بعض انعامات کا اور اہل جنت کی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ دنیا میں دوست تھے قیامت کے دن آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے ایک دوسرے پر لعنت کریں گے يَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا یہ جو دنیا میں دوستی ہے جس کی وجہ سے ایک دوسرے کو ایمان پر نہیں آنے دیتے قیامت کے دن وبال بن جائے گی اور آپس کی دوستی کرنے والے ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ہاں جو لوگ متقی تھے کفر و شرک سے بچتے تھے یعنی اہل ایمان تھے ان لوگوں کی دوستی قائم رہے گی خاص کر وہ متقی حضرات جو چھوٹے بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے تھے وہ تو مسلمانوں کو بخشوانے کی کوشش کریں گے اور ان کے لئے سفارش کریں گے‘ مومنین قیامت کے دن حاضر ہوں گے اللہ تعالیٰ شانہٗ کا اپنے بندوں کیلئے مہربانی کا اعلان ہوگا کہ اے میرے بندوں آج تمہارے اوپر کوئی خوف نہیں اور نہ تم رنجیدہ ہوگے نہ غمگین ہوگے آئندہ خوشی ہی خوشی ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ (یہ وہ لوگ ہوں گے جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور فرمانبردار تھے) پھر فرمایا اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ (یعنی فرمانبرداروں سے کہا جائے گا کہ تم اور تمہاری بیویاں خوشی خوشی جنت میں داخل ہو جاؤ وہاں داخل ہو کر جو بہت سے انعامات سے نوازے جائیں گے ان میں سے ایک یہ انعام بھی ہوگا کہ نوعمر لڑکے ان کے پاس ماکولات سے بھری ہوئی سونے کی رکابیاں (پلیٹیں) اور مشروبات سے بھرے ہوئے سونے کے آبخورے لیکر آتے جاتے رہیں گے یہ تو ایک جزوی نعمت ہوئی پھر ایک قائدہ کلیہ کے ارشاد فرمایا وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ (اور جنت میں وہ سب کچھ ملے گا جس کی نفسوں کو خواہش ہو اور جس سے آنکھیں لذت پائیں) دنیا میں کوئی شخص کتنا بھی مالدار اور صاحب اقتدار ہو جائے اسے یہ بات حاصل نہیں ہوسکتی کہ جو بھی کوئی نفس چاہے وہ سب کچھ مل جائے بلکہ یہ لوگ تو مختلف احوال کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان رہتے ہیں ان کو کھانے پینے اور اوڑھنے بچھانے کی چیزیں منگانی پڑتی ہیں جو بعض مرتبہ حاصل بھی نہیں ہوتیں اور حاصل ہو بھی جائیں تو صحت کی خرابی کی وجہ سے اچھی نہیں لگتی اور ہر خواہش کے پورا ہونے کا تو کسی کے لئے بھی دنیا میں موقعہ نہیں ہے‘ یہاں سونے کی پلیٹوں اور پیالوں کا ذکر ہے اور سورۃ الدھر میں چاندی کے برتنوں کا بھی تذکرہ فرمایا ہے یہ سونا چاندی وہاں کا ہوگا یہاں کے حقیر سونے چاندی پر قیاس نہ کیا جائے جسے صاف کرنا اور مانجھنا پڑتا ہے دنیا میں مردوں اور عورتوں کے لئے سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا حرام ہے جنت میں اہل ایمان کے لئے ماکولات اور مشروبات

سونے چاندی کے برتنوں میں پیش کئے جائیں گے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سونے چاندی کے برتنوں میں مت پیو اور نہ ان میں کھاؤ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ ہی بھرتا ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سونے چاندی کے برتن میں نہ کھاؤ پیو کیونکہ وہ کافروں کیلئے دنیا میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں۔

اہل جنت کے انعامات بتاتے ہوئے وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ بھی فرمایا کہ جنت میں وہ سب کچھ ملے گا جس سے آنکھیں لذت حاصل کریں گی یعنی جنت میں ایسی کوئی چیز سامنے نہ آئیگی جسکا دیکھنا ناگوار ہو جو بھی کچھ ہوگا جس پر بھی نظر پڑے گی آنکھوں کو مزہ ہی آئیگا وہاں ایسے مواقع بھی نہ ہوں گے کہ کوئی چیز سامنے آئے اور اسکے دیکھنے سے روکا جائے یہ ابتلا اور امتحان دنیا ہی میں ہے وہاں بدنظری کا کوئی موقعہ نہ ہوگا بلکہ نظر ہی بد نہ ہوگی مزید فرمایا وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (اور تم اس جنت میں ہمیشہ رہو گے۔

اہل جنت کے ایمان اور اعمال صالحہ کی قدر دانی کرتے ہوئے ارشاد ہوگا وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اور یہ جنت ہے جو تمہیں تمہارے اعمال کے عوض دی گئی ہے)

آخر میں فرمایا لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ تمہارے لئے جنت میں بہت سارے میوے ہیں مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ (جن میں سے تم کھا رہے ہو)

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ
بلاشبہ مجرم لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اسی میں ناامید ہو کر پڑے رہیں گے اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا
وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾
لیکن وہ خود ہی ظالم تھے اور وہ پکاریں گے کہ اے مالک تمہارا پروردگار ہمارا کام تمام کردے وہ جواب دیں گے کہ بے شک تم اسی میں رہو گے بلاشبہ ہم تمہارے پاس
لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَمْ
حق لائے اور لیکن تم میں سے اکثر حق سے نفرت کرنے والے ہیں کیا انہوں نے کوئی مضبوط تدبیر کرلی ہے سو ہم مضبوط تدبیر اختیار کرنے والے ہیں کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے
يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾
ان کی چپکی باتوں کو اور ان کے خفیہ مشوروں کو ہاں ہم ضرور سنتے ہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے (فرستادے) ان کے پاس لکھتے ہیں۔

مجرمین ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے' ان کا عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا دوزخ کے داروغہ سے ان کا سوال وجواب

تفسیر: اہل ایمان کی نعمتیں بیان فرمانے کے بعد ان آیات میں کافروں کے عذاب کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ مجرمین یعنی کافر لوگ دوزخ کے عذاب میں پڑے ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ عذاب بہت سخت ہوگا جیسا

کہ دوسری آیت میں ذکر فرمایا ذرا دیر کو بھی ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں ناامید ہو کر پڑے رہیں گے یہ مبلسون کا ایک ترجمہ ہے اور بعض حضرات نے اس کا ترجمہ فرمایا ہے حزینون من شدہ الباس یعنی سخت عذاب کی وجہ سے رنجیدہ ہونگے۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ ہی ظلم کرنے والے تھے دنیا میں ان کے پاس حق آیا ایمان کی دعوت پیش کی گئی انہوں نے اسے قبول نہیں کیا اپنی جانوں کو انہوں نے خود ہی مبتلائے عذاب کیا۔

اس کے بعد انکی ایک درخواست کا ذکر ہے حضرت مالک علیہ السلام جو دوزخ کے خازن یعنی ذمہ دار ہیں ان سے عرض معروض کریں گے وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ اور اہل دوزخ پکار کر کہیں گے کہ اے مالک تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کردے گا یعنی ہمیں موت ہی دیدے) تاکہ ہم اس عذاب سے چھوٹ جائیں وہ جواب دیں گے اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ (بلاشبہ تم کو اسی میں رہنا ہے)

سنن ترمذی میں ہے کہ اہل دوزخ آپس میں مشورہ کریں گے کہ داروغہ ہائے دوزخ سے عرض و معروض کریں لہٰذا وہ ان سے کہیں گے ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ (تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ کسی ایک دن تو ہم سے عذاب ہلکا کردے) وہ جواب دیں گے اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر معجزات لے کر نہیں آتے رہے تھے اور دوزخ سے بچنے کا طریقہ نہیں بتلاتے تھے؟) اس پر دوزخی جواب دیں گے کہ بلیٰ یعنی ہاں آتے تو تھے لیکن ہم نے ان کا کہنا نہ مانا' فرشتے جواب میں کہیں گے فَادْعُوْا وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ تو پھر (ہم تمہارے لئے دعا نہیں کرسکتے تم ہی دعا کرلو اور وہ بھی بے نتیجہ ہوگی کیونکہ کافروں کی دعا (آخرت میں) بالکل بے اثر ہے يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ اے مالک (تم دعا کرو کہ) تمہارا پروردگار (ہم کو موت دے کر) ہمارا کام تمام کردے وہ جواب دیں گے اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ تم ہمیشہ اسی حال میں رہوگے (نہ نکلوگے نہ مروگے)۔

حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے روایت پہنچی ہے کہ مالک علیہ السلام کے جواب میں اور دوزخیوں کی درخواست میں ہزار برس کی مدت کا فاصلہ ہوگا۔

(عزاه صاحب المشكوة الى الترمذى وقال قال عبد الله بن عبد الرحمن والناس لا يرفعون هذا الحديث، قال على القارى فى المرقاة اى يجعلون مرقوفاً على أبى الدراء لكنه فى حكم المرفوع فان امثال ذلك ليس مما يمكن أن يقال من قبل الراى اھ)

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ مشرکین کو خطاب ہے کہ ہم نے تمہارے پاس حق پہنچا دیا حق واضح کردیا توحید کی دعوت سامنے رکھ دی اس کے دلائل بیان کردیئے لیکن تم نہیں مانتے تم میں سے اکثر لوگ حق کو برا جانتے ہیں اور اس سے نفرت کرتے ہیں یہ حق سے دور بھاگنا انہی حالات کا پیش خیمہ ہے جو اہل دوزخ کے احوال میں بیان کئے گئے ہیں۔

قریش مکہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دینے کے مشورے کرتے رہتے تھے موقع ملنے پر تکلیف بھی پہنچاتے تھے آپ کو شہید کرنے کا بھی مشورہ کیا آپ کی دعوت انہیں بہت ہی ناگوار تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا (کیا انہوں نے کوئی مضبوط تدبیر کرلی ہے اور اس کے مطابق آپ کو تکلیف دینے کا پختہ مشورہ کرچکے ہیں) فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ (سو ہم

مضبوط تدبیر کرنے والے ہیں) یعنی ان لوگوں کو اپنی تدبیروں پر بھروسہ کرنا اور یہ خیال کرنا کہ ہم آپ کی مخالفت میں کامیاب ہو جائیں گے یا آپ کو شہید کر دیں گے یہ ان کی ناسمجھی ہے بے وقوفی کی باتیں ہیں ہماری مدد آپ کیساتھ ہے ہمارے مقابلہ میں ان کی تدبیر کامیاب نہیں' اس میں جہاں مشرکین کو تنبیہ ہے رسول اللہ ﷺ کو بھی تسلی ہے کہ ان کی تدبیر آپ کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوگی سورۃ الطور میں بھی اس مضمون کو بیان فرمایا وہاں ارشاد فرمایا اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۚ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ کیا یہ لوگ تدبیر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں سو جن لوگوں نے کفر کیا وہی تدبیر میں گرفتار ہونے والے ہیں)

پھر فرمایا اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ (کیا یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی خفیہ باتیں اور وہ مشورے جو چپکے چپکے کرتے ہیں ہم نہیں سنتے) ان کا یہ سمجھنا غلط ہے بلیٰ ہم ان کی باتیں سنتے ہیں اور خفیہ باتوں کو اور سرگوشیوں کو جانتے ہیں وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ (اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کے پاس موجود ہیں جو لکھ رہے ہیں لہٰذا ایسا خیال کرنا کہ چپکے چپکے جو باتیں کرلیں گے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو نہیں یہ جہالت کی بات ہے اللہ تعالیٰ کو ظاہر کا اور باطن کا زور کی آواز کا اور آہستہ کی آواز کا سب کا علم ہے وہ اپنی حکمت کے موافق سزا دے گا۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ

آپ فرما دیجئے کہ اگر رحمٰن کیلئے اولاد ہو تو میں سب سے پہلے عبادت کرنیوالا ہوں' آسمانوں اور زمین کا رب جو عرش کا بھی رب ہے

الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾

وہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں سو آپ انکو چھوڑ دیجئے باتوں میں لگیں اور کھیلا کریں یہاں تک کہ اس دن سے ملاقات کرلیں جسکا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے

وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ

اور اللہ وہ ہے جو آسمان میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے اور وہ حکمت والا ہے اور علم والا ہے اور بابرکت ہے وہ ذات جس کیلئے ملک ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ

آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسکے پاس قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے' اور جن کو یہ لوگ

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ

اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے ہاں جنہوں نے حق کی گواہی دی اور وہ جانتے ہیں' اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ

مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ

انہیں کس نے پیدا کیا یہی کہیں گے کہ انہیں اللہ نے پیدا کیا سو یہ لوگ کدھر الٹے جا رہے ہیں' اور اسے رسول کی اس بات کی خبر ہے کہ اے میرے رب بلاشبہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ سو آپ ان سے

عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

اعراض کیجئے اور کہہ دیجئے کہ میرا اسلام ہے سو وہ عنقریب جان لیں گے۔

اللہ جل شانہ کی صفات جلیلہ کا بیان اور شرک سے بیزاری کا اعلان

تفسیر: چند آیات پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر تھا اور اس سے پہلے یہ ذکر آیا تھا کہ مشرکین فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتاتے ہیں ان لوگوں کی تردید وہیں کردی گئی تھی یہاں مکرر تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر رحمٰن جل شانہ کی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتا رحمٰن جل شانہ کے لئے کوئی اولاد نہیں ہے اس لئے صرف رحمٰن جل مجدہ ہی کی عبادت کرتا ہوں اور اسی کی دعوت دیتا ہوں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ بیان کی کہ وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور عرش کا رب ہے وہ ان سب باتوں سے پاک ہے جو مشرکین اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ ان لوگوں کو آپ چھوڑ دیں یہ اپنی بیہودہ باتوں میں لگے رہیں اور دنیا میں کھیلتے رہیں دنیا میں ساری لہو ولعب ہے جیسا کہ سورۃ الحدید میں فرمایا اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ان لوگوں کا باطل میں لگا رہنا اور کھیل میں مشغول رہنا یہاں تک آگے بڑھتا رہے گا کہ یہ لوگ اس دن سے ملاقات کریں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے یعنی بعض حضرات نے موت کا دن اور بعض حضرات نے یوم بدر اور بعض حضرات نے یوم القیامۃ مراد لیا ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ آسمانوں میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے یعنی معبود حقیقی وہی ہے اور مستحق عبادت بھی وہی ہے جو لوگ اس کے علاوہ کسی کی عبادت کرتے ہیں وہ بے جگہ جبین سائی کرتے ہیں اور غلط جگہ پیشانی کو رگڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حکیم بھی ہے یعنی بڑی حکمت والا ہے اور علیم بھی ہے یعنی بڑے علم والا ہے اس کے علاوہ کوئی ان صفات سے متصف نہیں اور اس کے علاوہ کوئی مستحق عبادت نہیں۔

پھر فرمایا وَتَبٰرَكَ الَّذِیْ اور وہ ذات عالی شان ہے جس کے لئے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کی سلطنت ہے اور اس کے پاس قیامت کے یعنی اس کے وقت مقرر کا علم ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے وہاں ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا اور کفر ومعاصی کی سزا سامنے آجائے گی۔

مشرکین سے جب یہ کہا جاتا تھا کہ شرک بری چیز ہے تو شیطان کے پٹی پڑھا دینے سے یوں کہہ دیتے تھے کہ ہم انکی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک ہمارے لئے سفارش کردیں گے۔

یہ ان کا ایک بہانہ تھا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے جن کو شفاعت کرنے کی اجازت نہیں دی وہ کیا سفارش کرسکتے ہیں اور بے جان کیسے سفارش کریں گے جس کی بارگاہ میں سفارش کی ضرورت ہوگی اس نے کب فرمایا کہ یہ میرے ہاں سفارشی بنیں گے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے صرف اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اس کے نبیوں نے توحید کی دعوت دی اور شرک سے روکا ان کی بات نہ مانی مشرک بنے اور جوازِ شرکت کا حیلہ بھی تراش لیا ان لوگوں کو واضح طور پر بتادیا کہ جنہیں اللہ کے سوا پکارتے ہو اور اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو یہ اللہ کی بارگاہ میں کوئی سفارش نہیں کرسکیں گے ہاں اللہ تعالیٰ کے جو نیک بندے ہیں وہ شفاعت کرسکیں

گے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت دی جائے گی لیکن وہ بھی ہر شخص کی سفارش نہیں کریں گے جس کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت ہوگی اسی کی سفارش کریں گے اس مضمون کو یہاں سورۂ زخرف میں اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اور سورۂ بقرہ میں مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ میں اور سورۂ انبیاء کی آیت وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى میں بیان فرمایا ہے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ سے حضرات ملائکہ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہ السلام اور ان جیسے حضرات مراد ہیں گو ان حضرات کی عبادت کی گئی لیکن اس میں ان کا کوئی دخل نہ تھا یہ حضرات شفاعت کرسکیں گے لیکن کافروں کے لئے شفاعت نہ کریں گے اور نہ ہی انہیں اس کی اجازت ہوگی۔

پھر فرمایا وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ (الآیة) اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو یہ لوگ یہی جواب دیں گے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اس بات کے بھی اقراری ہیں کہ خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر اپنی حماقت سے غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اسی کو فرمایا فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ سو یہ لوگ کہاں الٹے جارہے ہیں پیدا کیا اللہ نے اور عبادت کریں غیر اللہ کی یہ تو عقل اور فہم سے بہت دور ہے۔

ختم سورت پر فرمایا وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ اس میں لفظ قیلہ قول سے لیا گیا ہے یعنی قاف کے کسرہ کی وجہ سے واؤ یا سے بدل گیا ہے حضرت امام عاصم کی قرأت میں وقیلہ جر کے ساتھ ہے کہ ضمیر مجرور مضاف الیہ رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ میں لفظ السَّاعَةِ (مضاف الیہ مجرور) ہے اس پر عطف ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قیامت کے وقت کا بھی علم ہے اور وہ اپنے رسول کی اس بات کو بھی جانتا ہے کہ جو انہوں نے اپنے مخاطبین کا حال بتاتے ہوئے عرض کیا کہ اے میرے رب یہ ایسے لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کی درخواست کے جواب میں فرمایا فَاصْفَحْ عَنْهُمْ (سو آپ ان سے اعراض کیجئے) یعنی ان کے ایمان لانے کی امید نہ رکھیے (کما فی الروح) وَقُلْ سَلٰمٌ اور آپ ان سے فرمائیے کہ میرا سلام ہے یہ سلام وہ نہیں جو ملاقات کے وقت دعا دینے کے لئے کیا جاتا ہے بلکہ سلام متارکت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں اسی کو سورۃ القصص میں فرمایا وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ اور جب کوئی لغو بات سنتے ہیں تو اس کو ٹال جاتے ہیں۔ اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں تمہارے لئے تمہارے اعمال تم پر سلام ہو ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ سو یہ لوگ عنقریب جان لیں گے یعنی کفر و شرک کا عذاب ان کے سامنے آجائے گا۔

ولقد تم تفسیر سورة الزخرف والحمد لله اولاً واخرًا
والصلوٰة والسلام علی من اُرسل طیّباً وطاهرًا وعلیٰ من تبعه باطناً و ظاهراً.

سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الدخان مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے اس میں انسٹھ آیات اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ

حٰمٓ۔ قسم ہے کتاب مبین کی بلاشبہ ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل کیا ہے' بلاشبہ ہم ڈرانے والے ہیں' اس رات میں

كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿۴﴾ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۵﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶﴾

ہر امر حکیم کا فیصلہ کیا جاتا ہے جو ہماری طرف سے بطور حکم کے صادر ہوتا ہے' بلاشبہ ہم بھیجنے والے ہیں آپ کے رب کی طرف سے رحمت کے طور پر بلاشبہ وہ سننے والا ہے جاننے والا ہے'

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۷﴾ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ

وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے' وہ تمہارا اور تم سے پہلے

اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾

جو تمہارے باپ دادے گزر گئے ان کا رب ہے بلکہ وہ لوگ شک میں پڑے ہوئے کھیل رہے ہیں۔

قرآن مجید مبارک رات میں نازل کیا گیا' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے' اگلے پچھلے تمام لوگوں کا رب ہے

تفسیر: اللہ تعالیٰ شانہٗ نے قرآن حکیم کی قسم کھا کر فرمایا کہ ہم نے اس قرآن کو مبارک رات میں نازل کیا مبارک رات سے کون سی رات مراد ہے اس بارے میں محققین نے فرمایا ہے کہ اس سے شب قدر مراد ہے کیونکہ سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ اور سورۂ قدر میں فرمایا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ اور حضرت عکرمہؓ نے فرمایا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں کہ اس سے شعبان کی پندرھویں شب مراد ہے جسے لیلۃ البرأۃ کہا جاتا ہے چونکہ بعض روایت حدیث میں شب برأت کے بارے میں یہ آیا ہے کہ اس میں آئندہ سال کے ارزاق و آجال لکھ دیئے جاتے ہیں حدیث مرفوع صحیح نہیں ہے اس لئے بعض حضرات نے لیلۃ المبارکۃ کا مصداق شب برأت ہے یعنی شعبان کی پندرہ تاریخ کو بتا دیا ہے لیکن کسی حدیث میں یہ وارد نہیں ہوا کہ قرآن مجید شب برأت میں نازل کیا گیا اور شب برات میں ارزاق و آجال لکھے جانے کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن تو ۲۳ سال میں نجماً نجماً یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا پھر رمضان میں اور شب قدر

میں نازل ہونے کا کیا معنی؟ اس کا ایک جواب تو بعض علماء نے یہ دیا ہے کہ قرآن مجید نازل ہونے کی ابتداء شب قدر میں ہوئی اور اکثر حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ پورا قرآن مجید شب قدر میں لوح محفوظ سے سماء دنیا یعنی قریب والے آسمان میں نازل کی گیا اس کے بعد ۲۳ سال میں وقتاً فوقتاً حسب احوال نازل ہوتا رہا کیونکہ شب قدر خیرات اور برکات والی رات ہوتی ہے اس لئے اسے لیلۃ مبارکہ سے تعبیر فرمایا اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ بلاشبہ ہم ڈرنے والے ہیں یعنی رسول اور قرآن کے ذریعے اپنے بندوں کو اعمال صالحہ کی جزاء اور برے اعمال کی سزا سے آگاہ کرنے والے ہیں تاکہ خیر کو اختیار کریں اور شر سے بچیں۔

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ اس رات میں ہر امر حکیم کا فیصلہ کردیا جاتا ہے صاحب معالم التنزیل نے حکیم کو محکم کے معنی میں لیا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ شب قدر میں ام الکتاب (لوح محفوظ) سے وہ چیزیں علیحدہ کرکے لکھ دی جاتی ہیں جو آئندہ پورے سال میں وجود میں آئیں گی۔ خیر اور شر اور ارزاق و آجال سب کچھ لکھ دیئے جاتے ہیں حتیٰ کہ یہ بھی لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں فلاح شخص حج کرے گا اور علیحدہ لکھ کر تقوین الٰہی کے مطابق کام کرنے والوں یعنی فرشتوں کے حوالہ کردیا جاتا ہے۔

اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا (یہ فیصلہ ہماری طرف سے امر کے طور پر صادر کیا جاتا ہے)

قال الفراء: نُصب علی معنی "فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ" فرقاً و امرًا ای نامرا امرًا ببیان ذٰلک (معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۴۹) اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ بے شک ہم رسالت کے طور پر آپ کو اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام بھیجنے والے تھے۔

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (یعنی اس قرآن کا نازل فرمانا آپ کے رب کی طرف سے رحمت فرمانے کی وجہ سے ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی مخلوق پر رحم فرمایا ان کی ہدایت کے لئے اپنی کتاب نازل فرمائی فی معالم التنزیل ناقلاً عن الزجاج أنزلنهُ فی لیلة مبرکة للرحمة)

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے) رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (وہ آسمانوں کا اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا بھی رب ہے) اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ اگر تم یقین کرنے والے ہو تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا اور کتابوں کو نازل فرمایا۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ (اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے) رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ وہ تمہارا رب ہے اور جو تم سے پہلے باپ دادے گزرے ہیں ان کا بھی رب ہیں۔

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ بلکہ یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے کھیل رہے ہیں نہ آخرت کے فکرمند ہیں نہ دلائل میں غور کرتے ہیں اور نہ اپنی جان کو نقصان اور ضرر سے بچانے کا دھیان ہے بچوں کی طرح کھیل کود میں مصروف ہیں۔ انجام کی فکر نہیں۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا

سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جس دن آسمان کی طرف دیکھنے والے کو واضح طور پر دھواں نظر آئے گا وہ لوگوں پر چھا جائے گا یہ دردناک عذاب ہے اے ہمارے رب ہم سے

الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ

عذاب کو دور کردیجئے بلاشبہ ہم ایمان لے آئیں گے کہاں ہے ان کو نصیحت حالانکہ ان کے پاس رسول مبین آگیا پھر اس سے انہوں نے اعراض کیا

وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ﴿۱۴﴾ إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ

اور کہنے لگے کہ یہ شخص سکھایا ہوا دیوانہ ہے' بلاشبہ ہم عذاب کو تھوڑے وقت کے لئے ہٹا دیں گے' بے شک تم لوٹنے والے ہو' جس روز ہم

الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ﴿۱۶﴾

بڑی پکڑ کریں گے' بلاشبہ ہم انتقام لینے والے ہیں۔

اس دن کا انتظار کیجئے جبکہ آسمان کی طرف سے لوگوں پر دھواں چھا جائے گا ہم بڑی پکڑ پکڑیں گے بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں

تفسیر: یہ سات آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں فرمایا آپ اس دن کا انتظار کیجئے جس میں آسمان کی طرف ایک دھواں نظر آئے گا جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ اسے دخان مبین کہتے ہیں۔

دخان سے کیا مراد ہے؟

اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ دھواں قیامت کی نشانیوں میں سے ہوگا جب ظاہر ہوگا تو زمین میں چالیس دن رہے گا اور آسمان اور زمین کے درمیان کو بھر دے گا۔ اس کی وجہ سے اہل ایمان کی کیفیت زکام جیسی ہو جائیگی اور کفار اور فجار کی ناکوں میں گھس جائے گا اور سانس لینے میں انہیں سخت تکلیف ہوگی حضرت علی اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہؓ اور زید بن علی اور حسن اور ابن ابی ملیکہ کا یہی فرمانا ہے کہ دھواں اب تک ظاہر نہیں ہوا قیامت کے قریب ظاہر ہوگا صحیح مسلم میں دس نشانیوں کے ذیل میں دھوئیں کا تذکرہ موجود ہے جس کے راوی حضرت حذیفہ بن اسید غفاریؓ ہیں (صحیح مسلم ص ۳۹۲ ج ۲) ان جن حضرات نے فرمایا ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں جس دھوئیں کا ذکر ہے وہ قیامت کے قریب ظاہر ہوگا ان حضرات کا استدلال اسی حدیث سے ہے۔

دوسرا قول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے۔ جسے حضرت امام بخاریؒ نے اپنے صحیح میں نقل کیا ہے جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں بعض حضرات کا یہ قول نقل کیا گیا کہ مذکورہ دخان سے قرب قیامت کا دھواں مراد ہے' تو حضرت ابن مسعودؓ کو یہ سن کر ناگواری ہوئی اور فرمایا کہ جسے علم ہو وہ علم کی بات بتا دے اور جسے علم نہ ہو وہ یوں کہہ دے کہ اللہ کو معلوم ہے کیونکہ نہ جاننے کا اقرار کرنا علم کی بات ہے اس کے بعد فرمایا جب قریش مکہ نے رسول کریم ﷺ کی نافرمانی کی تو آپ نے ان کو بددعا دے دی اَللّٰھم اعنی علیھم بسبع کسبع یوسف (اے اللہ ان کے مقابلہ میں میری مدد فرما ان پر سات سال تک قحط بھیج دے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط آیا تھا) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی جب قحط پڑا اور قریش مصیبت میں مبتلا ہوئے تو ان کی ہر چیز ختم ہوگئی یہاں تک کہ وہ مردار اور ہڈیاں کھانے لگے بھوک کی مصیبت کی وجہ سے ان کا یہ حال ہوگیا کہ آسمان کی طرف دیکھتے تو دھواں نظر آتا تھا اسی کو اللہ تعالیٰ نے پہلے فرما دیا تھا فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ جب قریش مکہ عذاب میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے دعا کی

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُوْنَ اے ہمارے رب عذاب دور فرما دیجئے بلاشبہ ہم ایمان لے آئیں گے۔

حضرت عبداللہ نے إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا إِنَّكُمْ عَائِدُوْنَ تک تلاوت کی پھر فرمایا کہ قیامت کے دن عذاب بھی دور کر دیا جائے گا؟ یعنی آیت کریمہ کے عذاب دور کرنے کا ذکر ہے اور قیامت کے دن کا عذاب دور نہیں کیا جائیگا لہٰذا معلوم ہوا کہ سورت الدخان میں دخان مبین سے قیامت کے دن کا عذاب مراد نہیں' اس کے آگے قصہ یہ ہے کہ جب قریش مکہ بہت زیادہ مصیبت میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے آپ کی خدمت میں ابوسفیان کو بھیجا وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انہوں نے عرض کیا اے محمد آپ صلہ رحمی کا حکم کرتے ہیں اور آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے آپ اللہ سے دعا کر دیجئے کہ اس عذاب کو ہٹا دے آپ نے دعا کر دی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش بھیج دی گئی وہ لوگ اچھی حالت میں ہو گئے لیکن کفر پر ہی باقی رہے جیسے إِنَّكُمْ عَائِدُوْنَ میں بیان فرمایا جب کفر پر ہی جمے رہے تو آیت کریمہ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى إِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ نازل ہوئی جس دن ہم پکڑیں گے بڑی پکڑ' بے شک ہم بدلہ لینے والے ہیں بڑی پکڑ سے غزوہ بدر مراد ہے ان لوگوں نے وعدہ تو کیا تھا کہ ہم عذاب دور ہونے پر مومن ہو جائیں گے لیکن عذاب ٹل جانے کے باوجود ایمان نہ لائے اس لئے فرمایا أَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ کہاں ہے ان کو نصیحت اور حال یہ ہے کہ ان کے پاس رسول آچکا ہے جس کی دعوت و دلائل سب واضح ہیں ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ (الآیۃ) پھر انہوں نے اس کی طرف سے روگردانی کی اور اعراض کیا۔ اور کہنے لگے کہ اس کو دوسروں نے سکھایا ہے اور یہ دیوانہ ہے یعنی رسول مبین کی واضح دعوت اور دلائل سے اعراض کر چکے ہیں اور اس کے بارے میں کہہ چکے ہیں کہ دوسروں کا پڑھایا ہوا ہے اور دیوانہ ہے ان سے یہ امید کرنا کہ عذاب چلے جانے پر ایمان لے آئیں گے بے جا امید ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ أَنْ أَدُّوْا إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۖ إِنِّيْ لَكُمْ

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمایا اور ان کے پاس رسول کریم آیا کہ تم اللہ کے بندوں کو میرے حوالہ کر دو بلاشبہ میں تمہارے لئے

رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَأَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۖ إِنِّيْ آتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ وَإِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ

رسول امین ہوں' اور یہ کہ تم اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو بلاشبہ میں تمہارے پاس واضح دلیل لے کر آیا ہوں اور بلاشبہ میں اپنے رب سے

وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَإِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗ أَنَّ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ

اور تمہارے رب سے اس بات کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کر دو' اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے علیحدہ رہو' پھر موسیٰ نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ لوگ

مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَأَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا إِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۖ إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾

مجرم قوم ہیں' سو تم میرے بندوں کو رات کو لے کر روانہ ہو جاؤ' بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ اور سمندر کو سکون کی حالت میں چھوڑ دینا'

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ

بلاشبہ یہ لشکر غرق کر دیا جانے والا ہے' ان لوگوں نے کتنے ہی باغ و چشمے اور کھیتیاں اور اچھے مکانات اور عیش کے سامان چھوڑ دیئے جن میں

وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَقَدْ

وہ خوشی کی حالت میں رہا کرتے تھے اور ہم نے ان چیزوں کا دوسرے لوگوں کو وارث بنا دیا سو نہ ان پر آسمان رویا نہ زمین اور ان کو مہلت نہیں دی گئی اور یہ بات واقعی ہے

نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۳۰﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾

کہ ہم نے بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے والے عذاب سے نجات دی جو فرعون کی طرف سے تھا بیشک وہ بڑا سرکش اور ہاتھ سے نکل جانے والوں میں سے تھا

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰي عِلْمٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰۗؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿۳۳﴾

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے علم کی رو سے جہاں والوں پر فوقیت دی اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں انعام تھا واضح طور پر۔

قوم فرعون کے پاس اللہ تعالیٰ کا رسول آنا' اور نافرمانی کی وجہ سے ان لوگوں کا غرق ہونا' بنی اسرائیل کا فرعون سے نجات پانا اور انعامات ربانیہ سے نوازا جانا

تفسیر: ان آیات میں فرعون کی نافرمانی کا اور بطور سزا لشکروں سمیت سمندر میں ڈوب جانے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان سے یعنی قریش مکہ سے پہلے قوم فرعون کو آزمایا ان کے پاس رسول کریم یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم و معظم تھے انہوں نے فرعون سے اور اس کی جماعت سے کہا کہ بنی اسرائیل کو تم دکھ تکلیف دیتے ہو انہیں مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے ان اللہ کے بندوں کو تم میرے حوالے کر دو اور میرے ساتھ بھیج دو میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے میں اس کا رسول امین ہوں میں تم سے یہ بھی کہتا ہوں کہ سرکشی نہ کرو۔ اللہ کے مقابلے میں مت آؤ۔ اس کی اطاعت کرو میں تمہارے پاس واضح دلیل ہے یعنی معجزات کثیرہ لے کر آیا ہوں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ فرمائی اور حق بات پہنچائی تو فرعون اور اس کی جماعت ان کے قتل کے مشورے شروع کر دیئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس سے اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کر دو یعنی مجھے پتھروں سے مار کر ہلاک کر دو مزید فرمایا کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو کم از کم یہ کرو کہ مجھ سے دور رہو مجھے کسی قسم کی تکلیف مت پہنچاؤ کیونکہ اس سے تمہارا جرم اور زیادہ شدید ہو جائے گا وہ لوگ ہدایت پر نہ آئے اور سرکشی کرتے رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ لوگ مجرم ہیں ان کو سزا دی جائے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہو جاؤ آبادی سے نکل جاؤ اور سمندر کی راہ لے لو جب تم روانہ ہو جاؤ گے تو تمہارا پیچھا کیا جائے گا یعنی فرعون اور اس کا لشکر تمہارے پیچھے آ پہنچے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت روانہ ہو گئے فرعون کو پتہ چلا تو وہ بھی اپنے لشکروں کو لے کر ان کے پیچھے چل دیا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے موسیٰ علیہ السلام کو پہلے سے ہی ہدایت کر دی تھی کہ جب سمندر پر پہنچو تو

سمندر میں اپنی لاٹھی مار دینا اس کا معجزہ والا اثر یہ ہوگا کہ پانی رک جائے گا اور جگہ خشک ہو جائے گی اور اس میں راستے نکل آئیں گے تم اس سمندر کو اس کی حالت پر ٹھہرا چھوڑ کر پار ہو جانا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا کہ ٹھاٹھے مارتے سمندر میں راستے بن گئے جگہ خشک ہو گئی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کیساتھ ان راستوں میں داخل ہو گئے اور سمندر اپنی ہیبت اور حالت پر سکون کے ساتھ ٹھہرا ہوا رہ گیا پیچھے سے فرعون اپنے لشکر کو لے کر آیا اور بنی اسرائیل کے پیچھے اپنی فوجیں ڈال دیں بنی اسرائیل پار ہو گئے اور فرعون اپنے لشکروں سمیت ڈوب گیا سمندر راستے بن جانے کی وجہ سے جو قرار وسکون ہو گیا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے اسے دور فرمادیا پانی آپس میں مل گیا جیسا کہ پہلے ہی فرمادیا تھا جو راستے بن گئے تھے وہ ختم ہو گئے اور فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا اسی کو فرمایا وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا إِنَّهُمْ جُندٌ مُّغْرَقُونَ۔

اہل دنیا کو اپنی دنیا اور دولت پر کھیتیوں پر باغوں پر مال وخزانوں پر بہت غرور اور گھمنڈ ہوتا ہے فرعونیوں کو بھی بڑا گھمنڈ تھا جب ڈوب گئے تو سب کچھ دھرا رہ گیا فرمایا كَمْ تَرَكُوا مِن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ اور وہ لوگ کتنے ہی باغ کتنے ہی چشمے اور کتنی ہی کھیتیاں اور کتنے ہی عمدہ مکانات اور کتنے ہی آرام کے سامان چھوڑ گئے جن میں وہ خوش ہو کر رہا کرتے تھے۔

كَذَٰلِكَ (یہ اسی طرح ہوا) وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ (اور ان چیزوں کا وارث دوسری قوموں کو بنا دیا دوسری قوم سے بنی اسرائیل مراد ہے جیسا کہ سورۂ الشعراء میں وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَائِيلَ فرمایا ہے کہ اس کے بارے میں ضروری بحث سورۂ شعراء کی آیات بالا کی تفسیر میں دیکھ لی جائے۔

پھر فرمایا فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ (سو ان پر آسمان اور زمین کو رونا نہ آیا اور وہ مہلت دیئے جانے والے نہ تھے) یعنی اللہ تعالیٰ نے مبغوض اور مغضوب علیہم ہونے کیوجہ سے ہلاک فرمادیا اور یہ لوگ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے مبغوض تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو بھی ان سے بغض تھا گو تکوینی طور پر بامر الٰہی ان پر بارش بھی ہوتی تھی اور زمین بھی ان کا رزق اگاتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے عظیم (آسمان وزمین) ان سے راضی نہ تھے لہٰذا ان کے بیک وقت غرق ہونے پر انہیں ذرا بھی ترس نہ آیا اور ان کی ہلاکت کی وجہ سے وہ ذرا بھی نہ روئے۔

مومن کی موت پر آسمان وزمین کا رونا

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو بھی کوئی مومن بندہ ہے اس کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں ایک دروازے سے اس کا عمل اوپر جاتا ہے اور ایک دروازے سے اس کا رزق نازل ہوتا ہے۔ جب اس کی موت ہو جاتی ہے تو دونوں دروازے اس پر رونے لگتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسی کو فرمایا فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ۔ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الدخان)

بنی اسرائیل پر انعام اور امتنان

اس کے بعد بنی اسرائیل پر امتنان فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو ذلیل کرنیوالے عذاب سے نجات دی یعنی فرعون سے اور یہ بھی فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اپنے علم کی رو سے دنیا وجہان والوں پر فوقیت دی۔ یعنی ان کے زمانے میں جو لوگ تھے ان سب کے مقابلے میں انہیں برتری عطا فرمائی۔ (فی معالم التنزیل علی عالمی زمانھم)

مزید فرمایا کہ ہم نے انہیں اپنی قدرت کی ایسی بڑی بڑی نشانیاں دیں جن میں صریح انعام تھا۔ یعنی وہ ایسی چیزیں تھی جوان کے لئے نعمت تھیں' اور قدرت الٰہی کی بڑی نشانیاں تھیں۔ مثلاً انہیں فرعون کے چنگل سے نکالنا جوان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کے لئے سمندر کو پھاڑ دینا اور بادلوں کا سایہ کرنا اور من وسلویٰ نازل کرنا پھر انہیں زمین میں اقتدار بخشنا ان میں انبیاء اور ملوک پیدا فرمانا۔

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ ﴿٣٥﴾ فَأْتُوا بِآبَائِنَا
بلاشبہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ بس یہی ہماری پہلی موت ہے اور ہم دوبارہ زندہ کئے جانے والے نہیں ہیں' سو تم ہمارے باپ دادوں
إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٦﴾ أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ أَهْلَكْنَاهُمْ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٣٧﴾
کو لے آؤ اگر تم سچے ہو' کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور وہ لوگ جوان سے پہلے تھے' ہم نے ان کو ہلاک کیا بلاشبہ وہ مجرم تھے
وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ ﴿٣٨﴾ مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ
اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس طور پر پیدا نہیں کیا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں ہم نے ان کو نہیں کیا مگر حق کے ساتھ اور لیکن ان میں سے اکثر لوگ
لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَن مَّوْلًى شَيْئًا وَلَا
نہیں جانتے' بلاشبہ فیصلہ کا دن اُن سب کا وقت مقرر ہے جس دن کوئی تعلق رکھنا والا کسی تعلق رکھنے والے کو کچھ بھی نفع نہ دے سکے گا اور نہ
هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤١﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٤٢﴾
اُن کی مدد کی جائیگی مگر جس پر اللہ رحم فرمائے بیشک وہ عزیز ہے رحیم ہے۔

منکرین قیامت کی کٹ حجتی' یہ لوگ قوم تبع سے بہتر نہیں ہیں جو ہلاک کر دیئے گئے

تفسیر: ان آیات میں اول تو منکرین بعث کا قول نقل فرمایا ہے پھر انکی بات کی تردید فرمائی ہے منکرین نے یہ کہا کہ یہ جو تم کہتے ہو کہ مرنا ہے اور مر کر پھر جی اٹھنا ہے اور حساب و کتاب ہے یہ ہم نہیں مانتے ہمارے نزدیک بس یہی بات طے شدہ ہے کہ ہم پہلی بار جو مریں گے تو بس مر گئے اسکے بعد دوبارہ زندہ ہونے والی بات نہیں مانتے' ان لوگوں نے مزید یوں بھی کہا کہ تم دوبارہ زندہ ہونے کی خبر دیتے ہو چلو ہمارے باپ دادوں کو لا کر دکھا دو اگر تم اپنی بات میں سچے ہو (کہ دوبارہ اٹھنا ہے اور قیامت قائم ہونی ہے) ان کی تردید میں فرمایا أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تُبَّع کی قوم بہتر تھی اور جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بہتر تھے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا بلاشبہ وہ مجرم تھے یعنی یہ جو ایسی باتیں کر رہے ہیں کہ اللہ کے رسول کی رسالت اور دعوت کے منکر ہیں اپنے کو دنیاوی طور پر بڑی قوت والا سمجھ رہے ہیں اور اسی بنیاد پر منکر ہو رہے ہیں یہ سوچنا

اور سمجھنا بالکل ہی غلط ہے ان کی کیا حیثیت ہے ان سے پہلے (یمن کے بادشاہ) تُبّع کی قوم گزر چکی ہے اور ان میں بھی بہت سی قومیں گزری ہیں جنہیں اپنی قوت اور شوکت پر بڑا گھمنڈ تھا رسولوں کی تکذیب کیوجہ سے جب ان پر عذاب آیا تو شوکت و قوت نے کچھ بھی کام نہ دیا سورۂ سبا میں فرمایا وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ (اور ان سے پہلے لوگوں نے جھٹلایا اور حال یہ ہے کہ یہ لوگ اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے ان کو دیا تھا سوانہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا سو کیسا تھا میرا عذاب۔

تُبّع کون تھے؟

یہ تُبّع کون تھا جس کی قوم کا تذکرہ فرمایا ہے اس کے بارے میں مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے صاحب معالم التنزیل ص ۱۵۳ ج ۴ نے اس پر لمبا مضمون سپرد قلم فرمایا ہے اتنی بات تو تقریباً سبھی نے لکھی ہے کہ تُبّع یمن کے بادشاہوں کا لقب تھا جیسے قیصر و کسریٰ اور نجاشی اپنے اپنے علاقوں کے بادشاہوں کے القاب تھے اس طرح یمن کے بادشاہ کو تُبّع کہا جاتا تھا یہ کون سا تُبّع تھا جس کا آیت بالا میں ذکر ہے؟ اس کا نام اسعد بن ملیک اور کنیت ابو کرب لکھی ہے محمد بن اسحٰق (صاحب السیرۃ) حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ تُبّع مدینہ منورہ کے راستے سے گزر رہا تھا اس نے اہل مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا جب اہل مدینہ کو اس کا پتہ چلا تو یہودیوں کے قبیلہ بنو قریظہ میں سے دو عالم کعب اور اسد نامی اس کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ اے بادشاہ تو ایسا نہ کر اگر تو ہماری بات نہیں مانتا تو تو جان ہمیں ڈر ہے کہ تجھ پر جلد ہی عذاب نازل ہو جائے گا کیونکہ یہ ایک نبی کا دار الھجرۃ ہے وہ قریش سے ہوں گے نام محمد ہوگا ان کی پیدائش مکہ میں ہوگی یہ سن کر وہ اپنے ارادہ سے باز آ گیا پھر ان دونوں عالموں نے اسے اپنے دین کی دعوت دی اس نے ان کا دین قبول کر لیا یعنی یہودیت کو اپنا دین بنا لیا یعنی یہودیت کو اپنا دین بنا لیا اس کے بعد وہ مدینہ منورہ سے چلا گیا اس کے ساتھ کچھ یہودی جن میں وہ دونوں عالم بھی تھے (جنہوں نے اسے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے سے روکا تھا) یمن جانے کے لئے روانہ ہو گئے راستے میں قبیلہ بنی ہذیل کے کچھ لوگ ملے انہوں نے تُبّع سے کہا کہ ہم تمہیں ایک ایسا گھر بتاتے ہیں جس میں موتی زبرجد اور چاندی کا خزانہ ہے اس نے سوال کیا کہ وہ کون سا گھر ہے انہوں نے بتایا کہ وہ گھر مکہ معظمہ میں ہے بنی ہذیل کا مقصد اس کی خیر خواہی نہ تھی بلکہ اسے ہلاک کروانا مقصود تھا وہ جانتے تھے کہ اس بیت پر جس نے بھی حملہ کا ارادہ کیا وہ ضرور ہلاک ہوا۔

تُبّع نے لوگوں کی بات سن کر انہیں یہودی علماء سے مشورہ لیا جو اس کے ساتھ تھے ان لوگوں نے کہا تو اس پر حملہ آور مت ہو ہمارے علم میں صرف یہی ایک گھر ہے جس کی اللہ کی طرف نسبت کی جاتی ہے تو وہاں نماز بھی پڑھ، قربانی بھی کر، اور سر بھی مونڈ یہ لوگ تیری دشمنی کے لئے ایسا مشورہ دے رہے ہیں، علماء یہود نے جب اسے ایسا مشورہ دیا تو اس نے بنی ہذیل کے چند لوگوں کو پکڑا اور ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے اور اندھا کرنے کے لئے ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی اور انہیں سولی پر چڑھا دیا۔ مکہ معظمہ پہنچ کر اس نے کعبہ شریف کو پردہ پہنایا اور وہاں جانور ذبح کئے وہاں چند دن قیام بھی کیا، طواف بھی کیا اور حلق بھی کیا جب تبع مکہ معظمہ سے جدا ہوا اور یمن کے قریب پہنچا تو قبیلہ بنی حمیر کے لوگ آڑے آ گئے تُبّع اسی قبیلہ سے تھا اور کہنے لگے کہ تو ہمارے پاس ہرگز نہیں آ سکتا کیونکہ تو ہمارے دین سے جدا ہو گیا، تُبّع نے انہیں اپنے

دین کی دعوت دی اور ان سے کہا کہ میں نے جو دین اختیار کیا ہے تمہارے دین سے بہتر ہے پھر انہوں نے آگ کو حکم یعنی فیصلہ کرنے والی چیز بنایا اس پر آگ نے اہل یمن کے بتوں کو اور جو کچھ انہوں نے بتوں پر چڑھاوے چڑھائے تھے ان سب کو جلا دیا اور یہودی علماء کو دیکھ کر آگ پیچھے ہٹ گئی یہاں سے یمن میں دین یہودیت پھیلنے کی ابتداء ہوئی تبّع نے نبی اکرم ﷺ پر آپ کی بعثت سے سات سو سال پہلے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے تقریباً ایک سو سال پہلے ایمان قبول کیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی تھیں کہ تبّع کو برا نہ کہو وہ نیک آدمی تھے اس کے بعد صاحب معالم التنزیل نے حضرت سہل بن سعد سے یہ حدیث نقل کی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تبّع کو برا نہ کہو کیونکہ وہ مسلمان ہو گیا تھا یہ حدیث مسند احمد ص ۳۴۰ جلد ۵ میں مذکور ہے۔ پھر بحوالہ مصنف عبدالرزاق حدیث نقل کی ہے کہ (جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ تبّع نبی تھے یا غیر نبی۔

ان روایات سے یہ تو ثابت ہوا کہ تبّع اچھے آدمی تھے لیکن ان کی قوم کب اور کیسے ہلاک ہوئی اس کا پتہ نہیں چلتا جب کہ سورۂ قٓ میں اور سورۂ دخان میں قوم تبّع کے ہلاک کئے جانے کی تصریح ہے اگر معالم التنزیل کے بیان سے یہ سمجھ لیا جائے کہ باوجود یہ کہ آگ نے فیصلہ کر دیا تھا پھر بھی تبّع کی قوم ایمان نہ لائی اور کفر پر جمی رہی اور اس کی وجہ سے ہلاک ہوئی تو یہ قرین قیاس ہے یہاں تک لکھنے کے بعد تفسیر ابن اکثیر میں دیکھا انہوں نے اس تبّع کا نام اسعد بتایا ہے اور کنیت ابوکریب لکھی ہے اور باپ کا نام ملیکیکو لکھا ہے اور یہ بھی لکھا کہ اس نے ۳۲۶ سال تک حکومت کی اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی قوم نے اس کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا تھا لیکن جب اس کی وفات ہوگئی تو وہ لوگ مرتد ہو گئے آگ اور بتوں کی پوجا کرنے لگے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب میں مبتلا فرما دیا جیسا کہ سورۂ سبا میں مذکور ہے مفسر ابن کثیر کا فرمانا ہے کہ قوم تبّع اور سبا ایک ہی قوم کا مصداق ہے۔ (ابن کثیر ص ۱۴۳، ۱۴۴ جلد ۴ واللہ اعلم بحقیقۃ احوال)

پھر فرمایا وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس طور پر پیدا نہیں کیا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں۔

مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (ہم نے ان دونوں کو حکمت ہی سے بنایا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے) ان کے بنانے میں جو حکمتیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ اس سے ان کے پیدا کرنے والے کی قدرت کاملہ پر استدلال کریں سورۂ یٰس میں فرمایا اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ کیا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اس پر قادر نہیں ہے کہ ان کے جیسے پیدا فرما دے ہاں وہ قادر ہے اور بہت پیدا کرنے والا ہے بڑے علم والا ہے۔

قیامت کے دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ (بلاشبہ فیصلوں کا دن ان سب کا وقت مقرر ہے یہ مانیں یا نہ مانیں بہر حال قیامت اپنے مقررہ وقت پر آجائے گی اور حساب کتاب ہوگا۔ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا اس دن کوئی تعلق والا کسی تعلق والے کو کچھ بھی نفع نہ دے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی) اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ہاں مگر جس پر اللہ رحم فرمائے اہل ایمان کا تعلق ایک دوسرے کو نفع

دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے گا آپس میں ایک دوسرے کی سفارش کر دیں گے اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ بے شک وہ زبردست ہے اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہے الرَّحِیْمُ وہ مومن بندوں پر رحم فرمانے والا ہے۔

لفظ مَوْلٰی وَلِیَ یَلِیْ سے ماخوذ ہے آپس میں جن دو آدمیوں میں دوستی ہو ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مولیٰ ہوتا ہے دنیاوی تعلقات قیامت کے دن ختم ہو جائیں گے کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا اور دوستی اور قریبی تعلق کچھ کام نہ دے گا ہاں اللہ کی رحمت جس پر ہو جائے گی اسی کے لئے خیر ہوگی اور وہ صرف اہل ایمان کے لئے مخصوص ہے اس دن کوئی کافر کسی کافر کو نفع نہیں پہنچا سکتا ساری دوستیاں ختم ہو جائیں گی اہل ایمان میں سے جسے اور جس کے لئے شفاعت کرنے کی اجازت ہوگی اس کو نفع پہنچ جائے گا۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْیِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ
بلاشبہ زقوم کا درخت گنہگار کا کھانا ہوگا جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا' وہ پیٹوں میں ایسا کھولے گا جیسے گرم پانی کھولتا ہے اس کو پکڑو
فَاعْتِلُوْهُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ
پھر اسے گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ پھر اس کے سر پر گرم پانی کے عذاب سے ڈال دو' تو چکھ لے بے شک تو
الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾
معزز مکرم ہے۔ بیشک یہ وہی عذاب ہے جس کے بارے میں تم شک کیا کرتے تھے

دوزخیوں کے لئے طرح طرح کا عذاب ہے
زقوم ان کا کھانا ہوگا' سروں پر گرم پانی ڈالا جائے گا

تفسیر: گذشتہ آیات میں منکرین قیامت کا انکار ذکر فرمایا پھر قیامت کا اثبات فرمایا قیامت قائم ہونے پر جو کافروں کی دوزخ میں بدحالی ہوگی ان آیات میں اس کو بیان فرمایا دوزخیوں کو جہنم میں سخت بھوک لگے گی اور وہ کھانے کے لئے طلب کریں گے انہیں کھانے کے لئے جو چیزیں دی جائیں گی ان میں سے زقوم کا درخت بھی ہوگا سورۃ صافات میں بیان ہو چکا ہے کہ یہ درخت دوزخ کے درمیان میں سے نکلے گا اس کے گچھے ایسے ہوں جیسے سانپوں کے پھن ہوتے ہیں یہ بہت زیادہ کڑوا ہوگا جب ان کو کھانے کو دیا جائے گا تو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا (کسی بوتل وغیرہ میں ایک عرصہ تک تیل رکھا جائے اور تیل میں دوسری کسی چیز کے ذرات تیل کے گاڑھے حصے میں جم جائیں اسے تلچھٹ کہتے ہیں) زقوم دیکھنے میں بھی بہت زیادہ بدنما ہوگا اور مزے میں بھی بہت زیادہ برا ہوگا لیکن بھوک کی مجبوری میں دوزخیوں کو کھانا ہی پڑے گا وہ پیٹ میں پہنچ جائے گا تو وہاں جا کر تیز گرم پانی کی طرح کھولے گا اس سب کے باوجود پیٹ بھر کر کھائیں گے جیسا کے سورۃ الواقعہ میں فرمایا فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ زقوم کا ایک قطرہ دنیا میں ٹپک جائے تو دنیا والوں کی کھانے کی چیزوں کو بگاڑ کر رکھ دے اب غور کر لو کہ اس کا کیا حال ہوگا جس کا کھانا زقوم ہوگا۔ (الترغیب والترہیب ج۴ص ۴۸۰)

اہل دوزخ کو دوزخ میں جو زقوم کھانے کو ملے گا وہ پیٹ میں جاکر گرم پانی کی طرح کھولے گا پھر اوپر سے ان کے سر پر گرم پانی ڈالنے کا حکم ہوگا یہ گرم پانی ڈالا جانا مستقل عذاب ہوگا یہاں فرمایا ہے ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ اور سورۂ حج میں فرمایا يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ان کے سروں کے اوپر سے گرم پانی ڈالا جائے گا جو کاٹ دے گا ان چیزوں کو جو ان کے پیٹوں میں ہوگی اور ان کے چمڑوں کو)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ اسے پکڑلو پھر دوزخ کے بیچ والے حصے میں گھسیٹ کر لے جاؤ پھر اس کے سر پر گرم پانی کا عذاب ڈال دو یعنی گرم پانی ڈال دو جو سراپا عذاب ہے۔

قال القرطبی والعتل أن تأخذ بتلا بیب الرجل فتعتله أی تجرهٔ الیک لتذهب به الی حبس أو بلیّة. عتلت الرجل اعتله وأعتلهٔ عتلاً اذا جذبته جذبا عنیفا. (علامہ قرطبی کہتے ہیں عُتُل کا معنی یہ ہے کہ تو کسی آدمی کو اس کے گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچے تاکہ اسے جیل میں یا آزمائش میں لے جائے، عتلتُ الرجل أعتلهٔ وأعتُله عتلاً جب تو اسے سختی کے ساتھ کھینچے)

دنیا کی بڑائی کا انجام

دوزخی وہاں ایسے عذاب میں مبتلا ہوگا حالانکہ دنیا میں بڑا عزت والا سمجھا جاتا تھا اس کا بڑا نام تھا اور شہرت تھی بادشاہ تھا صدر تھا یا وزیر تھا بڑے بڑے القاب تھے وہ اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھتا تھا دوزخ میں سخت عذاب کی وجہ سے اس کا برا حال ہوگا اس کی دنیا والی حالت یاد دلانے کے لئے (جس کو بہت بڑی کامیابی سمجھتا تھا) کہا جائے گا ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ تو یہ عذاب چکھ لے دنیا میں تو بڑی عزت والا اور بڑے اکرام والا سمجھا جاتا تھا یہ چند دن کی بڑائی اور چہل پہل پر جو لوگ جان اور دل سے فدا ہیں وہ اس سے عبرت حاصل کریں۔

إِنَّ هَٰذَا مَا كُنتُم بِهِ تَمْتَرُونَ (اہل دوزخ سے یہ بھی کہا جائے گا کہ یہ وہی عذاب ہے جس کے بارے میں تم شک کیا کرتے تھے)

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿۵۱﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۵۲﴾ يَلْبَسُونَ مِن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ

بلاشبہ متقی لوگ امن والی جگہ میں ہوں گے، باغوں میں اور چشموں میں ہوں گے، وہ سندس اور استبرق کا لباس پہنے ہوں گے

مُّتَقَابِلِينَ ﴿۵۳﴾ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿۵۴﴾ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ﴿۵۵﴾

آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے، یہ بات اسی طرح سے ہے، اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کردیں گے وہ لوگ اس میں اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگائیں گے

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿۵۶﴾ فَضْلًا

پہلی موت جو انہیں دنیا میں آچکی تھی اس کے سوا موت کو نہ چکھیں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے گا، جو آپ کے

فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۵۷﴾

رب کی طرف سے فضل ہوگا یہ بڑی کامیابی ہے

متقیوں کے انعامات' باغ اور چشمے' لباس اور ازواج' ہر قسم کے پھل اور حیات ابدی

تفسیر: دوزخیوں کے عذاب بتانے کے بعد اہل جنت کے بعض انعامات ذکر فرمائے۔ اولاً تو یہ فرمایا کہ متقی لوگ امن وامان کی جگہ میں ہوں گے یعنی جنت ایسی جگہ ہے کہ جہاں کسی قسم کا خوف وہراس' بے اطمینانی' بے چینی نہیں ہوگی اور ہمیشہ اسی حالت میں رہیں گے انہیں کبھی خوف یا غم نہ ہوگا نہ وہاں سے نکالے جانے کا خطرہ ہوگا۔ ثانیاً یہ فرمایا کہ یہ متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہونگے ثالثاً یہ فرمایا کہ سندس اور استبرق کا لباس پہنے گے سندس باریک ریشم کو اور استبرق موٹے ریشم کو کہتے ہیں رابعاً یہ فرمایا کہ آپس میں مقابل ہو کر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے گے مفسرین نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے **لا یری بعضھم قفا بعض** یعنی اس ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے کہ کسی کی پشت کسی طرف نہ ہوگی خامساً یہ فرمایا کہ ہم حور عین سے ان کا نکاح کر دیں گے لفظ حور حوراء کی جمع ہے (اگر چہ اردو استعمال میں حور کو مفرد سمجھا جاتا ہے حوراء گورے رنگ کی عورت کو کہتے ہیں جس کا رنگ خوب آنکھوں میں بچ رہا ہو اور اچھا لگ رہا ہو اور عین عیناء کی جمع ہے اس کا معنی ہے بڑی آنکھوں والی عورت' اللہ تعالیٰ حور عین کو اہل جنت کے نکاح میں دے دیں گے حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت کی عورتوں میں سے اگر کوئی عورت زمین کی طرف جھانک لے تو آسمان اور زمین کے درمیان کو روشن کر دے اور ان دونوں کے درمیان کو خوشبوؤں سے بھر دے اور فرمایا کہ یہ واقعی بات ہے کہ اس کے سر کا دوپٹہ دنیا سے اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہے۔ (رواہ البخاری)

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے کہ ہر جنتی کی (کم از کم[1]) دو بیویاں ہوگی ان میں سے ہر ایک ستر جوڑے پہنے ہوئے ہوگی اس کی پنڈلی کا گودا باہر سے نظر آئے گا (رواہ الترمذی)

سادساً یہ فرمایا کہ اہل جنت ہر قسم کے میوے طلب کریں گے سابعاً یوں فرمایا کہ وہاں انہیں کبھی بھی موت نہیں آئے گی دنیا میں جو موت آگئی تھی اس کے بعد اور کسی موت پر خطرہ نہ ہوگا ثامناً یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دوزخ سے بچالے گا عذاب دوزخ سے بچانا اور جنت میں داخل فرمانا یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا (اللہ تعالیٰ کے ذمہ کسی کا کچھ واجب نہیں ہے یہ اس کا فضل ہے کہ اس نے ایمان پر اور اعمال صالحہ پر جنت دینے کا اور دوزخ سے محفوظ فرمانے کا وعدہ فرمالیا ہے۔

آخر میں فرمایا ہے ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ (یہ جو کچھ مذکور ہوا بڑی کامیابی ہے اس میں اہل دنیا کو تنبیہ ہے کہ تم جس چیز کو کامیابی سمجھ رہے ہو وہ فانی چیزیں ہیں جنت کی طرف رخ کرو اور اس کے اعمال میں لگو وہاں جو ملے گا وہ بڑی کامیابی ہے۔

فَاِنَّمَا يَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿۵۸﴾ فَارۡتَقِبۡ اِنَّهُمۡ مُّرۡتَقِبُوۡنَ ﴿۵۹﴾

سو بات یہی ہے کہ ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا تا کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں سو آپ انتظار کیجئے بلاشبہ وہ لوگ بھی انتظار کر رہے ہیں۔

[1] حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ جو بات ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ ہر جنتی کیلئے کم از کم دو بیویاں ہوں گی۔

ہم نے قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے
آپ انتظار کریں، یہ لوگ بھی منتظر ہیں

تفسیر: یہ سورۃ الدخان کی آخری دو آیتیں ہیں یہ سورت قرآن کریم کی قسم کھانے اور مبارک رات میں نازل فرمانے کے ذکر سے شروع ہوئی تھی آخری سورت میں پھر قرآن کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے اس کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے آپ کی زبان عربی ہے یہ بھی عربی ہے آپ اسے پڑھیں اور ان کے سامنے بیان کریں تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں نیز یہ فرمایا کہ آپ انتظار فرمائیں یہ لوگ بھی انتظار کر رہے ہیں یعنی اگر یہ لوگ نصیحت قبول نہیں کرتے اور اس انتظار میں ہیں کہ آپ کو تکلیف پہنچ جائے تو آپ سمجھ لیں ان کے انتظار اور آرزو سے کچھ ہونے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا جیسا کہ سورۃ الطور میں فرمایا اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ (بلکہ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں ہم اس کے بارے میں موت کے حادثہ کا انتظار کر رہے ہیں آپ فرما دیجئے تم انتظار کرو سو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

وهذا آخر ما وفق الله تعالىٰ فى تفسير سورة الدخان والحمد لله الرحمن المنان، والصلوٰة والسلام الاتمان الا كملان على سيد ولد عدنان، وخير الانس والجان، وعلى اله وصحبه أصحاب العلوم والعرفان، ومن تبعهم باحسان إلىٰ أن يتنا وب الملوان ويتعاقب النيران. (وكان ذلك فى اليوم الرابع من الشهر الثالث من ۱۴۱۸ھ)

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الجاثیہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں سینتیس آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۲ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳

حٰمٓ۔ اتارنا ہے کتاب کا اللہ کی طرف سے جو عزیز ہے حکیم ہے' بلاشبہ آسمانوں میں اور زمین میں نشانیاں ہیں مومنین کے لئے'

وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۴ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ

اور تمہارے پیدا کرنے میں اور جو چوپائے اللہ تعالیٰ پھیلاتا ہے ان کے پیدا کرنے میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں اور رات اور دن کے آگے پیچھے

اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ

آنے میں اور جو رزق اللہ نے آسمان سے اتارا ہے پھر اس کے ذریعے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ فرمادیا اور ہواؤں کے پھیرنے میں نشانیاں

يَّعْقِلُوْنَ ۝۵ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶

ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں' یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں' سو یہ لوگ اللہ کے اور اس کی آیات کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے

یہ کتاب عزیز و حکیم کی طرف سے ہے' آسمان اور زمین' انسان کی تخلیق' لیل و نہار کے اختلاف اور بارش کے نزول میں معرفت الٰہیہ کی نشانیاں ہیں

تفسیر: ان آیات میں اول تو یہ فرمایا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے وہ عزیز بھی ہے حکیم بھی ہے' اس کے بعد توحید کی نشانیاں بیان فرمائی۔ ارشاد فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں اہل ایمان کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں' اہل ایمان ان کو دیکھتے ہیں اور متاثر ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ تمہارے پیدا کرنے میں اور جو چوپائے زمین میں پھیلا رکھے ہیں ان سب میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں اور دلائل ہیں جو لوگ یقین رکھتے ہیں اس طرح رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں اور اللہ تعالیٰ نے جو آسمانوں سے رزق نازل فرمایا یعنی بارش جس کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ فرمایا یعنی اس کی خشکی کو دور فرما کر اس میں لہلہاتی ہوئی کھیتیاں اور سبزیاں پیدا فرمادی اور ہوا کو بھیج کر جو مختلف کاموں میں لگایا جو کبھی پورب کو جاتی ہیں اور کبھی پچھم کو کبھی گرم ہیں' کبھی ٹھنڈی' کبھی نفع دینے والی ہے' کبھی ضرر

پہنچانے والی ان سب چیزوں میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں عقل والے دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں یہ سب امور قادر مطلق جل شانہ' کی مشیت اور ارادہ سے وجود میں آتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ آیات جن کو ہم حق کے ساتھ آپ پر تلاوت کرتے ہیں جو وحی کے ذریعے آپ تک پہنچتی ہیں یہ آپ کو فرشتہ سناتا ہے پھر آپ کے ذریعے آپ کے مخاطبین کو پہنچتی ہیں لیکن یہ لوگ ایمان نہیں لاتے ان آیات کو سننے کے بعد ان کو کیا انتظار ہے؟ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل سامنے آگئے۔ اس کی آیات جو وحی کے ذریعے آپ تک پہنچیں آپ سے ان لوگوں نے سنیں ان پر وہ ایمان نہیں لائے اس سب کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿٧﴾ يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا ۖ

بڑی خرابی ہے ہر جھوٹے کے لئے جو نافرمان ہے اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے جو اس کے روبرو پڑھی جاتی ہیں۔ پھر وہ تکبر کرتے ہوئے اصرار کرتا ہے گویا کہ اس نے اُن کو سنا ہی نہیں سو ایسے شخص کو

فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٨﴾ وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٩﴾

آپ دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کو جان لیتا ہے تو ان کا مذاق بناتا ہے ان لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے

مِّن وَرَائِهِمْ جَهَنَّمُ ۖ وَلَا يُغْنِي عَنْهُم مَّا كَسَبُوا شَيْئًا وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ ۖ وَلَهُمْ

ان کے آگے دوزخ ہے انہوں نے دنیا میں جو کچھ کمایا اور اللہ کے سوا انہوں نے جو کارساز بنائے ان میں سے انہیں کوئی بھی کچھ نفع نہیں دے گا اور ان کے لئے

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠﴾ هَٰذَا هُدًى ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ ﴿١١﴾

بڑا عذاب ہے یہ ایک بڑی ہدایت ہے۔ اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ کفر کیا ان کے لئے عذاب ہے سختی والا دردناک۔

ہر جھوٹے' گناہگار اور متکبر اور منکر کے لئے عذاب الیم ہے

تفسیر: قریش مکہ میں جو لوگ ایمان نہیں لائے ان میں بعض لوگ کفر و شرک کے سرغنہ بنے ہوئے تھے جو اسلام قبول نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو بھی قبول نہیں کرنے دیتے تھے ان میں سے ابو جہل بھی تھا اور نضر بن حارث تھا' معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی یہ عجمیوں کی باتیں (قصے کہانیاں) خرید کر لاتا تھا اور لوگوں کو سناتا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ جائیں اور قرآن شریف نہ سنیں۔ جس کا کچھ بیان سورۂ لقمان کے پہلے رکوع میں آیت کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ کے ذیل میں گزر چکا ہے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ شان نزول خواہ کسی ایک شخص کے بارے میں ہو لیکن الفاظ کا عموم ہر اس شخص کو شامل ہے جو اپنے عمل اور کردار سے آیت کے مفہوم کا مصداق ہو ارشاد فرمایا کہ ہر أَفَّاكٍ یعنی خوب جھوٹ بولنے والے اور ہر أَثِيمٍ یعنی بڑے گنہگار کے لئے ویل ہے یعنی خرابی اور بربادی اور ہلاکت ہے (جس شخص کے بارے میں آیت نازل ہوئی وہ چونکہ بہت جھوٹا اور بہت بڑا گنہگار تھا اس لئے یہ دونوں لفظ لائے گئے اسکا یہ معنی نہیں ہے کہ تھوڑا جھوٹ اور تھوڑے گناہ جائز ہیں)

اس بڑے جھوٹے اور بڑے گنہگار کی صفت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَیْهِ (یہ اللہ کی آیات کو سنتا ہے جو اس پر پڑھی جاتی ہیں) ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا پھر وہ اپنے کفر پر اور شرارت پر اور گنہگاری پر اصرار کرتا ہے اس کا یہ اصرار تکبر کرنے کی حالت میں ہے كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا (وہ تکبر کرتے ہوئے اس طرح بے رخی اختیار کر لیتا ہے کہ گویا اس نے اللہ کی آیات کو سنا ہی نہیں) فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنادیں) یہ شخص یہ نہ سمجھے کہ دنیا میں بڑا ہوں سردار بنا ہوا ہوں ہمیشہ اسی حال میں رہوں گا یہ دنیا فانی ہے تھوڑی سی ہے مرنا بھی ہے' موت کے بعد اللہ کے رسول اور کتاب کو جھٹلانے والے دردناک عذاب میں داخل ہوں گے۔

اَفَّاكٍ اور اَثِیْمٍ (جس کا ذکر اوپر ہوا) اس کی مزید بے ہودگی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْئَا اتَّخَذَهَا هُزُوًا (یعنی ہماری آیات میں سے کوئی آیت اس کے پاس پہنچ جاتی ہے تو وہ اس کا مذاق بناتا ہے یعنی تمسخر کرتا ہے) اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ان لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ (ان کے آگے دوزخ ہے اپنے شرک کی وجہ سے اس میں داخل ہوں گے) وَلَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَیْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ اور انہوں نے جو بھی کچھ کمایا وہ انہیں کچھ بھی نفع نہ دے گا اور اللہ کے سوا جو انہوں نے اپنے خیال میں اولیاء یعنی کارساز بنا رکھے تھے وہ بھی کچھ نفع نہ دیں گے وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے)

هٰذَا هُدًى (یہ قرآن سراپا ہدایت ہے اس پر ایمان لانا اور عمل کرنا لازم ہے) مذکورہ صفات سے متصف ہونے والوں کے لئے تینوں طرح کا عذاب بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ (الایۃ) اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ کفر کیا ان کے لئے سخت عذاب کا بڑا حصہ ہوگا جو دردناک ہوگا وہاں کا عذاب الیم بھی ہے یعنی دردناک اور مُهِیْنٌ ہے یعنی ذلیل کرنے والا اور عظیم یعنی بڑا بھی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ
اللہ وہ ہے جس نے سمندر کو مسخر کیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اس کے فضل سے تلاش کرو اور تا کہ تم
تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ
شکر کرو اور جو چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں ان سب کو اپنی طرف سے تمہارے لئے مسخر بنا دیا بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے
یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾
جو فکر کرتے ہیں۔

تسخیر بحر اور تسخیر مافی السمٰوٰت والارض میں فکر کرنیوالوں کیلئے نشانیاں ہیں

تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے انعامات اور دلائل توحید بیان فرماتے ہیں۔

اولاً سمندر کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو تمہارے لئے مسخر فرمادیا یعنی تمہاری ضرورتوں میں کام آنے والا بنا دیا اس تسخیر کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلتی ہیں ان کشتیوں میں سفر کرتے ہو اور ایک جگہ سے دوسری

جگہ سامان بھی لے جاتے ہو اور اللہ کا فضل بھی تلاش کرتے ہو تجارت کے ذریعے فائدہ اٹھاتے ہو سمندر میں غوطے مارتے ہو موتی نکالتے ہو شکار پکڑتے ہو یہ سب اللہ کا فضل ہے تمہیں چاہئے کہ اللہ کا شکر ادا کرو' ثانیاً یہ فرمایا کہ آسمانوں میں اور زمینوں میں جو چیزیں ہیں اللہ نے ان کو تمہارے کام میں لگا دیا یعنی ان چیزوں کو تمہارے کام میں آنے والا بنا دیا' یہ چیزیں اللہ کی طرف سے تمہارے لئے مسخر ہیں اللہ کی مشیت اور ارادہ کے مطابق تمہارے منافع کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں بعض منافع آخرت سے متعلق ہیں اور بعض دنیا سے متعلق ہیں آخر میں فرمایا کہ یہ جو سب کچھ مذکور ہوا اس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں فکر کرنے والے لوگوں کے لئے (جو لوگ فکر کرتے ہیں وہ عبرت حاصل کرتے ہیں)

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے ایام کی امید نہیں رکھتے تا کہ اللہ ہر قوم کو اس کی جزا دے جو کماتے ہیں'

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۖ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

جو شخص نیک کام کرے سو وہ اسی کی جان کے لئے ہے اور جو شخص کوئی برا کام کرے اس کا وبال اسی کے نفس پر ہے' پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

آپ اہل ایمان سے فرما دیں کہ منکرین سے درگزر کریں' ہر شخص کا نیک عمل اسی کے لئے ہے' اور برے عمل کا وبال بھی عمل کرنے والے پر ہے

تفسیر: صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ يَغْفِرُوْا جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے تقدیر عبارت یوں ہے قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اغفروا يَغْفِرُوْا یعنی آپ اپنے ایمان والوں سے فرما دیں کہ درگزر کرو وہ اس پر عمل کرتے ہوئے ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں کرتے یعنی کافر لوگ جنہیں اس خیال کا نہیں کہ اللہ تعالیٰ دنوں کو پلٹ دیتا ہے ہمیشہ یکساں زمانہ نہیں رہتا وہ دشمنوں سے انتقام لے لیتا ہے' صاحب روح المعانی نے اس کی دوسری تفسیر حضرت مجاہد تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے یوں نقل کی ہے کہ ان لوگوں سے درگزر فرمائیں جنہیں ان اوقات کی امید نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ثواب دینے کے لئے مقرر فرمائے ہیں جن میں مومنین کو کامیابی حاصل ہوگی یعنی وہ لوگ آخرت کو مانتے ہی نہیں ان سے درگزر کریں' پھر بعض علماء کا یہ قول بھی لکھا ہے کہ یہ آیت قتال کا حکم نازل ہونے سے پہلے نازل ہوئی تھی جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ نسخ نہیں ہوا بلکہ چھوٹی چھوٹی باتیں جو دشمنوں کی طرف سے ہوتی رہتی ہیں جن سے ایذاء پہنچتی ہے یا وحشت ہوتی ہے ان باتوں سے درگزر کرنا مراد ہے۔

لِيَجْزِيَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (یعنی آپ ایمان والوں کو درگزر کرنے کا حکم دیں وہ درگزر کریں' اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی انہیں جزا دے گا اور کافروں کے عمل کی کافروں کو سزا دے گا۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ (جو شخص نیک عمل کرے سو وہ اسی کے جان کے لئے ہے) وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا اور جس نے برے کام کئے ان کا وبال اسی پر ہوگا) ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ (پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) اہل ایمان کو ایمان کا اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کا ثواب ملے گا اور ان کے مخالفین کافرین اور مشرکین اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب دی اور حکم عطا کیا اور نبوت دی اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور جہانوں پر فضیلت دی'

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا

اور ہم نے دین کے بارے میں انہیں کھلی کھلی دلیلیں عطا کیں' سوانہوں نے آپس میں اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ گیا آپس کی ضد اضدی

بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

کی وجہ سے' بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان امور میں ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے۔

بنی اسرائیل پر طرح طرح کے انعامات' کتاب حکم اور نبوت سے سرفراز فرمانا' طیبات کا عطیہ اور جہانوں پر فضیلت

تفسیر: یہ دو آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب دی اور حکم دیا.........
بعض حضرات نے حکم کا ترجمہ فقہ فی الدین کیا ہے اور بعض حضرات نے اس سے حکمتیں مراد لی ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت بھی دی یعنی ان میں کثرت سے نبی بھیجے سورۂ مائدہ میں فرمایا وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ کے انعام کو جو تم پر ہوا ہے یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بہت سے پیغمبر بنائے اور تم کو صاحب ملک بنایا اور تم کو وہ چیزیں دیں جو دنیا جہانوالوں میں سے کسی کو نہیں دیں)

وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ (اور ہم نے انہیں پاکیزہ چیزیں دیں) یعنی عمدہ اور حلال اور لذت والی چیزیں عطا فرمائیں وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (اور ہم نے انہیں جہانوں پر فضیلت دی یعنی ان کے زمانہ میں جو لوگ تھے بنی اسرائیل کو ان پر فضیلت عطا فرمائی۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ (اور ہم نے انہیں دین کے بارے میں کھلے ہوئے واضح دلائل عطا فرمائے) جن میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بھی تھے صاحب روح المعانی نے بعض حضرات کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی نشانیاں مراد ہیں یہودیوں کو آپ کی بعثت کی نشانیاں معلوم تھیں لیکن جب آپ تشریف لائے تو یہ لوگ یہ جانتے ہوئے آپ کی بعثت اور رسالت کا یقین ہوتے ہوئے منکر ہو گئے۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ پھر جب وہ چیز آ پہنچی جس کو وہ پہچانتے ہیں اس کا انکار کر بیٹھے)

فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ (سوانہوں نے آپس میں اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد ان کے پاس علم آ گیا آپس کی ضد اضدی کی وجہ سے)

بَغْیًا کا ایک مطلب تو یہی ہے کہ آپس کی ضد اضدی کی وجہ سے اختلافات میں لگ گئے دلائل واضح سامنے ہوتے ہوئے حق سے منہ موڑا اور ریاست اور چوہدراہٹ کی وجہ سے اختلافات میں پڑ گئے اور ایک معنی یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ پر حسد کرتے ہوئے آپس میں اختلاف کیا پہلے تو آپ کی آمد کے منتظر تھے۔ جب آپ تشریف لے آئے تو کہنے لگے کہ عرب میں سے کیسے کوئی شخص نبی ہو سکتا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتایا گیا ہے کہ تم میں سے ہمیشہ نبی آتا رہے گا ان میں سے صرف چند ہی آدمی مسلمان ہوئے اور آج تک اسلام اور مسلمانوں کیخلاف ان کی سرگرمیاں جاری ہیں علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے دنیاوی ریاست اور چوہدراہٹ کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے سے بغاوت کی اور انبیاء کرام کو قتل کر دیا یہی حال آپ کے زمانہ کے مشرکین کا ہے ان کے پاس کھلی ہوئی دلیلیں آ گئی ہیں لیکن دنیاوی ریاست کے چلے جانے کے ڈر سے اسلام قبول نہیں کرتے اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے)۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ

پھر ہم نے آپ کو ایک خاص طریقہ پر کر دیا سو آپ اس کا اتباع کیجئے اور ان لوگوں کی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے جو نہیں جانتے' بلاشبہ وہ لوگ اللہ کے مقابلہ میں

يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۚ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا

آپ کو کچھ نفع نہیں دے سکتے اور بے شک ظلم کرنے والے ایک دوسرے کے دوست ہیں' اور اللہ متقیوں کا دوست ہے یہ قرآن

بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا اور ہدایت کا ذریعہ ہے اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔

ہم نے آپکو مستقل شریعت دی ہے' کفار آپ کو کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے' وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں' اور اللہ متقیوں کا ولی ہے

تفسیر: یہ تین آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کے بعد ہم نے آپ کو ایک شریعت دی ہے جو دین سے متعلق ہے (قال القرطبی ای علی منهاج و اضح من امر الدین یشرع بک من الحق) (علامہ قرطبی فرماتے ہیں یعنی آپ کو دین حق کی جو شریعت (قانون) دی ہے اس کے واضح راستہ پر (چلتے رہیں) سو آپ اس کا اتباع کریں اور ان لوگوں کا اتباع نہ کریں جو نہیں جانتے یعنی قریش مکہ جو آپ کا دین قبول کرنے کے بجائے اپنے باپ دادوں کا دین قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں ان کا اتباع نہ کیجئے۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ یہ لوگ آپ کو اللہ کے مقابلے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتے یعنی اگر آپ نے ان کے دین کا اتباع کر لیا اور اس پر اللہ کی طرف سے گرفت ہو گئی تو یہ لوگ ذرا بھی آپ کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (ظالم لوگ یعنی کفار مشرکین اور منافقین اور یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کے

دوست ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کی نیت رکھتے ہیں۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ (اور اللہ متقیوں کا ولی ہے وہ دنیا میں بھی ان کی مدد فرماتا ہے اور آخرت میں بھی مدد فرمائے گا۔

تیسری آیت میں قرآن مجید کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگوں کے لئے دانشمندیوں کا ذریعہ ہے اس میں غور کریں تو بصیرت کی باتیں پائیں گے۔ مزید فرمایا کہ قرآن ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ

جن لوگوں نے برے کام کئے کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کے برابر کردیں گے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے کہ ان کا مرنا

وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ

اور جینا برابر ہو جائے یہ برا فیصلہ کرتے ہیں' اور اللہ نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ اور تا کہ ہر جان کو

بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اس کے کئے ہوئے اعمال کا بدلہ دیا جائے اور ان لوگوں پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

کیا گناہگار یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں اہل ایمان اور اعمال صالحہ والوں کے برابر کردیں گے

تفسیر: یہ دو آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں اہل باطل کے اس گمان کی تردید فرمائی کہ جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے ہم سے بڑھ کر درجہ والے نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہمیں مال دیا ہے آخرت میں بھی ہمیں نعمتیں دی جائیں گی جیسا کہ سورۂ حٰم سجدہ میں بعض لوگوں کا قول نقل کیا ہے وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى (اور اگر میں اپنے رب کی طرف واپس کردیا گیا تو بلاشبہ میرے لئے اچھی حالت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مجرمین کفار مشرکین یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم میں اور ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے ان کا یہ خیال غلط ہے یہ بات نہیں ہے کہ ہم دونوں فریق کی زندگی اور موت کو برابر کردیں گے دنیا میں مومنین کی زندگی اور ہے وہ فرمانبردار ہیں اور موحد ہیں اللہ کے دین پر ہیں اگرچہ مال نہ ہو اور کافر منکر ہیں اپنے خالق کے باغی اور نافرمان ہیں پھر موت کے بعد مومن کو نعمتیں ملیں گی جنت میں داخل ہوں گے اور کافر عذاب میں مبتلا ہوں گے' دوزخ میں جائیں گے لہٰذا نہ دونوں کی زندگی برابر ہے اور نہ دونوں کی موت برابر۔ مومن دنیا میں بھی کافر سے بہتر ہے اور آخرت میں بھی کافر سے بہتر ہوگا کافروں کا یہ خیال کرنا کہ موت کے بعد بھی ہم مومنین سے اچھی حالت میں رہیں گے یہ ان کی جہالت کی بات ہے جھوٹا اور غلط خیال ہے اسی کو فرمایا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کرتے ہیں) قال صاحب الروح قولهٗ عزوجل سَوَاءً بدل من الكاف بناء علی انها بمعنی مثل و قوله تعالیٰ مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ فاعل سواء اجری مجری مستو كما قالو مررتُ برجل سواء هو والعدم اھ.

(صاحب روح المعانی فرماتے ہیں سواءً بدل ہے کاف سے اس بنیاد پر کہ کاف مثل کے معنی میں ہے۔ اور مَحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ، سَوَاءً کا فاعل ہے جو کہ مُستو کا قائم مقام ہے جیسا کہ کہتے ہیں مررت برجل سواء هو والعدم میں ایسے آدمی کے پاس سے گذرا کہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے) (دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمینوں کو حق (یعنی حکمت) کیساتھ پیدا فرمایا اور اس لئے پیدا فرمایا کہ انہیں دیکھنے والے یہ سمجھ لیں کہ ہر نفس کو اس کے اپنے کئے ہوئے اعمال کا بدلہ ملے گا کسی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔

آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں جو حکمتیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کو دیکھنے والے پیدا کرنیوالے کی قدرت کاملہ پر استدلال کریں اور یہ بھی سمجھ لیں کہ جس ذات پاک نے ان کو پیدا فرمایا ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو زندہ فرما دے حساب کتاب کے لئے حاضر کر دے اور ان کے اعمال کی جزاء سزا دیدے سورۃ الاحقاف میں فرمایا أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ۚ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (کیا ان لوگوں نے یہ نہ جانا کہ جس خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے میں ذرا نہیں تھکا وہ اس پر قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے (کیوں نہیں بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

وقوله تعالیٰ لتجزیٰ كل نفسٍ بما كسبت معطوف علی لفظة بالحق ای خلقها ليدل سبحانه و تعالیٰ بها علی قدرته وليعلم الناس أنه تعالیٰ يجزی كل نفس بما كسبت فان الخالق جل مجده لم يخلق السمٰوٰت والارض عبثا بلا حكمةٍ ولا الانس والجان عبثاً بل خلقهم ليجزيهم باعمالهم قال تعالیٰ افحسبتم انما خَلَقْنَا كُم عَبَثاً وَانكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْن.

(لِتُجزیٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ، بِالْحَقِّ کے لفظ پر معطوف ہے۔ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس لئے پیدا کیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ اس سے اپنی قدرت کی دلیل دے اور تا کہ لوگ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ہر نفس کو اس کے کئے کا بدلہ دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو بے فائدہ اور بے حکمت پیدا نہیں فرمایا اور نہ انسان وجن بے کار پیدا ہوئے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے پیدا کیا تا کہ ان کو ان کے اعمال کا صلہ دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے افحسبتم انما خلقنا کم عَبَثاً وَانَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ)

أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوٰىهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں پر اور دل پر مہر لگادی اور اس کی

عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشٰوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا

آنکھوں پر پردہ ڈال دیا سو کون ہے جو اللہ کے بعد اس شخص کو ہدایت دے گا کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے اور ان لوگوں نے کہا کہ نہیں ہے یہ مگر ہماری

الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۲۴﴾

دنیا والی زندگی ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں ہلاک نہیں کرے گا مگر زمانہ اور انہیں اس کا کچھ بھی علم نہیں یہ لوگ صرف گمان کرتے ہیں

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور جب ان کے اوپر ہماری کھلی کھلی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کی حجت اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ ہمارے باپ دادوں کو لے آؤ اگر تم سچے ہو

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

آپ فرما دیجئے اللہ تمہیں زندگی بخشتا ہے پھر موت دیتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں اور لیکن بہت سے لوگ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

نہیں جانتے۔

اے مخاطب کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا

تفسیر: ان آیات میں مشرکین کی گمراہی بتائی کہ وہ غیر اللہ کی بھی عبادت کرتے ہیں اور وقوع قیامت کا بھی انکار کرتے ہیں ان لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کی خواہش ہی کو معبود بنا رکھا ہے جس کی عبادت کرنے کو جی چاہتا ہے اسی کی عبادت کرنے لگ جاتے ہیں کبھی اس پتھر کے سامنے جھکے عاجزی کر رہے ہیں کبھی اس پتھر کو سجدہ کئے ہوئے نظر آتے ہیں، علامہ قرطبی نے حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ عرب کے مشرکین کا یہ طریقہ تھا کہ کسی پتھر کو پوجنے لگتے تھے پھر جب اس سے اچھا پتھر نظر آ جاتا تھا تو پہلے پتھر کو پھینک دیتے تھے اور دوسرے پتھر کو پوجنے لگتے تھے یعنی ان کا معبود ان کی نفس کی خواہش کے مطابق ہوتا تھا۔

آیت کا دوسرا معنی مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ آپ نے انہیں دیکھا جو اپنے نفس کے پابند ہیں؟ انہیں ہدایت سے کوئی محبت نہیں اور گمراہی سے کوئی نفرت نہیں جو نفس چاہتا ہے وہی کہتے ہیں اور وہی کرتے ہیں یہ تفسیر پہلے مفہوم کو بھی شامل ہے عربی میں ھَوٰی خواہش نفس کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جتنی جگہ بھی ھَوٰی کا ذکر ہے مذمت کے ساتھ ہی ہے سورۃ القصص میں فرمایا وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جس نے اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش نفس کا اتباع کیا)

اتباع ھَوٰی کے بارے میں ضروری تنبیہ

جیسا کہ نفس کی خواہش کفر پر جما کر رکھتی ہے اور اسلام قبول کرنے سے باز رکھتی ہے اسی طرح بہت سے مدعیان اسلام بھی نفس کے پابند ہونے کی وجہ سے بڑھ چڑھ کر گناہ کرتے ہیں جو نفس کی خواہش ہوتی ہے وہی کرتے ہیں نمازیں بھی چھوڑتے ہیں، زکوٰتیں بھی حساب کر کے نہیں دیتے حرام مال بھی کماتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں دشمنوں کی طرح شکل و صورت بناتے ہیں اور ان کے جیسا لباس پہنتے ہیں اور طرح طرح کے گناہوں کے مرتکب رہتے ہیں اتباع ھَوٰی یعنی نفس

کی خواہش پر چلنا برباد کر دینے والی چیز ہے اور نفس کی مخالف کرنا کامیابی کا راستہ ہے سورۃ النازعت میں فرمایا وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (اور لیکن جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت اس کا ٹھکانہ ہے)

مومن بندہ پر لازم ہے کہ نفس کی خواہشوں سے خبردار رہے جائز اور حلال خواہش پوری کرنے کی اجازت ہے لیکن اگر نفس کی ہر خواہش پورا کرنے کے پیچھے پڑا تو نفس تباہ کر کے چھوڑے گا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہوشیار وہ ہے کہ ہوشیار وہ ہے جو اپنے نفس پر قابو کرے اور موت کے بعد کے لئے عمل کرے اور احمق وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اس کی خواہشوں کے پیچھے لگا دیا اور اللہ تعالیٰ سے امیدیں باندھتا رہا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں نجات دینے والی یہ چیزیں ہیں۔

۱۔ پوشیدہ اور ظاہر طریقے پر اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا

۲۔ رضامندی اور ناراضگی میں حق بولنا

۳۔ مالداری اور تنگدستی میں میانہ روی اختیار کرنا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہلاک کرنے والی یہ ہیں۔

۱۔ نفس کی خواہش جس کا اتباع کیا جائے

۲۔ کنجوسی جس کی اطاعت کی جائے۔

۳۔ انسان کا اپنے نفس پر اترانا اور یہ ان میں سب سے زیادہ سخت ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۴)

مومن پر لازم ہے کہ اپنے نفس کی خواہشوں کو رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کے تابع کر دے جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰) (البتہ اس کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے نفس کو دبانا پڑتا ہے اور اسے خیر کے لئے آمادہ کرنا پڑتا ہے۔

وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (اور اسے اللہ نے علم والا ہوتے ہوئے گمراہ کر دیا) وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً یہ تینوں جملے پہلے جملہ پر معطوف ہیں چاروں جملوں کا ترجمہ یوں ہوا کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنا لیا اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ فرما دیا اور اس کے کانوں پر اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ (سو اللہ کے گمراہ کرنے کے بعد اسے کون ہدایت دے گا) اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) درحقیقت نفس کی خواہشوں کے پیچھے چلنا انسان کی بربادی کا سب سے بڑا سبب ہے اتباع ھویٰ کرتے کرتے اور جی چاہی زندگی پر چلتے چلتے قبول حق کی استعداد ختم ہو جاتی ہے پھر علم بھی کام نہیں دیتا جانتے اور سمجھتے ہوئے حق کو قبول نہیں کرتا کان بھی حق سننے کو تیار نہیں اور دل بھی قبول نہیں کرتا اور آنکھوں پر بھی پردہ پڑ جاتا ہے اتنی دور کی گمراہی میں پڑ جانے کے بعد ہدایت پر آنے کی کوئی بھی امید نہیں رہتی۔

قولہ تعالیٰ: علیٰ عِلْمٍ یجوز ان یکون حالا من الفاعل ای اضله الله عالما بانهٗ من اهل الضلال

فی سابق علمہ، ویجوزان یکون حالا من المفعول أی أضلہ عالما بطریق الھدی.

("عَلٰی عِلْمٍ" یہ بھی جائز ہے کہ یہ فاعل سے حال ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا اپنے ازلی علم سے یہ جانتے ہوئے کہ یہ گمراہوں میں سے ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مفعول سے حال ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا اس حال میں یہ ہدایت کا راستہ جانتا تھا۔ "فَمَنْ یَّھْدِیْہِ مِنْ بَعْدِ اللّٰہِ" یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو گمراہ کرنے کے بعد اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ بعض نے کہا اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اسے کون ہدایت دے سکتا ہے)

وقولہ تعالیٰ: فمن یَّھْدِیْہِ مِنْ بَعْدِ اللّٰہِ أی من بعد اضلال اللّٰہ ایاہ وقیل معناہ فمن یھدیہ غیر اللّٰہ.

دہریوں کی جاہلانہ باتیں اور ان سے ضروری سوال

اس کے بعد مشرکین کے انکار قیامت کے کا تذکرہ فرمایا وَقَالُوْا مَا ھِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا ان لوگوں نے کہا کہ جس کا نام زندگی ہے وہ ہماری اس دنیا والی زندگی کے سوا کچھ نہیں ہے ہمیں ایک ہی بار یہ زندگی ملی ہے مرنے کے بعد پھر جی اٹھنا نہیں نَمُوْتُ وَنَحْیَا موت وحیات کا یہ سلسلہ جاری ہے ہم مر جائیں گے اور ہماری اولاد اس دنیا میں پیچھے زندہ رہ جائے گی پھر وہ بھی مر جائیں گے اور ان کی اولاد زندہ رہ جائے گی یہ قیامت کا آنا اور حساب کتاب ہونا ہماری سمجھ میں نہیں آتا وَمَا یُھْلِکُنَآ اِلَّا الدَّھْرُ اور ہمیں ہلاک نہیں کرے گا مگر زمانہ عموماً منکرینِ اسلام کا یہی عقیدہ ہے کہ زمانہ ہی سب کچھ کرتا ہے دنیا میں آتے ہیں مر جاتے ہیں قیامت اور حساب کتاب کچھ نہیں ان میں بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کے بھی قائل ہیں لیکن موت اور حیات اور انقلابات اور حوادث اور مصائب کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جب تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ زمانہ نے ایسا کیا اور زمانہ کو جو برا کہتے ہیں یہ برا کہنا اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچتا ہے کیونکہ سب کچھ حوادث اور انقلابات اسی کی مشیت اور ارادہ سے وجود میں آتے ہیں اور زمانہ خود اسی کی مخلوق ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود کو نہیں مانتے اور ہر نشیب وفراز کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں نہ عالم کی ابتداء کے قائل ہیں اور نہ انتہاء کے، ان کو عرف عام میں دہریہ کہا جاتا ہے ان لوگوں سے اگر بات کی جائے کہ زمانہ تو رات دن گزرنے کا نام ہے اس میں کوئی تاثیر نہیں پھر زمانہ میں تو خود تغیرات ہیں وہ فاعل مختار کیسے ہوسکتا ہے اور یہ جو مخلوق کی انواع واقسام ہیں اور آپس میں امتیازات ہیں انسانوں میں قلب ہے اور جوارح ہیں' اور درخت ہیں ان کے پھل مختلف ہیں مزے مختلف ہیں' جانور کی صورتیں اور ان کے اعمال مختلف ہیں اور اس طرح کے ہزاروں امتیازات ہیں یہ صرف رات دن کے گزرنے سے وجود میں آگئے' آم کا پھل بڑا اور جامن کا پھل چھوٹا کیوں ہے کھجور کا تنا لمبا کیوں ہے اس کے پھل چھوٹے کیوں ہیں بڑے بڑے سمندروں کا پانی شور کیوں کرتا ہے میٹھا کیوں نہیں ہوتا' کسی کے اولاد ہوتی ہی نہیں کسی کے صرف لڑکے ہوتے ہیں کسی کے صرف لڑکیاں ہوتی ہیں تو ان سب باتوں کے جواب سے دہریہ عاجز رہ جاتے ہیں۔

وَمَا لَھُمْ بِذٰلِکَ مِنْ عِلْمٍ (اور انہوں نے یہ جو کچھ کہا ہے اس کے بارے میں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے) اِنْ ھُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ بس اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں) ان لوگوں کی ان باتوں کی وجہ سے قیامت رک نہ جائے گی' وہ ضرور واقع ہوگی جو اس کے منکروں کے لئے عذاب شدید کا باعث بنے گی۔

منکرین قیامت کی حجت بازی

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اور جب ان کے اوپر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں جن میں قیامت واقع ہونے کا بھی تذکرہ ہوتا ہے اور اس کا امکان اور وقوع کے دلائل دیئے جاتے ہیں تو اصلی دلیل سے عاجز ہو کر کٹ حجتی پر اتر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت آنے کی جو خبر دے رہے ہو اگر تمہارا یہ خبر دینا سچ ہے تو ہمارے باپ دادوں کو سامنے لے آؤ جنہیں مرے ہوئے زمانہ دراز گزر چکا ہے اگر وہ لوگ زندہ ہو کر سامنے آجائیں تو ایک تو ہمیں موت کے بعد زندہ ہونے کا یقین آجائے گا دوسرے ہم ان سے پوچھ لیں گے کہ موت کے بعد کیا کیا ہوا اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا قُلِ اللّٰهُ یُحْیِیْكُمْ آپ فرما دیجئے کہ اللہ تمہیں زندگی دیتا ہے یعنی بے جان نطفہ سے پیدا فرماتا ہے) ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ (پھر تمہیں موت دے گا) ثُمَّ یَجْمَعُكُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ پھر وہ تمہیں قیامت کے دن جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں یعنی تم مانو یا نہ مانو ایسا ہونا ہی ہے اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں جو تمہارے کہنے کے مطابق تمہارے باپ دادوں کو زندہ فرمائے اس نے وقوع قیامت کی خبر دیدی امکان اور وقوع کے دلائل بیان فرما دیئے سب پر حجت پوری ہوگئی وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ اور ہدایت سے لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے نبیوں نے جو وقوع قیامت کی خبر دی ہے وہ سچ ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَىِٕذٍ یَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۲۷ وَتَرٰی

اور اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا، اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن باطل والے خسارہ میں پڑ جائیں گے، اور اے مخاطب تو

كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِیَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰی اِلٰی كِتٰبِهَا ۭ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۸ هٰذَا كِتٰبُنَا

ہر امت کو دیکھے گا کہ وہ گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی، ہر امت اپنی کتاب کی طرف بلائی جائیگی آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے، یہ ہماری کتاب

یَنْطِقُ عَلَیْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۲۹ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

ہے جو تمہارے بارے میں حق کے ساتھ بولتی ہے، بے شک ہم لکھوا لیتے تھے جو کچھ تم کرتے تھے، سو جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے

الصّٰلِحٰتِ فَیُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِیْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ۝۳۰ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ

ان کا رب انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا یہ کھلی ہوئی کامیابی ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا کیا تمہارے پاس میری

تَكُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ۝۳۱ وَاِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

آیات نہیں آئیں جو تم پر پڑھی جاتی تھیں؟ سو تم نے تکبر کیا اور تم مجرم قوم تھے، اور جب کہا گیا کہ بے شک اللہ کا وعدہ

حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ

حق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم نے کہا ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے ہم تو بس یوں ہی خیال کرتے ہیں اور ہم

بِمُسْتَیْقِنِیْنَ ۝۳۲ وَبَدَا لَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۳ وَقِیْلَ

یقین کرنے والے نہیں ہیں اور جو عمل انہوں نے کئے تھے ان کے برے نتیجے ظاہر ہوگئے اور جس چیز کی وہ مذاق بنایا کرتے تھے وہ ان پر نازل ہوگئی اور کہہ دیا جائے گا

اَلْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ
کہ آج ہم تمہیں بھولتے ہیں جیسا کہ تم آج کے دن کی ملاقات کو بھول گئے اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے اور تمہارے لئے کوئی مددگار نہیں یہ اس وجہ سے ہے
بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ
کہ تم نے اللہ کی آیات کو مذاق کی چیز بنالیا اور دنیاوالی زندگی نے تمہیں دھوکہ دیا سو آج وہ اس میں سے نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ان سے یوں کہا جائے گا کہ
يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي
راضی کرلو سو اللہ ہی کے لئے ہے سب تعریف جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمینوں کا اور رب ہے سارے جہانوں کا اور اسی کے لئے بڑائی ہے
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾
آسمانوں میں اور زمین میں اور وہ عزیز ہے حکیم ہے۔

قیامت کے دن اہل باطل خسارہ میں ہوں گے ہر امت گھٹنوں کے بل گری ہوئی ہوگی اور اپنی اپنی کتاب کی طرف بلائی جائے گی اہل ایمان رحمت میں اور اہل کفر عذاب میں ہونگے

تفسیر: یہ سورۃ الجاثیہ کے آخری رکوع کی آیات ہیں اول تو یہ فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کا ملک صرف اللہ ہی کے لئے ہے اسی نے سب کچھ پیدا فرمایا وہی خالق ہے اور مالک ہے اور باشادہ ہے ملک اور ملکوت سب اسی کا ہے پھر آخری دو آیتوں میں بھی اس مضمون کو دہرایا ہے درمیان میں قیامت کے احوال واہوال بیان فرمائے اور مومنین اور کافرین میں جو قیامت کے دن امتیاز ہوگا اس کا تذکرہ فرمایا اور مجرمین سے جو گفتگو ہوگی اس کو بتایا۔

ارشاد فرمایا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ (اور جس دن قیامت قائم ہوگی باطل والے یعنی مجرمین' منکرین' مشرکین' اور کافرین نقصان میں پڑ جائیں گے) ان لوگوں نے دنیا میں بہت کچھ کمایا مال حاصل کیا' جاہ اور شہرت کے لئے کوششیں کیں اپنی دنیاوی اغراض کے لئے حضرت انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب کی اور اس انداز سے زندگی گزاری جیسے ہمیشہ اسی دنیا میں رہیں گے' جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو تنہا ہوں گے نہ اولاد ہوگی نہ اصحاب ہوں گے نہ احباب ہوں گے جو جرم کئے تھے ان کی سزا ملے گی جو کچھ کمایا تھا وہ دنیا میں دھرارہ گیا اب جرم ہی جرم ہے خسارہ ہی خسارہ ہے بربادی ہی بربادی ہے۔

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً (اور جو بھی امتیں دنیا میں گزریں ان میں سے ہر امت گھٹنوں کے بل پڑی ہوئی ہوگی یعنی ہر شخص خائف اور پریشان ہو کر مذکورہ صورت اور حالت میں ہوگا یہ جاثیہ کا لفظی ترجمہ ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جاثیہ یعنی مُجْتَمِعَة ہے یعنی سب امتیں جمع ہوں گی۔

كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا (ہر امت کو اس کی کتاب یعنی اعمالنامے کی طرف بلایا جائے گا جو پہلے سے فرشتوں نے لکھ رکھے ہوں گے) یہ بلانا ہر ایک کا اعمالنامہ ہاتھ میں دینے کے لئے ہوگا جس کے بعد حساب کتاب شروع ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمان ہوگا اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (آج تمہیں ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے مزید ارشاد ہوگا هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ (یہ ہماری کتاب ہے (یعنی تمہارے اعمالنامے ہیں) جو تمہارے اعمال کے بارے میں بالکل صحیح گواہی دے رہے ہیں اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (بے شک ہم لکھوا لیتے تھے جو تم کرتے تھے) جو فرشتے اعمال لکھنے پر مامور تھے بندوں کے اعمال لکھنا ان کے سپرد تھا یہ انہیں کے لکھے ہوئے اعمالنامے ہیں جو بالکل صحیح ہیں۔

فائدہ:۔ لفظ جاثیہ کا ترجمہ اگر مُجْتَمِعَة ہو تو اس میں تو کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا اور اگر یہ معنی لئے جائیں کہ حساب کے وقت سب ادب سے دوزانوں بیٹھے ہوں گے تو اس پر بھی کوئی اشکال نہیں اگر یہ معنی لئے جائیں کہ حساب کے ڈر اور گھبراہٹ کی وجہ سے سب گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی امتوں کے صالحین کو ان میں سے عام مخصوص منہ البعض کے طور پر مستثنیٰ مان لیا جائے تب بھی اشکال باقی نہیں رہتا اگر لفظ كُــلّ کا مصداق سب ہی کو لیا جائے تو یہ بظاہر وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ کے معارض معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ اس کیفیت کی مدت اور مقدار بیان نہیں کی گئی اس لئے اگر ذرا دیر کو صالحین کی بھی یہ کیفیت ہو جائے تو یہ بھی معارض نہیں ہے۔

اس کے بعد اہل ایمان کی جزا بیان فرمائی فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو ان کا رب انہیں اپنی رحمت میں یعنی جنت میں داخل فرمائے گا' جہاں رحمت ہی رحمت ہوگی یہ جنت اور رحمت کھلی ہوئی کامیابی ہے پھر کافرین کی سزا کا تذکرہ فرمایا وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الآیـات) جن لوگوں نے کفر کیا قیامت کے دن عذاب میں داخل ہوں گے جب مصیبت میں گرفتار ہوں گے تو چھٹکارہ کے لئے معذرت کریں گے اس وقت ان سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال کیا جائیگا اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِىْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ کیا تمہارے اوپر میری آیات تلاوت نہیں کی جاتی تھیں؟ جب یہ آیات تمہارے پاس پہنچیں تو تم نے تکبر کیا اور حق قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھا، کفر پر قائم رہنے ہی میں تم اپنی بڑائی سمجھتے رہے وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ (اور تم جرم کرنے والے لوگ تھے) تم نے تکبر کیا حق کو ٹھکرایا مجرمانہ زندگی اختیار کی آج تمہارے لئے اسی جرم کی سزا کا فیصلہ کیا گیا ہے ان سے مزید خطاب ہوگا کہ دنیا میں تمہارا یہ حال تھا کہ جب تم سے یہ کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے قیامت ضرور آئے گی اس میں شک نہیں ہے تو جواب یوں دے دیتے تھے۔

مَّا نَدْرِىْ مَا السَّاعَةُ (ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے) اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا (ہم خیال نہیں کرتے مگر تھوڑا سا) مطلب یہ تھا کہ ہماری سمجھ میں تو نہیں آیا کہ قیامت قائم ہوگی تم لوگوں کے کہنے سے یوں ہی چلتا ہوا خیال دل میں آجاتا ہے وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ (اور ہم یقین کرنے والے نہیں ہیں)

یہ لوگ قیامت کا صرف انکار ہی نہیں کرتے تھے۔ اس کا مذاق بھی بناتے تھے اسی لئے فرمایا وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا (اور انہوں نے جو برے کام کئے تھے ان کے برے نتائج وہاں ان کے سامنے آجائیں گے) وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ

(اوران پروہ عذاب نازل ہوجائے گا جس کا استہزاء اور تمسخر کیا کرتے تھے) جب ان سے کہا جاتا تھا کہ قیامت پر ایمان لاؤ اور برے اعمال سے بچو تو حق کی دعوت کا مذاق بناتے تھے اس کا نتیجہ سامنے آ گیا۔

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ (اور مجرمین سے کہا جائے گا کہ آج ہم تمہیں بھلا دیتے ہیں (یعنی تمہیں عذاب میں ڈال کر چھوڑ دیتے ہیں جیسے کوئی چیز بھول بھلیاں کر دی جاتی ہیں' یہ نہ سمجھنا کہ کبھی عذاب سے چھٹکارہ ہو جائے گا) جیسے تم نے آج کے دن کو بھلایا ایسے ہی ہمیشہ کے لئے تمہیں رحمت سے محروم کر دیا گیا اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔

مجرمین سے مزید خطاب ہوگا کہ یہ جو کچھ نتیجہ (عذاب کی صورت میں) تمہارے سامنے ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کا مذق بنایا تھا اور تمہیں دنیا والی زندگی نے دھوکے میں ڈالے رکھا تھا' آج جب یہاں دوزخ میں ڈال دیئے گئے تو نہ عذاب سے نکالے جاؤ گے اور نہ یہ موقعہ دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لو یہ موقعہ دنیا میں تھا وہاں توبہ کر سکتے تھے اور اپنے رب کو راضی کر سکتے تھے' جب موت آ گئی اور اس کے بعد میدان حشر میں پہنچ گئے تو کوئی طریقہ خالق و مالک جل مجدہ کے راضی کرنے کا نہیں رہا۔

اللہ ہی کے لئے حمد ہے اور اسی کے لئے کبریاء ہے

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ (الى اخر السورة) (سو اللہ ہی کے لئے حمد ہے' جو آسمانوں کا بھی رب ہے اور زمین کا بھی رب ہے اور سارے جہانوں کا رب ہے اور اسی کے لئے بڑائی ہے آسمانوں میں زمین میں اور وہ عزیز بھی ہے اور حکیم بھی ہے اس کا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں)۔

وهذا اخر تفسير سُورة الجاثية، والحمد لله رب كل راكبةٍ وما شية والسلام على من علم اعمالاً لها أجورٌ باقيةٌ و على اٰله واصحابه الذين جاهدوا كل باغية وطاغية.

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الاحقاف مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں پینتیس (۳۵) آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا

حٰمٓ۔ یہ کتاب ہے اُتاری ہوئی اللہ کی طرف سے جو عزیز ہے حکیم ہے ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو

بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

مگر حق کے ساتھ اور ایک میعاد معین کے لئے اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ اس چیز سے اعراض کئے ہوئے ہیں جس سے ڈرائے گئے آپ فرما دیجئے کہ جن کو

مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ

تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو ان کے بارے میں بتاؤ مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کے اجزاء میں سے کیا پیدا کیا؟ کیا ان کے لئے آسمانوں میں

اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمَنْ اَضَلُّ

کوئی ساجھا ہے؟ لے آؤ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے ہو یا کوئی ایسا علم لے آؤ جو منقول ہو کر آیا ہو اگر تم سچے ہو اور اس سے

مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ

بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اللہ کے سوا اسے پکارتا ہو جو قیامت کے دن تک اس کا جواب نہ دے اور وہ ان کے پکارنے سے

غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ

غافل ہیں، اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت سے منکر ہوں گے اور جب ان پر واضح

اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ؕ

آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جن لوگوں نے کفر کیا وہ حق کے بارے میں کہتے ہیں جب ان کے پاس آ گیا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔

مشرکین کے باطل معبودوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا وہ جن کو پکارتے ہیں قیامت تک بھی جواب نہ دیں گے!

تفسیر: یہاں سے سورۃ الاحقاف شروع ہو رہی ہے اس سورت کے تیسرے رکوع میں احقاف کا ذکر ہے اس لئے یہ سورت اس نام سے موصوف اور مشہور ہوئی اوپر جن آیات کا ترجمہ کیا گیا اس میں تنزیل قرآن اور آسمان اور زمین

اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ ان سب کی تخلیق حکمت کے ساتھ ہے اور اجل مسمّٰی یعنی مقررہ وقت تک کے لئے ہے جب مقررہ معیاد پوری ہو جائے تو یہ چیزیں فنا ہو جائیں گی قال فی معالم التنزیل یعنی یوم القیامۃ وھو الاجل الذی تنتھی الیہ السمٰوٰت والارض ، وھو اشارۃ الی فنائھا (معالم التنزیل میں ہے "یعنی قیامت کا دن ہی وہ مقررہ وقت ہے جس پر آسمان و زمین اپنی انتہاء کو پہنچ جائیں گے اور یہ ان کے فناء ہونے کا اشارہ ہے") یہ سب کچھ توحید کے دلائل میں سے ہیں اس کے بعد مشرکین کی حماقت اور ضلالت بتائی کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق میں سے ان چیزوں کو پکارتے ہیں جو قیامت تک ان کا جواب نہیں دے سکتیں بلکہ انہیں خبر بھی نہیں ہے کہ ہمیں کوئی پکار رہا ہے۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں اور انہیں اپنی حاجات کے لئے پکارتے ہیں ان سے دریافت کیجئے کہ بتاؤ انہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا؟ کیا زمین کا کوئی حصہ انہوں نے پیدا کیا ہے یا زمین میں جو چیزیں ہیں ان میں سے کوئی چیز پیدا کی ہے۔ آپ ان سے یہ بھی دریافت کریں کیا انکا آسمانوں میں کوئی ساجھا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ نہ انہوں نے زمین میں کچھ پیدا کیا اور نہ آسمانوں میں ان کی شرکت ہے پھر وہ لائق عبادت کہاں سے ہو گئے؟ ان میں سے کوئی خالق نہیں اس کو تو تم بھی مانتے ہو اور خالق تعالیٰ شانہٗ کو چھوڑ کر مخلوق کی عبادت کرنا بہت بڑی حماقت ہے اس کو تو تمہاری عقل بھی تسلیم کرے گی اگر اسے کام میں لاؤ گے' عقل کے علاوہ کسی بات کے ماننے کا دوسرا راستہ یہ ہے کہ تمہارے پاس کوئی کتاب ہو جو قرآن سے پہلے تمہارے پاس آئی ہو جس نے غیر اللہ کی عبادت کی تعلیم دی ہو یا تمہارے پاس کوئی بات اکابر و اسلاف سے نقل در نقل پہنچی ہو جس نے شرک کی تعلیم دی ہو ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے بھی کوئی بات نہیں ہے پھر شرک کرنا انتہاء درجہ کی گمراہی ہوئی یا نہیں۔ قولہ تعالیٰ أَوْ أَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ فی معالم التنزیل ای بقیۃ من علم یوثر عن الاولین ای یسند الیھم قال مجاھد و عکرمۃ ومقاتل روایۃ عن الانبیاء وقال قتادۃ خاصۃ من علم واصل الکلمۃ من الاثر وھو الروایۃ. (معالم التنزیل میں ہے "یعنی باقی رہا ہوا علم جو پہلے لوگوں سے روایت کیا جائے یعنی جس کی سند اولین تک پہنچتی ہو عکرمہ، مجاہد اور مقاتل نے کہا مراد ہے انبیاء کرام سے روایت، قتادہ کہتے ہیں مخصوص علم اور اس کلمہ کی اصل اثر سے ہے جو کہ روایت ہی کو کہتے ہیں)

اس کے بعد فرمایا وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ (الآیۃ) (اور جب قیامت کے دن لوگ جمع کئے جائیں گے تو یہ عبادت کرنے والے اپنے معبودوں کے دشمن ہو جائیں گے یہ مفہوم اس صورت میں ہے جبکہ کانوا کی ضمیر مرفوع عَابِدِیْنَ کی طرف اور لَهُمْ کی ضمیر معبودین کی طرف راجع ہو اور یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اس کا عکس مراد ہو اور مطلب یہ کہ معبودین اپنے عابدوں کے دشمن ہو جائیں گے جیسا کہ سورۃ قصص میں ہے۔ تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ۔

منکرین قرآن کی ایک جاہلانہ بات

اس کے بعد منکرین قرآن کی ایک جاہلانہ بات نقل فرمائی اور وہ یہ کہ جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو قرآن کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے جب دلیل کا جواب دلیل سے نہ دے سکے اور قرآن کے بارے

میں کوئی سورت بنانے سے عاجز رہ گئے تو اسے جادو بتا دیا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے حضرات انبیاء سابقین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہا ہے سورۃ الذاریات میں فرمایا كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے پاس جو بھی رسول آیا اس کے بارے میں یہ ضرور کہا کہ یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا

کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا' آپ فرمادیجئے کہ اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا تو تم مجھے اللہ سے ذرا بھی نہیں بچا سکتے' وہ خوب جانتا ہے

تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۸ قُلْ مَا كُنْتُ

جن باتوں میں تم رہتے ہو وہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ کافی ہے وہ بڑی مغفرت والا ہے اور بڑی رحمت والا ہے' آپ فرمادیجئے کہ میں

بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَاۤ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ وَمَاۤ اَنَا

رسولوں میں سے کوئی انوکھا نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا میں صرف اس کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے

اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۹ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ

اور میں صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں' آپ فرمادیجئے کہ تم بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کے منکر ہو گئے

مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰

اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان لے آئے اور تم تکبر کرو' بے شک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

قریش مکہ کی اس بات کا جواب کہ آپ نے قرآن اپنے پاس سے بنالیا ہے

تفسیر: قریش مکہ کے سامنے جب قرآن مجید پڑھا جاتا تھا تو طرح طرح کی باتیں بناتے تھے ان میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ یہ قرآن مجید محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سے بنالیا ہے اور اس کی نسبت اللہ کی طرف کردی ہے یہ اللہ پر افتراء ہے اللہ تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا (العیاذ من ذالک) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپ ان سے فرمادیں کہ اگر میں نے اپنی طرف سے بنالیا ہے تو اللہ تعالیٰ میرا مواخذہ فرمائے گا اور مجھے اس کی سزا دے گا جیسا کہ سورۃ الحاقہ میں فرمایا وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ میں صحیح راستہ پر ہوں اللہ تعالیٰ نے جو مجھ پر وحی بھیجی ہے وہی سناتا ہوں اگر میں اس کا حکم نہ پہنچاؤں اور تمہیں راضی رکھنے کے لئے اس کی نافرمانی کروں تو تم مجھے اس کے عذاب سے نہیں بچا سکتے جب مجھے تم سے کوئی نفع پہنچ ہی نہیں سکتا تو مجھے کیا ضرورت ہے کہ تمہیں راضی کروں۔ هذا ما ظهر لي في معنى الآية الكريمة قال صاحب روح المعاني جواب ان في الحقيقة محذوف وهو عاجلني وما ذكر مسبب عنه اقيم مقامه أو تجوز به عنه. (یہ وہ ہے جو آیت کریمہ کے معنی میں مجھ پر واضح ہوا، صاحب روح المعانی

فرماتے ہیں درحقیقت ان کا جواب محذوف ہے اور وہ لَمَا جلنی ہے اور جو مذکور ہے وہ اسکا مسبب ہے جسے محذوف کا قائم مقام بنایا گیا ہے یا اس مذکور کیوجہ سے محذوف سے صَرف نظر کیا ہے)

هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُوْنَ فِيهِ (وہ ان باتوں کو خوب جانتا ہے جن میں تم لگے رہتے ہو) یعنی اللہ کی وحی کے بارے میں جو تم باتیں بناتے ہو کبھی اسے جادو بتاتے ہو کبھی افتراء سے تعبیر کرتے ہو ان سب باتوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے یہ نہ سمجھو کہ یہ صرف باتیں ہیں خوب سمجھ لو کہ ان کا بدلہ لے گا اور سزا دی جائے گی۔

كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ (میرے اور تمہارے درمیان اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے وہ میرے بارے میں اس بات کا گواہ ہے کہ میں اس کا رسول ہوں اور اس کی کتاب لایا ہوں اور تمہارے بارے میں اسکا گواہ ہے کہ تم حق کو جھٹلا رہے ہو اور اس کے قبول کرنے سے انکاری ہو میرے امر کا بدلہ مجھے ملے گا اور تمہاری تکذیب کی سزا تمہیں ملے گی وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (وہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی) تم توبہ کرو ایمان لاؤ وہ بخش دے گا یہ جو کفر کے ساتھ تمہیں رزق مل رہا ہے اور زندگی گزر رہی ہے یہ اس کی رحمت ہے اگر وہ رحم نہ فرماتا تو تمہیں وہ جلد ہی سزا دے دیتا۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (آپ فرما دیجئے کہ میں رسولوں میں سے انوکھا رسول نہیں ہوں) مجھ سے پہلے بھی رسول آئے جن کے بارے میں تمہیں علم ہے اور تواتر کے ساتھ ان کی خبریں پہنچی ہیں توحید کی جو دعوت انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دی ہیں وہی دعوت میں تمہیں دیتا ہوں ان سے بھی معجزات ظاہر ہوئے تم نے بھی میرے معجزات دیکھ لئے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائے بندوں کے تجویز کردہ معجزات کا ظہور ہونا ان کے نبی ہونے کے لئے شرط تھا نہ میری نبوت کے لئے ثبوت شرط ہے اگر تم غیب کی خبریں پوچھنا چاہتے ہو تو میں غیب دانی کا مدعی نہیں ہوں اور نہ غیب جاننا نبوت اور رسالت کے لئے شرط ہے وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ اور چونکہ میں غیب نہیں جانتا اس لئے مجھے یہ علم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا یعنی دنیا میں کیا حالات پیش آئیں گے اور میں نہیں جانتا کہ میری تکذیب کرنے کی وجہ سے تمہارا کیا حال ہوگا گزشتہ امتیں مختلف عذابوں کے ذریعے ہلاک کی گئیں اگر تم میری مخالفت پر قائم رہے ایمان نہ لائے تو تمہیں دنیا میں کیا سزا ملے گی میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ میں تو بس اسی کا اتباع کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے) وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اور میں تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں میں نے حق واضح کر دیا دلائل پیش کر دیئے اب نہ مانو تو تم جانو۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (آپ فرما دیجئے کہ تم یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب کے صدق پر گواہی دے کر ایمان لے آئے اور تم تکبر ہی میں رہو بلا شبہ اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا اس آیت میں مشرکین مکہ سے ایک سوال فرمایا اگر وہ اس میں غور کرتے اور جواب کے فکر مند ہوتے تو انہیں ایمان لانے کا راستہ مل جاتا اور کفر پر نہ جمے رہتے اس آیت سے پہلے گزر چکا ہے کہ مشرکین یوں کہتے تھے کہ یہ قرآن انہوں نے خود بنا لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی نسبت کر دی ہے اس آیت میں ان کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تم اس قرآن کے منکر ہو رہے ہو اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس کی گواہی دے دی کہ اس جیسی کتاب اللہ ہی کی طرف سے ہو سکتی ہے اور وہ ایمان بھی لے آیا اور تم تکبر میں مبتلا ہونے کیوجہ سے کفر پر ہی اڑے

رہے تو کیا یہ گمراہی نہیں ہے گمراہی پر جے رہنا اور بڑی گمراہی ہے۔ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا اور تم اپنے انکار تکذیب کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہو عذاب آجائے گا تو کچھ نہ کر سکو گے لہٰذا سوچو اور غور کرو اور ایمان لے آؤ مزید تشریح یہ ہے کہ اے منکرو تمہارے سامنے محمد رسول ﷺ کی نبوت کے ثابت کرنے اور قرآن کے اللہ کی کتاب ہونے کی بہت سی دلیلیں آچکی ہیں...... اب ایک اور بات تمہارے سامنے پیش کی جارہی ہے اور وہ یہ کہ بنی اسرائیل یعنی یہودی توریت شریف کے حامل تھے توریت شریف کو گم کرنے کے باوجود اس کے منتظر تھے کہ عرب میں سے ایک نبی تشریف لائیں گے ان میں سے کئی آدمی ایمان لاچکے ہیں اور وہ گواہی دے رہے ہیں کہ قرآن جیسی کتاب اللہ ہی کی طرف سے ہوسکتی ہے اپنی اس معرفت کی وجہ سے انہوں نے اسلام قبول کیا تم مانتے ہو کہ یہودی اہل علم ہے اور ان سے پوچھ کر سوالات بھی کر چکے ہو مثلاً یہ کہ روح کیا ہے اور اصحاب کہف کون تھے اور ذوالقرنین کون تھے تمہیں ان سوالات کے جوابات بھی مل گئے بنی اسرائیل میں سے جو لوگ ایمان نہ لائے انہوں نے بھی جوابوں کی تصدیق کی اب تمہیں ایمان سے روکنے والی کیا چیز ہے یہ روکنے والی چیز تکبر ہے جو تمہارے دلوں میں گھسا ہوا ہے اس تکبر کو چھوڑ دو ایمان قبول کرو ورنہ تمہارا برا انجام ہوگا جب حق سامنے آگیا تو بنی اسرائیل کے نیک دل افراد نے اسلام قبول کر لیا تمہیں بھی قبول کرنا لازم ہے اگر کفر پر جے رہے حق کو نہ مانا تو اسی پر مرجاؤ گے اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر نہ آئے تو گمراہی کی سزا ملے گی۔

قال صاحب الروح: ای وشهد شاهد عظیم الشأن من بنی اسرائیل الواقفین علی شئون الله تعالیٰ واسرار الوحی بما أوتوا من التوراة علی مثل القرآن من المعانی المنطویة فی التوراة من التوحید والوعد والوعید وغیر ذلک فانها فی الحقیقة عین ما فیه کما یعرب عنه قوله تعالیٰ (وانه لفی زبر الاولین) علی وجه وکذا قوله سبحانه: (ان هذا لفی الصحف الاولیٰ) (صاحب روح المعانی نے کہا ہے: یعنی بنی اسرائیل میں سے عظیم الشان گواہ نے گواہی دی، بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی سنتوں اور وحی کے اسرار سے توراۃ ملنے کی وجہ سے واقف تھے توراۃ میں قرآن کریم جیسے مضامین تھے مثلاً توحید، وعد و وعید وغیرہ بلکہ توراۃ کے مضامین بعینہٖ قرآن کریم کے مضامین میں تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد نے بھی اسے بیان فرمایا کہ **وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ** جیسا کہ یہ ارشاد الٰہی ہے کہ **اِن هذا لفی الصحف الأولیٰ**)

علیٰ مِثْلِهٖ کے بارے میں صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ لفظ مثل زائد ہے اور مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے گواہی دے دی کہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے اور ان کان من عند اللہ کے بارے میں فرمایا کہ اس کی جزا محذوف ہے **وهو الیس قد ظلمتم یدل علیٰ هذا المحذوف قوله ان الله لا یهدی القوم الظالمین.**
(اور وہ **اَلَیْسَ قَدْ ظَلَمْتُمْ** ہے اس پر **اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ** دلالت کرتی ہے)

اس کے بعد حضرت حسن سے نقل کیا ہے کہ اس کی جزا محذوف ہے اور وہ **فَمَنْ اضل منکم** ہے جیسا کہ سورۂ حم سجدہ کی آخری دو آیتوں سے پہلے فرمایا ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ کَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ (آپ فرمادیجئے کہ یہ بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو پھر تم نے اس کا انکار کیا تو کیا اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو دور دراز کی مخالفت میں پڑ گیا ہو)

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَیْهِ ؕ وَ اِذْ لَمْ یَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ

اور کافروں نے ایمان والوں کے بارے میں یوں کہا کہ اگر یہ ایمان لانا کوئی اچھی بات ہوتی تو یہ لوگ ہم سے آگے کیوں بڑھ جاتے اور جب قرآن کے ذریعہ انہوں نے ہدایت نہ پائی تو یوں کہیں گے

هٰذَاۤ اِفْكٌ قَدِیْمٌ ﴿۱۱﴾ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ وَ هٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا

کہ یہ پرانا جھوٹ ہے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہے جو پیشوا تھی اور رحمت تھی اور یہ کتاب ہے جو تصدیق کرنے والی ہے

عَرَبِیًّا لِّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ وَ بُشْرٰى لِلْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

عربی زبان میں ہے تاکہ ظالموں کو ڈرائے اور خوشخبری ہے اچھے کام کرنے والوں کے لئے بلاشبہ جن لوگوں نے یوں کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جمے رہے

فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ جَزَآءًۢ

تو ان پر کوئی خوف نہیں ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے یہ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ان کاموں کی عوض

بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

جو وہ کیا کرتے تھے۔

کافروں کی کٹ حجتی کی تردید توریت شریف کا امام اور رحمت ہونا اہل ایمان اور اہل استقامت کا انعام الٰہیہ سے سرفراز ہونا

تفسیر: انسانوں میں چھوٹائی بڑائی کو دیکھنے کا مزاج ہے مالدار لوگ اپنے کو غریبوں سے بہتر اور زیادہ سمجھدار سمجھتے ہیں اسی طرح بعض قبائل اپنے قبیلے کو دوسرے قبیلے سے برتر جانتے ہیں اسی سلسلہ کی ایک بات اللہ تعالیٰ نے یہاں نقل فرمائی ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید پر جب کچھ لوگ ایمان لے آئے تو جو لوگ کفر پر جمے رہے تو انہوں نے کہا کہ عقل وفہم اور احوال دنیاویہ کے اعتبار سے ہم ان لوگوں سے بہتر ہیں ہم ہر خیر کے مستحق ہیں اگر یہ دین بہتر ہوتا تو جو محمد رسول اللہ ﷺ پیش کرتے ہیں تو ہم اس کی طرف سبقت کرتے جب ہم اس کی طرف آگے نہ بڑھے اور یہ لوگ آگے بڑھ گئے جو دنیاوی احوال کے اعتبار سے پھسڈی ہیں اور ہم سے پیچھے ہیں تو معلوم ہوا کہ جس دین کو ان لوگوں نے قبول کیا ہے وہ بہتر نہیں ہے کوئی شخص ہم سے خیر میں آگے بڑھ جائے اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا جن کافروں نے یہ بات کہی انہوں نے اپنی جانوں کو بہت بڑا سمجھا، تکبر نے ان کا ناس کھو دیا اور ہدایت پر نہ آنے دیا اپنی جہالت اور حماقت سے کفر پر ہی جمے رہے اور ایمان قبول کرنے والوں کو حقیر سمجھا جب قرآن کے ذریعے ہدایت کا راستہ نہ پایا تو قرآن کے بارے میں کہہ دیا کہ یہ پرانا جھوٹ ہے وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ نے لکھوالی ہیں۔

یہ سب کچھ عناد کے طور پر تھا۔ قرآن کے چیلنج فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ کا جواب تو نہ دے سکے البتہ اسے اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ کہ کفر میں مزید ترقی کرلی دوسری آیت میں توریت شریف کا تذکرہ فرمایا کہ قرآن سے پہلے موسیٰ علیہ

السلام کو کتاب دی گئی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے مخاطبین کے لئے امام یعنی پیشوا اور رحمت بنایا تھا یہ کتاب یعنی قرآن گذشتہ کتب الٰہیہ کی تصدیق کرنے والا ہے عربی زبان میں ہے تاکہ یہ قرآن ظالموں کو یعنی مکہ معظمہ کے مشرکوں کو ڈرائے نیز اچھے کام کرنے والوں کے لئے بشارت ہے صاحب روح المعانی نے اس آیت کریمہ کا مطلب لکھا ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ یہ قرآن پرانا جھوٹ ہے تمہارا یہ قول کیسے صحیح ہوسکتا ہے جبکہ تم یہ مان چکے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل ہوئی اور قرآن اس کی تصدیق کرنیوالا ہے دونوں کے مضامین متحد ہیں جیسے توریت شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی قرآن بھی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمادیا اللہ تعالیٰ کی کتاب تسلیم کرنے سے کیا چیز مانع ہے جبکہ وہ عربی زبان میں ہے اس کے مضامین کو سمجھتے ہو اس جیسا بنا کر لانے سے عاجز ہو چکے ہو۔ (انتھی مع زیادۃ شرح من ھذا العبد الفقیر)

یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی اور یہ مطلب ہو کہ اس کتاب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام پر بھی کتاب نازل ہوئی تھی وہ پیشوا تھی اور رحمت تھی اسکو ماننے والے بھی تھے اور عمل کرنے والے بھی تھے اور ان کے مخالفین بھی تھے اسی طرح آپ پر جو کتاب نازل کی گئی اس کے ماننے والے بھی ہیں اور منکرین بھی، پس منکرین و مکذبین کی طرف سے جو ایذا پہنچے مثلاً اس کتاب کو پرانا جھوٹ بتائیں تو آپ صبر کریں جیسے موسیٰ علیہ السلام نے صبر کیا۔

اس کے بعد اصحاب استقامت کے بارے میں فرمایا کہ جن لوگوں نے رَبُّنَا اللّٰهُ کہا اللہ تعالیٰ کو رب ماننے کا اقرار کیا اور یہ اقرار زبانی نہیں تھا دل سے تھا اور محض وقتی طور پر نہ تھا اس پر وہ استقامت کے ساتھ جمے رہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے ان لوگوں کے لئے وعدہ ہے کہ انہیں کوئی خوف لاحق نہ ہوگا اور رنجیدہ بھی نہ ہوں گے در حقیقت استقامت بہت بڑی چیز ہے حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اسلام کے احکام تو بہت ہیں مجھے آپ ایک بتادیں جسے میں مضبوطی سے تھامے رہوں آپ نے فرمایا قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ کہ تم اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ (میں اللہ پر ایمان لایا) کہہ دو (پھر اس پر جمے رہو)۔

ان حضرات کو بشارت دیتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ جنت والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے دنیا میں جو نیک اعمال کرتے ہیں انہیں ان کا بدلہ دیا جائے گا۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ

اور ہم نے انسان کو تاکید کی کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے اس کی ماں نے اسے مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور مشقت کے ساتھ اس کو جنا اور اس کا حمل میں رہنا اور دودھ

ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ

چھڑانا تیس ماہ کی مدت میں ہے یہاں تک کہ وہ جب اپنی جوانی کو پہنچ گیا اور چالیس سال کی عمر کو پہنچا تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے اس بات پر قائم رکھیے کہ میں آپ کی

اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ

نعمت کا شکر ادا کروں جس کا آپ نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام فرمایا ہے اور اس بات پر بھی مجھے قائم رکھیے کہ میں نیک عمل کروں جس سے آپ راضی ہوں

وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ړ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۵ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ

اور میری اولاد میں بھی میرے لئے صلاحیت پیدا فرمادیجئے! بے شک میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور بلاشبہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں یہ وہ لوگ ہیں

نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْ أَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ط وَعْدَ الصِّدْقِ

جن کے اچھے کاموں کو ہم قبول کریں گے اور ان کے گناہوں سے درگزر کر دیں گے جنت والوں میں شامل کرتے ہوئے سچے وعدہ

الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعِدٰنِنِيْ أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ

کی وجہ سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا' اور جس نے اپنے ماں باپ سے کہا اُف ہے تمہارے لئے کیا تم مجھے یہ وعدہ دیتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا حالانکہ

مِنْ قَبْلِيْ ج وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ق إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ج فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ

مجھ سے پہلے امتیں گزر چکی ہیں اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں کہ ارے تیرا ناس ہو ایمان لے آ' بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچ ہے اس پر وہ کہتا ہے کہ

إِلَّآ أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ ﴿۱۷﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ

یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے حق میں اللہ کا قول پورا ہو کر رہا جو ان سے

قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ط إِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ج وَلِيُوَفِّيَهُمْ

پہلے جنات میں سے اور انسانوں میں سے گزر چکے ہیں' بلاشبہ یہ لوگ خسارہ والے ہیں' اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کی وجہ سے درجات ہیں' اور تاکہ اللہ ان کے

أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

اعمال کی پوری جزا دیدے' اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

والدین کے بارے میں وصیت' نیک بندوں کی دعا اور ان کا اجر' نافرمانوں کا عناد و انکار اور انکی سزا

تفسیر: یہ پانچ آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے انسانوں کو تاکید کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں یہ مضمون سورۃ العنکبوت رکوع اول اور سورۃ لقمان رکوع دو میں بھی گزر چکا ہے ماں باپ چونکہ ظاہری طور پر دنیا میں آنے کا سبب ہیں اور اپنے بچے کی دیکھ بھال اور پرورش اور پرداخت میں جان و مال لگاتے ہیں اپنا آرام کھوتے ہیں ان کے لئے مشقت برداشت کرتے ہیں اس لئے ان کی اطاعت کا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا۔

انسان کی والدہ جو تکلیف اٹھاتی ہے اس کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا انسان کو اس کی والدہ مہینوں پیٹ میں رکھتی ہیں حمل کے زمانے میں مشقت برداشت کرتی ہے پھر جب بچہ پیدا ہونے لگتا ہے تو عموماً وہ بھی مشقت اور تکلیف کے ساتھ پیدا ہوتا ہے بچہ جننے والی ماں کو دردِ زہ کی تکلیف بھی برداشت کرنی پڑتی ہے اور عین ولادت کے وقت بھی مصیبت کو سہنا پڑتا ہے۔

اس کے بعد یہ فرمایا کہ انسان کا ماں کے پیٹ میں رہنا پھر پیٹ سے باہر آ کر دودھ پینا اس میں تیس مہینے لگ جاتے ہیں یہ عام حالات کے اعتبار سے ہے۔ دودھ پلانے کے زمانہ میں بھی والدہ کو دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے باپ ضرورت کی

چیزوں کا اہتمام کرتا ہے مال کما کر لاتا ہے یہ دن بھی ماں باپ کے مشقت اور تکلیف سے گزرتے ہیں۔

اس کے بعد ان انسانوں کا حال بیان فرمایا جو اہل ایمان ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بھی احساس ہے اور ماں باپ کے خدمتوں کا بھی' ان کے بارے میں فرمایا کہ جب یہ اپنی جوانی کو پہنچ جاتے ہیں اور جوانی سے آگے بڑھ کر چالیس سال عمر ہو جاتی ہے (جو ہوش گوش سمجھ کے اعتبار سے بہت اچھی عمر ہوتی ہے نہ اس میں جوانی کی بہکانے والی امنگیں ہوتی ہیں اور نہ بڑھاپے والا ضعف ہوتا ہے) ایسے نیک آدمی کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں یوں دعا کرتا ہے کہ اے میرے رب مجھے اس بات کا پابند رکھیے اور استقامت دیجئے کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر ادا کروں جن سے آپ نے مجھے بھی نوازا ہے اور میرے والدین کو بھی (والدین کے نوازنے سے ظاہری اسباب کے طور پر میں وجود میں آیا) اور مجھے یہ بھی توفیق دیجئے اور اس پر قائم رکھیے کہ میں ایسے عمل کروں جن سے آپ راضی ہوں اور یہ نیک عمل کرنا جن میں والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بھی ہے مجھ ہی تک محدود نہ رہے میری ذریت میں بھی میرے نفع کے لئے صلاحیت پیدا فرما دیجئے (اس میں اولاد کے لئے اور اپنے لئے دنیا اور آخرت کی خیر کی دعا ہے' اولاد میں صلاحیت ہوگی تو نیک عمل کریں گے جن سے ماں باپ کی خوشی ہوگی اور ماں باپ کی جو خدمت کریں گے اس سے انہیں راحت ہوگی) اولاد مومن نیک صالح ہوگی (جن کے نیک بنانے میں ماں باپ کو بھی دخل ہوگا) تو آخرت میں بھی ان کے اعمال کا ثواب ماں باپ کو ملے گا (جبکہ اولاد کے ثواب میں کچھ کمی نہ آئے گی) نیز صالح اولاد ماں باپ کے لئے نیک دعا بھی کرتی ہے والدین کو اس کا نفع بھی پہنچے گا لفظ اَصۡلِحۡ لِیۡ میں لام ہے اس کے معنی کی طرف یہ تھوڑا سا اشارہ کیا ہے نیک انسان اللہ تعالیٰ سے نیک عمل کی بھی دعا کرتا ہے اور نیک اولاد کی بھی' اور اللہ کے حضور میں توبہ بھی کرتا رہتا ہے' نیز اپنی فرمانبرداری کا بھی اقرار کرتا رہتا ہے۔ اسی کو ان الفاظ میں نقل فرمایا اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡکَ وَاِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ (اے رب بے شک میں آپ کے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور بے شک میں فرمانبرداروں میں سے ہوں)۔

جن مومن بندوں کا اوپر تذکرہ ہوا ان کو خوشخبری دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ نَتَقَبَّلُ عَنۡهُمۡ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا (یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے اچھے کاموں کو ہم قبول کریں گے) وَنَتَجَاوَزُ عَنۡ سَیِّاٰتِهِمۡ (اور ہم ان کی برائیوں سے درگزر کر دیں گے) فِیۡۤ اَصۡحٰبِ الۡجَنَّةِ (یہ لوگ جنت والوں میں شمار ہوں گے)۔

قال صاحب الروح: کائنین فی عدادھم منتظمین فی سلکھم، (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اہل جنت کے شمار میں ہوں گے اور انہیں کے نظم سے وابستہ ہوں گے) وَعۡدَ الصِّدۡقِ الَّذِیۡ کَانُوۡا یُوۡعَدُوۡنَ (ان کا یہ جنت کا داخلہ اس وعدہ کے مطابق وموافق ہوگا جو وعدہ ان سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی زبانی کیا جاتا تھا' یہ وعدہ اللہ کی طرف سے تھا۔ سچا تھا پورا ہونا ہی تھا۔

فائدہ اُولیٰ

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی جوانی میں اور خاص کر جب چالیس سال کی عمر کو پہنچ جائے خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر کی طرف متوجہ ہونا چاہئے' یوں تو ہمیشہ ہی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر واجب ہے لیکن ہوش گوش

اور وقت وطاقت کے زمانہ میں اس طرف توجہ کرنا اور زیادہ ضروری ہے جو نعمت اپنی ذات پر ہے اور جو نعمت والدین پر ہے اس کا بھی شکر ادا کرے اور اپنی اولاد اور صلاح اور فلاح کے بارے میں فکر مند ہو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کے لئے دعا گو رہے۔

فائدہ ثانیہ

آیت کریمہ میں مدت حمل اور مدت رضاع (یعنی دودھ پلانے کا زمانہ) تیس ماہ بتایا ہے عامۃ الفقہاء نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ اس میں چھ ماہ حمل کے اور چوبیس ماہ دودھ پلانے کے زمانے کے ہیں لہٰذا حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینہ اور دودھ پلانے کی مدت زیادہ سے زیادہ چوبیس ماہ یعنی دو سال ہوئی دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے اس کے بارے میں سورۃ البقرہ میں فرمایا ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (اور مائیں اپنی اولاد کو دو سال پورے دودھ پلائیں (یہ) اس کے لئے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے) نیز سورۂ لقمان میں فرمایا ہے حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِىْ عَامَيْنِ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے) اس میں بھی یہ بتادیا کہ دودھ پلانے کا زمانہ دو سال ہے۔

قرآن حکیم میں حمل کی اکثر مدت نہیں بتائی صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے حمل کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول سے استدلال کیا ہے کہ بچہ پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں رہتا اگرچہ تکلہ کے سایہ کے برابر ہو حضرت عائشہ کا یہ قول امام دار قطنی نے روایت کیا ہے لیکن جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ بات کون کہتا ہے؟ یہ ہماری پڑوسن ہے اس کا ہر بچہ چار سال میں پیدا ہوتا ہے خود حضرت امام مالک کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اپنی والدہ کے پیٹ میں تین سال رہے وہیں ان کے دانت نکل آئے تھے چونکہ اس پر عامۃ الورود مسائل میں سے کوئی مسئلہ موقوف نہیں ہے اس لئے زیادہ بحث میں پڑنے کی ضرورت بھی نہیں۔

مدت حمل جو چھ ماہ بتائی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ چھ ماہ سے زیادہ حمل نہیں رہ سکتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ چھ ماہ پورا ہونا تو ضروری ہی ہے اس سے زیادہ بھی حمل کی مدت ہو سکتی ہے جیسا کہ عام طور پر نو ماہ میں بچے پیدا ہوتے ہیں۔

حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اس پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور تاریخ نکاح سے (چاند کے حساب سے) چھ ماہ پورے ہونے سے پہلے اس عورت کے بچہ پیدا ہو گیا تو یہ بچہ اس مرد کا نہیں مانا جائے گا اور اس شخص کی میراث کا مستحق نہیں ہوگا۔

فائدہ ثالثہ

كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا (کہ ماں نے مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور مشقت کے ساتھ جنا) پھر اس کے بعد دودھ پلانے کا ذکر فرمایا وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا دودھ پلانا اور اس زمانے میں بچہ کی خدمت کرنا یہ بھی ماں پر پڑتا ہے باپ کا کام اتنا ہے کہ پیسے کما کر لے آئے اور تھوڑی بہت بچے کی دیکھ بھال کرلیا کرے اور ماں کو بہت دیکھنا سنبھالنا

پڑتا ہے اسی لئے حدیث شریف میں ماں کی خدمت کرنے کی زیادہ تاکید فرمائی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ارشاد فرمائیے میری حسن مصاحبت (اور خدمت) کے اعتبار سے سب سے زیادہ کون مستحق ہے آپ نے فرمایا تیری والدہ' اس نے کہا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تیری والدہ! اس نے کہا پھر کون ؟ فرمایا تیری والدہ! سائل نے کہا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ۔ (صحیح البخاری ص ۸۸۳)

علماء کرام نے فرمایا کہ تین بار ماں کا حق اس لئے بیان فرمایا کہ وہ تین تکلیفیں اٹھاتی ہے۔ جن کا اوپر ذکر ہوا اور یہ بھی فرمایا کہ مال خرچ کرنے میں والدہ کا زیادہ خیال رکھنا لازم ہے

نیک بندوں کا جو اپنے والدین سے حسن تعلق ہونا چاہئے اس کا تذکرہ کرنے کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا جن میں بغاوت کی شان ہوتی ہے بعض ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو نہ صرف یہ کہ والدین کی نافرمانی کرتے ہیں بلکہ ایمان ہی نہیں لاتے جب والدین ان میں سے کسی سے کہتے ہیں کہ تو اللہ پر اور قیامت کے قائم ہونے پر ایمان لا تو وہ برے انداز میں انہیں جواب دے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تف ہے تم دونوں پر کیا باتیں کرتے ہو تم مجھ سے کہہ رہے ہو کہ میں قیامت کے دن قبروں سے نکالا جاؤں گا یہ بھی کوئی ماننے والی بات ہے مجھ سے پہلے کتنی امتیں گزر چکی ہیں ان کو بھی تمہارے جیسے لوگوں نے یہی کہا تھا کہ مرکر زندہ ہو جاؤ گے آج تک تو ان میں سے کوئی زندہ ہوا نہیں میرے نزدیک تو یہ صرف باتیں ہی باتیں ہیں' اس کی یہ بات سن کر ماں باپ اللہ سے فریاد کرتے ہیں کہ اسے ایمان کی توفیق دے اور اس سے کہتے ہیں وَيْلَكَ اٰمِنْ (تیرے لئے ہلاکت ہے ایمان لے آ) یعنی ان باتوں سے تو ہلاکت کے دھانہ پر کھڑا ہے ایمان لے آ تاکہ ہلاکت سے بچ جائے۔

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے) اس نے جو بتایا ہے اور پیشگی خبر دی ہے کہ مردے زندہ ہوں گے قبروں سے اٹھیں گے یہ وعدہ حق ہے ضرور پورا ہوگا قیامت ضرور آئے گی قبروں سے نکلنا ہوگا پیشی ہوگی' حساب ہوگا' یہ جو تو کہتا ہے کہ بہت سی امتیں گزر گئیں کوئی زندہ ہو کر نہیں آیا یہ اس کی دلیل نہیں ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ شانہ' نے اس کا جو وقت مقرر فرمایا ہے وہ اسی وقت آئے گی اس کے واقع ہونے میں دیر لگنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ آنی ہی نہیں ہے' یہ بات سن کر وہ شخص کہتا ہے کہ یہ دوبارہ زندہ ہونے اور قیامت قائم ہونے کی باتیں پرانے لوگوں کی باتیں ہیں نقل در نقل ہوتی چلی آرہی ہیں سچائی سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے (العیاذ باللہ) ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ (یہ وہ لوگ جن پر اللہ کی بات ثابت ہوگئی) یعنی ان کا عذاب میں مبتلا ہونا لازم ہوگیا) فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ (یہ لوگ جنات ہیں اور انسانوں کی اس جماعت میں شامل ہیں جن کو عذاب میں مبتلا ہونا ہے) اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ (بلاشبہ یہ لوگ خسارہ والے ہیں) ایمان لاتے تو جنت میں جاتے اور نعمتیں ملتیں اور کامیابی کی زندگی گزارتے' جب ایمان نہ لائے تو عذاب نار کے مستحق ہوئے ان کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔

پھر فرمایا وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (اور ہر ایک کے لئے درجات ہیں' اہل ایمان کو ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے جنت عالیہ میں درجات ملیں گے اور اہل کفر کو دوزخ کے طبقات سافلہ میں جانا ہوگا۔

قال فی الجلالین فدرجات المؤمن فی الجنة عالیه و درجات الکافر فی النار سافلة وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ (تفسیر جلالین میں ہے کہ جنت میں مؤمن کے درجات اوپر سے اوپر کو ہوں گے اور جہنم میں کافر کے

درجات نیچے سے نیچے ہوں گے) (اوران کے لئے درجات اس لئے مقدر اور مقرر کر دیئے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کی جزا پوری پوری دیدے) وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (اوران پر ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا) نہ کسی مومن کی نیکی ضائع جائے گی اور نہ کسی غیر مجرم کو سزا دی جائے گی۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ

اور جس دن کافروں کو آگ پر پیش کیا جائے گا' ان سے کہا جائے گا کہ تم نے اپنی لذتوں کو اپنی دنیا والی زندگی میں ختم کر لیا اور ان سے

بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

نفع حاصل کر لیا سو آج تمہیں سزا کے طور پر ذلت کا عذاب دیا جائے گا اس سبب سے کہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے

وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور اس سبب سے کہ تم نافرمانی کرتے تھے۔

کافروں سے کہا جائے گا کہ تم نے اپنی لذت کی چیزیں دنیا میں ختم کر دیں آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا

تفسیر: اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ قیامت کے دن جب کافروں کو آگ پر پیش کیا جائے گا یعنی دوزخ میں داخل کرنے کے لئے آگ کے سامنے لائے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ اب تمہارے لئے عذاب ہی عذاب ہے تمہیں یہاں آنے کا یقین نہیں تھا دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے دنیا ہی کے لئے جئے اسی کے لئے مرے لذت کی چیزوں کے پیچھے پڑے انہیں کو سب کچھ سمجھا' حلال سے حرام سے نفس کی ہر لذت پوری کی' اب تمہارے لئے لذت کی چیزوں میں سے کچھ نہیں ہے' جب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ایمان کی دعوت دیتے تھے اور قیامت پر ایمان لانے کو فرماتے تھے تو تم ایمان لانے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے اور برابر نافرمانی کرتے چلے جاتے تھے زمین میں ناحق تکبر کرنے اور نافرمانیوں میں بڑھتے چلے جانے کی وجہ سے آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا دنیا میں کفر پر جمے رہنے میں اپنی عزت سمجھی۔ آج اس کے عوض تمہارے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

علامہ بغویؒ معالم التنزیل میں لکھتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی توبیخ فرمائی کہ انہوں نے دنیا میں لذتوں سے استمتاع کیا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے صحابہؓ نے اور دیگر نیک بندوں نے دنیا کی لذتوں سے بچنے ہی کو ترجیح دی تاکہ آخرت میں ثواب ملے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اس پر کوئی بستر نہ تھا آپ کے جسم مبارک میں چٹائی کے نشان پڑ گئے تھے اور آپ چمڑے کے تکیہ پر ٹیک لگائے تھے جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے تاکہ آپ کی امت کو وسعت دیدے۔

فارس اور روم کے لوگوں کو مالی وسعت دی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے' یہ سن کر آپ ﷺ نے

فرمایا اے ابن خطاب کیا تم اب تک اسی میں ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی مزے کی چیزیں دنیا ہی میں دے دی گئی ہیں اور یہ بھی فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ ان کو دنیا مل جائے اور ہمیں آخرت مل جائے۔ (رواہ البخاری ومسلم کمافی المشکوٰۃ ص ۴۴۷)

حضرت زید بن اسلمؒ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پینے کے لئے کچھ طلب کیا لہٰذا آپ کی خدمت میں پانی پیش کیا گیا جس میں شہد ملا ہوا تھا حضرت عمرؓ نے اسے دیکھ کر فرمایا یہ ہے تو عمدہ چیز لیکن میں اسے پیوں گا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے خواہشیں پوری کرنے والے قوم کی خواہشوں کا برا انجام بتا دیا ہے ان سے کہا جائے گا اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِىْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا (تم نے اپنی مزے کی چیزوں کو دنیا میں ختم کر دیا اور ان سے نفع حاصل کر لیا) لہٰذا میں لذت کی چیزیں استعمال کرنے سے ڈرتا ہوں ایسا نہ ہو کہ وہ ہمیں دنیا ہی میں دے دی جائیں یہ فرمایا اور اس شہد کے ملے ہوئے پانی کو نہیں پیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۹)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے ہاتھ میں گوشت دیکھا تو فرمایا اے جابر یہ کیا ہے میں نے عرض کیا گوشت کھانے کی خواہش ہوئی تھی لہٰذا میں نے گوشت خریدا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ ہر چیز خرید لو گے جس کے لئے جی چاہے گا کیا تم اس آیت سے نہیں ڈرتے۔ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِىْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا معالم التنزیل

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ

اور قوم عاد کے بھائی کا ذکر کیجئے جبکہ اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا اور حال یہ ہے کہ ان سے پہلے اور پیچھے ڈرانے والے گزر چکے ہیں

خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا

یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو بے شک میں تم پر بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں وہ لوگ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹادے

عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ

سو تو جس کا ہم سے وعدہ کرتا ہے اسے لے آ اگر سچوں میں سے ہے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ علم اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تمہیں

مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ

وہ بات پہنچاتا ہوں جو میں دیکر بھیجا گیا ہوں اور لیکن میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ جہالت کی باتیں کر رہے ہو سو جب انہوں نے بادل کی صورت میں اسے اپنی وادیوں کے سامنے آتا ہوا دیکھا

قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ

تو کہنے لگے کہ یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا بلکہ یہ وہی چیز ہے جس کی تم جلدی مچار ہے تھے ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے وہ اپنے رب کے حکم سے

كُلَّ شَىْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

ہر چیز کو ہلاک کر دے گی سو وہ اس حال میں ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کوئی دکھائی نہ دیتا تھا ہم ایسے ہی مجرم قوم کو سزا دیا کرتے ہیں

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ

اور ہم نے انہیں ان چیزوں میں قدرت دی تھی جن میں تمہیں قدرت نہیں دی اور ہم نے ان کو سننے کی قوت دی اور آنکھیں بھی اور دل بھی سو نہیں

اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَاۤ اَبْصَارُهُمْ وَلَاۤ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِاٰیٰتِ
فائدہ نہ دیا ان کے کانوں نے اور ان کی آنکھوں نے اور ان کے دلوں نے کچھ بھی' اس لئے کہ وہ اللہ کی آیت کا انکار کرتے تھے
اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ۠ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى
اور انہیں اسی چیز نے آگھیرا جس کا وہ مذاق کرتے تھے' اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے ان بستیوں کو ہلاک کردیا جو تمہارے آس پاس تھیں
وَصَرَّفْنَا الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اور ہم نے بار بار اپنی نشانیاں بیان کردیں تا کہ وہ باز آجائیں سو اللہ کے سوا ان لوگوں کی انہوں نے کیوں مدد نہیں کی جنہیں انہوں نے
قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾
تقرب حاصل کرنے کے لئے معبود بنا رکھا تھا بلکہ وہ لوگ ان سے غائب ہوگئے' اور یہ ان کی تراشی ہوئی بات ہے' اور وہ بات ہے جس کو وہ جھوٹ بناتے ہیں۔

قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کی بعثت'
قوم کا انکار اور تکذیب' پھر ہلاکت اور تعذیب'

تفسیر: یہ پورے ایک رکوع کا ترجمہ ہے اس میں قوم عاد کے کفر وعناد کا اور حضرت ہود علیہ السلام کے تبلیغ کرنے کا پھر قوم عاد کے ہلاک ہونے کا تذکرہ ہے اس قوم کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام تھے جن کو یہاں اَخَا عَادٍ کے عنوان سے ذکر ہے چونکہ حضرت ہود علیہ السلام عاد ہی کے قوم میں سے تھے اس لئے اَخَا عَاد فرمایا' لفظ 'الاحقاف' حِقْفٌ کی جمع ہے۔ قوم عاد کا رہنا سہنا اور بودوباش یمن میں تھی جس علاقہ میں یہ لوگ رہتے تھے وہاں ریت کے پہاڑ تھے اس لئے اسے احقاف سے تعبیر فرمایا حقف اس پہاڑی کو کہتے ہیں جو گولائی لئے ہوئے اور نیچے جھکی ہوئی ہو ریت کی پہاڑیاں ایسی ہی ہوتی ہیں چونکہ ریت میں مضبوطی سے ٹھہرنے اور قرار پانے کی صلاحیت نہیں ہوتی اس لئے ڈھلتا چلا جاتا ہے۔

اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ جبکہ ہود علیہ السلام نے احقاف کے علاقہ میں اپنی قوم کو ڈرایا اور انہیں سمجھایا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ان سے پہلے بھی اللہ کی طرف سے پیغمبر آئے تھے جنہوں نے اپنی قوموں کو تبلیغ کی توحید کی دعوت دی اور انکار پر عذاب کی وعید سنائی حضرت ہود علیہ اسلام کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچائے اسی کو وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ سے تعبیر فرمایا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ (میں تم سے بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں) یعنی اگر تم نے حق کو قبول نہ کیا تو تم پر بڑا عذاب آئے گا۔

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا (کیا تم اس لئے آئے ہو کہ ہمارے جو معبود ہیں ہم ان کی عبادت کرنا چھوڑ دیں اور تم ہمیں ان کی عبادت سے ہٹا دو تم ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہو کہ میری دعوت پر عمل نہ کیا تو عذاب آجائے گا تم نے عذاب کی بڑی

رٹ لگائی اگر تمہارا یہ ڈرانا صحیح ہے اور واقعی تمہاری بات ہے کہ نہ ماننے پر ہم عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے تو بس لے آؤ......اگر قول سچا ہے تو دیر کی کیا ضرورت ہے؟

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے وہی جانتا ہے کہ کسی قوم پر کب عذاب آئے گا اور کب ہلاک ہوگی میرا کام عذاب لانا نہیں ہے مجھے اللہ نے جو پیغام دے کر بھیجا ہے میں تو اس کے پہنچانے کا پابند ہوں اور تمہیں اسی کی تبلیغ کرتا ہوں میں تو تمہیں حق کی دعوت دیتا ہوں اور تم جہالت کی باتیں کرتے ہو۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ (الآیۃ) (ان لوگوں پر عذاب آنے کی یہ صورت ہوئی کہ سخت گرمی کی وجہ سے گھروں کو چھوڑ کر باہر میدان میں آ گئے اسی حال میں انہیں ایک بادل آتا ہوا نظر آیا اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ بادل تو ہم پر پانی برسائے گا وہ پانی برسانے والا بادل کہاں تھا وہ تو وہی عذاب تھا جسکی جلدی مچا رہے تھے وہ عذاب ہوا کی صورت میں آ گیا یہ ہوا بہت سخت تھی جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کرتی جا رہی تھی۔

سورۂ ذاریات میں فرمایا مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ (وہ ہوا جس چیز پر پہنچتی تھی اسے ایسا بنا کر رکھ دیتی تھی جیسے چورا ہو) سورۃ الحاقہ میں فرمایا وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ (اور لیکن عاد سو ہلاک کے گئے تیز ہوا کے ذریعہ اللہ نے ان پر اس ہوا کو سات دن اور آٹھ رات لگاتار مسخر فرما دیا' اے مخاطب! تو دیکھے قوم کو اس ہوا میں پچھاڑے ہوئے پڑے ہیں گویا کہ وہ گری ہوئی کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہیں' کیا تو ان میں دیکھتا ہے کوئی باقی رہا)

فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ اس حال میں ہوئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔

كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ (ہم اسی طرح مجرم قوم کو سزا دیا کرتے ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب آسمان میں کوئی بادل دیکھتے تھے تو آپ کا رنگ بدل جاتا تھا اور آپ کبھی اندر جاتے اور کبھی باہر آتے' جب بارش ہو جاتی تو آپ کی یہ کیفیت جاتی رہتی تھی میں نے اس بات کو پہچان لیا اور اس بارے میں آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا اے عائشہ! میں ڈرتا ہوں ایسا نہ ہو جیسا قوم عاد نے بادل کو دیکھ کر کہا جو ان کی وادیوں کی طرف آ رہا تھا کہ یہ بارش برسانے والا ہے (لیکن بارش برسانے والا بادل نہ تھا) بلکہ ہوا کی صورت میں عذاب تھا جو ان پر نازل ہوا۔ (رواہ مسلم ص ۲۹۴/۲۹۵ ج ۱)

قوم عاد کی ہلاکت کا تذکرہ کرنے کے بعد اہل مکہ کو توجہ دلائی وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ (الآیۃ) اور ہم نے قوم عاد کو ان چیزوں کی قوت دی تھی جن کی قوت وقدرت تمہیں نہیں دی' ان کے پاس جو مالی وجسمانی قوتیں تھیں وہ تم سے کہیں زیادہ تھی' جب وہ کفر پر جمے رہنے کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے تو تمہاری کیا حیثیت ہے......؟ وہ لوگ نہ تو بہرے تھے نہ اندھے تھے نہ باولے بے وقوف تھے ہم نے انہیں کان بھی دیئے تھے اور آنکھیں بھی اور دل بھی لیکن جب ان پر عذاب آیا ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے کام نہ آئی نہ ان کے حواس ظاہرہ بچا سکے اور نہ کسی تدبیر سے عذاب سے محفوظ ہو سکے جس کا دل اور دماغ سے ادراک ہوتا ہے یہ عذاب کا ابتلاء اور عدم اغناء الجوارح والا معاملہ اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے (کوئی دنیاوی مصیبت عام حالات میں آ جائے تو کچھ حواس ظاہرہ سے اور کچھ عقل وفہم کے ذریعہ سوچ بچار کر

کے اور کوئی تدبیر نکال کر بھی کبھی کبھار مصیبت سے نکلنے کا کچھ راستہ نکل آتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے کی وجہ سے عذاب آتا ہے تو آنکھ کان سوچ سمجھ کچھ چیز فائدہ نہیں دیتی۔

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (اور ان پر وہ عذاب نازل ہو گیا جس کا مذاق بناتے تھے) یعنی اللہ کے نبی حضرت ہود علیہ السلام سے جو ٹھٹھہ کرتے تھے اور کہتے تھے کیا عذاب عذاب کی رٹ لگاتے ہو عذاب آتا ہے تو لے آؤ اپنی اس بات کا انہوں نے نتیجہ دیکھ لیا' عذاب میں مبتلا ہوئے اور بالکل برباد ہو گئے۔

اس کے بعد اہل مکہ سے مزید خطاب کرتے ہوئے فرمایا وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى (ہم نے تمہارے چاروں طرف کی بستیاں ہلاک کر دیں) اس سے یمن اور شام کی بستیاں مراد ہیں یمن کی بستیاں تو وہی قوم عاد والی بستیاں تھیں، اور جب اہل مکہ تجارت کیلئے ملک شام جاتے تھے تو قوم ثمود کی بستیوں پر اور حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کو دیکھا کرتے تھے ان کی تباہی و بربادی سے عبرت حاصل کرنا ضروری تھا لیکن عبرت نہیں لیتے تھے۔

وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (اور ہم نے انہیں بار بار نشانیاں بتا دی تھیں تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں) لیکن وہ باز نہ آئے بالآخر وہ ہلاک ہو گئے یہ ہلاک ہونے والے مشرک تھے اللہ کے سوا انہوں نے معبود بنا رکھے تھے اور ان کے تقرب کو اپنی مشکلات دور ہونے کا ذریعہ سمجھتے تھے جب عذاب آیا تو انہوں نے ذرا بھی مدد نہ کی بلکہ ان سے غائب ہو گئے ان لوگوں کی یہ بات کہ یہ معبود ہیں ان سے ہمیں فائدہ پہنچے گا جھوٹ تھی اپنی تراشی ہوئی تھی' جھوٹ سے کچھ فائدہ نہ پہنچا اسی کو فرمایا فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً سو اللہ کے سوا جن جن چیزوں کو انہوں نے تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی کیوں مدد نہ کی بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (بلکہ وہ سب ان سے غائب ہو گئے اور وہ محض ان کی تراشی ہوئی اور گھڑی ہوئی بات تھی)

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا

اور جب ہم نے آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو پھیر دیا جو قرآن سننے لگے سو جب یہ لوگ قرآن کے پاس حاضر ہوئے تو کہنے لگے کہ چپ رہو پھر جب

قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ

قرآن پڑھا جا چکا تو اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر چلے گئے' کہنے لگے اے ہماری قوم بے شک ہم نے ایسی کتاب سنی ہے جو

مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٠﴾ يٰقَوْمَنَآ

موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں وہ حق کی طرف اور سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دینے والی ہے اے ہماری قوم

اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣١﴾

اللہ کی طرف بلانے والے کی بات مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دیگا اور تمہیں سخت عذاب سے بچا دے گا'

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ

اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی بات نہ مانے تو زمین میں عاجز کرنے والا نہیں ہے اور اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی ولی نہ ہو گا'

أُولَٰٓئِكَ فِي ضَلَٰلٖ مُّبِينٍ ۝٣٢ أَوَلَمۡ يَرَوۡاْ أَنَّ ٱللَّهَ ٱلَّذِي خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضَ وَلَمۡ

یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا وہ ان

يَعۡيَ بِخَلۡقِهِنَّ بِقَٰدِرٍ عَلَىٰٓ أَن يُحۡـِۧيَ ٱلۡمَوۡتَىٰۚ بَلَىٰٓۚ إِنَّهُۥ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٖ قَدِيرٞ ۝٣٣ وَيَوۡمَ

کو پیدا کرنے سے نہیں تھکا' وہ اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرے ہاں اسے ضرور قدرت ہے' بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے' اور جس روز

يُعۡرَضُ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ عَلَى ٱلنَّارِ أَلَيۡسَ هَٰذَا بِٱلۡحَقِّۖ قَالُواْ بَلَىٰ وَرَبِّنَاۚ قَالَ فَذُوقُواْ

کافر لوگ آگ پر پیش کئے جائیں گے کیا یہ حق نہیں ہے؟ کہیں گے کہ قسم ہے ہمارے رب کی یہ ضرور امر واقعی ہے! ارشاد ہوگا تو چکھ لو

ٱلۡعَذَابَ بِمَا كُنتُمۡ تَكۡفُرُونَ ۝٣٤

عذاب اس سبب سے کہ تم کفر کرتے تھے۔

جنات کا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا پھر واپس جا کر اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دینا!

تفسیر: رسول اللہ ﷺ رسول الثقلین تھے یعنی آپ انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور جنات کی طرف بھی یہاں سورۃ الاحقاف میں اور سورۃ الجن میں جنات کا خدمت عالی میں حاضر ہونا اور آپ سے قرآن مجید سننا مذکور ہے علمائے حدیث نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنات کی آبادی میں تشریف لے گئے اور انہیں احکام دینیہ کی تبلیغ فرمائی محدثین کی اصطلاح میں اس کو لیلۃ الجن کہتے ہیں حضرات محدثین کرام نے فرمایا ہے کہ لیلۃ الجن کا واقعہ چھ مرتبہ پیش آیا معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ جنات کو تبلیغ کریں انہیں ایمان لانے کی دعوت دیں اور قرآن سنائیں پھر اللہ تعالیٰ نے نینوا البستی کے رہنے والے جنات میں سے ایک جماعت کو آپ کے پاس بھیج دیا آپ تشریف لے جانے لگے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ چلے گئے یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم چلتے چلتے شعب الحجون پہنچ گئے (المعلی کے علاقے کا پرانا نام الحجون ہے) وہاں پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے خط کھینچ کر میرے لئے جگہ تجویز فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ میرے واپس آنے تک اسی جگہ رہنا آپ مجھے چھوڑ کر آگے تشریف لے گئے وہاں قرآن کریم پڑھنا شروع کیا، آپ کے آس پاس گِدھوں جیسی چیزیں جمع ہو گئیں اور میں نے طرح طرح کی سخت آوازیں سنیں یہاں تک کہ مجھے آپ کی جان کا خطرہ ہو گیا آپ کی آواز بھی مجھ سے اوجھل ہو گئی پھر میں نے دیکھا کہ وہ لوگ بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح واپس جا رہے ہیں رسول اللہ ﷺ ان سے فارغ ہو کر فجر کے بعد تشریف لائے اور فرمایا کیا تمہیں نیند آ گئی تھی میں نے عرض کیا کہ مجھے نیند کیا آتی مجھے تو آپ کی جان عزیز کا خیال آ رہا تھا بار بار خیال ہوا کہ میں لوگوں کو بلاؤں تاکہ آپ کا حال معلوم کریں فرمایا اگر تم اپنی جگہ سے

چلے جاتے تو اس کا کچھ اطمینان نہیں تھا کہ ان میں سے تمہیں کوئی اچک لیتا' پھر فرمایا کیا تم نے کچھ دیکھا عرض کیا کہ میں نے کالے رنگ کے لوگوں کو دیکھا جو سفید کپڑے لپیٹے ہوئے تھے آپ نے فرمایا کہ یہ شہر نصیبین کے جنات تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے لئے کچھ بطور خوراک تجویز فرما دیجئے لہٰذا میں نے ان کے لئے ہڈی اور گھوڑے وغیرے کی لید' نیز اونٹ اور بکری وغیرہ کی مینگنی تجویز کردی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان چیزوں سے ان کا کیا کام چلے گا؟ فرمایا وہ جو بھی کوئی ہڈی پائیں اس پر اتنا ہی گوشت ملے گا جتنا اس دن تھا جس دن اس سے گوشت چھڑایا گیا اور جو بھی لید پائیں گے انہیں اس پر وہ دانے ملیں گے جو جانوروں نے کھائے تھے (جن کی لید بن گئی تھی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے سخت آوازیں سنیں یہ کیا بات تھی؟ فرمایا جنات میں ایک قتل ہو گیا تھا وہ اسے ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے وہ میرے پاس فیصلہ کرانے کے لئے آئے تھے میں نے ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ہڈی کو جنات کی خوراک اور مینگنی کو ان کے جانوروں کی خوراک تجویز کیا اور اس کی وجہ سے ان سے استنجا کرنے کی ممانعت فرما دی۔

ایک روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان یوں بھی نقل کیا گیا ہے کہ لیلۃ الجن کی صبح کو رسول اللہ ﷺ غارِ حرا کی طرف سے تشریف لائے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم رات بھر آپ کو ڈھونڈتے پھرے آپ سے ملاقات نہ ہو سکی' فکر اور غم میں ہم نے پوری رات گزاری آپ نے فرمایا کہ جنات کی طرف سے ایک بلانے والا میری طرف آیا تھا میں اس کے ساتھ چلا گیا تھا۔ اور ان کو قرآن مجید سنایا۔

جنات نے قرآن مجید سنا تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش رہو دھیان سے سنو جب آپ نے تلاوت ختم فرما دی تو جنات واپس ہو گئے اور ساتھ ہی مبلغ اور داعی بھی بن گئے واپس ہو کر انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم نے ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہے یہ کتاب واقعی اللہ کی کتاب ہے جو کتابیں اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئیں ان کی تصدیق کرنے والی اور حق کی طرف اور راہ مستقیم کی طرف ہدایت دیتی ہے اس سے بعض مفسرین نے یہ بات ثابت کی کہ یہ جنات جنہوں نے آپ سے قرآن مجید سنا پھر واپس ہو کر اپنی قوم کو دین اسلام کی دعوت دی یہ لوگ یہودی تھے) جنات کی مذکورہ بالا کی جماعت نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے مزید کہا کہ اللہ کے داعی یعنی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی بات مانو ان پر ایمان لاؤ جب ایمان لے آؤ گے اللہ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے بچا دے گا جو جنات ایمان لے آئے ان کا اجر و ثواب یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرما دے گا اور عذاب سے محفوظ فرما دے گا اس میں داخلہ جنت کا ذکر نہیں ہے چونکہ مومن جنات کے جنت میں داخل ہونے کا کسی آیت کریمہ میں واضح اور صریح تذکرہ نہیں ہے اور کوئی حدیث مرفوع صحیح صریح بھی اس بارے میں نہیں ملتی اس لئے مسئلہ اختلافی ہو گیا ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے ایمان کا صلہ بس یہی ہے کہ دوزخ سے محفوظ کر دیئے جائیں اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ جیسا کہ جانوروں کے لئے یہی ارشاد ہوگا لہٰذا وہ مٹی ہو جائیں گے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے اس میں توقف فرمایا ہے جنت میں داخل ہونے نہ ہونے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَمَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰہِ (الآیہ) (یہ جنات کے کلام کا تمتہ ہے یا جملہ مستأنفہ ہے؟ دونوں صورتیں ہوسکتی ہیں اس میں یہ اعلان فرمادیا کہ جو کوئی شخص اللہ کے داعی کی بات نہ مانے یعنی ایمان نہ لائے تو وہ اپنا ہی نقصان کریگا اور عذاب میں گرفتار ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف جب گرفت ہوگی تو کہیں بھاگ کر نہیں جاسکے گا اور اللہ کے سوا کوئی مدد نہ کرسکے گا جس نے اللہ کے داعی کی نافرمانی کی وہ واضح گمراہی میں ہے۔

جو لوگ توحید کے منکر ہوتے ہیں وقوع قیامت کے بھی قائل نہیں ہوتے لہٰذا دعوت توحید کے بعد وقوع قیامت کا بھی تذکرہ فرمایا اور منکرین کا استبعاد دور کرتے ہوئے فرمایا کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا' اس کو تو تم مانتے ہو اتنی بڑی بڑی چیزوں کو پیدا فرمایا اور اسے ذرا بھی تھکن نہیں ہوئی جس نے ان کو پیدا فرمادیا کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ انسانوں کو اور دوسری چیزوں کو موت دے کر دوبارہ زندہ فرمائے؟ تم تو غور ہی نہیں کرتے اگر غور کرو گے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آجائے گی بَلٰی وہ ضرور دوبارہ پیدا کرسکتا ہے مردوں کو زندہ کرسکتا ہے اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

اس کے بعد کافروں کو یاد دہانی فرمائی کہ قیامت کے دن جب اہل کفر آگ پر پیش کئے جائیں گے یعنی اس میں داخل ہونے لگیں گے تو ان سے کہا جائے گا کیا یہ حق نہیں ہے)؟ (دنیا میں جب تم سے کہا جاتا تھا کہ کفر کی سزا دوزخ ہے تو تم اسے نہیں مانتے تھے اور جو حضرات اس بات کی خبر دیتے تھے تم اس کا مذاق بناتے تھے اب بولو کیا کہتے ہو کیا یہ آگ جو تمہارے سامنے ہے اس کا سامنے ہونا اور تمہارا اس میں داخل ہونا حق ہے یا نہیں قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا وہ اس پر کہیں گے کہ ہاں واقعی یہ حق ہے ہم مانتے ہیں تصدیق کرتے ہیں وہ اس بات کو قسم کھا کر کہیں گے لیکن اس وقت اقرار اور قسم سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ ارشاد ربانی ہوگا کہ اپنے کفر کی وجہ سے عذاب چکھ لو۔

فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّھُمْ ؕ کَاَنَّھُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا

سو آپ صبر کیجئے جیسے ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا' اور ان لوگوں کے لئے جلدی نہ کیجئے جس دن یہ لوگ

یُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَۃً مِّنْ نَّھَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَھَلْ یُھْلَکُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

وعدہ کی چیز کو دیکھیں گے گویا صرف دن کی ایک گھڑی ٹھہرے تھے یہ پہنچا دینا ہے سو ہلاک نہیں ہوں گے مگر نافرمانی کرنے والے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور صبر کی تلقین

تفسیر: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور محنت اور جدوجہد برابر جاری رہی آپ کے مخاطبین انکار و عناد پر تلے ہوئے تھے اس سے آپ کو رنج ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دینے اور صبر کی تلقین کرنے کے لئے فرمایا فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (سو آپ صبر کیجئے جیسے ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا) وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّھُمْ (ان لوگوں کے لئے جلدی نہ کیجئے) یعنی ان پر جلدی عذاب آجائے اس فکر میں نہ پڑیئے کَاَنَّھُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا یُوْعَدُوْنَ لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَۃً مِّنْ نَّھَارٍ (جس دن یہ لوگ وعدہ کی چیز کو دیکھیں گے گویا کہ دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے یعنی عذاب میں جو دیر لگ رہی ہے وہ اس کیوجہ سے یہ سمجھ

رہے ہیں کہ عذاب نہیں آئے گا لیکن جب عذاب آجائے گا تو وہ یوں سمجھیں گے کہ دنیا میں جو زندگی گزاری وہ صرف ایک گھڑی ہی تھی دنیا کی لمبی زندگی کو جس میں خوب مزے کئے اسے شدت عذاب کی وجہ سے بھول جائیں گے بَلٰغٌ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی یہ جو کچھ تمہیں بتایا گیا سنایا گیا نصیحت اور موعظت کے اعتبار سے کافی ہے' بعض حضرات نے فرمایا کہ ھٰذا جو محذوف ہے اس کا مشار الیہ قرآن مجید ہے' مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے اللہ کی طرف سے تمہیں حق پہنچا دیا ثواب کی چیزیں بھی بتا دیں گناہ کے کاموں سے بھی آگاہ کر دیا تبلیغ کا حق ادا کر دیا اب عمل نہ کرو گے تو عذاب میں گرفتار ہو گے۔

فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ (سو عذاب کے ذریعہ فاسق لوگ ہی ہلاک ہوں گے) جو اللہ کے باغی ہیں اس کی فرماں برداری سے دور ہیں۔

فائدہ: آیت کریمہ میں جو اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ فرمایا ہے بعض حضرات کے نزدیک مِنْ بیانیہ ہے اور ان حضرات کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام رسول اولوالعزم یعنی ہمت اور حوصلہ والے تھے جیسے ان حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجئے اس کی تفسیر کی بناء پر تمام انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام اولوالعزم کی صفت سے متصف تھے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ مِنْ تبعیضیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رسول بھیجے تھے ان میں جو اولوالعزم تھے آپ ان کا اتباع کیجئے جب یہ تفسیر کر دی گئی تو یہ سمجھنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ان حضرات میں کون کون اولوالعزم تھے پھر ان حضرات کے نام تجویز کئے گئے کسی نے صرف حضرت یونس علیہ السلام کا استثناء کیا اور کہا کہ وہ اہل عزم نہیں تھے کیونکہ انہوں نے اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے جانے میں جلدی کی تھی اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نے نبی اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ فرمایا ہے (اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اولوالعزم سے وہ حضرات مراد ہیں جو سورۂ انعام کی آیات وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ میں مذکور ہیں اور یہ اٹھارہ ہیں ان کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی سو آپ ان کی ہدایت کا اتباع کیجئے اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اولوالعزم سے وہ حضرات مراد ہیں جو اصحاب شرائع تھے یعنی حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام یہ چار ہیں پانچویں صاحب شریعت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

قال العبد الفقیر ان القول الاوّل اصح لان سیاق الکلام یدل علی کثرتھم لا علی عدد قلیل فتدبرْ.
(بندہ عاجز کہتا ہے کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ سیاق کلام ان کی کثرت پر دلالت کرتا ہے نہ کہ قلت پر، بس غور کرنا چاہئے)

وھذا آخر تفسیر سورۃ الاحقاف انعم اللہ بتمامه وحسن ختامه وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سید رسله محمد المصطفیٰ وعلی آله وصحبه اولی الاحلام والنھی.

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ محمد (ﷺ) جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی جس میں اڑتیس آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع فرما دیا' اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے

الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ

اور جو کچھ محمد پر نازل ہوا اس پر ایمان لائے اور وہ ان کے رب کی طرف سے امر واقعی ہے اللہ ان کے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور ان کے حال کو درست

بَالَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ

فرما دے گا' یہ اس وجہ سے کہ کافروں نے باطل کا اتباع کیا' اور بے شک جو لوگ ایمان لائے انہوں نے حق کا اتباع کیا جو ان کے

رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝

رب کی طرف سے ہے اسی طرح اللہ لوگوں کے لئے ان کے احوال بیان فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے والوں کی بربادی' اور اہل حق پر انعام کا اعلان

تفسیر: یہاں سے سورۂ محمد ﷺ شروع ہو رہی ہے۔

آیات مذکورہ بالا میں اہل کفر اور اہل ایمان کے درمیان فرق واضح فرمایا ہے اور اہل کفر کی سزا اور اہل ایمان کی جزا بیان فرمائی ہے اول تو یہ فرمایا کہ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے کفر و شرک پر تو کسی خیر کی امید رکھنے کا کوئی سوال ہی نہیں اہل کفر جو بعض مرتبہ صلہ رحمی یا خدمت خلق کے کام کرتے ہیں آخرت میں ان چیزوں کا بھی کچھ نہیں ملے گا اعمال ضائع کرنے کا سبب کفر ہی بہت ہے پھر اوپر سے جنہوں نے اللہ کے راستے روکنے کا جو کام کیا یہ ان کے اعمال ضائع ہونے کا ایک مزید سبب بن گیا مومنین کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ ان کے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور ان کے احوال کی اصلاح فرما دے گا آیت کریمہ میں ایمان کی تعریف فرماتے ہوئے وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ فرمایا اس میں یہ بتا دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد کسی کا ایمان اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ محمد ﷺ پر ایمان نہ لائے اور ساتھ ہی وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ فرمایا جس میں محمد رسول اللہ ﷺ کے رسول ہونے کی اور جو کچھ آپ پر نازل ہوا ہے اللہ کی طرف سے اس کے اتارے جانے کی توثیق اور تصدیق فرمائی اور یہ بتا دیا کہ آپ کا دعویٰ رسالت اور دعویٰ نزول کتاب من اللہ حق ہے اور صحیح ہے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ یہ جو اہل کفر کی بدحالی ہوگی اور اہل ایمان کے حال کو اللہ تعالیٰ سدھار دے گا یہ اس وجہ سے ہے کہ

کافروں نے باطل کا اتباع کیا اور اہل ایمان نے حق کا اتباع کیا' اتباع الحق کے ساتھ لفظ مِنْ رَّبِّهِمْ بھی فرمایا اس میں یہ بتادیا کہ حق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو (اس نکتہ کو یاد رکھنا چاہئے)

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ (اللہ تعالیٰ اسی طرح لوگوں کے لئے امثال بیان فرماتا ہے) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ امثال سے احوال مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ مومنین اور کافرین کے احوال بیان فرماتا ہے مومنین کو حق پر بتاتا ہے اور ان کے نتیجے میں فلاح اور فوز کی بشارت دیتا ہے اور کافروں کے بارے میں بتاتا ہے کہ وہ باطل کا اتباع کرتے ہیں جس کا نتیجہ خیبت اور خسران ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا

سو جب کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب تم اچھی طرح سے ان کی خوں ریزی کردو تو خوب مضبوط باندھ دو پھر

مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ ذٰلِكَ ؕ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ۙ

اس کے بعد یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دو یا ان کی جانوں کا بدلہ لے کر چھوڑ دو جب تک کہ لڑائی اپنے ہتھیاروں کو نہ رکھ دے' یہ اسی طرح ہے اور اگر اللہ چاہے تو ان سے انتقام لے لے

وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ④

اور لیکن تا کہ تم میں بعض کا بعض کے ذریعہ امتحان فرمائے' اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے سو اگر ہرگز ان کے اعمال ضائع نہ فرمائے گا'

سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ⑤ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ⑥ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ

وہ انہیں عنقریب مقصود تک پہنچا دے گا اور ان کا حال درست فرما دے گا اور انہیں جنت میں داخل فرما دے گا جس کی انہیں پہچان کرادے گا۔ اے ایمان والو!

تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ⑦ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ⑧

اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا اور جن لوگوں نے کفر کیا سو ان کے لئے ہلاکت ہے اور اللہ ان کے اعمال کو ضائع کردے گا'

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ⑨ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ

یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اس چیز کو مکروہ جانا جو اللہ نے نازل فرمائی سو اس نے ان کے اعمال کو اکارت کردیا۔ کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے سو انہوں نے

كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۖ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ⑩ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى

نہیں دیکھا کیسا ہوا ان کا انجام جو اُن سے پہلے تھے اللہ نے ان پر تباہی ڈال دی اور کافروں کے لئے اسی قسم کی چیزیں ہیں' یہ اس وجہ سے کہ اللہ ایمان والوں

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ⑪ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

کا مولیٰ ہے اور بے شک کافروں کے لئے کوئی بھی مولیٰ نہیں' بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اللہ انہیں

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا

ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں وہ عیش کررہے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جس طرح چوپائے

تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿١٢﴾ وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّن قَرْيَتِكَ الَّتِي

کھاتے ہیں اور جہنم انکا ٹھکانہ ہے' اور بہت سی بستیاں تھیں جن کے رہنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا یہ بستیاں آپ کی بستی سے زیادہ سخت تھیں جنہوں نے

أَخْرَجَتْكَ أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿١٣﴾ أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ

آپ کو نکال دیا' ان بستیوں کا کوئی مددگار نہ ہوا جو لوگ اپنے پروردگار کے واضح راستہ پر ہوں کیا وہ ان شخصوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی

عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُم ﴿١٤﴾

بدعملی ان کو اچھی چیز بتائی گئی اور جو اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہوں۔

جہاد و قتال کی ترغیب' قیدیوں کے احکام' مجاہدین اور مقتولین کی فضیلت

تفسیر: یہ آیات متعدد مضامین پر مشتمل ہیں جہاد اور قتال کے بعض مسائل بتائے ہیں اور فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کی فضیلت ظاہر فرمائی ہے اور کافروں کی بدحالی اور بربادی کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو جائے اور قتل و قتال کی نوبت ہو جائے تو دشمنان اسلام کے قتل کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کرو' ان میں سے جو قتل ہو جائیں ان کے علاوہ جو زندہ ہوں ان کو قید کر لو اور اچھی طرح کس کے ان کو باندھو اس کے بعد ان کو احسان کے طور پر یا اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے بدلہ ان کو چھوڑ دو۔

اس کی تشریح اور تفسیر یہ ہے کہ جب دو قوموں میں جنگ ہوتی ہے تو جنگ کرنے والے مقتول بھی ہوتے ہیں اور ایک فریق دوسرے فریق کے افراد کو قید بھی کر لیتا ہے مجاہدین اسلام دشمن کے افراد کو قید کر لیں تو ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے اس کے بارے میں یہاں سورۂ محمد (ﷺ) میں دو حکم بیان فرمائے ہیں اول یہ کہ ان پر احسان کر دیا جائے یعنی بغیر کسی معاوضہ کے چھوڑ دیا جائے یا دوم یہ کہ اپنے قیدیوں کے بدلہ میں انہیں چھوڑ دیں یعنی امیر المومنین اپنے قیدی ان سے واپس لے لے اور ان کے بدلہ کافر قیدیوں کو واپس کر دے تیسری صورت یہ ہے کہ مالی عوض لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے قیدیوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا اور چوتھی صورت یہ کہ انہیں قتل کر دیا جائے قتل کرنا اور فدیہ لے کر چھوڑ دینا سورۂ انفال میں مذکور ہے۔

اور پانچویں صورت یہ ہے کہ انہیں غلام باندی بنا کر مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے اور ایک صوت یہ ہے کہ ان قیدیوں کو ذمی بنا کر دار الاسلام مین رکھ لیا جائے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک بالکل ہی بطور احسان کے چھوڑ دینا کہ نہ قیدیوں کا تبادلہ ہو اور نہ مال لیا جائے اور نہ ذمی بنایا جائے یہ جائز نہیں ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن جلد دوم ص ۳۹۲ میں لکھتے ہیں کہ سورۂ انفال سورۂ (محمد ﷺ) کے بعد نازل ہوئی سورۂ محمد میں جو مَنّ اور فداء کی اجازت ہے اس کو سورۂ برأت کی آیات فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ اور قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ نے منسوخ کر دیا لہٰذا فدا اور مَن کی اجازت نہیں رہی فو جب ان

یکون الحکم المذکور فیھا ناسخاللفداء المذکور فی غیرھا اھ (پس ضروری ہے کہ اس میں مذکور حکم فدیہ کے اس حکم کیلئے ناسخ ہو جو دوسری جگہ مذکور ہے) کافر قیدیوں کو بلاعوض مالی یا مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کے لئے بطور مبادلہ چھوڑ دیا جائے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جائز قرار نہیں دیا اور حضرات صاحبین اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسا کرنا درست ہے رہی یہ بات کہ کافر قیدیوں کو مال لیکر چھوڑ دینا جائز ہے یا نہیں اس کے بارے میں حنفیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ بھی جائز نہیں ہے البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیر کبیر میں لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں کو مال کی حاجت ہو تو ایسا بھی کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا ہے وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ (اور اگر اللہ چاہے تو کافروں سے انتقام لے) یعنی کسی طرح کا کوئی بھی عذاب دے کر ہلاک فرمادے وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ اور لیکن تا کہ تم میں سے بعض کا بعض کے ذریعے امتحان فرمائے یعنی تمہیں جو جہاد کا حکم دیا اس میں تمہارا امتحان ہے کہ وہ کون ہے جو جانتے ہوئے بھی کہ مقتول بھی ہو سکتا ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانتا ہے اور جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوتا ہے اور اس میں کافروں کا بھی امتحان ہے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں آ کر مقتول ہونے اور شکست کھانے اور مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد کا معاملہ دیکھ کر حق کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔

پھر فرمایا وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے اللہ ہرگز ان کے اعمال ضائع نہ فرمائے گا) اس میں یہ بتادیا کہ جہاد میں امتحان کی حکمت کے ساتھ ساتھ تمہارا فائدہ بھی ہے اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤ گے تو یہ صرف امتحان کی کامیابی تک محدود نہیں رہے گا بلکہ تمہارے اعمال کے عوض بڑے بڑے انعامات ملیں گے) شہادت کا درجہ عطا کیا جائے گا۔

سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ (اللہ انہیں منزل مقصود تک پہنچا دے گا اور ان کا حال درست فرما دے گا) قبر، حشر اور تمام مواقع میں ان کا حال درست فرما دے گا وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ اور انہیں جنت میں داخل فرما دے گا جو ان کی منزل مقصود ہے عَرَّفَهَا لَهُمْ (اللہ نے انہیں جنت کی پہچان کرادی) یعنی دنیا میں اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ انہیں اس کی پہچان کرادی ہے جنت کی پہچان کرانے کا یہ مطلب بھی لیا جاسکتا ہے کہ جب جنت میں داخل ہونے لگیں گے تو اپنے اپنے مقرر کردہ مقام کو وہ اس طرح جانتے ہوں گے جیسے اپنے دنیا والے گھروں میں اس کو پہچانتے تھے بلکہ ان سے زیادہ اپنی جنت والی مقررہ جگہ کے راستے کو پہچانتے ہوں گے۔ (کما ورد فی الحدیث)

اس کے بعد مسلمانوں سے مدد کا وعدہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ اس میں یہ بتادیا کہ تم اللہ کی مدد کرو گے یعنی اس کے دین کی بلندی کے لئے کوششوں میں لگو گے (جس کا وہ محتاج نہیں ہے) تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور ثابت قدم رکھے گا۔

مومنین کا انعام بیان کرنے کے بعد کافروں کی بدحالی بیان فرمائی وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ (اور جن لوگوں نے کفر کیا ہلاکت ہے ان کے لئے اور اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے) دنیا میں بھی مومنین کے ہاتھوں ان کی تباہی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے ہلاکت یعنی عذاب شدید اور دائمی ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ (ان لوگوں کی یہ ہلاکت اور اعمال کا حبط ہونا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اس کو ناپسند کیا جو کچھ اللہ نے نازل کیا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال حبط فرما دیئے)

دنیا میں چل پھر کر عبرت حاصل کریں

اس کے بعد منکرین کو تنبیہ فرمائی کہ اپنی دنیا اور ساز و سامان اور عمارت سے دھوکہ نہ کھائیں ان سے پہلے بھی قومیں گزر چکی ہیں جو ہلاکت و بربادی کا منہ دیکھ چکی ہیں' ارشاد فرمایا اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے سو ان لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے پہلے تھے) دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (اللہ نے ان کو ہلاک فرمادیا) وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا (اور کافروں کے لئے ایسی کئی چیزیں ہیں) یعنی موجودہ جو کفار ہیں اور ان کے بعد جو بھی کافر بھی ہوں گے ان کے لئے دنیا میں اسی طرح عذاب ہوگا اور ہلاک کردیئے جائیں گے اور آخرت میں شدید اور دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا مولیٰ ہے

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (یہ جو کچھ مذکور ہوا یعنی اہل ایمان کا جنت میں داخل ہونا اور اہل کفر کا دنیا و آخرت میں برباد ہونا اس وجہ سے ہے کہ اللہ ایمان والوں کا مولیٰ ہے یعنی ان کا ولی ہے مددگار ہے کارساز ہے) وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (اور کافروں کا کوئی کارساز مددگار نہیں)۔

اہل ایمان کا انعام اور کفار کی بدحالی

اس کے بعد اہل ایمان کا انعام اور کافروں کی طرز زندگی (دنیا میں) اور ان کا عذاب بیان فرمایا جو آخرت میں ان کے لئے تیار کیا گیا ہے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (بلاشبہ اللہ داخل فرمائے گا ایمان والوں کو اور جنہوں نے نیک عمل کئے ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ (اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ نفع حاصل کرتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں یہ ان کا دنیاوی حال ہے) وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے) اہل کفر کے سامنے دنیا ہی ہے اسی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اس لئے کسی بھی طرح کی دنیاوی لذت اور دنیاوی طمع اور دنیاوی ترقی اور دنیاوی مال حاصل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے کیونکہ انہیں صرف دنیا ہی مطلوب ہے اس لئے کمانے اور کھانے پینے میں ہر طرح کی لذت حاصل کرنے میں کوئی حیا اور شرم انسانیت و مروت ان کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی' جس طرح جانور اور چوپائے کھانے پینے میں ہر جگہ منہ مار لیتے ہیں اور جنسی لذت حاصل کرنے کے لئے سب کے سامنے سب کچھ کر لیتے ہیں' اسی طرح یہ دنیاوی لذتوں کے متوالے سب کچھ کر گزرتے ہیں یورپ اور امریکہ میں دیکھو قانونی طور پر عورت اور مرد کے میل ملاپ کے لئے نکاح کی شرط کو ختم کر دیا ہے اور دوستانہ زندگی کا رواج ہوگیا ہے عورت اور مرد دوست (فرینڈ) بن کر گھومتے پھرتے ہیں کبھی اس سے جوڑ بیٹھ گیا کبھی دوسرے سے دوستی ہوگئی' پارکوں میں اور ہوٹلوں میں بلکہ

سڑکوں پر مرد وعورت آپس میں لطف اندوز ہوتے ہیں حرام حلال کا شرم وحیا کا کوئی دھیان نہیں اور اب تو قانونی طور پر ان کی بعض حکومتوں نے مرد کا مرد سے استمتاع اور استلذاذ جائز قرار دے دیا ہے اب یہ لوگ یہاں تک اتر آئے کہ آدمیت اور انسانیت باقی نہ رہی تو کیا حرج ہے مزہ تو مل رہا ہے انسانیت اور شرافت کو دیکھیں تو بہت سی لذتوں سے محروم ہونا پڑتا ہے لہٰذا وہ ایسی انسانیت سے بھر پائے جس سے مزہ میں فرق آئے اور لذت کو بٹہ لگے' یہ یورپ اور امریکہ کے کافروں کے احساسات ہیں' ایشیاء والوں نے بھی ان کی راہ اختیار کرنا شروع کر دیا ہے۔

جس طرح جنسی لذت کے لئے کافر لوگ دیوانے ہو رہے ہیں اس طرح مال کمانے اور کھانے پینے میں جانوروں کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں حلال وحرام سے کوئی بحث نہیں جو ملا کھالیا جو چاہا کھالیا سور اور شراب تو ان کی روزانہ کی غذا ہے قرآن کریم میں ان کی اس دنیا والی زندگی کو يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ سے تعبیر فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اس مضمون کو سورۂ زمر میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ (آپ فرما دیجئے کہ تو اپنے کفر سے تھوڑا سا نفع حاصل کر لے بے شک تو دوزخ والوں میں سے ہے)

اہل مکہ کو تنبیہ

اس کے بعد اہل مکہ کو تنبیہ فرمائی اس میں خطاب تو رسول اللہ ﷺ کو ہے کیونکہ آپ کو اس میں تسلی دی ہے اور سنانا منکرین کو بھی ہے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں ارشاد فرمایا وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اور کتنی ہی بستیاں تھیں جن کے رہنے والے آپ کی اس بستی کے رہنے والوں سے قوت میں زیادہ سخت تھے جس نے آپ کو نکال دیا ہے ہم نے ان کو ہلاک کر دیا کوئی بھی ان کا مددگار نہ تھا ان کو بھی اپنی قوت اور طاقت پر غرور کرنے کا کوئی مقام نہیں۔

اہل ایمان اور اہل کفر برابر نہیں ہو سکتے

پھر فرمایا اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (الآیة) جو شخص اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوگا کیا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا برا عمل اس کے لئے مزین کر دیا گیا ہے (اس نے کفر کو اچھا سمجھا اور ایمان سے دور بھاگا اور جن لوگوں نے اپنی خواہشوں کا اتباع کیا یعنی توحید کو چھوڑا اور شرک کو اختیار کیا یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان جن کے پاس ان کے رب کی طرف سے دلیل موجود ہے اور کافر لوگ جن کے برے اعمال کفر اور معاصی انہیں اچھے لگتے ہیں اور اپنی خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں یہ دونوں فریق یعنی مومن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ

جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں ایسے پانی کی ہیں جن میں ذرا تغیر نہ ہوگا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بدلا

طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۗ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ

ہوا نہ ہوگا اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی اور بہت سی نہریں شہد کی ہیں جو بالکل صاف ہوگا اور ان کے لئے وہاں

كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَخَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی کیا ایسے لوگ ان جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی ان کو پلایا جائے گا سو وہ ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے کر ڈالے گا۔

اہل جنت کے مشروبات طیبہ اور اہل نار کا مشروب ماء حمیم

تفسیر: اس آیت میں بھی مومنین کے انعامات اور کافروں کی سزا بیان فرمائی ہے اول تو جنت کا حال بیان فرمایا جس کا متقیوں سے وعدہ ہے جنت میں بہت سی نعمتیں ہیں ان میں نہریں بھی ہیں ارشاد فرمایا کہ جنت میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جو متغیر نہ ہوگا اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ بدلہ ہوا نہ ہوگا اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے سراپا لذت ہوگی اور بالکل صاف شہد کی نہریں ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں سو درجے ہیں جنہیں اللہ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لئے تیار فرمایا ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا سب سے افضل اور اعلیٰ درجہ ہے اور اسی کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے نہریں جاری ہیں۔ (صحیح البخاری ص ۳۹۱)

یہ حدیث حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اس میں یوں ہے منها تفجر انهار الجنة الاربعة یعنی جنت الفردوس سے چاروں نہریں جاری ہیں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں لکھتے ہیں یہی وہ چار نہریں ہیں جو قرآن مجید میں مذکورہ ہیں یعنی پانی اور دودھ اور شراب اور شہد کی نہریں حدیث شریف کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ جنت الفردوس سے چار نہریں نکلتی ہیں ان کا منبع اور مرکز جنت الفردوس ہے (پھر ان کی شاخیں پھوٹتی ہوئی دوسری جنتوں میں پہنچتی ہیں اس میں جو شراب کی نہریں بتائی ہیں ان کے ساتھ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ بھی فرما دیا یعنی یہ بتا دیا کہ یہ شراب سراپا لذت ہوگی اسکو پینے سے نشہ نہ آئے گا اور نہ کوئی تکلیف ہوگی سورۃ الصافات میں فرمایا يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ (ان کے پاس ایسا جام شراب لایا جائے گا جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا سفید ہوگی پینے والوں کو لذیذ معلوم ہوگی نہ اس میں درد سر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا) اور سورۃ الواقعہ میں فرمایا يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ (ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے یہ چیزیں لے کر آمد و رفت کیا کریں گے آبخورے اور آفتاب اور ایسا جامِ شراب جو بہتی ہوئی شراب سے بھرا جائے گا نہ اس سے ان کو درد سر ہوگا اور نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا)

ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ جنت میں جو کچھ پینے پلانے کے لئے دیا جائے گا اس میں لذت ہی لذت ہوگی نہ عقل میں فتور آئے گا نہ نشہ ہوگا' نہروں کا تذکرہ فرمانے کے بعد فرمایا وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ اور ان کے لئے ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہوگی)

اس کے بعد فرمایا كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ (الآیۃ) یہاں عبارت حذف ہے یعنی من کان فی هذا النعیم کمن

هو خالد فی النار جو شخص ان مذکورہ بالا نعمتوں میں ہوگا کیا ان لوگوں کی طرح ہو سکتا ہے جو ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے اور جنہیں کھولتا ہوا گرم پانی پلایا جائے جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول خدا ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا دوزخیوں کو اتنی زبردست بھوک لگادی جائے گی جو اکیلی ہی اس عذاب کے برابر ہوگی جو ان کو بھوک کے علاوہ ہو رہا ہوگا لہٰذا وہ کھانے کے لئے فریاد کریں گے اس پر ان کو ضریع کا کھانا دیا جائے گا جو نہ موٹا کرے گا نہ بھوک دفع کرے۔ پھر دوبارہ کھانا طلب کریں گے تو ان کو طَعَامٍ ذِیْ غُصَّۃٍ گلے میں اٹکنے والا کھانا دیا جائے گا جو گلوں میں اٹک جائے گا اس کے اتارنے کے لئے تدبیریں سوچیں گے تو یاد کریں گے کہ دنیا میں تھے تو گلے میں اٹک جانے والی چیزوں کے اتارنے کے لئے پینے کی چیز پیا کرتے تھے لہٰذا پینے کی چیز طلب کریں گے، چنانچہ کھولتا ہوا پانی لوہے کے سنڈاسیوں کے ذریعہ ان کے سامنے کردیا جائے گا۔ وہ سنڈاسیاں جب ان کے چہروں کے قریب ہوں گی تو ان کے چہروں کو بھون ڈالیں گے پھر جب پانی پیٹوں میں پہنچے گا تو پیٹ کے اندر کی چیزوں (یعنی آنتوں وغیرہ) کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۴ الترمذی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ کے بارے میں فرمایا کہ ماء صدید (پیپ کا پانی) جب دوزخی کے منہ کے قریب کیا جائے گا تو وہ اس سے نفرت کرے گا پھر اور قریب کیا جائے گا تو چہرے کو بھون ڈالے گا اور بالآخر پاخانے کے مقام سے باہر نکل جائے گا۔

اس کے بعد رسول خدا ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائی (اول آیت سورۂ محمد ﷺ یعنی) وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ دوسری سورۂ کہف کی آیت یعنی وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۳ از ترمذی)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ

اور بعض آدمی ایسے ہیں کہ وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو اہل علم سے کہتے ہیں کہ حضرت نے ابھی کیا بات

اٰنِفًا ۟ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى

فرمائی تھی؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں، اور جو لوگ صحیح راہ پر ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے

وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى

اور ان کو ان کے تقویٰ کی توفیق دیتا ہے سو یہ لوگ بس قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ ان پر دفعۃً آپڑے سو اس کی علامتیں تو آچکی ہیں سو جب قیامت ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی اس وقت

لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ

ان کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا؟ تو آپ اس کا یقین رکھیے کہ بجز اللہ کے اور کوئی لائق عبادت نہیں اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لئے بھی

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾

اور اللہ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے۔

منافقین کی بعض حرکتیں ان کے قلوب پر مہر ہے، یہ لوگ اپنی خواہشوں کے پابند ہیں

تفسیر: یہ چار آیات کا ترجمہ ہے پہلی آیت میں منافقین کی ایک خصلتِ بد کا تذکرہ فرمایا ہے منافقین ظاہر میں اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے تھے اور اندر سے کافر تھے جس کسی کا ظاہر و باطن یکساں نہ ہو اس کے رنگ ڈھنگ خدوخال اور چال ڈھال سے اس کے دورنگی معلوم ہو جاتی ہے اسی سلسلے کی یہ ایک کڑی ہے کہ منافقین جب رسول اللہ ﷺ کی مجلس مبارک میں حاضر ہوتے تھے تو آپ کی باتوں کی طرف بظاہر کان لگا کر ایسے بیٹھتے تھے جیسے بڑے دھیان سے سن رہے ہیں یہ طریقہ صرف دھوکہ دینے کے لئے تھا دلوں سے بالکل متوجہ نہیں ہوتے تھے جب مجلس سے باہر آتے تو دوسرے حضرات یعنی اہل علم صحابہ سے کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابھی ابھی کیا فرمایا؟ پہلی منافقت تو یہ تھی کہ جھوٹ موٹ کان لگا کر بیٹھے اور دھیان سے باتیں نہ سنیں اور دوسری منافقت یہ تھی کہ مسلمانوں پر یہ ظاہر کرنے کے لئے ہمیں آنحضرت ﷺ کی باتیں سننے کا اشتیاق ہے یہ معلوم کرتے تھے کہ آپ نے ابھی ابھی کیا فرمایا' اللہ تعالیٰ شانہ' نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور یہ اپنی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں انہیں راہ حق پر آنا نہیں ہے۔

دوسری آیت میں اہل ایمان کے انعام کا تذکرہ فرمایا کہ جن لوگوں نے ہدایت پائی اللہ تعالیٰ ان کو مزید ہدایت دیتا ہے (جیسے جیسے احکام نازل ہوتے ہیں وہ ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور عمل کرتے جاتے ہیں) اور اللہ ان کو ان کا تقویٰ نصیب فرماتا ہے (احکام پر بھی عمل کرتے ہیں اور جن افعال و اعمال سے منع فرمایا ہے ان سے بھی بچتے ہیں)

تیسری آیت میں منکرین اور منافقین کو توبیخ فرمائی کہ ان لوگوں کا طور طریقہ ایسا ہے کہ بس قیامت ہی کا انتظار کر رہے ہیں (نہ ایمان لاتے ہیں نہ اعمال خیر میں مشغول ہوتے ہیں نہ گناہوں سے بچتے ہیں اور نہ انذار و تبشیر ان کے حق میں مفید ہوتا ہے نہ عذاب کی وعید سے متاثر ہوتے ہیں نہ جنت کی بشارت کا یقین کرتے ہیں اب کیا رہ گیا؟ بس قیامت کا آنا باقی ہے اس کے انتظار میں ہیں کہ وہ اچانک آ جائے اور قیامت آ جائے تو نصیحت حاصل کریں سو قیامت کی علامتیں آ چکی ہیں خود نبی کریم ﷺ کا مبعوث ہونا بھی علامات قیامت میں سے ہے اور معجزہ شق القمر بھی علامات قیامت میں سے ہے جیسے سورۃ القمر کی پہلی آیت میں بیان فرمایا اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ جب قیامت آ جائے گی تو اس وقت سمجھنے اور نصیحت حاصل کرنے کا نہ موقعہ ہوگا نہ اس سے کچھ فائدہ ہوگا اس مضمون کو فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ میں بیان فرمایا' یہ مضمون سورۃ الفجر کی آیت کریمہ وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى میں بھی بیان فرمایا ہے اس دن جہنم کو لایا جائے گا اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور اب کہاں ہے نصیحت حاصل کرنا یعنی اب اس کا فائدہ کچھ نہیں۔

توحید پر جمے رہنے اور استغفار کرنے کی تلقین

چوتھی آیت میں ارشاد فرمایا کہ اپنے اس علم اور یقین پر جمے رہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کے

لئے استغفار کریں اس میں آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے اور آپ کے توسط سے دیگر اہل ایمان کو بھی خلاف شان نبوت جو کوئی امر آپ سے صادر ہو گیا اُسے لِذَنۡبِکَ سے تعبیر فرمایا جیسا کہ خطاء اجتہادی سے کبھی ایسا واقع ہوا، معصیت حقیقت کا صدور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے نہیں ہو سکتا۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں امر بالاستغفار مع انه مغفور له ليستن به امته (یعنی آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا حالانکہ آپ کا سب کچھ بخشا جا چکا ہے تا کہ امت آپ کا اتباع کرے) آپ نے فرمایا ہے کہ بیشک میرے دل پر مَیل سا آتا ہے اور بیشک میں اللہ سے روزانہ سو دفعہ استغفار کرتا ہوں اور بعض روایت میں ہے کہ آپ ہر مجلس میں سو مرتبہ استغفار فرماتے ہیں۔

صاحب معالم التنزیل مزید لکھتے ہیں هذا اكرام من الله تعالىٰ لهذه الامة حيث امر نبيهم ان يستغفر لذنوبهم وهو الشفيع المجاب فيه (یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کا اکرام ہے کہ ان کے نبی کو حکم فرمایا کہ ان کے گناہوں کے لئے استغفار کریں آپ کی ذات گرامی کو اللہ نے شفاعت کرنے والا بھی بنایا اور شفاعت قبول کرنے کا وعدہ بھی فرمایا۔ (معالم التنزیل ص۱۸۳ ج۴)

مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰكُمْ کی تفسیر

مفسرین کرام نے اس کے متعدد معنی بیان کئے ہیں، پہلے ترجمہ غور سے پڑھیئے (اور اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے) یہ ترجمہ مفسر ابن جریر کے قول کے مطابق ہے جسے علامہ بغوی نے معالم التنزیل میں نقل کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مُتَقَلَّبَكُمْ سے دنیاوی اعمال میں مشغول رہنا اور اس میں چلنا پھرنا مراد ہے اور مَثْوٰكُمْ سے ہر ایک کا آخرت کا ٹھکانہ مراد ہے اور حضرت عکرمہؒ نے فرمایا کہ مُتَقَلَّبَكُمْ سے ارحام الامہات کی طرف منتقل ہونا اور مَثْوٰكُمْ سے زمین میں ٹھہرنا مراد ہے اور ابن کیسان سے نقل کیا ہے مُتَقَلَّبَكُمْ سے لیٹتے وقت پلٹیاں کھانا اور مَثْوٰكُمْ سے قبروں میں ٹھہرنا مراد ہے (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۖ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ

اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کوئی سورت کیوں نہ نازل ہوئی سو جس وقت کوئی محکم سورت نازل ہوتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے

رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأَوْلَىٰ

تو جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو گئی ہو،

لَهُمْ ﴿٢٠﴾ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ ۚ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿٢١﴾ فَهَلْ

سو عنقریب ان کی کم بختی آنے والی ہے ان کی اطاعت اور بات چیت معلوم ہے پھر جب مضبوطی کے ساتھ حکم آ گیا تو اگر یہ لوگ اللہ سے سچا وعدہ کرتے تو ان کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا سو اگر تم

عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ

والی بن جاؤ تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ دنیا میں فساد مچا دو اور آپس میں قطع رحمی کر دو، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا

فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰۤى اَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾

پھران کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا' سو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر ان کے قفل ہیں۔

منافقین کی بدحالی اور نافرمانی

تفسیر: ان آیات میں اہل ایمان کا شوق جہاد منافقین کا حکم جہاد سن کر گھبراہٹ اور پریشانی میں پڑنے کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کوئی نئی سورت کیوں نازل نہ ہوئی یہ احکام جدیدہ کے نازل ہونے اور ان پر عمل کرنے کے اشتیاق میں کہہ دیتے تھے جب کوئی بھی سورت نازل ہوتی تو ایمان والے خوش ہو جاتے تھے لیکن جو منافقین تھے وہ نزول احکام سے ڈرتے رہتے خصوصاً جب کسی سورت میں قتال کا حکم نازل ہوتا تو بس ان کا برا حال ہو جاتا تھا ان کے دلوں میں مرض یعنی نفاق تھا نہ سچے دل سے رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا رسول مانتے تھے نہ قرآن کو مانتے تھے نہ وقوع قیامت کا یقین رکھتے تھے لہٰذا جہاد والی سورت کا مضمون سن کر گھبرا اٹھتے تھے اور ان کا اثر ان کے چہروں سے ظاہر ہو جاتا تھا رسول اللہ ﷺ کو بھیانک نظروں سے اس طرح دیکھتے تھے جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو جائے یہ لوگ سمجھے تھے اب رکھ رکھاؤ کے لئے جہاد میں جانا ہی پڑے گا دل چاہتا نہیں' لیکن شریک ہونا ہی ہے بددلی کی شرکت تو مستقل عذاب ہے اور اگر میدان جہاد میں مقتول ہو تو یہ اس سے بڑا عذاب ہو گیا اسی کو فرمایا فَاَوْلٰى لَهُمْ کہ عنقریب ان کی کم بختی آنے والی ہے۔ صاحب معالم التنزیل رحمۃ اللہ لکھتے ہیں اولیٰ لک ای ولیک وقاربک ماتکرہ۔ (یہ "اولی لھم" کا ایک مطلب ہے اس صورت میں طاعۃ وقول معروف علیحدہ جملہ ہوگا اور ایک صورت یہ ہے کہ اولی لھم مبتدا ہوا اور طاعۃ اس کی خبر ہوگی کماذکر البغوی، فلیتد بر)

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ (یعنی منافقین کو چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم نازل ہو تو تنگ دل ہونے کی بجائے کہیں کہ ہمارا کام تو فرمانبرداری کرنا اور اچھی بات کہنا یعنی دل سے اور زبان سے تسلیم کرنا ہے۔ قال صاحب معالم التنزیل ای لو اطاعوا وقالوا قولاً معروفاً کان امثل واحسن، ثم قال وقیل ھو متصل بما قبلہ واللام بمعنی الباء فاولیٰ بھم طاعۃ اللّٰہ ورسولہ و قول معروف بالاجابۃ وھذا قول ابن عباس فی روایۃ عطاء (صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں یعنی اگر وہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے تو بہت ہی درست اور بہتر ہوتا پھر کہا کہ بعض نے کہا ہے یہ جملہ ماقبل سے متصل ہے اور لام باء کے معنی میں ہے یعنی ان کے لائق یہی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے اور قبول کر کے اچھی بات کہتے اور یہ عطاء کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے۔)

فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (پھر جب مضبوطی کے ساتھ حکم آ گیا' یعنی جہاد کرنے کا واقعی حکم ہو گیا تو اس وقت یہ لوگ اپنے دعوئ ایمان اور دعوی فرماں برداری میں سچے ثابت ہوتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ (سو کیا یہ صورت حال پیش آنے والی ہے کہ اگر تم والی بن جاؤ تو زمین میں فساد کرو اور آپس میں قرابت کے تعلقات کو قطع کر دو)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ منافقین کو خطاب ہے جسے استفہام کی صورت میں لایا گیا ہے اس میں ان کو توبیخ ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہارے جو احوال معلوم ہیں یعنی دنیا پر حرص کرنا اور جہاد کی بات سے گھبرانا اور شرکت جہاد سے کترانا اس بات کو جاننے کے بعد کیا کوئی شخص تم سے سوال کر سکتا ہے کہ اگر تمہیں ولایت فی الارض مل جائے یعنی عامۃ الناس کے والی اور متولی بنا دیئے جاؤ اور تمہیں اقتدار سپرد کر دیا جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور رشتہ داریوں کو کاٹ پیٹ کر رکھ دو گے یعنی تمہارا یہ فساد اتنا آگے بڑھے گا کہ تمہیں رشتہ داریوں کی پاسداری بھی نہ رہے گی اور آپس کے تعلقات کو ختم کر ڈالو گے یعنی تم سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے اور سائل کا یہ سوال کرنا درست ہے۔

قال صاحب الروح: فالمعنی انکم لما عهدمنکم من الاحوال الدالة علی الحرص علی الدنیا حیث امرتم بالجهاد الذی هو وسیلة الی ثواب اللّٰه تعالیٰ العظیم کرهتموه وظهر علیکم ما ظهر حقاء بأن یقول لکم کل من ذاقکم وعرف حالکم یاهٰؤلاء ماترونَ هل یتوقع منکم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض الخ. (صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے دنیا پر تمہاری حرص کے جو حالات ظاہر ہو چکے ہیں کہ تمہیں جہاد کا حکم ہو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثوابِ عظیم کا ذریعہ ہے تو تم نے اسے ناپسند کیا اور تمہاری جو حالت ہوئی سو ہوئی لہٰذا جو آدمی تمہیں جانتا ہو اور تمہارے حالات سے آگاہ ہو تو وہ تمہیں کہہ سکتا ہے کہ اے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہیں والی بنایا جائے تو تم زمین میں فساد کرو گے۔)

یہ ترجمہ اور تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ تولیتم کا ترجمہ والی اور صاحب اقتدار ہونے کا لیا جائے اور بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ اَعْرَضْتُم لیا ہے صاحب بیان القرآن نے اسی کو اختیار کیا ہے انہوں نے اس کو استفہام تقریری قرار دیا ہے اور مطلب یہ لکھا ہے کہ اگر تم جہاد سے کنارہ کش رہو تو تم کو یہ احتمال بھی چاہئے کہ تم دنیا میں فساد مچا دو گے اور آپس میں قطع قرابت کر دو گے یعنی اگر جہاد کو چھوڑ دیا جائے تو مفسدین کا غلبہ ہو جائے گا اور کوئی انتظام باقی نہ رہے گا جس میں تمام مصلحتوں کی رعایت ہو اور ایسا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے فساد ہوگا اور حقوق کی اضاعت ہوگی۔

پھر فرمایا: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ (یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے رحمت سے دور فرما دیا سو انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا لہٰذا ان سے قبول حق کی اور راہ حق پر چلنے کی کوئی امید نہ کی جائے۔

تدبر قرآن کی اہمیت اور ضرورت

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ (کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے) أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا یا ان کے دلوں پر قفل ہیں اس میں توبیخ ہے اور منافقوں کے حال کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ انہیں قرآن میں تدبر کرنا چاہئے تھا قرآن کے اعجاز اور معانی اور دعوت حق کے بارے غور کرتے تو نہ تو منافق ہوتے اور نہ وہ حرکتیں کرتے جو ان سے صادر ہوتی رہی ہیں ان کے تدبر نہ کرنے کا انداز یہ ہے کہ جیسے ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔

قال صاحب الروح: واضافة الاقفال الیها للدلالة علی انها اقفال مخصوصة بها مناسبة لها

غیر مجانسة لسائر الاقفال المعهودة. (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اقفال کی ان کی طرف اضافت اس بات پر دلالت کرنے کے لئے ہے کہ یہ مخصوص تالے ہیں جو انہیں کے مناسب ہیں مشہور و معروف تالوں کی طرح ہیں۔)

اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَ اَمْلٰى

بے شک جو لوگ پشت پھیر کر پلٹ گئے اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت ظاہر ہوگئی تھی شیطان نے ان کے سامنے مزین کر دیا اور انہیں تاخیر والی باتیں

لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ

سمجھادیں یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے ان لوگوں سے کہا جنہوں نے اللہ کے نازل کئے ہوئے فرمان کو ناپسند کیا کہ ہم بعض کاموں میں تمہاری اطاعت کریں گے اور اللہ ان کے

اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا

خفیہ باتیں کرنے کو جانتا ہے سو ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جانوں کو قبض کرتے ہوئے ان کے چہروں اور ان کے پشتوں پر مار رہے ہوں گے یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اس چیز کا اتباع کیا

مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾

جس نے اللہ کو ناراض کر دیا اور انہوں نے اللہ کی خوشی کو ناپسند کیا پھر اس نے اکارت کر دیئے ان کے اعمال

مرتدین کیلئے شیطان کی تسویل اور موت کے وقت ان کی تعذیب

تفسیر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان آیات میں بھی منافقین کا ذکر ہے ان سے جو مخالفانہ اور باغیانہ حرکتیں ظاہر ہوئیں ان کی وجہ سے ان کے لئے دعوائے اسلام پر باقی رہنے کا بھی کوئی راستہ نہ رہا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے اہل کتاب مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے ان اوصاف کو دیکھ کر پہچان لیا جو اپنی کتابوں میں پاتے تھے پھر بھی کفر پر جمے رہے (اس کو ارتدو اعلی ادبار ھم سے تعبیر فرمایا کیونکہ آں حضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے دعویٰ کیا کرتے تھے کہ ہم ضرور اتباع کریں گے اس دعوے کے مطابق جو کچھ کرنا تھا اس سے پھر گئے) آیات کا نزول جن لوگوں کے بارے میں بھی ہوا الفاظ کا عموم ہر طرح کے مرتدین کو شامل ہے ارشاد فرمایا کہ بے شک جو لوگ پشت پھیر کر دین حق سے پھر گئے حالانکہ ان پر ہدایت واضح ہوگئی تھی شیطان نے ان کا ناس کھویا اس نے کفر اور ارتداد کو اور برے اعمال کو ان کے سامنے اچھا کر کے پیش کیا حق اور حقیقت کو جانتے ہوئے دنیا کی ظاہری زینت کو انہوں نے ترجیح دی شیطان نے مزید یہ کیا کہ ان کو یہ بتایا کہ دیکھو کہ ابھی دنیا میں تمہیں بہت رہنا ہے اور زیادہ دن جینا ہے اسلام قبول کر کے یہ لمبی زندگی آرام سے کیسے گزارو گے؟ دیکھو جو لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے کتنی تکلیفوں میں پڑ جاتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ اس میں ذٰلِکَ کا مشارالیہ اور اَنَّھُمْ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے اور اَلَّذِیْنَ کَرِھُوْا سے کون لوگ مراد ہیں اور بَعْضِ الْاَمْرِ سے کیا مراد ہے اس بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال لکھے ہیں بِاَنَّھُمْ کی باکو سببیہ لینے کی صورت میں وہی قول قرین قیاس ہوگا جس سے ذٰلِکَ کا مشارالیہ مسبب اور باکا

مدخول سبب بن سکتا ہو علامہ قرطبی نے ذٰلِکَ کا مشارالیہ اَمْلٰی لَهُمْ کو قرار دیا ہے اور مطلب یہ بتایا ہے کہ شیطان کا انہیں لمبی عمر والی باتیں سمجھانا اس سبب سے ہے کہ انہوں یعنی منافقوں اور یہودیوں نے مشرکین سے کہا جن کو اللہ کا نازل فرمودہ ناگوار ہے کہ ہم بعض امور میں تمہاری اطاعت کرلیں گے یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں (مثلاً) آپ سے دشمنی رکھنے میں اور جہاد میں شرکت نہ کرنے میں اور دین اسلام کو کمزور کرنے میں ہم تمہاری بات مان لیں گے تمہاری سب باتوں کی اطاعت کا وعدہ نہیں کرتے یہ لوگ کافر تو پہلے ہی سے تھے مزید صفاتِ کفریہ کا اظہار اور اعلان بھی کردیا اس لئے شیطان کو انہیں ڈھیل دینے اور کفر میں آگے بڑھانے کا موقع مل گیا (تفسیر قرطبی ۲۵۰ ج ۱۶)

معالم التنزیل میں بھی یہ تفسیر لکھی ہے لیکن ذٰلِکَ کا مشارالیہ متعین نہیں کیا صاحب روح المعانی اس سے متفق نہیں ذٰلِکَ کا اشارہ اَمْلٰی لَهُمْ ہے لیکن احقر کے نزدیک تمام احتمالات میں یہی راجح ہے صاحب بیان القرآن نے ذٰلِکَ کا مشارالیہ ارتدادعلی الادبار کو لیا ہے اور سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ کا یہ مطلب لیا ہے کہ منافقین نے رؤسا یہود سے کہا کہ ہم عدم اتباع ظاہر کرنے کے بارے میں تمہارا حکم نہیں مانیں گے کیونکہ وہ ہماری مصلحت کے خلاف اور عدم اتباع باطناً کا جو حکم دیتے ہو ہم اس میں تمہارا اتباع کرلیں گے کیونکہ ہم اس میں تمہارے ساتھ ہی ہیں۔

موت کے وقت کافر کی مار پیٹ

پھر فرمایا فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ (الآیة) اس میں منافقین کی موت کے وقت کی بدحالی کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ اگر دنیا میں ان کو عذاب نہ ہوا تو یہ نہ سمجھیں کہ وہ عذاب سے محفوظ ہو گئے ہر کافر کو عذاب ہونا ہی ہے جو موت کے وقت سے ہی شروع ہو جاتا ہے ارشاد فرمایا کہ ان منافقین کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کر رہے ہونگے اور ان کے چہروں اور پشتوں کو مار رہے ہوں گے، صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ دنیا میں یہ لوگ جہاد سے بچ رہے ہیں ان کا یہ بچاؤ کتنے دن چلے گا بالآخر مریں گے اور موت کے وقت سے ہی ان کی پٹائی شروع ہو جائے گی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی بھی شخص گناہگاری کی حالت میں مرتا ہے فرشتے اس کی موت کے وقت اس کے چہرے پر اور پچھلے حصہ پر مارتے رہتے ہیں اس مار پیٹ کو حاضرین محسوس نہیں کرتے مگر ایسا ہوتا ضرور ہے جیسا کہ برزخ کے احوال مرنے والے پر گزرتے ہیں اور دیکھنے والوں کو نظر نہیں آتے سورۃ الانفال میں فرمایا۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ (اور اگر آپ دیکھیں جب کہ فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہوئے ان کے مونہوں پر اور ان کی پشتوں پر مارتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ جلنے کا عذاب چکھ لو یہ ان اعمال کی وجہ سے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے)

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا ان کی یہ سزا اس لئے ہے کہ انہوں نے اس چیز کا اتباع کیا جو اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے اور اس کی رضامندی کو اچھا نہ جانا سو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کردیئے) یعنی انہوں نے کفر کو اختیار کیا (جو اللہ

تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے) اور ایمان قبول نہ کیا (جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا سبب ہے) اللہ کو راضی کرنے والے عمل سے ان کو نفرت اور کراہت تھی ان کے موت کے وقت یہ سزا ملے گی اور اس کے بعد بھی برا عذاب ہی عذاب ہے اور انہوں نے دنیا میں جو کوئی عمل ایسا کیا تھا جس پر ثواب دیا جاسکے ان اعمال کو بھی اللہ نے اکارت کر دیا یعنی آخرت میں ان اعمال کا کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَن لَّن يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ
کیا ان لوگوں نے خیال کیا ہے جن کے دلوں میں مرض ہے کہ اللہ ان کے کینوں کو نہ نکالے گا اور اگر ہم چاہتے تو آپ کو انہیں دکھا دیتے'
فَلَعَرَفْتَهُم بِسِيمَاهُمْ ۚ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٠﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ
سو آپ انہیں ان کی نشانی سے پہچان لیتے اور آپ انہیں ضرور بالضرور بات کرنے کے ڈھنگ سے پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے اور بلاشبہ ہم ضرور تم کو آزمائیں گے
حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾
تاکہ ہم تم میں سے مجاہدین کو اور صبر کرنے والوں کو جان لیں اور تاکہ ہم تمہارے اعمال کو جانچ لیں۔

منافقین کے دلوں میں مرض ہے' طرز کلام سے ان کا نفاق پہچانا جاتا ہے!

تفسیر: جو لوگ منافقین تھے انہیں اسلام سے اور مسلمانوں سے دشمنی تھی' بظاہر دوست بنے ہوئے تھے اور اندر سے دشمن تھے اس دشمنی کا کسی نہ کسی طرح ظہور ہوتا رہتا تھا لیکن ان کا دعویٰ یہی تھا کہ ہم مسلمان ہیں یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تم میں سے ہیں اور یوں سمجھتے تھے کہ ہمارا باطن پوشیدہ رہے گا اور اسی طرح اپنے کفر کو چھپا کر مسلمانوں کے ساتھ چلتے رہیں گے اور ان سے جو منافع متعلق ہیں حاصل کرتے رہیں گے یہ ان کا خیال تھا منافق اپنے نفاق کو چھپاتا ہے اور یوں سمجھتا ہے کہ میں بڑا ہوشیار اور چالاک ہوں اللہ تعالیٰ شانہ نے ایک عرصہ تک اشخاص کی تعیین کر کے ان کی پہچان نہیں کرائی ہاں ان کے احوال اور اعمال بیان فرما دیئے سورۂ برأت میں ان کے تفصیلی احوال بیان فرمائے ہیں اسی لئے اس سورت کا ایک نام فاضحہ...... (یعنی رسوا کرنے والی بھی ہے بعض دوسری سورتوں میں بھی ان کی حرکتیں اور ان کے اعمال بیان فرمائے ہیں وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُم بِسِيمَاهُمْ ۚ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ

(اور اگر ہم چاہیں آپ کو واضح طور پر ان منافقین میں سے ہر ایک کی الگ الگ پہچان کرادیں مگر اس کی ضرورت نہیں ہے) آپ ان کے رنگ ڈھنگ سے انہیں پہچان لیں گے ان کا لب ولہجہ اور بات کرنے کا ڈھنگ بتادے گا کہ یہ منافق ہیں اندر سے مومن نہیں ہیں کیونکہ غیر مخلص کا طریقہ کار اور طرز زندگی اور میل جول اور بول چال کا ڈھنگ مخلصین سے مختلف ہوتا ہے بلاوجہ قسمیں کھانا رک رک کر بات کرنا سوچ سوچ کر جواب دینا تاکہ الفاظ اور طرز گفتگو سے مخاطب کو بدعقیدگی کا پتہ نہ چل جائے یہ منافقین کے ڈھنگ ہوتے ہیں ایک عرصہ تک تو ایسا ہی رہا پھر بالآخر ایک دن وہ آیا کہ یہ لوگ سختی اور ذلت کے ساتھ مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ سے نکال دیئے گئے جس کی تفصیل سیرت ابن ہشام کے جلد ثانی کے اوائل میں مذکور ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ (اور اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے) اسے اہل ایمان کے اخلاص کا اور اہل نفاق کی منافقت اور مکروفریب کا علم ہے' منافقین یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم مسلمانوں سے اپنی منافقت کو چھپا کر اپنے ارادوں میں کامیاب ہوں گے' اگر مومنین مخلصین کو پتہ نہ چلا تو اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ علم ہے اس کے عذاب اور عقاب سے کیسے مطمئن ہو گئے؟

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ (یعنی اعمال شرعیہ جہاد وغیرہ کے جو احکام نافذ کئے جاتے ہیں ان کے ذریعہ تمہاری آزمائش کی جاتی ہے ہم ضرور ضرور تمہاری آزمائش کریں گے تاکہ مخلص مجاہدین اور صابرین کا ظاہری طور پر علم ہو جائے وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ (اور تاکہ ہم تمہارے احوال کو جانچ لیں)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى
بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا اور رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت ظاہر ہو گئی
لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۞ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ
یہ لوگ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور وہ عنقریب ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا' اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی
وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ
اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو' بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا پھر وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے تو ہرگز اللہ ان کی
يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۞ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ
مغفرت نہ فرمائے گا' سو تم سست نہ بنو اور صلح کی طرف مت بلاؤ اور تم غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے
اَعْمَالَكُمْ ۞
اعمال میں ہرگز کمی نہ کرے گا۔

کافر لوگ اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے' ان کے اعمال حبط کئے جائیں گے

تفسیر: اوپر چار آیات کا ترجمہ کیا گیا ہے پہلی آیت میں فرمایا کہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا اور رسول کی مخالفت کی اور ہدایت ظاہر ہونے کے بعد اس سے پھر گئے ایسے لوگ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے (یہ لوگ اپنی ہی جانوں کو نقصان پہنچائیں گے اور انہیں قیامت کے دن بربادی کا سامنا ہوگا) دنیا میں انہوں نے جو کوئی عمل ایسا کیا تھا جس پر اللہ کی طرف سے اہل ایمان کو ثواب ملتا ہے قیامت کے دن کافروں کو اس کا کچھ بھی ثواب نہ ملے گا یہ اعمال بالکل اکارت چلے جائیں گے۔

دوسری آیت میں یہ حکم فرمایا کہ اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو' اعمال صالحہ

سابقہ ایمان میں شک کرنے اور کفر و شرک اختیار کرنے اور بعض کبیرہ گناہوں کی وجہ سے باطل ہوجاتے ہیں یعنی ان کا ثواب ختم ہوجاتا ہے صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ لا تبطلوا بالریاء والسمعة (کہ ریاکاری اور شہرت کی طلب کے ذریعہ اپنے اعمال کو باطل نہ کرو آیت عام ہے اس کے مفہوم میں ہر وہ چیز داخل ہے جس سے اعمال باطل ہوجاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ ہم یعنی صحابہ کرام یہ سمجھتے تھے کہ ہر نیکی ضرور مقبول ہوتی ہے جب آیت کریمہ اطیعوا اللّٰہ و اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ نازل ہوئی تو ہم نے کہا کہ وہ کیا چیز ہے جو ہمارے اعمال کو باطل کرے گی پھر ہم نے سمجھ لیا کہ اسی سے کبیرہ گناہ اور فواحش مراد ہیں یعنی ان سے اعمال صالحہ باطل ہوسکتے ہیں اس کے بعد جب ہم کسی کو دیکھتے تھے کہ کوئی گناہ یا فحش کام اس سے سرزد ہوگیا تو ہم کہتے تھے کہ یہ شخص تو ہلاک ہوگیا یہاں تک کہ آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ نازل ہوگئی تو اس کے بعد ہمارا طریقہ یہ ہوا کہ جب کوئی شخص کبیرہ گناہ کرلیتا تھا تو اس کے بارے میں مواخذہ کا خوف رکھتے تھے (یعنی اس کا مواخذہ یقینی جانتے تھے) اور جس سے کبیرہ گناہ سرزد نہ ہوتا اس کے بارے میں بخشش کی امید رکھتے تھے۔ (ذکرہ صاحب الروح ص۹۷ ج۲۶)

تیسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا پھر حالت کفر میں مرگئے اللہ تعالیٰ ہرگز ان کی مغفرت نہیں فرمائے گا ہاں اگر کسی کافر نے اسلام کی مخالفت کی اور اللہ کے دین سے روکتا رہا پھر توبہ کرلی یعنی اسلام قبول کرلیا پھر حالت اسلام ہی میں مرگیا تو اس کے زمانہ کفر کا سب کچھ معاف ہوجائے گا اسی بات کو بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن عاص کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اما علمت یا عمرو ان الاسلام یهدم ما کان قبله مشکوٰۃ المصابیح ص۱۴ از مسلم (اے عمرو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہوں کو (جو زمانہ کفر میں کئے ختم کردیتا ہے)

نفلی نماز، روزہ فاسد کرنے کے بعد قضاء واجب ہونا

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نفل نماز یا نفل روزہ شروع کرکے توڑ دے تو اس کی قضا واجب ہے اس کے دلائل بھی لکھے ہیں ان میں سے آیت بالا کو بھی دلیل میں پیش کیا ہے تشریح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے اعمال کو باطل نہ کرو جب کسی نے ایک رکعت پڑھ لی یا گھنٹہ دو گھنٹہ روزہ رکھ لیا پھر توڑ دیا تو اس سے وہ عبادت بیچ میں رہ گئی جس کو شروع کیا تھا پوری عبادت کرکے کسی عمل سے باطل کردے یا پوری کرنے سے پہلے ہی باطل کردے دونوں طرح سے ابطال کی ممانعت پر آیت کریمہ کی دلالت ہوتی ہے شیخ ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں قال تعالیٰ ولا تبطلوا اعمالکم وهوا عم من ابطالها قبل اتمامها بالافسادا وبعده بفعل ما یحبطه ونحوه.

کمزور نہ بنو اور دشمنوں کو صلح کی دعوت نہ دو

چوتھی آیت میں فرمایا فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ (اے مسلمانو! تم ہمت مت ہارو اور اپنے دشمنوں کو صلح کی طرف مت بلاؤ) اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ جب کافروں سے جنگ ٹھن جائے تو تم جنگ پر آمادہ رہو اور جہاد فی سبیل اللہ میں کوئی

کمزوری نہ کھاؤ کمزور پڑ جانے میں یہ بھی داخل ہے کہ خود سے دشمنوں کو صلح کی دعوت دی جائے اگر دشمن صلح کی بات اٹھائیں تو بعض احوال میں صلح کر لینا جائز ہے جس میں اسلام اور مسلمانوں کا نفع ہو جیسا کہ سورۂ انفال میں فرمایا وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ مزید توضیح کے لئے سورۃ انفال کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

تم ہی بلند رہو گے اگر مومن ہو

پھر فرمایا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ یہاں صرف یہی الفاظ ہیں اور سورۂ آل عمران میں فرمایا ہے وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اس میں یہ وعدہ فرمایا کہ تم غالب رہو گے اگر تم مومن ہو لہٰذا صفات ایمان تقویٰ جب آخرت اور فکر آخرت امانت داری ادائے فرائض وواجبات ترک معاصی کی صفات سے متصف رہیں اگر ایسا ہوگا تو مسلمان ہی غالب رہیں گے اگر ایمانی صفات کھو بیٹھیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دشمنوں پر غلبہ پانے کا وعدہ نہیں بعض حالات میں قلت عدد کی وجہ سے جو ترک قتال کی اجازت ہے وہ اس کے معارض نہیں اس بات کے سمجھنے کے لئے آیت کریمہ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

پھر فرمایا وَاللّٰهُ مَعَكُمْ اور اللہ تمہارے ساتھ ہے لہٰذا جم کر پوری قوت کے ساتھ دشمنوں سے مقابلہ کریں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور اخلاص کے ساتھ اللہ کے دین کی مدد کرنے کی نیت سے قتال کریں اسی سورت کے پہلے رکوع میں گزر چکا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (اے ایمان والو اگر تم اللہ کی یعنی اس کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے قدموں کو جما دے گا۔

پھر فرمایا وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ (اور وہ تمہارے اعمال میں ہرگز کمی نہ کرے گا) وہ ہر عمل صالح کا ثواب دے گا بشرطیکہ اسے باطل نہ کر دیا ہو اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ پر وعدہ فرمایا ہے کہ ایک عمل کا ثواب کم از کم دس گنا دیا جائے گا اور اس سے زیادہ جتنا چاہے اپنے فضل ورحمت سے عطاء فرمائے گا۔ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا

قال القرطبی فی تفسیر ہو لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ای لن ینقصکم، عن ابن عباس وغیرہٗ ومنہ الموتور الذی قتل لہ قتیل فلم یدرک بدمہ، تقول منہ وترہ یترہ وترا وترۃً ومنہ قولہ علیہ السلام "من فاتتہ صلاۃ العصر فکانما وتر اھلہ ومالہ" أی ذھب بھما. (علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ یعنی تمہارے اعمال میں کمی نہ ہوگی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے اور اس سے موتور ہے وہ شخص جس کا کوئی آدمی قتل ہو گیا اور اسکا خون بہا اسے نہ ملا ہو تم کہتے ہو وَتَرَ یَتِرُ، وترا و تَرۃً اور اسی سے حضور ﷺ کا ارشاد ہے جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی گویا اس کا اہل اور مال (وتر) ہلاک ہو گیا۔)

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔــلْكُمْ

دنیا والی زندگی بس لہو ولعب ہے اور اگر تم ایمان پر جمے رہے اور تم نے تقویٰ اختیار کیا تو وہ تمہیں تمہارے اجور عطاء فرما دے گا اور وہ تم سے

اَمْوَالَكُمْ ۝ اِنْ يَّسْـَٔـلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَاۗءِ

تمہارے مال طلب نہ فرمائے گا اگر وہ تم سے مال طلب کرے پھر انتہاء درجہ تک طلب فرمائے تو تم بخل کرنے لگو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی

تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ وَ مَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ

ناگواری کو ظاہر فرمادے گا خبردار تمہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے سو تم میں سے بعض لوگ بخل کرتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ

عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا

اپنی جان کی طرف سے بخل کرتا ہے اور اللہ غنی ہے تم محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمہارے بدلہ دوسری قوم کو لے آئے گا پھر

یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾

وہ تمہارے جیسے نہ ہوں گے۔

دنیاوی زندگی لہو ولعب ہے، کنجوسی کا وبال بخل کرنیوالے پر ہی ہے، اللہ غنی ہے اور تم فقراء ہو!

تفسیر: گزشتہ آیت میں مومنین سے خطاب تھا کہ تم ست نہ بنو اور کافروں سے صلح کرنے کی طرف نہ جھکو اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ تمہارے اعمال کو ضائع نہ فرمائے گا ان آیات میں مسلمانوں کو چند تنبیہات فرمائی ہیں کچھ عام احوال سے اور کچھ فی سبیل اللہ اموال خرچ کرنے سے متعلق ہیں اول تو یہ فرمایا کہ دنیا کھیل ہے نفوس کو بہلانے والی چیز ہے سورۃ العنکبوت میں بھی یہ مضمون ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ (اور بلاشبہ آخرت والا گھر ہی زندگی ہے) کھیل کود سے مقاصد حقیقیہ حاصل نہیں ہوتے مقصد حقیقی یعنی ہمیشہ نعمتوں اور فرحتوں اور لذتوں میں رہنا یہ موت کے بعد دار آخرت ہی میں نصیب ہوگا اسی کے لئے کوشش کرنا لازم ہے انہیں اعمال میں مشغول ہو جو وہاں کام آئیں پھر فرمایا وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا یُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ اور اگر تم ایمان پر جمے رہے اور تقویٰ اختیار کیا (جس میں فرائض اور واجبات کی ادائیگی اور ترکِ معاصی سب داخل ہے) تو اللہ تمہارے اعمال کے اجور عطاء فرمائے گا مفسر قرطبی نے اس کے کئی معنی لکھے ہیں اول یہ کہ اللہ تمہیں یہ حکم نہیں دے گا کہ پورے اموال زکوٰۃ میں دے دو، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تمہارے اموال کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اس کا ثواب تمہیں کو مل جائے گا اور ایک یہ مطلب لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کسی جگہ مال خرچ کرنے کا حکم ہوتا ہے تو وہ تمہارے اموال کا سوال نہیں ہے وہ تو اسی کا مال ہے اسی نے تم کو عطاء فرمایا وہی مالک حقیقی ہے اپنی رضا کے لئے جو مال بھی خرچ کرنے کا حکم فرمائے اس پر راضی رہنا چاہئے کیونکہ اس نے اپنا مال طلب فرمایا۔ (لا یسئلکم اموالک کا ترتب اِنْ تُؤْمِنُوْا پر جیسا کہ اس کے جزا ہونے کا مقتضا ہے بایں معنی نہیں ہے کہ اگر ایمان نہ لاؤ تو تمہارا مال لے لے گا بلکہ بایں معنی ہے کہ ایمان نہ لانے والے سے تو ہماری کوئی خصوصیت ہی نہیں اس میں تو سوال اموال کا احتمال ہی نہیں، البتہ شاید ایمان لانے کی صورت میں ڈرتا کہ کہیں دوستی میں فرمائشیں نہ ہونے لگیں جیسا کہ اکثر اہل دنیا میں مشاہدہ کیا جاتا ہے)

اِنْ یَّسْئَلْكُمُوْهَا فَیُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَیُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ (اگر وہ تم سے تمہارے مال طلب کرے اور انتہاء درجہ تک طلب

فرمائے تو تم بخل کرو گے اور اللہ تعالیٰ تمہاری ناگواری کو ظاہر فرما دے گا یعنی تم اس صورت میں مال خرچ نہ کرو گے اور خرچ کرنے کا حکم ہوتے ہوئے خرچ نہ کرنے کی ظاہری بے عملی سے تمہارے اندر کی ناگواری ظاہر ہو جائے گی اور یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ حکم کے مطابق عمل کرنے پر دل سے راضی نہیں ہو (مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے طور پر 1/40 خرچ کرنے کا حکم ہوا ہے اسے خرچ کرنے سے بھی جان چراتے ہیں دینداری کے دعویدار بھی پورا حساب کر کے پوری زکوٰۃ دینے کو تیار نہیں اگر پورے اموال کا خرچ کرنے کا حکم ہوتا تو کیا حال ہوتا خوب سمجھ لیا جائے اس مضمون کو بعد والی آیت میں بیان فرمایا ارشاد ہے هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ (خبردار تم ایسے لوگ ہو کہ تمہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو تم میں سے بعض وہ ہیں جو کنجوسی کرتے ہیں)

وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ (اور جو شخص بخل اختیار کرے گا کنجوس بنے گا تو وہ خود اپنے ہی سے بخل کرتا ہے یعنی اپنی ہی جان کو خرچ کرنے کے منافع سے محروم رکھتا ہے خرچ نہ کرنے کا ضرر خود اسی کو پہنچتا ہے۔

وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (اور اللہ غنی ہے اور تم محتاج ہو) اللہ تعالیٰ تمہیں عطاء فرماتا ہے اسے نہ حاجت ہے نہ ضرورت ہے وہ بے نیاز ہے تم سب اس کے محتاج ہو اس غلط فہمی میں کوئی نہ رہے کہ شرعی قوانین کے مطابق جو اموال خرچ کرنے کا حکم ہے اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی نفع ہے (العیاذ باللہ)

اگر تم دین سے پھر جاؤ تو اللہ دوسری قوم کو لے آئے گا

آخر میں فرمایا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ (اور اگر تم روگردانی کرو دین اسلام کی طرف سے بے رخی اختیار کر لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے بدلہ دوسری قوم کو لے آئے گا)

ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (پھر وہ تمہارے جیسے نہ ہوں گے) اس میں ان مسلمانوں کو جو نزول آیت کے وقت موجود تھے خصوصاً اور تمام بعد آنے والے مسلمانوں کو عموماً تنبیہ فرمادی کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ دین اسلام کی نصرت اور اس کے اعمال انفاق مال اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ۔

مجھ پر یا میری قوم پر موقوف ہے اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے وہ خالق اور مالک بھی ہے غنی بھی ہے قادر مطلق بھی ہے جس کو چاہے جس کام میں چاہے استعمال فرما سکتا ہے۔

عجمی اقوام کی دینی خدمات

سنن ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر ہم لوگ روگردانی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے بدلہ ان کو اختیار فرمالے گا پھر وہ ہمارے جیسے نہ ہوں گے اس وقت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ موجود تھے آپ نے فرمایا حضرت سلمان فارسی کے مونڈھے پر اور ایک روایت میں ہے کہ ان کی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ شخص اور اس کی قوم اور ایک روایت میں ہے کہ یہ اور ان کے اصحاب قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ایمان ثریا (ستاروں) پر

بھی لٹکا ہو تو فارس کے بہت سے لوگ اس کو حاصل کر لیں گے۔ (سنن ترمذی ابواب تفسیر سورۃ محمد ﷺ)

درحقیقت ایسا ہی ہوا جب اہل عرب کو اسلامی خدمات کی طرف توجہ نہ رہی تو اللہ جل شانہٗ نے فارس کے شہروں اور بستیوں سے ایسے افراد پیدا فرمائے جنہوں نے خوب بڑھ چڑھ کر علوم اسلامیہ کی خدمت کی حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کو لے لو جن کا علم اور تقویٰ اور شان تفقہ عوام اور خواص سب کو معلوم ہے پھر حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پڑھ لو اور مکی بن ابراہیم بلخی کا ترجمہ بھی پڑھ لو جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے ان سے امام بخاری نے گیارہ ثلاثیات کی روایت کی ہے ابوعبید قاسم بن سلام ہروی، نعیم بن حماد مروزی، اسحٰق بن ابراہیم مروزی، زہیر بن حرب قتیبہ بن سعید بلخی، ابوجعفر محمد بن مہران رازی، ابوزکریا یحییٰ بن موسیٰ البلخی السجستانی، حافظ زکریا بن یحییٰ بلخی، امام ابوزرعہ رازی، امام ابوحاتم الرازی، امام ابوداؤد، (صاحب السنن) سلیمان بن اشعث السجستانی، صاحب السنن امام ترمذی ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، امام ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی ابن ماجہ، صاحب السنن امام احمد بن شعیب النسائی، امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری الحافظ الکبیر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ النیساپوری، الحافظ ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن مندہ الاصبہانی بلادِ فارس کے رہنے والے تھے، حضرت امام مسلم بن الحجاج (صاحب الصحیح) بھی نیساپوری تھے ان کو قشیری بھی کہا جاتا ہے تہذیب الاسماء واللغات میں لکھا ہے کہ یہ قبیلہ بنی قشیر کی طرف منسوب ہے جو عرب کا ایک قبیلہ تھا اگر وطن کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اہل عجم کی فہرست میں ان کا اسم گرامی بھی ذکر کیا جا سکتا ہے۔

یہ چند اسماء محدثین کرام کے ہم نے حافظ ذہبیؒ کی تذکرۃ الحفاظ سے منتخب کر کے لکھے ہیں مزید مطالعہ کیا جائے تو فارس کے محدثین کی بڑی تعداد سامنے آجائے گی حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے جو تذکرۃ الحفاظ کا تکملہ لحظ الالحاظ کے نام سے لکھا ہے اس سے بھی انتخاب کر لیا جائے، حافظ ابوالقاسم طبرانی، صاحب المعاجم اور حافظ ابوحاتم محمد بن حبان البستی اور ابن السنی ابوبکر دینوری اور حافظ ابونعیم اصبہانی اور صاحب السنن امام بیہقی کا اضافہ تو کر ہی لیں۔

یہ ہم نے چند محدثین کرام کے اسماء گرامی لکھے ہیں جو بلادِ فارس کے رہنے والے تھے دوسرے بلاد عجم کے محدثین ان کے علاوہ ہیں اہل مغرب کے جن حضرات نے کتاب وسنت کی خدمت کی ہے ان کو بھی فہرست میں لے لیا جائے، حضرت امام ابوعمرو دانی امام شاطبی امام ابن الجزری کے اسماء گرامی کو بھی فہرست میں لکھ لیں مفسرین عظام اور فقہائے کرام کا تذکرہ باقی ہے ان کی بھی فہرست بنالی جائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے فقہ کو آگے بڑھانے والے تو اہل فارس ہی تھے جنہیں علمائے ماوراءالنہر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد تاتاریوں نے جو اسلام کی خدمت انجام دی ہیں اور ترکوں نے جو صلیبی جنگیں لڑی ہیں ان کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ کے عموم میں تمام عجمی اقوام آجاتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے بطور مثال فارس کا تذکرہ فرمادیا ہے۔

وَھٰذا آخر الکلام فِیْ تفسیر سورۃ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام
وَعَلٰی آلہٖ وصحبہ البررۃ الکرام والحمد للّٰہ تعالٰی علی التمام.

سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الفتح مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں انتیس آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ

بے شک ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح دی تا کہ اللہ آپ کی اگلی پچھلی سب خطائیں معاف فرما دے اور آپ پر اپنی نعمت

عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ

پوری کردے اور آپ کو صراط مستقیم پر چلائے اور اللہ آپ کی ایسی مدد فرمائے جو زبردست ہو اللہ وہی ہے جس نے مومنین کے دلوں میں سکون نازل فرمایا

فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ

تا کہ ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے اور اللہ ہی کے لئے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور

اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

اللہ علیم ہے حکیم ہے تا کہ اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ

تا کہ ان کے گناہوں کا کفارہ فرمادے۔ اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے اور تا کہ اللہ منافق مردوں

وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ

اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے جو اللہ کے بارے میں برا گمان رکھنے والے ہیں ان پر برائی کی مصیبت پڑنے والی ہے

وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ

اور اللہ ان پر غصہ ہوا اور ان پر لعنت کردی اور ان کے لئے جہنم تیار کردیا اور وہ برا ٹھکانہ ہے اور اللہ ہی کے لئے ہیں لشکر آسمانوں کے

وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

اور زمین کے اور اللہ عزیز ہے حکیم ہے۔

فتح مبین کا تذکرہ نصر عزیز اور غفران عظیم کا وعدہ

تفسیر: یہ سورۃ الفتح کی ابتدائی آیات کا ترجمہ کیا گیا ہے اس سورت میں فتح مبین کا اور صلح حدیبیہ کا اور فتح خیبر کا

تذکرہ ہے اور آخر میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی توصیف اور تعریف ہے اس سورت کا ابتدائی حصہ سفر میں نازل ہوا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ صلح حدیبیہ کے بعد واپس مدینہ منورہ کے لئے تشریف لا رہے تھے اور حضرات صحابہؓ کے دلوں میں اس بات کا رنج تھا کہ عمرہ نہ کر سکے اس وقت سورۃ الفتح نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے۔ جب آپ نے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ پڑھ کر سنائی تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مبارک ہو اس میں تو آپ کے بارے میں فرمایا کہ ایسا ایسا ہوگا سوال یہ ہے کہ ہمارا کیا بنے گا اس کا بھی پتہ چلنا چاہیے اس پر آیت کریمہ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ نازل ہوئی۔ (ذکرہ البغوی معالم التنزیل ص ۱۸۸ ج ۴ و فی صحیح البخاری مختصرا ص ۶۰۰ ج ۲)

حضرت زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں تھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے ساتھ چل رہے تھے ایک روز رات کے وقت ایسا ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے کچھ سوال کیا آپ نے جواب نہ دیا پھر سوال کیا آپ نے پھر خاموشی اختیار فرمائی پھر تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے نفس سے کہا تیری ماں تجھے گم کرے پریشانی کے وقت اہل عرب اپنے بارے میں یہ کلمات بول دیا کرتے تھے تو نے تین بار سوال کر کے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف میں ڈالا تین بار سوال کیا آپ نے جواب نہیں دیا یہ سوچتے ہوئے میں جلدی سے اپنے اونٹ کو حرکت دے کر سب مسلمانوں سے آگے بڑھ گیا اور میں اس بات سے ڈرنے لگا کہ میرے بارے میں قرآن مجید کی کوئی آیات نازل نہ ہو جائے تھوڑی دیر میں ایک آواز سنی ایک شخص زور سے پکار کر کہہ رہا ہے اے عمر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ میں ڈرا کہ واقعۃً میرے بارے میں قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہوئی ہے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا آپ نے فرمایا کہ اس رات میں مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج نکلتا ہے پھر آپ نے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا تلاوت فرمائی۔ (صحیح البخاری ص ۶۰۰، ۷۱۶)

صلح حدیبیہ کا مفصل واقعہ

رسول اللہ ﷺ کو قریش مکہ نے بہت زیادہ تکلیفیں دی تھیں حتیٰ کہ آپ کو اور آپ کے اصحاب کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا ذی قعدہ ۶ ء میں رسول اللہ ﷺ عمرہ کرنے کے لئے اپنے پیچھے نمیلہ بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر روانہ ہو گئے مدینہ منورہ کے رہنے والے اور آس پاس کے دیہات کے باشندوں کو بھی سفر میں ساتھ چلنے کے لئے فرمایا آپ نے عمرہ کا احرام باندھ لیا اور حضرات صحابہؓ نے بھی، تا کہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ آپ کا مقصد جنگ کرنا نہیں ہے صرف بیت اللہ کی زیارت کرنا مقصود ہے آپ اپنے ساتھ ہدی کے جانور بھی لے گئے تھے (جو حج و عمرہ میں حرم مکہ میں ذبح کئے جاتے ہیں) جب آپ مقام عفسان میں پہنچے تو بشر بن سفیان کعبی سے ملاقات ہوئی اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قریش مکہ کو آپ کی روانگی کا پتہ چل گیا ہے وہ مقام ذی طویٰ میں جمع ہو گئے ہیں اور قسمیں کھا کھا کر یہ عہد کر رہے ہیں کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے اور خالد بن ولید (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) اپنے سواروں کو لیکر کراع الغمیم (ایک مقام کا

نام ہے) میں پہنچ چکے ہیں آپ نے یہ سن کر راستہ بدل دیا اور داہنی ہاتھ کی طرف روانہ ہو گئے یہ با قاعدہ راستہ نہیں تھا گھاٹیاں تھیں دشوار گزار مقامات سے گزرنا پڑا یہاں تک کہ نرم زمین میں پہنچ گئے اور مقام حدیبیہ کے راستہ پر پڑ گئے' حدیبیہ مکہ اور جدہ کے درمیان ہے حرم کے حدود وہاں ختم ہو جاتے ہیں (عسفان سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے حدیبیہ واقع نہیں ہوتا لیکن چونکہ قریش کے آڑے جانے کا امکان تھا اس لئے آپ راستہ بدل کر حدیبیہ پہنچ گئے۔

جب قریش کے سواروں کو پتہ چلا کہ اپنے راستہ بدل دیا ہے تو واپس قریش کے پاس مکہ معظمہ چلے گئے ادھر رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ مقام حدیبیہ میں پہنچ گئے وہاں پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی صحابہ نے کہا یہ تو آگے بڑھنے سے ہٹ کرنے لگی آپ نے فرمایا ہٹ کرنا اسکی عادت نہیں ہے اسے اسی ذات پاک نے روک دیا جس نے ہاتھی والوں کو مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا کیونکہ قریش مکہ کے آڑے آجانے اور مکہ معظمہ کے داخلہ میں رکاوٹ ڈالنے کا گمان تھا اس لئے آپ نے فرمایا کہ اگر آج قریش نے مجھ سے کسی ایسی بات کا سوال کیا جو صلہ رحمی کی بنیاد پر ہو تو میں اس میں اسکی موافقت کرلوں گا اور بعض روایات میں یوں بھی ہے کہ اگر مجھے کسی ایسی بات کی دعوت دیں گے جس میں ان چیزوں کی حرمت کا مطالبہ ہو جنہیں اللہ تعالیٰ نے معظم قرار دیا ہے تو ان کی بات مان لوں گا۔

حدیبیہ میں قیام تو فرمالیا لیکن وہاں پانی بہت ہی کم تھا حضرات صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہاں تو پانی نہیں ہے نہ وضو کر سکتے ہیں نہ پینے کا انتظام ہے بس یہی تھوڑا سا پانی ہے جو آپ کے پیالہ میں ہے آپ نے اپنا دست مبارک اس پیالہ میں رکھ دیا آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے راوی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے پانی پیا وضو کیا کسی نے دریافت کیا کہ آپ حضرات کی کتنی تعداد تھی تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم لوگ پندرہ سو تھے اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی سب کے لئے کافی ہو جاتا۔

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ (آیت کریمہ میں جو فتح کا ذکر ہے آپ لوگ اس سے فتح مکہ مراد لیتے ہیں اور ہم بیعت رضوان کو فتح کا مصداق شمار کرتے تھے جو حدیبیہ کے موقعہ پر ہوئی ہم تعداد میں چودہ سو یا کچھ زیادہ تھے' حدیبیہ کے ایک کنوئیں میں تھوڑا سا پانی تھا ہم نے سارا پانی کھینچ کر استعمال کرلیا اور اس میں ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ تشریف لائے اور اس کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ گئے پھر فرمایا کہ اس میں سے نکالا ہوا ایک ڈول پانی لاؤ وہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا آپ نے اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور ایک روایت میں ہے کہ وضو فرمایا اور کلی کی اور اس کنوئیں میں پانی ڈالا پھر فرمایا اسے کچھ دیر چھوڑ دو کچھ دیر کے بعد اس میں پانی لینا شروع کیا اور تمام حاضرین اپنی سواریاں سمیت سیراب ہو گئے) اس میں اختلاف کی بات نہیں ہے چودہ سو سے اوپر جو افراد تھے ان کو بعض صحابہ نے پندرہ سو بتا دیا اور بعض نے چودہ سو بتا دیا کسر کا اعتبار نہیں کیا اور اس میں بھی کوئی تعارض نہیں کہ پیالہ میں دست مبارک رکھنے سے چشمے جاری ہو گئے اور کنوئیں میں بھی آپ نے لعاب مبارک ڈال دیا...... جب آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ میں قیام فرمالیا تو قریش مکہ نے یکے بعد دیگرے بدیل بن ورقاء اور مکرز بن حفص اور حلیس بن علقمہ اور عروہ بن مسعود ثقفی کو آں حضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا آپ نے ان لوگوں کو جواب دیا کہ ہم عمرہ کرنے کے لئے آئے لڑائی لڑنا ہمارا مقصد نہیں ہے۔

حضراتِ صحابہ کی محبت اور جانثاری

عروہ بن مسعود حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے عجیب منظر دیکھا حضرات صحابہؓ کی محبت اور جانثاری دیکھ کر آنکھیں پھٹی رہ گئیں رسول اللہ ﷺ وضو فرماتے تھے تو جو پانی آپ کے اعضاء سے جدا ہوتا حضرات صحابہؓ اسے گرنے نہ دیتے تھے اور فوراً ہی اپنے ہاتھوں میں لے لیتے تھے جب آپ ناک کی ریزش ڈالتے تھے اسے بھی جلدی سے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے تھے اور آپ کا اگر کوئی بال گرتا تھا تو اسے بھی گرنے سے پہلے ہی اچک لیتے تھے۔

عروہ بن مسعود ثقفی نے واپس ہو کر قریش مکہ سے کہا کہ دیکھو میں کئی بار کسریٰ قیصر اور نجاشی کے پاس گیا ہوں (یہ تینوں بادشاہ تھے) میں نے کسی بادشاہ کے ایسے فرمانبردار نہیں دیکھے جیسے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ہیں اگر تم نے جنگ کی تو یہ لوگ کبھی بھی انہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے اب دیکھ لو تمہاری کیا رائے ہے؟ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب سے فرمایا کہ تم مکہ معظمہ جاؤ وہاں قریش کو بتادو کہ ہم جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معذرت پیش کر دی کہ قریش کو معلوم ہے کہ میں ان کا کتنا بڑا دشمن ہوں اور میرے قبیلہ بنی عدی میں سے وہاں ایسے افراد نہیں ہیں جو میری حفاظت کر سکیں میں آپ کو رائے دیتا ہوں کہ آپ عثمان بن عفانؓ کو بھیج دیں قریش کے نزدیک وہ مجھ سے زیادہ معزز ہیں چنانچہ آپ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ابوسفیان اور دیگر اشراف قریش کے پاس بطور نمائندہ بھیج دیا تاکہ وہ قریش کو بتادیں کہ آپ جنگ کے ارادہ سے تشریف نہیں لائے بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کے لئے تشریف لائے ہیں جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کو پیغام دیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم یہ بات ماننے کو تیار نہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں البتہ تم چاہو تو طواف کر سکتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ میں تنہا طواف نہیں کر سکتا رسول اللہ ﷺ طواف کریں گے تو میں بھی کروں گا حضرت عثمان کو قریش مکہ نے روک لیا اور ادھر رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچ گئی کہ عثمان کو قتل کر دیا گیا ہے۔

بیعت رضوان کا واقعہ

جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اب ہم تو یہاں سے نہیں ہٹیں گے جب تک قریش سے جنگ نہ کر لی جائے چونکہ بظاہر جنگ لڑنے کی فضا بن گئی تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابہ سے بیعت لینا شروع کیا اور ایک شخص کے علاوہ آپ کے تمام اصحاب نے اس بات پر بیعت کر لی کہ ہم جم کر جنگ میں ساتھ دیں گے اور راہ فرار اختیار نہ کریں گے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چونکہ مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود ہی بیعت کر لی اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے ملایا اور فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے (یہ بیعت ایک درخت کے نیچے ہوئی تھی جو مقام حدیبیہ میں تھا اور اس کے بارے میں آیت کریمہ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ نازل ہوئی اس لئے اس بیعت کا نام بیعۃ الرضوان معروف ہو گیا اور بیعت کرنے والوں کو اصحاب الشجرہ کہا جانے لگا (شجرہ عربی میں درخت کو کہتے ہیں) اس کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر غلط ہے لیکن اس خبر کی وجہ سے جو

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کی اس کا ثواب بھی مل گیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا تمغہ بھی نصیب ہو گیا جس کا قرآن مجید میں اعلان ہو گیا جو رہتی دنیا تک برابر پڑھا جاتا رہے گا۔

اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو کو گفتگو کرنے کے لئے بھیجا اور یوں کہا کہ محمد علیہ السلام کے پاس جاؤ اور ان سے صلح کی گفتگو کرو لیکن صلح میں اس سال عمرہ کرنے کی بات نہ آئے اگر ہم اس سال انہیں عمرہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں تو عرب میں ہماری بدنامی ہو گی اور اہل عرب یوں کہیں گے کہ دیکھو محمد رسول اللہ ﷺ اپنی قوت اور زور سے مکہ میں داخل ہو گئے سہیل ابن عمرو نے خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر لمبی گفتگو کی پھر آپس میں صلح کی شرطیں طے ہو گئیں (صحیح بخاری (باب الشروط فی الجہاد ص ۳۷۷ ج ۱ اور اجع معالم التنزیل ص ۱۹۹ ج ۴ تا ص ۲۰۳) جو انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ذکر کی جائیں گی۔

صلح حدیبیہ کا متن اور مندرجہ شرائط

صحیح بخاری ۳۷۱، ۳۸۲ اور صحیح مسلم ۱۰۴ ج ۲ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلح نامہ لکھنے لگے تو اس میں انہوں نے بطور عنوان لکھ دیا ھذا ما قضٰی علیہ محمد رسول اللہ اس پر سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو آپ کے رسول اللہ ہونے کا اقرار ہی نہیں کرتے اگر ہم اس کو مانتے ہوتے تو آپ کو عمرہ کرنے سے کیوں روکتے؟ آپ محمد بن عبداللہ لکھیئے آپ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ بھی ہوں محمد بن عبداللہ بھی ہوں پھر حضرت علی سے فرمایا کہ لفظ رسول اللہ کو مٹا دو حضرت علی نے عرض کیا کہ میں تو کبھی بھی آپ کی اس صفت کو نہیں مٹاؤں گا (یہ نافرمانی کی قسم نہیں ہے ناز و انداز کی بات ہے) اس کے بعد صلح نامہ کے شروع میں "**هذا ما قاضى عليه محمد بن عبدالله**" لکھا گیا۔

صحیح مسلم ۱۰۵ ج ۲ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا کہ لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیا ہے ہم اس کو نہیں جانتے بلکہ وہ لکھو جو ہم پہچانتے ہیں اور وہ **باسمک اللهم** ہے (آپ نے اس کو بھی منظور فرمالیا کما ذکرہ النوری)

البدایہ والنہایہ ۱۶۸ ج ۴ میں صلح نامہ کا متن جو نقل کیا ہے وہ ذیل میں درج ہے

هذا ما صالح عليه محمد بن عبد الله سهيل بن عمرو، اصطلحا على وضع الحرب عن الناس عشر سنين يأمن فيهن الناس ويكف بعضهم عن بعض، و علىٰ انه من أتىٰ محمداً من قريش بغير اذن وليه رده عليهم، ومن جاء قريشاً ممن مع محمد لم يردوه عليه، وان بيننا عيبة مكفوفة وانه لا اسلال ولا اغلال، وانه من احب ان يدخل فى عقد محمد وعهده دخل فيهٔ ومن احب ان يدخل فى عقد قريش وعهدهم دخل فيهٔ وانك ترجع عامك هذا فلاتدخل علينا مكة، وانه اذا كان عام قابل خرجنا عنك فدخلتها باصحابك فاقمت بها ثلاثاً معك سلاح الراكب، السيوف فى القرب لا تدخلها لغيرها.

ترجمہ: یہ وہ صلح نامہ ہے جس کی محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی ان باتوں پر صلح کی گئی۔

۱۔ دس سال تک آپس میں جنگ نہیں کریں گے ان دس سالوں میں لوگ امن و امان سے رہیں گے اور ایک دوسرے

(پر حملہ کرنے) سے رکے رہیں گے۔

۲۔قریش میں سے جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد علیہ السلام کے پاس آجائے گا اسے واپس کرنا ہوگا۔

۳۔اور محمد علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس آجائے گا وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

۴۔اور ایک یہ بات ہے کہ ہمارے درمیان گٹھڑی بندر ہے گی (یعنی آپس میں جنگ نہ کریں گے) لڑائی والی بات کو گٹھڑی کی طرح باندھ کر ڈال دیں گے اور بعض حضرات نے گٹھڑی بندر کھنے کا یہ معنی بتایا ہے جو کچھ ہم نے صلح کی ہے یہ سچے دل سے ہے دل گٹھڑیوں کی طرح ہیں جن میں راز کی چیزیں رکھی جاتی ہیں لہٰذا ہماری یہ گٹھڑی نہ کھلے گی اور کوئی فریق دھوکہ یا خیانت کا کام نہ کرے گا۔

۵۔نہ کوئی ظاہری طور پر چوری کرے گا اور نہ خیانت کے طور پر کسی کو تکلیف دے گا (ظاہر اور باطن کے اعتبار سے ہر شرط کی پابندی کی جائے گی)

۶۔اور جو شخص محمد علیہ السلام کے ساتھ کوئی معاہدہ اور معاقدہ کرنا چاہے وہ کرسکتا ہے۔

۷۔اور جو جماعت قریش سے کوئی معاہدہ و معاقدہ کرنا چاہئے اسے اس کا اختیار ہے۔

۸۔آپ اس سال واپس ہوجائیں مکہ معظمہ میں داخل نہ ہوں۔

۹۔اور آئندہ سال اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کے لئے آئیں اس وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوں اور صرف تین دن رہیں۔

۱۰۔اس وقت جب عمرہ کے لئے آئیں تو آپ کے ساتھ مختصر سے ہتھیار ہوں جنہیں مسافر ساتھ لے کر چلتا ہے تلواریں نیاموں میں ہوں گی اس کا لحاظ کرتے ہوئے داخل ہوسکیں گے۔

جب یہ شرطیں لکھی گئیں تو شرط نمبر۴ کے مطابق بنوخزاعہ نے اعلان کردیا کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہیں اور بنوبکر نے اعلان کردیا کہ ہم قریش میں ہیں پھر یہی معاہدہ فتح مکہ کا سبب بن گیا کیونکہ قریش مکہ نے بنوبکر کی مدد کردی جب بنوخزاعہ سے ان کی جنگ چھڑی) معاہدہ کی جو شرطیں اوپر مذکور ہوئیں ان میں سے بعض صحیح بخاری (صحیح بخاری باب الشروط فی الجہاد ص ۳۷۷ ج ۱ اور اجع معالم التنزیل ص ۱۹۹ ص ۲۰۳ ج ۴) میں اور بعض صحیح مسلم میں مذکور ہیں اور بعض سنن ابی داؤد میں بھی مروی ہیں۔

حضرت عمرؓ کا تردد اور سوال و جواب

کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بعض شرطوں کا قبول کرنا ناگوار ہوا وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور کیا قریش مکہ باطل پر نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں! پھر سوال کیا کیا ہمارے مقتولین جنت میں نہیں ہیں اور کیا ان کے مقتولین دوزخ میں ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور ان کے مقتولین دوزخ میں ہیں، عرض کیا پھر کیوں ہم اپنے دین میں ذلت گوارا کریں اور ہم کیوں اللہ کے فیصلے کے بغیر جو ہمارے ان کے درمیان (قتال کے ذریعہ) ہو واپس ہوجائیں؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس کی نافرمانی نہیں کرتا ہوں وہ میری مدد فرمائے گا حضرت عمر نے عرض کیا، کیا

آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا کیا میں نے اسی سال کے بارے میں کہا تھا؟ اس کے بعد حضرت ابوبکر سے بھی ان کا یہی سوال و جواب ہوا جب رسول اللہ ﷺ نے صلح کر لی اور پورا صلح نامہ لکھ دیا گیا ابو جندل نے مسلمانوں سے کہا کہ دیکھو میں مسلمان ہو کر آیا ہوں مشرکین کی طرف واپس کیا جا رہا ہوں مجھے بڑی بڑی تکلیفیں دی گئی ہیں مجھے اپنے ساتھ لے چلو لیکن مسلمان رسول اللہ ﷺ کے سامنے کچھ نہیں کر سکتے تھے صلح کی جو شرطیں آپ نے منظور فرمائی تھیں سب کے مطابق عمل کرنا لازم تھا بالآخر ابو جندل کو وہیں چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہمارا بن کر ہم کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو ہم سے دور فرما دے گا اس کی ہمیں ضرورت نہیں) اور جو شخص ان میں سے ہو گا اور ہمارا بن کر آئے گا (پھر ہم شرط کے مطابق اسے واپس کر دیں گے تو) اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی راستہ نکال دے گا۔ (صحیح مسلم ص ۱۰۵ ج ۲)

حلق رؤس اور ذبح ہدایا

جب صلح نامہ لکھا جا چکا تو آنحضرت سرور عالم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے ہدایا کو ذبح کرو اور سر منڈالو یہ بات سن کر کوئی بھی کھڑا نہ ہوا کیونکہ حضرت صحابہؓ اس امید میں تھے کہ شاید کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ وقت سے پہلے احرام کھولنا نہ پڑے اور عمرہ کرنے کا موقع مل ہی جائے) آپ کے تین بار ارشاد فرمانے کے بعد بھی جب کوئی کھڑا نہ ہوا تو آپ اپنی اہلیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے پوری صورت حال بیان کی (کہ میں ہدایا کے ذبح کرنے کا اور سر مونڈنے کا حکم دے چکا ہوں لیکن صحابہ اس پر عمل نہیں کر رہے ہیں) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ لوگ ذبح اور حلق والا کام کر گزریں تو آپ باہر تشریف لے جا کر کسی سے بات کئے بغیر اپنے اونٹوں کو ذبح فرما دیں اور بال مونڈنے والے کو بلا کر اپنے سر کے بال منڈوا دیں آپ باہر تشریف لائے اور ایسا ہی کیا جب آپ کو حضرات صحابہ نے دیکھا کہ آپ ہدایا ذبح فرما رہے ہیں اور حلق کروا لیا ہے تو سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے ہدایا کو ذبح کر دیا اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔ (صحیح بخاری ص ۳۸۰)

حضرت ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کا واقعہ

وہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اہل مکہ میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا اور اسے شرط کے مطابق واپس کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی راستہ نکال دے گا اس کے مطابق اس کا حل یہ نکلا حضرت ابوبصیرؓ ایک صحابی مسلمان ہو کر مکہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے مکہ والوں نے ان کو واپس کرنے کے لئے دو آدمی بھیجے، رسول اللہ ﷺ نے شرط کے مطابق ان کو واپس کر دیا واپسی میں جب ذوالحلیفہ پہنچے تو حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ان دو آدمیوں میں سے جو انہیں لینے آئے تھے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرا بھاگ کر مدینہ منورہ میں آ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ ضرور اسے کوئی خوفناک بات پیش آئی ہے اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ساتھی تو قتل کیا جا چکا ہے اور میں بھی قتل ہونے والا ہوں پیچھے سے حضرت ابوبصیر بھی حاضر خدمت ہو گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ

کی جو ذمہ داری تھی وہ تو اللہ تعالیٰ نے پوری کردی ہے آپ نے مجھے واپس کردیا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات دے دی ہے آپ نے فرمایا کہ یہ لڑائی کو بھڑکانے والا ہے کاش اسے کوئی سمجھانے والا ہوتا یہ سن کر ابو بصیرؓ نے سمجھ لیا کہ آپ مجھے پھر واپس کردیں گے لہٰذا وہ مدینہ منورہ سے نکل گئے اور سمندر کے کنارے پر پڑاؤ ڈال لیا۔ جب ابو جندل کو اس کا پتہ چلا تو وہ بھی ابو بصیرؓ کے پاس پہنچ گئے اور اب جو بھی کوئی شخص قریش مکہ میں سے مسلمان ہوتا ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ جاتا یہاں تک کہ وہاں کے سمندر کے کنارے ایک جماعت اکٹھی ہوگئی قریش کا جو بھی قافلہ شام کی طرف جاتا تھا یہ لوگ اسے روک لیتے اور قافلے کے آدمیوں کو قتل کردیتے اور ان کے اموال چھین لیتے تھے جب یہ صورت حال سامنے آئی تو قریش مکہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ان لوگوں کو بلالیں اور اب ہم اس شرط کو واپس لیتے ہیں کہ ہمارا کوئی شخص آپ کے پاس جائے گا تو اسے واپس کرنا ہوگا جو بھی شخص ہم میں سے آپ کے پاس پہنچے گا اسے واپس کرنے کی ذمہ داری آپ پر نہ ہوگی اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو پیغام بھیج دیا کہ واپس آجائیں۔ (صحیح البخاری ص ۳۸۰، ۳۸۱ ج۱)

رسول اللہ ﷺ نے ابو بصیر کے نام خط لکھ دیا کہ مدینہ منورہ آجائیں جب گرامی نامہ پہنچا تو وہ سیاق موت میں تھے ان کی موت اس حالت میں ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کا مکتوب گرامی ان کے ہاتھ میں تھا حضرت ابو جندلؓ نے انہیں دفن کردیا اور وہاں ایک مسجد بنادی اور پھر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ میں حاضر ہوگئے اور برابر وہیں رہتے رہے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام کی طرف چلے گئے اور وہیں جہاد میں شہید ہوگئے۔ (فتح الباری ص ۳۵۱ ج ۵)

صلح حدیبیہ کی مذکورہ تفصیل کے بعد اب آیات بالا کا ترجمہ دوبارہ پڑھ لیجئے ان میں فتح مبین کی خوشخبری ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اگلی پچھلی تمام لغزشوں کی معافی کا اور تکمیل نعمت کا اور صراط مستقیم پر چلانے کا اور نصر عزیز کا اعلان ہے۔

اہل ایمان پر انعام کا اعلان، اور اہل نفاق اور اہل شرک کی بدحالی اور تعذیب کا بیان

اللہ تعالیٰ نے مومنین کے دل میں سکون و اطمینان نازل فرمادیا تا کہ ان کا ایمان اور زیادہ بڑھ جائے اور یہ بھی فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ ایمان کی برکت سے اہل ایمان کو مرد ہوں یا عورت ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کا کفارہ فرمادے گا اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے گا ان کے بارے میں پانچ باتیں بتائیں اول الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ (کہ یہ لوگ اللہ کے ساتھ برا گمان رکھتے ہیں اس برے گمان میں یہ بھی داخل ہے یہ لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے ہیں اور اس کے رسول کی تکذیب نہیں کرتے ہیں کہ مومنین مغلوب ہوں گے اور کافروں کے حملے سے محفوظ ہو کر واپس مدینہ نہ آئیں گے چونکہ اپنے قلبی جذبات میں اور اعتقادات میں منافق عورتیں اور مشرک عورتیں بھی اپنے مردوں کے ساتھ ہوتیں ہیں اس لئے انہیں بھی وعید میں شریک کرلیا گیا۔

دوسری بات یہ بتائی کہ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ کہ ان پر برائی کی چکی گھومنے والی ہے یعنی دنیا میں مقتول اور ماخوذ ہوں گے اور اسلام کی ترقی ان کے قلبی احساسات کے لئے سوہان روح بنی رہے گی۔

تیسری اور چوتھی بات بتائی وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ اور اللہ ان پر غصہ ہوا اور ان پر لعنت کردی اور پانچویں بات بتائی وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ کہ ان کے لئے جہنم تیار کردیا اور آخر میں اس مضمون کو وَسَآءَتْ مَصِيْرًا پر ختم فرمایا کہ جہنم برا ٹھکانہ ہے۔

پھر فرمایا وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں کے اور زمینوں کے لشکر ان آیات میں یہ مضمون دو مرتبہ بیان فرمایا ہے اس میں یہ بتادیا کہ آسمان اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے لشکر ہیں وہ جس سے چاہے کام لے سکتا ہے ان میں کافروں کو بھی تنبیہ ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ مسلمان تھوڑے سے ہیں ہم انہیں دبالیں گے چونکہ ان کے علاوہ بھی اللہ کے لشکر ہیں اس لئے ان کی تعداد کو نہ دیکھیں اللہ اپنے دوسرے لشکروں سے بھی کام لے سکتا ہے اور اس میں مسلمانوں کے لئے بھی تذکیر ہے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اللہ تعالیٰ کے بہت سے لشکر ہیں وہ تمہاری تائید کے لئے اور کافروں کو زک دینے کے لئے اپنی دوسری مخلوق کو بھی استعمال فرما سکتا ہے۔

فائدہ: ان آیات میں ایک جگہ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا اور ایک جگہ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اسے اپنے دوستوں کا بھی علم ہے اور دشمنوں کا بھی وہ سب کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے وہ عزیز بھی ہے یعنی وہ زبردست ہے اس کے فیصلے اور ارادے کوئی پلٹ نہیں سکتا اور وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے مطابق جسے چاہتا ہے انعام دیتا ہے جسے چاہتا ہے عقاب و عذاب میں مبتلا فرما دیتا ہے۔

فائدہ: آیت کریمہ میں جو لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ فرمایا ہے باجماع امت اس سے گناہ حقیقی واقعی مراد نہیں ہے کیونکہ حضرت انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا صدور نہیں ہوسکتا بلکہ بعض وہ امور مراد ہیں جن میں خطاء اجتہادی ہوگئی اور اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو متنبہ فرمایا جیسا کہ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے میں آپ نے فدیہ لینے والوں کی رائے سے موافقت فرمائی اور جیسا کہ بعض منافقین نے جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگی تو آپ نے اجازت فرما دی جیسے عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ میں بیان فرمایا اور جیسا کہ حضرت ابن ام مکتوم نابینا صحابی کے آنے پر آپ کو خیال ہوا کہ اس وقت نہ آتے تو اچھا تھا اور اس کا اثر آپ کے چہرہ انور پر ظاہر ہوگیا کیونکہ آپ اس وقت کافروں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے اس پر عَبَسَ وَتَوَلّٰى نازل ہوئی اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آپ کا سب کچھ معاف فرمایا پھر بھی آپ بہت زیادہ عبادت کرتے تھے آپ رات کو نماز تہجد میں لمبا قیام کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آ گیا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ پاؤں پھٹنے لگے تھے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ آپ یہ کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ نے آپ کا سب کچھ معاف فرما دیا؟ آپ نے فرمایا کہ تو کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (صحیح البخاری ص ۱۵۰ ج ا ص ۷۱۶ جلد دوم)

مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنا بڑا کرم فرمایا تو اس کا تقاضا یہ تو نہیں ہے کہ عبادت کم کردوں احسان مندی کا تقاضا تو یہی ہے کہ اور زیادہ عبادت میں لگ جاؤں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ
بلاشبہ ہم نے آپ کو شاہد اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا تا کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو
وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝
اور اس کی تعظیم کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو۔

رسول اللہ ﷺ شاہد اور مبشر اور نذیر ہیں

تفسیر: اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی تین بڑی صفات بیان فرمائی اول شاہد ہونا دوسرے مبشر ہونا تیسرے نذیر ہونا عربی میں شاہد گواہ کو کہتے ہیں، قیامت کے دن آپ اپنی امت کے عادل ہونے کی گواہی دیں گے جیسا کہ سورۂ بقرہ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا اور سورۃ الحج لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ میں بیان فرمایا ہے دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ آپ مبشر ہیں جس کا معنی ہے بشارت دینے والا اور تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ آپ نذیر ہیں یعنی ڈرانے والے ہیں تبشیر یعنی ایمان اور اعمال صالحہ پر اللہ کی رضا اور اللہ کے انعامات کی بشارت دینا اور کفر پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب سے ڈرانا یہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کام تھا خاتم الانبیاء ﷺ نے بھی اسے پورے اہتمام کے ساتھ انجام دیا احادیث شریفہ میں آپ کے انذار اور تبشیر کی سینکڑوں روایات موجود ہیں اور الترغیب والترہیب کے عنوان سے علماء امت نے بڑی بڑی کتابیں تالیف کی ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ صفات توریت شریف میں بھی مذکور ہیں آنحضرت سرور عالم ﷺ کی مذکورہ صفات بیان فرمانے کے بعد اہل ایمان سے خطاب فرمایا لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا کہ ہم نے ان کو اس لئے رسول بنا کر بھیجا کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے دین کی مدد کرو اس کی تعظیم کرو اس کے موصوف بالکمالات ہونے کا عقیدہ رکھو اور صبح شام اس کی تسبیح بیان کرو، عقیدۂ تعظیم کے ساتھ عیوب اور نقائص سے اس کی تسبیح اور تقدیس میں لگے رہو۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ
بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے، سو جو شخص عہد توڑ دے گا اس کا
عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾
توڑنا اسی کی جان پر ہوگا، اور جو شخص اس عہد کو پورا کر دے جو اس نے اللہ سے کیا ہے سو وہ اسے بڑا اجر عطاء فرمائے گا۔

رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنا اللہ ہی سے بیعت کرنا ہے

تفسیر: جس وقت مقام حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کا مقام حدیبیہ میں قیام تھا اور حضرات صحابہؓ آپ کے ساتھ تھے اس وقت مکہ والوں کے آڑے آجانے کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر سے کچھ ایسی فضاء بن گئی تھی کہ جیسے جنگ کی ضرورت پڑ سکتی ہے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لی جس میں یہ تھا کہ جم کر جہاد کریں گے پشت پھیر کر نہ بھاگیں گے بیعت کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ آپ سے جو بیعت کر رہے ہیں ان کی یہ بیعت اللہ تعالیٰ ہی سے ہے آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ کے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں اور دعوت قبول کرنے والوں کو خود بھی اللہ کے دین پر چلاتے ہیں جو آپ کی فرمانبرداری کرتا ہے وہ اللہ کی فرمانبرداری کرتا ہے۔

اس بیعت میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا اقرار بھی آ جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کا بھی' قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول ﷺ کی اطاعت کا بھی ذکر ہے سورۃ النساء میں واضح طور پر فرمایا مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۔

بیعت کے لئے ضروری نہیں ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر ہی ہو زبانی اقرار عہد و پیمان بھی بیعت ہے لیکن چونکہ حدیبیہ کے موقعہ پر آپ نے ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت فرمائی اور بیعت اسی طرح مروج تھی (اور اب بھی اسی طرح مروج ہے) اس لئے ارشاد فرمایا يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ کہ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) اللہ تعالیٰ شانہ' اعضا اور جوارح سے تو پاک ہے لیکن بیعت کی ذمہ داری کو واضح فرمانے کے لئے اور اس بات کو مؤکد کرنے کے لئے جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فرمایا۔

چونکہ بیعت کرنے والے کی اندرونی حالت کو وہ شخص نہیں جانتا جس سے بیعت کی جا رہی ہو اس لئے بیعت کرنے والے کی ذمہ داری بتانے کے لئے فرمایا فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ (کہ جو شخص بیعت کو توڑ دے اس کے توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا) معاہدہ کر کے توڑ دینا تو ویسے بھی گناہ کبیرہ ہے پھر جبکہ معاہدہ کو بیعت کی صورت میں مضبوط اور مؤکد کر دے تو اور زیادہ ذمہ داری بڑھ جاتی ہے جب اللہ کے رسول سے بیعت کر لی تو اس کو پورا کرنا ہی کرنا ہے۔

وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا (اور جو شخص اس عہد کو پورا کر دے جو اس نے اللہ سے کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اجر عظیم عطا فرمائے گا)

فائدہ:۔ اصحاب طریقت کے یہاں جو سلسلہ جاری ہے یہ مبارک و متبرک ہے اگر کسی متبع سنت شیخ سے مرید ہو جائے تو برابر تعلق باقی رکھے لیکن اگر شیخ خلاف شریعت کسی کام کا حکم دے تو اس پر عمل کرنا گناہ ہے' اگر کسی فاسق یا بدعتی پیر سے بیعت ہو جائے تو اس بیعت کو توڑنا واجب ہے۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ

عنقریب دیہات کے وہ لوگ جو پیچھے ڈال دیئے گئے آپ سے کہیں گے کہ ہمارے مالوں نے اور اہل و عیال نے ہمیں مشغول کر دیا سو آپ ہمارے لئے استغفار کیجئے' وہ اپنی زبانوں سے کہتے ہیں

بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا

جو ان کے دلوں میں نہیں ہے' آپ فرما دیجئے سو وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچانے کے لئے کسی بھی چیز کا اختیار رکھتا ہو اگر وہ تمہیں کوئی نقصان

أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١١﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ

یا نفع پہنچانا چاہے' بلکہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی سب خبر ہے' بلکہ بات یہ ہے کہ تمہارا خیال تھا کہ رسول

وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا

اور مؤمنین کبھی اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں میں مزین کر دی گئی اور تم نے برا گمان کیا اور تم ہلاک ہونے

نُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

والے لوگ ہو اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھا ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا

وَالْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾

اور زمین کا، وہ بخش دے جسے چاہے اور عذاب دے جسے چاہے اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان ہے۔

آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں نہ جانے والے دیہاتیوں کی بدگمانی اور حیلہ بازی کا تذکرہ

تفسیر: معالم التنزیل ۱۹۱ ج ۴ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جس سال صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کے آس پاس دیہاتوں میں یہ منادی کرادی کہ ہم عمرہ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں، مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ بھی عمرہ کرلیں اور قریش مکہ کی طرف سے کوئی جنگ کی صورت پیدا ہو جائے یا وہ بیت اللہ سے روکنے لگیں تو ان سے نمٹ لیا جائے آپ نے عمرہ کا احرام باندھا اور ھدی بھی ساتھ لی تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ آپ جنگ کے ارادہ سے روانہ نہیں ہو رہے اس وقت ایک بڑی جماعت آپ کے ساتھ روانہ ہوگئی (جن کی تعداد چودہ سو یا اس سے کچھ زیادہ تھی) اس موقع پر دیہات میں رہنے والوں میں بہت سے لوگ پیچھے رہ گئے اور آپ کے ساتھ سفر میں نہ گئے ابھی رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس نہیں پہنچے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں پہلے سے آپ کو خبر دے دی اور فرمایا سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا کہ دیہاتیوں میں سے جو لوگ پیچھے ڈال دیئے گئے (جن کی شرکت اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھی) وہ شرکت نہ کرنے کا عذر بیان کرتے ہوئے یوں کہیں گے کہ ہمارے مالوں اور ہمارے اہل وعیال نے ہمیں مشغول رکھا ہم ان کی ضروریات میں لگے رہے پیچھے گھروں میں چھوڑنے کے لئے بھی کوئی نہ تھا لہٰذا آپ ہمارے لئے اللہ سے درخواست کردیجئے کہ وہ ہماری مغفرت فرمادے، جب آنحضرت سرور عالم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے تو یہ لوگ حاضر خدمت ہوگئے اور انہوں نے ساتھ نہ جانے کا وہی عذر بیان کردیا کہ ہمیں بال بچوں سے متعلق کام کاج کی مشغولیتوں نے آپ کے ساتھ جانے نہ دیا اب آپ ہمارے لئے استغفار کردیں، اللہ جل شانہٗ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے یعنی ان کا یہ کہنا کہ ہمارا شریک ہونے کا ارادہ تو تھا لیکن گھر بار کی مشغولیت کی وجہ سے نہ جاسکے اور یہ کہنا کہ آپ ہمارے لئے استغفار کردیں یہ ان کی زبانی باتیں ہیں جو ان کے قلبی جذبات اور اعتقادات کے خلاف ہیں نہ ان کا شریک ہونے کا ارادہ تھا اور نہ استغفار کی ان کے نزدیک کوئی حیثیت ہے یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہی نہیں لائے پھر گناہ اور ثواب اور استغفار کی باتوں کا کیا موقع ہے؟

پھر ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو جھوٹی عذر خواہی اور حیلہ بازی کریں کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی ضرر یا نفع پہنچانا چاہے تو وہ کون ہے جو اللہ کی طرف سے آنے والے کسی فیصلے کے بارے میں کچھ بھی اختیار رکھتا ہو، جب اللہ کے رسول ﷺ کے

ساتھ چلنے کے لئے حکم ہو گیا تو ساتھ جانا ضروری تھا آپ کے ساتھ نہ جانے کی صورت میں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرر پہنچ جائے تو اس کو کوئی بھی دفع نہیں کر سکتا بات وہ نہیں ہے جو بطور معذرت پیش کر رہے ہو اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے تم تو یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے رسول علیہ السلام اور ان کے ساتھی اہل ایمان جو سفر میں جا رہے ہیں یہ کبھی بھی واپس نہیں آئیں گے دشمن ان کو بالکل ختم کر دیں گے یہ بات تمہارے لئے شیطان نے مزین کر دی اور تمہارے دلوں میں بیٹھ گئی اور تم نے برا خیال کر لیا کہ یہ لوگ ہلاکت کی راہ پر جا رہے ہیں اگر کسی کے جانے کا ارادہ بھی تھا تو تم نے اسے یہ کہہ کر روک دیا کہ کہاں جا رہے ہو ذرا انتظار کرو دیکھو ان کا کیا ہوتا ہے؟

وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا اور تم اپنے اس گمان کی وجہ سے اور ساتھ نہ جانے کی وجہ سے بالکل تباہ و برباد ہو گئے۔ (معالم التنزیل)

قوله تعالىٰ وكنتم قوما بورا قال صاحب الروح اى هالكين لفساد عقيدتكم وسوء نيتكم مستوجبين سخطه تعالىٰ وعقابه جل شانهٗ وقيل اى فاسدين فى انفسكم وقلوبكم ونياتكم' اه يقال قوم "بور" هلكى وهو جمع بائر مثل حائل وحول وقدبار فلان اى هلك وأباره الله اى اهلكه ومنه قوله تعالىٰ تجارة لن تبور وقوله تعالىٰ واحلوا قومهم دار البوار (راجع مفردات الراغب و تفسير القرطبى)

(صاحب روح المعانی لکھتے ہیں قَوْمًا بُوْرًا کا مطلب ہے تم ہلاک ہونے والے تھے اپنے عقیدے کے فاسد ہونے اور اپنی نیتوں کے بد ہونے کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عتاب کے مستحق تھے بعض نے کہا تم اپنے نفسوں اور دلوں میں فاسد تھے، کہا جاتا ہے ''قوم بور'' یعنی ہلاک شدہ، بُور جمع ہے بائر کی جیسے حائل کی جمع حول ہے بَارَ فُلَاق کا معنی ہے ہلاک ہو گیا اور اَبارہ اللہ کا معنی ہے اللہ اسے ہلاک کرے اور اسی سے ہے اللہ تعالیٰ کا قول وَتِجَارَةً لَنْ تَبُوْرَ اور وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ)

اس کے بعد کافروں کے لئے وعید بیان فرمائی وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان نہ لائے سو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کیا ہے۔)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی شان مالکیت اور مغفرت اور مؤاخذہ کا تذکرہ فرمایا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا) يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ (وہ مغفرت فرمائے جس کی چاہے اور عذاب دے جس کو چاہے) وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے) جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کی اور کفر پر جمے رہے اور جھوٹے منہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے استغفار کیجئے اگر یہ لوگ توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ مغفرت فرما دے گا کافر کی توبہ بغیر ایمان کے قبول نہیں ہوتی۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا

جب تم اموال غنیمت لینے کے لئے چلو گے تو وہ لوگ کہیں گے جو پیچھے ڈال دیئے گئے کہ ہمیں چھوڑ دو تمہارے پیچھے چلیں، وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے

كَلٰمَ اللّٰهِ ۗ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۗ بَلْ

کلام کو بدل دیں، آپ فرما دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے پیچھے نہ چلو اللہ نے پہلے سے یہی فرمایا ہے، سو وہ لوگ کہیں گے بلکہ

كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

تم ہم سے حسد کرتے ہو بلکہ بات یہ ہے کہ وہ نہیں سمجھتے مگر تھوڑا سا۔

جو لوگ حدیبیہ والے سفر میں ساتھ نہ گئے تھے ان کی مزید بدحالی کا بیان!

تفسیر: صلح حدیبیہ کے بعد تھوڑی ہی سی مدت کے بعد خیبر فتح ہو گیا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ عنقریب شرکاء حدیبیہ کو اموال غنیمت ملیں گے رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے اموال غنیمت شرکاء حدیبیہ کے لئے مخصوص فرما دیئے تھے تاکہ ان اموال کی محرومی کی تلافی ہو جائے جو انہیں اہل مکہ سے جنگ کر کے بطور غنیمت حاصل ہو سکتے تھے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے پہلے سے خبر دیدی کہ جب تم لوگ مغانم خیبر کے لئے چلو گے یعنی جنگِ خیبر کے لئے روانہ ہونے لگو گے جس کا نتیجہ فتح اور اموال غنیمت حاصل ہونے کی صورت میں کچھ قتال ظاہر ہوگا تو یہ لوگ جو صلح حدیبیہ کی شرکت سے قصداً رہ گئے تھے یوں کہیں گے کہ ہم بھی تمہارے ساتھ چلیں کچھ قتال میں حصہ لے لیں گے اور اموال غنیمت میں بھی شریک ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ ان سے فرما دیں تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ جاؤ گے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے یہ حکم فرما دیا ہے درمیان میں یہ بھی فرمایا یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلٰمَ اللّٰهِ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے کہ مخلفین کو ساتھ نہ لیں اس کو بدلنا چاہتے ہیں اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ مغانم خیبر جو صرف اہل حدیبیہ کے لئے مخصوص کر دیئے گئے تھے اس حکم کو بدلنا چاہتے ہیں۔

چونکہ ان لوگوں کا مقصد مال حاصل کرنا تھا اور یہ سمجھ رہے تھے کہ ذرا سی محنت سے اموال غنیمت حاصل ہو جائیں گے اس لئے سفر خیبر میں ساتھ لگنے کی خواہش ظاہر کر رہے تھے۔

قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا یہ خبر بامعنی النھی ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم لوگ سفر خیبر میں ہرگز ہمارے ساتھ نہ جاؤ گے یعنی ہم تمہیں ساتھ نہ لیں گے۔[1]

پھر فرمایا فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا کہ جب تم ان سے یوں کہو گے کہ تم ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے تو یوں کہیں گے کہ اللہ کی طرف سے کوئی حکم نہیں ہے بلکہ تم یہ نہیں چاہتے کہ ہمیں اموال غنیمت میں شریک کرو تمہارا یہ جذبہ اور قول و فعل حسد پر مبنی ہے تم ہم سے حسد کرتے ہو اسی لئے یہ بات کر رہے ہو۔

بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (اے مسلمانو بات یہ نہیں ہے کہ تم حسد کر رہے ہو بلکہ بات یہ ہے کہ وہ بس تھوڑی سی سمجھ رکھتے ہیں صرف دنیاوی امور کو سمجھتے ہیں نصرت دین اور فکر آخرت سے ان کے قلوب خالی ہیں۔

یہاں یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے اموال غنیمت میں سے بعض مہاجرین حبشہ کو بھی اموال عطاء فرمائے تھے پھر اہل حدیبیہ کے استحقاق اور اختصاص کہاں رہا؟ حضرات مفسرین کرام نے اس کے دو جواب دیئے ہیں اول یہ کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے انہیں خمس یعنی 1/5 میں سے دیا تھا جس میں مجاہدین غانمین کا حق نہیں ہوتا وہ ۴/۵ کے مستحق ہوتے ہیں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غانمین سے اجازت لے کر ان حضرات کو اپنی صوابدید کے مطابق کچھ مال عطاء فرما دیا۔ (راجع معالم التنزیل ۱۹۲ ج ۴ و روح المعانی ص ۱۰۱ ج ۲۶)

[1] (فامر اللّٰه تعالیٰ ان لا یاذن لهم فی ذٰلک معاقبة لهم من جنس ذنبهم (ابن کثیر ص ۱۸۹ ج ۴)

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ

آپ ان دیہاتیوں سے فرمائیے جو پیچھے ڈال دیئے گئے تھے کہ تمہیں ایک ایسی قوم کی طرف بلایا جائے گا جو سخت قوت والے ہوں گے تم ان سے قتال کرو گے یا

يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ

وہ مسلمان ہو جائیں گے سو اگر تم فرمانبرداری کرو گے تو اللہ تمہیں اچھا عوض عطا فرمائے گا اور اگر تم نے روگردانی کی جیسا اس سے پہلے روگردانی کر چکے ہو تو اللہ تمہیں

عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾

دردناک عذاب دے گا۔

حدیبیہ کی شرکت سے بچھڑ جانیوالے دیہاتیوں سے مزید خطاب

تفسیر: اس آیت میں اللہ جل شانہٗ نے بطور پیشن گوئی ان دیہاتیوں کو بتایا ہے۔ جو حدیبیہ کی شرکت سے پیچھے رہ گئے تھے کہ عنقریب ایسی قوم سے جنگ کرنے کے لئے تمہیں بلایا جائے گا جو بڑی قوت والے ہوں گے سخت جنگ جو ہوں گے (خیبر کی جنگ میں تمہیں نہ لے جایا گیا جو حدیبیہ میں شریک نہ ہونے کیوجہ سے تمہارے لئے ایک قسم کی سزا ہے) جنگ لڑنے کے اور بھی مواقع آئیں گے آنے والی قوموں سے تم لڑتے رہو گے یا وہ فرمانبردار ہو جائیں گے جب تمہیں ان سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے بلایا جائے گا تو اس وقت اطاعت کرو گے (یعنی دعوت دینے والے امیر کی فرمانبرداری کرو گے) اللہ تعالیٰ تمہیں اجر حسن یعنی نیک عوض عطاء فرمادے گا اور اگر تم نے اس وقت روگردانی کی جہاد سے پشت پھیری جیسا کے حدیبیہ کے موقع پر پیچھے رہ چکے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔

جن مواقع میں اعراب مذکورین کو قتال کے لئے دعوت دی گئی یہ مواقع کب پیش آئے اور جس قوم سے جنگ کرنے کے لئے حکم دیا گیا وہ کون سی قوم تھی؟ اس بارے میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم اس آیت کو پڑھتے تو تھے لیکن یہ پتہ نہ تھا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں جب قبیلہ بنو حنیفہ سے جنگ کرنے کے لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے دعوت دی تو سمجھ میں آ گیا کہ آیت کا مصداق یہی بنو حنیفہ سے جنگ کرنا ہے۔ بنو حنیفہ یمامہ کے رہنے والے تھے اور مسیلمہ کذاب کے ساتھی تھے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس قوم سے فارس اور روم مراد ہیں جن سے جنگ کرنے کے لئے حضرت عمرؓ نے دعوت دی تھی اور لشکر بھیجے تھے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ بنی ہوازن مراد ہیں جن سے غزوہ حنین میں جہاد ہوا اور ایک قول یہ کہ اس سے رومی کفار مراد ہیں جن کے حملہ کرنے کی خبر سن کر رسول اللہ ﷺ تبوک تشریف لے گئے تھے صاحب روح المعانی نے یہ اقوال لکھے ہیں ان میں سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی دعوت مراد ہونا اقرب ہے کیونکہ انہوں نے جو قتال بنو حنیفہ کے لئے دعوت دی تھی۔ وہ امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے تھی اور امیر المومنین کی اطاعت نہ کرنے پر عذاب کی وعید دی گئی ہے اور ساتھ ہی تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ بھی اس پر صادق آتا ہے کیونکہ مسیلمہ کذاب کے ساتھیوں سے جنگ ہوئی تو اس کے ساتھیوں میں سے بہت سوں نے اسلام بھی قبول کر لیا تھا (وھذا علی ان تکون لفظة او للتنویع والحصر کما ھو الظاھر)

(اور یہ اس وقت ہے جبکہ لفظ اَوْ تنویع کے لئے ہو اور حصر کیلئے ہو جیسا کہ ظاہر ہے)

قبیلہ بنی ہوازن سے جنگ کرنے کے لئے مدینہ منورہ میں دعوت نہیں دی گئی فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ حنین تشریف لے گئے تھے جہاں بنی ہوازن مقابلہ کے لئے جمع ہوئے تھے اور غزوہ تبوک کی شرکت بھی مراد نہیں لی جاسکتی کیونکہ وہاں قتال نہیں ہوا اور نہ رومی مسلمان ہوئے۔ کیونکہ وہ سامنے ہی نہیں آئے اور حضرت عمرؓ نے جو فارس اور روم کے جہادوں کے لئے دعوت دی تھی چونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں کہ وہ جہاد فرض عین تھا۔ اس لئے اس کو ترک وعید کا مصداق نہیں بنایا جاسکتا امیر کا جو حکم جہاد فرض کفایہ کے لئے ہو وہ ایجابی نہیں ہوتا یاد رہے کہ اَوْ یُسْلِمُوْنَ کا ایک ترجمہ تو یہ کیا گیا ہے کہ وہ اسلام قبول کرلیں گے اور ایک ترجمہ یہ ہے کہ وہ فرمانبردار ہو جائیں گے۔ یعنی جزیہ دے کر جھک جائیں گے اگر قتال بنی حنیفہ مراد لیا جائے تو پہلا معنی اقرب الی السیاق ہے کیونکہ حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایہ میں بنی حنیفہ کے قتال کے تذکرے کے بعد لکھا ہے کہ بنی حنیفہ میں سے دس گیارہ ہزار آدمی مارے گئے اور بہت سوں نے حضرت خالد بن ولید کے دعوت دینے پر اسلام قبول کرلیا اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوگئے۔ (البدایہ والنہایہ ص ۳۶۵ ج ۶) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والماٰب.

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ

نابینا پر کوئی گناہ نہیں، اور لنگڑے پر کوئی گناہ نہیں، بیمار پر کوئی گناہ نہیں، اور جو شخص اللہ

وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾

اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے وہ اسے ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص روگردانی کرے وہ اسے دردناک عذاب دے گا۔

معذوروں سے کوئی مواخذہ نہیں، فرمانبرداروں کے لئے جنت اور روگردانی کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب ہے

تفسیر: تفسیر قرطبی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب آیت کریمہ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا نازل ہوئی (جس میں حکم جہاد سن کر روگردانی کرنے والوں کے لئے عذاب کی وعید ہے) تو جو لوگ اپاہج قسم کے تھے انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہمارا کیا بنے گا ہم تو جہاد میں شرکت نہیں کرسکتے اس پر آیت کریمہ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى (آخر تک) نازل ہوئی جس میں یہ بتادیا کہ جو لوگ مجبوری کی وجہ سے جہاد میں نہ جاسکے مثلاً نابینا ہوں یا لنگڑے ہوں یا بیمار ہوں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے یہ مضمون سورۃ التوبہ میں بھی گزرا ہے وہاں فرمایا ہے لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (دیکھو انوار البیان ص ۳۲۳ ج ۴)

اس کے بعد ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمادیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اللہ اسے جنت میں داخل فرمادے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے روگردانی کرے گا یعنی ہٹے گا اور بچے گا اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب دے گا۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ

بالتحقیق اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہوا جبکہ وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے سو ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو معلوم تھا

فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا

اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اطمینان نازل فرما دیا اور ان کو لگتے ہاتھ ایک فتح دے دی اور بہت سی غنیمتیں بھی جن کو یہ لوگ لے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست

حَكِیْمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ

بڑا حکمت والا ہے اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کو تم لو گے سو سر دست تم کو یہ دے دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے

عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَیَهْدِیَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۝ وَّاُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا قَدْ

روک دیئے اور تاکہ یہ اہل ایمان کے لئے نمونہ ہو جائے اور تاکہ تم کو ایک سیدھی راہ پر ڈال دے اور ایک فتح اور بھی ہے جو تمہارے قابو میں نہیں آئی خدا تعالیٰ اس کو

اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ۝ وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ

احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اگر کافر لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں تو پشت پھیر لیتے

ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ

پھر نہ کوئی کارساز پائے اور نہ کوئی مدد گار یہ پہلے سے اللہ کا دستور رہا ہے اور اے مخاطب تو اس کے دستور میں

اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۝

تبدیل نہ پائے گا۔

بیعت رضوان والوں کی فضیلت ان سے فتح و نصرت اور اموال غنیمت کا وعدہ

تفسیر: ان آیات میں بیعت رضوان کا ذکر ہے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے رسول اللہ ﷺ نے اس بات پر لی تھی کہ جنگ ہونے کی صورت میں ہم ہر طرح سے آپ کا ساتھ دیں گے پیچھے نہیں ہٹیں گے جم کر لڑیں گے اللہ جل شانہٗ نے اعلان فرما دیا کہ جن مومنین نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے یہ بہت بڑی سعادت ہے کہ ان حضرات کے لئے اسی دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا تمغہ مل گیا رہتی دنیا تک کے لئے قرآن پڑھنے والے تمام اشخاص و افراد کے سامنے بار بار اعلان سامنے آتا رہے گا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام بیعت کرنے والوں سے راضی ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان شاء اللہ دوزخ میں ان لوگوں سے کوئی بھی داخل نہ ہوگا جنہوں نے حدیبیہ میں بیعت کی۔

رضامندی کا اعلان فرماتے ہوئے فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص کی حالت کو جان لیا جس سے ان کے قلوب معمور تھے پھر اپنی مزید نعمت کا اظہار فرمایا فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینہ

نازل فرمادی ان کے قلوب کو پوری طرح اطمینان ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ مصالحت کی ہے اور قریش مکہ سے جو معاہدہ فرمایا ہے یہ بالکل صحیح ہے درست ہے اہل ایمان کے لئے باعث خیر ہے اور مبارک ہے پھر فتح قریب کی بشارت دی مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ اس سے خیبر کی فتح مراد ہے ۶ھ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا اور اس کے دو ماہ بعد خیبر فتح ہو گیا جہاں یہود بنی نضیر مدینہ منورہ سے جلا وطن کئے جانے کے بعد آباد ہو گئے تھے وہاں بھی انہوں نے شرارتیں جاری رکھیں لہٰذا رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لے کر تشریف لے گئے خیبر فتح ہو گیا اور یہود کے اموال بھی غنیمت کی صورت میں حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مل گئے۔

اس مضمون کے ختم پر وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے وہ سب پر غالب ہے وہ جس کو چاہتا ہے غلبہ دیتا ہے اور حکمت والا بھی ہے (اس کا ہر فیصلہ جلدی ہو یا دیر سے ہو سب کچھ حکمت کے مطابق ہوتا ہے)

اس کے بعد فرمایا وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا (اللہ نے تم سے بہت سے اموال غنیمت کا وعدہ فرمایا ہے) فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ (سو یہ اموال غنیمت جو تمہیں خیبر سے ملے ان کو جلدی عطا فرما دیا (اور ان کے علاوہ اور بہت سے مال غنیمت ملیں گے)۔

وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ (اور لوگوں کے ہاتھوں کو تمہاری جانب سے روک دیا یعنی جن لوگوں نے تم پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا ان کی دست درازی سے تمہیں محفوظ فرما دیا جب رسول اللہ ﷺ خیبر تشریف لے گئے اور وہاں اہل خیبر کا محاصرہ فرمایا تو یہاں قبیلہ بنی اسد اور قبیلہ بنی غطفان کے لوگوں نے مشورہ کیا کہ اس وقت مدینہ منورہ میں مسلمان تھوڑے سے ہیں اکثر غزوہ خیبر کے لئے گئے ہیں لہٰذا مدینہ منورہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کے اہل وعیال اور بال بچوں کو لوٹ لیا جائے اللہ تعالیٰ نے ان کے ارادہ کو ارادہ تک ہی رکھا ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا جس کی وجہ سے مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے نہ آسکے۔ (معالم التنزیل)

روح المعانی ۱۰۹ ج ۲۶ میں یوں لکھا ہے کہ یہودی لوگ مسلمانوں کے پیچھے ان کے اہل وعیال پر حملہ کرنے والے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں باز رکھا اور ارادہ کے باوجود وہ حملہ نہ کر سکے ایک قول یہ بھی ہے کہ بنی اسد اور بنی غطفان اہل خیبر کی مدد کے لئے نکلے تھے پھر واپس ہو گئے اور حضرت مجاہد تابعی نے وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صلح کی صورت پیدا فرما کر اہل مکہ کے ہاتھوں کو روک لیا جو اہل ایمان سے جنگ کرنے کے لئے تیار تھے۔

وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ اموال غنیمت عطاء فرما دیئے تاکہ تم اس سے نفع حاصل کرو اور تاکہ یہ اموال مومنین کی اثبات کی نشانی بن جائیں کہ واقعی اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ ہے اور اس سے ایمان مزید موکد ہو جائے۔

وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا اور تاکہ تمہیں صراط مستقیم پر چلائے یعنی ہمیشہ اللہ پر بھروسہ رکھنے والے بنادے قال فی الروح ای فعجل لکم هذه و کف ایدی الناس عنکم لتنتفعوا بذلک ولتکون آیة (وفیه أیضا) والآیة الامارة ای ولتکون امارة للمؤمنین یعرفون بها انهم من الله تعالیٰ بمکان اویعرفون بها صدق الرسول فی وعده ایهم فتح خیبر وما ذکر من المغانم وفتح مکة و دخول المسجد الحرام. (روح المعانی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ جلدی دیدی اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک لیا تاکہ تم اس صورت حال سے نفع حاصل کرو اور یہ نشانی

بنے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ آیۃ کہتے اَمارۃ کو یعنی یہ مؤمنین کیلئے نشانی ہے اس سے انہیں پتہ چلتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایک مقام پر فائز ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح خیبر غنیمت اور فتح مکہ اور مسجد حرام میں داخلہ کے بارے میں حضور ﷺ کا ان سے وعدہ سچا تھا۔

ویھدیکم صِراطاً مستقیماً، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے صحیح راہ نما ہے اور ہر کام کے کرنے یا چھوڑنے میں اسی پر ہی اعتماد ہے)

وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا هو الثقة بفضل الله تعالىٰ والتوكل عليه في كل ما تأتون وتذرون.

وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا اور ان کے علاوہ بھی فتوحات ہوں گی جن پر تم ابھی قادر نہیں ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس سے وہ فتوحات مراد ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے بعد مسلمانوں کو نصیب ہوئیں مثلاً فارس اور روم فتح ہوئے اور ان کے علاوہ بھی بہت سے علاقے اور ممالک ان کے قبضے میں آئے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے فتح مکہ مراد ہے اور حضرت عکرمہ کا قول ہے کہ اس سے فتح حنین مراد ہے اور حضرت مجاہد نے فرمایا کہ قیامت تک مسلمانوں کو جو بھی فتوحات نصیب ہوں گی وہ سب مراد ہیں یہ اقوال مفسر قرطبی نے لکھے ہیں۔

لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا (ظاہری معنی تو یہ ہے کہ اس وقت تو تم کو ان پر قدرت حاصل نہیں ہوئی اور بعض حضرات نے یوں ترجمہ کیا ہے کہ لن تکونو ترجوانھا کہ تمہیں ان کے فتح ہونے کی امید نہ تھی بعض حضرات نے اسی کا اردو ترجمہ یوں کیا ہے کہ وہ فتوحات تمہارے خواب وخیال میں بھی نہ تھیں۔

قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ تم انہیں فتح کرو گے اس نے مقدر فرمادیا ہے کہ ان پر تمہارا قبضہ ہوگا۔

وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ جب چاہے جسے چاہے جو ملک اور مملکت نصیب فرمائے۔

اس کے بعد فرمایا وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ اور اگر کفار تم سے جنگ کرتے تو پشت پھیر کر چلے جاتے) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس سے کفار قریش مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بنی غطفان اور بنی اسد مراد ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خیبر تشریف لے جانے کے بعد مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔

ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا (پھر وہ کوئی اپنا دوست اور مددگار نہ پاتے)

سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ (یہ پہلے سے اللہ کی عادت رہی ہے کہ کار خیر کے ساتھ انجام حضرات انبیاء اکرام علیہم الصلوٰۃ کے حق میں رہا ہے اپنے اولیا کی اس نے مدد فرمائی ہے اور دشمنوں کو مغلوب کیا ہے) وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا اور تم اللہ کی عادت میں تبدیلی نہ پاؤ گے) صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ آیت کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ اچھا انجام ہمیشہ حضرات انبیاء کے حق میں ہی ہوا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب کبھی بھی کافروں سے قتال ہوا تو کافروں پر غلبہ ہوا ہو،

ولعل المراد ان سنته تعالیٰ ان تکون العاقبة للانبياء عليهم السلام لا انهم كلما قاتلوا الكفار غلبوهم وهزموهم ا ھ۔ (شاید مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ انجام کار فتح انبیاء کی ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کہ جب بھی کفار سے لڑائی ہو تو یہ ان پر غالب آجائیں اور انہیں شکست دیدیں)

وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ

اور اللہ وہ ہے جس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے مکہ میں ہوتے ہوئے روک دیا اس کے بعد کہ تمہیں

عَلَیْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ﴿۲۴﴾

ان پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کو ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے باز رکھا

تفسیر: علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں آیت بالا کا سبب نزول بتاتے ہوئے متعدد اقوال لکھے ہیں صحیح مسلم میں ایک واقعہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے اور دوسرا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور دونوں کو آیت بالا کا سبب نزول بتایا ہے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جب ہمارے اور اہل مکہ کے درمیان صلح ہو گئی تو میں ایک درخت کے نیچے کانٹے ہٹا کر لیٹ گیا اس وقت اہل مکہ میں سے چار مشرکین وہاں پہنچ گئے جو رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ناشائستہ کلمہ کہنے لگے مجھے برا لگا اور میں جگہ چھوڑ کر دوسرے درخت کے نیچے چلا گیا ان لوگوں نے اپنے ہتھیار لٹکا دیئے اور لیٹ گئے میں نے اپنی تلوار لی اور ان چاروں آدمیوں کے ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا اور ان سے کہا کہ دیکھو قسم اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کو عزت بخشی ہے اگر تم میں سے کوئی شخص سر اٹھائے گا اس کا سر تن سے جدا کر دوں گا اس کے بعد میں انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آیا اور میرے چچا ستر آدمی قید کر کے لائے جن کا نام عامر تھا ان کے گرفتار کردہ لوگوں میں مکرز نامی بھی ایک شخص تھا اس کے ساتھ اور افراد بھی تھے جو مشرکین میں سے تھے جن کی تعداد ستر افراد تھی آپ نے ان کو معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ (الآیۃ) نازل فرمائی صحیح مسلم۔

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں روایت ہے کہ اہل مکہ میں سے اسی ۸۰ آدمی جبل تنعیم سے اتر کر آ گئے یہ لوگ ہتھیار پہنے ہوئے تھے ان کا ارادہ یہ تھا کہ غفلت کا موقع پا کر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ پر حملہ کر دیں آپؐ نے ان لوگوں کو پکڑ لیا وہ لوگ قابو میں آ گئے تو اپنی جانوں کو سپرد کر دیا آپ نے ان کو زندہ چھوڑ دیا اس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت مذکورہ بالا نازل فرمائی (صحیح مسلم ۱۱۶ ج ۲) مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے مومن بندوں پر احسان جتایا ہے کہ اس نے مشرکین کے ہاتھوں سے تمہیں محفوظ رکھا اور ان کی طرف سے کوئی تکلیف نہ پہنچنے دی اور مومنین کے ہاتھوں کو بھی مشرکین تک نہ پہنچنے دیا۔

اس کے بعد آیت کا ترجمہ دوبارہ پڑھ لیجئے اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں کہ کس کی کس طرح حفاظت فرمائے اور مخالف کے قبضہ ہونے کے بعد اس کے حملہ سے کس طرح بچائے اور قلوب کو جس طرح چاہے پلٹ دے رسول اللہ ﷺ نے جن لوگوں سے نرمی کا معاملہ فرمایا اور معاف کر دیا عموماً وہ لوگ بعد میں مسلمان ہی ہو گئے۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانور کو روک دیا جو رکا ہوا رہ گیا اس کے موقع میں پہنچنے سے روکا،

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ

اور اگر بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر نہ تھی یعنی ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بے خبری میں

مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

ضرر پہنچ جاتا تو سب قصہ طے کر دیا جاتا' تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے۔ یہ مسلمان مرد و عورت جدا ہو جاتے تو ہم ان کو

عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ

دردناک عذاب دیتے جو اہل مکہ میں سے کافر تھے۔ جب کہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی تھی سو اللہ تعالیٰ

سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ

نے اپنے رسول کو اور مومنین کو اپنی طرف سے تحمل عطا فرمایا' اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾

اور اس کے اہل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

کافروں نے مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکا ان پر حمیت جاہلیہ سوار ہوگئی' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر سکینہ نازل فرمائی اور انہیں تقویٰ کی بات پر جما دیا!

تفسیر: ان آیات میں چند امور بیان فرمائے اول مشرکین کی مذمت فرمائی کہ انہوں نے مسلمانوں کو مسجد حرام تک پہنچنے سے روک دیا اور وہ جو قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے ان کو ان کے موقع ذبح میں نہ جانے دیا (ان کی حرکتوں کا تقاضا یہ تھا کہ ان سے جنگ کی جاتی اور انہیں سزا دے دی جاتی)

تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ ہدی کے جانور جو رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھ لے گئے تھے ان کی تعداد ستر تھی عمرہ کر کے انہیں مکہ معظمہ میں ذبح کیا جانا تھا قریش آڑے آئے لہٰذا حدیبیہ ہی میں حلق کرنا پڑا اور ہدی کے جانور وہیں ذبح فرما دیئے دوسرے یہ فرمایا کہ مکہ معظمہ میں ایسے مومن مرد اور مومن عورتیں موجود تھیں جن کا تمہیں علم نہ تھا ہو سکتا تھا کہ تم بے علمی میں اپنے قدموں سے انہیں روند ڈالتے اور اس کی وجہ سے تم کو ضرر پہنچ جاتا اللہ تعالیٰ شانہ نے ضعیف مومنین اور مومنات کی وجہ سے صلح کی صورت پیدا فرما دی اگرچہ قریش مکہ کی حرکت ایسی تھی کہ ان سے جنگ کی جاتی صاحب روح المعانی فرماتے ہیں

کہ لولا کا جواب محذوف ہے۔

وجواب لولا محذوف لدلالة الكلام عليه، والمعنى على ماسمعت اولالولا كراهة ان تهلكوا انا سامؤمنين بين ظهراني الكفار جاهلين بهم فيصيبكم باهلاكهم مكروه لما كف ايديكم عنهم، وحاصله انه تعالىٰ ولولم يكف ايديكم عنهم لانجر الامر الىٰ اهلاك مؤمنين بين ظهرا نيهم فيصيبكم من ذلك مكروه وهو عزّوجل يكره ذلك. (لَوْلَا کا جواب محذوف ہے۔ اس بناء پر معنی یہ ہے کہ اگر یہ خدشہ نہ ہوتا کہ ان جانے میں تم کافروں کے درمیان مؤمن لوگوں کو قتل کرو گے اور ان کی ہلاکت سے تمہیں تکلیف ہوگی تو ان سے تمہارے ہاتھ نہ روکے جاتے حاصل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان سے تمہارے ہاتھ نہ روکتا تو معاملہ کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کافروں کے درمیان رہنے والے مؤمن ہلاک ہوتے اور اس سے تمہیں تکلیف ہوتی اور اللہ تعالیٰ بھی اس بات کو ناپسند کرتے ہیں)

فَتُصِيبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ جو فرمایا اس میں لفظ مَعَرَّةٌ وارد ہوا ہے اس کا ترجمہ ضرر اور مکروہ اور مشقت اور گناہ کیا گیا ہے بعض حضرات نے اس کی تشریح کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ اگر جنگ ہوتی تو مومن مرد اور عورتیں اس کی زد میں آجاتے تو اہل ایمان کو رنج پہنچتا اور دکھ ہوتا اور کافروں کو یوں کہنے کا موقعہ مل جاتا کہ دیکھو مسلمانوں نے اپنے اہل دین ہی کو قتل کردیا بعض حضرات نے یہ مطلب بتایا ہے کہ ان کے قتل کرنے سے گناہ میں مبتلا ہوجاتے اور بعض حضرات کا قول ہے کہ دیت واجب ہوجاتی لیکن صاحب روح المعانی نے ابن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ دونوں قول ضعیف ہیں طبری کا قول ہے کہ اس سے قتل خطا کا کفارہ مراد ہے صاحب روح المعانی نے اس پر کلام کیا ہے اور بعض حضرات کا تعقب نقل کیا ہے۔ (فراجعه ان شئت)

تیسرے لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِي رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فرمایا یعنی اللہ شانہ نے اہل ایمان کو جنگ کرنے سے بچادیا تاکہ وہ اس کے ذریعہ جنگ کے بغیر جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل فرمادے یعنی اس نے اہل ایمان کو جنگ سے بھی بچالیا اور انہیں اپنی رحمت میں بھی داخل فرمادیا جو ضعیف مومن اور مومنات مکہ میں تھے ان کے پرامن رہنے کی بھی صورت نکل آئی اور مشرکین کی طرف سے جو انہیں ضعیف سمجھ کر تکلیفیں دی جاتی تھیں ان سے بھی چھٹکارہ حاصل ہوگیا اور پوری طرح عبادت کرنے کے مواقع بھی نکل آئے بعض حضرات نے فرمایا کہ مَنْ يَّشَاءُ سے اہل ایمان بھی مراد ہیں جنہیں اللہ کی رحمت شامل حال ہوگئی اور مشرکین بھی مراد ہیں کیونکہ انہیں سوچنے اور سمجھنے اور اسلام قبول کرنے کا موقعہ دے دیا گیا (راجع روح المعانی ص ۱۱۵ ج ۲۶)

چوتھے یہ فرمایا لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا اگر وہ مومنین اور مومنات کافروں سے علیحدہ ہو جاتے جو مکہ معظمہ میں موجود تھے اور ضعف کی وجہ سے ہجرت نہیں کرسکتے تھے تو ہم کافروں کو دردناک عذاب دے دیتے یعنی کافر مقتول ہوتے اور قیدی بنا لئے جاتے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ جو مومن مرد و عورت مکہ معظمہ میں موجود تھے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مومنین کو جنگ سے محفوظ رکھا یہ نو افراد تھے جن میں سات مرد اور دو عورتیں تھیں۔

پھر فرمایا اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الآیۃ) کہ ان لوگوں نے تمہیں ایسے وقت میں روکا جبکہ اپنے دلوں میں انہوں نے حمیت کو جگہ دے دی یہ جاہلیت کی حمیت تھی جس کسی چیز کو انسان اپنے لئے عار اور عیب سمجھے پھر اس کی بنیاد پر اپنی جان کو بچانے کے لئے کوئی حرکت یا کوئی بات کرے۔ اسے حمیت کہا جاتا ہے جب رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم

اجمعین کے ساتھ عمرہ کرنے کی نیت سے روانہ ہوئے اور قریش مکہ کو اس کا پتہ چل گیا تو ان پر جہالت سوار ہوگئی اور حمیت جاہلیہ کو سامنے رکھ کر انہوں نے طے کرلیا کہ آپ کو عمرہ کرنے نہیں دیں گے ورنہ عرب میں یہ مشہور ہو جائے گا کہ محمد ﷺ مکہ والوں کی رضامندی کے بغیر زبردستی مکہ مکرمہ میں داخل ہوگئے اس طرح سے اہل عرب ہمیں طعنہ دیں گے ان لوگوں نے حمیت جاہلیہ کی وجہ سے صلح نامہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھنے دیا اور محمد رسول اللہؐ جو لکھ دیا گیا تھا اس کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھوانے کی ضد کی۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (سو اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر اطمینان نازل فرما دیا اور انہوں نے لڑائی لڑنے پر اور اسی سال عمرہ کرنے پر ضد نہ کی۔ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا (اور اللہ نے تقویٰ کا کلمہ ان کے ساتھ لازم فرما دیا وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا اور یہ لوگ کلمہ تقویٰ کے زیادہ حق دار تھے اور اس کے اہل تھے وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے کلمۃ التقویٰ سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں امام ترمذی نے بروایۃ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اس سے کلمہ لا الہ الا اللہ مراد ہے اس کو تقویٰ کا کلمہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ شرک سے کفر سے اور گناہوں سے بچاتا ہے مطلب یہ ہے کہ ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے کلمہ کو اپنا لیا اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے اسے ان کا ساتھی بنا دیا اور اب یہ اس کے ذریعہ اللہ کو بھی یاد کرتے ہیں اور اس کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں اور یہ جو فرمایا کہ یہ لوگ اس کلمہ کے احق تھے اور اہل تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ تھا کہ یہ لوگ کلمہ قبول کریں گے اور اس کے تقاضوں پر چلیں گے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے ان کا مزاج قبول حق کا بنا دیا تھا اسی مزاج اور طبیعت کے مطابق وہ اسی کی طرف آگے بڑھے وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے) وہ اپنی حکمت کے مطابق جسے چاہتا ہے اہل بناتا ہے اور پھر اہلیت کے مطابق محض اپنے فضل سے خیر اور رشد و ہدایت پر جما کر رکھتا ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ
بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا جو واقع کے مطابق ہے ان شاء اللہ تم ضرور ضرور مسجد حرام میں امن و امان کے ساتھ داخل ہو گے
اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ
اپنے سروں کو مونڈنے والے ہو گے اور اپنے بالوں کو کتروانے والے ہو گے تمہیں کوئی خوف نہیں ہوگا سو اللہ نے جان لیا جو تم نے نہیں جانا سو اس سے پہلے
ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ
عنقریب ہی ایک فتح نصیب فرما دی اللہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے
وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾
اور اللہ کافی گواہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور حق کے ساتھ بھیجا

تفسیر: مفسرین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ والے سفر میں روانہ ہونے سے پہلے ہی مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خواب دکھادیا گیا تھا کہ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ امن وامان سے مسجد حرام میں داخل ہوں گے اور وہاں کچھ لوگ سر مونڈیں گے اور کچھ لوگ بال کتروائیں گے آپ نے یہ خواب صحابہ کو بتادیا تھا خواب سن کر سب بہت خوش ہوئے اور اس امید پر روانہ ہوگئے کہ اس سال مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ نصیب ہوگا جب حدیبیہ میں پہنچے اور مشرکین مکہ آڑے آگئے جس کی وجہ سے صلح کرلی گئی اور مکہ معظمہ میں داخل ہوئے بغیر واپس آگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صلح کرنے کو حق جانتے اور مانتے ہوئے طبعی طور پر اس بات سے صحابہ کو رنج ہورہا تھا کہ ہم مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہوسکے بلکہ صلح کے وقت ہی حضرت عمرؓ نے سوال کرلیا تھا کہ آپ نے تو یہ خبر دی تھی کہ مکہ معظمہ میں داخل ہوں گے یہ تو اس کے خلاف ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اس کا جواب دے دیا تھا اس جواب سے حضرت عمرؓ مطمئن ہوگئے تھے (کمافی صحیح مسلم خطابت نفسہ ص ۱۰۶ ج ۲)

اطمینان عقلی کے ہوتے ہوئے طبعی طور پر جو رنج تھا اس کو دور فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی جس میں یہ بتادیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو خواب دکھایا تھا تم انشاء اللہ مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہوگے وہاں کوئی بال منڈوائے گا اور کوئی بال کتروائے گا اور کسی کو کسی کا ڈر نہیں ہوگا یہ خواب اللہ تعالیٰ نے صحیح دکھایا تھا۔ واقعہ کے مطابق تھا جس کا آئندہ سال مظاہرہ ہوا اور چونکہ خواب میں اسی سال داخل ہونے کی خبر نہیں دی گئی تھی اسی لئے خواب کے سچا ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑا اس میں جو لفظ انشاء اللہ فرمایا ہے یہ شک کے لئے نہیں ہے بلکہ تحقیق اور تاکید کے لئے ہے۔ اور ابو عبیدہ کا قول ہے کہ ان یہاں اِذ کے معنی میں ہیں جس کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ چاہے داخل ہو جاؤ گے۔

اور یہ جو فرمایا فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا (سو اللہ نے جان لیا جو تم نے نہیں جانا) اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کے داخل ہونے میں جو تاخیر کی گئی اس میں جو اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی جس کا تمہیں علم نہ تھا بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر اسی سال عمرہ کرنے کی ضد کرتے اور مشرکین مکہ سے قتل وقتال کیا جاتا اور صلح نہ ہوتی تو دو ڈھائی مہینے بعد جو خیبر فتح ہوا اس کے لئے سفر کرنا مشکل ہو جاتا اور اگر سفر میں چلے جاتے تو یہ خطرہ رہتا کہ اہل مکہ کہیں پیچھے سے حملہ نہ کردیں پس صلح کرنے میں اور دخول مکہ کی تاخیر میں جو فائدہ پہنچا اس کا تمہیں علم نہیں تھا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا (سو اللہ نے مکہ معظمہ کے داخل ہونے سے پہلے عنقریب ہی ایک فتح دے دی) یعنی خیبر کو فتح فرمادیا اور وہاں کے اموال غنیمت شرکاء حدیبیہ کو مل گئے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا تذکرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اس دین کو دوسرے تمام دینوں پر غالب کردے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمادیا اس مضمون کی آیت سورۃ التوبہ میں بھی گزر چکی ہے وہاں تفسیر اور تشریح دیکھ لی جائے۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (اور محمد رسول اللہ علیہ کی نبوت پر اللہ تعالیٰ کا گواہ ہونا کافی ہے) مشرکین نے صلح نامہ میں جو ھٰذا ما صالح علیه محمد رسول الله لکھنے سے انحراف کیا تو اس کی وجہ سے آپ کی نبوت و رسالت کے بارے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ (تفسیر قرطبی ۲۹۲ ج ۱۶)

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں آپس میں مہربان ہیں اے مخاطب تو انہیں اس حال میں دیکھے گا کہ وہ کبھی رکوع میں ہیں کبھی سجود میں ہیں

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ڔ

وہ اللہ کے فضل اور رضا مندی کو تلاش کرتے ہیں ان کی شان یہ ہے کہ ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان ہیں ان کی یہ مثال توریت

وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڔ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ

میں ہے اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسی کھیتی ہو اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اسے قوی کیا پھر وہ کھیتی موٹی ہو گئی پھر اپنے تنا پر سیدھی کھڑی ہو گئی

الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً

جو کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ اللہ ان کے ذریعے کافروں کے دلوں کو جلائے اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے مغفرت

وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ۧ

اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور منقبت

تفسیر: اس سورت میں جگہ جگہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف بیان فرمائی ہے پھر یہاں سورت کے ختم پر ان کی مزید توصیف و تعریف فرمائی ہے اولاً ارشاد فرمایا کہ محمد علیہ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں' اس مضمون کو سورۂ مائدہ میں اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ میں بھی بیان کیا ہے' اہل ایمان کی یہ شان ہے کہ کافروں کے مقابلہ میں سخت رہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کریں یہ صفت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں بہت زیادہ نمایاں تھی آج کل دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان دشمنان اسلام کے آگے بچھے جاتے ہیں اور ان سے ڈرتے ہیں ان سے نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ سختی کرتے ہیں ان پر رحم نہیں کرتے دنیاوی محبت نے اس پر آمادہ کر رکھا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا اے مخاطب تو انکو اس حال میں دیکھے گا کہ کبھی رکوع کئے ہوئے ہیں کبھی سجدہ کئے ہوئے اس میں کثرت سے نماز پڑھنا اور نمازوں پر مداومت کرنا نوافل کا اہتمام کرنا راتوں کو نمازوں میں کھڑا ہونا سب داخل ہے۔

تیسری صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا یہ حضرات اللہ کا فضل اور اسکی رضا مندی تلاش کرتے ہیں) جو اعمال اختیار کرتے ہیں ان کے ذریعہ کوئی دنیاوی مقصد سامنے نہیں ہے ان کے اعمال اللہ کا فضل تلاش کرنے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہیں۔

چوتھی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ اس کا مطلب بتاتے ہوئے صاحب معالم التنزیل نے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے جو ظاہری لفظوں سے سمجھ میں آرہا ہے کہ مٹی پر سجدہ کرنے کی وجہ سے ان کے ماتھوں پر کچھ مٹی لگ جاتی ہے اور بعض حضرات سے یہ نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کے چہرے روشن ہوں گے ان کے ذریعہ پہچانے جائیں گے کہ یہ لوگ نماز پڑھنے میں زیادہ مشغول رہتے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اچھی عادت اور خصلت اور خشوع وتواضع مراد ہے جو لوگ کثرت سے نماز پڑھتے ہیں انہیں جو نماز کی برکات حاصل ہوتی ہیں ان میں سے ایک بہت بڑی صفت خوش خلقی اور تواضع بھی ہے ان کے چہروں سے ان کی یہ صفت واضح ہو جاتی ہے۔

پھر فرمایا ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ (ان کی مذکورہ صفت توریت میں بھی بیان کی گئی ہے) پھر انجیل میں جو ان کی صفت بیان کی گئی اس کو بیان فرمایا ارشاد ہے وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ (الی آخرہ) کہ انجیل میں ان لوگوں کی مثال یہ ہے کہ جیسے کسان نے نرم زمین میں بیج ڈالا اس زمین سے کھیتی کی سوئی نکلی یعنی ہلکا بہت پتلا تنا ظاہر ہوا، پھر یہ آگے بڑھا تو اس میں قوت آگئی پھر اور آگے بڑھا تو موٹا ہو گیا ان حالتوں سے گزر کر اب وہ ٹھیک طریقے سے اپنی پنڈلی پر اچھی طرح کھڑا ہو گیا اب یہ ہرا بھرا بھی ہے اندر سے نکل کر بڑھ بھی چکا ہے اور اس کا تنا اپنی جڑ پر کھڑا ہے کسان لوگ اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں اس مثال میں یہ بتادیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اولاً تھوڑے سے ہوں گے پھر بڑھتے رہیں گے اور کثیر ہو جائیں گے اور مجموعی حیثیت سے وہ ایک بڑی قوت بن جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پہلے تھوڑے سے تھے پھر بڑھتے رہے بڑھتے بڑھتے ہزاروں ہو گئے زمانہ نبوت ہی میں ایک لاکھ سے زیادہ ان کی تعداد ہو گئی پھر انہوں نے دین اسلام کو خوب پھیلایا قیصر وکسریٰ کے تخت الٹ دیئے ان کے مقابلہ میں کوئی جماعت جم نہیں سکتی تھی۔

لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ یعنی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو بڑھایا چڑھایا قوت وطاقت سے نوازا تاکہ ان کے ذریعہ کافروں کے دلوں کو جلا دے کافروں کو یہ گوارا نہیں تھا اور نہ اب گوارا ہے کہ اسلام اور مسلمان پھلیں پھولیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بھی بڑھا دیا اور مسلمانوں کو بھی قوت دے دی جیسا کہ سورۃ الصف میں فرمایا یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔

(یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو اللہ وہی ہے جس نے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے سب پر غالب فرمادے اگرچہ مشرکوں کو

ناگوار ہو) یہ دوسری آیت ھُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ سورۂ توبہ اور سورۃ الفتح میں بھی ہے جس کا ترجمہ گزر چکا ہے۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کی مغفرت ہوگی اور انہیں اجر عظیم دیا جائے گا) یہ بات بطور قاعدہ کلیہ بیان فرمائی ہے لفظوں کا عموم حضرات صحابہ کو بھی شامل ہے اور ان کے بعد آنے والے اعمال صالحہ والے مومنین کو بھی۔

فائدہ: سورۃ الفتح میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی کئی جگہ تعریف فرمائی ہے اول فرمایا ھُوَالَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِھِمْ پھر فرمایا لِیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَیُکَفِّرَ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَکَانَ ذٰلِکَ عِنْدَ اللّٰہِ فَوْزًا عَظِیْمًا پھر فرمایا ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ پھر فرمایا لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا پھر فرمایا فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلْزَمَھُمْ کَلِمَۃَ التَّقْوٰی وَکَانُوْٓا اَحَقَّ بِھَا وَاَھْلَھَا۔

پھر فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (الآیۃ) پھر فرمایا لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ پھر فرمایا وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا اور سورۂ توبہ میں فرمایا وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ (الآیۃ)

قرآن مجید کی ان تصریحات کو دیکھ لو اور روافض کی دشمنی کو دیکھ لو جو دو تین اصحابہ کے علاوہ باقی سب کو کافر کہتے ہیں اس فرقہ کی بنیاد ہی بعض صحابہؓ پر ہے جو لوگ حضرات صحابہ کو کافر کہتے ہیں وہ قرآنی تصریحات کے منکر ہونے کی وجہ سے خود کافر ہیں قرآن کے جھٹلانے کی وجہ سے جب ان لوگوں پر کفر عائد ہو گیا تو کہنے لگے یہ قرآن ہی وہ نہیں ہے جو محمد رسول ﷺ پر نازل ہوا تھا وہ قرآن امام مہدی کے پاس ہے یہ کہنا خود کفر ہے اور قرآن نے بھی ان لوگوں کو کافر بتا دیا جن کے دل میں صحابہ کی طرف سے بغض ہوگا لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ کو بار بار پڑھ لیا جائے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کے سامنے کسی نے حضرات صحابہؓ کی شان میں کچھ کہہ دیا اس پر ارشاد فرمایا کہ جس کسی کے دل میں کسی بھی صحابی کی طرف سے بغض ہوگا آیت کریمہ کا عموم اس کو شامل ہوگا (یعنی وہ آیت کا مصداق ہوگا (یعنی اس پر کفر عائد ہوگا) (تفسیر قرطبی)

بعض شیعوں نے نکتہ نکالا ہے کہ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کیساتھ جو مِنْھُمْ کا اضافہ فرمایا ہے اس میں مِنْ تبعیضیہ ہے یہ ان لوگوں کی جہالت ہے حضرات صحابہ کے بغض میں یہ بات کہہ رہے ہیں اور مزید کفر کی چادر میں لپٹ رہے ہیں سیاق کلام سے واضح ہو رہا ہے کہ من بیانیہ ہے۔ اگر بالفرض مِنْ تبعیضیہ ہو تو کیا آیات قرآنیہ سے دو تین صحابہ کا ایمان ثابت ہوتا ہے جن کے ایمان کے روافض قائل ہیں اللہ تعالیٰ نے جو لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ (فرمایا ہے کہ اس سے ان چودہ پندرہ سو صحابہ کا ایمان اور وعدہ رضوان ثابت نہیں ہوتا جنہوں نے حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی جن میں حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ بھی تھے جن کے بغض میں شیعہ جل کر خاک ہوئے جا رہے ہیں

سورۂ توبہ میں جو مہاجرین اور انصار ان کے متبعین (اہل السنۃ والجماعۃ) سے رضا مندی کا اعلان فرمایا ہے اس میں تو کہیں بھی منہم نہیں ہے یاد رہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی سابقین اولین میں سے تھے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور شیعہ اللہ تعالیٰ سے راضی نہیں جو حضرات انصار اور مہاجرین سے راضی ہے جو شخص قصداً قرآن کو جھٹلائے ایمان سے منہ موڑے اس سے کیا بات کی جاسکتی ہے شیعوں کا عقیدہ ہے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مومن نہیں تھے شیعوں کو خود اپنے ایمان کی فکر نہیں ہے کہ بغض صحابہ انہیں کچھ سوچنے نہیں دیتا عامۃ المسلمین سے ہمارا خطاب ہے ان آیات میں غور کریں تاکہ شیعوں کے کفر میں کوئی شخص شک نہ کرے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو (دوبار فرمایا) میرے بعد تم انہیں نشانہ نہیں بنالینا' سو جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی' اور جس نے ان سے بغض رکھا مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا' اور جس نے انہیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی' اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی' اور جس نے اللہ کو اذیت دی قریب ہے کہ وہ اسے پکڑ لے گا (رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ۵۵۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہہ رہے ہیں تو کہہ دو کہ تم پر اللہ کی لعنت ہے تمہارے شر کی وجہ سے۔ (ایضاً)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ کو برا نہ کہو کیونکہ (ان کا مرتبہ اتنا بڑا ہے کہ) تم میں سے کوئی شخص اگر اُحد (پہاڑ) کی برابر سونا خرچ کردے تو یہ (ثواب کے اعتبار سے) ان میں سے کسی کے ایک مُد یا نصف مُد کو بھی نہیں پہنچے گا۔ (کذا فی المشکوٰۃ ۵۵۳ عن البخاری ومسلم)

اس زمانہ میں غلہ ناپنے کا ایک برتن ہوتا تھا اسے مُد کہتے تھے۔ (نئے اوزان سے ایک مُد کا وزن سات سو گرام کے لگ بھگ بنتا ہے ۱۲)

اللہ تعالیٰ شانہ' روافض کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

وهو الهادى الى سَبيل الرشاد، هذا آخر تفسير سورة الفتح، الحمد لله الذى فتح علينا اسرار القرآن وجعلنا ممن يدخل الجنان والصلوٰة والسلام على خير رسله محمد سيد ولد عدنان، وعلى آله وصحبه ما طلع النيران و تعاقب الملوان.

سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيَ عَشَرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۂ حجرات مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں دو رکوع اور اٹھارہ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ①

اے ایمان والو تم اللہ اور رسول سے پہلے سبقت مت کرو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ

اے ایمان والو اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ نبی سے اس طرح اونچی آواز سے بات کرو جیسے تم

بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ

بعض بعض سے اونچی آواز سے بات کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو، بے شک جو لوگ

عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ③

اللہ کے رسول کے پاس اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ④ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى

بے شک جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے، اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ

تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

آپ ان کی طرف نکل آتے تو ان کے لئے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور خدمت عالی میں حاضری کے احکام و آداب کی تلقین!

تفسیر: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات جن گھروں میں رہتی تھیں انہیں حجرات سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ یہ گھر چھوٹے چھوٹے تھے اور پختہ عمارتیں بھی نہ تھیں کھجوروں کی ٹہنیوں سے بنا دی گئی تھیں چونکہ اس سورت کے پہلے رکوع میں ان حجروں کا ذکر ہے اس لئے یہ سورت سورۂ الحجرات کے نام سے موسوم ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ شانہٗ نے توقیر اور احترام کی تلقین فرمائی اور اس سلسلے میں چند آداب ارشاد فرمائے ہیں۔

اول تو یہ فرمایا کہ اے ایمان والو تم اللہ اور رسول سے سبقت مت کرو یہ لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کا ترجمہ ہے ان الفاظ میں بڑی جامعیت ہے حضرات مفسرین کرام نے اس کے متعدد معنی لکھے ہیں حضرت مجاہد نے فرمایا کہ تم پہلے سے کوئی بات اپنی طرف سے نہ کہہ دو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کرو وہ اپنے رسول کی زبانی جو فیصلہ فرمادے اس کے مطابق عمل کرو حضرت سفیان ثوری نے بھی تقریباً یہی مطلب بتایا ہے‘ حضرت قتادہ نے فرمایا یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو یوں کہا کرتے تھے کہ اس بارے میں کچھ حکم نازل ہو جاتا اور فلاں مسئلہ میں کوئی قانون نازل ہو جاتا تو اچھا تھا اللہ تعالیٰ کو ان کی بات پسند نہ آئی اور فرمایا اللہ اور اس کے رسول سے سبقت نہ کرو (معالم التنزیل ص ۲۰۹ ج ۴‘ ابن کثیر ص ۲۰۵ ج ۴)

ساتھ ہی وَاتَّقُوا اللّٰهَ بھی فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ بے شک اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

حضرت امام بخاریؒ نے عبداللہ بن ابی ملیکہ سے بواسطہ عبداللہ بن الزبیر نقل کیا ہے کہ بنی تمیم کا ایک قافلہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور انہوں نے عرض کیا کہ کسی شخص کو ہمارا امیر بنا دیجئے (ابھی تک آنحضرت ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا تھا کہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ نے قعقاع بن معبد کو امیر بنانے کا مشورہ دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اقرع بن حابس کے امیر بنانے کی رائے پیش کی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تمہارا اس کے علاوہ کچھ مقصد نہیں ہے کہ میری مخالفت کرو‘ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے آپ کی مخالفت کے طور پر اپنی رائے نہیں پیش کی‘ اس پر جھگڑا ہونے لگے جس سے دونوں کی آوازیں بلند ہوگئی لہٰذا آیت کریمہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا (آخر تک) نازل ہوگئی۔

معالم التنزیل میں ہے کہ اس موقعہ پر شروع سورت سے لے کر اجر عظیم تک آیات نازل ہوگئیں‘ جن میں اللہ اور رسول ﷺ کے حکم سے آگے بڑھنے کی اور آپ کی خدمت میں رہتے ہوئے آوازیں بلند کرنے کی ممانعت فرمادی اور یہ حکم بھی فرمادیا کہ رسول اللہ ﷺ سے باتیں کرو تو ادب کا خیال رکھو اور اس طرح اونچی آواز سے بات نہ کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو‘ ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی آواز پر تمہاری آواز بلند ہو جائے اور اس کی وجہ سے تمہارے اعمال حبط ہو جائیں یعنی تمہاری نیکیاں ختم کردی جائیں اور تمہیں اس کا پتہ بھی نہ ہو‘ صحیح بخاری میں ہے کہ آیات مذکورہ نازل ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اتنا آہستہ بولتے تھے کہ پوچھنا پڑتا تھا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۷۱۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیس صحابی رضی اللہ عنہ کو اپنی مجلس سے غیر حاضر پایا تو آپ کو اس کا احساس ہوا‘ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اس کا پتہ چلاتا ہوں وہ حضرت ثابت کے پاس آئے اور انہیں اس حال میں دیکھا کہ اپنے گھر میں سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں‘ دریافت کیا کہ آپ کو کیا ہوا؟ جواب دیا کہ میری آواز بلند ہے رسول اللہ ﷺ کی آواز پر اپنی آواز بلند کر چکا ہوں (جو اپنی عادت کے طور پر تھی) لہٰذا میں اہل نار میں سے ہوں، اس شخص نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو جا کر بتا دی آپ نے فرمایا کہ جاؤ انہیں جا کر بتادو کہ وہ اہل نار میں سے نہیں ہیں بلکہ اہل جنت میں سے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۵۱۰، ۷۱۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ آیت بالا نازل ہونے کے بعد

حضرت ابوبکرؓ نے یہ طریقہ اختیار کرلیا تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس طرح پست آواز سے بات کرتے تھے کہ جیسے کوئی شخص رازداری کی باتیں کررہا ہو اور حضرت ابن زبیر نے بتایا کہ جب یہ آیت نازل ہوگئی تو حضرت عمرؓ اتنی آہستہ بات کرتے تھے کہ صرف رسول اللہ ﷺ ان کی بات سن سکیں حتیٰ کہ بعض مرتبہ آپ سوال فرماتے تھے کہ کیا کہا؟ یہاں تک کے اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى نازل فرمائی۔

(بے شک جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خاص کردیا ہے ان کے لئے مغفرت ہے اور اجر عظیم ہے۔

اِمْتَحَنَ لفظ اِمتحان سے ماضی کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ ''جانچ کرنا'' کیا گیا ہے۔ صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں اِمْتَحَنَ اَخْلَصَ کے معنی میں ہے جس طرح سونے کو پگھلا کر خالص کردیا جاتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے قلوب کو تقویٰ کے لئے خالص کردیا ہے ان کے قلوب میں تقویٰ ہی تقویٰ ہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے آداب واحترام کو دیکھو اللہ تعالیٰ کی بشارتوں کو اور مدح اور توصیف کو دیکھو اور شیعوں کے بغض اور دشمنی کو دیکھو وہ کہتے ہیں کہ تین چار صحابہ کے علاوہ سب کافر تھے۔ (العیاذ باللہ)

فائدہ: حضرات علماء کرام نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کے سامنے بھی آواز بلند کرنا مکروہ ہے جیسا کہ آپ کی زندگی میں ایسا کرنا مکروہ تھا کیونکہ آپ کا احترام اب بھی واجب ہے اور آپ کو برزخی حیات حاصل ہے۔

جب خدمت عالی میں سلام پیش کرنے کے لئے حاضر ہو تو دھیمی آواز میں سلام پیش کرے اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ (الآیۃ) اس آیت کے سبب نزول میں صاحب معالم التنزیل نے متعدد قصے لکھے ہیں جو حضرت ابن عباسؓ حضرت جابرؓ حضرت زید بن الارقم رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں ..... حضرت زید بن الارقم رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ عرب کے کچھ لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آؤ آج اس شخص کے پاس چلیں جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اگر وہ واقعی نبی ہیں تو ہمیں سب لوگوں سے آگے بڑھ کر ان پر ایمان لاکر سعادت مند ہونا چاہئے اگر وہ نبی نہیں ہے بلکہ انہیں بادشاہت ملنے والی ہے تو ہمیں ان کے زیر سایہ زندگی گزارنی چاہئے (بہرحال ان سے تعلق قائم کرنے میں فائدہ ہے) اس کے بعد حاضر ہوتے تو یا محمد یا محمد کہہ کر آوازیں دینے لگے اور حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے۔ کہ قبیلہ بنی عنبر کے آدمی دوپہر کے وقت آئے تھے انہوں نے پکارا یا محمد اخرج الینا (کہ اے محمد ہماری طرف نکلئے) دوپہر کا وقت تھا آپ آرام فرما رہے تھے ان لوگوں کی چیخ و پکار سے آپ کی آنکھ کھل گئی اور حضرت جابر کی روایت میں ہے کہ یہ لوگ قبیلہ بنی تمیم کے تھے جنہوں نے دروازے پر کھڑے ہوکر آپ کو باہر آنے کے لئے پکارا اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ (بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے ہیں) وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ اور اگر وہ لوگ صبر کرلیتے یہاں تک کہ آپ خود ہی ان کی طرف نکلتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا) وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ جس کسی سے جو بھی کوئی خطا سرزد ہوگئی ہو توبہ کرکے معاف کرالے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا

اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لو ایسا نہ ہو کہ تم نادانی کی وجہ سے کسی قوم کو ضرر

عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝

پہنچا دو پھر اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے۔

کوئی فاسق خبر دے تو اچھی طرح تحقیق کر لو ایسا نہ ہو کہ نادانی کی وجہ سے کسی قوم کو ضرر پہنچا دو

تفسیر: معالم التنزیل ۲۱۲ ج ۴ میں لکھا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی واقعہ یوں پیش آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو قبیلہ بنی المصطلق کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا جب ان لوگوں کو پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک شخص ہمارے قبیلہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے پہنچ رہا ہے تو لوگوں نے آبادی سے باہر آ کر اکرام کے طور پر ان کا استقبال کیا چونکہ زمانہ جاہلیت میں ولید ابن عقبہ اور قبیلہ مذکورہ کے درمیان عداوت تھی اس لئے شیطان کو ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالنے کا موقعہ مل گیا کہ لوگ تمہیں قتل کرنے کے لئے آ رہے ہیں انہوں نے شیطانی وسوسہ کو حقیقت پر محمول کر لیا اور راستہ ہی سے واپس ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کر دیا کہ ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور مجھے قتل کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کو بہت ناگواری ہوئی آپ نے ان سے جہاد کرنے کا ارادہ فرما لیا جب آپ کے ارادہ کا ان لوگوں کو علم ہوا تو خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں معلوم ہوا تھا کہ آپ کا قاصد پہنچا ہے ہم بطور استقبال اکرام کے لئے باہر نکلے تھے ہمارا ارادہ تھا کہ جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس کے موافق زکوٰۃ کے اموال آپ کے قاصد کے سپرد کر دیں لیکن آپ کے قاصد نے واپس ہونا مناسب جانا ہمیں اندیشہ ہوا کہ آپ نے ناراض ہو کر کوئی خط لکھ کر انہیں واپس بلا لیا ہو ہم اللہ کے غصہ اور اس کے رسول ﷺ کے غصہ سے پناہ مانگتے ہیں آپ نے ان لوگوں کی بات کا بھروسہ نہ کیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو خفیہ طریقہ پر بھیج دیا اور فرمایا کہ جاؤ اگر وہ لوگ ایمان پر باقی ہیں تو ان کے اموال کی زکوٰۃ لے لینا اور اگر دوسری کوئی صورت ہے تو ان کے ساتھ وہی معاملہ کرنا جو کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے تو انہیں فرمانبردار پایا لہٰذا ان سے اموال زکوٰۃ وصول کر لئے اور واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو صورت حال سے باخبر کر دیا، اس پر آیت کریمہ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ (الآیۃ) نازل ہوئی، جس میں ایمان والوں کو یہ بتا دیا کہ ہر بھروسہ کرنے کی نہیں ہوتی اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی بات سن کر کوئی اقدام نہ کریں بلکہ پہلے خوب اچھی طرح تحقیق کر لیں اور چھان بین کرنے کے بعد کوئی قدم اٹھائیں ایسا نہ ہو کہ صرف خبر سن کر تحقیق کئے بغیر کسی قوم پر حملہ کر بیٹھیں اور پھر بعد میں ان کے بے قصور ہونے کا پتہ چلے تو ندامت اٹھانی پڑے اور بے جا اقدام کرنے کا نتیجہ بھگتنا پڑے۔

واقعہ تو ایک جزئی تھا لیکن قرآن حکیم میں ایمان والوں کو ہمیشہ کے لئے نصیحت فرمادی اور متنبہ فرمادیا کہ ہر خبر سچی نہیں ہوتی خبر کی تحقیق ضروری ہے اور تحقیق کے بعد ہی کوئی اقدام کیا جاسکتا ہے آیت کے عموم نے بتادیا کہ یہ ہدایت امور دنیا اور امور آخرت سب سے متعلق ہے اسی لئے احادیث شریف کی روایات میں سچے اور متقی آدمی کی روایت قبول کی جاتی ہے جس راوی کا حال معلوم نہ ہو اسے مستور الحال کہتے ہیں اور اس کی روایت قبول کرنے میں توقف کرتے ہیں حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اس آیت کو ذکر کیا ہے اور اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ فاسق کی خبر ساقط ہے مقبول نہیں ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ
اور تم جان لو بے شک تمہارے اندر اللہ کے رسول موجود ہیں، بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ ان میں تمہاری بات مان لیں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ، اور لیکن اللہ نے
الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ
ایمان کو تمہارے لئے محبوب بنادیا ہے اور اسے تمہارے قلوب میں مزین کردیا اور کفر اور فسوق اور نافرمانی کو تمہارے نزدیک مکروہ بنادیا، یہ لوگ
الرّٰشِدُوْنَ ۷ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۸
ہدایت والے ہیں اللہ کی طرف سے فضل اور نعمت کی وجہ سے، اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وانعام سے تمہارے دلوں میں ایمان کو مزین فرمادیا اور کفر وفسوق اور عصیان کو مکروہ بنادیا

تفسیر: ان آیات میں اللہ جل شانہ نے امت مسلمہ کو اپنا ایک بہت بڑا انعام یاد دلایا اور فرمایا کہ دیکھو تمہارے اندر اللہ کا رسول موجود ہے اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ تمہارے اندر اپنے رسول کو مبعوث فرمادیا **وھذا کقولہ تعالیٰ** لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ دوسری بات یہ بتائی کہ ہمارا رسول جو عمل کرتا ہے اور تمہیں جو حکم دیتا ہے اس میں ان کی اپنی مصلحت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی مدد بھی ہوتی ہے بعض مواقع میں تم مشورہ بھی دیتے ہو تمہارے بہت سے مشورے نتائج کے اعتبار سے ٹھیک نہیں ہوتے لہٰذا رسول اللہ ﷺ ان کے مطابق عمل نہیں کرتے تم اس سے دلگیر نہ ہو اگر وہ تمام امور میں تمہاری رائے پر چلیں تو بہت سی باتیں ایسی ہوں گی ان کے بارے میں تمہاری رائے قبول کرلی جائے گی تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے اور تمہیں اس کا نقصان پہنچ جائے گا۔

تیسری بات یہ فرمائی (جو بطور امتنان ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اسے تمہارا محبوب بنادیا اور اسے تمہارے دلوں میں مزین فرمادیا تمہارے دل نور ایمان سے منور ہیں اور اس جگمگاہٹ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ سچا مومن بندہ کسی قیمت پر بھی ایمان کی نعمت سے محروم ہو جانے پر راضی نہیں ہوتا مزید انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے دلوں میں کفر کو اور فسوق اور نافرمانی کو مکروہ بنادیا تمہیں کفر سے بھی نفرت ہے اور گناہوں سے بھی۔

ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تین چیزیں جس کے اندر ہوں وہ ایمان کی مٹھاس کو پالے گا۔

۱۔ جس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول اللہ ﷺ ہر چیز سے بڑھ کر محبوب ہوں

۲۔ دوسرا وہ شخص جو کسی بندہ سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے۔

۳۔ جب اللہ تعالیٰ نے کفر سے بچا دیا تو اب وہ کفر میں واپس جانے کو اتنا ہی برا جانتا ہے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو مکروہ جانتا ہے۔ (رواہ البخاری ص ۷ ج ۱)

جن لوگوں کے دلوں میں ایمان محبوب اور مزین ہو گیا اور نافرمانی سے نفرت ہو گئی ان کے بارے میں فرمایا أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (یہ لوگ راہ ہدایت پر ہیں) فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً اور اللہ تعالیٰ کی یہ بخششیں فضل اور انعام کے طور پر ہیں اللہ کے ذمہ کسی کا کوئی واجب نہیں ہے وہ جسے جو بھی نعمت عطا فرمائے وہ اس کا فضل ہی فضل ہے اور انعام ہی انعام ہے آخر میں فرمایا وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ اور اللہ علیم ہے اسے سب کا ظاہر باطن معلوم ہے اور حکیم بھی ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق انعام سے نوازتا ہے۔

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى

اور اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کرنے لگیں تو ان کے درمیان صلح کرادو، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو اس سے

الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ

جنگ کرو جو زیادتی کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے سو اگر وہ رجوع کرلے تو ان دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرادو

وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ

اور انصاف کرو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادو،

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

مومنین کی دو جماعتوں میں قتال ہو تو انصاف کے ساتھ صلح کرادو، سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں

تفسیر: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ اگر آپ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے جاتے تو اچھا ہوتا (عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین تھا اسلام کے اور مسلمانوں کے خلاف خود یہ اور اس کے ساتھی کچھ نہ کچھ حرکتیں کرتے رہتے تھے جس شخص نے اس کے پاس آنے کی رائے دی تھی اس کا مطلب بظاہر یہ تھا کہ آپ خود ہی اس کے پاس تشریف لے جائیں گے تو ممکن ہے اس کا مخالفانہ جذبہ ختم ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ

مسلمان ہی ہو جائے رسول اللہ ﷺ ایک گدھے پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے اور آپ کے ساتھ دیگر مسلمان بھی تھے جو پیدل چل رہے تھے آپ ایک شور زمین سے گزرے جب عبداللہ بن ابی کے پاس پہنچے تو اس نے کہا اجی تم مجھ سے دور رہو تمہارے گدھے کی بدبو سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے اس کے جواب میں ایک انصاری صحابی نے کہا کہ اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کا گدھا خوشبو کے اعتبار سے تجھ سے بڑھ کر ہے یہ بات سن کر عبداللہ بن ابی کی قوم میں سے ایک آدمی کو غصہ آ گیا اور دونوں میں گالم گلوچ ہونے لگی اور دونوں میں سے ہر شخص کے ساتھیوں کو غصہ آ گیا جس کی وجہ سے ٹہنیوں اور ہاتھوں اور چپلوں سے کچھ مار پیٹ ہو گئی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آیت کریمہ وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا واقعہ مذکورہ کے بعد نازل ہوئی یہ صحیح بخاری ۳۷۰ کی روایت ہے صاحب درمنثور نے آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے دوسری روایت بھی نقل کی ہیں (اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں ہے کیونکہ کسی آیت کے اسباب نزول ایک سے زائد بھی ہو سکتے ہیں)۔

آیت کریمہ میں مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دینے کا اور اگر صلح ہو جانے کے بعد دونوں جماعتوں میں سے کوئی جماعت زیادتی کرے تو اس سے جنگ کا حکم دیا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے یعنی لڑائی کو چھوڑ دے اور اللہ کے دین کے مطابق جینے کا فیصلہ کر لے اور صلح کرانے والوں کو بتا دے اور یقین دلا دے کہ اب ہمیں لڑنا نہیں ہے۔

بغاوت کو دبانے کے لئے جو جنگ لڑی جائے اس میں جو فریق زیادتی پر اتر آیا تھا وہ اپنے ارادہ سے باز آ گیا تو یہ صلح کرانے والے ان رجوع کرنے اور لڑائی چھوڑ دینے والوں کو نہ دبائیں حق اور ناحق کو دیکھیں اور عدل و انصاف کے ساتھ دونوں فریقوں کے درمیان صلح کرا دیں انصاف بہت بڑی چیز ہے اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والے کو پسند فرماتا ہے محض جنگ رکوا دینا کافی نہیں ہے آپس میں صلح بھی کرا دی جائے اور یہ جو بات مابہ النزاع ہے اس کو ختم کرا دیا جائے ورنہ آئندہ پھر لڑائی کا امکان رہے گا اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں میں لڑائی ہونے لگے تو امام المسلمین پر واجب ہے کہ ان کے درمیان صلح کرا دے اور دونوں فریق کو کتاب و سنت کے احکام قبول کرنے پر آمادہ کرے اگر کوئی جماعت امام المسلمین ہی سے باغی ہو جائے تو امام ان سے گفتگو کرے ان کی شکایت سنے ان کو کوئی شبہ ہے یا غلط فہمی ہے تو اس کو دور کرے اگر یہ باغی جماعت امام اور امیر کی مخالفت کی ایسی وجوہ پیش کرے جن سے امام کا ظالم ہونا یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے تو عامۃ المسلمین اس جماعت کی مدد کریں جو امام کی اطاعت سے منحرف ہو گئی تا کہ امام اپنے ظلم سے باز آ جائے اگر باغی فرقہ ایسی وجوہ نہ بتا سکے جن سے امام المسلمین کا ظالم ہونا ثابت ہوتا ہو اور یہ باغی جماعت سمجھانے سے بھی باز نہ آئے اور امام المسلمین سے جنگ کرنے ہی پر تلی رہے تو امام المسلمین اور عامۃ المسلمین اس جماعت سے قتال کریں تا کہ امام المسلمین کے باغی لوگ اطاعت میں آ جائیں...... اس سلسلہ کی تفصیلات ہدایہ اور دیگر کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

آخر میں فرمایا إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ کہ سارے مومن آپس میں ایمانی رشتہ کی وجہ سے آپس میں بھائی بھائی ہیں (اول تو انہیں خود ہی بھائی بھائی ہونے کا لحاظ رکھنا لازم ہے آپس میں لڑائی نہ کریں میل محبت کے ساتھ رہیں کسی کی طرف سے کوئی خطا ہو جائے حقوق کی ادائیگی میں بھول چوک ہو جائے تو درگزر کرتے رہیں لفظ إِخْوَةٌ میں اس بات کو واضح فرما دیا) اور اگر دو جماعتوں میں کوئی بگاڑ ہو جائے اور کوئی فریق درگزر کرنے کو تیار نہ ہو جس سے جنگ و جدال کی نوبت آ سکتی

ہے تو دوسرے مسلمان اس وقت کے اہم تقاضے کو پورا کریں یعنی دونوں فریق کے درمیان باہمی صلح کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں ان دونوں کی اصلاح اور ان کے درمیان صلح کرانے کی ہر ممکن کوشش کریں اس کے لئے تدبیریں سوچیں اور آپس میں جوڑ بٹھادیں اور آپس میں تعلقات استوار کرادیں ان ساری کوششوں میں اور زندگی کے ہر موڑ میں اللہ سے ڈرتے رہیں اگر خوف خدا ہوگا تو حدود شرعیہ کی رعایت کرسکیں گے اصلاح کی کوششیں اور اللہ تعالیٰ کا خوف اللہ تعالیٰ کی رحمت کو لانے والی چیزیں ہیں اسی لئے آخر میں لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ فرمایا

سورۃ النساء میں فرمایا لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (نہیں ہے کوئی بھلائی ان کے بہت سے مشوروں میں مگر جو شخص صدقے کا یا اچھی باتوں کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا حکم دے اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے کرے گا سو ہم اس کو بڑا اجر دیں گے) آیت میں فرمایا کہ صدقہ کا حکم اور امر بالمعروف (بھلائی کا حکم دینا اور لوگوں کے درمیان صلح کرا دینا ان کاموں کا مشورہ ہونا چاہئے، اصلاح بین الناس یعنی لوگوں کے درمیان صلح کرادینا ان کی رنجشیں دور کردینا اور ان کے دلوں کے جوڑنے کی کوشش کرنا روٹھے ہوئے دوستوں کو منادینا میاں بیوی کے درمیان موافقت پیدا کرنا بہت بڑی ثواب کی چیزیں ہیں، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو نفلی روزوں اور صدقہ دینے اور نفلی نماز پڑھنے کے درجے سے بھی افضل چیز نہ بتادوں؟ ہم نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیے' آپ نے فرمایا کہ یہ چیز آپس میں صلح کرادینا ہے (پھر فرمایا کہ بغض یعنی آپس کا بگاڑ) مونڈ دینے والا ہے۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی وقال ہذا حدیث صحیح)

دوسری روایت میں ہے کہ میں یہ نہیں کہتا بغض بالوں کو مونڈتا ہے بلکہ وہ دین کو مونڈ دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۸ از احمد و ترمذی)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ

اے ایمان والو نہ تو مرد مردوں کی ہنسی اڑائیں' ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں' اور نہ

نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ

عورتیں عورتوں کی ہنسی اڑائیں' ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں' اور نہ اپنی جانوں کو عیب لگاؤ' اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے

الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

یاد کرو' اور ایمان کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے اور جو شخص توبہ نہ کرے یہ لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔ اے

اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ

ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو' بلاشبہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں' اور تجسس نہ کرو' اور تم میں سے بعض بعض کی غیبت

بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

نہ کریں' کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے سو تم اس کو برا سمجھتے ہو' اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ

تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ

توبہ قبول کرنے والا ہے مہربان ہے۔ اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے مختلف خاندان اور قبیلے بنادیئے تاکہ آپس میں

لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾

شناخت کرسکو بے شک تم میں سب سے بڑا عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے، جو تم میں سب سے بڑا پرہیزگار ہے، بے شک اللہ جاننے والا ہے باخبر ہے۔

باہمی مل کر زندگی گزارنے کے چند احکام

تفسیر: ان آیات میں اہل ایمان کو چند نصیحتیں فرمائی اولاً تو یہ فرمایا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ کہ ایک دوسرے کا مذاق نہ بنائیں اور کوئی کسی کے ساتھ تمسخر نہ کرے چونکہ مردوں کا آپس میں زیادہ ملنا جلنا رہتا ہے، اور عورتوں کا عورتوں سے زیادہ میل جول رہتا ہے اس لئے طرز خطاب یوں اختیار فرمایا کہ مرد مردوں کا مذاق نہ بنائیں اور عورتیں عورتوں کا مذاق نہ بنائیں، یہ مطلب نہیں ہے کہ مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی مذاق اڑانے کی اجازت دی گئی ہے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ ہنسی کرنے والوں کو اس کا کیا حق ہے کہ کسی کا مذاق بنائیں اصل بڑائی ایمان اور اعمال صالحہ سے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہونے سے ہے کوئی شخص دوسرے آدمی کے اعمال اور باطنی جذبات اخلاص وحسن نیت کو نہیں جانتا اور یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے یا نہیں؟ موت کے بعد کون کس سے افضل ہوگا اس کا بھی علم نہیں ہو سکتا ہے یا جس کا مذاق بنایا جا رہا ہے وہ مذاق بنانے والے سے بہتر ہو مردوں میں بھی یہی بات ہے اور عورتوں میں بھی اگر موت کے بعد اپنے اچھے حال کا اور جس کا مذاق بنا رہے ہیں اس کی بدحالی کا یقین ہو جاتا تو تمسخر کرنے کی کوئی وجہ بھی تھی، لیکن جب اپنے ہی بارے میں علم نہیں کہ میرا کیا بنے گا تو دوسرے کا مذاق بنانے کا کیا مقام ہے؟ کسی کی مذاق بنانے میں ایک تو تکبر ہے کیونکہ مذاق بنانے والا یہ سمجھتا ہے کہ میں ایسا نہیں ہوں جیسا وہ ہے اگر اپنے حالات کا استحضار ہو تو کبھی کسی کی برائی اور غیبت کرنے اور کسی کا مذاق بنانے کی نہ ہمت ہو نہ فرصت ملے، دوسرے کا مذاق بنانے میں ایذاء رسانی بھی ہے اس سے اس کو قلبی تکلیف ہوتی ہے جس کا مذاق بنایا گیا ایذاء دینا حرام ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کر اور اس سے مذاق نہ کر (جس سے اسے تکلیف پہنچے) اور اس سے کوئی ایسا وعدہ نہ کر جس کی تو خلاف ورزی کرے (مشکوٰۃ المصابیح ۴۱۴)

خوش طبعی کے طور پر جو آپس میں مذاق کیا جائے جسے عربی میں مزاح کہتے ہیں وہ دُرست ہے مگر جھوٹ بولنا اس میں بھی جائز نہیں ہے اور اگر مزاح سے کسی کو تکلیف ہوتی ہو تو وہ بھی جائز نہیں ہے رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی مزاح فرمالیتے تھے آپ نے فرمایا میں اس موقع پر بھی حق بات ہی کہتا ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۶)

یاد رہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ مذاق بنانا زبان سے ہی ہو، آنکھ سے یا ہاتھ سے یا سر سے اشارہ کر کے کسی کا مذاق بنانا اسے معلوم ہو یا نہ ہو یہ سب حرام ہے سورۃ الہمزہ میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔

فقال اللہ تعالیٰ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ

دوسری نصیحت: یہ فرمائی وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (اور اپنی جانوں کو عیب نہ لگاؤ) یہ بھی بہت جامع نصیحت ہے کسی کو طعنہ دینا اس کے جسم میں بول چال میں قد میں عیب ظاہر کرنا زبان سے ہو یا اشارہ سے خط میں لکھ کر یا مضمون شائع کر کے لفظوں کے عموم میں یہ سب باتیں آگئیں اگر کسی میں کوئی عیب موجود ہو تب بھی عیب ظاہر کرنے کے طور پر بیان کرنا حرام ہے کسی دراز قد کو لمڈھیک یا لمبو یا پستہ قد کو ٹھگنا بتادیا کسی کے ہلکے پن کی نقل اتار دی جس کی چال میں فرق ہے اسے لنگڑا کہہ دینا نابینا کو اندھا کہہ کر پکارنا سیدھے آدمی کو بدھو کہنا یہ سب عیب لگانے کے زمرے میں آتا ہے یہ سب اور اس طرح کی جو باتیں عام طور پر رواج پذیر ہیں ان سب باتوں سے پرہیز کرنا لازم ہے رسول اللہ ﷺ کی ازواج میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قد چھوٹا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کہا کہ صفیہ کا قد بس اتنا سا ہے (اور یہ بطور عیب لگانے کے کہا) آپ نے فرمایا کہ تو نے ایسا کلمہ بولا ہے کہ اگر اسے سمندر میں ملا دیا جائے تو اسے بھی خراب کر کے رکھ دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۴)

یاد رہے کہ وَلَا تَلْمِزُوْا غَيْرَكُمْ نہیں فرمایا بلکہ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سب مسلمان آپس میں ایک ہی ہیں جب کسی کو کچھ کہیں گے تو وہ الٹ کر جواب دے گا اس طرح سے اپنا عمل اپنے ہی طرف لوٹ کر آجائے گا دوسرے کو عیب لگانے والا خود اپنی بے آبروئی کا سبب بنے گا۔

تیسری نصیحت یہ فرمائی وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے یاد کرو) ایک دوسرے کو برا لقب دینے اور برے القاب سے یاد کرنے کی ممانعت فرمائی ہے مثلاً کسی مسلمان کو فاسق یا منافق یا کافر کہنا یا اور کسی ایسے لفظ سے یاد کرنا جس سے برائی ظاہر ہوتی ہو اس سے منع فرمایا' کسی کو کتا' یا گدھا یا خنزیر کہنا کسی نومسلم کو اس کے سابق دین کی طرف منسوب کرنا یعنی یہودی یا نصرانی کہنا یہ سب تنابز بالالقاب میں آتا ہے یہ بھی حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اہلیہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے یہودی دین پر تھیں ان کا اونٹ مریض ہو گیا تو آپ نے اپنی دوسری اہلیہ زینب بنت جحشؓ سے فرمایا کہ اسے ایک اونٹ دے دو' انہوں نے کہا کیا میں اس یہودی عورت کو دے دوں؟ رسول اللہ ﷺ ان کے اس جواب کی وجہ سے غصہ ہو گئے اور ذی الحج اور محرم اور کچھ ماہ صفر کا حصہ ایسا گزرا کہ آپ نے زینب سے تعلقات نہیں رکھے (رواہ ابوداؤد ص ۲۷۶ جلد ۲) مسند احمد ۳۳۷' ۳۳۸ ج ۶ میں ہے یہ واقعہ سفر حج کا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت میں تنابز بالقاب سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی گناہ یا برا عمل کیا ہو اور پھر اس سے تائب ہو گیا اس کے بعد اس کو اس برے عمل کے عنوان سے پکارا جائے مثلاً چور یا زانی یا شرابی وغیرہ کہہ دیا جائے (معالم التنزیل) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کسی گناہ کی وجہ سے عیب دار بتایا یعنی عیب لگایا تو یہ شخص اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک خود اس گناہ کو نہ کرلے (مشکوٰۃ المصابیح ۴۱۴)

پھر فرمایا بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ (اور ایمان کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ تم مومن ہو اگر کسی کا مذاق بناؤ گے' عیب لگاؤ گے' برے لقب سے یاد کرو گے تو یہ فسق کا کام ہوگا۔ کہنے والے کہیں گے کہ دیکھو وہ آدمی فاسق ہے مسلمان ہو کر فسق اور گناہگاری کا کام کرتا ہے اپنی ذات کو برائی سے موصوف اور معروف کرنا بری بات ہے کوئی شخص مومن ہو اور اس کی شہرت گناہگاری کے ساتھ ہو یہ بات اہل ایمان کو زیب نہیں دیتی جب اسلام کو اپنا دین بنا

لیا تو اسلام ہی کے کاموں پر چلیں اور صالحین میں شمار ہوں فاسقین کی فہرست میں کیوں شمار ہوں، تفسیر قرطبی میں بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ کا ایک معنی یہ لکھا ہے کہ جب کسی شخص نے گناہ کرلیا پھر توبہ کرلی تو اس کو فسق کے نام سے یاد کرنا بری بات ہے اور مثلاً نو مسلم کو کافر بتانا سابق گناہ کی وجہ سے زانی یا سارق یا چور کہنا بری بات ہے یعنی جس کے حق میں یہ بات کہہ رہے ہو اس کو بُرے لقب سے کیوں یاد کر رہے ہو؟ اس کی آبرو کے خلاف لقب کیوں دے رہے ہو؟

چوتھی نصیحت پھر فرمایا وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (اور جو گناہوں سے توبہ نہ کرے سو یہ لوگ ظلم کرنے والے ہیں) ان کا ظلم ان کی جانوں پر ہے تمام گناہوں سے توبہ کریں عموم حکم ان تینوں گناہوں سے توبہ کرنے کو بھی شامل ہے جن کا آیت بالا میں ذکر گزرا۔

پانچویں نصیحت پھر فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ (اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچو) ساتھ ہی یہ بھی فرمایا اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (بعض گمان گناہ ہوتے ہیں) بات یہ ہے کہ بدگمانی بہت سے گناہوں کا پیش خیمہ ہوتی ہے بہت سے لوگوں میں وہ بات ہوتی ہی نہیں جسے محض اٹکل اور گمان سے طے کرلیا جاتا ہے اور پھر اپنے گمان کے مطابق تہمتیں لگاتے ہیں اور غیبتیں کرتے ہیں بدگمانی کی بنیاد پر جو باتیں کہی جاتی ہیں وہ آگے بڑھتی ہیں اس سے آپس میں فتنہ فساد پیدا ہوتا ہے حالانکہ گمان اپنا ایک ذاتی خیال ہوتا ہے خیال کا صحیح ہونا ضروری نہیں اسی لئے سورۃ النجم میں فرمایا ہے اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (گمان حق کے بارے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا) مومنین سے اچھا گمان رکھیں اور بدگمانی سے پرہیز کریں ایک حدیث میں ارشاد ہے ایاکم والظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ (یعنی گمان سے بچو کیونکہ گمان سب باتوں سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۲۷)

یاد رہے کہ اگر کسی شخص سے کچھ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس سے میل جول میں احتیاط کرنا اور اس کے شر سے بچنے کے لئے یہ خیال کرنا کہ ممکن ہے کہ یہ مجھے کوئی تکلیف پہنچا دے یہ اس گمان میں نہیں آتا جو گناہ ہے اپنی احتیاط کرلے غیبت نہ کرے اور گمان کو یقین کا درجہ بھی نہ دے۔

(آیت کریمہ میں فرمایا کہ اے ایمان والو بہت سے گناہوں سے بچو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ بعض گمان گناہ نہیں ہوتے بلکہ محمود اور مستحسن بھی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ اچھا گمان رکھے کہ وہ بخش دے گا معاف فرما دے گا اور ساتھ ہی گناہوں سے بھی پرہیز کرتا رہے نیز مسلمانوں کے ساتھ خاص کر جو مومنین صالحین ہوں اچھا گمان رکھا جائے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ (کہ حسن ظن عبادت کی ایک صورت ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۹ از احمد و ابوداؤد)

البتہ مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ ایسے احوال اور ایسے مواقع سے بچیں جن کی وجہ سے دیکھنے والوں کو اور ساتھ رہنے والوں کو بدگمانی ہوسکتی ہے اپنے اعمال و احوال چال ڈھال اور اقوال میں ایسا انداز اختیار نہ کرے جس سے لوگوں کی بدگمانی کا شکار ہو جائے کیونکہ لوگوں کی نظروں میں برا بن کر رہنا بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

چھٹی نصیحت یوں فرمائی وَلَا تَجَسَّسُوْا (اور تم تجسس نہ کرو) یعنی لوگوں کے عیوب کا سراغ نہ لگاؤ اور اس تلاش میں نہ رہو کہ فلاں شخص میں کیا عیب ہے اور تنہائی میں کیا عمل کرتا ہے یہ تجسس کا مرض بھی بہت برا ہے بہت سے لوگ اس میں مبتلا

رہتے ہیں حالانکہ اس کا وبال بہت بڑا ہے دنیا اور آخرت میں اس کی سزا مل جاتی ہے اور تجسس کرنے والا ذلیل ہو کر رہ جاتا ہے بہت سی مرتبہ تجسس میں بدگمانی کو استعمال کرنا پڑتا ہے جس کی ممانعت ابھی معلوم ہوئی مومن کا کام یہ ہے کہ اگر اپنے مسلمان بھائی کا کوئی عیب دیکھے تو اسے چھپائے نہ یہ کہ کسی کے عیب کے پیچھے پڑے اور ٹوہ لگائے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی کی کوئی ایسی چیز دیکھ لی جس کے ظاہر ہونے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا تو پھر اس کو چھپالیا تو اس کا اتنا بڑا ثواب ہے کہ جیسے کسی نے زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو زندہ کر دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۲۴)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور بلند آواز سے پکار کر فرمایا کہ اے وہ لوگو جو زبانی طور پر مسلمان ہو گئے اور ان کے دلوں میں ایمان نہیں پہنچا مسلمانوں کو تکلیف نہ دو اور انہیں عیب نہ لگاؤ ان کے چھپے ہوئے حالات کی تلاش میں نہ لگو کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے پوشیدہ عیب کے ظاہر ہونے کے پیچھے پڑتا ہے اللہ تعالیٰ شانہ اس کے چھپے ہوئے عیب کا پیچھا کرتا ہے یہاں تک کہ اسے رسوا کرتا ہے اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہو۔ (رواہ الترمذی)

یاد رہے کہ جس طرح سے کسی کے عیب یا گناہ یا بدحالی کا پتہ چلایا جائے یہ سب تجسس میں داخل ہے چھپ کر باتیں سننا یا اپنے کو سوتا ہوا ظاہر کر کے کسی کی باتیں معلوم کر لینا یہ سب تجسس ہے جو ممنوع ہے۔

ساتویں نصیحت یہ فرمائی وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا (کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو مزید فرمایا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ (کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے سو اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو) یعنی غیبت کرنا اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر ہے جیسے تمہیں مردہ بھائی کا گوشت کھانا گوارا نہیں اسی طرح غیبت کرنا بھی ناگوار ہونا لازم ہے بات یہ ہے کہ غیبت بہت بری بلا ہے نمازی اور تقویٰ کے دعویدار اور اپنی بزرگی کا گمان رکھنے والے تک اس میں مبتلا ہوتے ہیں دنیا میں کچھ محسوس نہیں ہوتا قیامت کے دن جب اتنی چھوٹی سی زبان کی کھیتیاں کاٹنی پڑیں گی اس وقت احساس ہوگا کہ ہائے ہم نے کیا کیا لیکن اس وقت کا پچھتانا کچھ کام نہ دے گا اب اس بات کو سمجھیں کہ غیبت کیا چیز ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے سوال فرمایا کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں آپ نے فرمایا ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ کہ تمہارا اپنے بھائی کو اس طرح یاد کرنا کہ اسے برا لگے یہ غیبت ہے ایک شخص نے عرض کیا کہ جو بات میں بیان کر رہا ہوں اگر وہ میرے بھائی کے اندر موجود ہو تو اسے بیان کرنے کے بارے میں کیسا ارشاد ہے؟ فرمایا اگر تیرے بھائی میں وہ عیب کی بات موجود ہے جسے تو بیان کر رہا ہے تب ہی تو غیبت ہوئی اور اگر تو نے کوئی ایسی بات بیان کی جو اس کے اندر نہیں ہے تب تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔ (رواہ مسلم ص ۳۲۳، ج ۲)

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ کسی کا واقعی عیب یا گناہ بیان کرنا ہی غیبت ہے اگر جھوٹی بات کسی کے ذمہ لگا دی تو وہ تہمت دھرنا ہوا اس میں دوگنا گناہ ہے ایک گناہ تہمت دھرنے کا دوسرا غیبت کرنے کا رسول اللہ ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ اپنے بھائی کو ایسے طریقہ پر یاد کرنا جس سے اسے ناگواری ہو اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ سامنے کہنا بھی غیبت ہے اور تہمت دھرنا بھی غیبت میں شامل ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں سننے والے کو ناگوار ہوتی ہیں غیبت کی بنیاد یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں کچھ کہا جا رہا ہے وہ اسے برا لگے سامنے ہو یا پیچھے جو لوگ غیبتیں کرتے ہیں پھر یوں کہہ دیتے ہیں کہ میں غلط

نہیں کہہ رہا ہوں میں اس کے منہ پر کہہ سکتا ہوں حدیث بالا سے ان کی جرأت بے جا کا پتہ چلا ایسے لوگ نفس اور شیطان کے دھوکے میں ہیں، گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں جس کا عذاب اور وبال بہت بڑا ہے اور سمجھتے یوں ہیں کہ ہم گناہ سے بَری ہیں اللہ تعالیٰ شانہ سمجھ دے۔

غیبت کا تعلق چونکہ حقوق العباد سے بھی ہے اس اعتبار سے غیبت سے بچنے کا اہتمام کرنا بہت زیادہ ضروری ہے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ غیبت زنا سے زیادہ سخت کیسے ہے؟ آپ نے فرمایا ایک شخص زنا کر لیتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے اور اگر کوئی شخص غیبت کرلے تو اس وقت تک اس کی مغفرت نہ ہوگی جب تک وہ شخص معاف نہ کردے جس کی غیبت کی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵)

بات یہ ہے کہ غیبت کرنے میں حق اللہ اور حق العبد دونوں کا ضائع کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے چونکہ غیبت کرنے سے منع فرمایا ہے اس لئے غیبت کرنا حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور چونکہ بندہ کی بھی بے آبروئی کی ہے اس لئے اس کا حق بھی ضائع کیا اس کا نام احترام سے لیا جاتا ہے کم از کم اس کی برائی (نہ کی جاتی' جب غیبت کرلے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی مانگ لے البتہ بعض اکابر نے یہ فرمایا ہے کہ اگر اسے اطلاع پہنچ گئی ہو تو معافی مانگ لے اور اگر اطلاع نہ پہنچی ہو تو اس کے لئے اتنی بار مغفرت کی دعا کرے کہ دل یہ گواہی دے دے کہ غیبت کی تلافی ہوگئی' ایک حدیث میں ہے کہ غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تو اس کے لئے استغفار کرے جس کی غیبت کی ہے اور یوں دعا کرے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ اے اللہ ہماری اور اس کی مغفرت فرما دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۱۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات کو مجھے معراج کرائی گئی ایسے لوگوں پر میرا گزر ہوا جن کے تانبے کے ناخن تھے وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے میں نے جبرائیل سے پوچھا کہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی بے آبروئی کرتے تھے (رواہ ابوداؤد ۳۱۳ ج ۲) غیبت کرنے والے آیت کریمہ اور احادیث شریفہ کے مضامین پر اور اس سلسلہ کی وعیدوں پر غور کریں۔

جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت سننا بھی حرام ہے اگر کوئی شخص کسی کی غیبت کر رہا ہو تو سننے والے پر لازم ہے کہ اس کا کاٹ کرے اور جس کی غیبت ہو رہی ہے اس کی طرف سے دفاع کرے حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے اپنے بھائی کی طرف سے دفاع کیا جس کا غیبت کے ذریعہ گوشت کھایا جا رہا تھا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ اسے دوزخ سے آزاد کردے اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی مسلمان اپنے بھائی کی آبرو کی طرف سے دفاع کرے اللہ تعالیٰ شانہ کے ذمہ ہوگا کہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ کو اس سے دور رکھے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ تلاوت فرمائی۔ (ذکرھا صاحب المشکوٰۃ ۴۲۴)

اور حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی منافق کی باتوں سے کسی مومن کا دفاع کیا اللہ تعالیٰ شانہ قیامت کے دن ایک فرشتہ بھیجے گا جو اس کے گوشت کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا اور جس کسی شخص نے مسلمان میں کوئی عیب ظاہر کیا اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کے پل پر روک دے گا جب تک

اپنی کہی ہوئی بات سے نہ نکل جائے یعنی معافی مانگ کر اسے راضی نہ کرلے جس کو عیب دار بتایا تھا (رواہ ابوداؤد ۳۱۳ ج ۲)

اور حضرت جابر اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی مسلمان کی کسی جگہ بے حرمتی کی جارہی ہو اور اس کی آبرو گھٹائی جارہی ہو اور وہاں جو شخص موجود ہو اس کی مدد نہ کرے (یعنی برائی کرنے والے کو اس کے عمل سے نہ روکے) اللہ تعالیٰ ایسی جگہ میں اسے بغیر مدد کے چھوڑ دے گا جہاں وہ اپنی مدد کا خواہش مند ہوگا اور جس کسی نے مسلمان کی ایسی جگہ مدد کی جہاں اس کی آبرو گھٹائی جارہی ہو اور بے حرمتی کی جارہی ہو اللہ تعالیٰ اس شخص کی ایسی جگہ میں مدد فرمائے گا جہاں وہ اپنی مدد کا خواہش مند ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۴۲۴)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ غیبت کرنا بھی حرام ہے اور غیبت سننا بھی حرام ہے اگر کسی کے سامنے کوئی شخص کسی کی غیبت کرنے لگے تو اس کا دفاع کرے۔

یہ جو ارشاد فرمایا اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ اس بارے میں حدیث شریف میں ایک واقعہ مروی ہے اور وہ یہ کہ ایک صحابی نے زنا کرلیا تھا جن کا نام ماعز رضی اللہ عنہ تھا انہوں نے رسول اللہ علیہ ﷺ کی خدمت میں چار مرتبہ اقرار کیا کہ میں نے ایسا کیا ہے پھر ان کو سنگسار کردیا گیا ایک شخص نے اپنے ساتھی سے راہ چلتے ہوئے کہا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی لیکن اسے رہا نہ گیا یہاں تک کہ کتے کی طرح اس کی رجم کی گئی یعنی پتھروں سے مارا گیا رسول اللہ علیہ ﷺ نے یہ بات سن لی اور خاموشی اختیار فرمائی پھر کچھ دور آگے بڑھے تو ایک مردہ گدھے پر گزر ہوا جو اوپر کو ٹانگ اٹھائے ہوئے تھا آپ نے فرمایا فلاں فلاں کہاں ہیں (ایک بات کہنے والا دوسرا بات سننے والا) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم حاضر ہیں فرمایا تم دونوں اترو اور اس مردار گدھے کی نعش سے کھاؤ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس میں سے کون کھا سکتا ہے آپ نے فرمایا وہ جو ابھی ابھی تم نے اپنے بھائی کی بے آبروئی کی ہے وہ اس گدھے کی نعش کھانے سے زیادہ سخت ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بے شک وہ اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ (رواہ ابوداؤد ص ۲۵۲ ج ۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردہ شخص کی غیبت کرنا بھی حرام ہے جیسا کہ زندہ کی غیبت کرنا حرام ہے۔

فائدہ: یہ ضروری نہیں کہ زبان سے جو غیبت کی جائے وہی غیبت ہو آنکھ کے اشارہ سے ہاتھ کے اشارہ سے نقل اتارنے سے بھی غیبت ہوتی ہے کسی کی اولاد میں عیب نکالے کسی کی بیوی کا کوئی عیب بیان کردے اس میں ڈبل غیبت ہے باپ کی بھی اور اولاد کی بھی اور بیوی کی بھی اور شوہر کی بھی، بہت سے لوگوں کو غیبت کا ذوق ہوتا ہے جس سے ملتے ہیں جہاں ملتے ہیں کسی نہ کسی کا برائی سے تذکرہ کردیتے ہیں اور آخرت کے عذاب سے بچنے کی کوئی فکر نہیں کرتے۔

فائدہ: اگر کسی شخص کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے کسی ظالم کا حال بیان کردیا جائے تو یہ غیبت حرام میں نہیں آتا۔

آٹھویں نصیحت: پھر فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ (اور اللہ سے ڈرو) اس میں سب گناہوں سے بچنے کا حکم فرمادیا اور ساتھ ہی اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ بھی فرمایا کہ بلاشبہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے مہربان ہے، جس کسی سے جو گناہ ہوگیا ہو اس سے توبہ کرے اور کسی بندہ کا کوئی حق مار لیا ہو غیبت کی ہو بے آبروئی کی ہو اس سے بھی معاف کرالے اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے گا معاف فرمادے گا۔

نویں نصیحت: اس کے بعد فرمایا کہ اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے

چھوٹے بڑے قبیلے بنادیئے تاکہ آپس میں جان پہچان ہو کہ یہ فلاں قبیلہ کا ہے اور یہ فلاں خاندان کا ہے آدمی ہونے میں برابر ہو کیونکہ سب آدم اور حوا علیہما السلام کی اولاد ہو لہٰذا آدمیت میں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور اصل فضیلت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے اور وہ فضیلت تقویٰ سے ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے اس آیت کریمہ میں فضیلت اور عزت کا معیار بتادیا ہے اس کے برخلاف لوگوں کا یہ حال ہے کہ بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں نمازوں کے بھی تارک ہیں زکوتیں بھی نہیں دیتے فسق و فجور میں مبتلا ہیں حرام کھاتے ہیں اور حرام کھلاتے ہیں لیکن نسب کی بڑائی بگھارتے ہیں سید اور ہاشمی اور صدیقی اور فاروقی، عثمانی، علوی، انصاری، شیخ، ملک، چوہدری، اور دیگر نسبتوں کے بغیر اپنا نام ہی نہیں بتاتے آرہے ہیں سید صاحب ڈاڑھی مونڈی ہوئی ہے پتلون پہنے ہوئے ہیں ٹائی لگی ہوئی ہے بینک کے منیجر ہیں اپنے نانا جان سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے اعمال سے کچھ بھی نسبت نہیں، ظاہر اور باطن دشمنوں کے ہاتھ بکا ہوا ہے اور ہیں سید صاحب، یہی حال دوسری نسبتیں استعمال کرنے والوں کا ہے یہ لوگ جن قوموں کو کم تر جانتے ہیں ان کے علماء و صلحاء نمازی اور متقی حضرات کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں کچھ لوگ سفید سرخ رنگ ہونے کی وجہ سے اور کچھ لوگ عربی ہونے کی وجہ سے اپنی فضیلت کی خام خیالی میں مبتلا ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انک لست بخیر من احمر ولا اسود الا أن تفضله بتقوی (بے شک تو کسی گورے اور کالے سے بہتر نہیں ہے اِلّا یہ کہ تو تقویٰ میں بڑھ جائے) (رواہ احمد فی مسندہ عن ابی ذر رضی اللہ عنہ ۱۰۸۵)

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صفا پر چڑھ کر قریش سے خطاب فرمایا اور فرمایا کہ اپنی جان کو دوزخ سے بچالو میں قیامت کے دن تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا بنی کعب بنی مرۃ بنی عبد شمس بنی عبد مناف بنی ہاشم بنی عبد المطلب، اے جماعت بنی قریش سب سے الگ الگ خطاب فرمایا اور ان سے یہی فرمایا انقذوا انفسکم من النار کہ اپنی جانوں کو دوزخ سے بچاؤ اپنے چچا عباس بن مطلب اور اپنی پھوپھی صفیہؓ اور اپنی بیٹی فاطمہؓ سے بھی خاص طور سے یہ خطاب فرمایا۔ (رواہ البخاری و مسلم کما فی مشکوۃ المصابیح ۴۶۰)

نسب کی بنیاد پر نجات نہیں ہوگی ایمان کی بنیاد پر نجات ہوگی اور اعمال صالحہ کی بنیاد پر رفع درجات ہوگا رسول اللہ ﷺ کی شفاعت بھی اہل ایمان ہی کے لئے ہوگی۔

جزوی طور پر جو نسبی شرف کسی کو حاصل ہے اس کے بل بوتہ پر گناہ کرتے چلے جانا اور اپنے کو دوسری قوموں کے متقی لوگوں سے برتر سمجھنا یہ بہت بڑے دھوکہ کی بات ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت (یعنی متکبرانہ مقابلہ بازی) کو اور باپوں پر فخر کرنے کو ختم کردیا ہے اب تو بس مومن متقی ہے یا فاجر شقی ہے انسان سب آدم کے بیٹے ہیں آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ (رواہ ابو داؤد والترمذی کما فی المشکوۃ ۴۱۸)

دسویں نصیحت: اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ بے شک اللہ جاننے والا ہے باخبر ہے۔

استحضار ہے کہ کیونکہ اللہ علیم و خبیر ہے کس کا کیا درجہ ہے کون ایمان دار ہے کون بے ایمان ہے کون گناہوں میں لت پت ہے اور آخرت میں کس کا کیا انجام ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے سب تقویٰ اختیار کرنے کے لئے فکر مند ہوں تاکہ متقیوں میں حشر ہو اور ان کا جیسا معاملہ ہو۔

لِتَعَارَفُوْا کی تشریح کرتے ہوئے صاحب بیان القرآن فرماتے ہیں "تعارف کی مصلحتیں متعدد ہیں مثلاً ایک نام

کے دو شخص ہیں خاندان کے تفاوت سے دونوں میں تمیز ہو سکتی ہے اور یہ کہ اس سے دور کے اور نزدیک کے رشتوں کی پہچان ہوتی ہے اور بقدر قرب و بعد نسب کے ان کے حقوق شرعیہ ادا کئے جاتے ہیں اور مثلاً اس سے عصبات کا قرب و بعد معلوم ہوتا ہے تو حاجب اور محجوب متعین ہوتا ہے مثلاً یہ کہ اپنا خاندان ہوگا تو اپنے کو دوسرے خاندانوں کی طرف منسوب نہ کرے گا جس کی ممانعت حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے آیت کریمہ میں لفظ شُعُوْبٌ اور لفظ قَبَآئِل مذکور ہے شعب خاندان کی جڑ کو یعنی اوپر والے خاندان کو اور قبیلہ اس کی شاخ کو کہتے ہیں۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ

دیہات کے رہنے والوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے آپ فرما دیجئے تم ایمان نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ ہم ظاہری فرمانبردار ہو گئے اور ابھی ایمان تمہارے

قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کمی نہیں کرے گا بے شک اللہ غفور ہے

رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

رحیم ہے ایمان والے وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں

وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

اور جانوں سے جہاد کیا، یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں، آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ کو اپنا دین بتا رہے ہو اور اللہ

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ

جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمینوں میں ہے، اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے، وہ آپ پر احسان دھرتے ہیں کہ اسلام لے آئے

قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ

آپ فرما دیجئے کہ مجھ پر احسان نہ دھرو، بلکہ اللہ تم پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت دے دی اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

سچے ہو، بے شک اللہ آسمان اور زمین کی غیب کو جانتا ہے اور اللہ ان کاموں کو دیکھنے والا ہے جو تم کرتے ہو۔

محض زبانی اسلام کا دعویٰ کرنے والوں کو تنبیہ

تفسیر: معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قبیلہ بنی اسد کے چند لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ خشک سالی کا زمانہ تھا ان لوگوں نے ظاہر کیا کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے حالانکہ دل سے مومن نہ تھے انہوں نے مدینہ منورہ کے راستوں میں گندگیاں ڈال کر خراب

کردیا اور مالوں کے بھاؤ بھی مہنگے کردیئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں صبح شام جاتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ کے پاس عرب کے لوگ اپنی جانوں کو لے کر آگئے اور ہم اپنا سارا سامان اور بال بچوں کو لے کر آگئے اور ہم نے آپ سے جنگ نہ کی جیسا کہ فلاں فلاں قبیلہ نے آپ سے جنگ کی یہ باتیں کہہ کر آپ پر احسان رکھتے تھے اور صدقات کے اموال آپ سے طلب کرتے تھے اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آیت بالا نازل فرمائی ارشاد فرمایا قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا دیہات کے لوگوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے یعنی دل سے ہم نے آپ کی تصدیق کر لی اور آپ کے دین کو مان لیا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے (یہ تمہارا زبانی دعویٰ ہے وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا (لیکن تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم نے ظاہری طور پر بات مان لی ہے اور فرمانبرداری کا اعلان کردیا ہے) وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ (اور تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا) محض زبانی اقرار اور ظاہری طور پر اعمال اسلام اپنا لینے سے بندہ مومن نہیں ہوتا اسلام تصدیق قلبی کا نام ہے منافقین کے بارے میں ارشاد ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ (اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ مؤمن نہیں ہیں، بات یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے رسول کو دل سے سچا جاننے اور ماننے سے مومن ہوتا ہے اگر یقین نہ ہو یا یقین تو ہو لیکن تسلیم نہ ہو یعنی مانتا نہ ہو تو مومن نہیں ہوتا جیسا کہ فرعون کی قوم کے بارے میں فرمایا وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (اور انہوں نے ان آیات کا انکار کیا حالانکہ انہیں ان کے سچا ہونے کا یقین تھا اور انکار ظلم اور تکبر کی وجہ سے تھا)

بہت سے لوگ دنیاوی اغراض کیلئے یہ ظاہر کردیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن اندر سے تصدیق نہیں کرتے مسلمان انہیں ظاہری دعویٰ کی وجہ سے مسلمان سمجھ لیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤمن نہیں ہوتے۔

پھر فرمایا وَاِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْــٴًـا اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے دل و جان سے ظاہر سے بھی باطن سے بھی لوگوں کے سامنے بھی تنہائیوں میں بھی تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے کوئی کمی نہ فرمائے گا یعنی تمہارے اعمال کا پورا پورا ثواب دے گا بلکہ کم از کم دس گنا بڑھا کردے گا اس میں یہ بات بتا دی کہ ایمان اعمال صالحہ پر آمادہ کرتا ہے ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بھی آخرت میں کام آئیں گے طلب دنیا کے لئے یہ کہنا کہ ہم مومن ہیں اور ظاہری طور پر ایمان قبول کر لینا آخرت میں مفید نہیں ہے وہاں کی نجات اور اجر و ثواب ایمان حقیقی پر موقوف ہے اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اگر سچے دل سے ایمان قبول کرلو گے تو اس سے پہلے جو کیا ہے اس سب کی معافی ہو جائے گی۔

قوله تعالیٰ: لا یلتکم قرأ أبو عمر ویالتکم بالألف کقوله تعالیٰ: وما التناهم والآخرون بغیر الف وهما لغتان ومعنا هما لا ینقصکم یقال: ألت یالت ألتاً ولاتَ یلیت لیتاً اذا نقص (ذکره فی معالم التنزیل) (معالم التنزیل میں ہے لَا یَلِتْكُمْ اسے ابوعمرو نے لَا یَاْلِتْكُم پڑھا ہے، الف کے ساتھ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَاۤ اَلَتْنٰهُمْ اور دوسروں نے بغیر الف کے پڑھا ہے، اور دونوں صورتوں میں معنی ہے، تمہیں نقصان نہیں پہنچے گا

کہا جاتا ہے اَلت یالت اَلتاً و لاَت یَلِیتَ لیتاً جب نقصان ہو جائے)

اس کے بعد فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (الآیۃ) (اس آیت میں یہ بتایا کہ واقعی اور سچے مومن وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے یعنی انہوں نے سچے دل سے تصدیق کی ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا پھر انہوں نے شک نہیں کیا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اور انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا) اس میں کافروں سے اور اپنے نفس سے جہاد کرنا اور اپنے کو غیر شرعی کاموں سے اور اپنے خاندانوں اور دیگر افراد کو شریعتِ اسلامیہ پر چلانے کے سلسلہ میں محنت اور کوشش کرنا سب داخل ہے اپنے نفس کو دینی تقاضوں پر لگانا اس بارے میں مال و جان خرچ کرنا بڑے مجاہدہ کی بات ہے نفس پر قابو پانے کے لئے فکر مند رہنا لازم ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں . **فی سبیل اللّٰہ فی طاعۃ اللّٰہ عزوجل علی تکثیر فنونھا من العبادات البدنیۃ المحضۃ والمالیۃ الصرفۃ والمشتملۃ علیھما معاً کالحج والجھاد.** (فی سبیل اللہ کا مطلب ہے مختلف شکلوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خواہ وہ محض عبادت بدنی ہو خواہ محض مالی خواہ مالی و بدنی دونوں قسم کی ہو جیسے جہاد اور حج)

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ یہ وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں یعنی ان کا دعوائے ایمان سچا ہے وہ دیہاتی لوگ جنہوں نے اوپر کے دل سے دنیا سازی کے لئے اٰمنا کہہ دیا یہ لوگ مومن نہیں ہیں لفظ انما جو حصر پر دلالت کرتا ہے اس سے یہ معنی مفہوم ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ آیت بالا میں ان لوگوں کو مومن بتایا ہے جو اللہ پر بھی ایمان لائے اور اس کے رسولوں پر اور انہیں اپنے ایمان میں شک بھی نہ ہو اس میں واضح طور پر یہ بتا دیا کہ محض اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور توحید کا قائل ہو جانا ایمان نہیں ہے جو اللہ کے یہاں معتبر ہے اور جس پر نجات کا وعدہ ہے مومن ہونے کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا بھی فرض ہے اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو وحدت ادیان کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ بس اللہ کو مان لینا آخرت کی نجات کے لئے کافی ہے یہ ان لوگوں کی گمراہی ہے۔

معالم التنزیل اور روح المعانی میں لکھا ہے کہ جب آیت بالا نازل ہوئی تو وہ دیہاتی لوگ جنہوں نے اٰمنّا کہا تھا خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ واقعی ہم سچے دل سے اسلام لائے ہیں اس پر آیت کریمہ یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا (الآیۃ) نازل ہوئی یعنی وہ آپ پر اس بات کا احسان دھرتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ آپ فرما دیجئے کہ مجھ پر اپنے مسلمان ہونے کا احسان مت جتاؤ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دیدی اگر تم واقعی ایمان میں سچے ہو) جس کا اب دوبارہ دعویٰ کر رہے ہو تو تمہیں اللہ کا احسان ماننا لازم ہے اللہ تعالیٰ کو ظاہر اور باطن سب کا پتہ ہے تمہارے دین کا بھی علم ہے اللہ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہمارا دین اسلام ہے اگر سچے مسلمان ہو گے تو اللہ تعالیٰ کے علم میں مسلمان شمار ہو جاؤ گے پھر وہ اس کی جزا دیدے گا تمہیں اپنے دلوں کی تلاشی لینا چاہئے کہ واقعی مومن ہیں یا نہیں؟

اس آیت میں جو یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا فرمایا ہے اس کے بارے میں یہ سوال ہوتا ہے کہ انہوں نے تو آمنّا کہا تھا ان کی بات کو لفظ اسلموا سے تعبیر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اس کے بارے میں ایک بات تو یہ سمجھ میں آئی کہ انہوں نے جو امنا کہا تھا ان کا پہلی بار بھی دعوائے ایمان صحیح نہ تھا اور دوبارہ جو انہوں نے یوں کہا کہ ہم واقعی سچے دل سے اسلام لائے ہیں یہ بھی اوپر ہی کے دل سے تھا لفظ اسلموا نے اس بات کو ظاہر کر دیا اور ایک بات اور سمجھ میں آئی وہ یہ کہ اس میں احسان دھرنے والوں کو تنبیہ ہے کہ جب سچے دل سے ایمان لانے والوں کیلئے اسلام قبول کرنے پر احسان دھرنا صحیح نہیں تو اوپر کے دل سے اسلام کا دعویٰ قبول کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول ﷺ پر احسان دھرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

اس میں رہتی دنیا تک آنے والوں اور دین اسلام قبول کرنے کا دعویٰ کرنے والوں کو تنبیہ کر دی گئی کہ جو شخص اسلام قبول کرتا ہے اگر سچے دل سے قبول کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام کا ماننے والا فرد تسلیم کیا جائے گا اور اس کے ساتھ یہ بات بھی بتا دی کہ جو شخص اسلام قبول کرتا ہے وہ اپنے بھلے کے لئے قبول کرتا ہے وہ مسلمان پر احسان نہ دھرے کہ میں مسلمان ہو گیا لہٰذا تم لوگ میرے لئے چندہ کرو اور روٹی رزق کا انتظام کرو، مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس کی مدد کریں لیکن اسے چاہئے کہ مسلمانوں پر احسان نہ دھرے اور نہ ان سے کچھ طلب کرے خود کمائے کھائے آخر زمانہ کفر میں بھی تو کسب کرتا تھا۔

آخر میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اور بے شک اللہ جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے غیب کو) یعنی چھپی ہوئی باتوں اور چھپی ہوئی چیزوں کو وہ خوب جانتا ہے وَاللّٰهُ بَصِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

وهذا آخر تفسير سورة الحجرات ، والحمد لله الذى بعزته ونعمته تتم الصالحات وقد فرغت منه فى الليلة السابعة من شهر شعبان فى ۱۴۱۸ھ والحمد لله اولا واخرا باطناً و ظاهرا.